للہ الحمد ہر آں چیز کہ خاطر می خواست
آخر آمد ز پس پردۂ تقدیر پدید

مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی

شیخ احمد فاروقی سرہندی قدس سرہ السامی

کے

دفتر اوّل (حصہ دوم)

(مکتوب ۱۴۳ تا ۳۱۳)

کا

اردو ترجمہ

مترجمہ

حضرت مولانا سیّد زوّار حسین شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

ناشر

ادارۂ مجددیہ ۲/۵، ایچ، ناظم آباد ۳، کراچی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا ۝

(بیشک یہ ایک نصیحت ہے پس جس کا جی چاہے (اس سے) اپنے رب کی طرف راستہ اختیار کرے)

مکتوباتِ حضرت مجدد الفِ ثانی

شیخ احمد فاروقی سرہندی قدس سرہ السامی

کے

دفترِ اوّل حصہ دوم

(مکتوب ۱۴۳ تا ۳۱۳)

کا

اردو ترجمہ

جس میں ہر مکتوب الیہ کا تذکرہ اور ان کے نام مکتوبات کی تفصیل، نیز مکتوبات شریفہ میں جن بزرگوں کا اسمِ گرامی آیا ہے ان کا تذکرہ بھی حاشیہ میں کر دیا گیا ہے۔ اور مصطلحات کی تشریح اور احادیث شریفہ کی تخریج بھی دیدی گئی ہے۔ اور آخر میں اشاریہ بھی دیدیا ہے جو آیاتِ قرآنی، احادیث شریفہ، اقوالِ بزرگان، مصطلحات، اسماء الرجال، اسماء البلاد اور اسماء الکتب وغیرہ پر مشتمل ہے۔

مترجمہ

حضرت مولانا سید زوار حسین شاہ صاحب

ناشر

ادارۂ مجددیہ، ۲/۵، ایچ، ناظم آباد ۳، کراچی

مطبوعہ احمد برادرس پرنٹرس۔ ناظم آباد ۲، کراچی

۸۰٪

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

فہرستِ مضامین

پیش لفظ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم امابعد الحمدللہ ثم الحمدللہ کہ محض حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے فضل وکرم سے حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی قدس سرہ السامی کے مکتوباتِ شریفہ دفترِ اوّل کا بقیہ اردو ترجمہ (از مکتوب ۱۷۲ تا ۳۱۳) ممکن خوبیوں کے ساتھ شائع کرنے کی سعادت حاصل ہو رہی ہے: ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۔ ؎

جو کچھ ہوا، ہوا کرم سے تیرے   جو کچھ ہوگا تیرے کرم سے ہوگا

حضرت مجدد علیہ الرحمہ کا حُسنِ ذوق ملاحظہ ہو کہ آپ فرماتے ہیں کہ "اس دفتر کو اسی مکتوب پر ختم کریں تاکہ تین سو تیرہ (۳۱۳) کی رعایت ہو جائے کیونکہ یہ عدد پیغمبرانِ مرسل علیہم الصلوات والتسلیمات اور اہلِ بدر رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی تعداد کے موافق ہے۔"

حضرت مجدد قدس سرہ نے اگرچہ مکتوباتِ شریفہ میں بکثرت موضوعات کو حُسن وخوبی اور شرح وبسط کے ساتھ ذکر فرمایا ہے لیکن توحید ورسالت کی شہادت کے بعد نماز چونکہ دین کا اہم ستون ہے اور "الصلوٰۃ معراج المؤمن" اس کی فضیلت میں موجود ہے اس لئے آپ نے بھی نماز کے فضائل اور اس کے مخصوص کمالات سے متعلق چند مکتوب نہایت دلنشین انداز میں تحریر فرمائے ہیں لہٰذا جو حضرات اپنی نمازوں کو بہتر طریقے پر ادا کرنے کا ذوق رکھتے ہوں وہ مندرجہ ذیل مکتوبات (۲۶۰-۲۶۱-۲۶۳-۳۰۳-۳۰۴-۳۰۵-۳۰۶) کا بہت غور سے مطالعہ فرمائیں۔ امید ہے کہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ان کا مطالعہ بیشمار روحانی سعادتوں کا ذریعہ بنا دے گا۔ حضرت مجدد علیہ الرحمہ خود فرماتے ہیں:۔

"مطالعۂ مکتوب را لازم گیرند کہ سودمند است" (۲۳۷)

جن بزرگوں نے ترجمہ وتصحیح میں سعی وکوشش فرمائی ہے عاجز ان سب حضرات کا تہِ دل سے مشکور ہے حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ ان سب کو دونوں جہان کی سعادتوں سے خوب خوب نوازے۔ آمین۔ آخر میں ناظرین سے درخواست ہے کہ جہاں جہاں غلطیاں اور کوتاہیاں عاجز سے ہوئی ہیں ان کی نشان دہی فرما کر ممنون فرمائیں تاکہ آئندہ اس کی اصلاح کر دی جائے۔ مزید دعائے خیر بھی فرمائیں کہ حق تعالیٰ بقیہ دونوں دفاتر کی اشاعت کی سعادت بھی اس عاجز مسکین کو عطا فرما کر حسنِ قبولیت سے نوازے۔ آمین۔ والسلام

احقر وعاجز   محمد اعلیٰ عفی عنہ

بروز دوشنبہ ۱۵ ذی الحجہ سنہ ۱۴۱۰ھ مطابق ۵ جولائی سنہ ۱۹۹۰ء

مکتوب ۱۷۲
صد و ہفتاد و دویم

شیخ بدیع الدین[۱] کی طرف صادر فرمایا ـــــ بعض ایسے خاص اسرار کے بیان میں جو کہ خواص میں سے بھی بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتے ہیں، اور اس بیان میں کہ اس مقام میں عارف اپنے آپ کو دائرہ شریعت سے باہر محسوس کرتا ہے اس کا کیا سبب ہے؟ اور روشن شریعت کے ظاہر کے ساتھ اس کی مطابقت کرنے اور اس کے متعلقات کے بیان میں۔

حمد و صلوٰۃ کے بعد میرے عزیز بھائی کو معلوم ہو کہ شریعت کی ایک صورت ہے اور ایک حقیقت! صورت یہ ہے کہ جس کے بیان کے لئے علمائے ظاہر کفیل و ضامن ہیں، اور اس کی حقیقت وہ ہے جس کے بیان کے لئے صوفیائے عالی مقام ممتاز ہیں۔ صورتِ شریعت کے عروج کی انتہا ممکنات کے سلسلہ کی انتہا تک ہے، اس کے بعد اگر مراتبِ وجوب میں سیر واقع ہو تو صورت حقیقت کے ساتھ مل جائیگی اور یہ امتزاج (یعنی صورت و حقیقت کے ملنے کا معاملہ اُن کے

---

[۱] معارف آگاہ میاں شیخ بدیع الدین بن رفیع الدین بن عبد الستار انصاری سہارنپوری کے نام مکتوبات میں دس مکتوب ہیں دفتر اول میں مکتوب ۱۷۲-۱۹۲-۲۴۷-۲۵۲-۲۵۶-۲۷۶-۲۸۲- دفتر دوم میں ۱۹-۸۸- دفتر سوم ۶- آپ سہارنپور میں پیدا ہوئے وہیں پرورش پائی۔ ابتدائی تعلیم کے بعد حضرت مجددؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے درسی کتابیں پڑھیں اور طریقۂ نقشبندیہ حاصل کیا۔ بعد ازاں تکمیلِ سلوک کے بعد حضرت مجددؒ نے خلافت و اجازت سے سرفراز فرما کر سہارنپور روانہ کر دیا۔ آپ عالم، عامل، متقی، شیریں کلام اور صاحبِ کشف و کرامات اور معارف و بشارات تھے ـــــ کچھ عرصہ بعد حضرت مجددؒ نے آپ کو ارشاد و ہدایتِ طالبان کے لئے آگرہ بھیجدیا اور فرمایا کہ "وہاں استقامت سے کام لینا اور ہماری اجازت کے بغیر وہاں سے نہ آنا"۔ چنانچہ آپ آگرہ پہنچے اور وہاں بہت مقبول ہوئے لیکن بعض امورِ ممنوعہ کی اصلاح کی غرض سے وطنِ مالوف مراجعت کر آئے یہ بات حضرت مجددؒ پر بہت گراں گذری تو آپ نے آگرہ جانے کے لئے حضرت سے اجازت چاہی، حضرت مجددؒ نے فرمایا "وہ وقت ہی تھا اب تمہاری مرضی"۔ چنانچہ آپ آگرہ روانہ ہو گئے۔ لیکن اب آپ کا وہاں ٹھہرنا مشکل ہو گیا بلکہ اس کا اثر حضرت مجددؒ پر بھی پڑا اور جہانگیر بادشاہ نے حضرت مجددؒ کو دربار میں طلب کر لیا اور آپ کی عظمت و شان کا علم نہ ہونے کی وجہ سے قیدخانہ بھیجدیا۔ پھر ایک سال بعد رہائی کا حکم دیا اور مطیع و فرمانبردار بن گیا ـــ شیخ بدیع الدین کو ان حالات کا سخت صدمہ ہوا اور سہارنپور آ گئے اور

شان العلم (علم کی شان) کے عروج تک ہے جو سید البشر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کا مبداء تعین ہے اس کے بعد اگر ترقی واقع ہو تو صورت اور حقیقت دونوں الوداع (رخصت) ہو جائیں گے، اور عارف کا معاملہ شان الحیات (حیات کی شان) تک پہنچ جائے گا۔ اور اس عظیم الشان کی شان کا تعلق اِس عالَم سے کچھ بھی مناسبت نہیں رکھتا بلکہ یہ "شیوناتِ حقیقیہ" سے ہے جس کو نسبت کی گرد بھی نہیں پہنچی تاکہ عالم (دنیا) کے ساتھ اس کا تعلق پیدا ہو اور یہ شان مقصود کا دروازہ اور مطلوب کا پیش خیمہ ہے۔ اس مقام پر عارف اپنے آپ کو شریعت کے دائرہ سے باہر پاتا ہے، لیکن چونکہ وہ محفوظ ہوتا ہے اس لئے شریعت کے دقائق (اسرار) میں سے کسی دقیقہ کو بھی فروگذاشت نہیں کرتا (یعنی شریعت کا پابند رہتا ہے) ——— وہ جماعت جو اس دولتِ عظمیٰ سے مشرف ہوتی ہے وہ اقلِ قلیل (بہت کم) ہے، اگر اس کی تعداد کو شمار کریں تو اقلِ قلیل لوگ ہی (شاید) اس کو قبول کریں۔ اور صوفیا میں سے ایک بڑی تعداد ہے جو اس عالی مقام کے ظل (سایہ) تک پہنچے ہیں، کیونکہ ہر عالی مقام کے لئے اس کے نیچے اس کا ایک ظل سافل (کمتر درجہ) ہے اس مقام عالی کے ظلال سے انھوں نے گمان کر لیا ہے کہ شریعت کے دائرہ سے باہر قدم رکھا گیا ہے اور پوست سے ترقی کر کے مغز تک پہنچ گئے ہیں۔ یہ مقام صوفیہ کے قدموں کے لغزش (پھسلنے) کی جگہ ہے ——— ناقصوں کی ایک جماعت اس راہ کو اختیار کر کے الحاد و زندقہ (بے دینی) میں جا گرے ہیں اور روشن شریعت کے پٹہ کو اپنی گردن سے نکال پھینکا ہے، ضَلُّوْا فَاَضَلُّوْا (خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا)۔

اور کامل حضرات کی ایک جماعت جو ولایت کے درجات میں سے کسی درجہ سے مشرف ہوئی ہے اور اس معرفت کو اس عالی مقام کے ظلال میں سے کسی ظل میں حاصل کیا ہے اگرچہ وہ اس کے اصل مقام تک نہیں پہنچے ہیں لیکن وہ (بھٹکنے سے) محفوظ ہیں اور انھوں نے آدابِ شریعت میں سے کسی ایک ادب کو بھی فروگذاشت کرنا پسند نہیں کیا۔ اور اگرچہ وہ اس معرفت کے راز کو نہیں جانتے اور اس معاملہ کی حقیقت کو نہیں سمجھتے ——— اور جب اس فقیر پر اللہ سبحانہٗ کی عنایت اور اس کے حبیب علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے صدقہ میں اس معما کا راز منکشف ہو گیا ہے اور اس معاملہ کی حقیقت جیسا کہ چاہئے نفاد ضاحت کے ساتھ ظاہر ہو گئی ہے تو اس کا تھوڑا سا حصہ معرض بیان میں لاتا ہے ممکن ہے کہ (یہ تحریر) ناقصوں کو راہِ راست پر لے آئے اور کاملوں پر حقیقتِ معاملہ واضح ہو جائے۔

جاننا چاہیے کہ تکلیفاتِ شرعیہ (شرعی پابندیاں) کا تعلق قالب اور قلب (جسم اور دل) سے مخصوص ہے، چونکہ نفس کا تزکیہ انہی دونوں پر موقوف ہے۔ اور لطائف میں سے وہ لطیفے جو دائرۂ شریعت سے باہر قدم رکھتے ہیں وہ ان کے علاوہ ہیں (یعنی لطائفِ اربعہ، روح، سر، خفی اور اخفیٰ)۔ لہذا جو لطیفہ احکامِ شرعیہ کا مکلف (پابند) ہے وہ ہمیشہ پابند رہے گا اور جو (لطیفہ) پابند نہیں ہے وہ کبھی پابند نہ ہوگا ——— اور بات کا خلاصہ یہ ہے کہ سلوک سے پہلے یہ لطائف ایک دوسرے سے مخلوط تھے قلب سے جدا نہیں تھے، جب سیر و سلوک نے ہر ایک کو دوسرے سے جدا کر دیا اور ہر ایک کو اپنے اصلی مقام پر پہنچا دیا اس وقت معلوم ہوا کہ کون مکلف ہے اور کون غیر مکلّف۔

سوال: اگر کوئی یہ کہے کہ اس مقام میں عارف خود اپنے قالب و قلب کو دائرۂ شریعت سے باہر پاتا ہے، اس کی کیا وجہ ہے؟ ——— جواب: میں کہتا ہوں کہ وہ یافت تحقیقی نہیں ہے بلکہ خیالی ہے اور اس تخیل کا منشا قلب اور قالب کو ان لطائفِ (اربعہ) کے رنگ میں رنگنا ہے جنھوں نے قدم باہر نکالا ہے ——— اگر لوگ کہیں کہ شریعت کی ظاہری پابندیوں کا تعلق قلب و قالب کے ساتھ مخصوص ہے؟ لیکن شریعت کی حقیقت کو ماورائے قلب بھی گنجائش ہے لہذا مطلق شریعت سے باہر قدم رکھنا کیا معنی رکھتا ہے ——— میں کہتا ہوں کہ حقیقتِ شریعت بھی روح اور سِر سے آگے نہیں گذرتی اور خفی و اخفیٰ تک نہیں پہنچتی۔ اور جن لوگوں نے قدم باہر رکھا ہے حقیقت میں وہ خفی و اخفیٰ والے ہی ہیں۔ اور اللہ سبحانہٗ ہی حقیقت حال کو بہتر جانتا ہے۔ اللہ سبحانہٗ ہم کو اور تمام مسلمانوں کو سید المرسلین علیہ وعلیہم وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات اتمہا واکملہا کی متابعت میں ثابت قدم رکھے (آمین)۔

میر محمد نعمان[1] کی طرف صادر فرمایا ——— اس سوال کے جواب میں جو انھوں نے کیا تھا اور بعض عجیب و غریب اسرار کے بیان میں جو کلمۂ طیبہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ کی نفی و اثبات سے متعلق ہیں۔

حمد و صلوۃ کے بعد جناب سیادت پناہ کو معلوم ہو کہ آپ نے دریافت کیا تھا کہ جو کچھ دید و دانش[2] (دیکھنے

---

[1] آپ کے نام تینتیس ۳۳ مکتوبات ہیں اور آپ کا تعارف دفتر اول کے مکتوب ۱۱۹ میں ملاحظہ فرمائیں۔
[2] حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ فرماتے ہیں "جو کچھ دیکھا جاتا ہے سنا جاتا ہے غیرِ حق ہے کلمہ لا سے نفی کرنی چاہیے"۔

اور سمجھنے) میں آئے اس کی کلمۂ "لا" کے ساتھ نفی کرنا ضروری ہے کیونکہ مطلوبِ مثبت (اصل مقصود یعنی ذاتِ حق) دید و دانش سے ماوراء (بلند و بالا) ہے۔ لہٰذا یہاں یہ بات لازم ہو جاتی ہے کہ مشہودِ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بھی نفی کے شایاں ہو اور مطلوبِ مثبت اس کے ماوراء میں متحقق ہو ——

اے برادر! حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بھی اس قدر عالی شان مرتبہ کے باوجود بشر تھے اور حدوث و امکان (لازمۂ بشریت) کے بشری نشان (داغ) سے متصف تھے، بشر، خالق البشر جل سلطانہ کی حقیقت کیا معلوم کر سکتا ہے اور ممکن (یعنی انسان) واجب تعالیٰ کی نسبت کیا اخذ کر سکتا ہے اور حادث (یعنی مخلوق وجود میں آنے والا) قدیم جلت عظمتہ کا کس طرح احاطہ کر سکتا ہے کیونکہ وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا (طٰہٰ آیت ۱۱۰) (اور اس کو ان (لوگوں) کا علم احاطہ نہیں کر سکتا) نصِ قاطع ہے۔ شیخ عطارؒ فرماتے ہیں ؎

نمی بینی کہ شاہے چوں پیمبر　　نیافت او فقرِ کُل تو رنج کم بر

نبیؐ کو علمِ واجب کب ملا سب؟　　تو پھر ہم تم اسے کیا پائیں گے کب؟

اے عزیز! یہ مقام تفصیل طلب ہے لہٰذا ہوش کے کان سے سننا چاہیئے۔

جاننا چاہیئے کہ کلمۂ طیبہ "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ" کے دو مقام ہیں "نفی اور اثبات"۔ پھر نفی اور اثبات میں سے ہر ایک کے دو اعتبار ہیں —— اعتبارِ اول: یہ کہ باطل معبودوں کی عبادت کے استحقاق کی نفی کی جائے اور معبودِ برحق کی عبادت کے استحقاق کا اثبات کیا جائے —— دوسرا اعتبار یہ ہے کہ غیر مقصودہ مقصودات (ناشائستہ ارادوں) کی اور غیر مطلوبہ مطلوبوں (تعلقات) کی بھی نفی کی جائے، اور مطلوبِ حقیقی کے علاوہ کسی چیز کا اثبات نہ کیا جائے اور نہ کوئی اصل مقصود ہو —— اور اعتبارِ اول میں ابتدائے کمال یہ ہے کہ جو کچھ بھی معلوم اور ظاہر ہوا ہے سب "لا" کے تحت داخل ہو جائے اور اثبات کی جانب میں کلمہ مستثنیٰ (اللہ) کے علاوہ کوئی چیز بھی ملحوظ نہ رہے۔ چند بار کے بعد جب بصیرت میں گرمی پیدا ہو جائے اور راہِ مطلوب کی خاک کے سرمہ سے سرمگیں ہو جائے تو مستثنیٰ (اللہ) بھی مستثنیٰ منہ کی شکل میں ظاہر ہو جاتا ہے۔ اس طرح سالک اپنے آپ کو اس مشہود کے ماوراء میں گرفتار پاتا ہے اور مطلوب کو اس کے باہر تلاش کرتا ہے، کیونکہ اس کمال کی ابتداء میں جو کچھ لا کے تحت داخل کیا تھا وہ سب ممکنات کے دائرہ سے متعلق تھا جو عبادت کا استحقاق نہیں رکھتا تھا اور اس کلمۂ طیبہ کے تکرار کی برکت سے اس معبود سے جو مستحقِ عبادت ہے جدا ہو گیا تھا لیکن ضعفِ بصیرت کی وجہ سے وجوب کے مرتبہ کو جو شایانِ عبادت ہے

[1] یعنی لا الٰہ الا اللہ بمعنی لا معبود الا اللہ ہو۔ [2] لا الٰہ الا اللہ بمعنی لا مقصود الا اللہ ہو۔

کلمہ "اِلَّا" کے ساتھ ثابت کر کے نہیں دیکھا تھا اور کلمہ مستثنیٰ (اللہ) کو زبان سے ادا کرنے کے سوا کچھ نصیب نہیں ہوا تھا، لیکن بعد میں بصیرت کی قوت کی وجہ سے مستثنیٰ بھی مستثنیٰ منہ کے رنگ میں ظاہر ہوگیا۔ اور جبکہ مرتبۂ وجوب جو تمام اسماء و صفاتِ الٰہی جل سلطانہٗ کا جامع ہے اور سالک کی ہمت جو ذاتِ احدیتِ مجردہ سے متعلق ہے اس مقام میں عبادت کا استحقاق بھی عبادت کے عدم استحقاق کی طرح راستے میں رہ جاتا ہے، اس لئے وہ اپنے مقصود کو اسماء و صفات سے ماوراء میں تلاش کرتا ہے اور اس کے ماسوا کی گرفتاری سے کنارہ کشی اختیار کرتا ہے ؎

۱؎ چو دل با دلبرے آرام گیرد	ز وصلِ دیگرے کے کام گیرد
۲؎ نہی صد دستہ ریحاں پیشِ بلبل	نخواہد خاطرش جز نکہتِ گل
۳؎ ز مہر آتش چو در نیلوفر افتد	تماشائے مہش کے در خور افتد
۴؎ چو خواہد تشنہ جانے شربتِ آب	نیفتد سود مندش شکرِ ناب
۱؎ ملے دلدار سے جب دل کو آرام	اُسے اَوروں کے ملنے سے ہو کیا کام؟
۲؎ اگر بلبل کو ریحاں دیجئے خوب	گلاب اس کو فقط ہوتا ہے مرغوب
۳؎ جو نیلوفر کو حاصل دھوپ ہو گی	نہیں اس کو ضرورت چاندنی کی
۴؎ اگر پیاسا کہے ہے آب دو آب	غلط ہے اس کو دینا شکرِ ناب

اور اعتبارِ ثانی جس کا مقصود، مقصوداتِ غیر مقصودہ (یعنی غیر مطلوب مطلوبوں) کی نفی ہے، اس کا کمال یہ ہے کہ مرتبۂ وجوب کا شہود بھی مراتبِ امکان کے شہود کے رنگ میں لا کے تحت داخل ہو جائے اور اثبات کی جانب سوائے کلمۂ مستثنیٰ (اللہ) زبان سے ادا کرنے کے کوئی چیز ملحوظ نہ ہو ؎

چہ گویم با تو از مرغے نشانہ	کہ با عنقا بود ہم آشیانہ
ز عنقا ہست نامے پیشِ مردم	ز مرغِ من بود آں نام ہم گم
(ترجمہ) بتاؤں کیا تجھے اس مرغ کا حال	وہ عنقا کا ہوا ہم آشیانہ
سبھی کہتے ہیں عنقا، گو ہے معدوم	مگر اس کا نہیں کچھ نام معلوم

اور حق بات یہ ہے کہ بلند فطرت اور عالی ہمت اسی قسم کے مطلب کی خواہاں ہے کہ اس سے کچھ بھی ہاتھ نہ آئے بلکہ اس کی گرد بھی دامنِ ادراک تک نہ پہنچے ـــــــ اور آخرت میں دیدارِ (الٰہی) کا ہونا

برحق ہے، لیکن اس (کی کیفیت) کا تصور مجھے جامہ سے باہر کر دیتا ہے[۵] ——— لوگ آخرت میں دیدار کے وعدہ سے مسرور و محفوظ ہیں اور میری گرفتاری غیب الغیب ذات کے سوا کچھ نہیں (بلکہ) پوری ہمت اس کی خواہاں ہے کہ مطلوب   سرِ مو بھی پردۂ غیب سے شہادت میں نہ آئے اور گوش سے آغوش تک بھی نہ پہنچے، اور سامانِ علم سے عین تک نہ پہنچے (یعنی دکھائی نہ دے) کیا کیا جائے میری خلقت ہی ایسی ہے

ع   ہر کسے را بہر کارے ساختند   (ترجمہ) ہر کسی کو کام کوئی ہے سپرد

میں اگرچہ اس مقام میں بہت دیوانگیاں رکھتا ہوں لیکن ادب لب کشائی کی اجازت نہیں دیتا۔ ع

جُنُوْنِيْ مِنْ حَبِيْبٍ ذِيْ فُنُوْنٍ   (مری دیوانگی محبوب سے ہے)

؎ عمر بگذشت وحدیثِ درد ما آخر نشد   شب بآخر شد کنوں کوتاہ کنم افسانہ را

عمر گذری، عشق کا افسانہ جاری ہے ابھی   رات گزرے ہے تو اب کرتا ہوں اس میں کچھ کمی

اور حضرت محمد مصطفےٰ علیہ وعلی آلہ الصلوات والتسلیمات انتہا و اکملہا پر اور ہدایت کی پیروی کرنے والوں پر اور ان کی متابعت کا التزام کرنے والوں پر سلام ہو۔

مکتوب ۱۷۴
صد و ہفتاد و چہارم
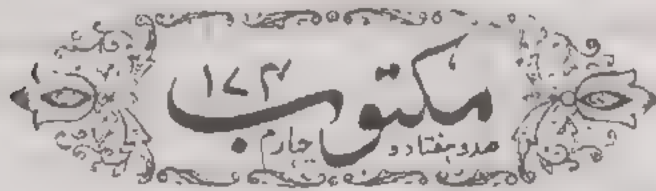
خواجہ محمد اشرف کابلی[۱] کی طرف صادر فرمایا ——— اس بیان میں کہ اس راہ (سلوک) کے دیوانوں کو اتنی سی معیت کے ساتھ تسلّی حاصل نہیں ہوتی، اور اس قُرب نُما بُعد سے تسکین نہیں پاتے، وہ ایسا قُرب چاہتے ہیں جو بُعد نما (بظاہر دُوری) ہو اور ایسا وصل جو ہجر نُما ہو۔ اور اس واقعہ کے بیان میں جو (انھوں نے) تحریر کیا تھا وہ جِن کا ظہور تھا اور اس کا باطل تصرف (جھوٹا غلبہ) تھا۔

عزیز بھائی کا پیارا مکتوب موصول ہوا۔ چونکہ وہ خط فقراء کی محبت اور اس جماعتِ عالیہ سے التجا و درخواست پر مبنی تھا خوشی کا باعث ہوا۔ اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ[۲] (آدمی اسی کے ساتھ ہے جس سے وہ محبت کرتا ہے) کو نقدِ وقت (وقت کا تقاضا) جانیں۔ لیکن یہ بھی اچھی طرح جان لیں کہ اس راہِ طریقت کے دیوانوں کو اتنی سی معیت سے تسلّی حاصل نہیں ہوتی اور اس قرب نما بُعد سے تسکین نہیں پاتے وہ ایسا

---

[۱] آپ کے نام دس مکتوبات ہیں اور مختصر تذکرہ دفتر اول مکتوب ۱۳۱ صفحہ ۳۱۸ پر ملاحظہ ہو۔ [۲] بخاری و مسلم۔
[۵] یعنی مومنین کو حق تعالیٰ کا جنت میں ہر روز فرقِ مراتب کے باوجود دیدار کرنا حق ہے۔ مزید تفصیل جلد ثالث مکتوب ۷۴ میں ملاحظہ کریں۔

قُرب چاہتے ہیں جو بُعدنما (بظاہر دُوری) ہو اور ایسا وصل چاہتے ہیں جو ہجر کے مانند ہو۔ وہ تسویف و تاخیر (ٹال مٹول) کو جائز قرار نہیں دیتے، بیکاری اور دیر لگانے کو قبیح و مکروہ خیال کرتے ہیں، اور وقت کی دولت کو بیہودہ باتوں میں صرف نہیں کرتے اور عمر کے سرمایہ کو بے فائدہ ملمع سازیوں پر ضائع نہیں کرتے، اور عمدہ چیز کو چھوڑ کر خراب چیز کی طرف مائل نہیں ہوتے اور (حق تعالیٰ کی) پسندیدہ چیز کو چھوڑ کر غضب کی ہوئی چیز کو اختیار نہیں کرتے، اور مرغن و شیریں لقموں پر اپنے آپ کو فروخت نہیں کرتے، باریک و خوشنما کپڑوں کے لئے غلامی کی ذلت حاصل نہیں کرتے۔ وہ شرم کرتے ہیں کہ تختِ شاہی (دل) کو تعلقاتِ (دنیاوی) کی نجاستوں سے آلودہ کریں، اور (اس بات سے) عار کرتے ہیں کہ خداوند جل سلطانہ کی ملکیت میں لات و عزیٰ کو شریک کریں ——— اے بھائی! یہاں (بارگاہِ خداوندی میں) "دینِ خالص" چاہتے ہیں: اَلَا لِلّٰہِ الدِّیْنُ الْخَالِصُ (زمر ۳۹ آیت ۳) (آگاہ رہو کہ خالص عبادت صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے)۔ (اس راہ کے لوگ) شرکت کے غبار کو برداشت نہیں کرتے: لَئِنْ اَشْرَکْتَ لَیَحْبَطَنَّ عَمَلُکَ (زمر ۳۹ آیت ۶۵) (اگر تم نے شرک کیا تو ضرور تمہارے عمل ضائع ہو جائیں گے) ——— تھوڑی دیر اپنے اندر غور کریں اگر "دینِ خالص" میسر ہو گیا ہے تو آپ کے لئے خوشخبری ہے اور اگر نہیں تو واقع کا علاج وقوع سے پہلے پہلے کرنا چاہئے۔

جو واقعہ آپ نے لکھا تھا وہ جنّ کا ظہور اور اس کا باطل تصرف تھا۔ اس قسم کا ظہور اور اس کا تصرف طالبانِ حق پر اکثر ہوتا رہتا ہے، کوئی فکر کی بات نہیں: اِنَّ کَیْدَ الشَّیْطٰنِ کَانَ ضَعِیْفًا (نساء ۴ آیت ۷۶) (بیشک شیطان کا مکر کمزور ہے)۔ اگر پھر اس قسم کا واقعہ ظاہر ہو تو کلمہ تمجید: لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ[۱] (نہ طاقت ہے اور نہ قوت مگر اللہ تعالیٰ بلند مرتبہ عظمت والے کے ساتھ) کی تکرار سے اس مفسد کو دفع کریں ——— وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَۃَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ اَتَمُّھَا وَاَکْمَلُھَا (اور حضرت محمد مصطفےٰ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات اتمہا واکملہا کی ہدایت پر چلنے والوں اور آپؐ کی متابعت کو لازم جاننے والوں پر سلام ہو)

(حاشیہ: جن کا ضرر دفع کرنے کے لئے کلمۂ تمجید کی تکرار کریں۔)

---

[۱] حصن حصین میں حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کلمہ کی تفسیر میں فرمایا ہے "اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچ نہیں سکتے مگر اللہ تعالیٰ کی حفاظت سے۔ اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر کوئی قوت حاصل نہیں مگر اللہ تعالیٰ کی مدد سے۔ اور اس کے ساتھ وَلَا مَنْجَا مِنَ اللّٰہِ اِلَّا اِلَیْہِ (اور اللہ تعالیٰ سے بھاگ کر کہیں نہیں جا سکتے مگر اللہ تعالیٰ ہی کی طرف) ملا لیا کرو کیونکہ یہ جنت کے خزانوں میں کا ایک خزانہ ہے۔

مکتوب ۱۷۵

حافظ محمود[1] کی طرف صادر فرمایا —— احوال کی تلوینات اور تمکین کے حصول میں اور حدیث لِی مَعَ اللہِ وَقْتٌ کے معنی کے بیان میں۔

برادر گرامی کا مکتوب شریف موصول ہوا۔ (جس میں) آپ نے اپنے احوال کی تلوینات (تبدیلیوں) کا جو مختصر تذکرہ کیا تھا، (اس کے متعلق) جاننا چاہیئے کہ سالکوں کو خواہ وہ ابتدا میں ہوں یا انتہا میں احوال کی تلوینات کے بغیر چارہ نہیں۔ اس بارے میں حاصل کلام یہ ہے کہ اگر وہ تلوین (احوال کی تبدیلی) قلب پر ہے تو وہ سالک اربابِ قلوب (اہلِ دل) سے ہے اور ابن الوقت (زمانہ ساز) کے نام سے موسوم ہے، اور اگر قلب تلوین سے نکل گیا اور احوال کی غلامی سے آزاد ہو کر مقامِ تمکین و اطمینان میں پہنچ گیا تو اس وقت احوالِ متلونہ کی کیفیات نفس پر وارد ہوں گی جو کہ قلب کے مقام پر اس کی خلافت کے طور پر بیٹھا ہوا ہے، اور یہ تلوین تمکین کے حاصل ہونے کے بعد ہے اور اس تلوین والے کو اگر ابو الوقت کہیں تو جائز ہے، اور اگر محض اللہ جل سلطانہٗ کے فضل و کرم سے نفس بھی ان تلوینات سے گزر جائے اور تمکین و اطمینان کے مقام پر پہنچ جائے تو اس وقت تلوینات قالب (جسم) پر وارد ہوتی ہیں جو امورِ مختلفہ (عناصر اربعہ) سے مرکب ہے، یہ تلوین دائمی ہے، کیونکہ تمکین قالب کے حق میں متصور نہیں ہے اگرچہ وہ لطائف میں سے الطف لطیفہ (خفی و اخفیٰ) کے رنگ میں رنگا ہوا ہو، کیونکہ وہ تمکین جو اس رنگین ہونے کے راستے سے قالب پر آتی ہے وہ بطریقِ تبعیت (اتباع کے طور پر) ہے اور احوالِ متلونہ کا وارد ہونا بطریقِ اصالت ہے، اور اعتبار اصل کا ہوتا ہے نہ کہ فرع اور تابع کا۔ اور اس مقام والا اخص الخواص میں سے ہے اور حقیقت میں ابو الوقت بھی یہی شخص ہو سکتا ہے۔

اور آں سرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کی حدیث شریف لِی مَعَ اللہِ وَقْتٌ[2] الخ (یعنی میرے لئے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک ایسا وقت بھی ہوتا ہے جس میں کوئی مقرب فرشتہ اور کوئی نبی مرسل میرے ساتھ شریک نہیں ہو سکتا) جو آپ نے نقل کی ہے اس کا مطلب ایک جماعت نے اس "وقت" سے دائمی وقت مراد لیا ہے اور دوسری جماعت نے ایک

---

[1] آپ کے نام تین مکتوبات ہیں دفتر اول مکتوب ۱۴۴ - ۱۷۵ - ۲۸۰۔ لہٰذا آپ کا مختصر تعارف مکتوب ۱۴۴ کے فٹ نوٹ میں ملاحظہ فرمائیں۔

[2] اس حدیث کی تخریج وغیرہ دفتر اول مکتوب ۹۹ ص ۲۷۵ پر ملاحظہ ہو۔

خاص وقت مراد لیا ہے کیونکہ لطائف کی نسبت (یعنی روح، سر، خفی اور اخفیٰ سے) بطریق استمرار (دائمی) ہے اور بعض (لطائف) (قلب و نفس) کی نسبت ندرت (قلت و کمی) لہٰذا دونوں میں کوئی تعارض اور مخالفت نہیں ہے ــــ
غرض یہ کہ اپنے ظاہر کو شریعتِ مطہرہ سے آراستہ کر کے باطنی سبق کے تکرار پر مداومت اختیار کریں ؎

اندریں بحرِ بے کرانہ چو غوک　　　دست و پائے بزن چہ دانی بوک

(ترجمہ) ہے بڑا یہ بحر ناپیدا کنار　　　مثل مینڈک تو ہاتھ پاؤں کو مار

اخوی اعزی مولانا محمد صدیق آگرہ میں (مقیم) ہیں اُن کی ملاقات کو غنیمت سمجھیں۔

مکتوب ۱۷۶
صد و ہفتاد و ششم
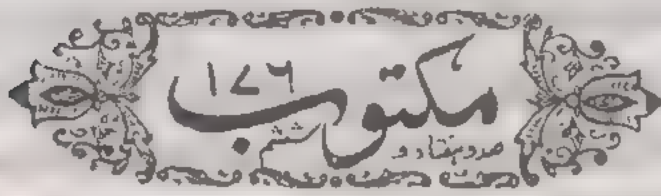
ملا محمد صدیق[1] کی طرف صادر فرمایا ــــ اس بیان میں کہ اپنے اوقات کی حفاظت اس راہِ (طریقت) کی ضروریات میں سے ہے تاکہ بے فائدہ کاموں میں ضائع نہ ہوں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰی (حدیث شریف میں ہے) مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ اِشْتِغَالُهٗ بِمَا يَعْنِيْهِ وَاِعْرَاضُهٗ عَمَّا لَا يَعْنِيْهِ[2] (انسان کے حُسنِ اسلام کی علامت یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو بامقصد کاموں میں مشغول رکھے اور لایعنی بیکار باتوں سے پرہیز کرے)۔ لہٰذا اپنے اوقات کی حفاظت کے بغیر چارہ نہیں تاکہ بیکار باتوں میں ضائع نہ ہوں۔ شعر خوانی اور قصہ گوئی کو دشمنوں کا حصہ سمجھ کر خاموشی (مراقبہ) اور اپنی باطنی نسبت کی حفاظت میں مشغول رہنا چاہیئے ــــ اس راہِ سلوک میں دوستوں کا (ایک جگہ) جمع ہونا باطن کے اطمینان کے حصول کے لئے ہے نہ کہ پراگندگیٔ خاطر کے لئے۔ لہٰذا انجمن (اجتماع) کو گوشہ نشینی پر ترجیح دی گئی ہے۔ اور جمعیتِ (قلب) کو اجتماع میں تلاش کیا ہے۔ وہ اجتماع جو تفرقے کا باعث ہو اس سے پرہیز لازم ہے۔ باطنی جمعیت (اطمینان) کے لئے جو کچھ مل جائے مبارک ہے اور اگر میسر نہ ہو تو وہ منحوس و نامبارک ہے (غرض) اس طرح زندگی گذارنی چاہیئے کہ پاس بیٹھنے والے بھی صحبت و مجلس سے جمعیتِ قلب حاصل کریں نہ کہ اس میں پراگندگی و افتراق کا اضافہ ہو۔ اپنی زندگی کی کتاب کے اوراق کو بار بار ملاحظہ کرنا چاہیئے اور باتیں بنانے کی نسبت خاموش رہ کر اپنا محاسبہ کرنا چاہیئے۔ اب شعر و شاعری کا وقت نہیں ہے اور نہ بیت بازی کا ؏

چہ وقتِ مدرسہ و بحثِ کشف و کشاف است　　(اب مدرسہ کا اور کشف و کشاف کی بحثوں کا وقت نہیں ہے) والسلام

[1] آپ کے نام بارہ مکتوبات ہیں آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۱۳۲ صفحہ ۳۲۱ کے فٹ نوٹ میں ملاحظہ ہو ــــ [2] یہ حدیث اختلافِ الفاظ کے ساتھ [illegible]

مکتوب ۱۷۷
صد و ہفتاد و ہفتم

جمال الدین حسین بدخشی[1] کی طرف صادر فرمایا ——— اہلِ سنت وجماعت شکر اللہ تعالیٰ سعیہم کی صائب آراء کے مطابق عقائد کی تصحیح کرنے کی ترغیب میں۔

خواجہ جمال الدین حسین! اپنے عنفوانِ شباب (آغازِ جوانی) کو غنیمت جانیں اور حتی الامکان اُس کو حق تعالیٰ جل وعلا کی رضامندی کے کاموں میں صرف کریں۔ یعنی سب سے پہلے اپنے عقائد کو اہلِ سنت وجماعت شکر اللہ تعالیٰ سعیہم کی صائب آراء کے تقاضوں کے مطابق درست کریں ——— دوسرے یہ کہ احکامِ شرعیہ فقہیہ کے مطابق عمل کریں ——— تیسرے یہ کہ طریقۂ عالیہ صوفیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے طریقۂ سلوک کو اختیار کریں ——— جس کو ان سب باتوں پر عمل کی توفیق حاصل ہو گئی وہ دونوں جہان میں کامیاب ہو گیا اور جو ان سے محروم رہا وہ بڑے خسارے میں پڑ گیا۔

خواجہ محمد صالح کے بیٹوں کی خدمت کو سعادتِ عظمیٰ جانیں، کیونکہ وہ خدمت حقیقت میں خواجہ مذکور (محمد صالح) کی امداد واعانت ہی ہے کہ وہ مقبول بندوں میں سے ہیں۔ مصرع

دادیم ترا ز گنجِ مقصود نشاں (گنج مقصود کا پتا یہ ہے) والسلام

مکتوب ۱۷۸
صد و ہفتاد و ہشتم

مرزا مظفر[2] کی طرف صادر فرمایا ——— ایک شخص کی سفارش اور سید عالیان و خلاصۂ آدمیان علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کی متابعت کی ترغیب میں۔

حق تعالیٰ سید المرسلین علیہ وعلیٰ آلہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کے طفیل آپ کو اجرِ عظیم عطا فرمائے، آپ کے کاموں کو آسان فرمائے اور آپ کے سینہ کو کھول دے ——— جو حضرات اخلاقِ نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے متخلق ہیں ان کو اس بات کی طرف توجہ دلانے کی کیا ضرورت ہے کہ وہ کسی کے ساتھ

---

[1] جمال الدین حسین بدخشی، کولابی وغیرہ کے نام چند مکتوبات ہیں گمان ہوتا ہے کہ آپ حضرت میرزا حسام الدین احمد کے صاحبزادے ہیں۔ ※

[2] آپ کے نام دو مکتوبات ہیں ایک یہی اور دوسرا دفتر دوم مکتوب ۵۵۔ آپ کے حالات معلوم نہ ہو سکے۔

※ مکتوبات کی تفصیل یہ ہے: دفتر اول ۱۱۳-۱۷۱-۲۲۳-دفتر دوم ۱۴-دفتر سوم ۱۵ و ۸۱۔

احسان اور حسنِ معاشرت سے پیش آئیں، بلکہ بہت ممکن ہے کہ ایسی رہنمائی و دلالت سویدا دلی میں داخل ہو جائے ــــــ مختصر یہ کہ آدمی ضرورت کے وقت ہر معمولی سے معمولی چیز کا سہارا تلاش کرتا ہے اور ہر کمزور و لاغر سے اپنی تسلی حاصل کرتا ہے، اس بنا پر فقیر آپ کے سامنے سائلوں اور محتاجوں کی تسلی اور دستگیری کا مسئلہ پیش کرنے کا باعث بنا۔

ہمسایوں کے حقوق کی تاکید

میرے مخدوم و مکرم! احسان ہر جگہ اور ہر موقع پر لائق تحسین ہے۔ خاص طور پر اس جماعت کے ساتھ احسان کرنا بہت ہی اچھا ہے جو ہمسائیگی کا حق رکھتے ہیں۔ حضرت رسالت خاتمیت علیہ و علیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات ہمسایوں کے حقوق کی ادائیگی میں اسقدر مبالغہ فرماتے تھے کہ اصحاب کرامؓ کو یہ گمان ہونے لگا کہ شاید آپ پڑوسیوں کو میراث میں بھی داخل فرما دیں گے۔[1] مثنوی

چوں چنیں بایک دگر ہمسایہ ایم ۔۔۔ تو چو خورشیدی و ما چوں سایہ ایم

چہ بدے اے مایۂ بے مایگاں ۔۔۔ گر نگہداری حق ہمسایگاں والسلام

(جبکہ ہم سب ایک ہیں، ہم سایہ ہیں ۔۔۔ تم ہو سورج اور سب ہم سایہ ہیں

کیا ہو اے مایۂ بے مایگاں ۔۔۔ گر ہو ملحوظ اب حق ہم سایگاں)

مکتوب ۱۷۹

صد و ہفتاد و نہم

میر عبد اللہ ابن میر محمد نعمان[2] کی طرف نصیحت کے بارے میں صادر فرمایا۔

میرے فرزند عزیز کو اس کے نام کے مطابق (اللہ تعالیٰ کا) بندہ بننے کی توفیق عطا فرمائے ــــــ (اول یہ کہ) جوانی کے زمانے کو غنیمت جان کر علوم شرعیہ کے حاصل کرنے، اور ان علوم کے مطابق عمل کرنے میں مشغول رہیں، اور اس بات کا اہتمام کریں کہ یہ عمر عزیز بیکار باتوں میں صرف نہ ہو، اور لہو و لعب میں ضائع نہ ہو ــــــ دوسری بات یہ ہے کہ تمہارے والد بزرگوار انشاء اللہ تعالیٰ چند روز بعد تمہارے پاس پہنچ جائیں گے۔ ان کے پہنچنے تک متعلقین کی پورے طور خبر گیری رکھیں۔ مصرع

پدر خویش باش اگر مردی ۔۔۔ (بس باپ کی جگہ پہ کرو کام باپ کا) والسلام

---

[1] قال المرباخرجہ الطبرانی فی مکارم الاخلاق عن امامۃ الباہلی یعنی ابو امامہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تمہیں پڑوسی کے بارے میں وصیت کرتا ہوں۔ آپؐ نے اتنی کثرت سے فرمایا جیسے کہ پڑوسی کو وارث بنا دیں گے۔ اور حافظ ابن حجرؒ نے اسی کے مثل حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے فتح الباری میں روایت کیا۔

[2] آپ کے نام صرف یہی ایک مکتوب ہے مزید حالات معلوم نہ ہو سکے۔

مخدوم زادہ امکنگی یعنی خواجہ ابو القاسم[۱] کی طرف صادر فرمایا ـــــــ ان پیروں کے اسماء کے استفسار میں جن میں تردد پیدا ہو گیا تھا۔

میرے مخدوم و مکرم! جو کچھ ہمارے حضرت خواجہ محمد باقی علیہ الرحمہ سے ان پیروں کے اسمائے گرامی کی تحقیق میں ہم تک پہنچا ہے وہ یہ ہے کہ حضرت مولانا خواجہ امکنگیؒ[۲] اور حضرت خواجہ احرارؒ[۳] کے درمیان دو بزرگ گذرے ہیں، ایک (حضرت خواجہ امکنگیؒ کے والد بزرگوار حضرت مولانا درویش محمدؒ[۴] اور دوسرے مولانا محمد زاہدؒ[۵] جو حضرت مولانا درویش محمدؒ کے ماموں ہیں۔

کچھ عرصہ ہوا کہ مشیخت پناہ خواجہ خاوند محمودؒ[۶] اس علاقہ میں تشریف لائے تھے، انھوں نے پہلی ہی ملاقات میں حضرت مولانا مذکور (درویش محمدؒ) کا ذکر شروع کر دیا اور فرمایا کہ وہ کسی سے مجاز نہ تھے اسی وجہ سے وہ شروع میں مرید نہ کرتے تھے، لیکن آخر عمر میں انھوں نے شیخی (پیری مریدی) شروع

---

۱ آپ کے نام پانچ مکتوبات ہیں دفتر اول مکتوب ۹۰-۱۵۰-۱۶۸-۱۸۰، دفتر دوم مکتوب ۴۷۔ آپ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ کے پیر و مرشد حضرت خواجہ امکنگی قدس سرہ کے صاحبزادے ہیں۔

۲ آپ حضرت مولانا درویش محمدؒ کے صاحبزادے اور جانشین ہیں۔ حضرت خواجہ نقشبندؒ کے بالکل قدم بقدم تھے۔ ولادت ۹۱۸ھ اور وفات ۱۰۰۸ھ میں ہوئی مزار مبارک موضع امکنہ میں ہے جو بخارا سے تین میل پر واقع ہے۔

۳ حضرت مولانا عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا یعقوب چرخیؒ کے اجل خلفا میں سے ہیں۔ آپ اس صدی کے مجدد تھے، بادشاہِ وقت آپ کا مرید تھا اس سب کے باوجود آپ نے ہمیشہ کاشتکاری کے پیشہ پر اپنی گزر بسر رکھی۔ آپ کے اوصاف و کرامات اور خرق عادات بیشمار ہیں۔ آپ کے کئی فارسی رسالے مشہور ہیں۔ ولادت رمضان المبارک ۸۰۶ھ باغستان علاقہ تاشقند میں ہوئی اور وفات شب شنبہ ۲۹ ربیع الاول ۸۹۵ھ کو ہوئی مزار مبارک سمرقند میں ہے

۴ آپ حضرت مولانا محمد زاہدؒ کے ہمشیرہ زادے یعنی بھانجے ہیں اور اعظم خلفا میں سے ہیں، اپنے زمانے کے یکتائے روزگار تھے، آپ کی وفات ۱۹ محرم ۹۷۰ھ میں ہوئی۔ مزار مبارک موضع اسقرد متصل شہر سبز علاقہ ماوراء النہر میں ہے۔

۵ آپ حضرت خواجہ عبید اللہ احرارؒ کے اجل خلفا میں سے ہیں۔ آپ کا سلوک ایک ہی مجلس میں تکمیل پا گیا۔ آپ سے بکثرت لوگوں نے فیض حاصل کیا۔ وفات غرہ ربیع الاول ۹۳۶ھ میں ہوئی۔ مزار مبارک موضع وخش از ملک حصار میں ہے۔

۶ آپ کا نسب چھ واسطوں سے خواجہ علاؤ الدین عطارؒ سے مل جاتا ہے۔ آپ کا مزار لاہور میں انجینئرنگ یونیورسٹی کے جانب شمال بیگم پورہ میں ہے۔

کردی تھی ـــــــ (جواب میں) کہا گیا کہ وہ بزرگ تھے اور ماوراء النہر کے تمام لوگ ان کی بزرگی کے قائل تھے، وہ ہرگز اس بات کو پسند نہیں کرسکتے تھے کہ ابتدا یا آخر (عمر) میں بغیر اجازت کے کسی کو مرید کریں اس قسم کا عمل خیانت میں داخل ہے۔ ایک کم درجے کے مسلمان پر بھی اس قسم کا گمان نہیں کیا جاسکتا چہ جائیکہ اکابرِ دین پر (ایسا گمان کیا جائے)۔

اس کے بعد خواجہ خاوند محمودؒ نے فرمایا کہ ایک روز مولانا (درویش محمدؒ) خواجہ کلاں دہ بیدی (مضافاتِ سمرقند) کی خدمت میں تشریف لے گئے (اس وقت) وہ خربوزہ کھا رہے تھے۔ مولانا نے (بھی) خربوزہ کی خواہش کی۔ انھوں نے فرمایا آپ کا خربوزہ تمام (یعنی پختہ) ہوگیا۔ مولانا نے فرمایا آپ گواہی دیتے ہیں کہ ہمارا خربوزہ تمام ہوچکا (یعنی درجۂ کمال کو پہنچ چکا)۔ انھوں نے جواب دیا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ کا خربوزہ تمام ہے ـ اس وقت سے مولانا نے مرید کرنا شروع کردیا ـــــــ یہ نقل بھی بعید از قیاس معلوم ہوتی ہے کہ صرف اس بنیاد پر مولانا اپنے آپ کو شیخ تصور کریں اور مرید کرنے کے درپے ہوجائیں ـــــــ اس کے بعد خواجہ خاوند محمود نے فرمایا کہ ان دو بزرگوں کے نام جو حضرت مولانا (درویش محمدؒ) اور حضرت خواجہ احرارؒ کے درمیان نقل کئے جاتے ہیں اور دو نام بتائے جاتے ہیں درست نہیں ہے اور دوسرے نام بھی بتائے اور یہ بھی کہا کہ مولانا درویش محمدؒ کو اپنے ماموں سے کوئی نسبت حاصل نہیں بلکہ کسی دوسرے شخص سے ہے۔

اُن کی ان باتوں سے بہت تعجب ہوا (اس لئے) مجبوراً آپ کو تکلیف دی جاتی ہے کہ ان دو بزرگوں کے ناموں کی تحقیق کرکے لکھیں کہ کسی کو شک وشبہ کی گنجائش نہ رہے، اور اجازت کے واقعہ کو لکھنے کی کیا ضرورت ہے ان کی بزرگی ہی خود معتبر گواہ ہے۔ تاہم اگر (اجازت کے متعلق بھی) لکھیں تو بہتر ہے تاکہ طعنہ دینے والوں کی زبان بند ہوجائے ـــــــ یہ معلوم نہ ہوسکا کہ خواجہ خاوند محمود کی ان پریشان کُن باتوں سے کیا مقصد تھا۔ اگر اُن کا مقصد ان بے سرمایہ فقراء کی زوردار طریقے پر نفی کرنا تھی کیونکہ پیر کی نفی سے مرید کی نفی لازم آتی ہے تو ہم بے سروسامان فقیروں کی نفی کے بہت سے طریقے ہیں اس کی کیا ضرورت تھی کہ ان بزرگوں کی نفی کی جائے۔ اور اگر ان کا مقصود کچھ اور تھا اور صرف ان ہی دو بزرگوں کی نفی مقصود تھی تو بھی غیر مستحسن ہے جیسا کہ یہ بات ادنیٰ سمجھ رکھنے والے پر بھی پوشیدہ نہیں۔ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ[1] بِحُرْمَةِ سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ عَلَيْهِ وَعَلَيْهِمْ وَعَلٰى آلِهٖ الصلوات والتسلیمات والسلام علیٰ من اتبع الهدیٰ۔ [1] آل عمران آیۃ ۸

حضرت مخدوم زادہ اعنی میاں خواجہ محمد صادق[1] کی طرف صادر فرمایا اللہ تعالیٰ ان کو دوستوں کے سروں پر سلامت اور باقی رکھے۔ اُن کے اس سوال کے جواب میں کہ اس کا کیا سبب ہے کہ میں مشائخ کی ایک جماعت کو دیکھتا ہوں کہ قرب الٰہی جل شانہٗ کے مراتب میں دنی درجہ رکھتی ہے لیکن زہد و توکل وغیرہ میں ان کے درجات بہت بلند ہیں، اور اسی طرح (مشائخ کی) دوسری جماعت کو دیکھتا ہوں کہ مراتبِ قرب میں فوقیت رکھتی ہے لیکن مذکورہ مقامات میں تنزل، اور اس کے مناسب بیان میں۔

میرے فرزند ارشد محمد صادق نے دریافت کیا کہ اس کا کیا سبب ہے کہ میں مشائخ کی ایک جماعت کو دیکھتا ہوں کہ قربِ الٰہی جل سلطانہٗ کے مراتب میں ادنیٰ درجہ رکھتی ہے حالانکہ مقاماتِ زہد و توکل اور صبر و رضا میں ان کے درجات بہت بلند معلوم ہوتے ہیں اور مشائخ کی دوسری جماعت کو دیکھتا ہوں کہ وہ درجۂ قرب کے مراتب میں بلند درجہ رکھتے ہیں لیکن مقاماتِ زہد و توکل وغیرہ میں ان کے قدم نیچے ہیں۔ اور یہ بات طے شدہ ہے کہ جس قدر یقین اتم ہوگا اسی قدر مقامات اکمل ہوں گے، اور یقین کا اتم ہونا جنابِ قدس خداوندی جل شانہٗ کی قربت کی وجہ سے ہے۔ لہذا یہ بات چند امور سے خالی نہیں معلوم ہوتی، یا تو ہماری کشفی نظر خطا کرتی ہے کہ قریب کو بعید اور بعید کو قریب جانتے ہیں، یا ان مقامات کی اکملیت کا سبب یقین سے بالاتر کوئی بات ہے، یا یقین کا قرب پر مترتب ہونا منحصر نہیں ہے۔

ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ یقین قرب پر مرتب ہے یعنی جتنا قرب زیادہ ہوگا اتنا ہی یقین بھی زیادہ ہوگا، اور ان مقامات کی اکملیت کا سبب بھی یقین کی اتمیت پر ہے اور کوئی وجہ نہیں، نظرِ کشفی بھی صحیح ہے ـــــ خلاصہ یہ ہے کہ قرب کا حصول اس (حق تعالیٰ) کی مہربانیوں میں سے الطفِ لطائف (سب سے بڑی مہربانی) ہے۔ لہذا یقین بھی اسی کے مطابق حاصل ہوتا ہے۔ کیونکہ ان مقامات کی اکملیت کا مرتب ہونا یقین کی اتمیت پر منحصر ہے اس لئے وہ بھی ان ہی بزرگوں کو حاصل ہو سکتا ہے کہ کسی بزرگ نے باوجود قلتِ قرب کے مقاماتِ الطفِ لطائف میں رہ کر درجہ حاصل کیا ہو اور لطائف کے کشف کی طرف رجوع نہ کیا ہو، اور مذکورہ مقامات میں زیادہ کامل ہو اس بزرگ سے جو مقام قرب کا

[1] آپ کا تذکرہ آئندہ صفحہ پر ملاحظہ ہو۔

زیادہ حاصل ہے اور زیادہ کثیف لطیفہ کے ساتھ جو لطیفۂ قالب ہے رجوع کیا ہو، کیونکہ جب لطیفۂ قالب اس قرب سے محروم ہے تو یقین بھی اس کے نصیب میں نہیں ہوگا لہذا ان مقامات کی اکملیت کہاں سے پیدا کرے گا۔ اور اگر کوئی بزرگ اس لطیفہ کی طرف رجوع ہو گیا تو وہ اس لطیفہ کا حکم پیدا کرے گا اور دوسرے لطائف کے یقینیات جو پہلے حاصل ہو گئے تھے سب پنہاں ہو گئے ہوں بخلاف اس بزرگ کے جس کا رجوع قالب کی طرف متوجہ نہیں ہوا تو اس کا حکم بھی الطفِ لطائف کے حکم میں ہے۔ اس کے حق میں قرب و یقین استقامت رکھتے ہیں اور وہ اس سے پوشیدہ نہیں ہوئے ہیں۔ پس لازماً وہ مذکورہ مقامات میں اکمل و اتم ہو گیا۔

اطمینان قلب طلب کرنے کا راز

لیکن جاننا چاہئے کہ صاحبِ رجوع جس طرح یقین اور قرب میں اکمل ہے اسی طرح مقامات میں بھی اکمل ہے لیکن اس کے یہ کمالات پوشیدہ رکھے جاتے ہیں اور دعوتِ خلق کی خاطر عوام کی مناسبت کے حصول کے لئے اس کے ظاہر کو عوام الناس کے ظاہر کی طرح فائدے اور فیض کا باعث بنا دیتے ہیں، یہ مقام اصالۃً انبیاء و مرسل علیہم الصلوات والتسلیمات کا ہے، یہی وجہ ہے کہ حضرت ابراہیم خلیل الرحمٰن علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے دل کا اطمینان طلب کیا اور یقین حاصل کرنے میں عوام الناس کی طرح ظاہری نگاہ سے دیکھنے کے محتاج ہوئے۔ اور حضرت عزیر علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی فرمایا: اَنّٰی یُحْیٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا (بقرہ آیت ۲۵۹) (اللہ تعالیٰ اس بستی کو موت کے بعد کیسے زندہ کرے گا) —— اور جس نے رجوع نہیں کیا اور اپنے یقین سے یہ کہا کہ "اگر (غیب کے) تمام حجابات اٹھا دیئے جائیں تو بھی میرے یقین میں اضافہ نہیں ہوگا"۔ —— اگر یہ ثابت ہو جائے کہ یہ کلام حضرت امیر (علی) کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کا ہے تو یہ اس بات پر محمول کیا جائیگا کہ آپ کا یہ کلام رجوع الی الخلق سے پہلے کا ہے کیونکہ رجوع کے بعد صاحبِ رجوع عوام الناس کی طرح یقین کے حصول میں دلائل و براہین کا محتاج ہے —— اس درویش کو رجوع سے پیشتر علم کلام کے تمام معتقدات ظاہر ہو گئے تھے اور ان معتقدات کے یقین کو محسوسات کے یقین سے زیادہ پاتا تھا، لیکن رجوع کے بعد وہ یقین پوشیدہ ہو گیا اور عوام الناس کی طرح دلائل و براہین کا محتاج ہو گیا۔ ع

چنانکہ پرورشم می دہند می رویم (جس طرح پالتے ہیں پلتا ہوں میں) والسلام

(بقیہ از صفحہ گذشتہ) آپ کے نام پانچ مکتوبات ہیں دفتر اول ۱۸۱-۲۰۸-۲۳۳-۲۳۶-۲۶۰۔ آپ حضرت مجددؒ کے بڑے صاحبزادے اور اولیاءِ کبار میں سے تھے، بچپن ہی سے کشفِ قلوب اور کشفِ قبور میں نہایت عالی نظر تھے۔ اس غلبہ کے باوجود علوم عقلیہ و نقلیہ میں ماہر ہوئے۔ ولادت سنہ ۱۰۰۰ھ میں اور وفات سنہ ۱۰۲۵ھ میں ہوئی۔ (مفصل حالات کیلئے ہماری تالیف "حضرت مجدد الف ثانی" ملاحظہ ہو)

مکتوب ۱۸۲
صد و ہشتاد و دوم

مُلّا صالح[1] کولابی کی طرف صادر فرمایا ـــــ اس حدیثِ نبوی علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے بیان میں جس میں صحابہ کرامؓ نے اپنے بُرے خطرات (وساوس) کی شکایت کی تھی آپؐ نے جواب میں فرمایا "یہ کمالِ ایمان میں سے ہے" اور اس کے مناسب بیان میں۔

درویشوں کی ایک جماعت بیٹھی ہوئی تھی (اتفاق سے) طالبانِ طریقت کے خطرات و وساوس کے بارے میں گفتگو شروع ہوگئی۔ اسی ضمن میں ایک حدیث کا ذکر آیا کہ ایک روز حضرت خیر البشر علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کے اصحابِ کرامؓ میں سے بعض نے آں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنے بُرے خطرات (وساوس) کی شکایت کی۔ آں سرور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ذٰلِکَ مِنْ کَمَالِ الْاِیْمَانِ[2] (یہ کمالِ ایمان میں سے ہے) ـــــ اس وقت اس حدیث کے معنی اس فقیر کے دل میں اس طرح آئے ـــ اور حقیقتِ حال کو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ہی زیادہ جانتا ہے ـــ کہ کمالِ ایمان سے مراد کمالِ یقین ہے اور کمالِ یقین کمالِ قرب پر مترتب ہے، اور قلب اور اس سے اوپر کے لطائف (روح سر خفی اور اخفیٰ) کو قربِ الٰہی جل شانہٗ جسقدر زیادہ حاصل ہوگا اسی قدر ایمان و یقین بھی زیادہ ہوگا، اور قالب کے ساتھ اس کی بے تعلقی زیادہ ہوجائے گی۔ اس وقت خطرات قالب میں بہت زیادہ ظاہر ہوں گے اور بہت نامناسب وسوسے نمایاں ہوں گے۔ پس لازماً بُرے خطرات کا سبب کمالِ ایمان ہوگا ـــــ لہٰذا نہایت النہایت کے منتہی کو خطرات جسقدر زیادہ اور نامناسب ہوں گے ایمان کی اکملیت اسی قدر زیادہ ہوگی کیونکہ کمالِ ایمان اس امر کا مقتضی ہے کہ تمام لطائف سے الطف لطیفہ کو لطیفۂ قالب کے ساتھ کامل بے مناسبتی ہو، اور یہ بے مناسبتی جسقدر زیادہ ہوگی قالب اسی قدر زیادہ خالی اور ظلمت و کدورت سے زیادہ نزدیک ہوگا اور اس میں خطرات و وساوس اسی قدر زیادہ ہوں گے بخلاف بندی اور متوسط کے کہ اس قسم کے خطرات ان کے لئے زہرِ قاتل اور باطنی مرض کو زیادہ کرنے والے ہیں۔ فَلَا تَکُنْ مِّنَ الْقَاصِرِیْنَ

وسوسوں کا آنا کمالِ ایمان کی علامت ہے

---

[1] آپ کے نام دس مکتوبات ہیں اور تذکرہ دفتر اول مکتوب ۱۶۱ پر ملاحظہ ہو۔

[2] حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کے بعض اصحاب نے عرض کیا کہ ہم اپنے دلوں میں ایسی بات پاتے ہیں کہ جس کے متعلق بات کرنا بھی ہم کو بھاری معلوم ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا کیا واقعی ایسا ہے؟ صحابہؓ نے عرض کیا جی ہاں۔ آپ نے فرمایا: یہ صریح ایمان کی علامت ہے (رواہ مسلم)

(پس تو (ہمارے کلام کے سمجھنے میں) قصور کرنے والوں میں سے نہ ہو) ـــــــ یہ معرفت اس فقیر کے دقیق معارف میں سے ہے ـــــــ اور سلام ہو اس پر جس نے ہدایت کی پیروی کی اور حضرت محمد مصطفٰے علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی تابعداری اپنے اوپر لازم کی۔

مکتوب ۱۸۳

صدو ہشتاد و سوم
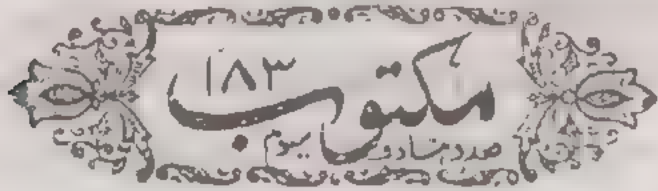
ملا معصوم کابلی[1] کی طرف نصیحت کے طور پر صادر فرمایا۔

حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ حضرت محمد مصطفٰے علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کے راستے پر استقامت فرما کر کلی طور پر اپنے جنابِ قدس کی گرفتاری نصیب فرمائے ـــــــ امید ہے کہ مختلف تعلقات اور پراگندہ توجہات جو کہ آپ کے اوپر بظاہر غلبہ پا گئے ہیں باطنی نسبت میں مانع نہیں ہوں گے۔ اور باوجود اس کے کوشش فرمائیں کہ ظاہری حالات کے متفرق ہونے میں کبھی کمی آجائے، ایسا نہ ہو کہ وہ باطن میں سرایت کر جائے اور اصل مقصد تک پہنچنے سے باز رکھے عِیَاذًا بِاللّٰہِ سُبْحَانَہٗ مِنْ ذٰلِکَ (حق تعالیٰ سبحانہ اس سے اپنی پناہ میں رکھے) ـــــــ دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے وہ اس لائق نہیں ہے کہ اپنی عمر عزیز صرف کر کے اس کو حاصل کیا جائے۔ خبر کر دینا شرط ہے۔ اس خوابِ خرگوش میں کب تک رہو گے ؎

اے سرائے و باغِ تو زندانِ تو خان ومانِ تو بلائے جانِ تو

(ہیں یہ سب باغ ومحل، زنداں تجھے خان وماں بھی ہیں بلائے جاں تجھے)

مرنے سے پہلے اگر کوئی (نیک) کام کر لیا تو اچھا ہے ورنہ خرابی ہی خرابی ہے۔ باطن کے سبق کو نہایت عزیز جاننا چاہیے اور جو کچھ اس کے منافی ہے اس کو دشمن سمجھنا چاہیے ؎

ہرچہ جز عشقِ خدائے احسن است گر شکر خوردن بود جان کندن است

(عشقِ حق کے ماسوا سب قہر ہے گو وہ شیریں بھی ہے آخر زہر ہے)

مَا عَلَی الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلَاغُ (قاصد کا کام حکم پہنچا دینا ہے)۔ والسلام

[1] آپ کے نام دو مکتوبات ہیں دفتر اول مکتوب ۱۴۰-۱۸۳- لہذا آپ کا مختصر تذکرہ مکتوب ۱۴۰ کے فٹ نوٹ میں ملاحظہ فرمائیں۔

مکتوب ۱۸۴

قلیج اللہ[1] کی طرف صادر فرمایا —— سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت کی ترغیب میں۔

مکتوب مرغوب جو فرزند ارجمند نے از روئے محبت و اخلاص لکھا تھا میر سید خواجہ نے پہنچا دیا خوشی کا باعث ہوا —— حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ بحرمۃ النبی وآلہ الامجاد علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات اتمہا واکملہا اپنے پسندیدہ کاموں کی توفیق عطا فرمائے —— اے فرزند! جو کچھ کل روزِ قیامت میں کام آئے گا وہ حضرت صاحبِ شریعت علیہ الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کی متابعت ہے۔ احوال و مواجید، علوم و معارف اور اشارات و رموز اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کے ساتھ جمع ہو جائیں تو بہت ہی اچھا ہے ورنہ سوائے خرابی اور استدراج کے کچھ نہیں ہے۔

سید الطائفہ حضرت جنید بغدادیؒ کو اُن کے انتقال کے بعد کسی شخص نے خواب میں دیکھا اور اُن کا حال دریافت کیا۔ حضرت جنیدؒ نے جواب میں فرمایا "وہ تمام عبارتیں ضائع ہو گئیں (یعنی حقائق و معارف کی باتیں) اور رموز و اشارات فنا ہو گئے، اور ان دو رکعتوں کے علاوہ کسی چیز نے نفع نہیں دیا جو ہم رات کے درمیان پڑھا کرتے تھے[2]"۔

لہٰذا تم پر لازم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے خلفائے راشدینؓ کی متابعت پر ثابت قدم رہو، اور قول و فعل، عمل اعتقاد میں شریعت کی مخالفت سے بچو۔ کیونکہ آپ کی متابعت سراپا برکت ہے اور آپؐ کی مخالفت (سراسر) بدبختی اور ہلاکت ہے —— ان باتوں کو ذہن نشین کر لو۔

دوسرے یہ کہ جو رسالہ تم نے بھیجا تھا وہ مل گیا۔ بعض مقامات کا مطالعہ کیا بہت پسند آیا لیکن دوسرا کام (باطنی سبق) تصنیف و تالیف سے بھی زیادہ اہم ہے اس میں مشغول ہونا ارفع و اعلیٰ ہے۔ والسلام

---

[1] آپ کے نام تین مکتوبات ہیں دفتر اول ۷۳-۱۸۴- دفتر دوم ۳۲۔ آپ کا تذکرہ مکتوب ۷۳ پر ملاحظہ ہو۔

[2] جیسا کہ حدیث شریف میں ہے عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول افضل الصلوٰۃ بعد المفروضۃ صلوٰۃ فی جوف اللیل (رواہ احمد)

منصورِ عرب[۵۱] کی طرف ایک صاحب کی سفارش میں صادر فرمایا۔

حضرتِ حق سبحانہٗ وتعالیٰ حضرت محمد مصطفےٰ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کی شریعت کے راستے پر استقامت عطا فرما کر آپ کو اپنی جناب قدس کی طرف پوری توجہ کے ساتھ لگادے ــــــ جو کچھ ہم پر اور آپ پر لازم ہے وہ یہ ہے کہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے ماسوا کی گرفتاری سے اپنے دل کو سلامت رکھیں۔ اور یہ سلامتی اس وقت حاصل ہوتی ہے جبکہ حق سبحانہٗ کے علاوہ غیر کا دل پر کوئی گذر باقی نہ رہے ــــــ اگر بفرضِ محال ہزار سال کی زندگی عطا ہو تو بھی اس نسیان کی وجہ سے جو دل کو ماسوائے حق سے حاصل ہے غیر کا دل پر گذر نہ ہو ع

کار اینست وغیر ایں ہمہ ہیچ (کام بس یہ ہے باقی سب کچھ ہیچ ہے)

باقی مقصد یہ ہے کہ مولانا فاضل سرہندی جو آپ کی خدمتِ عالی میں قیام پذیر ہیں ان کے والد سرہند میں ہیں، ان کی خواہش ہے کہ اس بڑھاپے اور کمزوری کے زمانے میں اپنے بیٹے کی ملاقات سے مسرور اور شاداں ہوں۔ اس سلسلہ میں آپ کو تکلیف دینے کے لئے انھوں نے فقیر کو ذریعہ بنایا ہے (اگرچہ) یہ کام آپ کے حکم پر موقوف ہے لیکن حقیقت میں سب کچھ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ والسلام

خواجہ عبدالرحمٰن مفتی کابلی[۵۲] کی طرف صادر فرمایا ــــــ سنت کی متابعت اور بدعت سے بچنے کی ترغیب میں اور اس بیان میں کہ ہر بدعت گمراہی ہے۔

(یہ فقیر) حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی بارگاہ میں نہایت تضرع وزاری، التجا، مسکینی، عاجزی اور انکساری کے ساتھ پوشیدہ اور ظاہر طور پر دعا کرتا ہے کہ جو کچھ دین میں نئی نئی باتیں پیدا ہوگئی ہیں اور (لوگوں نے

---

۵۱ آپ کے نام دو مکتوبات ہیں۔ دفتر اول مکتوب ۱۸۵ - ۱۹۶ - مزید حالات معلوم نہ ہو سکے۔

۵۲ آپ کے نام دو مکتوبات ہیں دفتر اول ۱۴۵ - ۱۸۶ - آپ کا تذکرہ مکتوب ۱۴۵ کے فٹ نوٹ میں ملاحظہ ہو۔

ایجاد کرلی ہیں جو حضرت خیر البشر اور آپؐ کے خلفائے راشدین علیہ وعلیہم الصلوات التسلیمات کے زمانے میں نہ تھیں اگرچہ وہ چیز صبح روشن کے مانند ہو۔ اس ضعیف کو اس جماعت کے ساتھ جن کے لئے وہ (بدعات) مستند ہیں اس نئے کام کے کرنے میں گرفتار نہ کیجیو اور اس نئی چیز (بدعت) کی خوبی کا دیوانہ نہ بنا ہو، بحرمۃ سید المختار وآلہ الابرار علیہ وعلیہم الصلوۃ والسلام۔

بعض علماء کہتے ہیں کہ بدعت دو قسم کی ہے "حسنہ اور سیئہ" (یعنی نیک اور بد)۔ بدعت حسنہ اس نیک عمل کو کہتے ہیں جو کہ آنحضور علیہ وعلیہم الصلوات اتمہا ومن التحیات اکملہا اور آپ کے خلفائے راشدین کے بعد ظاہر ہوا ہو اور رافعِ سنت نہ ہو (یعنی سنت کو دور کرنے والا نہ ہو) اور بدعت سیئہ وہ ہے جو رافع سنت ہو (یعنی سنت کو دور کرنے والا ہو) ——— مگر یہ فقیر ان بدعتوں میں سے کسی بدعت میں حُسن اور نورانیت مشاہدہ نہیں کرتا، اور سوائے ظلمت و کدورت کے کچھ محسوس نہیں ہوتا ——— اگر بالفرض کوئی نیا عمل (بدعت) آج اپنی ضعفِ بصارت کی وجہ سے تازہ اور خوشنما معلوم ہوتا ہے تو کل (یعنی روزِ قیامت) جب نظر تیز ہو جائے گی تو سوائے نقصان اور ندامت کے کچھ حاصل نہ ہو گا۔ بیت

بوقت صبح شود ہمچو روز معلومت ۔۔۔ کہ با کہ باختہ عشق در شب دیجور

(صبح محشر، روز روشن کی طرح ۔۔۔ رات تیری سب عیاں ہو جائے گی)

حضرت سید البشر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات فرماتے ہیں: مَنْ اَحْدَثَ فِیْ اَمْرِنَا ھٰذَا مَا لَیْسَ مِنْہُ فَھُوَ رَدٌّ[1] (یعنی جس نے ہمارے اس امر (دین) میں کوئی نئی نکالی جو اس میں نہیں ہے تو وہ قابلِ رد ہے) (یعنی مردود ہے)۔ بھلا جو چیز کہ مردود ہو اس میں حُسن (بھلائی) کہاں سے آئے گی۔

اور آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: اَمَّا بَعْدُ فَاِنَّ خَیْرَ الْحَدِیْثِ کِتَابُ اللّٰہِ وَخَیْرَ الْھَدْیِ ھَدْیُ مُحَمَّدٍ وَشَرَّ الْاُمُوْرِ مُحْدَثَاتُھَا وَکُلُّ بِدْعَۃٍ ضَلَالَۃٌ[2] (یعنی اس کے بعد واضح ہو کہ بہترین کلام کلام اللہ ہے، اور بہترین طریقہ وسیرت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ وسیرت ہے، اور سب سے بدترین چیز (دین میں) نئی باتیں (بدعتیں) ہیں، اور ہر بدعت گمراہی ہے)۔

اور نیز آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: اُوْصِیْکُمْ بِتَقْوَی اللّٰہِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَۃِ وَاِنْ کَانَ عَبْدًا حَبَشِیًّا فَاِنَّہٗ مَنْ یَّعِشْ مِنْکُمْ بَعْدِیْ فَسَیَرَی اخْتِلَافًا کَثِیْرًا فَعَلَیْکُمْ بِسُنَّتِیْ وَ

---

[1] بخاری اور مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے۔
[2] امام مسلم نے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے۔

سُنَّۃِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِیْنَ الْمَهْدِیِّیْنَ تَمَسَّکُوْا بِهَا وَعَضُّوْا عَلَیْهَا بِالنَّوَاجِذِ وَاِیَّاکُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْاُمُوْرِ فَاِنَّ کُلَّ مُحْدَثَۃٍ بِدْعَۃٌ وَکُلَّ بِدْعَۃٍ ضَلَالَۃٌ[1] (یعنی میں تم کو وصیت کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو، اور اپنے حاکم کی بات) سنو اور اس کی تابعداری کرو، اگرچہ تمہارا حاکم حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو، کیونکہ جو شخص میرے بعد زندہ رہے گا وہ عنقریب بہت اختلافات دیکھے گا پس تم میری اور میرے خلفائے راشدین مہدیین کی سنت کو لازم پکڑو، اور اس کو بہت مضبوط تھامو اور دانتوں سے مضبوط پکڑو، (ہاتھوں سے) اور نئے پیدا شدہ امور سے بچو کیونکہ ہر نئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی و ضلالت ہے)۔

لہذا جب دین میں ہر نئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی و ضلالت ہے تو پھر بدعت میں حسن (بھلائی) تلاش کرنے کے کیا معنی ـــــ نیز احادیثِ شریفہ سے جو کچھ مفہوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ ہر بدعت سنت کی رافع ہے بعض کی کوئی تخصیص نہیں (یعنی یہ بدعتِ حسنہ ہے اور یہ سیئہ) لہذا ہر بدعت سیئہ ہے ـــــ حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: مَا اَحْدَثَ قَوْمٌ بِدْعَۃً اِلَّا رُفِعَ مِثْلُهَا مِنَ السُّنَّۃِ فَتَمَسُّکٌ بِسُنَّۃٍ خَیْرٌ مِّنْ اِحْدَاثِ بِدْعَۃٍ[2] (یعنی جب کوئی قوم بدعت جاری کرتی ہے تو اس سے اس جیسی ایک سنت اُٹھالی جاتی ہے پس سنّت کو مضبوط پکڑنا بدعت کے جاری کرنے سے بہتر ہے)۔

اور حضرت حسان (بن ثابت) رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مَا ابْتَدَعَ قَوْمٌ بِدْعَۃً فِیْ دِیْنِهِمْ اِلَّا نَزَعَ اللّٰهُ مِنْ سُنَّتِهِمْ مِثْلَهَا ثُمَّ لَا یُعِیْدُهَا اِلَیْهِمْ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃِ[3] (یعنی کوئی قوم اپنے دین میں بدعت جاری نہیں کرتی مگر اللہ تعالیٰ اس جیسی ایک سنت ان میں سے اُٹھا لیتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ اس سنت کو قیامت تک ان کی طرف نہیں لوٹاتا)۔

بعض بدعتوں کا بیان

جاننا چاہیئے کہ بعض بدعتیں جن کو علماء و مشائخ نے اچھا (حسنہ) سمجھا ہے جب ان کو اچھی طرح ملاحظہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ سنت کی رافع کرنے والی ہیں، مثلاً: میت کے کفن میں عمامہ کو بدعتِ حسنہ کہتے ہیں، حالانکہ یہی بدعت رافعِ سنت ہے کیونکہ عددِ مسنون یعنی تین کپڑوں پر زیادتی نسخ ہے اور نسخ عینِ رفع ہے ـــــ اور اسی طرح مشائخ نے شملۂ دستار کو بائیں طرف چھوڑنا پسند کیا ہے حالانکہ شملہ کا دونوں کاندھوں کے درمیان چھوڑنا سنت ہے[4] ظاہر ہے کہ یہ بدعت رافعِ سنت ہے ـــــ اور ایسے ہی وہ امر ہے جو علماء نے نماز کی نیت میں مستحسن جانا ہے کہ باوجود دل کے ارادہ کے زبان سے بھی (نماز کی) نیت

---

[1] رواہ احمد والترمذی وابوداؤد وابن ماجہ۔ [2] رواہ احمد۔ [3] رواہ الترمذی۔ [4] حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب دستار باندھتے تھے تو اس کا شملہ دونوں کندھوں کے درمیان چھوڑے رکھتے تھے (ترمذی)

کہنی چاہیے. حالانکہ آنحضرت علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ سے کسی صحیح حدیث یا ضعیف روایت سے ثابت نہیں ہوا اور نہ ہی اصحابِ کرامؓ و تابعین عظام سے، کہ انھوں نے زبان سے نیت کی ہو، بلکہ جب اقامت ہوتی تھی تو وہ صرف تکبیر تحریمہ کہتے تھے لہٰذا زبان سے نیت کرنا بدعت ہے اور اس بدعت کو حسنہ کہا ہے، اور یہ فقیر جانتا ہے کہ رفعِ سنت تو بجائے خود رہا، یہ تو فرض کو بھی رفع کرتی ہے کیونکہ اس تجویز میں اکثر لوگ زبانی نیت پر ہی اکتفا کرتے ہیں اور دل کی غفلت پر کچھ نہیں ڈرتے کہ اس ضمن میں نماز کے فرضوں میں سے ایک فرض جو کہ نیتِ قلبی ہے متروک ہو جاتا ہے اور نماز کے فاسد ہونے تک پہنچا دیتا ہے[۳] ——— یہی حال تمام مبتدعات و محدثات کا ہے کیونکہ وہ سنت پر زیادتی ہے خواہ کسی طرح کی ہو اور زیادتی نسخ ہے اور نسخ رفعِ (سنت) ہے۔

لہٰذا آپ پر لازم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم کی متابعت پر کمر بستہ رہیں اور اصحابِ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی اقتدا پر کفایت کریں کیونکہ فَاِنَّھُمْ کَالنُّجُوْمِ بِاَیِّھِمْ اقْتَدَیْتُمْ اِھْتَدَیْتُمْ (ت: وہ ستاروں کے مانند ہیں جن کی اقتدا کرو گے ہدایت پاؤ گے) ——— لیکن قیاس اور اجتہاد کوئی بدعت نہیں کیونکہ وہ نصوص کو ظاہر کرتے ہیں کسی زائد امر کو ثابت نہیں کرتے۔ فَاعْتَبِرُوْا یٰاُولِی الْاَبْصَارِ (پس دانائی کو عبرت حاصل کرنی چاہیے) اور اس شخص پر سلام ہو جو ہدایت کے راستہ پر چلے اور حضرت محمد مصطفیٰ علیہ و علیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کی متابعت کو لازم پکڑے)۔

قیاس اور اجتہاد بدعت نہیں
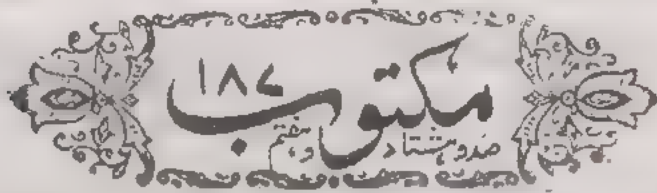
خواجہ محمد اشرف کابلی[۱] کی طرف صادر فرمایا ——— اس بیان میں کہ رابطہ (تصورِ شیخ) کا طریقہ مقصدِ اعلیٰ حاصل کرنے کے راستوں میں سب سے قریب ترین راستہ ہے، اور اس بیان میں کہ (ابتدا میں) مرید کے لئے رابطہ، ذکرِ (الٰہی) سے زیادہ نفع بخش ہے۔

وہ تحریر (خط) جو آپ نے دوستوں کو لکھی تھی نظر سے گزری اور مذکورہ حالات سے آگاہی ہوئی۔ جاننا چاہیے کہ مرید کو تکلف اور بناوٹ کے بغیر اپنے شیخ (پیر) کے ساتھ رابطہ کا حاصل ہونا پیر اور مرید کے

---

[۱] رواہ رزین۔ [۲] آپ کے نام دس مکتوبات ہیں، اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۱۳۱ کے فٹ نوٹ میں ملاحظہ ہو۔
[۳] ملا علی قاریؒ نے شرح مشکوٰۃ میں فرمایا ہے "مخفی نہ رہے کہ قلب کی غفلت کے ساتھ زبان سے نیت کرنا غیر معتبر ہے اور در مختار میں ہے کہ نیت کے لئے معتبر عملِ قلب ہے جو ارادہ کے لئے لازم ہے ذکر باللسان کا کوئی اعتبار نہیں اگرچہ وہ قلب کے خلاف ہو۔

درمیان اس کامل مناسبت کی علامت ہے جو افادہ و استفادہ (فائدہ پہنچانے اور فائدہ حاصل کرنے) کا سبب ہے اور وصول الی اللہ کے لئے رابطہ سے زیادہ اقرب ترین طریق کوئی نہیں ہے۔ دیکھیں کس دولتمند کو اس سعادت سے بہرہ مند کرتے ہیں ۔۔۔ حضرت خواجہ احرار قدس اللہ تعالیٰ سرہ العزیز "فقرات" میں تحریر فرماتے ہیں کہ

(رابطہ کی اہمیت)

ع سایۂ رہبر بہ است از ذکرِ حق (صحبتِ شیخ، ذکر سے بہتر)

اس کو بہتر کہنا نفع کے اعتبار سے ہے، یعنی رہبر کا سایہ مرید کے لئے ذکر کرنے سے زیادہ فائدہ مند ہے، کیونکہ (ابتداءمیں) مرید کو ابھی مذکور (حق جل وعلا) کے ساتھ کامل مناسبت حاصل نہیں ہے کہ (جس سے) وہ ذکر کے طریق سے پورا پورا نفع حاصل کرسکے۔ والسلام اولاً و آخراً۔

مکتوب ۱۸۸

صد و ہشتاد و ہشتم
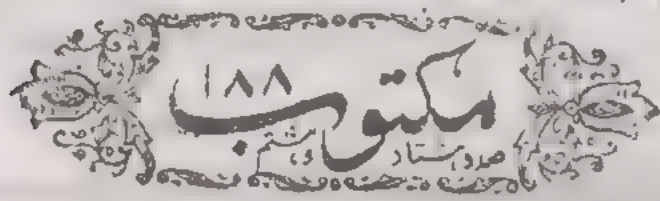
خواجہ محمد صدیق بدخشی[1] کی طرف صادر فرمایا ۔۔۔ ان مسائل کے حل میں جو انھوں نے دریافت کئے تھے۔

میرے عزیز بھائی کا پسندیدہ مکتوب موصول ہوا (جس میں) تین باتوں کے متعلق دریافت کیا تھا۔

۔۔۔۔ اے محبت کے نشان والے (۱) مرتبۂ قلب میں بعض لطائف کا پوشیدہ رہنا صرف اُن لطائف پر ہی موقوف ہے جو قلب کے ضمن میں ہیں نہ یہ کہ وہ لطائف جو قلب سے ماوراء متحقق ہیں، کیونکہ مرتبۂ قلب میں ان کا پوشیدہ ہونا کوئی حیثیت نہیں رکھتا ۔۔۔۔ (۲) دوسرے یہ کہ جس شخص کی استعداد مرتبۂ قلب یا روح تک ہے، صاحبِ تصرف پیر اس کو اونچے درجے پر پہنچا سکتا ہے لیکن اس جگہ ایک باریک نکتہ ہے جو ور بروبات چیت سے تعلق رکھتا ہے اس کو تحریر میں لانا دشوار ہے ۔۔۔۔ (۳) تیسرے یہ کہ جب ظاہر باطن کے رنگ میں رنگا جائے اور باطن ظاہر کے رنگ میں رنگین ہو جائے تو کیا مشکل ہے کہ ظاہری احکام باطن میں اور باطنی احوال ظاہر میں نمایاں اور پیدا ہوں۔ والسلام

---

[1] آپ کے نام بارہ[12] مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۱۳۲ پر گذر چکا ہے۔

شرف الدین حسین بدخشی[1] کی طرف صادر فرمایا ـــــ اس بیان میں کہ بے فائدہ تعلقات میں گرفتار رہنے کے باوجود فقراء کی یاد کا ہونا اُن کے بڑی مناسبت اور تعلق کا اظہار ہے۔ لہٰذا اس کمینی دنیا کی تر و تازگی پر فریفتہ نہیں ہونا چاہئے، اور باطنی سبق کو عزیز رکھنا چاہئے۔ اور اس بیان میں کہ شریعت کے احکام میں سرتابی نہیں کرنی چاہئے بلکہ پورے احسان اور عاجزی و زاری سے انہیں قبول کرنا چاہئے اور اس کے مناسب۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَاٰلِہِ الطَّاہِرِیْنَ اَجْمَعِیْنَ (یعنی تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے اور حضرت سید المرسلین اور آپ کی سب پاک اولاد پر صلوٰۃ و سلام ہو) ـــــ فرزند ارجمند، عزیز و سعادتمند شرف الدین حسین کا مکتوب شریف موصول ہو کر خوشی و مسرت کا باعث ہوا۔ یہ کسقدر بڑی نعمت ہے کہ بیفائدہ تعلقات میں گرفتار رہنے کے باوجود (آپ نے) دوردراز کے فقراء کی یاد کو فراموش نہیں کیا۔ اس طرح کی یاد (یعنی خط و کتابت) سے (فقراء کے ساتھ) انتہائی مناسبت کا اظہار ہوتا ہے جو افادہ و استفادہ کا باعث ہے ـــــ بعض واقعات جو آپ نے تحریر کئے تھے وہ نیک اور اصلی ہیں اور باطنی تعلق کے لئے قوی دلیل ہیں۔

اے فرزند! اس کمینی دنیا کی تر و تازگی پر فریفتہ نہ ہوں اور اس کی بیکار شان و شوکت پر فریفتہ نہ ہوں کہ وہ ناپائیدار اور بے اعتبار ہے۔ اگر آج یہ بات آپ کی سمجھ میں نہیں آتی لیکن کل (روز قیامت) ضرور (اس کی حقیقت) معلوم ہو جائے گی اور اُس وقت اس کا کچھ فائدہ نہ ہوگا ؎

گوشش از بار در گراں شدہ است ‌ ‌ نشنود نالہ و فغانِ مرا

(دُرِ ناحق پہن کے بہرا ہے ‌ ‌ کیوں سُنے گا تو اب ہماری بات؟)

آپ کو چاہئے کہ باطنی سبق کو خداوند جل شانہٗ کی بزرگترین نعمتوں میں سے جان کر پابندی کے ساتھ اس پر تکرار کریں اور اس کے لئے حریص ہوں۔ اور پانچوں وقت نماز با جماعت بغیر کسی سستی اور فتور کے ادا کریں۔ اور زکوٰۃ کا چالیسواں حصہ احسانمندی کے ساتھ فقراء و مساکین کو پہنچائیں ـــــ اور محرمات و مشتبہات چیزوں سے پرہیز کریں ـــــ اور مخلوقِ خدا پر مشفق و مہربان رہیں ـــــ نجات اور خلاصی حاصل کرنے کا یہی طریقہ ہے۔ والسلام

[1] آپ کے نام آٹھ مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۱۳۶ پر ملاحظہ ہو۔

میر محمد نعمان بدخشی کے صاحبزادوں میں سے ایک صاحبزادے کی طرف صادر فرمایا ـــــ ذکر الٰہی جل سلطانہٗ میں دوام حاصل کرنے اور طریقۂ عالیہ نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کو اختیار کرنے کی ترغیب میں اور ذکر کرنے کے طریقے کے بارے میں اور اس کے مناسب بیان میں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَاٰلِہِ الطَّاهِرِیْنَ اَجْمَعِیْنَ ـــــ جان لو اور آگاہ ہو جاؤ کہ آپ کی سعادت بلکہ تمام بنی آدم کی سعادت اور فلاح و نجات مولیٰ جل سلطانہٗ کے ذکر میں ہے۔ جہاں تک ممکن ہو سکے اپنے تمام اوقات کو ذکرِ الٰہی جل شانہٗ میں مستغرق رکھنا چاہیے اور ایک لمحہ بھی غفلت نہیں برتنی چاہیے۔

(طریقہ ذکر کی تعلیم اور دیگر نصائح)

اللہ تعالیٰ ہی کی حمد اور اس کا احسان ہے کہ حضرات خواجگان (نقشبندیہ) قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے طریقہ میں ذکرِ دوام ابتدا ہی میں "اندراج النہایت فی البدایت" کے طریق پر حاصل ہو جاتا ہے، اور طالب کے لیے اس طریقۂ عالیہ کو اختیار کرنا بہت ہی بہتر اور مناسب بلکہ واجب و لازم ہے۔ لہٰذا آپ کو چاہیے کہ اپنے قبلۂ توجہ کو تمام اطراف سے ہٹا کر بالکلیہ اس طریقۂ عالیہ کے اکابر کی طرف مرکوز کر دیں اور ان کے باطن شریف سے ہمت اور توجہ طلب کریں کیونکہ ابتدا میں ذکر کے بغیر چارہ نہیں۔

آپ کو چاہیے کہ قلبِ صنوبری کی طرف متوجہ ہوں کہ وہ گوشت کا ٹکڑا قلبِ حقیقی کے لیے ایک حجرے یا گھر کی مانند ہے اور اسمِ مبارک "اللہ" کو اس قلب پر گزاریں، اور اس وقت قصداً کسی عضو کو حرکت نہ دیں اور پوری طرح قلب کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھیں اور اپنی قوتِ خیالیہ میں قلب کی صورت کو جگہ نہ دیں اور نہ اُس کی طرف متوجہ ہوں کیونکہ مقصود قلب کی طرف توجہ کرنا ہے نہ کہ اس کی صورت کا تصور۔ اور لفظِ مبارک "اللہ" کے معنی کو بے چونی و بے چگونی (بے مثل و بے کیف) کے ساتھ ملاحظہ کریں اور کسی صفت (وکیفیت) کو اس کے ساتھ شامل نہ کریں اور اس کا حاضر و ناظر ہونا بھی ملحوظ نہ ہو تاکہ آپ (حق سبحانہٗ و) تعالیٰ و تقدس کی بلندی سے صفات کی پستی میں نہ آ جائیں، اور اس طرح اس کی وجہ سے کثرت میں وحدت کا مشاہدہ کرنے میں نہ پڑ جائیں اور بے چون کی گرفتاری سے چون کے تنزل کے ساتھ

آرام نہ پکڑیں کیونکہ جو چون کے آئینے میں ظاہر ہوگا وہ بے چون نہیں ہے اور جو کچھ کثرت میں نمودار ہو وہ واحدِ حقیقی نہیں ہے، بے چون کو چون کے دائرے سے باہر ڈھونڈنا چاہئے اور بسیطِ حقیقی کو کثرت کے احاطہ کے باہر تلاش کرنا چاہئے۔ اگر ذکرِ (الہٰی) کرتے وقت پیر کی صورت بے تکلف ظاہر ہو تو اس کو بھی قلب کی طرف لے جانا چاہئے اور قلب میں نگاہ رکھ کر ذکر کرنا چاہئے۔

پیر کون ہے؟

آپ کو معلوم ہے کہ پیر کون ہے؟ پیر وہ شخص ہے جس سے آپ خدائے تعالیٰ جل شانہ کی جنابِ قدس تک پہنچنے کا راستہ حاصل کریں اور اس راستے میں آپ اس سے امداد و اعانت حاصل کریں۔ صرف کلاہ و دامنی (چادر) اور شجرہ جو معروف ہو گیا ہے پیری مریدی کی حقیقت سے خارج ہے اور رسم و عادت میں داخل ہے، لیکن اگر شیخ کامل و مکمل سے کوئی کپڑا آپ کو تبرک کے طور پر حاصل ہو جائے اور آپ اعتقاد و اخلاص کے ساتھ اس کو پہن کر زندگی گذاریں تو اس صورت میں بہت سے فائدوں اور ثمرات کے حاصل ہونے کا بھی قوی احتمال ہے۔

خواب اور واقعات کی حقیقت

اور آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ خواب اور واقعات اعتماد اور اعتبار کے لائق نہیں ہیں۔ اگر کسی نے اپنے آپ کو خواب یا واقعہ میں بادشاہ دیکھا یا خود کو قطبِ وقت معلوم کیا تو وہ حقیقت میں ایسا نہیں ہے، ہاں اگر خواب اور واقعہ (کشف) کے بغیر بادشاہ ہو جائے یا قطب بن جائے تو البتہ مسلّم ہے۔ پس جو بھی احوال و مواجید بیداری اور ہوش کی حالت میں ظاہر ہوں ان میں اعتماد کی گنجائش ہے ورنہ نہیں۔

نیز آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ ذکر کا نفع اور اس پر اثرات کا مترتب ہونا شریعت کے احکام بجالانے سے وابستہ ہے لہٰذا فرائض و سنن کے ادا کرنے اور حرام و مشتبہ چیزوں سے بچنے میں پوری پوری احتیاط کرنی چاہئے، اور چھوٹے بڑے (احکام) میں علماء کی طرف رجوع کرنا چاہئے اور ان کے فتووں کے موافق زندگی بسر کرنی چاہئے۔ والسلام

مکتوب ۱۹۱
صد و نود و یکم

(عبدالرحیم) خان خاناں[1] کی طرف صادر فرمایا ـــــ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی متابعت کی ترغیب میں اور اس بیان میں کہ شرعی احکامات میں آسانی اور سہولت کی پوری رعایت رکھی گئی ہے۔

---

[1] آپ کے نام ۲۳ نمبر مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۲۳ صفحہ ۹۶ پر ملاحظہ ہو۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰنَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰنَا اللّٰهُ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ (یعنی تمام تعریفیں اس اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے ہم کو ہدایت دی اور اگر وہ ہم کو ہدایت نہ دیتا تو ہم کبھی ہدایت نہ پاتے، بیشک ہمارے پروردگار کے رسول حق کے ساتھ آئے ہیں) ــــــــ (اعراف آیت ۴۳)

سعادتِ ابدی اور نجاتِ سرمدی انبیاءِ کرام صلوات اللہ تعالیٰ وتسلیماتہ سبحانہ علیٰ اجمعہم عموماً و علیٰ افضلہم خصوصاً کی تابعداری کے ساتھ وابستہ ہے ــــــ اگر بفرضِ محال ہزار سال عبادت کی جائے اور سخت قسم کی ریاضتیں اور مجاہدات کئے جائیں لیکن ان بزرگواروں (انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام) کی متابعت کے نور سے منور نہ ہوں تو اس کی قیمت جَو کے برابر بھی نہیں ــــــ اور جو قیلولہ (دوپہر کا سونا) جس میں سراسر غفلت و تعطل ہوتا ہے اگر ان برگزیدگان (انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام) کے حکم کے مطابق کیا جائے تو (اس وقت کے مجاہدات) اس نیند کے برابر نہیں ہیں، بلکہ (اس وقت کی) عبادت سراب (چٹیل میدان) کے مانند ہے ــــــ حق تعالیٰ جل سلطانہ کی کمال درجہ عنایت ہے کہ اس نے تمام شرعی تکالیف (احکام) اور دینی امور میں نہایت آسانی اور بے انتہا سہولت کی رعایت رکھی ہے ــــــ مثلاً دن رات کے آٹھ پہروں میں سترہ رکعات فرض ادا کرنے کی تکلیف دی گئی ہے کہ ان کی ادائیگی میں مجموعی طور پر ایک ساعت (گھنٹہ) بھی نہیں لگتا ــــــ اس کے علاوہ (ان رکعتوں میں) جسقدر قرأت میسر ہو سکے اس پر کفایت کی اجازت ہے ــــــ (نماز میں) اگر کھڑا ہونا مشکل ہو تو بیٹھنے کی بھی اجازت ہے، اور بیٹھنا مشکل ہو تو عذر میں (قبلہ رُو) پہلو کے بل لیٹ کر ادا کرنے کی اجازت دیدی۔ اور جب رکوع و سجود دشوار ہوں تو اشاروں سے ادا کرنے کی اجازت ہے ــــــ اگر طہارت حاصل کرنے کے لئے پانی استعمال کرنے پر قدرت نہ ہو تو اس کی جگہ تیمم کو وضو کا بدل بنا دیا ــــــ

اور زکوٰۃ میں چالیسواں حصہ مساکین و فقراء کا مقرر کر دیا اور اس کو بھی بڑھنے والے اموال اور چرنے والے جانوروں پر منحصر رکھا ــــــ اور تمام عمر میں ایک مرتبہ حج کو فرض قرار دیا۔ اور اس کو بھی زاد راہ (سفر خرچ) سواری اور راستے کے امن پر مشروط رکھا ہے ــــــ اور مباح چیزوں کا دائرہ بہت وسیع کر دیا (مثلاً بیک وقت) چار عورتیں نکاح کے ساتھ اور زر خرید کنیزیں جسقدر چاہیں حلال کر دیں۔ اور (ناخوشگوار حالات میں) طلاق کو عورتوں کے تبدیل کرنے کا ذریعہ بنایا ــــــ اور کھانے پینے اور پہننے کی اکثر چیزوں کو مباح کر دیا۔ ان میں سے بہت کم چیزیں ایسی ہیں جن کو بندوں کی مصلحتوں (بہتری اور فائدے) کی خاطر حرام قرار دیا۔

(مثلاً) ایک بدمزہ، نقصان دہ شراب کو حرام کر کے اس کے عوض بہت سے خوش ذائقہ، فائدہ مند شربتوں کو حلال کیا ہے۔ عرقِ لونگ، عرقِ دارچینی اپنی خوشبو اور خوش ذائقے کے علاوہ اپنے اندر اتنے فوائد اور منافع رکھتے ہیں کہ ان کو کہاں تک لکھا جائے۔ وہ چیز جو کڑوی بدمزہ اور ناگوار تیز بُو، بدخُو، ہوش و حواس کھو دینے والی اور پُرخطر (یعنی شراب) ہے، اس خوشبو والے عرق سے کیا مناسبت رکھتی ہے۔ شَتَّانَ مَا بَيْنَهُمَا (ان دونوں کے درمیان بہت بڑا فرق ہے) ——— وہ فرق جو حلال و حرام کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے وہ دوسری بات ہے، اور وہ فرق جو پروردگار جل سلطانہٗ کی رضامندی اور ناراضگی کی وجہ سے ہو وہ الگ ہے۔

اور (مردوں کے لئے) ریشمی لباس کو اگر حرام کر دیا گیا تو کیا مضائقہ ہے جبکہ اس کی بجائے زیب و زینت کے کپڑے اور مزین لباس حلال کر دیئے گئے۔ اور پشمینہ (اونی) کپڑوں کا لباس مطلقاً مباح ہے جو ریشم کے لباس سے کہیں بہتر ہے ——— اور اسی طرح ریشم کے لباس کو عورتوں کے لئے حلال قرار دیا کہ عورتوں کی زیب و زینت کا فائدہ آخر کار مردوں ہی کو حاصل ہوتا ہے ——— اور ایسے ہی چاندی سونے کا حال ہے کہ عورتوں کے زیورات کو مردوں کے لئے فائدے اور خوشی کا باعث بنا دیا ——— ——— اگر کوئی بے انصاف شخص (شریعت کی) اس سہولت اور آسانی کو مشکل اور دشوار سمجھے تو وہ قلبی مرض میں مبتلا ہے اور باطنی علت میں گرفتار ہے ——— بہت سے کام ایسے ہیں کہ تندرست لوگ اُن کو آسانی سے انجام دے سکتے ہیں لیکن کمزور لوگوں پر اُن کا ادا کرنا بہت دشوار ہوتا ہے ——— قلبی مرض سے مراد آسمان سے نازل شدہ احکام پر عدمِ یقین ہے ——— ایسے لوگوں کو جو تصدیق حاصل ہوتی ہے وہ صرف صورتِ تصدیق ہے حقیقتِ تصدیق نہیں۔ حقیقتِ تصدیق حاصل ہونے کی علامت یہ ہے کہ احکامِ شرعیہ کے ادا کرنے میں (طبیعت میں) آسانی کا پایا جانا ہے ——— وَدُونَهَا خَرْطُ الْقَتَادِ (اور اس کے بغیر کانٹوں میں ہاتھ ڈالنا ہے) ——— اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے: كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِينَ مَا تَدْعُوهُمْ إِلَيْهِ ۚ اللَّهُ يَجْتَبِي إِلَيْهِ مَن يَشَاءُ وَيَهْدِي إِلَيْهِ مَن يُنِيبُ ○ (شوریٰ ۴۲ آیت ۱۳) (مشرکوں پر وہ بات بہت گراں ہے جس کی طرف آپ اُن کو بلاتے ہیں، اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اپنے لئے منتخب کر لیتا ہے اور ہدایت دیتا ہے جو اس کی طرف دل سے رجوع ہوتا ہے) اور سلام ہو اس شخص پر جو ہدایت کی راہ پر چلا اور حضرت محمد مصطفیٰ علیہ و علیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات اتمہا و اکملہا کی متابعت کو اپنے اوپر لازم کرے۔

شیخ بدیع الدین[۱] سہارنپوری کی طرف صادر فرمایا —— اُس سوال کے جواب میں جو انھوں نے دریافت کیا تھا۔

میرے عزیز اور سعادتمند بھائی شیخ بدیع الدین نے دریافت کیا تھا کہ گیارہویں عرضداشت میں جو حضرت خواجہ (باقی باللہ) قدس سرہٗ کی خدمت میں تحریر کی گئی تھی لکھا تھا کہ "ایک رنگین مقام میں اس فقیر کا گذر ہوا جو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقام سے بلند تر ہے"۔ اس کے کیا معنی ہیں؟

اے بھائی! اللہ تعالیٰ تجھ کو ہدایت دے، ہم اس بات کو تسلیم نہیں کرتے کہ اس عبارت سے (حضرت ابوبکر صدیق رضؓ پر) فضیلت لازم آتی ہے جبکہ لفظ "ہم" اس میں موجود ہے (جس کے معنی "بھی" کے ہیں) اور اگر تسلیم کر لیا جائے تو یہ بات، اور ایسی دوسری باتیں جو اس عرضداشت میں تحریر ہوئی ہیں وہ ان واقعات میں سے ہیں جو اپنے پیر و مرشد کو لکھے گئے ہیں، اور اس گروہ (صوفیہ) کے لئے یہ بات طے شدہ ہے کہ جو کچھ واقعات میں سے ظاہر ہوتا ہے خواہ وہ صحیح ہو یا غلط بلا تکلف اپنے پیر کی خدمت میں ظاہر کرتے رہیں کیونکہ غیر صحیح میں بھی تاویل و تعبیر کا احتمال ہے لہٰذا اس کے اظہار کے بغیر چارہ نہیں ہے۔ اور جو کچھ ہم بیان کر رہے ہیں اس میں معنی کے لحاظ سے کوئی خرابی لازم نہیں آتی۔

اور (علماء) اس کا دوسرا حل بھی تجویز کرتے ہیں کہ اگر جزئیات میں سے کسی جزئی میں غیر نبی کو نبی پر فضیلت متحقق ہو جائے تو کوئی مضائقہ نہیں بلکہ ایسا واقع ہونا ممکن ہے —— جیسا کہ شہداء کے متعلق بہت زیادہ (فضائل کی) روایتیں وارد ہوئی ہیں اور انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کیلئے وارد نہیں ہوئیں، اس کے باوجود کُلّی فضیلت نبی علیہ وعلی آلہ الصلوات والتحیات کے لئے مخصوص ہے۔

اس اصول کے مطابق اگر کسی غیر نبی کو ان جزئی کمالات میں سیر واقع ہو جائے اور وہ اپنے آپ کو اس مقام میں بلند تر پائے تو اس کی گنجائش ہے، اگرچہ اس مقام کا حصول نبی کی تابعداری ہی کی وجہ سے ہے، اور نبی کے لئے بھی اس مقام سے اِس حدیث "مَنْ سَنَّ سُنَّۃً حَسَنَۃً فَلَہٗ اَجْرُھَا وَاَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِھَا[۲]" (جس نے کسی اچھی سنت کو جاری کیا تو اس کے لئے اس (کے جاری کرنے) کا اجر ہے اور

---

[۱] آپ کے نام دس مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۱۷۲ کے فٹ نوٹ میں ملاحظہ ہو۔
[۲] وقال صلے اللہ علیہ وسلم من دل علی خیر فلہ مثل اجر فاعلہ رواہ مسلم ۱۲ منہ

جس نے اس پر عمل کیا اس کا اجر بھی اس کے لئے ہے)" کے مطابق پورا حصہ ہے۔ جب غیر نبی کی جزئی فضیلت نبی پر جائز ہے تو غیر نبی پر اس کا جواز بطریقِ اولیٰ جائز ہوگا۔ لہٰذا ہمارے اس کلام میں کوئی اشکال نہیں ہے۔

والسلام

مکتوب ۱۹۳
صد و نود و سیوم
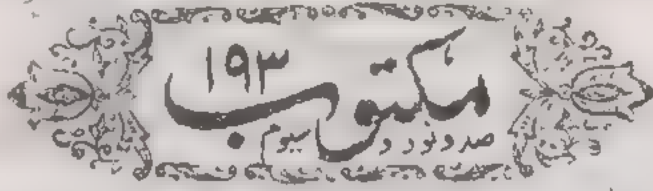
سیادت پناہ شیخ فرید[1] کی طرف صادر فرمایا ——— اہلِ سنت وجماعت کی آراء کے موافق عقائد کو درست کرنے اور احکامِ فقہیہ یعنی حلال وحرام، فرض وواجب اور سنت ومندوب کے سیکھنے کی ترغیب میں، اور اسلام کی بیچارگی (کے افسوس) میں اور اس کو رواج دینے اور تائید کرنے کی جدوجہد کے بیان میں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ، اللہ تعالیٰ ہر اس چیز پر جو آپ کے لئے برائی اور عیب کا باعث ہو آپ کا ناصر ومددگار رہے) ——— شرع شریف کے مکلّف حضرات پر سب سے پہلے ضروری ہے کہ علماءِ اہلِ سنت وجماعت شکر اللہ تعالیٰ سعیہم کی آراء کے مطابق اپنے عقائد کو درست کریں کیونکہ آخرت کی نجات ان ہی بزرگواروں کی بے خطا آراء اور اقوال کی تابعداری پر موقوف ہے ——— اور فرقۂ ناجیہ بھی یہی لوگ اور ان کے متبعین ہیں۔ اور یہی وہ لوگ ہیں جو آنحضرت صلوات اللہ وتسلیماتہٗ علیہ وعلیہم اجمعین اور ان کے اصحابِ کرام رضوان اللہ [تعالیٰ] علیہم اجمعین کے طریق پر قائم ہیں ——— اور ان علوم میں سے جو کہ کتاب وسنت سے حاصل ہوئے ہیں وہی معتبر ہیں جو ان بزرگواروں نے کتاب وسنت سے اخذ کئے اور سمجھے ہیں، کیونکہ ہر بدعتی اور گمراہ بھی اپنے فاسد عقائد کو اپنے خیالِ فاسد میں کتاب وسنت ہی سے اخذ کرتا ہے لہٰذا ان کے اخذ کردہ معانی میں سے ہر معنی پر اعتبار نہیں کرنا چاہئے ——— اور ان عقائدِ حقہ کی تصحیح کے لئے امام اجل تورپشتی کا رسالہ نہایت مناسب اور عام فہم ہے، پس مجلسِ شریفہ میں اس کا ذکر (بطورِ تعلیم) کرتے رہا کریں۔ چونکہ رسالہ مذکورہ استدلالات پر مشتمل ہے اور اس میں طول وبسط بہت ہے اس لئے کوئی اور رسالہ اگر خالص مسائل ہی پر مشتمل ہو تو زیادہ بہتر ہے۔ ——— اسی اثنا میں اس فقیر کے دل میں بھی آیا کہ اس سلسلہ میں کوئی رسالہ لکھے جو اہلِ سنت وجماعت کے عقائد پر مشتمل ہو اور اخذ کرنے میں آسان ہو۔ اگر اس کی توفیق ہوگئی تو لکھ کر آپ کی خدمت میں بھیجا جائے گا۔ ——— ان عقائد کی تصحیح کے بعد حلال وحرام، فرض وواجب، سنت ومندوب اور مکروہ کہ جس کا

عقائد کی درستگی کی ترغیب

---

[1] آپ کے نام بائیس [۲۲] مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۴۳ ص ۱۵۵ پر ملاحظہ ہو۔

متکفل (ضامن) علمِ فقہ ہے کہ اس کے علم کے مطابق عمل کرنا ضروری ہے —— بعض طالب علموں سے فرمائیں کہ وہ فقہ کی کتابوں میں سے جو فارسی میں ہوں آپ کی مجلس میں پڑھا کریں مثلاً مجموعہ خانی و عمدۃ الاسلام —— اللہ تعالیٰ سبحانہٗ کی پناہ، اگر کسی عقائدِ ضروریہ کے مسائل میں سے کسی مسئلہ میں خلل واقع ہوگیا تو نجاتِ اُخروی کی دولت سے محرومی ہے اور اگر اس کے عمل کرنے میں تساہل ہوگیا تو ممکن ہے کہ توبہ کے بغیر بھی معاف کردیا جائے۔ اور اگر مواخذہ کیا گیا تو آخر کار نجات ہو ہی جائے گی۔ پس عمدہ کام عقائد کی درستی ہے۔

حضرت خواجہ احرار قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ "اگر تمام احوال و مواجید ہم کو دیدیئے جائیں اور ہماری حقیقت کو اہلِ سنت وجماعت کے عقائد سے آراستہ نہ کریں تو ہم سوائے خرابی و بربادی کے اور کچھ نہیں جانتے، اور اگر تمام خرابیوں کو ہمارے ساتھ جمع کردیا جائے لیکن ہماری حقیقت کو اہلِ سنت وجماعت کے عقائد سے نواز دیا جائے تو پھر ہم کو کوئی خوف نہیں" —— اللہ تعالیٰ ہم کو اور آپ کو سید البشر علیہ وعلیٰ آلہ من الصلوات افضلہا ومن التسلیمات اکملہا کے طفیل اپنی مرضی کے طریقے پر ثابت قدم رکھے۔

ایک درویش لاہور کی طرف سے آئے تھے انھوں نے بیان کیا کہ شیخ جیو (شیخ فرید) نخاس کہنہ (پرانی منڈی) کی جامع مسجد میں نمازِ جمعہ کے لئے حاضر ہوئے تھے۔ میاں رفیع الدین نے ان کی توجہ مبذول کرنے کے بعد کہا کہ نواب شیخ جیو نے اپنی حویلی کے اندر جامع مسجد بنالی ہے، اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ سُبْحَانَہٗ عَلٰی ذٰلِکَ (اس پر اللہ سبحانہٗ کا شکر ہے) —— حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ آپ کو اور زیادہ توفیق عطا فرمائے —— اس قسم کی خبریں سُن کر مخلصین بہت زیادہ خوش اور مسرور ہوتے ہیں۔

میرے سیادت پناہ مکرم! آج اسلام بہت اجنبی اور بیکسی کے عالم میں ہے، آج اس کی تقویت کے سلسلہ میں ایک جیتل[1] کا صرف کرنا کروڑہا روپوں کے بدلے میں قبول کرتے ہیں، دیکھئے کس شہباز بہادر کو (دین کی) اس دولت سے مشرف فرماتے ہیں۔ ترویجِ دین اور تقویتِ ملت کسی بھی وقت خواہ کسی شخص سے وقوع میں آئے بہتر اور زیبا ہے، لیکن اس وقت جبکہ اسلام کی غربت کا زمانہ ہے آپ جیسے اہلِ بیت کے جوانمردوں کے لئے نہایت ہی زیبا اور بہتر ہے، کیونکہ یہ دولت آپ ہی کے بزرگ خاندان کی خانہ زاد ہے، اس کا تعلق آپ سے ذاتی ہے اور دوسروں سے ضمنی (عرضی)۔ حقیقت میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وراثت اسی عظیم القدر امر کے حاصل کرنے میں ہے —— حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اصحابؓ کو مخاطب کرکے فرمایا کہ "تم ایسے زمانے میں موجود ہو کہ اگر اوامر و نواہی میں سے دسویں حصہ کو ترک کردو تو

---

[1] جیتل ایک سکہ ہے چاندی کا۔ بعض نے لکھا ہے کہ یہ دام کے معنی میں ہے جو کہ فلس کا پچیسواں حصہ ہوتا ہے۔

ہلاک ہو جاؤ، اور تمہارے بعد ایسے لوگ آئیں گے کہ اگر وہ اوامر و نواہی سے دسواں حصہ بجا لائیں تو نجات پائیں گے"[1] ــــــ اب یہ وہی وقت ہے اور یہ وہی لوگ ہیں ؎

گوئے توفیق و سعادت درمیاں افگندہ اند — کس بمیداں درنمی آید سواراں راچہ شد

(گیند ہے توفیق کی، میدان میں — کب سوار آئیں گے چوگان میں)

اس وقت کافر لعین گوبند[2] اور اس کی اولاد کا مارا جانا بہت خوب ہوا اور ہنود مردود کی بڑی شکست کا باعث ہوا، خواہ کسی نیت سے اس کو قتل کیا گیا ہو اور خواہ کسی غرض سے اس کو ہلاک کیا گیا ہو، بہرحال کفار کا ذلیل ہونا ہی اہلِ اسلام کی عزت و ترقی کا باعث ہے ــــــ اس فقیر نے اس کافر کے قتل ہونے سے پہلے خواب میں دیکھا تھا کہ بادشاہِ وقت نے شرک کے سردار کا خیمہ و سائبان توڑ دیا ہے ــــــ واقعی وہ بہت بڑا بت پرست، اہلِ شرک کا رئیس اور اہلِ کفر کا امام تھا خَذَلَهُمُ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ (اللہ سبحانہ ان کو خوار کرے) ــــــ اور دین و دنیا کے سردار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی بعض دعاؤں میں اہلِ شرک کے لئے اس عبارت میں لعنت و نفرین فرمائی ہے: اَللّٰهُمَّ شَتِّتْ شَمْلَهُمْ وَفَرِّقْ جَمْعَهُمْ وَخَرِّبْ بُنْيَانَهُمْ وَخُذْهُمْ اَخْذَ عَزِيْزٍ مُّقْتَدِرٍ (یا اللہ تو ان کی جمعیت کو پراگندہ کر اور ان کی جماعت میں تفرقہ ڈال اور ان کے گھروں کو ویران کر دے اور ان کو ایسا پکڑ جیسے غالب طاقتور پکڑتا ہے)۔

اسلام اور اہلِ اسلام کی عزت، کفر اور اہلِ کفر کی خواری میں ہے ــــــ جزیہ وصول کرنے سے مقصود کفار کی خواری اور ان کی اہانت ہے "ہر قدر کہ اہلِ کفر را عزت باشد ذلت در اسلام ہماں قدر است" (جس قدر اہلِ کفر کی عزت ہوگی اسی قدر اسلام کی ذلت ہے)۔ اس اصول پر اچھی طرح نگاہ رکھنی چاہئے۔ اکثر لوگوں نے اس اصول کو ضائع کر دیا ہے اور اس بدبختی سے دین کو برباد کر دیا ہے۔ اللہ سبحانہ فرماتا ہے: يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ (تحریم آیہ ۹) (اے نبی! کفار اور منافقین سے جہاد کرو اور ان کے ساتھ سختی سے معاملہ کرو) ــــــ کفار کے ساتھ جہاد اور ان پر سختی کرنا دین کی ضروریات میں سے ہے۔ اس وقت جبکہ بادشاہِ اسلام جہانگیر کو اہلِ کفر کے ساتھ وہ توجہ نہیں رہی، (ادھر) کفر کی وہ رسمیں جو گذشتہ زمانے میں پیدا ہوئی تھیں اُن میں سے جو باقی رہ گئی ہیں وہ بھی مسلمانوں کے دلوں پر

---

[1] حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انکم فی زمان من ترک منکم عشر ما امر بہ ہلک ثم یاتی زمان من عمل منہم بعشر ما امر بہ نجا۔ (رواہ الترمذی)

[2] حضرت ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب فرماتے ہیں کہ وہ گوبند نہیں "ارجن" تھا۔

بہت گراں معلوم ہوتی ہیں لہٰذا مسلمانوں پر لازم ہے کہ بادشاہِ اسلام کو ان بد مذہبوں کی رسموں کی خرابی سے مطلع کریں اور اُن کے دُور کرنے میں کوشش کریں۔ شاید بادشاہ کو ان بقایا رسوم کی بُرائی کا علم نہ ہو ـــــ اور اگر وقت کے لحاظ سے مناسب سمجھیں تو اہلِ اسلام میں سے کسی عالم کو حکم دیں کہ وہ (بادشاہ کو) اہلِ کفر کی رسوم کی برائی سے مطلع کریں، کیونکہ احکامِ شرعی کی تبلیغ کے لئے خوارق کرامات کا اظہار کرنا کچھ درکار نہیں، قیامت کے دن کوئی عذر نہ سنیں گے کہ تصرف حاصل نہ ہونے کی وجہ سے احکامِ شرعی کی تبلیغ نہ کر سکے تھے ـــــ انبیا علیہم الصلوات والتسلیمات جو بہترین موجودات ہیں احکامِ شرعی کی تبلیغ کرتے تھے، اگر امت کے لوگ اُن سے معجزہ طلب کرتے تھے تو وہ فرما دیتے تھے کہ معجزات حق تعالیٰ کی طرف سے ہیں ہمارے ذمہ تو تبلیغِ احکام ہے ـــــ اور ہو سکتا ہے کہ اس وقت (اس تبلیغی جدوجہد کے دوران) حق سبحانہٗ وتعالیٰ کوئی ایسا امر (کرامت) ظاہر فرما دے جس سے لوگوں کو اس جماعت (اہلِ حق) کی حقانیت کا یقین ہو جائے ـــــ بہر حال (بادشاہ کو) مسائلِ شرعیہ کی حقیقت سے اطلاع دینا ضروری ہے، جبتک ایسا نہ ہو گا اس امر کی ذمہ داری علما اور بادشاہ کی بارگاہ کے مقربوں پر ہے۔ یہ کس قدر بڑی سعادت ہے کہ اس گفتگو (احکامِ شرعیہ کے پہنچانے) میں کوئی جماعت تکلیف اُٹھائے ـــــ انبیا علیہم الصلوات والتیا ت نے احکامِ شرعیہ کی تبلیغ میں کونسی تکلیفیں ہیں جو برداشت نہیں کیں اور کونسی مصیبتیں ہیں جو ان کو پیش نہیں آئیں۔ انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام میں سب سے بہتر و بہتر علیہم من الصلوات افضلہا ومن التحیات اکملہا نے فرمایا ہے: مَا اُوْذِیَ نَبِیٌّ مِثْلَ مَا اُوْذِیْتُ[1] (کسی نبی کو ایسی ایذا نہیں پہنچی جیسی کہ مجھے پہنچی ہے) ؎

عمر بگذشت و حدیثِ دردِ ما آخر نشد　　شب بآخر شد کنوں کوتہ کنم افسانہ را

(عمر گزری عشق کا افسانہ جاری ہے ابھی　　رات گزرے ہے تو اب کرتا ہوں اس میں کچھ کمی)

والسلام والاکرام

مکتوب ۱۹۴

صد و نود و چہارم

صدر جہاں[2] کی طرف صادر فرمایا ـــ ملت کو رواج دینے اور دین کی ترغیب میں اور اس کے متعلقات کے بیان میں۔

---

[1] رواہ ابن عدی وابن عساکر ـــــ [2] صدر جہاں کے نام دو مکتوب ہیں، دفتر اول مکتوب ۱۹۴ - ۱۹۵ (باقی بر صفحۂ آئندہ)

سَلَّمَکُمُ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَعَافَاکُمْ (اللہ سبحانہٗ آپ کو سلامت اور عافیت سے رکھے) ــــــ احکامِ شرعیہ کے جاری کرنے اور ملت حضرت محمد مصطفےٰ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کے دشمنوں کی ذلت و خواری کی خبریں سن کر غمزدہ مسلمانوں کے دل کو فرحت اور روح کو تازگی حاصل ہوئی۔ اس بات پر اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کا احسان ہے، اور اللہ تعالیٰ مالک و قدیر سے سوال ہے کہ وہ اپنے نبی بشیر و نذیر علیہ وعلیٰ آلہ من الصلوات افضلہا ومن التسلیمات اکملہا کے طفیل اس اہم کام میں ترقی عطا فرمائے ــــــ یقین ہے کہ مقتدایانِ اسلام خواہ وہ ساداتِ عظام ہوں یا علمائے کرام، خلوت و جلوت میں دینِ متین کی ترقی اور صراطِ مستقیم کی تکمیل میں سرگرم رہیں گے۔ (یہ فقیر) بے سروسامان اس معاملہ میں کیا گفتگو کرے ــــــ سنا گیا ہے کہ بادشاہ اسلام (جہانگیر) اسلامی استعداد کی خوبی حاصل ہو جانے کی وجہ سے علماء کا خواہاں ہے الحمد للہ سبحانہ علیٰ ذلک۔

آپ کو معلوم ہے کہ زمانہ سابق (عہدِ اکبری) میں جو فساد پیدا ہوا تھا وہ علماءِ سوء کی بدبختی کی وجہ سے ظہور میں آیا تھا اس لئے امید ہے کہ پورے پورے تتبع (چھان بین کو) مدنظر رکھ کر دیندار علماء کا انتخاب کر کے پیش قدمی کریں گے۔ علماءِ سوء جو دین کے چور اور ڈاکو ہیں ان کا مقصود حُبِّ جاہ و ریاست اور مخلوق کے نزدیک قدر و منزلت حاصل کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے فتنہ سے بچائے۔

ہاں ان میں سے جو بہترین (علماء) ہیں وہ بہترینِ خلائق ہیں، کل قیامت کے دن ان کی سیاہی کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہید ہونے والوں کے خون سے وزن کیا جائے گا اور سیاہی والا پلہ بھاری رہے گا شَرُّ النَّاسِ شِرَارُ الْعُلَمَاءِ وَخَیْرُ النَّاسِ خِیَارُ الْعُلَمَاءِ (تمام لوگوں میں سے بُرے، بدترین علما ہیں اور تمام لوگوں میں بہتر، بہترین علما ہیں) ــــــ دوسری عرض یہ ہے کہ بعض نیتیں آمادہ کرتی ہیں کہ (یہ فقیر) لشکر میں پہنچے لیکن ماہِ رمضان مبارک کے قریب ہونے کے باعث دہلی میں قیام کرنے کا اتفاق ہو گیا، انشاء اللہ اس ماہِ مبارک کے گذرنے پر عزیزوں کی خدمت میں پہنچ جائے گا۔ والسلام

(بقیہ از صفحہ گذشتہ) آپ پہانی مضافاتِ قنوج کے رہنے والے تھے۔ شیخ عبد الغنی کی خدمت میں علم حاصل کیا، کچھ عرصہ ممالک محروسہ کے مفتی رہے پھر توران کی سفارت پر گئے۔ بعد ازاں صدارت پر سرفراز ہوئے۔ ایک سو بیس سال کی عمر پائی اور سنہ ۱۰۲۷ھ اپنے وطن میں وفات پائی۔

[1] رواہ الدارمی

یہ مکتوب بھی صدر جہاں کی طرف صادر فرمایا ـــــ روشن شریعت کو رواج دینے کی ترغیب میں اور اسلام اور اہلِ اسلام کی کمزوری پر اظہارِ افسوس میں۔

سَلَّمَکُمُ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَ اَبْقَاکُمْ (اللہ سبحانہٗ آپ کو سلامت اور باقی رکھے) ـــــ چونکہ بادشاہوں کا احسان تمام مخلوق کو حاصل ہوتا ہے اس لئے مخلوق کے دل اس قول کے مطابق جُبِلَتِ الْقُلُوْبُ عَلٰی حُبِّ مَنْ اَحْسَنَ اِلَیْھِمْ (مخلوق کی فطرت میں اپنے محسن کی محبت رکھی گئی ہے) اپنے محسنوں کی طرف مائل ہیں، لہٰذا ناچار اس ارتباط اور تعلق کی وجہ سے (بقدرِ محبت) بادشاہوں کے نیک و بد افکار اور اوضاع و اطوار از قبیل خیر و شر اور صلاح و فساد تمام مخلوق میں جاری و ساری ہو جاتے ہیں ـــــ اسی وجہ سے کہا گیا ہے۔ اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِھِمْ (لوگ اپنے بادشاہوں کے دین (طور طریقے) پر ہوتے ہیں) گذشتہ زمانے (عہدِ اکبری) کے حالات اس بات کی گواہی دیتے ہیں۔

اب جبکہ سلطنت میں انقلاب واقع ہو گیا ہے اور اہلِ مذاہب کی عداوت کی تیزی درہم برہم ہو گئی ہے لہٰذا اسلام کے پیشواؤں اور بڑے بڑے وزیروں، امیروں اور علماءِ کرام پر لازم ہے کہ اپنی تمام ہمت کو روشن شریعت کی ترویج میں لگائیں اور سب سے پہلے اسلام کے ترک شدہ ارکان کو قائم کریں کیونکہ تسویف (تاخیر) میں خیریت معلوم نہیں ہوتی، غریبوں کے دل اس تاخیر سے نہایت بیقرار ہیں۔ گذشتہ زمانہ کی سختیاں ابھی تک مسلمانوں کے دلوں میں بیٹھی ہوئی ہیں، ایسا نہ ہو کہ پھر ان کی تلافی نہ ہو سکے اور اسلام کی غربت اس سے بھی زیادہ ہو جائے ـــــ جب بادشاہ سنتِ سنیہ مصطفویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کی ترقی میں سرگرم نہ ہوں اور بادشاہوں کے مقرب بھی اس بارے میں اپنے آپ کو الگ رکھیں اور چند روزہ زندگانی کو عزیز سمجھیں تو پھر اہلِ اسلام بیچاروں پر زمانہ بہت ہی تنگ ہو جائے گا، اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ (بقرہ آیت ۱۵۶) (ہم سب اللہ کے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے)۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں ؎

آنچہ از من گم شدہ گر از سلیماں گم شدے	ہم سلیماں ہم پری ہم اہرمن بگریستے
(جو میں نے کھو دیا اس کو سلیماں بھی اگر کھوتے	وہ خود روتے، پری بھی جن بھی بلکہ اہرمن روتے)

شعر صُبَّتْ عَلَیَّ مَصَائِبٌ لَوْ اَنَّهَا صُبَّتْ عَلَی الْاَیَّامِ صِرْنَ لَیَالِیَا

(مصائب نے مجھے اس طرح گھیرا اگر گردوں پہ ہوں، ہو جائے تاریک)

اسلامی نشانیوں میں سے ایک نشان اسلامی شہروں میں قاضیوں کا مقرر کرنا ہے جو گذشتہ زمانہ (عہدِ اکبری) میں ختم ہو گیا تھا۔ سرہند میں جو اہلِ اسلام کے بڑے شہروں میں سے ہے (اس میں) کئی سال سے کوئی قاضی نہیں ہے۔ حاملِ رقیمہ ہذا قاضی یوسف کے باپ دادا شہر سرہند کے آباد ہونے کے وقت سے قاضی ہوتے آئے ہیں چنانچہ بادشاہوں کے کافی اسناد ان کے پاس موجود ہیں اور صلاح و تقویٰ سے بھی آراستہ ہیں، اگر مناسب سمجھیں تو اس امرِ عظیم القدر کو ان کے حوالہ فرما دیں ——— اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ ہم کو اور آپ کو شریعتِ حقہ علیٰ مصدرہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کے سیدھے راستہ پر ثابت قدم رکھے۔

مکتوب ۱۹۶

یکصد و نود و ششم
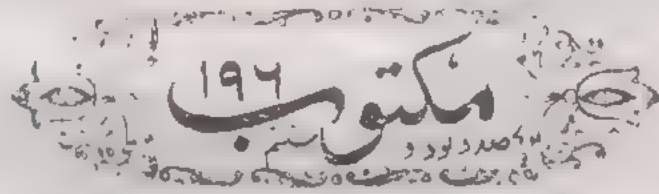
منصور عرب[1] کی طرف صادر فرمایا ——— اس بیان میں کہ ہم جس راہ (سلوک) کے طے کرنے میں مشغول ہیں وہ سات قدم ہے، اور ہر قدم پر سالک اپنے آپ سے دور اور حق تعالیٰ سے نزدیک تر ہوتا جاتا ہے۔

مرحمت نامۂ گرامی قدر بڑے نیک وقت میں موصول ہوا، اللہ سبحانہٗ کا شکر اور احسان ہے کہ خواص حضرات، عوام کی یاد بھولے نہیں اور بزرگ حضرات چھوٹوں کی غمخواری و دلجوئی سے خالی نہیں۔ اللہ سبحانہٗ ہماری طرف سے آپ کو اچھی جزا عطا فرمائے ——— میرے مخدوم! ع

ز ہر چہ میرود سخنِ دوست خوشتر است (جو بات یار سے متعلق ہے خوب ہے)

یہ راہِ (سلوک) جس کے طے کرنے کے ہم درپے ہیں سات قدم (منزل) ہے، دو قدم عالمِ خلق سے متعلق ہیں اور پانچ قدم عالمِ امر سے وابستہ ہیں ——— پہلا قدم جو سالک عالمِ امر میں رکھتا ہے اس میں "تجلیِ افعال" ظاہر ہوتی ہے ——— اور دوسرے قدم پر "تجلیِ صفات" ——— اور تیسرے قدم پر "تجلیِ ذات" کا ظہور شروع ہو جاتا ہے ——— پھر اسی طرح درجات کے تفاوت کے ساتھ ترقی ہوتی جاتی ہے جیسا کہ اربابِ بصیرت سے پوشیدہ نہیں ہے، لیکن یہ سب کچھ سید الاولین والآخرین علیہ و علیٰ آلہ من الصلوات افضلہا

---

[1] کے نام یہ مکتوبات: دفتر اول ۱۸۵-۱۹۶- مزید حالات معلوم نہ ہو سکے۔ ممکن ہے کہ میر منصور و منصور عرب ایک ہی صاحب ہوں۔

متابعت پر موقوف ہے ـــــ اور جن حضرات نے یہ فرمایا ہے کہ یہ راہ صرف دو خُطوۃ (دو قدم) ہے[2] اس سے ان کی مراد مختصر طور پر عالمِ خلق اور عالمِ امر ہے، تاکہ طالبوں کی نظر میں یہ کام آسان دکھائی دے ـــــ ان ساتوں قدموں (منزلوں) میں سے ہر ایک قدم پر سالک اپنے سے دُور اور حق سبحانہٗ وتعالیٰ سے نزدیک ہوتا جاتا ہے، اور ان قدموں کے طے کر لینے کے بعد فنائے اتم (کامل) ہے کہ جس پر بقائے اکمل مرتب ہوتی ہے، اور ولایتِ خاصۂ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کا حاصل ہونا اسی فنا و بقا پر منحصر ہے۔ مصرع

ایں کار دولت است کنوں تا کرا رسد　　(یہ کام ہے بڑا دیکھیں کسے ملے)

ہم بے مراد فقیروں کو ایسی باتوں ـــــ سے کیا مناسبت ہے، سوائے اس کے کہ اپنے کام و دہن کو اہلِ کمال کے زلال (آب خوش و شیریں) سے سیراب و شیریں کر لیں۔ رباعی

گر نداریم از شکر جز نام بہر　　ایں بسے خوشتر کہ اندر کام زہر
آسماں نسبت بعرش آمد فرود　　ورنہ بس عالی ست پیشِ خاکِ تود

(گر شکر حاصل نہیں، ہے نام بس　　زہر کھانے سے ہے بہتر کام بس
عرش سے نیچے ہے بیشک آسمان　　پھر بھی اونچا ہے زمیں سے وہ مکان)

والسلام اولاً و آخراً

مکتوب ۱۹۷

صد و نود و ہفتم

پہلوان محمود[1] کی طرف صادر فرمایا ـــــ اس بیان میں کہ سعادتمند وہ شخص ہے جس کا دل دنیا سے سرد پڑ گیا ہو اور حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی محبت کی حرارت سے گرم ہو گیا ہو اور اس کے مناسب بیان میں۔

ثَبَّتَکُمُ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ عَلٰی جَادَّۃِ الشَّرِیْعَۃِ (اللہ سبحانہٗ آپ کو شریعت کے سیدھے راستے پر ثابت قدم رکھے) ـــــ سعادتمند وہ شخص ہے جس کا دل دنیا سے سرد ہو گیا ہو اور حق تعالیٰ کی محبت کی حرارت سے گرما گیا ہو ـــــ "دنیا کی محبت تمام گناہوں کی جڑ ہے"[2] اور اس کا ترک تمام عبادات کا سرچشمہ ہے، کیونکہ دنیا حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی مغضوبہ[3] (مظہرِ غضب) ہے۔ اور حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے جب سے اس کو

[1] پہلوان محمود کے نام تین مکتوبات ہیں دفتر اول ۸۷ - ۸۸ - ۱۹۷ - مزید حالات معلوم نہ ہو سکے۔
[2] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ حب الدنیا رأس کل خطیئۃ۔ رواہ رزین والبیہقی فی شعب الایمان۔
[3] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان اللہ لم یخلق خلقاً ابغض الیہ من الدنیا وما نظر الیہا منذ خلقہا بغضاً لہا۔ رواہ ابن ابی الدنیا والبیہقی والحاکم وابن عساکر۔ ہذا خلاصہ ما قال المعرب۔

پیدا فرمایا ہے اس کی طرف دیکھا تک نہیں ـــــ دنیا اور دنیا والے طعن وملامت کے داغ سے داغدار ہیں ـــــ حدیث شریف میں ہے: اَلدُّنْیَا مَلْعُوْنَۃٌ وَّمَلْعُوْنٌ مَا فِیْھَا اِلَّا ذِکْرَ اللّٰہِ (دنیا ملعون ہے اور جو کچھ اس میں ہے وہ بھی ملعون ہے سوائے اللہ تعالیٰ کے ذکر کے)۔ کیونکہ ذکر کرنے والے بلکہ ان کے وجود کے ذرات کا ہر ذرہ (ذرات ذرات) اللہ سبحانہٗ کے ذکر سے مملو (لبریز) ہے وہ اس وعید سے خارج ہیں (ان پر اس کا اطلاق نہیں ہوتا) ـــــ چونکہ دنیا ایک ایسی چیز ہے جو دل کو حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی طرف سے باز رکھتی ہے اور غیرِ حق میں مشغول کردیتی ہے، خواہ مال واسباب ہوں یا جاہ وریاست اور خواہ ننگ وناموس ـ فَاَعْرِضْ عَنْ مَّنْ تَوَلّٰی عَنْ ذِکْرِنَا (نجم آیت ۲۹ ۵۳) (پس اس شخص سے منہ موڑ لو جس نے ہمارے ذکر سے منہ موڑ لیا) نصِ قاطع ہے ـــــ جو کچھ بھی دنیا میں ہے بلائے جان ہے۔ دنیادار دنیا میں تو ہمیشہ لڑنے جھگڑنے میں پریشان رہتے ہیں اور آخرت میں حسرت وندامت کے علاوہ کچھ حاصل نہ ہوگا۔

ترکِ دنیا کی حقیقت یہ ہے کہ اس کی رغبت ترک ہوجائے، اور اس رغبت کا ترک اس وقت متحقق ہوتا ہے جبکہ اس کا ہونا نہ ہونا برابر ہوجائے، اور اس طرح کا حصول اربابِ جمعیت کی صحبت کے بغیر مشکل اور دشوار ہے۔ اگر ان بزرگوں کی صحبت میسر ہوجائے تو اس کو غنیمت سمجھنا چاہئے اور اپنے آپ کو ان کے سپرد کردینا چاہئے۔

میاں شیخ مزمل کی صحبت ہر چند آپ کے لئے غنیمت ہے، اور اس قسم کے عزیز الوجود بزرگ کبریتِ احمر (سرخ گندھک یعنی اکسیر) سے بھی زیادہ نایاب ہیں، لیکن اہلِ کرم کا طریقہ ایثار ہے یعنی اپنی حاجت پر دوسرے کی حاجت وضرورت کو مقدم رکھنا ہے۔ اگر چند روز کے لئے میاں شیخ مزمل کو رخصت فرمادیں تو بہتر ہوگا، کام سے فارغ ہونے کے بعد انشاء اللہ دوبارہ واپس چلے جائیں گے اور غائبانہ اخلاص بھی آپ کے لئے حضور کا سا کام دیگا۔ زیادہ لکھنا دردِ سری ہے۔ اللہ سبحانہٗ ہم کو اور آپ کو سید البشر علیہ وعلیٰ آلہ من الصلوات انمہا ومن التحیات اکملہا کی متابعت پر استقامت عطا فرمائے (آمین) والسلام والاکرام۔

لہ رواہ الترمذی وابن ماجہ

(عبد الرحیم) خان خاناں[1] کی طرف صادر فرمایا —— اس بیان میں کہ اس زمانہ میں فقراء کی امراء سے دوستی بہت دشوار بات ہے اور اس کے مناسب بیان میں۔

(دعا ہے کہ) "فتوحاتِ مکیہ" بحرمت نبی کریم و آلہ الامجاد علیہ و علیہم الصلوات والتسلیمات "فتوحاتِ مدنیہ" کی کنجی ہو —— التفات نامہ گرامی جو فقراء کے نام ارسال فرمایا تھا موصول ہو کر محبت کی زیادتی کا باعث ہوا۔ آپ کو خوشخبری ہو خوشخبری ہو۔

میرے مخدوم! فقیروں کا امیروں سے دوستی کرنا اس زمانے میں بہت مشکل کام ہے۔ اگر فقراء گفتگو کرنے یا تحریر میں تواضع اور حسنِ خُلق کا رَویّہ اختیار کریں جو کہ فقر کے لوازمات میں سے ہے تو کم عقل لوگ اپنی بدگمانی کی وجہ سے فقراء کو لالچی اور محتاج سمجھیں گے، اس لئے اس بدظنی کی بنا پر وہ دنیا و آخرت کے خسارہ میں پڑ جائیں گے اور بزرگوں کے کمالاتِ (فیض) سے محروم ہو جائیں گے —— اور اگر فقراء استغناء و لاپروائی برتیں تو کم عقل لوگ ان کو بداخلاق قیاس کر کے ان کو متکبر اور بدخلق قرار دیتے ہیں، وہ یہ نہیں جانتے کہ استغنا بھی فقر کے لوازمات میں سے ہے کیونکہ جمع ضدین (دو ضدوں کا جمع ہونا) اس جگہ آکر حل ہو جاتے ہیں۔

حضرت ابو سعید خرازؒ فرماتے ہیں: عَرَفْتُ رَبِّيْ بِجَمْعِ الْاَضْدَادِ (میں نے اپنے رب کو اضداد کے جمع ہونے سے پہچانا) —— اگرچہ عقلاء اس بات کو محال سمجھتے ہیں اور قبول نہیں کرتے، لیکن کوئی فکر کی بات نہیں کیونکہ ولایت کے اطوار نظر و عقل سے بلند و بالا ہیں —— باقی حالات میر صاحب و مولانا صاحب تفصیل سے بیان کریں گے —— سلام ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے۔

---

[1] عبد الرحیم خان خاناں کے نام تیرہ[13] مکتوبات ہیں۔ اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۲۳ پر ملاحظہ ہو۔

مکتوب ۱۹۹
یکصد و نود و نہم

ملا محمد امین کابلی[۱] کی طرف صادر فرمایا ــــ ورد و وظائف جو انھوں نے طلب کئے تھے ان کو قبول فرمانے کے بیان میں۔

صحیفۂ گرامی جو محبت سے لبریز اور اخلاص و مودت پر مشتمل تھا موصول ہو کر موجبِ فرحت ہوا اللہ تعالیٰ سبحانہٗ آپ کو عافیت سے رکھے۔ (آپ نے) اوراد میں سے کسی وِرد کے طلب کا اظہار کیا تھا، اس کے لئے سعادتمند بھائی مولانا محمد صدیق کو بھیجا جاتا ہے تاکہ آپ کو طریقۂ عالیہ کے ذکر میں مشغول کریں، وہ جو کچھ فرمائیں اس کے بجا لانے میں پوری پوری کوشش فرمائیں، امید ہے کہ بہت فائدے حاصل ہوں گے۔ چونکہ (ذکر کا) تلقین کرنا محض لکھنے سے کافی نہ تھا اور اس کا تعلق حضور و صحبت پر منحصر ہے اس وجہ سے مشارٌ الیہ (مولانا محمد صدیق) کو تکلیف دی گئی ہے۔ والسلام

مکتوب ۲۰۰
دو صدم

ملا شکیبی صفہانی[۲] کی طرف صادر فرمایا ــــ نفحات کی مشکل عبارتوں کے حل میں جن کی تشریح طلب کی تھی۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَعَلٰی اٰلِہِ الطَّاہِرِیْنَ اَجْمَعِیْنَ

(تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ رب العالمین کے لئے ہیں اور سید المرسلین اور آپ کی تمام اولاد پر صلوٰۃ و سلام ہو) ــــ

آپ نے تحریر فرمایا تھا کہ "نفحات" کی مغلق اور مشکل عبارات کی شرح فرما دیں۔ اس بنا پر یہ چند کلمے لکھنے کی جرأت کرتا ہوں ــــ میرے مخدوم و مکرم! عین القضاۃ ہمدانیؒ[۳] اس جماعت کے حال میں

---

[۱] آپ کے نام دو مکتوب ہیں دفتر اول مکتوب ۱۶۶ - ۱۹۹ آپ کا تذکرہ مکتوب ۱۶۶ پر ملاحظہ ہو۔

[۲] آپ کے نام بھی دو مکتوب ہیں دفتر اول مکتوب ۲۰۰ - ۲۱۰۔ آپ عبدالرحیم خان خاناں کے مصاحبین میں سے تھے اور بہت اچھے شاعر تھے۔ ٹھٹھہ کی فتح کے موقع پر ایک مثنوی لکھی جس کے صلہ میں خان خاناں نے ایک ہزار اشرفی انعام دیا۔ پھر دہلی کی صدارت پر فائز رہے۔ سنہ ۱۰۲۲ھ دہلی میں انتقال ہوا۔ "شکیبی رفت" تاریخ وفات ہے۔

[۳] آپ کی کنیت ابو الفضائل نام عبداللہ بن محمد المیانجی اور لقب عین القضاۃ ہے، آپ شیخ محمد بن حمویہؒ اور شیخ احمد غزالی کی صحبت میں رہے ہیں۔ آپ کے صوری و معنوی کمالات و فضائل آپ کی تصنیفات سے ظاہر ہیں۔ کشفِ حقائق بہت کثرت سے ظاہر ہوئے۔ (نفحات الانس)

جو کسی شیخ کی رہبری کے بغیر سلوک کے راستے پر چلے' فرماتے ہیں "ان میں سے بعض مغلوب الحال ہو گئے اور مستی ان کے سر پر سائبان کی طرح ہو گئی' اور جو ہوش میں رہا اس کا سر اڑا دیا گیا۔"

راہِ سلوک سے مراد اللہ تعالیٰ سبحانہٗ بہتر جانتا ہے بظاہر یہ ہے کہ وہ سلوک کا راستہ ہے جس میں دس مشہور مقامات ترتیب و تفصیل کے ساتھ طے کرنا ہے اور اس طریقے میں نفس کا تزکیہ قلب کے تصفیہ پر مقدم ہے' اور اس میں انابت و توبہ ہدایت کی شرط ہے۔ اور راہِ ناسلوک (بغیر دیکھا ہوا راستہ) سے مراد طریقۂ جذبہ و محبت ہے اور اس میں (قلب کا) تصفیہ (نفس کے) تزکیہ پر مقدم ہے۔ اور یہ اجتباء (برگزیدہ لوگوں) کا راستہ ہے جس میں انابت و توبہ مشروط نہیں' اور یہ طریقہ محبوبوں اور مرادوں کا راستہ ہے' بخلاف طریقۂ اول کے کہ جو محبین اور مریدین کا طریق ہے ——— ان میں سے بعض حضرات جو قوی جذبہ اور محبت کا غلبہ رکھتے تھے جو کہ مستی اور مغلوب الحالی پر موقوف ہے (اس جذبہ کی وجہ سے) بیرونی و اندرونی شیاطین کے شر سے محفوظ رہے اور ان کی گمراہی اور بے راہ روی سے امن میں رہے' اگرچہ ان کا کوئی رہبر نہیں تھا لیکن فضلِ ایزدی جل سلطانہٗ نے ان کی رہنمائی فرما کر مطلوبِ حقیقی تک پہنچا دیا۔ اور ان میں سے جو با تمیز تھا یعنی جذبہ کی قوت سے محروم تھا اور اس کے حق میں محبت کا غلبہ مفقود تھا اور چونکہ اس کا کوئی رہبر نہ تھا اس لئے دین کے دشمنوں نے اس کو راستے سے بہکا دیا اور ہلاک کر کے ابدی موت میں گرفتار کر دیا۔

اور منجملہ مغلوب الحال لوگوں کے وہ دو ترک تھے جن کے متعلق حسین قصاب نے رمز و اشارہ میں ان کی حکایت بیان کی ہے کہ "ہم ایک بڑے قافلہ کے ساتھ راستہ طے کر رہے تھے اچانک دو ترک قافلہ سے باہر نکل گئے اور راہِ ناسلوک (غیر معروف راستہ) پر چل دیئے" الیٰ آخرہ ـــ قصہ مختصر یہ کہ وہ راستہ جس پر بڑا قافلہ جا رہا تھا وہ راہِ سلوک ہے جو دس مشہور مقامات کو ترتیب و تفصیل کے ساتھ طے کرنے سے پورا ہوتا ہے' کیونکہ اکثر مشائخ بالخصوص متقدمین حضرات اسی طریقے کو اختیار کر کے اپنے مقاصد میں کامیاب ہوئے ہیں۔ اور راہِ ناسلوک جو اُن دو ترکوں نے اختیار کی اور حسین قصاب نے ان کے ساتھ اس راہ میں متابعت کی وہ راہِ جذب و محبت ہے جو مقررہ راہِ سلوک کی نسبت وصول (الی اللہ) سے بہت نزدیک ہے' اور اس راہ کا مقدمہ لذت و آرام پاتا ہے جو کہ حس سے بے حس ہونے اور شعور سے بے شعور ہونے کا باعث ہے اور اس حالت کو انھوں نے بطورِ اشارہ "رات" مراد لی ہے۔ ———

اور جب مخلوق سے یہ غیبت و بے حسی خالق تعالیٰ و تقدس کے ساتھ حضور اور شعور کو متضمن ہے تو اس حضور و شعور کو "چاند" کے لفظ سے اشارہ فرمایا ہے۔

یہ مقام وضاحت چاہتا ہے لہٰذا ہوش کے کانوں سے سننا چاہیئے کہ جسم (کے نظام) کو قائم رکھنے والی روح ہے اور قالب (قوائے جسدی) کی تربیت کرنے والا قلب ہے اور قوائے جسدی روحانی قوت سے (طاقت کا) اکتساب کرتے ہیں، اور حواسِ قالبی قلب کی نورانیت سے استفادہ حاصل کرتے ہیں، پس لازم ہے کہ بارگاہِ قدس جل شانہٗ میں قلب و روح کو توجہ دینے کے وقت جو طریقِ جذبہ میں لازم ہے ابتدائی حال میں جو کہ کمی اور سستی کا وقت ہے جسد کی تدبیر اور قالب کی تربیت میں سستی پیدا ہو جاتی ہے جو کہ حِس کے معطل ہونے اور شعور سے بے خبر ہونے کا سبب ہے جو قویٰ اور جوارح کی سستی تک پہنچا دیتی ہے اور بے اختیار زمین پر سلا دیتی ہے ـــــــ اس حالت کو شیخ اجل شیخ محی الدین ابن عربی قدس سرہ نے "فتوحاتِ مکیہ" میں "سماعِ روحی" سے تعبیر فرمایا ہے، اور وہ سماع جو رقص و حرکت پر گردش کرتا ہے اس کو "سماعِ طبیعی" کہا ہے اور اس سے منع کرنے میں بہت مبالغہ کیا ہے، لہٰذا تحقیق ہوا کہ یہ "غیبتِ صوری" "حضورِ معنوی" (باطنی حضوری) کے اوپر متضمن ہے اور یہ جسم کی سستی روحی شعور پر مشتمل ہے جس کی تعبیر "چاند" سے مناسب ہے ـــــــ اب ہم اصل بات کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

جاننا چاہیئے کہ "چاند" کا سیاہ بادل میں چھپ جانے سے مراد صفاتِ بشریہ کا ظہور ہے جو مبتدیوں کے اس (حق جل و علا کی) حضور و آگاہی کو پردے میں چھپا دیتا ہے، اور یہ پردہ میں آجانا توسطِ احوال تک ہے کیونکہ متوسطوں کو یہ استتار (پوشیدگی) نہیں ہے اگرچہ وہ بے استتار بھی نہیں ہیں ـــــــ اور ہو سکتا ہے کہ انہی معنوں میں یہ بات کہی گئی ہو کہ جب آدھی رات ہو گئی اور چاند دوسری بار بادل سے باہر آگیا تو ان دو نوجوان مردوں کے قدموں (کے نشان) کو پایا، کیونکہ حالتِ بسط میں جو حضور و آگاہی کا وقت ہے راستہ روشن ہو جاتا ہے اور مسافت بھی اچھی طرح طے ہو جاتی ہے۔ اور جب صبح ہو گئی تو غیبت و ذہول دور ہو کر حضور و آگاہی سے قوت حاصل ہو گئی اور خلق کی توجہ کے ساتھ جمع ہو گئی (یعنی لوگوں کے مجمع کی وجہ سے توجہ درہم برہم نہیں ہوئی) لہٰذا اسی حضوری سے متعلق کنایہ "طلوعِ آفتاب" سے کیا ہے۔

اور "پہاڑ" سے مراد بشریت کا وجود ہے کہ وہ اس وقت اس پر ظاہر کیا گیا، کیونکہ اس طریقے میں تزکیۂ نفس تصفیۂ قلب کے بعد ہے، چونکہ وہ دونوں تُرک جذب کی قوت اور محبت کا غلبہ رکھتے تھے

انھوں نے بہادروں کی طرح اپنے پاؤں بشریت کے پہاڑ پر رکھدیئے اور ایک ہی ٹکڑی میں ان کے اوپر جا پہنچے، دریکتائی کی فنا سے مشرف ہو گئے۔ اور چونکہ حسین قصاب وہ قوت نہیں رکھتا تھا اندازہ بھی بہت مشقت ومحنت سے اس پہاڑ پر چڑھ گیا، اور اس کو بھی ان دونوں ترکوں کی پیروی کی برکت سے یہ بات میسر ہوگئی ورنہ اس کا سر بھی کاٹ ڈالتے۔

لشکرگاہ سے مراد اعیانِ ثابتہ کا مرتبہ ہے جو کہ تمام حقائقِ امکانی کے تعینات اور تعینِ علمی وجوبی کا جامع ہے کیونکہ بے نہایت خیمہ ان تعینات سے کنایہ ہے، اور ان کے درمیان ایک عظیم خیمہ ہے جو حق تعالیٰ وتقدس کے تعینِ علمی وجوبی کی طرف اشارہ ہے کہ اس کو "خیمہ سلطانی" کہتے ہیں اور جب حسین قصاب نے سنا کہ "یہ خیمہ سلطانی" ہے تو یہ خیال کرکے کہ وہ اپنے مطلب کو پہنچ گیا، تو اس نے چاہا کہ وہ فکر و مستی کی سواری سے جس کی مدد کے بغیر یہ راہ طے نہیں ہو سکتی نیچے اُترے اور مطلوب کو پاکر آرام کرے۔

پائے راست (دایاں پاؤں) سے مراد روح ہے کیونکہ اس راہِ نا مسلوک میں قلب و روح کے پاؤں سے چلا جاتا ہے نہ کہ علم و عمل سے کیونکہ وہ راہِ سلوک سے مناسبت رکھتے ہیں۔ اور سب سے پہلے جو چیز مستی سے نکلتی ہے یہی روح ہے پھر قلب کہ جس کو بائیں پاؤں سے تعبیر کرتے ہیں، اس نے رکاب سے باہر پاؤں نکالا ہی تھا کہ اس کے کانوں میں یہ الہام پہنچا کہ سلطان خیمہ میں نہیں ہے، اور حق بات بھی یہی ہے ——— اور حسین قصاب چونکہ قوتِ جذب نہیں رکھتا تھا تھوڑی سی بشارت سن کر مستی سے نکل آیا اور وہ دونوں ترک چونکہ جذبۂ قوی اور غلبۂ محبت رکھتے تھے ان خوشخبریوں کی وجہ سے بے وقوت نہ بنے اور بہادروں کی طرح اوپر چڑھ گئے۔ حسین قصاب اگر ہزار سال بھی انتظار کرے تب بھی سلطان کو خیمہ میں نہ پائے، کیونکہ وہ بلند ہستی وراء الوراء ہے۔

قولہ:۔ (گھوڑے پر) بیٹھ کر شکار کو گیا ہے یعنی خوبصورت مظاہر اور جلوہ گاہوں میں بیٹھا ہوا ہے اور عاشقوں کے دلوں کو شکار کر رہا ہے۔ یہ آواز اور یہ بات حسین قصاب کی فہم و درایت کے موافق تھی جو تنزل کے طریق پر اس سے کہی گئی، ورنہ جس جگہ حق تعالیٰ وتقدس ہے وہاں اس کا بیٹھنا اور اس کا شکار کرنا کچھ معنی نہیں رکھتا۔ بیت

کاؤ ھوُ زاں سرائے روز بہی | بازگشتند جیب و کیسہ تہی
(بحرِ عرفاں کوئی کہاں پائے | کتنے جا جا کے نامراد آئے)

اس عبارت سے میری ناقص فہم میں ایک دوسرے معنی بھی آئے جو مقامِ تفرد وکبریائی کے مناسب ہیں، اگرچہ یہ معنی بھی جنابِ قدس جل سلطانہ کے شایانِ شان نہیں لیکن دوسرے معنوں سے زیادہ اولیٰ وانسب ہیں، اور وہ معنی یہ ہیں کہ وحدت پر جو کہ تعینِ اول ہے اور مرتبۂ واحدیت کے مقام کے اوپر بیٹھا ہوا ہے، اور جب وحدت کے مرتبہ میں تمام علمی وعینی تعینات کا اضمحلال اور استہلاک (فنا) ہے اس لئے شکار کو جو چرندوں پرندوں کے ہلاک ہونے کا سبب ہے اس مقام کے مناسب جان کر "شکار کے لئے گیا ہوا" فرمایا۔

شیخ محمد معشوق طوسی[1] اور امیر علی عبو[2]، سلطان کی شکارگاہ میں پہنچ گئے اور اس کا شکار ہو گئے لیکن معشوق طوسی اقدم (زیادہ آگے) اور زیادہ قریب ہے، اور حسین قصاب سلطان کے واپس آنے کی امید پر واحدیت کے خیموں ہی میں رہ گیا۔ وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ اَعْلَمُ بِحَقِیْقَۃِ الْمُرَادِ وَمَا فِیْہِ مِنَ الصَّوَابِ وَالسَّدَادِ (اور حقیقتِ مراد کو اللہ سبحانہٗ ہی بہتر جانتا ہے اور اس میں بہتری اور صواب بھی اسی کو معلوم ہے)

میرے مخدوم! اکابر طریقۂ نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم نے اسی راہ نا سلوک کو اختیار کیا ہے اور یہ طریقۂ غیر مقررہ ان بزرگوں کے طریقے میں مقررہ راستہ بن گیا ہے اور بے شمار لوگوں کو اسی راستے سے توجہ اور تصرف کے ساتھ مقصد تک پہنچا دیتے ہیں، اس طریقے میں وصول لازم ہے بشرطیکہ پیر مقتدا کے آداب کی رعایت کی جائے کیونکہ اس طریقے میں بوڑھے، جوان، عورتیں اور بچے سب وصول میں برابر ہیں بلکہ مُردے بھی اس دولت میں امیدوار ہیں ——— حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ فرماتے ہیں کہ "میں نے حق سبحانہٗ وتعالیٰ سے ایسے طریقے کے لئے دعا کی جو بلاشبہ موصل (حق تعالیٰ تک پہنچانے والا) ہو ——— اور حضرت خواجہ علاء الدین عطار قدس سرہ جو (خواجہ نقشبندؒ کے) پہلے خلیفہ ہیں اس ضمن میں یہ بیت فرماتے ہیں ؎

گر نشکستے دلِ دربان راز | قفل جہان را ہمہ بکشادمے

(دربانِ راز کا دل ٹوٹے نہ کاش مجھ سے | ورنہ میں کھول دیتا اس قفلِ انجمن کو)

اللہ تعالیٰ ہم کو ان بزرگوں کے طریقے پر ثابت قدم رکھے۔

---

[1] آپ کا نام محمد ہے، صاحبِ حال باکمال بزرگ تھے۔ شیخ ابو سعید ابوالخیر کے ہم عصر تھے۔ طوس میں انتقال ہوا (نفحات اردو ص ۳۳۹)

[2] آپ بھی اپنے وقت کے بڑے باکمال بزرگ تھے حسین قصاب اور دونوں بزرگوں کا مذکورہ واقعہ انہی کے حالات میں درج کیا (ص ۳۴۰)

کوچک بیگ حصاری[1] کی طرف صادر فرمایا ـــــ ان کے استفسار کے جواب میں۔

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ (اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) ـــــ جناب کوچک بیگ حصاری نے دریافت کیا تھا کہ تمام علوم صرف دو تین حرفوں میں مندرج ہیں۔ اس بات کو یقین کرنا چاہئے یا نہیں؟ ـــــ جواب میں کہا جاتا ہے کہ ظاہراً اس شخص نے علم و سماع اور مطالعہ کتب کے متعلق کہا ہوگا کیونکہ متقدمین (پہلے بزرگوں) سے بھی اس قسم کی باتیں ملتی ہیں ـــــ حضرت امیر (علی) کرم اللہ وجہہ نے فرمایا ہے کہ تمام علوم بسم اللہ کی "ب" میں مندرج ہیں بلکہ اس "ب" کے نقطہ میں ـــــ اور اگر وہ شخص اس بات میں کشف کا دعویٰ کرتا ہے تو اس کا معاملہ دو حال سے خالی نہیں۔ اگر وہ یہ کہتا ہے کہ مجھ پر منکشف ہوا ہے کہ تمام علوم دو تین حروف میں مندرج ہیں اور خواہ ان دو تین حروف کو اس کے معلوم کے ساتھ مخصوص کیا ہو یا نہ کیا ہو۔ تو اس (دعوے) میں صدق کا احتمال ہے، اور اگر وہ یہ کہتا ہے کہ تمام علوم دو تین حروف کے ضمن میں مجھ پر منکشف کئے گئے ہیں اور ان دو تین حرفوں کے ضمن میں تمام علوم کو مطالعہ کرتا ہوں تو وہ جھوٹا دعویٰ کرتا ہے اور اس کی یہ بات قابلِ قبول نہیں ـــــ اور سلام ہو اس شخص پر جس نے ہدایت کی پیروی کی اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کو لازم جانا۔

مکتوب ۲۰۲
دوصد و دویم

مرزا فتح اللہ حکیم[2] کی طرف صادر فرمایا ـــــ اس جماعت کے حال کے افسوس میں جنہوں نے اپنے آپ کو ان بزرگوں کی عقیدت و ارادت کے رشتہ میں منسلک کرنے کے بعد بلا وجہ ان سے قطع تعلق کر لیا۔

---

[1] آپ کے نام صرف یہی ایک مکتوب ہے۔ مزید حالات معلوم نہ ہو سکے۔

[2] آپ کے نام تین مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۸۰ پر ملاحظہ ہو۔

ثَبَّتَنَا اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَاِیَّاکُمْ عَلَی الطَّرِیْقَةِ الْمُسْتَقِیْمَةِ الْمَرْضِیَّةِ الْمُصْطَفَوِیَّةِ عَلٰی صَاحِبِهَا الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ وَالتَّحِیَّةُ (اللہ سبحانہٗ ہم کو اور آپ کو حضرت محمد مصطفےٰ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کی مرضی والے سیدھے راستہ پر ثابت قدم رکھے) ——— ایک روز مشائخ نقشبندیہ قدس سرہٗ تعالیٰ اسرارہم کی غیرت کے بارے میں گفتگو ہو رہی تھی، اسی اثنا میں اس بات کا بھی ذکر آیا کہ اس جماعت کا کیا حال ہوگا جو اپنے آپ کو ان بزرگوں کی ارادت کے رشتہ میں شامل کرتی ہے یا اپنے آپ کو اس ضمن میں لاتی ہے، اور ان بزرگوں نے ان کو قبول فرمالیا ہے، پھر بغیر کسی وجہ وسبب کے ان بزرگوں سے قطع تعلق کر بیٹھے اور اپنے خیال وگمان سے دوسروں کے دامن کو جا پکڑا ——— اس ضمن میں آپ کا اور قاضی سنام کا بھی ذکر آگیا تھا۔ اور یہ مذاکرہ معلوم (شاید) ایک لمحہ رہا ہو، اور وہ بھی ایک خاص تقریب پر مبنی تھا۔ بعد ازاں حق جل شانہ ایسا موقع نہ دے کہ یہ فقیر کسی مسلمان کی دل آزاری کرے یا تکلیف دے یا دل میں کینہ چھپائے رکھے۔ آپ اپنے دل میں خاطر جمع رہیں ———

آپ کو معلوم ہوگا کہ ہمارا طریق دعوتِ اسماء کا طریقہ نہیں ہے، اس طریقہ کے اکابرین نے ان اسماء کے مسما میں اپنے آپ کو فنا ہونا اختیار کیا ہے، اور ابتدا ہی سے ان حضرات کی توجہ احدیتِ صرف کی طرف ہے وہ اسم وصفت سے سوائے ذات تعالیٰ وتقدس کے اور کچھ نہیں جانتے۔ لازمی طور پر دوسروں کی انتہا ان کی ابتدا میں مندرج ہو گئی ہے ع

قیاس کن زگلستانِ من بہارِ مرا　　(مری بہار کا اندازہ میرے باغ سے کر)

اب چونکہ اس مذاکرہ نے متعدد نقول کی وجہ سے ایک دوسری ہیئت (شکل) اختیار کر لی ہے اور اس کی کیفیت یا شان ایسی ہو گئی ہے کہ اس سے دوسرے قسم کے توہمات پیدا ہونے کا اندیشہ ہے لہٰذا ان کو دور کرنے کے لئے یہ چند کلمات تحریر کئے جاتے ہیں ——— آپ کی دوستی سے کچھ اضافہ نہیں ہوتا اور عدم دوستی سے کچھ نقصان واقع نہیں ہوگا، صرف آپ ہی کی خیر خواہی ملحوظ ومنظور تھی اَمَّا الرَّاضِیْ بِالضَّرَرِ لَا یَسْتَحِقُّ النَّظَرَ (جو شخص اپنے نقصان پر خود راضی ہو وہ شفقت ومہربانی کی نظر کا مستحق نہیں ہوتا) مثل مشہور ہے ——— یقین جانئے کہ یہ فقیر آپ کا نقصان نہیں چاہتا اور انشاء اللہ نہ آئندہ چاہے گا ——— وہ صرف ایک بات تھی جو درویشوں کی غیرت کی وجہ سے ایک تقریب میں کہی گئی تھی اس سے بار خاطر (رنجیدہ) نہ ہوں۔

دوسرے یہ کہ جو شخص اپنے آپ کو حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے افضل سمجھے اس کا معاملہ دو حال سے خالی نہیں؛ یا تو وہ زندیقِ محض ہے یا جاہلِ مطلق۔ اس فقیر نے چند سال پیشتر فرقۂ ناجیہ اہلِ سنت وجماعت کے بیان میں ایک مکتوب آپ کو لکھا تھا، تعجب ہے کہ اس کے مطالعہ کے بعد بھی آپ اس قسم کی راہ دیتے ہیں ـــــ جو شخص حضرت امیر (علیؓ) کو حضرت صدیقؓ سے افضل کہتا ہے وہ اس گروہ اہلِ سنت وجماعت کے گروہ سے نکل جاتا ہے، تو پھر اس شخص کا کیا حال ہوگا جو اپنے آپ کو حضرت صدیقؓ سے افضل جانے۔ حالانکہ اس گروہ میں یہ بات مقرر ہے کہ اگر کوئی سالک اپنے آپ کو خارش زدہ کتّے سے بہتر جانے تو وہ ان بزرگوں کے کمالات سے محروم ہے ـــــ سلفِ (صالحین) کا اس بات پر اجماع ہو چکا ہے کہ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے بعد حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تمام انسانوں سے افضل ہیں ـــــ وہ بڑا ہی احمق ہے جو اس اجماع کے خلاف خیال کرے ـــــ اس فقیر نے اپنی کتابوں اور رسالوں میں لکھا ہے کہ حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قاتل "وحشیؓ" (بن حرب، غلام جبیر بن مطعمؓ) ایک مرتبہ حضرت خیر البشر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت میں پہنچے اور حضرت اویس قرنیؓ سے جو خیر التابعین میں سے ہیں بہتر ہو گئے ـــــ پس ایسے شخص کے بارے میں اس قسم کی خیال آرائی کرنا عقل ودور اندیشی سے بعید ہے۔ جس عبارت[2] سے لوگوں کے دلوں میں اس قسم کا وہم پیدا ہو گیا ہے اس کو غور سے دیکھنا چاہیئے اور معاملہ کی حقیقت تک پہنچنا چاہیئے صرف حاسد لوگوں کی تقلید مناسب نہیں۔ اس لئے کہ مشائخ نے سکر کے غلبہ میں بہت سی غیر مناسب باتیں کہہ دی ہیں۔ چنانچہ شیخ بسطامیؒ فرماتے ہیں کہ "میرا جھنڈا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے سے بلند ہے"۔ ایسی باتوں سے افضلیت کے پیچھے نہیں پڑنا چاہئے کہ یہ یقیناً زندقی ہے اور فقیر کی عبارت میں ہرگز اس قسم کی تحریر نہیں ہوئی ہے۔ والسلام
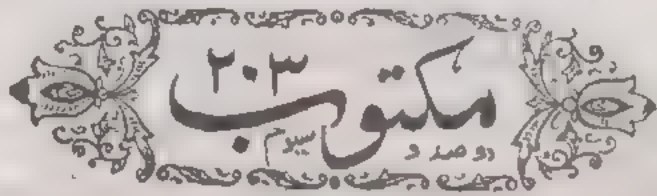
ملا حسینی[1] کی طرف صادر فرمایا ـــــ اس عالی جماعت کی محبت کی ترغیب میں اور اس بیان میں کہ ان کا ہمنشین شقاوت (بدبختی) سے محفوظ ہے اور اس کے مناسب بیان میں۔

---

[1] آپ کے نام صرف یہی ایک مکتوب ہے۔ غالباً مولانا حسین نامیانی مراد ہیں، آپ کشمیر میں پیدا ہوئے اور شیخ محمد قادری سے تعلیم طریقت حاصل کی پھر دہلی آئے اور عبد الشہید احرارؒ کی صحبت میں رہے پھر ایک عرصہ حضرت خواجہ باقی باللہؒ کی خدمت میں رہے بعد ازاں باقی عمر کشمیر میں عبادت گذار رہے ۱۰۱۵ھ میں انتقال ہوا۔ (نزہۃ الخواطر ج ۵ ص ۱۷۶)

[2] اس عبارت سے مراد وہ عبارت ہے جو مکتوب ۱۱ دفتر اول میں گزری ہے۔

اَحْسَنَ اللّٰہُ تَعَالیٰ اَحْوَالَکُمْ وَاَصْلَحَ سُبْحَانَہٗ اَعْمَالَکُمْ وَاٰمَالَکُمْ (اللہ تعالیٰ آپ کے احوال کو بہتر بنائے اور تمہارے اعمال و آرزوؤں کو نیک کرے) ـــــــ آپ کا گرامی نامہ چونکہ فقراء کی محبت پر مبنی تھا اس لئے بہت زیادہ فرحت و خوشی کا باعث ہوا، حق سبحانہٗ وتعالیٰ اس عالی جماعت کی محبت میں روز بروز اضافہ فرمائے اور ان کی نسبت کی نیازمندی کو آپ کی زندگی کا سرمایہ بنائے ـــــــ حدیث اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ[1] (آدمی اسی کے ساتھ ہے جس سے وہ محبت کرتا ہے) کے مطابق ان (فقراء) سے محبت کرنے والے ان کے ساتھ ہیں اور وہ فقراء ایسے ہیں جن کا جلیس و ہمنشین شقاوت و بدبختی سے محفوظ ہے ـــــــ چنانچہ حدیث نبوی[2] علیہ من الصلوات اتمہا ومن التحیات اکملہا میں ہے کہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے کچھ فرشتے کاتبینِ اعمال کے علاوہ ایسے بھی ہیں جو راستوں اور گزرگاہوں پر اہلِ ذکر کی تلاش میں گھومتے رہتے ہیں یہاں تک کہ جب وہ کسی جماعت کو ذکر کرتے ہوئے پا لیتے ہیں تو ایک دوسرے کو آواز دیتے ہیں کہ جلد اپنے مقصد کی طرف آؤ۔ پس وہ سب کے سب اپنے بازوؤں سے اس جماعت پر چھا جاتے اور احاطہ کر لیتے ہیں اور اپنی کثرت کی وجہ سے آسمان تک یہ سلسلہ پہنچ جاتا ہے ـــــــ پس خداوند کریم جو اپنے بندوں کے حال سے خوب باخبر ہے، ملائکہ سے دریافت فرماتا ہے کہ میرے بندوں کو تم نے کس حال میں پایا؟۔ فرشتے عرض کرتے ہیں: بارِ الٰہا! وہ تیری حمد و ثنا بیان کر رہے تھے اور تجھ کو بڑائی و تعظیم کے ساتھ یاد کر رہے تھے اور تمام عیوب و نقصانات سے تجھ کو منزہ و مبرا قرار دیتے تھے ـــــــ حق تعالیٰ نے فرمایا کیا انھوں نے مجھے دیکھا ہے؟ فرشتے کہتے ہیں، نہیں۔ ـــــــ پھر حق تعالیٰ فرماتا ہے، اگر وہ مجھے دیکھ لیں تو ان کا کیا حال ہو؟۔ ملائکہ عرض کرتے ہیں: پھر اور زیادہ تحمید (حمد) تمجید (بزرگی) اور تکبیر (بڑائی) بیان کریں ـــــــ پھر حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ لوگ مجھ سے کیا طلب کر رہے تھے؟۔ فرشتے عرض کرتے ہیں کہ وہ بہشت کی طلب کر رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کیا انھوں نے بہشت کو دیکھا ہے؟ فرشتے عرض کرتے ہیں، نہیں دیکھا ـــــــ حق تعالیٰ فرماتا ہے اگر وہ اس کو دیکھ لیں تو ان کا کیا حال ہو؟۔ ملائکہ عرض کرتے ہیں: اگر وہ دیکھ لیں تو ان کو (بہشت کی) اور زیادہ طلب و حرص ہو جائے ـــــــ پھر حق تعالیٰ فرماتا ہے: کہ وہ کس چیز سے ڈرتے ہیں؟۔ ملائکہ عرض کرتے ہیں: اے رب! وہ دوزخ سے ڈرتے تھے اور تیری پناہ کی جستجو میں لگے ہوئے تھے

---

[1] مسلم و بخاری شریف۔ [2] مسلم و بخاری شریف بروایت ابوہریرہؓ۔

حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: کیا انھوں نے دوزخ کو دیکھا ہے؟ فرشتے عرض کرتے ہیں نہیں دیکھا — حق تعالیٰ فرماتا ہے: اگر دیکھ لیں تو ان کا کیا حال ہو؟ فرشتے عرض کرتے ہیں: اگر وہ دیکھ لیں تو اور زیادہ پناہ چاہیں اور دوزخ سے بچنے کے لئے زیادہ سے زیادہ راہِ فرار اختیار کریں — (ان سوال و جواب کے بعد) حق تعالیٰ فرشتوں سے فرماتا ہے: میں تم کو گواہ کرکے کہتا ہوں کہ میں نے ان سب کو بخش دیا — فرشتے عرض کرتے ہیں کہ اے رب! ان ذکر کرنے والوں کی مجلس میں فلاں شخص ذکر کے لئے نہیں آیا تھا بلکہ دنیاوی حاجت لے کر آیا تھا۔ حق سبحانہٗ وتعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ لوگ اَنَا جَلِیْسُ مَنْ ذَکَرَنِیْ[1] (میں اس کا ہمنشین ہوں جس نے میرا ذکر کیا) کے بموجب میرے ایسے ہمنشین ہیں کہ ان کا ہمنشین بدبخت نہیں ہوتا۔

اس حدیث اور اس سے پیشتر والی حدیث "اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ" سے لازم آتا ہے کہ اس جماعت سے محبت کرنے والے ان کے ساتھ ہیں اور جو بھی ان کے ساتھ ہے وہ محروم و بدبخت نہیں ہے ثَبَّتَنَا اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَاِیَّاکُمْ عَلٰی مَحَبَّۃِ ھٰؤُلَآءِ الْکِرَامِ بِحُرْمَۃِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ الْھَاشِمِیِّ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ وَالتَّحِیَّاتُ کُلَّمَا ذَکَرَہُ الذَّاکِرُوْنَ وَکُلَّمَا غَفَلَ عَنْ ذِکْرِہِ الْغَافِلُوْنَ

(اللہ تعالیٰ ہم کو اور آپ کو نبی الامی الہاشمی علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات والتحیات کے طفیل ان بزرگوں کی محبت پر ثابت قدم رکھے، جب تک ذکر کرنے والے اس کا ذکر کریں اور غافل اس کے ذکر سے غفلت میں رہیں)۔

اور جو کچھ آپ نے میاں اللہ داد کے خط میں اپنے احوال کی نسبت لکھا تھا اس قسم کی فنا اور گم ہونا بہت سے طالبوں پر ظاہر ہوتا ہے، اپنی ہمت بلند رکھیں اور جو کچھ حاصل ہو اس پر قناعت نہ کریں۔ ؎

بس بے رنگ است یار دلخواہ اے دل　　قانع نشوی برنگ ناگاہ اے دل

(بہت بے رنگ ہے وہ یارِ دلخواہ　　قناعت رنگ پر مت کر تو ناگاہ)

اس جماعت کی صحبت جملہ ضروریات میں سے ہے۔ حق سبحانہٗ وتعالیٰ ہمیں ان کی صحبت نصیب فرمائے۔ ؎

گردِ مستان گرد اگر مے کم رسد بوئے رسد　　گرچہ بوئے ہم نباشد رویتِ ایشاں بس است

(بُو ہی کافی ہے اگر مے کش نہیں دیتے شراب　　بُو بھی گر حاصل نہیں دیدار سے ہو فیضیاب)

---

[1] حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "میں اپنے بندے کے ساتھ ہوتا ہوں جب وہ مجھے یاد کرے اور اس کے ہونٹ میرے نام کے ساتھ حرکت کریں۔ رواہ البخاری

اسی طریقے پر جو حضرت قبلہ گاہی یعنی خواجہ عبدالباقی قدس سرہ سے اخذ کیا ہے وہ یہ طریقہ ہے کہ اسمِ مبارک "اللہ" کو بے چونی و بے چگونی (بے مثل و بے کیفی) کے معنی کے ساتھ دل کی پوری توجہ سے قلب میں گذاریں اور حاظر و ناظر کے معنوں پر اکتفا نہ کریں بلکہ کسی صفت کو بھی ملحوظ نہ رکھیں۔ اسی اسم کو مذکورہ توجہ کے بعد ہمیشہ دل میں حاضر رکھیں ــــــ بعض ضروری امور جو صحبت اور روبرو ہونے پر موقوف ہیں اگر ملاقات میسر ہوئی تو بیان کئے جائیں گے۔ ملاقات کے وقت تک نئے احوال لکھتے رہیں کیونکہ ان کا مطالعہ غائبانہ توجہ کا باعث ہوتا ہے۔ والسلام

مکتوب ۲۰۴ دو صد و چہارم

میر محمد نعمان بدخشی کی طرف صادر فرمایا ــــــ اس بیان میں کہ اہلِ خسران کے اعتراضات سے رنجیدہ نہ ہوں اور جو کام درپیش ہے اس میں مشغول رہیں اور دوستوں کی خاطر داری اور ان کی ترقیوں کے حصول میں کوشاں رہیں اور اس کے مناسب بیان میں۔

جناب میر نعمان صاحب! اہلِ خسران (دنیاداروں) کی پریشان کُن باتوں سے رنجیدہ نہ ہوں كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ[1] (ہر ایک اپنے طریقے اور انداز پر عمل پیرا ہے)۔ آپ کے لئے مناسب ہے کہ ان کی پاداش اور بدلہ لینے کے درپے نہ ہوں، دروغ کو کبھی فروغ نہیں ہے، ان کی جھگڑنے والی باتیں خود ان کے زوال کا باعث بن جائیں گی۔ مَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ (سورہ نور آیت ۴۰) (جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے نور نہیں بنایا اس کے لئے کوئی نور نہیں ہے) ــــــ جو شغل آپ کے پیش نظر ہے اس میں کوشش کریں اور اس کے علاوہ سب سے چشم پوشی اختیار کریں۔ قُلِ اللّٰهُ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِيْ خَوْضِهِمْ يَلْعَبُوْنَ (انعام آیت ۹۱) (آپ اللہ! اللہ کہیے اور پھر ان لوگوں کو چھوڑ دیجئے کہ اپنی بیہودہ باتوں میں لگے رہیں)

اخوی خواجہ محمد صادق ایسے وقت پہنچے کہ اتفاق سے عشرہ اعتکاف بجا لائے اور فتوحات و واردات تازہ سے مشرف ہوئے۔ اور الحمد للہ سبحانہ کہ تمام دوستوں کے اوقات اطمینانِ قلب سے گزر رہے ہیں اور پے درپے ترقی پر ہیں۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ (جمعہ آیت ۴) (یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے) وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ سیدنا محمد و آلہ وصحبہ وسلم وبارک علیہ وعلیہم اجمعین۔

---

[1] آیت اس طرح ہے قل کل یعمل علیٰ شاکلتہ (بنی اسرائیل آیت ۸۴)

مکتوب ۲۰۵ دو صد و پنجم

خواجہ محمد اشرف کابلی کی طرف صادر فرمایا ـــــــ اس بیان میں کہ اصل مقصود صاحبِ شریعت علیہ وعلی آلہ الصلوۃ والسلام والتحیۃ کی متابعت ہے۔

اللہ تعالیٰ آپ کو حضرت محمد مصطفےٰ علیٰ صاحبہا الصلوۃ والسلام والتحیۃ کی کامل متابعت سے مشرف فرمائے، کیونکہ اس کی درستی پر دین کے کاموں کا دارومدار ہے جو صدیقین کی دلی آرزو ہے، اس کے علاوہ جو کچھ ہے سب باطل اوہام اور فاسد خیالات ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اور آپ کو اس سے نجات بخشے۔ اور سلام ہو اس شخص پر جس نے ہدایت کی پیروی کی اور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کو اپنے اوپر لازم جانا۔

مکتوب ۲۰۶ دو صد و ششم

ملا عبد الغفور سمرقندی[1] کی طرف صادر فرمایا ـــــــ دنیا اور اس کے ناز و نعمت میں گرفتار رہنے کی مذمت[2] میں۔

اَللّٰھُمَّ نَبِّھْنَا قَبْلَ اَنْ یُّنَبِّھَنَا الْمَوْتُ بِحُرْمَۃِ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَعَلَیْھِمُ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ اَتَمُّھَا وَاَفْضَلُھَا (یا اللہ تو سید المرسلین علیہ وعلی آلہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات اتمہا وافضلہا کے طفیل ہم کو آگاہ کر دے قبل اس کے کہ موت ہم کو ہشیار اور آگاہ کرے) ـــــــ آپ کا لطیف و شریف گرامی نامہ جو اس حقیر دور افتادہ کے نام تحریر تھا موصول ہو کر خوشی و مسرت کا باعث ہوا، جَزَاکُمُ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ عَنَّا خَیْرَ الْجَزَاءِ (اللہ سبحانہ آپ کو جزا عطا فرمائے اور ہماری طرف سے عمدہ جزا دے)۔

اے بھائی! انسان کو دنیا میں مرغن اور لذیذ غذاؤں اور نفیس و مزین لباس پہننے کے لئے نہیں لائے اور عیش و عشرت اور کھیل کود کے لئے نہیں پیدا کیا بلکہ اس (انسان) کی پیدائش کا مقصود اپنے آپ کو عاجز و انکسار اور کمزور و محتاج سمجھنا ہے، جو کہ حقیقتِ بندگی ہے، مگر وہ انکساری اور عاجزی جو

---

[1] آپ کے نام دس مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۱۳۱ میں ملاحظہ ہو۔

[2] آپ کے نام تین مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۱۴۲ میں ملاحظہ فرمائیں۔

جس کی شریعتِ مصطفویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ نے اجازت دی ہے۔ کیونکہ اہلِ باطل کی ریاضات و مجاہدات جو روشن شریعت کے خلاف ہیں، ان سے سوائے خسارہ اور شرمندگی کے کچھ حاصل نہیں ہوتا اور سوائے حسرت و ندامت کے اور کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوتا۔

چاہئے کہ علمائے اہلِ سنت وجماعت شکر اللہ تعالیٰ سعیہم کی آراء کے موافق اپنے اعمال وعقائد کو احکامِ شرعیہ سے آراستہ و پیراستہ کرنے کے بعد اپنے باطن کو ذکرِ الٰہی جل سلطانہ سے معمور رکھیں۔ اور وہ سبق جو طریقۂ عالیہ اکابرِ نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم سے اخذ کیا ہے اس کی تکرار کریں، کیونکہ ان بزرگوں کے طریقے میں ان کی ابتدا میں انتہا درج ہے اور ان کی نسبت تمام نسبتوں سے افضل ہے کم عقل لوگ اس بات کا یقین کریں یا نہ کریں (فقیر کا) مقصود دوستوں کو ترغیب اور شوق دلانا ہے اور مخالفین اس بحث سے خارج ہیں ؎

ہر کس افسانہ بخواند افسانہ است وآنکہ دیدش نقدِ خود مردانہ است

(جس نے افسانہ کہا افسانہ ہے جس نے خود دیکھا وہی مردانہ ہے)

مختصر یہ کہ آخرت کی فلاح و بہبود ذکرِ کثیر پر وابستہ ہے۔ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ (جمعہ آیت ۶۲) (اللہ تعالیٰ کا بکثرت ذکر کرو تاکہ تم فلاح پاؤ) اسی معنی پر گواہ ہے، لہٰذا ذکرِ کثیر پر ثابت قدم رہنا چاہئے اور جو کچھ بھی اس کے خلاف ہے اس کو دشمن سمجھنا چاہئے کیونکہ نجات کا یہی طریقہ ہے۔ مَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ۔

ذکر گو ذکر تا ترا جان است پاکیٔ دل ز ذکرِ رحمٰن است

(ذکر کر ذکر جب تلک جاں ہے دل کی پاکی کو ذکرِ رحمٰن ہے)

أَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ (رعد آیت ۲۸) (آگاہ رہو کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر ہی سے قلوب اطمینان حاصل کرتے ہیں) نص قاطع ہے ——— حق تعالیٰ کی بارگاہ میں التجا ہے کہ وہ اس پر ثبات واستقامت کی توفیق عطا فرمائے کیونکہ دین کا مدار اسی پر ہے ——— اور سلام ہو اس پر جس نے ہدایت کی پیروی کی اور حضرت محمد مصطفےٰ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات اتمہا واکملہا کی متابعت کو اپنے اوپر لازم کیا۔

جامہ فرجی (قبا) جو نیک اوقات میں بارہا پہنا گیا ہے روانہ کیا جاتا ہے، اس کو پہن لیا کریں۔ حق تعالیٰ اپنے نبی اور ان کی پاک اولاد علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کے طفیل تمام کاموں کا انجام بخیر کرے۔ والسلام

میرزا حسام الدین احمد[1] کی طرف صادر فرمایا ——— اس بیان میں کہ جسموں کے قرب کو دلوں کے قرب میں عظیم تاثیر ہے، اور اس بیان میں کہ وجد و حال کو جب تک شرع شریف کی ترازو میں نہ تول لیں نیم جیتل پر بھی نہیں خریدتے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کا شکر ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) ——— مدت ہوئی آنجناب کی اور مخدوم زادوں کی اور صاحبزادے میاں جمال الدین حسین اور باقی دیگر عزیزوں اور بلند بارگاہ کے خادموں بالخصوص میاں شیخ اللہ داد و میاں شیخ اللہ دیا کی خیر و عافیت معلوم نہ ہو سکی، اس کا ملتمع اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ شاید آپ نے اس دور افتادہ کو فراموش کر دیا ہو ——— ہاں بدنوں کے قرب کو دلوں کے قرب میں عظیم تاثیر ہے، یہی وجہ ہے کہ کوئی ولی صحابہؓ کے مرتبہ کو نہیں پہنچا، حضرت اویس قرنیؒ اس قدر بلند مرتبہ ہونے کے باوجود چونکہ حضرت خیر البشر علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت کا شرف حاصل نہ کر سکے اس لئے کسی ادنیٰ صحابی کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکے ——— کسی شخص نے حضرت عبداللہ بن مبارکؒ سے دریافت کیا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ افضل ہیں یا عمر بن عبدالعزیزؒ؟ تو آپ نے جواب دیا کہ وہ غبار جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ساتھ ہوتے ہوئے حضرت امیر معاویہؓ کے گھوڑے کی ناک میں داخل ہوا تھا وہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ سے کئی درجے بہتر ہے۔

اس طرف کے حال و احوال مع متعلقین اور توابع کے بخیر و عافیت ہیں۔ اس پر بلکہ ان تمام نعمتوں اور بالخصوص اسلام کی نعمت اور سید الانام علیہ وعلی آلہ الصلوات والتسلیمات کی متابعت پر اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا شکر و احسان ہے، کیونکہ اصل مقصود یہی ہے اور نجات کا دار و مدار اور دنیا و آخرت کی سعادت اسی پر وابستہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو سید المرسلین علیہ وعلی آلہ وعلیہم الصلوات و التسلیمات اتمہا و اکملہا کے طفیل اس پر ثابت قدم رکھے۔ ع

کار این ست و غیر ایں ہمہ ہیچ (کام بس یہ ہے باقی سب ہیچ ہے)

صوفیوں کی ترہات (سکر و مستی کی حالت میں جو خلاف شرع باتیں سرزد ہوتی ہیں) ان سے کیا حاصل ہوتا ہے اور ان کے

---

[1] آپ کے نام سولہ مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۳۲ پر گزر چکا ہے۔

احوال سے کیا اضافہ ہوتا ہے، وہاں وجد و حال کو جب تک شریعت کی میزان پر نہ تول لیں نیم جیتل (آدھا پیسہ) کے عوض بھی نہیں خریدتے، اور کشف و الہام کو جب تک کتاب و سنت کی کسوٹی پر نہ پرکھ لیں نیم جو کے بدلے میں بھی قبول نہیں کرتے ـــــــ صوفیائے کرام کے طریقے پر چلنے سے مقصود یہ ہے کہ معتقداتِ شرعیہ کا جو کہ ایمان کی حقیقت ہیں زیادہ یقین حاصل ہو جائے اور احکام فقہیہ کے ادا کرنے میں آسانی میسر ہو جائے، اس کے علاوہ اور کوئی امر مقصود نہیں ہے کیونکہ رویتِ باری تعالیٰ کے آخرت میں ہونے کا وعدہ کیا گیا ہے اور وہ دنیا میں ہرگز واقع نہیں ہوگی۔ وہ مشاہدات و تجلیات جن کے ساتھ صوفیہ خوش ہوتے ہیں وہ صرف ظلال سے آرام پانا اور شبہ و مثال سے تسلی حاصل کرنا ہے کیونکہ حق تعالیٰ ان سب سے وراء الورا ہے۔

عجب کاروبار ہے کہ اگر ان مشاہدات و تجلیات کی حقیقت پوری طرح بیان کردی جائے تو اس بات کا خوف ہے کہ اس راستے کے مبتدیوں کی طلب میں فتور اور ان کے شوق میں قصور واقع ہو جائے گا، اور ساتھ ہی اس بات کا بھی ڈر ہے کہ اگر علم کے باوجود کچھ بھی نہ کہا جائے تو حق باطل کے ساتھ ملا رہے گا ـــــــ

یَا دَلِیْلَ الْمُتَحَیِّرِیْنَ دُلَّنِیْ بِحُرْمَۃِ مَنْ جَعَلْتَہٗ رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہِ الصَّلَوٰاتُ مَعَ التَّسْلِیْمَاتِ (اے سرگشتہ اور حیران لوگوں کو راہ دکھانے والے ہم کو رحمۃ للعالمین علیہ وعلی آلہ الصلوات والتسلیمات کے طفیل سیدھے راستے کی ہدایت فرما) ـــــــ کبھی کبھی اپنی کیفیات کے احوال سے مطلع فرماتے رہیں کیونکہ یہ امر محبت میں اضافہ کا باعث ہے ـــــــ اور سلام ہو اُس پر جس نے ہدایت کی پیروی کی اور حضرت محمد مصطفےٰ علیہ و علی آلہ الصلوات والتحیات والتسلیمات افضلہا واکملہا کی متابعت کو اپنے اوپر لازم جانا۔

مکتوب ۲۰۸ دو صد و ہشتم
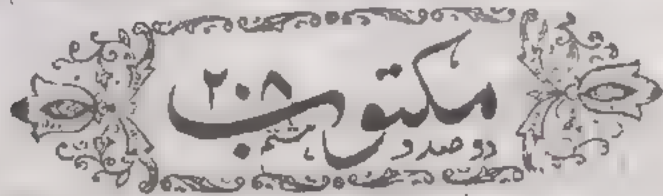
حضرت مخدوم زادہ اعنی میاں محمد صادق[1] کی طرف صادر فرمایا، اللہ تعالیٰ ان کو محبین کے سروں پر قائم رکھے۔ اُن کے سوال کے جواب میں کہ سالک اس طریق (راستہ) میں کبھی اپنے آپ کو انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے مقامات میں پاتا ہے بلکہ بعض اوقات مشاہدہ کرتا ہے کہ ان مقامات سے بھی آگے نکل گیا ہے، اس راز کا کیا مطلب ہے۔

---

[1] آپ کے نام پانچ مکتوب ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۱۸۱ کے فٹ نوٹ میں ملاحظہ ہو۔

میرے فرزند نے دریافت کیا تھا کہ اس راہ کا سالک مقاماتِ عروج میں کبھی اپنے آپ کو انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات انتہا واکملہا کے مقامات میں پاتا ہے بلکہ بعض اوقات یہ سمجھتا ہے کہ ان مقامات سے بھی آگے نکل گیا ہے، اس راز کا کیا مطلب ہے؟ حالانکہ یہ بات متفقہ طور پر تسلیم شدہ ہے کہ (اولیاءؒ پر) انبیاء علیہم الصلوات والتحیات کو فضیلت حاصل ہے۔ اولیاءؒ جو کچھ بھی حاصل کرتے ہیں انہی (انبیاءؑ) کے طفیل سے حاصل کرتے ہیں اور کمالاتِ ولایت تک ان ہی کی متابعت سے پہنچتے ہیں ——

—— اس کا جواب یہ ہے کہ انبیاء علیہم الصلوات والبرکات کے مقامات ان کے عروج کے مقامات کی انتہا نہیں ہیں بلکہ ان بزرگواروں (پیغمبروں) کا عروج مراتب کے لحاظ سے ان مقامات سے بہت بلند ہے، کیونکہ ان مقامات سے مراد اسمائے الٰہی جل سلطانہٗ ہیں کہ جو ان کے تعینات کا مبدأ ہیں اور وہ حضرت حق ذات تعالیٰ وتقدس کی طرف سے فیوض کے ذرائع و وسیلے ہیں، کیونکہ حضرت ذات عز اسمہ کو بغیر اسماء کے توسط کے اس عالم سے کوئی مناسبت نہیں ہے اور حق تعالیٰ کو سوائے استغنا اور لاپروائی کے کوئی نسبت نہیں، آیۂ کریمہ اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ (عنکبوت آیت [29]) (بے شک اللہ تعالیٰ دنیا جہان سے بے پرواہ ہے) اس معنی پر شاہد وگواہ ہے۔

اور جب یہ بزرگوار (انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام) عروج کے مراتب سے نزول فرماتے ہیں اور اوپر کے انوار کو ساتھ لے کر نیچے آتے ہیں تو اُن (صفات الٰہیہ کے) اسماء میں اپنے درجات کے مطابق جو ان کے طبعی مقامات کے ساتھ مشابہت رکھتے ہیں ان میں اقامت فرماتے ہیں اور اپنا وطن بنا لیتے ہیں۔ لہٰذا اگر کوئی ان کو قرار پانے کے بعد ان کے مقام میں تلاش کرے تو ان کو ان ہی اسماء (الٰہی) میں پائے گا —— لہٰذا بلند استعداد والا جو حضرت ذات تعالیٰ وتقدس کی طرف متوجہ ہے لازماً عروج کے وقت انہی اسماء الٰہی میں پہنچ جائے گا اور اس جگہ سے اوپر کو گذر جائے گا۔ اِلٰی مَاشَاءَ اللّٰہ تعالیٰ (جہاں تک اللہ تعالیٰ چاہے)۔ لیکن جب وہ سالک اوپر سے نیچے آتا ہے اور اس ذات الٰہی کے اسم کے ساتھ جو اس کے وجود کے تعین کا مبدا ہے نزول کرتا ہے تو وہ البتہ ان اسموں سے جو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے مقامات میں بہت نیچے ہوگا اور اس مقام میں درجات کے تفاوت ظاہر ہو جائیں گے جو کہ افضلیت کی بنیاد ہے جس کا جتنا بلند مقام ہے اس کی اتنی ہی فضیلت ہے۔ اور جب تک سالک اپنے اسم کے ساتھ واپس نہیں لوٹتا اور اپنے اسم کو ان کے اسموں سے نیچے نہیں لاتا ان

بزرگواروں (پیغمبروں) کی افضلیت کو ذوق و حال کے طریقے پر معلوم نہیں کر سکتا بلکہ تقلید کے طور پر ان کو افضل کہتا ہے، اور سابق یقین کی وجہ سے ان کی اَوّلویت (اولیٰ و افضل ہونے کو) تسلیم کرتا ہے لیکن اس کا وجدان اس کے حکم کی تکذیب کرتا ہے۔ ایسے وقت میں حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ سے عجز و نیاز اور التجاء و تضرع کی ضرورت ہے تاکہ جو کچھ حقیقتِ کار (اصلی حالت) ہے ظاہر ہو جائے ـــــ اسی مقام میں سالکوں کے قدم ڈگمگا جاتے ہیں۔ اس جواب کو ہم ایک مثال کے ذریعے واضح کرتے ہیں:۔

اربابِ معقول (یعنی فلاسفۂ یونان اور ان کے پیرو حکمائے اسلام) نے کہا ہے کہ دھواں خاکی اور آتشی اجزاء سے مرکب ہے، جس وقت دھواں اوپر کو جاتا ہے تو اس کے اجزائے خاکی بھی اجزائے آتشی کے ساتھ اوپر چلے جاتے ہیں اور قاسر[1] کا قسر حاصل ہونے کی وجہ سے عروج کر جاتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ اگر دھواں قوی ہو تو وہ کرۂ نار تک عروج کر جاتا ہے۔ اس اوپر جانے کے دوران اجزائے خاکی اجزائے آبی اور اجزائے ہوائی کے مقامات میں جو طبعی طور پر بلندی رکھتے ہیں وہ بھی پہنچ جائیں گے اور وہاں سے عروج کر کے اوپر چلے جائیں گے ـــــ ایسی صورت میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اجزائے خاکی کا مرتبہ اجزائے آبی و ہوائی سے بلند و بالا ہے کیونکہ وہ فوقیت باعتبار قاسر کے ہے نہ کہ باعتبار ذات کے۔ اور کرۂ نار تک پہنچنے کے بعد جب وہ اجزائے خاکی نزول کر کے مرکز طبعی یعنی خاک پر پہنچ جاتے ہیں تو یقیناً ان کا مقام پانی اور ہوا کے مقام سے نیچے ہوگا ـــــ لہٰذا اس بارے میں ہم یہ کہتے ہیں کہ اس سالک کا عروج بھی ان مقامات میں قاسر کے اعتبار سے ہے کہ وہ قاسر گرمیٔ محبت کی زیادتی اور جذبۂ عشق کی قوت ہے۔ اور ذات کے اعتبار سے اس کا مقام بھی ان مقامات سے بہت نیچے ہے۔

یہ جواب جو بیان کیا گیا ایک منتہی سالک کی مناسبت سے ہے، لیکن اگر ابتداء میں یہ وہم پیدا ہو جائے اور وہ اپنے آپ کو اکابر کے مقامات میں پائے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر مقام کی ابتدا اور وسط میں اس کا سایہ اور مثال ہے اور چونکہ مبتدی اور متوسط جب ان مقامات کے ظلال کو پہنچنے میں تنزیل کرتے ہیں کہ وہ ان مقامات کی حقیقت تک پہنچ گئے (اس وقت) ظلال و حقائق کے درمیان فرق نہیں کر سکتے ـــــ اور اسی طرح اکابر کی شبہ و مثال جب ان مقامات میں پاتے ہیں تو خیال کرتے ہیں کہ وہ ان مقامات میں اکابرین کے ساتھ شریک ہو گئے ہیں، حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ اس جگہ شے کے

[1] قاسر یعنی زبردستی کسی کو کسی کام پر لگانے والا اور قسر کے معنی زبردستی کام پر لگانا۔

ظل کا نفسِ شے کے مانند ہونا لازم آتا ہے ـــــــ اَللّٰهُمَّ اَرِنَا حَقَائِقَ الْاَشْيَاءِ كَمَا هِيَ وَ جَنِّبْنَا عَنِ الْاِشْتِغَالِ بِمَلَاهِيْ بِحُرْمَةِ سَيِّدِ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِيْمَاتُ اَتَمُّهَا وَاَكْمَلُهَا (یا اللہ تو ہم کو حضرت سید الاولین والآخرین علیہ وعلی آلہ الصلوات والتسلیمات اتمہا واکملہا کے طفیل اشیاء کی حقیقت سے پوری طرح آگاہ فرما اور لہو و لعب میں مشغول ہونے سے بچا)۔

مکتوب ۲۰۹

دو صد و نہم

میر نعمان بدخشی[1] کی طرف صادر فرمایا ـــــــ رسالۂ مبدأ و معاد کی بعض مشکل عبارتوں کے حل کرنے میں جو انھوں نے دریافت کی تھیں اور دوسری عبارتیں جو اس کی تائید میں لکھی گئی تھیں۔ اور اس خط کے جواب میں جو اس راہ (سلوک) کی بعض ضروری باتوں پر مشتمل ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ وَاٰلِهِ الطَّاهِرِيْنَ اَجْمَعِيْنَ ـــــــ سیادت پناہ میرے محترم بھائی محمد نعمان خیریت سے ہوں، اس طرف کے احوال قابلِ حمد و ستائش ہیں ـــــــ سرائے فرخ میں رخصت کے وقت آپ نے اور برادرم خواجہ محمد اشرف نے اس عبارت کے معنی جو رسالہ "مبدأ و معاد" میں درج ہیں دریافت کئے تھے چونکہ وقت سازگار نہ تھا لہذا (آئندہ پر) موقوف رہا۔ اب یہ بات دل میں آئی کہ اس عبارت کے حل سے متعلق کچھ لکھا جائے تاکہ احباب کی تسلی و تشفی کا باعث ہو۔ رسالہ کی وہ عبارت یہ ہے:

"آں سرور علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانۂ رحلت سے ہزار اور چند سال بعد ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ حقیقتِ محمدی اپنے مقام سے عروج فرمائے گی اور حقیقتِ کعبہ کے مقام میں (رسائی پاکر اس) کے ساتھ متحد ہو جائے گی۔ اس وقت "حقیقتِ محمدی" کا نام "حقیقتِ احمدی" ہو جائے گا اور وہ ذاتِ احد جل سلطانہٗ کا مظہر بن جائے گی، اور یہ دونوں اسم مبارک (محمد اور احمد) اپنے مسمی (مجموعۂ حقیقتِ محمدی و حقیقتِ کعبہ) میں متحقق ہو جائیں گے، اور حقیقتِ محمدی کا پہلا مقام (جہاں وہ اس سے پہلے تھی) خالی رہ جائے گا اور وہ اس وقت تک خالی ہی رہے گا یہانتک کہ

---

[1] آپ کے نام ۳۳ مکتوبات ہیں آپ کا تذکرہ دفتر اول کے مکتوب ۱۱۹ پر ملاحظہ ہو۔

حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نزول فرمائیں، اور نزول فرمانے کے بعد شریعتِ محمدی علیہا الصلوات والتحیات کے مطابق عمل فرمائیں۔ اس وقت حقیقتِ عیسوی اپنے مقام سے عروج کر کے حقیقتِ محمدی کے اس مقام میں جو خالی چلا آرہا تھا قرار پکڑے گی" (مبداء و معاد منہا ۵۴)

جاننا چاہئے کہ کسی شخص کی حقیقت اس کے تعینِ وجوبی سے مراد ہے کہ اس شخص کا تعینِ امکانی اس تعین کا ظل ہے اور وہ تعینِ وجوبی اسمائے الٰہی جل سلطانہٗ سے کہ وہ علیم، قدیر، مرید اور متکلم وغیرہ میں سے ایک اسم ہے اور وہ اسمِ الٰہی جل سلطانہٗ اس شخص کا رب ہے، اور اس کے وجودی اور توابع وجودی فیوض کا مبداء ہے، اور اس اسم کی نسبت حضرت ذات تعالیٰ شانہٗ کے ساتھ مختلف مراتب میں ہے صفت کے مرتبہ میں اس کا وجود ذاتِ وجود پر زائد ہے　　اس پر بھی اس اسم کا اطلاق ہوتا ہے اور شان کے مرتبہ میں بھی اس کی زیادتی ذات پر مجرد اعتبار سے ہے یہی اسم صادق آتا ہے۔ اور صفت و شان کے درمیان کا فرق اس مکتوب[۱] میں لکھا گیا تھا جو سلوک اور جذبہ کے بیان میں تفصیل سے ذکر آچکا ہے، اگر کوئی بات پوشیدہ ہو تو اس مکتوب کی طرف رجوع کرنا چاہئے ——— اس میں شک نہیں کہ شان کا حاصل ہونا بھی اگرچہ مجرد اعتبار سے ہے لیکن اس بات کا متقاضی ہے کہ اس سے اوپر اس شان کے مناسب اور زائد معنی ہوں جو اس شان کے وجود اعتباری کا مبداء ہوں۔ لہذا اس اسم کو بھی اس مرتبہ سے ایک حصہ حاصل ہے، اور اس زائد معانی کے فوق میں بھی یہ احتمال جاری ہے لیکن انسانی طاقت اس کو ضبط کرنے سے عاجز ہے ——— اس فقیر بے بضاعت کو ایک اور مرتبے سے بھی گذر گیا ہے، لیکن اس مرتبہ کے اوپر سوائے ہلاکت اور اضمحلال کے کچھ نہیں ہے: وَفَوْقَ كُلِّ ذِىْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ (یوسف ۱۳ آیت ۷۶) (اور ہر علم والے سے بڑھ کر علم والا (موجود) ہے۔ شعر

هَنِيْئًا لِأَرْبَابِ النَّعِيْمِ نَعِيْمُهَا　　وَلِلْعَاشِقِ الْمِسْكِيْنِ مَا يَتَجَرَّعُ

(مبارک منعموں کو ناز و نعمت　　مبارک عاشقِ مسکیں کو کلفت)

اہل اللہ کی ایک دوسرے پر فضیلت اپنی اپنی استعدادات اور قابلیتوں کے موافق ان مختلف مراتب کے طے کرنے کے اعتبار سے ہے، اور اس اسم کے واصل اولیا بہت تھوڑے ہیں کیونکہ ان میں سے اکثر سلوک اور سیرِ تفصیلی کے طریق سے تمام مراتبِ امکانیہ سے عروج حاصل کرنے کے بعد اس اسم کے ظلال میں سے کسی ظل تک واصل ہوتے ہیں اور صرف جذبہ کے طریق سے بھی اس اسم تک واصل ہونے کا گمان

(حاشیہ: رسالہ مبداء و معاد کی عبارت کا حاصل)

---

[۱] اس مکتوب سے مراد دفتر اول کا مکتوب ۲۸۷ ہے۔

کیا جا سکتا ہے لیکن یہ بے اعتبار اور ناقابلِ اعتماد ہے اور وہ لوگ جنھوں نے اس اسم سے عروج کیا ہے اور اس کے مختلف مراتب کو کم یا زیادہ طے کیا ہے وہ بہت ہی کم ہیں۔

اب ہم اصل بات کی طرف جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کسی شخص کی حقیقت جس کو تعینِ وجوبی کہتے ہیں اس کو تعینِ امکانی بھی کہتے ہیں۔ جب یہ ابتدائی باتیں معلوم ہو گئیں تو ہم کہتے ہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتحیات تمام مخلوقات کی طرح عالمِ خلق اور عالمِ امر سے مرکب ہیں اور وہ اسمِ الٰہی جل شانہٗ جو کہ عالمِ خلق کا رب ہے اس کی شان العلیم ہے، اور وہ جو عالمِ امر سے ان کی تربیت فرماتا ہے وہ اس کے معنی ہیں جو اس شان کے وجودِ اعتباری کا مبدأ ہے، جیسا کہ مذکور ہو چکا ہے اور "حقیقتِ محمدی" سے مراد "شان العلیم" ہے، اور "حقیقتِ احمدی" اس معنی کی طرف اشارہ ہے ——— جو اس شان کا مبدأ ہے اور "حقیقتِ کعبۂ سبحانی" سے بھی یہی مراد ہے۔ اور وہ نبوت جو حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی تخلیق سے پہلے آں سرور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حاصل تھی اور اس مرتبہ کی نسبت خبر دی ہے اور فرمایا ہے كُنْتُ نَبِيًّا وَّاٰدَمُ بَيْنَ الْمَاۤءِ وَالطِّيْنِ[1] (میں اس وقت بھی نبی تھا جبکہ حضرت آدم پانی اور مٹی کے درمیان تھے) ——— یہ بات باعتبار حقیقتِ احمدی کے تھی اور اس کا تعلق عالمِ امر سے ہے۔ اور اسی اعتبار سے حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو کلمۃ اللہ ہوئے ہیں اور عالمِ امر سے زیادہ مناسبت رکھتے ہیں اور (جنھوں نے) آں سرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کی تشریف آوری کی بشارت اسمِ "احمد" سے دی ہے اور فرمایا ہے: وَمُبَشِّرًاۢ بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ (الصّف آیت ۶) (اور خوشخبری دینے والا ایک رسول کی جو میرے بعد آئے گا اور اس کا نام احمد ہے) ——— اور وہ نبوت جس کا تعلق نشأۃ عنصری (مادہ کی پیدائش) سے ہے وہ صرف حقیقتِ محمدی کے اعتبار سے نہیں ہے بلکہ دونوں حقیقتوں کے اعتبار سے ہے اور اس مرتبہ میں آپ کی تربیت کرنے والی وہ شان اور اس شان کا مبدأ ہے، لہٰذا اس مرتبہ کی دعوت پہلے مرتبہ کی دعوت کی نسبت سے زیادہ مکمل ہے، کیونکہ اس مرتبہ میں ان کی دعوت عالمِ امر سے مخصوص تھی اور ان کی تربیت صرف روحانیین تک محدود تھی اور ان کی دعوت کے اس مرتبہ میں عالمِ خلق اور عالمِ امر دونوں شامل ہیں اور آپ کی تربیت ارواح و اجساد پر مشتمل ہے۔

---

[1] عن ابی ہریرۃؓ قال قالوا یا رسول اللہ متی وجبت لک النبوۃ قال وآدم بین الروح والجسد (رواہ الترمذی)

حاصل کلام یہ ہے کہ اس جہان میں آنحضرت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی عنصری پیدائش کو آپؐ کی ملکی پیدائش پر غالب کیا ہوا تھا تاکہ مخلوقات کے ساتھ کہ جن میں بشریت زیادہ غالب ہے ان کے لئے وہ مناسبت جو افادہ و استفادہ کا سبب ہے زیادہ سے زیادہ پیدا ہو جائے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کو اپنی بشریت کے ظاہر کرنے کے لئے بڑی تاکید سے حکم فرماتا ہے:

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ (کہف آیت ۱۸) (آپ کہہ دیجئے کہ میں بھی تمہاری طرح بشر ہوں صرف یہ کہ میری طرف وحی کی جاتی ہے)۔ اور لفظ مِثْلُكُمْ کالانا بشریت کی تاکید کے لئے ہے ــــــــ وجودِ عنصری سے رحلت فرمانے کے بعد آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی روحانیت کی جانب غالب آگئی اور آپؐ کی بشریت کی مناسبت کم ہو گئی اور دعوت کی نورانیت میں تفاوت پیدا ہو گیا۔ (چنانچہ) بعض اصحاب کرامؓ نے فرمایا ہے کہ "ہم ابھی آں سرور علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کے دفن سے فارغ نہ ہوئے تھے کہ ہم نے اپنے دلوں میں ایک فرق محسوس کیا۔"[1] ہاں (فرق کیوں نہ ہو جبکہ) ایمانِ شہودی، ایمانِ غیبی سے بدل گیا اور معاملہ آغوش سے گوش تک آپہنچا اور دیکھنے کی بجائے سننے کی نوبت آگئی۔

اور آنحضرت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانۂ رحلت سے جب ہزار سال گذر گئے جو بڑی لمبی مدت اور زمانۂ دراز ہے تو (آپؐ کی) روحانیت کی جانب اس طرح غالب ہوئی کہ بشریت کی تمام جانب کو اپنے رنگ میں رنگ دیا حتیٰ کہ عالمِ خلق نے عالمِ امر کا رنگ اختیار کر لیا، پس لازمی طور پر جو کچھ کہ آپ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی عالمِ خلق میں اپنی حقیقت سے رجوع ہو کر ظاہر ہوا یعنی حقیقتِ محمدی عروج فرما کر حقیقتِ احمدی سے ملحق ہو گئی اور حقیقتِ محمدی حقیقتِ احمدی سے متحد ہو گئی۔

اس جگہ حقیقتِ احمدی و حقیقتِ محمدی سے مراد آپ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے خلق و امر کا تعینِ امکانی ہے نہ کہ تعینِ وجوبی، کہ تعینِ امکانی اسی کا ظل ہے، کیونکہ تعینِ وجوبی کا عروج کوئی معنی نہیں رکھتا اور اس تعین کے ساتھ اس کا متحد کرنا معقول نہیں ہے۔ اور جب حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نزول فرمائیں گے تو حضرت خاتم الرسل علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شریعت کی پیروی کریں گے اور اپنے مقام سے عروج کر کے تبعیت کے طور پر حقیقتِ محمدی کے مقام میں پہنچ جائیں گے، اور آپ علیہما الصلوٰۃ والسلام کے دین کی تقویت فرمائیں گے۔

نزولِ حضرت عیسیٰ علیہ السلام

---

[1] اخرج الدارمی والترمذی فی الشمائل عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال ما نفضنا ایدینا عن التراب وانا لفی دفنہ حتی انکرنا قلوبنا۔

اسی ضمن میں یہ بات نقل کرتے ہیں کہ گذشتہ شریعتوں کا بھی یہی حال تھا کہ اولوالعزم پیغمبر کی رحلت فرماجانے کے ہزار سال بعد انبیائے کرام و رسلِ عظام [illegible] ہوتے تھے جو اس اولوالعزم پیغمبر کی شریعت کو تقویت دیتے تھے، اور اس کے کلمہ کو بلند کرتے تھے اور جب اس اولوالعزم پیغمبر کی دعوت و شریعت کا دورہ تمام ہو جاتا تھا تو دوسرا اولوالعزم پیغمبر مبعوث ہو جاتا تھا اور نئے سرے سے اپنی شریعت ظاہر کرتا تھا۔ اور [illegible] علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کی شریعت نسخ اور تبدیلی سے محفوظ ہے اس لئے آپؐ کی امت کے علماء کو انبیاء کا حکم دے کر آپ کی شریعت کی تقویت کے کام کو اور ملت کی تائید کو ان کے سپرد فرما دیا۔ اسی طرح ایک اولوالعزم پیغمبر (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تبع بنا کر آپؐ کی شریعت کی ترویج بخشی ہے۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا ارشاد ہے إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ (حجر آیہ ۹) (بیشک ہم نے ذکر (قرآن مجید) نازل کیا اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں)۔

جاننا چاہئے کہ آنحضرت خاتم الرسل علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کی رحلت فرمانے کے ہزار سال بعد آپ کی امت کے جن اولیا کا ظہور ہوگا اگرچہ ان کی تعداد بہت قلیل ہوگی لیکن وہ کامل واکمل ہوں گے تاکہ اس شریعت کو پورے طور پر تقویت دے سکیں ——— حضرت مہدی کہ جن کی تشریف آوری کی نسبت حضرت خاتم الرسل علیہ وعلیہم الصلوات والتحیات نے بشارت فرمائی ہے ہزار سال کے بعد ظاہر ہوں گے، اور حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام خود بھی ہزار سال کے بعد نزول فرمائیں گے ——— مختصر یہ کہ اس گروہ کے اولیاء کے کمالات اصحابِ کرامؓ کے کمالات کے مانند ہیں، اگرچہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد اصحابِ کرام کے لئے فضیلت و بزرگی ہے لیکن یہ ایک ایسا مقام ہے کہ مشابہت کے کمال کی وجہ سے ایک کو دوسرے پر فضیلت نہیں دے سکتے ——— اور ہو سکتا ہے کہ اسی وجہ سے آنحضرت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہو لَا يُدْرَى أَوَّلُهُمْ خَيْرٌ أَمْ آخِرُهُمْ (نہیں معلوم کہ ان میں سے پہلے (زمانے) والے بہتر ہیں یا آخر والے) ——— یہ نہیں فرمایا: لَا أَدْرِي أَوَّلُهُمْ خَيْرٌ أَمْ آخِرُهُمْ (میں نہیں جانتا کہ ان میں سے پہلے والے بہتر ہیں یا آخر والے) ——— کیونکہ آپؐ کو

۱؎ مثل امتی مثل المطر لا یدری اولہ خیر ام آخرہ (یعنی میری امت کا حال بارش کے مانند ہے نہیں معلوم کہ بارش کا پہلا حصہ بہتر ہے یا آخری حصہ) اس کو [illegible] نے حضرت انسؓ سے روایت کیا اور الفاظ کے اختلاف کے ساتھ احمد نے حضرت عمارؓ سے اور ابو یعلیٰ نے حضرت علیؓ سے اور طبرانی نے عمرو بن عثمانؓ سے روایت کیا۔

فریقین میں سے ہر ایک کا حال معلوم تھا اسی وجہ سے آپ ؐ نے فرمایا: خَیْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِیْ (سب زمانوں سے بہتر میرا زمانہ ہے) ـــــ لیکن چونکہ کمال مشابہت کی وجہ سے شک و شبہ کی گنجائش تھی اس لئے لَا یُدْرٰی فرمایا۔

اگر کوئی دریافت کرے کہ آنحضرت علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے اصحاب ؓ کے زمانے کے بعد تابعین کے زمانے کو خیر (بہتر) فرمایا ہے اور تابعین کے زمانے کے بعد تبع تابعین کے زمانے کو بھی خیر فرمایا ہے، لہٰذا خیریت انہی دو زمانوں کے لوگوں سے اور یقین کے ساتھ کہی جاسکتی ہے، پس اس گروہ کی اصحاب کرام ؓ کے کمالات کے ساتھ کس طرح مشابہت ہوگی ـــــــ جواب میں ہم کہتے ہیں کہ ہو سکتا ہے کہ اُس قرن کا اِس طبقہ سے بہتر ہونا اس اعتبار سے ہو کہ (اس میں) اولیاء اللہ کا ظہور کثرت سے ہوگا، اور اہلِ بدعت اور اربابِ فسق و فجور کی کمی ہوگی۔ اور یہ بات اس کے ہرگز منافی نہیں ہے کہ اس طبقہ کے اولیاء اللہ میں سے بعض افراد ان دونوں قرنوں کے اولیاء اللہ سے افضل ہوں جیسے کہ حضرت مہدی ؎

فیضِ روح القدس ار باز مدد فرماید
دیگراں ہم بکنند آنچہ مسیحا می کرد

(وحی کا فیض اگر پھر سے میسر آجائے
دوسرے بھی وہ کریں جو کچھ مسیحا نے کیا)

لیکن اصحاب کرام ؓ کا زمانہ ہر لحاظ سے خیرت پذیر ہے اور اس بارے میں گفتگو کرنا فضول ہے۔ آگے والے آگے والے ہی ہیں اور جنتِ نعیم میں وہ مقرب ہیں۔ یہ وہ حضرات ہیں کہ دوسروں کا پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرنا ان کے ایک مُد جو خرچ کرنے کے برابر نہیں ہے[1] یَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ (البقرہ آیت ۱۰۵) اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت کے ساتھ مخصوص کرتا ہے۔

جاننا چاہیے کہ پچھلے بیان سے اُس عبارت کی منسوخ ہوگئے جو رسالہ مبدأ و معاد میں اس عبارت سے پہلے تحریر کی گئی ہے کہ "حقیقت کعبہ ربانی حقیقتِ محمدی کی مسجود ہوئی"۔ کیونکہ کعبہ ربانی کی حقیقت یعنی حقیقتِ احمدی ہے جو فی الحقیقت حقیقتِ محمدی اس کا ظل ہے پس لازماً حقیقت محمدی کی مسجود ہوئی۔

اگر سوال کریں کہ کعبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے اولیاء کے طواف کے لئے آتا ہے اور ان سے برکات حاصل کرتا ہے حالانکہ اس کی حقیقت حقیقت محمدی پر مقدم ہے۔ تو پھر یہ معنی کس طرح جائز ہوں گے؟ ـــــ جواب میں ہم کہتے ہیں کہ حقیقت محمدی تنزیہ و تقدیس کی بلندی کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے

---

[1] عن ابی سعید الخدری قال قال النبی صلے اللہ علیہ وسلم لا تسبوا اصحابی فلو ان احدکم انفق مثل احد ذھبا ما بلغ مد احدھم ولا نصیفہ (رواہ الشیخان مشکوٰۃ)

مقاماتِ نزول کی انتہا ہے۔ اور حقیقتِ کعبہ عروج کعبہ کے مقامات کی انتہا ہے۔ اور حقیقتِ محمدی کے لئے مرتبہ تنزیہ پر عروج کا خاص زینۂ اول حقیقتِ کعبہ ہے، اور اس (حقیقتِ محمدی) کے عروجات کی نہایت کو حق سبحانہٗ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا، اور چونکہ آپ کی امت کے کامل اولیا، کو آنحضرت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے عروجات سے نصیبِ تام، اور حصہ، حاصل ہے، پھر اگر کعبہ ان بزرگواروں سے برکات حاصل کرے تو کیا تعجب ہے

زمیں زادہ بر آسماں تاختہ زمین وزماں را پس انداختہ

(زمیں والے اتنے فلک پر چڑھے زمین و زماں اُن سے پیچھے رہے)

اور دوسری عبارت بھی جو اس رسالہ کے اس مقام پر واقع ہے وہ بھی حل ہو گئی اور وہ عبارت یہ ہے "کہ صورتِ کعبہ جس طرح کہ اشیاء کی صورتوں کی مسجود ہے اسی طرح حقیقتِ کعبہ بھی ان اشیاء کی حقیقتوں کی مسجود ہے" ـــــ کیونکہ پچھلے مقدمات سے یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ حقائق اشیاء اُن اسمائے الٰہی جل سلطانہٗ سے مراد ہے جو ان کے فیوضِ وجودی اور توابعِ وجودی کا مبدا ہے اور حقیقتِ کعبہ ان اسماء سے فوق ہے، پس یقیناً حقیقتِ کعبہ حقائقِ اشیاء کی مسجود ہوگی۔ ہاں اگر کامل ترین اولیاء کو حقیقتِ کعبہ سے بالا تر سیر حاصل ہو جائے اور وہ انوارِ بالا کو حاصل کر کے اپنے حقائق کے مراتب میں جو مراتب عروج میں اشیاء کے طبعی مقامات کے مانند ہیں، نیچے اتر آئیں تو کعبہ بھی ان کی برکات سے توقع رکھے گا۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔

اور اسی طرح رسالہ مبدا و معاد میں بھی چند فقرے انبیا، اولوالعزم صلوٰت اللہ تعالیٰ وتسلیماتہٗ علیہم کے ایک دوسرے سے افضل ہونے کے بارے میں لکھے گئے تھے یعنی ان کے ایک دوسرے پر افضل ہونے کے معنی چونکہ کشف والہام پر مبنی ہیں جو ظنی ہیں اس لئے اس کے تحریر کرنے پر اور افضلیت کے بارے میں تفرقہ کرنے پر نادم ہوں اور توبہ کرتا ہوں، کیونکہ اس باب میں دلیلِ قطعی کے علاوہ بات کرنا جائز نہیں۔ أَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ وَأَتُوْبُ إِلَى اللّٰهِ مِنْ جَمِيْعِ مَا كَرِهَ اللّٰهُ قَوْلًا وَّفِعْلًا (میں ان تمام اقوال وافعال سے جو اللہ تعالیٰ کے حضور میں ناپسندیدہ ہیں معافی مانگتا ہوں اور توبہ کرتا ہوں)۔

آپ نے اپنے خط میں تحریر کیا تھا کہ "سرائے فرخ" میں میں نے دریافت کیا تھا کہ مجھے تعلیم طریقت طالبوں کو سکھانے کی اجازت ہے یا نہیں؟ ـــــ تو آپ نے جواب میں فرمایا تھا "نہیں" ـــــ فقیر کو یاد نہیں کہ (اس بارے میں) مطلق نفی کی ہو، بلکہ یہ کہا ہو گا کہ وہ شرائط کے ساتھ مشروط ہے

مطلقاً اجازت نہیں ہے اور اب بھی اسی طرح جانیں۔ چاہیے کہ شرائط کی رعایت میں بہت احتیاط برتیں اور ہرگز سستی نہ کریں۔ جبتک استخاروں کے ذریعے یقین نہ ہوجائے اس وقت تک تعلیم طریقت نہ دیں ——— برادرم مولانا یار محمد قدیم کو بھی اس بات سے آگاہ کردیں اور بہت تاکید کے ساتھ کہدیں کہ تعلیم طریقت میں جلدی نہ کریں۔ (پیری مریدی کی) دکان کھولنا مقصود نہیں ہے بلکہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی مرضی کو ملحوظ رکھنا چاہیئے۔ اطلاع دینا ہمارا کام ہے۔

دوسرے آپ نے اپنے مریدوں کی شکایت کی تھی تو (اس شکایت کی بجائے) اپنی وضع کا گلہ کیجئے، کیونکہ آپ اس جماعت کے ساتھ اس طرح زندگی بسر کرتے ہیں جس کے نتیجے میں آپ کو آزار و تکلیف کا سامنا کرنا پڑا ——— بزرگوں نے کہا ہے کہ پیر کو چاہیئے کہ مرید کی نظر میں خود کو شان و شوکت سے رکھے نہ یہ کہ ان سے خلط ملط کا دروازہ کھول دے اور مصاحبانہ سلوک کرکے شکوہ و شکایت کا ہنگامہ کھڑا کردے۔ والسلام

مکتوب ۲۱۱

ملا شیبی[1] اصفہانی کی طرف صادر فرمایا ——— نفحات کی عبارت کے حل کرنے اور بعض ضروری نصیحتوں کے ذکر میں جن کو انھوں نے دریافت کیا تھا۔

آپ کا شفقت و مہربانی سے بھرا ہوا گرامی نامہ جو آپ نے اس حقیر بے سامان کو بھیجا تھا اس کے مطالعہ سے مشرف ہوکر بہت مسرور اور خوش ہوا۔ آپ سلامت رہیں اور سلامت ہی جائیں۔ اور جبتک (دنیا میں ہیں) فقراء کی صحبت میں رہیں اور جب (دنیا سے) رخصت ہوں تو ان (فقراء) کی محبت کا سرمایہ ساتھ ہو اور جب (قبر سے) اٹھیں تو ان کی محبت میں اٹھیں بحرمت آنحضرت علیہ وعلی آلہ الصلوات والتسلیمات اتمہا واکملہا جنھوں نے مَنِ افْتَخَرَ بِالْفَقْرِ[2] وَاٰثَرَہٗ عَلَی الْغِنَاءِ (فقر پر فخر کیا اور اس کو دولتمندی پر ترجیح دی)۔

آپ نے از روئے مہربانی فرماکر لکھا تھا کہ "نفحات" میں جو حکایت مذکور ہے اس کی حقیقت کیا ہے جو شیخ ابن سکینہ قدس سرہٗ کے مرید کی نسبت مذکور ہے کہ "ایک روز دریائے دجلہ[3] (جو عراق میں واقع ہے)

---

[1] آپ کے نام دو مکتوب ہیں۔ یعنی مکتوب ۲۱۱ و ۳۰۰۔ اہذا آپ کا تذکرہ مکتوب ۳۰۰ پر ملاحظہ ہو۔

[2] حضرت ابو امامہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے رب نے مجھ سے فرمایا کہ (آپ کے لئے) بطحاء مکہ کو سونے کا بنادیں؟ میں نے عرض کیا نہیں اے میرے رب! میں (چاہتا ہوں کہ) ایک دن سیر ہوکر کھاؤں اور ایک دن بھوکا رہوں (راوی کو شک ہے یا آپ نے فرمایا تین دن یا اس کے مانند) پس جبکہ میں بھوکا ہوں گا تو تیری جناب میں گریہ وزاری کروں گا اور تجھے یاد کروں گا اور جب شکم سیر ہوں گا تو تیرا شکر اور حمد کروں گا (رواہ الترمذی)

غسل کے لئے غوطہ لگایا اور دریائے نیل سے سر نکال کر مصر میں پہنچ گئے اور وہاں شادی کی بھر بیٹے بھی پیدا ہوئے اور سات سال تک مصر میں قیام پذیر رہے۔ اتفاقاً پھر ایک روز غسل کی غرض سے دریائے نیل میں غوطہ لگایا اور دریائے دجلہ سے سر نکال کر باہر آئے تو دیکھا کہ اپنے وہی کپڑے جو (سات سال قبل) دریائے دجلہ کے کنارے چھوڑے تھے بدستور اپنی جگہ موجود ہیں (چنانچہ) آپ کپڑے پہن کر گھر آگئے۔ اُن کی اہلیہ نے کہا کہ مہمانوں کے لئے جو کھانا آپ نے پکوایا تھا وہ تیار ہے۔ الی آخرہ۔

میرے مخدوم و مکرم! اس حکایت میں اس وجہ سے کوئی اشکال نہیں ہے کہ سالوں کا کام گھڑی بھر میں کیسے ہوگیا؟ ——— اس قسم کے معاملات بہت واقع ہوئے ہیں ——— مثلاً حضرت رسالت خاتمیت علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام والتحیہ کو شب معراج میں عروج کی منزلیں طے کرنے اور وصول الی اللہ کے منازل قطع کرنے کے بعد جو ہزاروں سال میں میسر ہو سکیں جب اپنے حرم سرا میں واپس تشریف لائے تو دیکھا کہ ابھی تک بستر میں گرمائی باقی تھی اور جو پانی آپ نے وضو کے لئے کوزہ میں علیحدہ کیا تھا اس میں بھی حرکت باقی ہے ——— اس کی وجہ وہی ہے جو اس حکایت کی نقل کے بعد نفحات میں مذکور ہے کہ یہ بات زمانہ کے بسط کی قسم سے ہے۔ بلکہ اس حکایت میں اشکال اس طرح پر ہے کہ بغداد میں تو ایک آن ہوا اور مصر میں وہی آن سات سال کی درازی اختیار کرلے۔ مثلاً اہلِ بغداد اس زمانے میں تین سو ساٹھ ۳۶۰ سال کی تاریخ ہجری میں ہوا اور اہلِ مصر اس وقت تین سو ستر ۳۷۰ سنہ ہجری میں۔ اس لئے یہ تجویز عقل و نقل میں نہیں آتی۔ یہ معاملہ ایک یا دو شخصوں کی نسبت ہو تو جائز ہو سکتا ہے لیکن مختلف شہروں، و مختلف مقامات میں ناممکن ہے - ——— جو کچھ کہ اس حقیر کی درماندہ خاطر میں آتا ہے وہ یہ ہے کہ یہ حکایت عالمِ بیداری سے متعلق نہیں ہے بلکہ خواب و واقعات کی قسم سے ہے کہ سننے والے کو خواب کی بجائے دیکھنے کا شبہ ہوگیا اور نیند پر بیداری کا وہم ہوگیا، بلکہ یہ بات اشتباہ کے مواقع میں سے ہے، مرید نے خواب میں دیکھا اور خواب ہی میں اپنے پیر سے ذکر کیا، اور فرزندوں کو لایا وغیرہ ——— اور وہ حکایت بھی جو اس حکایت کے بعد شیخ محی الدین ابن عربی قدس سرہٗ سے نقل کرتے ہیں اسی قسم سے ہے وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ اَعْلَمُ بِحَقَائِقِ الْاُمُوْرِ کُلِّہَا (اللہ سبحانہٗ ہی تمام امور کے حقائق کو جانتا ہے)۔

آپ نے لکھا تھا کہ "اس عبارت کی تشریح فرمائیں کہ جسم کی پرورش کرنے والی روح ہے اور قالب کا مربی قلب"

میرے مخدوم! ان دونوں عبارتوں کا مطلب ایک ہی ہے، اور وہ انسان کے عالمِ خلق کو اس کے عالمِ امر سے تربیت کرنا ہے۔ اور چونکہ لفظِ جسد، لفظ روح کے ساتھ محاورات میں کثر استعمال ہوا ہے اور قالب، و قلب، کے درمیان لفظی مناسبت بھی رکھتا ہے اس لئے ہر کسی نے اپنے مناسب لفظ کے ساتھ ملا کر عبارت میں اختلاف پیدا کر دیا ہے۔

آپ نے نصائح کی طلب سے متعلق لکھا تھا ——— میرے کرم فرما مخدوم! شرم آتی ہے کہ باوجود اس تمام خرابی، گرفتاری، بے سروسامانی اور بے حاصلی کے اس بارے میں کچھ تحریر کروں اور واضح طور پر یا اشارے سے کچھ لکھوں لیکن اس بات سے ڈرتا ہوں کہ جن باتوں کا حکم دیا گیا ہے یعنی قولِ معروف میں کوتاہی کروں تو اس سے بخل اور کنجوسی ظاہر ہوتی ہے، اس بنا پر چند کلمات لکھنے کی جرأت کرتا ہوں۔

میرے مخدوم! دنیا کے بقا کی مدت بہت قلیل ہے اور اس قلیل میں سے بھی بہت کچھ تلف ہو چکی ہے اور بہت تھوڑی باقی رہ گئی ہے، اور آخرت کی بقا کی مدت خلود و دوام یعنی ہمیشگی ہے، اور معاملۂ خلود کو چند روزہ زندگی کے ساتھ وابستہ کر دیا گیا ہے اس کے بعد یا تو دائمی نعمتیں ہیں یا ہمیشہ کا عذاب۔ مخبرِ صادق (علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو خبر دی ہے (وہ سچ ہے) اس میں کسی قسم کے بھی احتمال کی گنجائش نہیں، لہٰذا عقل دور اندیش سے کام لینا چاہئے۔

میرے مخدوم! عمر کا بہترین حصہ ہوا و ہوس میں گذر گیا اور اللہ جل شانہ، کے دشمنوں (نفس و شیطان) کی مرضی کے مطابق بسر ہو گیا اور عمر کا نکما حصہ باقی رہ گیا ہے، اگر آج ہم اس کو بھی حق جل سلطانہ کی مرضیات کے مطابق صرف نہ کریں اور بہترین عمر کی غفلتوں کا تدارک باقی ماندہ نکمّی عمر (میں عبادات) سے نہ کریں اور تھوڑی سی محنت اور تکلیف کو دائمی راحت کا ذریعہ نہ بنائیں اور تھوڑی سی نیکیوں سے بہت سے گناہوں کا کفارہ نہ کریں تو کل قیامت میں حق سبحانہٗ و تعالیٰ کے حضور میں کس منہ سے پیش ہوں گے اور کون سے حیلوں اور بہانوں کو اس کے سامنے پیش کریں گے ——— آخر خوابِ خرگوش میں کب تک پڑے رہیں گے اور غفلت کی روئی کب تک کانوں میں ٹھسی رہے گی، آخر ایک دن آنکھوں سے پردہ اٹھا دیا جائے گا اور غفلت کی روئی کو کانوں سے دور کر دیا جائے گا، لیکن اس وقت کوئی فائدہ نہ ہوگا اور حسرت و ندامت کے علاوہ کچھ حاصل نہ ہوگا ——— موت کے آنے سے پہلے ہی تیاری کر لینی چاہئے اور "واشوقاہ" (ہائے شوق) کہتے ہوئے مرنا چاہئے۔

سب سے پہلے عقائد کا درست کرنا ضروری ہے اور جو کچھ تواتر و ضرورت کے طور پر دین سے متعلق معلوم ہوا ہے اس کی تصدیق سے چارہ نہیں ہے ـــــ دوسرے ان باتوں کا علم ضروری ہے جن کا متکفل علمِ فقہ ہے ـــــ اور تیسرے طریقۂ صوفیہ کا سلوک بھی ضروری ہے لیکن اس غرض کے لئے نہیں کہ غیبی صورتیں اور شکلیں مشاہدہ کریں اور طرح طرح کے انوار اور رنگوں کا معائنہ کریں کیونکہ یہ سب لہو و لعب میں داخل ہیں۔ حسّی صورتیں اور انوار کیا کم ہیں کہ کوئی شخص ان کو چھوڑ کر ریاضتوں اور مجاہدوں کے ذریعے غیبی صورتوں اور انوار کی ہوس کرے، حالانکہ یہ (حسّی) صورتیں اور انوار اور وہ (غیبی) صورتیں اور انوار دونوں حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی مخلوق ہیں اور حق تعالیٰ کے صانع ہونے پر روشن دلیلیں ہیں ـــــ سورج اور چاند کا نور جو کہ عالمِ مشاہدہ سے ہے اور طرح طرح کے ان انوار سے مزین ہے جو عالمِ مثال میں نظر آتے ہیں اس سے کئی درجے افضل ہے، لیکن چونکہ یہ (سورج اور چاند کے نور کا) دیکھنا دائمی ہے اور خاص و عام سب اس (کے دیکھنے) میں شریک ہیں اس لئے اس کو نظرِ اعتبار سے گرا کر انوارِ غیبی کی خواہش میں لگ جاتے ہیں۔ ہاں ع

آبے کہ رود پیشِ درت تیرہ نماید (تمہارے در پہ جو پانی بہے سیاہ نہیں)

بلکہ طریقۂ صوفیہ کے سلوک سے مقصود یہ ہے کہ شرعی اعتقادی امور میں زیادہ یقین حاصل ہو جائے تاکہ استدلال کی تنگی سے نکل کر کشف کے کھلے میدان میں آجائیں اور اجمال سے تفصیل کی طرف مائل ہو جائیں ـــــ مثلاً واجب الوجود تعالیٰ و تقدس کا وجود اور اس سبحانہٗ کی وحدت جو پہلے استدلال یا تقلید کے طور پر معلوم ہوئی تھی اور اس کے اندازے کے موافق یقین حاصل ہوا تھا (لیکن) جب طریقِ صوفیہ کا سلوک میسر ہو جاتا ہے تو یہ استدلال و تقلید کشف و شہود سے بدل جاتا ہے اور کامل ترین یقین حاصل ہو جاتا ہے۔ تمام اعتقادی امور میں یہی قیاس ہے ـــــ اور نیز (طریقِ صوفیہ کے سلوک سے) مقصود یہ ہے کہ احکامِ فقہیہ کے ادا کرنے میں آسانی حاصل ہو جائے اور وہ مشکل دور ہو جائے جو نفس کی امارگی سے پیدا ہوتی ہے ـــــ اور اس فقیر کا یقین یہ ہے کہ طریقِ صوفیہ حقیقت میں علومِ شرعیہ کا خادم ہے نہ کہ شریعت کے خلاف کوئی اور امر۔ اور (میں نے) اپنے رسائل و کتابوں میں اس معنی کی تحقیق میں لکھا ہے اس غرض کو حاصل کرنے کے لئے طریقۂ عالیہ نقشبندیہ کا اختیار کرنا تمام طریقوں سے زیادہ اولیٰ و انسب ہے کیونکہ ان بزرگوں نے سنت کی متابعت کو اپنے اوپر لازم کیا ہے اور بدعت سے اجتناب کرنے کیلئے فرمایا ہے

یہی وجہ ہے کہ اگر ان کو متابعت کی دولت حاصل ہو جائے اور احوال کچھ نہ رکھتے ہوں تو خوش ہیں، اور اگر احوال حاصل ہونے کے باوجود متابعت میں فتور کی محسوس کریں تو ان احوال کو پسند نہیں کرتے ــــ ــــ حضرت خواجہ احرار قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ نے فرمایا ہے کہ "اگر تمام احوال و مواجید ہم کو دیدیئے جائیں اور ہماری حقیقت کو اہلِ سنت وجماعت کے اعتقادات سے نہ نوازیں تو ہم سوائے خرابی کے اور کچھ نہیں جانتے، اور اگر اہل سنت وجماعت کے اعتقادات ہم کو عطا کر دیئے جائیں اور حال و احوال سے کچھ نہ ملے تو پھر کچھ غم نہیں ہے"۔

اور نیز اس طریق کی ابتدا میں انتہا درج ہے، لہٰذا ان بزرگوں کو پہلے ہی قدم میں وہ کچھ حاصل ہو جاتا ہے جو دوسروں کو آخر میں حاصل ہوتا ہے، گر فرق ہے تو صرف اجمال و تفصیل اور شمول وعدم شمول کا ہے۔ ان کی نسبت بعینہ صحابہ کرام علیہم الرضوان جیسی ہے۔ کیونکہ حضرت خیر البشر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کی پہلی ہی صحبت میں اصحاب کرامؓ کو وہ کچھ حاصل ہو جاتا تھا جو اولیائے امت کو آخر میں بھی شاید ہی حاصل ہو ــــ یہی وجہ ہے کہ حضرت اویس قرنی قدس سرہٗ جو کہ خیر التابعین[1] ہیں حضرت حمزہ علیہ الرضوان کے قاتل وحشی کے مرتبہ کو نہیں پہنچے جن کو صرف ایک ہی مرتبہ حضرت خیر البشر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت حاصل ہوئی تھی کیونکہ صحبت کی بزرگی تمام فضائل و کمالات پر بڑھ کر ہے اس لئے کہ ان کا ایمان شہودی ہے اور دوسروں کو یہ دولت ہرگز میسر نہیں۔ مصرع

شنیدہ کے بود مانند دیدہ (سُنی ہوئی کبھی دیکھی ہوئی کی مثل نہیں)

یہی وجہ ہے کہ ان کا (راہِ خدا میں) ایک سیر جَو خرچ کرنا دوسروں کے سونے کے پہاڑ جتنا خرچ کرنے سے بہتر ہے[2] اور تمام صحابہؓ نفسِ فضیلت میں برابر ہیں لہٰذا ان سب بزرگوں یعنی صحابہ کرامؓ کو نیکی سے یاد کرنا چاہیئے کیونکہ تمام صحابہؓ عادل ہیں اور روایت و تبلیغِ احکام میں سب برابر ہیں۔ ایک کی روایت کو دوسرے کی روایت پر (قبولیت میں) کوئی ترجیح نہیں ہے۔ یہی (صحابہ) حاملینِ قرآن مجید (قرآن مجید کو اٹھانے والے) ہیں (اور قرآن کریم کی) متفرق آیات کو ان کے عدل کے اعتماد پر ہر ایک سے کبھی ایک یا دو یا تین تین ملیں اخذ کر کے

---

[1] عن عمر بن الخطابؓ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ان خیر التابعین رجل یقال لہ اویس ولہ والدۃ وکان بہ بیاض [illegible]

[2] رواہ الشیخان عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تسبوا اصحابی فلو ان احدکم انفق مثل احد ذھبا ما بلغ مد احدھم ولا نصیفہ۔

جمع کر دیا گیا۔ اگر صحابۂ کرامؓ میں سے کسی ایک کی عدالت پر کوئی اعتراض کرے تو وہ اعتراض قرآن مجید تک پہنچتا ہے کیونکہ (ممکن ہے کہ) بعض آیات کا جمع کرنے والا وہی (صحابی) ہو۔

اور وہ جھگڑے اور اختلافات جو ان بزرگوں کے درمیان گذرے ہیں ان کو اچھے معانی پر محمول کرنا چاہئے اور اپنے آپ کو ہوا و تعصب سے دُور رکھنا چاہئے ——— حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ جو صحابۂ کرامؓ کے حالات سے بہت زیادہ واقف ہیں وہ فرماتے ہیں: تِلْكَ دِمَاءٌ طَهَّرَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهَا اَیْدِیَنَا فَلْنُطَهِّرْ عَنْهَا اَلْسِنَتَنَا (یہ وہ خون ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے ہمارے ہاتھوں کو پاک رکھا ہے لہٰذا ہم کو چاہئے کہ اپنی زبانوں کو بھی ان سے پاک رکھیں (اور کسی صحابی پر زبان دراز نہ کریں) ——— اور اسی قسم کا قول امام اجل حضرت جعفر صادق علیہ الرحمہ سے بھی منقول ہے۔ والسلام اولاً و آخراً۔

مولانا یار محمد قدیم بدخشی[1] کی طرف صادر فرمایا ——— اس سوال کے جواب میں جو انھوں نے مولوی علیہ الرحمہ کے مقولے کے بارے میں کیا تھا اور مقامِ تکمیل و ارشاد کی ضروری شرائط کے بیان میں۔

میرے عزیز بھائی مولانا یار محمد قدیم کا پسندیدہ مکتوب موصول ہو کر خوشی کا باعث ہوا۔ حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ نبی مختار و آلہ الامجاد علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کے طفیل کمال و تکمیل کی بلندی تک پہنچائے ——— آپ نے مولوی (رومی) علیہ الرحمہ کے مقولہ کے متعلق دریافت کیا تھا کہ انھوں نے فرمایا ہے: "آں نازنینے کہ در کنارِ من بودہ حق بودہ است"۔ وہ نازنین (محبوب) جو میرے پہلو میں تھا وہ حق تھا)۔ کیا اُن کا یہ کہنا جائز ہے یا نہیں؟ ——— جاننا چاہئے کہ اس قسم کے حالات اس راہ (سلوک) میں بہت آتے ہیں اور بے اختیار زبان پر جاری ہو جاتے ہیں۔ اس قسم کے معاملہ کی نوعیت تجلّیٔ صوری سے ہے کہ صاحبِ معاملہ اس متجلّی صورت کو حق تعالیٰ شانہٗ گمان کرتا ہے، ورنہ اصل بات وہی ہے جو شیخ اجل امام ربانی حضرت خواجہ یوسف ہمدانیؒ نے فرمائی ہے: تِلْكَ خَيَالَاتٌ تُرَبّٰى بِهَا اَطْفَالُ الطَّرِيْقَةِ (یہ وہ خیالات ہیں کہ جن کے ذریعے راہِ سلوک کے بچوں کی تربیت کی جاتی ہے)۔

---

[1] آپ کے نام دو مکتوبات ہیں دفتر اول مکتوب ۱۱۷-۲۱۱- اور آپ کا تذکرہ ۱۱۷ کے مکتوب کے فٹ نوٹ میں ملاحظہ ہو۔

دوسرے یہ کہ چونکہ آپ کو طریقہ سکھانے کے لئے ایک قسم کی اجازت دی گئی ہے اس لئے اس بارے میں چند فوائد لکھے جاتے ہیں، گوشِ ہوش سے سن کر ان پر عمل پیرا ہوں۔

جاننا چاہیئے کہ جب کوئی طالب آپ کے پاس ارادت سے آئے تو اس کو طریقہ سکھانے میں بہت تأمل کرنا چاہیئے ایسا نہ ہو کہ اس امر میں آپ کا استدراج مطلوب ہو اور خرابی منظور ہو، خصوصاً جب کسی مرید کے آنے پر کچھ خوشی و سرور پیدا ہو تو چاہیئے کہ اس بارے میں التجا و تضرع کا طریق اختیار کر کے چند مرتبہ استخارہ کریں تاکہ یقینی طور پر معلوم ہو جائے کہ اس کو طریقہ سکھانا چاہیئے اور (اس میں) خرابی و استدراج مراد نہیں ہے، کیونکہ حق تعالیٰ کے بندوں میں تصرف کرنا اور اپنے وقت کو ان کے پیچھے ضائع کرنا اللہ تعالیٰ کے اذن کے بغیر جائز نہیں۔ آیۂ کریمہ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ (ابراہیم آیت ۱) (تاکہ آپ لوگوں کو اندھیروں سے نور کی طرف اللہ تعالیٰ کے اذن سے نکالیں) اسی معنی پر دلالت کرتی ہے۔

ایک بزرگ فوت ہو گئے تو ان کو خطاب ہوا کہ تو وہی ہے جس نے میرے دین میں میرے بندوں پر رہزنی کی تھی (یعنی شیخ کامل کی اجازت کے بغیر رہِ ارشاد اختیار کی تھی) انھوں نے کہا ہاں۔ فرمایا: کہ تو نے میرے بندوں کو میری طرف تفویض کیوں نہ کیا اور دل سے میری طرف متوجہ کیوں نہ ہو۔

اور وہ اجازت جو آپ کو اور دوسروں کو دی گئی ہے چند شرائط پر مشروط ہے اور حق تعالیٰ کی رضامندی کا علم حاصل کرنے پر موقوف ہے۔ ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ مطلق اجازت دیدی جائے، وقت آنے تک شرائط کو اچھی طرح مدنظر رکھیں، اطلاع دینی شرط ہے ـــ میر نعمان کو بھی یہی لکھا گیا ہے وہاں سے بھی معلوم کر لیں۔ غرض کوشش کریں تاکہ وہ وقت آجائے اور شرائط کی پابندی سے چھوٹ جائیں۔ والسلام
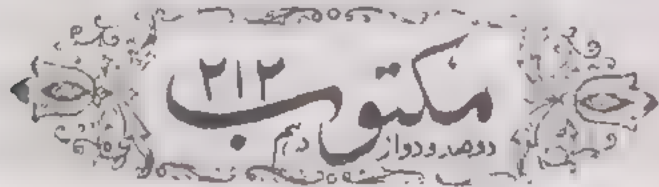
مولانا محمد صدیق بدخشی[1] کی طرف صدر فرمایا ـــ ان سوالات کے جواب میں جو انھوں نے دریافت کئے تھے اور اس واقعہ کے حل میں جو انھوں نے دیکھا اور لکھا تھا۔

آپ کے دو مکتوب مرغوب پے در پے موصول ہو کر خوشی پر خوشی کا باعث ہوئے۔ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ

---

[1] آپ کے نام ۲ بارہ مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۱۳۲ کے فٹ نوٹ میں ہو چکا ہے۔

سید المرسلین علیہ وعلیٰ آلہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات اتمہا واکملہا کے طفیل بے انتہا ترقیات عطا فرمائے۔
آپ نے دریافت کیا تھا کہ صاحبِ تصرف پیر (شیخ) کسی مستعد مرید کو اپنے تصرف سے اس کی اس کی قابلیت سے زیادہ بلند مرتبہ پر پہنچا سکتا ہے یا نہیں؟ ——— ہاں پہنچا سکتا ہے۔ لیکن صرف ان بلند مراتب پر پہنچا سکتا ہے جو اس کی استعداد کے مناسب ہوں نہ کہ ان مراتب پر جو اس کی استعداد کے مناسب نہ ہوں ——— مثلاً کسی مرید کی استعداد ولایتِ موسوی ہے، اور اس کی استعداد کی قوت کی انتہا اس ولایتِ (موسوی) کی آدھی منزل تک ہے تو پیر صاحبِ تصرف اس کو اپنے تصرف سے اس ولایت کے درجات کی آخری منزل تک پہنچا سکتا ہے۔ لیکن اس کو ولایتِ موسوی سے ولایت محمدی میں لائے اور عروج و ترقی دے، ایسا واقعہ ہمارے علم میں نہیں ہے۔

اور آپ نے یہ بھی دریافت کیا تھا کہ وہ کونسا مرتبہ ہے جس میں (لطیفۂ) خفی جو انسان کے لطیف ترین لطیفوں میں سے ہے نفسِ امارہ کا حکم رکھتا ہے، اور دنائت و خساست (ذلالت و کمینگی) میں اس کے ساتھ مناسبت پیدا کر لیتا ہے ——— میرے بھائی کو معلوم ہو کہ (لطیفۂ) اخفی اگرچہ لطیف ترین لطائف میں سے ہے لیکن دائرۂ امکان میں داخل ہے اور حدوث کے داغ سے داغدار ہے، جب سالک دائرۂ امکان سے باہر قدم رکھتا ہے اور وجوب کے مراتب میں سیر کرتا ہے اور ظلالِ وجوبی سے ان کے اصلوں میں پہنچتا ہے اور صفت و شان کی قید سے آزاد ہو جاتا ہے تو لازماً "ممکن" اس (سالک) کی نظر میں خوار و بے اعتبار نظر آتا ہے، اور اس کے احسن و الطف کو کمینگی اور ذلالت میں برابر دیکھتا ہے اور نفس و اخفیٰ کو اس مقام میں توأمین (جڑواں بچوں کی طرح) یکساں خیال کرتا ہے۔

اور آپ نے لکھا تھا کہ (آپ کے) واسطے سے یا بلا واسطہ ہم نے یہ بات سنی ہے کہ عبادت کے وقت حق سبحانہٗ کو حاضر (و ناظر) دیکھ کر عبادت کرنا حق سبحانہٗ و تعالیٰ کے تنزل کا باعث ہے، بندہ کی طرح عبادت کرنی چاہئے یعنی اس ذات پاک کو حاضر جان کر عبادت کرنا بے ادبی میں داخل ہے ——— اے محبت کے نشان والے مجھے معلوم نہیں کہ اس قسم کی بات اس فقیر سے سرزد ہوئی ہو، کسی دوسری جگہ دیکھا ہوگا۔

اور وہ واقعہ جو آپ نے تحریر کیا ہے کہ حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو واقعہ میں دیکھا ہے، بہت نیک ہے اور اصلیت رکھتا ہے ——— پانی سے مراد علم ہے اور اس کے اندر ہاتھ ڈالنا

علم میں قدرت (مہارت) کا حاصل کرنا ہے اور حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی شرکت اس حصول کے معنی میں تاکید کا حکم رکھتی ہے، کیونکہ آپ (حضرت آدمؑ) حضرت رحمٰن جل شانہٗ کے شاگرد ہیں. (جیسا کہ ارشادِ باری ہے) وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا (بقرہ آیت ۳۱) (اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو تمام چیزوں کے نام سکھائے) ــــــ خلاصہ یہ کہ اس (واقعہ میں) علم سے مراد علمِ باطن ہے بلکہ علم باطن کی بھی وہ ایک قسم جس کی مناسبت حضرات اہلِ بیت علیہم الرضوان سے مناسبت رکھتی ہے. وَالْبَاقِیْ عِنْدَ التَّلَاقِیْ (باقی بوقت ملاقات) ــ والسّلام

سیادت پناہ شیخ فریدؒ[1] کی طرف صادر فرمایا ــ ــــ پند ونصائح اور اہلِ سنت وجماعت کی پیروی کی ترغیب میں کہ یہی فرقہ ناجیہ ہے، اور علماءِ سوء کی صحبت سے پرہیز کرنے میں جنھوں نے علم کو دنیا کی دولت حاصل کرنے کا ذریعہ بنایا ہے۔

حق سبحانہٗ وتعالیٰ آپ کو آپ کے جد امجد علیہ وعلی آلہ الصلوات والتسلیمات کے طفیل ان امور سے جو آپ کے لائق نہیں ہیں اپنی پناہ میں رکھے ــ ــــ حق سبحانہٗ وتعالیٰ کا ارشاد ہے: ــــ
هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ (سورہ رحمٰن آیت ۶۰) (کیا احسان کا بدلہ احسان کے علاوہ کچھ اور ہے). (یہ فقیر) نہیں جانتا کہ آپ کے احسان کا بدلہ کس احسان سے ادا کرے، سوائے اس کے کہ نیک دعا میں "سلامتیٔ دارین" کی دعا سے "رطب اللسان" (زبان کو تر) رکھے. اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ سُبْحَانَهٗ وَالْمِنَّةُ (اللہ سبحانہٗ کی حمد اور اس کا احسان ہے) کہ یہ چیز (آپ کی) طلب کے بغیر حاصل ہے ـ اور دوسرا احسان جو بدلے کے لائق ہے وہ وعظ ونصیحت ہے اگر قبول ہو جائے تو کیا ہی نعمت ہے۔

اے شرافت ونجابت کے مرتبہ والے! تمام وعظوں کا خلاصہ اور تمام نصائح کا لُبِّ لباب دیندار لوگوں اور شریعت والے حضرات کے ساتھ میل جول میں خوش رہنا ہے، دین اور شریعت کا پابند ہونا اہلِ سنت وجماعت کے طریقہ حقّہ کے سلوک پر وابستہ ہے، جو تمام فرقہ ہائے اسلامیہ کے درمیان "فرقہ ناجیہ" (کے نام سے

[1] آپ کے نام بائیس مکتوب ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۴۳ کے فٹ نوٹ میں ملاحظہ فرمائیں۔

منسوب) ہے۔ ان بزرگوں کی اتباع و پیروی کے بغیر نجات ناممکن ہے اور ان لوگوں کی آرا کی پیروی کے بغیر فلاح دشوار ہے، اس بات پر تمام عقلی و نقلی اور کشفی دلائل شاہد ہیں اور ان میں اختلاف کی کوئی گنجائش نہیں ہے ـــــــ اگر یہ معلوم ہو جائے کہ کوئی شخص ان بزرگوں کے صراطِ مستقیم سے رائی کے دانے کے برابر بھی ہٹ گیا ہے تو اس کی صحبت کو زہرِ قاتل جاننا چاہیئے اور اس کی مجالست کو سانپ کا زہر سمجھنا چاہیئے ـــــــ بیباک (آزاد خیال) طالب علم خواہ کسی فرقہ سے ہوں، دین کے چور ہیں، ان کی صحبت سے پرہیز کرنا ضروریاتِ دین میں سے ہے، یہ فتنہ و فساد جو دین میں پیدا ہو گیا ہے اسی جماعت کی بدبختی کی وجہ سے ہے کیونکہ انھوں نے دنیاوی اسباب کی خاطر اپنی آخرت کو تباہ و برباد کر دیا ہے (آیۂ کریمہ) اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ۝ (بقرہ آیت ۱۶) (یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی کو خرید لیا ہیں ان کی اس تجارت نے ان کو کچھ نفع نہیں دیا اور نہ ہی انھوں نے ہدایت پائی)۔

کسی شخص نے ابلیس لعین کو دیکھا کہ آرام سے فارغ بیٹھا ہے اور گمراہ کرنے اور بہکانے سے اپنے ہاتھوں کو روکے ہوئے ہے، اس نے اس کا سبب دریافت کیا، تو اس لعین نے جواب دیا کہ اس زمانے کے علماءِ سوء میرا کام کر رہے ہیں اور گمراہی و بہکانے کے ذمہ دار بن گئے ہیں۔

وہاں کے طلبا میں مولانا عمر ایک نیک طبیعت آدمی ہے بشرطیکہ آپ اس کی حوصلہ افزائی کریں اور اظہارِ حق پر دلیر کر دیں ـــــــ اور حافظ امام بھی اسلام کا جنون رکھتا ہے اور اسلام میں جنون کے بغیر چارہ نہیں (حدیث نبوی) لَنْ يُّؤْمِنَ اَحَدُكُمْ حَتّٰى يُقَالَ اِنَّهٗ مَجْنُوْنٌ [1] (تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کو مجنون نہ کہا جائے) ـــــــ آپ کو معلوم ہے کہ اس فقیر نے تقریر اور تحریر میں اور نیک صحبت اختیار کرنے کی ترغیب میں کوئی دقیقہ باقی نہیں رکھا اور بُری صحبت سے بچنے کی تاکید میں مبالغہ کرنے سے اپنے آپ کو معاف نہیں رکھا، کیونکہ (فقیر) اس کو "اصلِ عظیم" جانتا ہے، آگے قبول کرنا آپ کا کام ہے اور قبول کرنے کی سعادت دینا حق تعالیٰ کی طرف سے ہے ـــــ پس اس شخص کے لئے مبارک ہے جس کو حق تعالیٰ نے خیر کا مظہر بنایا ـــــــ آپ کے احسانات کی یادداشت نے اس (نصیحت آمیز) گفتگو پر آمادہ کیا اور یہ خیال بھی نہیں رہا کہ یہ باتیں کہیں آپ کے رنج و ملال اور دردِ سری کا باعث نہ بن جائیں۔ والسلام

[1] اس حدیث کو ابن حبان، احمد، ابو یعلی اور ابن سنی نے حضرت ابو سعید خدری کے حوالہ سے ذکر کیا۔ نیز یہ حدیث مکتوب ۶۵ د ۱۱۹ میں گزر چکی ہے

(عبدالرحیم) خان خاناں کی طرف صادر فرمایا ـــــ اس بیان میں کہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے اور مشہور سوال کے جواب میں کہ کفار کو "کفرِ موقت" کی بنیاد پر دائمی عذاب کیوں ہوگا اور ایک حاجتمند کی سفارش میں۔

طُوْبٰی لِمَنْ جَعَلَہُ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ مَظْہَرَ الْخَیْرِ (مبارک ہے وہ شخص جس کو حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے نیکی کا مظہر بنایا) ـــــ حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے دنیا کو آخرت کی کھیتی قرار دیا ہے، وہ شخص بہت ہی بدنصیب ہے جو سب کا سب بیج کھا جائے اور استعداد کی زمین میں نہ ڈالے اور ایک دانے سے سات سو دانے نہ بنائے اور اس (قیامت کے) دن کے لئے کہ (جس دن) بھائی بھائی سے بھاگے گا اور ماں بیٹے کی خبر نہ لے گی، کچھ ذخیرہ نہ کرے، ایسے شخص کو دنیا و آخرت کے خسارہ کے علاوہ کچھ حاصل نہیں اور دونوں جہان کی حسرت و شرمندگی کے سوا کچھ فائدہ نہیں ـــــ صاحب دولتا! (نیک بخت) دنیا کی فرصت کو غنیمت سمجھتے ہیں، اس غرض کے لئے نہیں کہ اس فرصت (کے وقت) میں طرح طرح کی نعمتیں اور لذتیں حاصل کریں جو سقدر تلخیوں اور سختیوں کے باوجود ناپائیدار اور فانی ہیں، بلکہ اس فرصت میں (نیکی کی) کھیتی کا کام کرتے ہیں اور نیک عمل کے ایک دانے سے آیتِ کریمہ وَاللّٰہُ یُضٰعِفُ لِمَنْ یَّشَآءُ (بقرہ آیت ۲۶۱) (اور اللہ تعالیٰ کئی گنا بڑھا دیتا ہے جس کے لئے وہ چاہتا ہے) کے بموجب بے انتہا نیکیوں کے ثمرات حاصل کرتے ہیں ـــــ یہی وجہ ہے کہ چند روزہ نیک اعمال کی جزا میں دائمی نعمتیں مقرر فرما دیں: وَاللّٰہُ ذُوالْفَضْلِ الْعَظِیْمِ (جمعہ آیت ۴) (اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے)۔

اگر دریافت کریں کہ نیکیوں کے اجر کئی گنا ہیں اور گناہوں کا بدلہ ان کے مثل ہے تو پھر کفار کو محدود گناہوں کی پاداش میں غیر متناہی (دائمی) عذاب کیوں ہوگا؟ ـــــ ہم کہتے ہیں کہ عمل کے لئے جزا کا ہم مثل ہونا واجب تعالیٰ وتقدس کے علم پر موقوف ہے، ممکن کا علم اس کے سمجھنے سے قاصر ہے ـــــ مثلاً ایک شادی شدہ عورتوں پر تہمت لگانے کی سزا اسّی کوڑے مقرر فرمائی ہے اور چوری کی حد میں چور کا دایاں ہاتھ کاٹ دینا اس کی سزا ہے۔ اور کنوارے مرد کو کنواری عورت کے ساتھ زنا کرنے کی سزا سو کوڑے اور ایک سال کی جلاوطنی مقرر کی ہے۔ اور شادی شدہ مرد و عورت کی صورت میں

رجم (سنگسار) کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ ان حدود اور تقدیرات کا علم بشری طاقت سے باہر ہے: ذٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ (انعام پ۷ع۱۳۔ یہ خدائے عزیز و حکیم کا مقرر کیا ہوا اندازہ ہے) ——— لہذا حق سبحانہ و تعالیٰ نے کفار کے بارے میں "کفرِ موقت" کی سزا دائمی عذاب مقرر فرمائی ہے ——— معلوم ہوا کفرِ موقت کی ہم مثل سزا یہی دائمی عذاب ہے ——— اور جو شخص یہ چاہتا ہے کہ تمام احکامِ شرعیہ کو اپنے عقلی پیمانے پر ناپے اور دلائلِ عقلیہ کے مطابق کر دے، وہ شانِ نبوت کا منکر ہے اور اس کے ساتھ کلام کرنا کم عقلی و بے وقوفی ہے۔ بیت

زاں کس کہ بقرآن و خبر می نہ رہی	آنست جوابش کہ جوابش نہ دہی
(جو ماننا ہی نہیں کیا حدیث و قرآں ہے	اُسے جواب نہ دو کہ وہ تو شیطاں ہے)

باقی مقصد یہ ہے کہ حاملِ رقیمۂ ہذا میاں شیخ احمدؒ ولد محترم مغفرت پناہی شیخ سلطان تھانیسریؒ آپ کی مہربانیوں اور احسانوں کو دیکھ کر جو آپ نے اس کے والد بزرگوار کے ساتھ کئے تھے اس فقیر کے توسل سے آپ کی خدمتِ عالی میں حاضر ہوتا ہے، اور آپ کی مہربانیوں میں سے ایک مہربانی موضع پرگنہ اندرو عنایت ہوا تھا۔ باقی آپ کو اختیار ہے بلکہ کُل اختیار اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اور سلام ہو آپ پر اور تمام ان لوگوں پر جنہوں نے حضرت محمد مصطفیٰ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کی پیروی کو لازم جانا۔
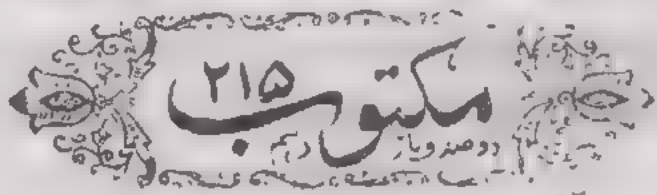
دنیا کی مذمت میں میرزا داراب کی طرف صادر فرمایا۔

مکتوب شریف جو عمدہ انشا پردازی اور استعدادِ فطری کی خوبی سے بڑی نیازمندی کے ساتھ اس بے سرو سامان فقیر کی طرف ارسال کیا تھا موصول ہوا۔ حق سبحانہ و تعالیٰ آپ کو اپنے حبیب علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کے طفیل بہترین جزا عطا فرمائے۔

اے فرزند! دنیا [illegible] ہائے عظیم میں گرفتار ہیں [illegible] بہت بڑی مصیبت ہے

ملہ میاں شیخ احمد حضرت مجددؒ کے مرید [illegible] ہیں آپ کے والد [illegible] بادشاہ [illegible] ہو گئی تھی۔
ملہ آپ [illegible] مکتوبات ہیں اور آپ کا [illegible] دفتر دوم کے مکتوب [illegible] پر ملاحظہ ہو۔

مبتلا ہیں، کیونکہ دنیا حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی مبغوضہ ہے اور تمام نجاستوں میں نجس ترین ہے (لیکن) ان (دنیا داروں) کی نظروں میں زیب و زینت میں ظاہر کیا گیا ہے۔ جس طرح کہ نجاست پر سونے کا ملمع کرکے آراستہ کردیا جائے یا زہر کو شکر سے آلودہ کردیں ــــــ حالانکہ عقل دور اندیش کو اس کمینی دنیا کی برائیوں سے آگاہ کردیا گیا ہے۔ اور اس نا پسندیدہ دنیا کی برائیوں پر ہدایت و دلالت فرمائی ہے۔ اسی وجہ سے علماء نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص یہ وصیت کرے کہ "میرے مال کو سب سے زیادہ عقلمند کو دیدیں" تو زاہد کو دینا چاہیئے کہ وہ دنیا سے بے رغبت ہے، اور اس کی دنیا سے بے رغبتی اس کے کمالِ عقل کی دلیل ہے ــــــ علاوہ ازیں (اللہ تعالیٰ نے اپنی) کمالِ رحمت سے ایک گواہ یعنی عقلِ دُور اندیش کی گواہی پر کفایت نہیں فرمائی، بلکہ نقل کے دوسرے گواہ کو بھی اس میں شامل کرلیا ــــــ انبیاء علیہم الصلوات والتحیات کی زبان سے بھی جو "رحمتِ عالمیان" ہیں اس کھوٹی پونجی کی حقیقت سے آگاہ کیا اور اس فاحشہ مکار (دنیا) کی گرفتاری (مشغولیت) سے کلی طور پر منع فرمایا ــــــ ان دو عادل اور معتبر گواہوں کی گواہی کے باوجود اگر کوئی شخص "شکرِ موہوم کی طمع میں زہر کھالے اور سونے کی خیالی امید پر نجاست کو اختیار کرے تو وہ شخص محض بے وقوف اور طبعی طور پر پراگندہ ذہن ہے بلکہ حقیقت میں وہ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے احکامات کا منکر ہے و رایسا شخص منافقت کے حکم میں ہے، اور اس کا ظاہری ایمان آخرت میں اس کو کچھ نفع نہ دیگا اور اس کا نتیجہ اپنے دنیاوی مال و جان کے بچاؤ کے علاوہ اور کچھ نہ ہوگا ــــــ آج پنبۂ غفلت (غفلت کی روئی) کو گوشِ ہوش سے نکال دینا چاہیئے کیونکہ کل (روزِ قیامت) کو حسرت و ندامت کے سوا کوئی سرمایہ حاصل نہ ہوگا۔ اطلاع دینا شرط ہے۔ بیت

ہمہ اندر زِ من بتو این ست ❊ کہ تو طفلے و خانہ رنگین ست

(اک نصیحت ہے گو کہ سنگیں ہے ❊ تو ہے بچہ، مکان رنگیں ہے)

والسلام

مکتوب ۲۱۶

دو صد و شانزدہم

میر حسام الدین احمد[1] کی طرف صادر فرمایا ــــــ اس راز کے بیان میں کہ بعض اولیاء سے

---

[1] آپ کے نام سولہ[16] مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۳۲ پر ملاحظہ ہو۔

ظہورِ خوارق کثرت سے ہوا ہے اور بعض سے بہت کم۔ اور مقامِ تکمیل و ارشاد کی کاملیت کا بیان اور اس کے مناسب بیان میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَعَلَیْھِمْ وَاٰلِہِ الطَّاھِرِیْنَ اَجْمَعِیْنَ (تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے اور حضرت سید المرسلین اور آپ کی سب پاک اولاد پر صلوٰۃ و سلام ہو) ——— غمزدہ دل میں یہ بات آئی کہ چونکہ دوستوں کے درمیان جسمانی دوری حائل ہے اور ظاہری ملاقات عنقا (کمیاب) ہو گئی ہے۔ اگر کبھی کبھی بعض علوم و معارف ان (دوستوں) کو تحریر کئے جائیں تو مناسب ہے۔ اسی وجہ سے کبھی کبھی اس قسم کی چیزیں یہ فقیر لکھتا رہتا ہے، امید ہے کہ ملال کا باعث نہ ہوگا۔

میرے مخدوم! چونکہ ولایت کی بحث درمیان میں ہے اور عوام کی نظر خوارق (کرامات) پر ہے اس لئے اس ضمن میں چند باتیں تحریر کی جاتی ہیں، ذرا غور سے سنیں۔

کمالاتِ ولایت کا مدار کثرتِ خوارق پر نہیں

ولایت سے مراد فنا و بقا ہے، اور خوارق و کشفیات خواہ کم ہوں یا زیادہ اس (فنا و بقا) کے لوازم میں سے ہیں۔ لیکن یہ ضروری نہیں کہ جس سے خوارق زیادہ ظاہر ہوں اس کی ولایت بھی اتم و اکمل ہو بلکہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ (کسی بزرگ سے) خوارق بہت کم ظاہر ہوتے ہیں اور اس کی ولایت اکمل ہوتی ہے ——— اور خوارق کے بکثرت ظاہر ہونے کا مدار دو چیزوں پر ہے: عُروج کے وقت میں بہت زیادہ عروج کرنا، اور نزول کے وقت میں بہت کم نیچے اُترنا۔ بلکہ کثرتِ خوارق کے ظہور میں کلیہ قاعدہ قلّتِ نزول یعنی بہت کم نزول کرنا ہے، خواہ وہ عروج کی جانب کسی بھی کیفیت سے ہو کیونکہ صاحبِ نزول عالمِ اسباب میں اُترتا ہے اور اشیاء کے وجود کو اسباب سے وابستہ پاتا ہے اور مسبب الاسباب کے فعل کو اسباب کے پردے کے پیچھے دیکھتا ہے۔ جس شخص نے نزول نہیں کیا اور نزول کے اسباب تک نہیں پہنچا اس کی نظر صرف مسبب الاسباب کے فعل پر ہے کیونکہ (مسبب الاسباب کے فعل پر اس کی نظر ہونے کے باعث) تمام اسباب اس کی نظر سے مرتفع (اُٹھ گئے) ہیں ——— پس حق سبحانہٗ و تعالیٰ ان میں سے ہر ایک کے ساتھ اس کے ظن کے موافق علیحدہ علیحدہ معاملہ کرتا ہے۔ اسباب کو دیکھنے والے کا کام اسباب پر ڈال دیتا ہے اور جو اسباب کو نہیں دیکھتا اس کا کام بغیر وسیلے کے مہیا کر دیتا ہے۔ حدیثِ قدسی اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ[1] اس مطلب پر دلیل ہے۔

---

[1] بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ۔ (ترجمہ: میں اپنے بندے کے گمان کے ساتھ ہوں)۔

غوث الاعظمؒ کے خوارق زیادہ ظاہر ہونے کی وجہ

بہت مدت تک دل میں یہ خلش رہی کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ اس امت میں اکمل اولیا بہت گذرے ہیں مگر جس قدر خوارق حضرت سید محی الدین[1] جیلانی قدس سرہ سے ظاہر ہوئے ہیں اسقدر خوارق ان میں سے کسی سے ظاہر نہیں ہوئے۔ آخر کار حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے اس معمّا کا راز ظاہر کر دیا اور معلوم ہوا کہ ان کا عروج اکثر اولیا سے بلند تر واقع ہوا ہے، اور نزول کی جانب میں مقام روح تک نیچے اُترے ہیں جو عالم اسباب سے بلند تر ہے ــــــــــ

خواجہ حسن بصری اور حبیب عجمی[2] قدس سرہما کی حکایت اس مقام کے مناسب ہے: منقول ہے کہ ایک دن خواجہ حسن بصریؒ دریا کے کنارے کھڑے ہوئے کشتی کا انتظار کر رہے تھے تاکہ دریا سے پار ہوں، اسی اثنا میں حبیب عجمیؒ بھی آنکلے اور پوچھا کہ آپ یہاں کیوں کھڑے ہیں؟ فرمایا کشتی کا انتظار ہے حبیب عجمیؒ نے کہا کشتی کی کیا حاجت ہے کیا آپ یقین نہیں رکھتے؟ ۔ خواجہ حسن بصریؒ نے کہا کیا آپ علم نہیں رکھتے۔ غرض کہ حبیب عجمیؒ کشتی کے بغیر دریا سے گذر گئے اور خواجہ حسن بصری کشتی کے انتظار میں کھڑے رہے ــــــــــ خواجہ حسن بصریؒ نے چونکہ عالم اسباب میں نزول کیا ہوا تھا اس لئے (کارکنانِ قضا وقدر) ان کے ساتھ اسباب کے وسیلے سے معاملہ فرماتے تھے، اور حبیب عجمیؒ نے چونکہ پورے طور پر اسباب کو نظر انداز کر دیا تھا اس لئے (کارکنانِ قضا وقدر) ان کے ساتھ اسباب کے وسیلے کے بغیر معاملہ کرتے تھے۔ لیکن فضیلت حضرت خواجہ حسن بصریؒ کے لئے ہے جو صاحب علم ہیں اور جنھوں نے عین الیقین کو علم الیقین کے ساتھ جمع کر لیا ہے اور اشیا کو جیسی کہ وہ ہیں سمجھ لیا ہے کیونکہ قدرت کی اصل حقیقت کو حکمت میں پوشیدہ رکھا گیا ہے ــــــــــ حبیب عجمیؒ صاحبِ سکر ہیں اور فاعلِ حقیقی پر ایک ایسا یقین رکھتے ہیں جس میں اسباب کا کچھ دخل نہیں ہے۔

یہ دید نفسِ امر کے مطابق نہیں ہے کیونکہ اسباب کا ذریعہ واقع کے اعتبار سے ثابت و کائن ہے لیکن تکمیل وارشاد کا معاملہ ظہورِ خوارق کے معاملے کے برعکس ہے کیونکہ مقام ارشاد میں جس کا نزول جسقدر زیادہ ہوتا ہے اسی قدر وہ کامل تر ہوتا ہے، اور ارشاد کے لئے مرشد اور مسترشد کے درمیان اس مناسبت کا

---

[1] حضرت شیخ عبد القادر جیلانی قدس سرہٗ کا لقب محی الدین ہے اور غوث الاعظم کے نام سے مشہور ہیں ۲۹ شعبان ۴۷۰ھ/۱۰۷۸ء کو قصبہ جیلان میں ولادت ہوئی بغداد میں تحصیل علوم کیا۔ آپ کی تصانیف کی تعداد کافی ہے جن میں غنیۃ الطالبین، بہجۃ الاسرار اور فتح الربانی زیادہ مشہور ہیں کثرتِ کرامت کی وجہ سے آپ کو بہت شہرت حاصل ہوئی۔ تاریخ وفات میں اختلاف ہے مشہور قول کی بنا پر ۱۱ ربیع الثانی ۵۶۱ھ/۱۱۶۶ء بغداد میں ہوئی۔

[2] ان دونوں بزرگوں کا تذکرہ دفتر اول مکتوب نمبر ۸ صفحہ ۵۱ پر گذر چکا ہے۔

حاصل ہونا ضروری ہے اور اس کا انحصار نزول پر ہے ــــــــــ

اور جاننا چاہیئے کہ غالب گمان یہی ہے کہ جو کوئی جسقدر اوپر جاتا ہے اسی قدر وہ نیچے آتا ہے چنانچہ حضرت رسالت خاتمیت علیہ وعلی آلہ الصلوۃ والسلام والتحیۃ (معارج عروج میں) سب سے بلند تر پہنچے اور نزول کے وقت سب سے نیچے اُتر آئے۔ اسی وجہ سے آپؐ کی دعوت اکمل واتم ہوئی اور آپؐ تمام اقوام (عالم) کی طرف بھیجے گئے، کیونکہ نہایتِ نزول کے باعث سب کے ساتھ مناسبت پیدا ہوگئی اور افادہ کا راستہ مکمل ہوگیا ــــــــ اور بسا اوقات اس راہِ (سلوک) کے متوسطوں سے طالبوں کے فائدے اسقدر وقوع میں آجاتے ہیں جو کہ منتہی بزرگ غیر مرجوع سے بھی میسر نہیں ہوتے۔ کیونکہ (راہِ سلوک کے) اکثر متوسط غیر مرجوع منتہیوں کی نسبت بتدیوں کے ساتھ زیادہ مناسبت رکھتے ہیں۔ ــــــــ اسی وجہ سے شیخ الاسلام ہروی قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ اگر خرقانیؒ اور محمد قصابؒ (بقیدِ حیات) ہوتے تو میں تم کو (محمد قصابؒ کے پاس) بھیجتا اور خرقانیؒ کی طرف نہ جانے دیتا، کیونکہ وہ خرقانیؒ کی نسبت تمہارے لئے زیادہ سود مند ہوتے۔ یعنی خرقانی منتہی تھے (لیکن) مرید اُن سے بہت کم فائدہ حاصل کرتے تھے یعنی منتہی غیر مرجوع تھے نہ کہ منتہئ مطلق کہ مکمل افادہ کا کالعدم ہونا ان کے حق میں غیر واقع ہے کیونکہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سب سے زیادہ منتہی تھے حالانکہ آپؐ کا افادہ سب سے زیادہ ہے۔ لہٰذا افادہ کی کمی اور زیادتی کا انحصار رجوع اور ہبوط پر منحصر ہے نہ کہ انتہا اور عدم انتہا پر۔

ولی کو اپنی ولایت کا علم ہونا ضروری نہیں

یہاں ایک نکتہ ہے جس کو ذہن نشین کرنا نہایت ضروری ہے، وہ یہ ہے کہ جس طرح نفسِ ولایت حاصل ہونے میں ولی کو اپنی ولایت کا علم ہونا شرط نہیں ہے، بلکہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ لوگ کسی ولی سے اس کے خوارق نقل کرتے ہیں (حالانکہ) اس کو ان خوارق کی نسبت بالکل اطلاع نہیں ہوتی ــــــ ــــــ اور وہ اولیا جو صاحبِ علم وکشف ہیں، ہوسکتا ہے کہ ان کو بھی اپنے بعض خوارق پر اطلاع حاصل نہ ہو، بلکہ ان کی صورِ امثالیہ (مثالی صورتوں) کو (کارکنانِ قضا وقدر) متعدد مقامات پر ظاہر کردیں اور دُور دراز مقامات پر عجیب وغریب امور اُن صورتوں سے ظہور میں لائیں کہ جن کی ان صاحبِ صورت (اولیاء کو) ہرگز اطلاع نہ ہو ع

ازما وشما بہانہ برساختہ اند (بہانہ ہم سے تم سے ہے بنایا)

حضرت مخدومی قبلہ گاہی (خواجہ باقی باللہ) قدس سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ ایک بزرگ کہتے تھے کہ

عجیب معاملہ ہے کہ لوگ اطراف وجوانب سے (میرے پاس) آتے ہیں بعض کہتے ہیں کہ ہم نے آپ کو مکہ معظمہ میں دیکھا ہے اور موسم حج میں حاضر پایا ہے (بلکہ) ہم نے (آپ کے) ساتھ مل کر حج کیا ہے ——— اور بعض کہتے ہیں کہ ہم نے آپ کو بغداد میں دیکھا تھا اور اپنی دوستی کا اظہار کرتے ہیں، حالانکہ میں اپنے گھر سے باہر نہیں نکلا ہوں اور نہ ہی کبھی اس قسم کے آدمیوں کو دیکھا ہے. کتنی بڑی تہمت ہے جو ناحق مجھ پر لگاتے ہیں وَاللّٰهُ سُبْحَانَهٗ أَعْلَمُ بِحَقَائِقِ الْأُمُورِ كُلِّهَا (سب کاموں کی حقیقت کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے) ——— اس سے زیادہ لکھنا طول کلامی ہے۔ ہاں اگر آپ کی طلب اور پیاس زیادہ معلوم ہوئی تو بہت جلد اور اس سے زیادہ لکھا جائے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔

ملا طاہر بدخشی[1] کی طرف صادر فرمایا ——— اس بیان میں کہ نسبت[2] باطن جسقدر جہالت اور حیرت کی طرف لیجائے اسیقدر بہتر ہے، اور اس[3] بیان میں کہ اس کا کیا سبب ہے کہ اولیاء اللہ کے بعض کشف غلط ہوتے ہیں اور ان کے خلاف ظاہر ہوتا ہے، اور قضائے[4] معلق (مشروط) وقضائے مبرم (غیر مشروط) کے درمیان فرق اور ان میں سے ہر ایک کے حکم ہیں، اور اس[5] بیان میں کہ جو کچھ قطعی طور پر اور اعتماد کے لائق ہے وہ صرف کتاب وسنت ہے، اور اس[6] بیان میں کہ بعض مخلصوں کو طریقہ سکھانے کی اجازت دینا (ان کے) کمال وتکمیل کی علامت نہیں ہے، اور ان سے متعلق امور میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ عَلَيْهِمْ وَعَلٰى اٰلِهِ الطَّاهِرِيْنَ وَعَلَيْهِمْ اَجْمَعِيْنَ (تمام تعریفیں اللہ رب العلمین کے لئے ہیں اور حضرت سید المرسلین اور آپ کی تمام آل واولاد پر صلوٰۃ وسلام ہو) ——— ایک عرصے سے آپ نے اپنے حال واحوال سے مطلع نہیں کیا بہر حال استقامت مطلوب ہے۔ کوشش کریں کہ عمل اور اعتقاد کے اعتبار سے بال برابر بھی خلاف شریعت (کوئی کام) واقع نہ ہو ——— اور باطنی نسبت کی حفاظت کو اہم ترین مقاصد میں سے سمجھیں اور (باطنی نسبت) جسقدر جہالت کی طرف لے جائے بہتر ہے اور جسقدر حیرت تک پہنچے اسی قدر بہتر ہے کیونکہ

[1] آپ کے نام گیارہ مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول کے مکتوب نمبر ۱۲۳ پر ملاحظہ ہو۔

کشوفِ الٰہی اور ظہوراتِ اسمائی جو بھی اس راہ میں واقع ہوں وہ سب وصولِ (الٰہی) کے حاصل ہونے کے بعد کم ہو جاتے ہیں، اور حجابات (ذاتی) اور صلوبٹ کے نہ پانے کے علاوہ کوئی دوسرا امر باقی نہیں رہتا۔

—— اور کشوفِ کونی ( ) کے بارے میں کیا تحریر کیا جائے کیونکہ وہاں خطا کی گنجائش بہت زیادہ ہے اور غلطی کا گمان غالب ہے اور اس کے وجود و عدم کو یکساں جاننا چاہیے۔

— اگر سوال کریں کہ کیا سبب ہے کہ بعض کشوف کونی جو اولیاء اللہ سے صادر ہوتے ہیں ان میں غلطی واقع ہو جاتی ہے اور ان کے خلاف ظہور میں آتا ہے —— مثلاً خبر دی گئی کہ فلاں شخص یک ماہ بعد مر جائے گا، یا سفر سے وطن واپس آئے گا، (لیکن) اتفاقاً ایک ماہ بعد ان دونوں باتوں میں سے کوئی بات بھی وقوع میں نہ آئی —— تو اس کا جواب یہ ہے کہ جس چیز کے متعلق کشف ہوا ہے اور جس بات کی خبر دی گئی ہے اس کا حاصل ہونا چند شرائط پر مشروط تھا۔ صاحبِ کشف نے اس وقت ان شرائط کی تفصیل پر اطلاع نہیں پائی اور اس چیز کے مطلق طور پر حاصل ہونے کا حکم کر دیا — یا یہ وجہ ہے کہ لوحِ محفوظ کے احکام میں سے کوئی ایسا حکم عارف پر ظاہر ہوا کہ وہ حکم فی نفسہٖ محو و اثبات کے قابل ہے اور قضائے معلق کی قسم سے ہے لیکن اس عارف کو اس حکم کے معلق ہونے اور اس کے محو ہونے کے قابل ہونے کے متعلق کچھ خبر نہیں ہے۔ اس صورت میں اگر وہ (عارف) اپنے علم کے مطابق حکم کرے گا تو اس میں ضرور ہی خلاف ہونے کا احتمال ہوگا۔

منقول ہے[1] کہ ایک دن حضرت جبرئیل علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہمارے حضرت پیغمبر علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہو کر ایک شخص کے بارے میں اطلاع دی کہ یہ نوجوان کل صبح ہوتے ہی مر جائے گا —— حضرت پیغمبر علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کو اس نوجوان کے حال پر رحم آیا اور آپ نے اس سے دریافت فرمایا کہ تجھ کو دنیا میں کس چیز کی آرزو ہے؟۔ اس نے عرض کیا کہ دو چیزوں کی آرزو رکھتا ہوں: ایک کنواری بیوی، دوسرے حلوا —— آپؐ نے حکم فرمایا کہ دونوں چیزیں مہیا کی جائیں — وہ جوان رات کو اپنی اہلیہ کے ساتھ خلوت میں بیٹھا ہوا تھا اور حلوے کا طباق اس کے سامنے تھا۔ اتفاقاً اسی اثنا میں ایک ضرورت مند سائل دروازہ پر آیا اور اپنی ضرورت کا اظہار کیا۔ اس جوان نے حلوے کا طباق اٹھا کر اس فقیر کو دیدیا —— صبح ہوئی تو حضرت پیغمبر علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام اس نوجوان کے انتقال کی خبر کے منتظر تھے۔ جب دیر ہو گئی تو

[1] احادیث کا ماخذ بیان کرنے والوں کے نزدیک یہ روایت باطل ہے بلکہ جاہلوں کی من گھڑت ہے اسی نے حضرت مجدد الف ثانی

آپ نے فرمایا۔ اس جوان کا حال معلوم کر کے آؤ — معلوم ہوا کہ وہ خوش وخرم ہے تو آپ حیران رہ گئے۔ اسی اثنا میں حضرت جبرئیل علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حلوے کے صدقے کی وجہ سے اس جوان کی بلا دفع ہوگئی۔ دیکھا تو اس کے بستر کے نیچے ایک بڑا سانپ مُردہ پایا گیا کہ جس کے پیٹ کے اندر اس قدر حلوا بھرا ہوا تھا کہ اس حلوے کی زیادتی کی وجہ سے وہ سانپ مر گیا۔"

یہ فقیر اس حکایت کو پسند نہیں کرتا اور جبرئیل امینؑ پر خطا کو تجویز نہیں کرتا کیونکہ وہ وحیِ قطعی کے حامل ہیں، اور حاملِ وحی پر خطا کا احتمال کرنا بُرا سمجھتا ہوں۔ مگر اس قدر کہتا ہوں کہ عصمت و امانت اور خطا کا عدم احتمال صرف وحی تک مخصوص ہے کہ جو حق تعالیٰ سبحانہٗ کی طرف سے صرف تبلیغ پر موقوف ہے، اور یہ خبر وحی کی قسم سے نہیں ہے بلکہ یا ایک ایسے علم کی خبر دینا مقصود تھی جو لوحِ محفوظ سے حاصل ہوا تھا اور جو محو و اثبات کا محل ہے لہذا اس خبر میں خطا کی گنجائش ہو سکتی ہے بخلاف وحی کے کہ وہ مجرد تبلیغ ہے۔ پس دونوں میں فرق ظاہر ہوگیا جس طرح کہ شہادت اور اخبار کے درمیان فرق ہے، کیونکہ اول شرع کے اعتبار سے معتبر ہے اور دوسرا غیر معتبر۔

قضائے معلق و قضائے مبرم

اللہ تعالیٰ سبحانہٗ آپ کو رشد وہدایت نصیب فرمائے — جاننا چاہیے کہ قضا دو قسم پر ہے (۱) قضائے معلق — (۲) قضائے مبرم — قضائے معلق میں تغیر و تبدل کا احتمال ہے اور قضائے مبرم میں تغیر و تبدل کی گنجائش نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ (قٓ آیت ۲۹) (میرا قول کبھی تبدیل نہیں ہوتا) یہ آیت مبارکہ قضائے مبرم کے بارے میں ہے — اور قضائے معلق کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ ۚ وَعِنْدَهٗۤ اُمُّ الْكِتٰبِ (سورہ رعد ۱۳ آیہ ۳۹) (اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ثابت (قائم) رکھتا ہے اور اس کے پاس ام الکتاب ہے)۔

میرے حضرت قبلہ گاہی (پیرومرشد) قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت سید محی الدین جیلانی قدس سرہٗ نے اپنے بعض رسالوں میں لکھا ہے کہ "قضائے مبرم میں کسی شخص کو تبدیلی کی مجال نہیں ہے مگر مجھے ہے اگر میں چاہوں تو اس میں بھی تصرف کر سکتا ہوں" — اور وہ اس بات پر بہت تعجب کرتے تھے اور بعید از فہم جانتے تھے — یہ بات مدت تک اس فقیر کے ذہن میں رہی یہاں تک کہ حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے اس دولتِ عظمیٰ سے اس طرح مشرف فرمایا کہ ایک دن ایک بلیّہ کے دفع کرنے کے درپے ہوا جو بعض دوستوں میں سے ایک دوست کے حق میں مقرر ہو چکی تھی، اس وقت بڑی

التجا و عاجزی اور نیاز و خشوع کی تو کشف و الہام سے معلوم ہوا کہ لوحِ محفوظ میں اس امر کی قضا کسی امر کے ساتھ معلق اور کسی شرط پر مشروط نہیں ہے۔ اس بات سے ایک طرح کی یاس و ناامیدی ہو گئی اس وقت حضرت سید محی الدین قدس سرہٗ کی بات یاد آئی تو دوبارہ پھر ملتجی اور متضرع ہوا اور بڑے عجز و نیاز سے متوجہ ہوا تب محض حق تعالیٰ کے فضل و کرم سے اس فقیر پر ظاہر کیا گیا کہ قضائے معلق (بھی) دو[۲] طرح پر ہے ——— ایک[۱] وہ کہ جس کا معلق ہونا لوحِ محفوظ پر ظاہر کر دیا گیا ہے اور فرشتوں کو (بھی) اس کی اطلاع دیدی گئی ہے ——— اور دوسری[۲] وہ قضا کہ جس کا معلق ہونا صرف حق تعالیٰ جل شانہٗ ہی کے علم میں ہے اور بس۔ اور لوحِ محفوظ میں وہ قضائے مبرم کی صورت رکھتی ہے ——— اور قضائے معلق کی اس دوسری قسم میں پہلی قسم کی طرح تبدیلی کا احتمال ہے ——— یہاں سے معلوم ہوا کہ حضرت سید (محی الدین) قدس سرہٗ کی بات بھی اسی اخیر قسم سے ہے جو قضائے مبرم کی صورت رکھتی ہے، نہ کہ اس قضا پر جو حقیقت میں مبرم ہے کیونکہ اس میں تصرف و تبدل عقلی اور شرعی طور پر محال ہے جیسا کہ یہ بات پوشیدہ نہیں ہے۔ اور حق یہ ہے کہ جب کسی کو اس قضا کی حقیقت پر اطلاع ہی بہت کم ہے تو پھر اس میں کوئی تصرف کیسے کر سکتا ہے۔ اور اس آفت و مصیبت کو جو اس دوست پر پڑی تھی اس قسم اخیر میں پایا اور معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ نے اس بلیّہ کو (اس فقیر کی التجا سے) دفع فرما دیا۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ سُبْحَانَہٗ عَلٰی ذٰلِکَ حَمْدًا کَثِیْرًا طَیِّبًا مُّبَارَکًا فِیْہِ مُبَارَکًا عَلَیْہِ کَمَا یُحِبُّ رَبُّنَا وَیَرْضٰی وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ وَالتَّحِیَّۃُ عَلٰی سَیِّدِ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ خَاتَمِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ الَّذِیْ اَرْسَلَہٗ رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَعَلٰی جَمِیْعِ اِخْوَانِہٖ مِنَ النَّبِیِّیْنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّہَدَاءِ وَالصّٰلِحِیْنَ وَالْمَلٰئِکَۃِ الْمُقَرَّبِیْنَ اَجْمَعِیْنَ۔ اَللّٰہُمَّ اجْعَلْنَا مِنْ مُّحِبِّیْہِمْ وَمُتَابِعِیْ اٰثَارِہِمْ بِبَرَکَۃِ ہٰؤُلَاءِ الْاَبْرَارِ وَیَرْحَمُ اللّٰہُ عَبْدًا قَالَ اٰمِیْنًا۔ (اس بات پر اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کی حمد ہے ایسی حمد کثیر طیب اور مبارک جیسی کہ ہمارا رب چاہتا اور پسند کرتا ہے، اور اولین و آخرین کے سردار انبیاء و مرسلین کے خاتم جن کو اللہ تعالیٰ نے تمام عالموں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا اور آپؐ کے آل و اصحاب اور آپؐ کے تمام بھائیوں جو انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین ہیں اور تمام مقرب فرشتوں پر صلوٰۃ و سلام اور تحیۃ ہو۔ یا اللہ تو ہم کو ان بزرگوں کی برکت سے ان سب سے محبت کرنے والا اُن کے آثار و افعال کا تابعدار بنا۔ اور اللہ تعالیٰ اس بندے پر رحم فرمائے جو آمین کہے)۔

اب ہم اصل بات کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بعض اوقات بعض علوم الہامی میں جو خطا ہو جاتی ہے اس کا سبب یہ ہے کہ بعض مسلّمہ مقدمات جو صاحبِ الہام کے نزدیک ثابت ہیں اور نفسِ امر میں کاذب ہیں وہ علومِ الہامی سے ایسے خلط ملط ہو جاتے ہیں کہ صاحبِ الہام ان میں تمیز نہیں کر سکتا بلکہ تمام کے تمام علوم کو الہامی خیال کر لیتا ہے۔ لہٰذا ان علوم کے بعض اجزا میں غلطی ہونے کی وجہ سے لازمی طور پر مجموعِ علوم میں غلطی واقع ہو گی۔ اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ (عارف) کشوف و واقعات میں امورِ غیبی کو دیکھتا اور خیال کرتا ہے کہ یہ ظاہر پر محمول ہیں اور صورت پر منحصر ہے تو اس خیال کے مطابق حکم کرتا ہے اور غلطی واقع ہو جاتی ہے۔ وہ یہ نہیں جانتا کہ وہ امور ظاہر سے پھرے ہوئے ہیں اور تاویل و تعبیر پر محمول ہیں۔ اس مقام پر بھی کشف سراسر غلط ہو جاتا ہے۔

مختصر یہ کہ جو کچھ قطعی اور اعتماد کے لائق ہے وہ صرف کتاب[1] و سنت ہے جو کہ وحیِ قطعی سے ثابت ہیں اور فرشتے کے نازل ہونے سے مقرر ہوئے ہیں، اور علماء کا اجماع[3] اور مجتہدین[4] کا اجتہاد بھی انہی دو[2] اصلوں (کتاب و سنت) کی طرف راجع ہے ——— ان چار شرعی اصولوں کے علاوہ جو کچھ بھی ہو اگر ان اصول کے مطابق ہے تو مقبول ہے ورنہ نہیں، اگرچہ وہ صوفیوں کے علوم و معارف کے ہوں یا اُن کے الہام و کشوف سے ہوں۔ لہٰذا ان کے وجد و حال کو جب تک شرع شریف کی ترازو میں نہ تول لیں اس وقت تک ان کو نیم جَو سے بھی نہیں خریدتے، اور ان کے کشوف و الہام کو جب تک کتاب و سنت کی کسوٹی پر نہ پرکھ لیں ان کو نیم جیتل کے برابر بھی پسند نہیں کرتے (یعنی ان کی کوئی حیثیت نہیں)۔

طریقِ صوفیہ کے سلوک سے مقصود یہ ہے کہ شرعی اعتقادات کی حقیقت پر جو حقیقتِ ایمان ہیں، یقین زیادہ ہو جائے اور احکامِ شرعیہ کی ادائیگی میں آسانی (اور لطف) حاصل ہونے لگے، اس کے علاوہ کوئی اور بات نہیں ہے۔ اور رویت (دیدارِ الٰہی) کا وعدہ جو آخرت پر موقوف رکھا گیا ہے وہ دنیا میں ثابت نہیں ہے ——— اور مشاہدات و تجلیات جن پر صوفیہ خوشی منا رہے ہیں وہ صرف ظلال سے آرام اور شبہ و مثال سے تسلی حاصل کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سب سے وراء الوراء ہے۔

میں ڈرتا ہوں کہ اگر ان مشاہدات و تجلیات کی حقیقت کو جیسا کہ وہ ہیں بیان کروں تو اس راہ کے بندیوں کی طلب میں فتور پیدا ہو جائے اور ان کے شوق میں کمی آجائے ——— اور میں اس سے بھی ڈرتا ہوں کہ اگر علم کے باوجود اس کو بیان نہ کروں تو حق کو باطل سے ملانے والا نہ ہو جاؤں۔

البتہ اس قدر اظہار کردینا ضروری ہے کہ اس راہ کی مشاہدات و تجلیات کو حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پہاڑ (کوہِ طور) کی تجلی و شہود کی کسوٹی پر پرکھ لیں۔ اگر درست نہ نکلے تو مجبوراً اس کو ظلال اور شبہ و مثال پر محمول کرنا چاہیے تو پھر شبہ درست ہوں کیونکہ تجلی سے مقصود دکؔ و فک یعنی پارہ پارہ ہوتا ہے اور دنیا میں اس سے چارہ نہیں ہے خواہ باطن پر متجلی ہو خواہ ظاہر پر دکؔ فک ضروری ہے۔ البتہ خاتم الانبیا علیہم الصلوات والتسلیمات اس وصمہ (داغ) سے مستثنیٰ ہیں۔ آپ کو دنیا میں رویت (شبِ معراج میں) میسر ہوئی اور سرِ مو (بال برابر) بھی ہوش میں فرق نہ آیا اور آپؐ کے کامل متبعین کو جو اس مقام سے بہرہ ور ہیں ان کو بھی ظلال میں سے کسی ظل کے پردہ کے بغیر رویت نہ ہوگی، صاحبِ تجلی سمجھے یا نہ سمجھے۔ جب حضرت موسیٰ کلیم اللہؑ اس مشاہدہ کے حال کی تجلی سے بیہوش ہوگئے تو پھر دوسرے دل کی کیا حیثیت ہے۔

دوسرے یہ بھی جان لیں کہ بعض مخلصوں کو اجازت دینے کا مقصد یہ تھا کہ وہ اس طرح پر ایک جماعت کو گمراہی کے بھنور سے نکال کر حق جل و علا کے راستے میں رہنمائی کریں اور خود بھی ان طالبوں کے ساتھ (ذکر میں) مشغول رہیں اور ترقیات حاصل کریں، اور اس تعلق پر خوب غور کرکے کوشش کریں تاکہ ان کی اپنی بقایا بری عادتیں دور ہو جائیں اور مرید و مسترشد دونوں اس دولت سے مشرف ہو سکیں، نہ کہ یہ اجازت کمال و تکمیل کے وہم میں ڈال کر مقصود سے باز رکھے و ما علینا الا البلاغ (اور ہمارے ذمہ تو پیغام پہنچا دینا ہی ہے) والسلام

مکتوب ۲۱۸

دو صد و ہژدہم
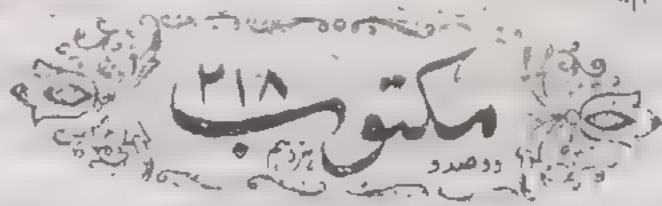
ملا داؤدؒ کی طرف صادر فرمایا ——— پیرِ طریقت کے آداب کی رعایت کے بیان میں۔

میرے عزیز بھائی مولانا داؤد کا گرامی نامہ موصول ہو کر باعثِ مسرت ہوا۔ حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ اپنے نبی اور ان کی آل و امجاد علیہ و علیہم الصلوات والتسلیمات کے طفیل آپ کے ظاہر و باطن کو اپنی مرضیات سے آراستہ و پیراستہ کرے ——— باطن کے سبق کی تکرار کرنے میں اور خواجگان (نقشبندیہ) قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے طریق پر استقامت اختیار کریں، ایسا نہ ہو کہ (ماحول کے) پراگندہ اثرات سے

---

[1] آپ کے نام صرف یہی ایک مکتوب ہے۔ شیخ داؤد سالکی حضرت مجددؒ کے خلیفہ اور صاحبِ انکسار بزرگ تھے۔

سستی واقع ہو جائے ——— اور اگر بالفرض کوئی ظلمت یا کدورت (دل پر) طاری ہو جائے تو اس کا علاج یہ ہے کہ حق جل سلطانہٗ کی پاک بارگاہ میں التجا و تضرع اور نیاز و شکستگی بجا لائیں اور اپنے پیر کامل کی طرف جو کہ اس دولت (جمعیتِ قلب) کے حاصل کرنے کا وسیلہ ہے پوری توجہ کریں، اور حضور و غیبت میں اس دولتِ عظمیٰ کے وسیلوں (پیروں) کے آداب کی رعایت کو اچھی طرح مد نظر رکھیں۔ اور ان بزرگوں کی رضامندی کو حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی رضامندی کا وسیلہ خیال کریں۔ نجات و فلاح کا طریقہ یہی ہے۔ والسلام

مکتوب ۲۱۹
دو صد و نوز دہم
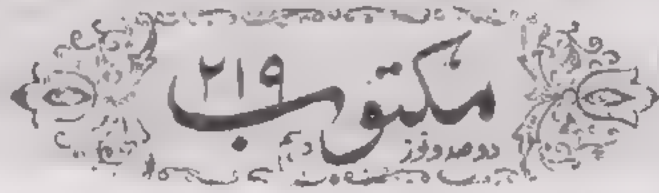
میرزا ایرج[1] کی طرف صادر فرمایا ——— اس بیان میں کہ آدمی اپنی نادانی کی وجہ سے اپنے ظاہری مرض کے ازالہ کی فکر میں رہتا ہے اور اپنے باطنی مرض جس سے دل کی گرفتاری مراد ہے غافل ہے اور اس کے مناسب بیان میں۔

عَصَمَکُمُ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ عَمَّا یَصِمُکُمْ وَصَانَکُمْ عَمَّا شَانَکُمْ بِحُرْمَۃِ سَیِّدِ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ اَجْمَعِیْنَ مِنَ الصَّلَوَاتِ اَتَمُّھَا وَمِنَ التَّسْلِیْمَاتِ اَکْمَلُھَا (اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ آپ کو سید الاولین والآخرین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہٖ اجمعین کے طفیل ہر اس چیز سے بچائے جو آپ کو داغدار کرے اور ہر اس بات سے محفوظ رکھے جس سے آپ کی شان پر حرف آئے) ——— اے سعادت و شرافت کے نشان والے! جب آدمی کو کوئی ظاہری مرض لاحق ہو جاتا ہے اور بدن کے حصوں میں سے کسی حصے کو تکلیف پہنچتی ہے تو اس مرض کے دور کرنے میں اسقدر مبالغہ کرتا ہے اور کوشش کی جاتی ہے کہ کسی طرح) وہ مرض دفع ہو جائے اور آفت دور ہو جائے ——— لیکن قلبی مرض نے کہ جس سے مراد حق جل و علا کے ماسویٰ کی گرفتاری ہے اس پر اس طرح غلبہ کر لیا ہے جو قریب ہے کہ اس کو موتِ ابدی تک پہنچا کر ہمیشہ کے عذاب میں مبتلا کر دے اس کے ازالہ کی کوئی فکر نہیں کرتا اور نہ اس کے دفع کرنے کی کوشش کرتا ہے (ایسا آدمی دو حال سے خالی نہیں) ——— اگر اس (دنیا کی) گرفتاری کو مرض نہیں سمجھتا تو وہ بہت بے وقوف ہے اور اگر جانتا ہے پھر بھی نہیں ڈرتا تو بڑا ہی پلید ہے ——— البتہ اس مرض کے سمجھنے کے لئے عقلِ معاد[2] درکار ہے کیونکہ عقلِ معاش

---

[1] آپ کے نام صرف یہی ایک مکتوب ہے میرزا ایرج، میرزا عبدالرحیم خان خاناں کے صاحبزادے ہیں، باپ کے ساتھ تسخیرِ سندھ کی مہم میں شریک رہے۔ ٹھٹھ کے حکمران جاجی بیگ کی لڑکی سے شادی ہوئی۔ جہانگیر نے آپ کو شاہ نواز خان کا خطاب دیا۔ (ماثر الامراء۔ تزکِ جہانگیری) [2] آخرت

(دنیاوی عقل) اپنی کوتاہ اندیشی کی وجہ سے ظاہر بینی تک محدود ہے، اور جس طرح عقلِ معاش اپنے "لذتِ فانیہ" کی وجہ سے آفاتِ معنویہ (باطنی امراض) کو مرض نہیں سمجھتی اسی طرح عقلِ معاد بھی اُخروی ثو ابوں کے پیشِ نظر امراضِ ظاہری کو مرض تصور نہیں کرتی۔ عقلِ معاش کوتاہ بین ہے اور عقلِ معاد "حدید البصر" نہایت تیز (دور بین) ہے ــــــ عقلِ معاد انبیاء و اولیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کا حصہ ہے اور عقلِ معاش دنیادار مالداروں کے لئے مرغوب ہے۔ شَتَّانَ مَا بَیْنَھُمَا (دونوں کے درمیان بڑا فرق ہے) اور وہ اسباب جو عقلِ معاد کو حاصل کرنے والے ہیں، ان میں سے ذکرِ موت ہے، آخرت کے احوال کے تذکرے ہیں اور اُس جماعت کی مجلس میں حاضری ہے جو آخرت کی یاد کی دولت سے مشرف ہیں ــ

دادیم ترا زِ گنجِ مقصود نشاں　　گر ما نہ رسیدیم تو شاید برسی

(گنجِ مقصود تم کو بتلایا　　تم تو پہنچو جو ہم نہیں پہنچے)

جاننا چاہئے کہ جس طرح ظاہری مرض کی بنا پر احکامِ شرعیہ کی ادائیگی میں دشواری ہوتی ہے اسی طرح باطنی مرض میں بھی دشواری لازم آتی ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے: کَبُرَ عَلَی الْمُشْرِکِیْنَ مَا تَدْعُوْھُمْ اِلَیْہِ (شوریٰ آیت ۱۳) (مشرکین پر وہ بات بہت گراں ہے جس کی طرف آپ ان کو بلاتے ہیں) ــــــ نیز فرمایا: وَاِنَّھَا لَکَبِیْرَۃٌ اِلَّا عَلَی الْخٰشِعِیْنَ (بقرہ آیت ۴۵) اور بیشک (نماز) بہت گراں ہے مگر خشوع کرنے والوں پر گراں نہیں ــــ

ظاہری (جسمانی) مرض میں قویٰ اور اعضاء و جوارح کی کمزوری اس دشواری کو مستلزم ہے اور باطنی مرض میں یقین کا ضعف اور ایمان کی کمی اس دشواری کا موجب ہے ورنہ تکالیفِ شرعیہ (شرعی احکامات کی بجا آوری) میں سراسر آسانی، سہولت اور تخفیف ہے۔ آیت کریمہ یُرِیْدُ اللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ (بقرہ آیت ۱۸۵) (اللہ تعالیٰ تمہارے لئے آسانی چاہتا ہے دشواری نہیں چاہتا) ــــــ آیتِ کریمہ: یُرِیْدُ اللّٰہُ اَنْ یُّخَفِّفَ عَنْکُمْ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفًا (نساء آیت ۲۸) (اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تمہارا بوجھ ہلکا کر دے اور انسان (درحقیقت) ضعیف پیدا کیا گیا ہے)

ــــ یہ دونوں آیتیں اسی معنی پر گواہ ہیں۔ مصرع

خورشید نہ مجرم ار کسے بینا نیست　　(اندھا نہ دیکھ پائے تو سورج کا کیا قصور؟)

لہٰذا اس مرض کے دور کرنے کی فکر ضروری ہے اور حاذق طبیبوں کی خدمت میں عرض کرنا فرضِ عین ہے۔ مَا عَلَی الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلَاغُ۔ (قاصدوں کا کام (احکام) پہنچا دینا ہے)۔ وَالسَّلَامُ۔

شیخ حمید بنگالی کی طرف صادر فرمایا ـــــ صوفیوں کی بعض غلطیوں اور ان غلطیوں کے منشا کے بیان میں

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَعَلَیْھِمْ اَجْمَعِیْنَ (تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کے لئے ہیں اور حضرت سید المرسلین وعلی آلہ واصحابہ علیہم اجمعین پر صلوۃ وسلام ہو) ـــــ اس علاقہ کے فقراء کے حالات، واطوار دن بدن شکر کی زیادتی کا باعث ہو رہے ہیں اور دور کے رہنے والے دوستوں کے متعلق بھی یہی امید ہے۔

اے عزیز! یہ رستہ غیب الغیب (پردہ در پردہ) ہے جس میں سالکوں کے قدم بہت لغزش کھاتے ہیں، لہذا آپ اعتقادات واعمال میں شریعت کے رشتہ کو مد نظر رکھتے ہوئے زندگی بسر کریں ـــ حضور وغیبت (سامنے اور پس پردہ) میں (فقیر کی) یہی نصیحت ہے، ایسا نہ ہو کہ غفلت واقع ہو جائے۔ لہذا اس راہ کی بعض غلطیاں تحریر کی جاتی ہیں اور اس کا منشا غلطیوں کی نشان دہی کرنا ہے (امید ہے کہ) حصول عبرت کی نظر سے ملاحظہ فرمائیں گے۔ اور مذکورہ جزئیات کے علاوہ ان کے اندازے کے مطابق کام کریں گے۔

صوفیہ کی بعض غلطیاں

جاننا چاہئے کہ صوفیہ کی بعض غلطیاں یہ ہیں کہ کبھی کبھی سالک مقام عروج میں اپنے آپ کو دوسروں سے بالاتر پاتا ہے جن کی افضلیت علماء کے اجماع سے ثابت ہو چکی ہے، حالانکہ یقیناً اس سالک کا مقام ان بزرگوں کے مقامات سے نیچے ہے۔ بلکہ یہ اشتباہ کبھی کبھی انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی نسبت بھی ہو جاتا ہے جو قطعی طور پر بہترین مخلوق ہیں، عِیَاذًا بِاللّٰہِ سُبْحَانَہٗ مِنْ ذٰلِکَ۔

اس بارے میں بعض کی غلطیوں کا منشا یہ ہے کہ انبیاء واولیاء میں سے ہر ایک کا عروج پہلے ان اسماء تک ہے جو ان کے وجودی تعینات کے مبادی ہیں اور اس عروج کی بنا پر ان کی ولایت کی تحقیق ہوتی ہے اور دوسرے ان کا عروج ان اسماء میں پھر ان اسماء سے جہاں تک اللہ تعالیٰ چاہے حاصل ہو جاتا ہے۔ لیکن اس عروج کے باوجود ان کی منزل اور مقام وہی اسم مبارک ہے جو ان کے وجودی تعین کا مبدا ہے لہذا مقامات عروج میں اگر کوئی ان کو تلاش کرنا چاہے تو اکثر ان ہی اسماء میں پاتا ہے، کیونکہ مراتب عروج میں

---

[1] آپ کے نام پانچ مکتوبات ہیں اور آپ کا تعارف دفتر اول مکتوب ۱۵۸ پر ملاحظہ ہو۔

بھی ان بزرگوں کا طبعی مقام وہی اسماء ہے، اور ان اسماء سے عروج ونزول کرنا عوارض کے پیش آنے کی وجہ سے واقع ہوتا ہے لہٰذا جب بلند فطرت سالک سیر میں ان اسماء سے بلند تر ہوگا تو یقیناً ان اسماء سے بھی بلند تر ہوکر آگے نکل جائے گا اور اس کو اس سے یہ گمان پیدا ہو جائے گا ـــــ اللہ سبحانہٗ اس بات سے بچائے کہ یہ گمان اُس پہلے یقین کو زائل کردے اور انبیاء علیہم الصلوٰت والتسلیمات کی افضلیت میں اور اولیاء کے بہتر ہونے میں جس پر (علماء امت کا) اجماع ہے شبہ پیدا ہو جائے۔ یہ مقام سالکوں کے قدم پھسلنے کا مقام ہے ـــــ اس وقت سالک نہیں جانتا کہ وہ اکابر جنھوں نے ان اسماء سے بے انتہا عروج حاصل کیا ہے اور بالا سے بالاتر پہنچے ہوئے ہیں، نیز وہ یہ بھی نہیں جانتا کہ وہ اسماء ان کے عروج کے طبعی مکان ہیں اور اس کا بھی اس جگہ طبعی مکان ہے جو ان اسماء سے بہت نیچے اور پست میں ہے کیونکہ ہر شخص کی افضلیت اس کے اسم کی اقدمیت (بہت آگے بڑھنے) کے اعتبار سے ہے جو اس کے تعین کا مبداء ہوا ہے۔

اسی قسم سے یہ بات ہے جو بعض مشائخ نے فرمائی ہے کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ عارف عروج کے مقامات میں برزخیتِ کبریٰ کو حائل نہیں پاتا ـــــ اور اس کے توسط کے بغیر ترقی کرتا ہے ـــــ ہمارے حضرت خواجہ (باقی باللہ) قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ رابعہؒ (بصری) بھی اسی جماعت میں سے ہیں ـــــ یہ جماعت عروج کے وقت ہی اس اسم سے جو برزخیتِ کبریٰ کے تعین کا مبداء ہے بالاتر گذر گئے ہیں اور انھوں نے خیال کیا ہے کہ برزخیتِ کبریٰ ان کے درمیان حائل نہیں رہی ـــــ اور برزخیتِ کبریٰ سے ان کی مراد حضرت رسالت خاتمیت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی حقیقت ہے۔ اور معاملہ کی حقیقت وہی ہے جو اوپر بیان ہوئی۔

اور دوسری جماعت کی اس غلطی کا منشا یہ ہے کہ جب سالک کی سیر اس اسم میں واقع ہوتی ہے جو اس کے تعین کا مبداء ہے اور وہ اسم بر سبیلِ اجمال (مجمل طور پر) تمام اسماء کا جامع ہے کیونکہ انسان کی جامعیت اسی اسم کی جامعیت کی وجہ سے ہے لہٰذا لازماً اس ضمن میں وہ اسماء بھی ہیں جو دوسرے مشائخ کے تعینات کے مبادی ہیں، اجمالی طریقے پر وہ بھی اس سیر کو طے کریگا اور ہر ایک سے گذر کر اس اسم کی انتہا تک پہنچ جائے گا اور اپنی فوقیت کا وہم پیدا کرلے گا ـــــ اور وہ نہیں جانتا کہ جو کچھ اس نے دیکھا ہے وہ مشائخ کے مقامات ہے اور جن سے گذرا ہے وہ ان کے مقامات کا ایک نمونہ ہے

نہ کہ ان مقامات کی حقیقت ——— اور جب وہ اس مقام میں اپنے آپ کو جامع پاتا ہے اور دوسروں کو اپنے اجزا خیال کرتا ہے تو لازماً اپنے زیادہ ولی ہونے کا وہم پیدا کر لیتا ہے۔ اسی مقام میں شیخ بسطامیؒ نے فرمایا ہے لِوَائِیْ اَرْفَعُ مِنْ لِوَاءِ مُحَمَّدٍ (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے سے میرا جھنڈا بلند ہے) سُکر کے غلبہ کی وجہ سے وہ یہ نہیں جانتے کہ حضرت محمد مصطفیٰ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے جھنڈے سے ان کا جھنڈا بلند نہیں ہے بلکہ ان کے جھنڈے کے نمونے سے ہے جو ان کے اسم کی حقیقت کے ضمن میں مشہود (ظاہر) ہوا ہے ——— اور اسی قسم سے یہ بات بھی ہے جو انھوں نے بیان کی کہ میرے قلب کی وسعت اس قدر ہے کہ اگر عرش اور جو کچھ اس میں ہے اس قلب کے گوشہ میں رکھ دیا جائے تو کچھ بھی احساس نہ ہو[1] ——— اس مقام پر بھی نمونے کا حقیقت سے اشتباہ ہے، ورنہ عرش کے مقابلے میں جس کو حق سبحانہ وتعالیٰ "عظیم" فرماتا ہے، عارف کے قلب کی جو اس کے پہلو میں ہے کیا حیثیت اور کیا مقدار ہے۔ وہ ظہور جو عرش میں ہے اس کا عشر عشیر (سواں حصہ) بھی اس قلب میں نہیں ہے۔ اگرچہ وہ قلب عارف کا قلب ہی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ آخرت میں (حق تعالیٰ کا) دیدار عرش کے ظہور کے وقت میں ہوگا۔ یہ بات اگرچہ آج بعض صوفیوں پر نہایت گراں گزرے گی لیکن آخر کار وہ معقول ہو جائیں گے (یعنی ان کی سمجھ میں آجائے گی)۔

اس بات کو ہم ایک مثال سے واضح کرتے ہیں کہ انسان چونکہ عناصر وافلاک کا جامع ہے جب اس کی نظر اپنی جامعیت پر پڑتی ہے تو وہ عناصر وافلاک کو اپنے اجزا سمجھتا ہے اور جب یہ مشاہدہ غالب ہو جاتا ہے تو عجب نہیں کہ وہ یہ بات کہہ دے کہ میں تمام کرۂ زمین سے بڑا اور آسمانوں سے بھی عظیم ہوں۔ ——— ایسے وقت میں عقلمند لوگ سمجھتے ہیں کہ اس کی عظمت و بڑائی اس کے اپنے اجزا سے ہے ورنہ در حقیقت کرۂ زمین و آسمان اس کے اجزا نہیں ہیں بلکہ ان کے نمونوں کو اس نے اپنے اجزا بنایا ہے اور اس کی بڑائی ان نمونوں کی وجہ سے ہے جو اس کے اجزا ہیں، نہ کہ کرۂ ارضی وسماوی کی حقیقت سے۔

اور اسی وجہ سے کہ کسی شے کا نمونہ اس کی حقیقت کے مشابہ ہوتا ہے . . . صاحبِ فتوحاتِ مکیہ (ابن عربی) کہتے ہیں کہ "جمعِ محمدی جمعِ الٰہی سے اجمع (جامع تر) ہے۔ کیونکہ جمعِ محمدی، کونی و الٰہی حقائق پر مشتمل ہے لہٰذا وہ اجمع (جامع تر) ہوگی" ——— وہ یہ نہیں جانتے کہ

---

[1] فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِیَ اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَھُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ۔ (سورۂ توبہ آیت ۱۲۸)

یہ اشتمال (مشتمل ہونا) مرتبۂ الوہیت کے ظلال میں سے ایک ظل میں ہے، اور اس کے نمونوں میں سے ایک نمونہ پر ہے نہ کہ وہ اشتمال اس مرتبۂ مقدسہ کی حقیقت پر۔ بلکہ اس مقدس مرتبہ کی حقیقت پر جو اس کی عظمت[1] وکبریائی کے لوازم میں سے ہے (اس کے سامنے) جمع محمدی کی کوئی حقیقت نہیں ہے: مَا لِلتُّرَابِ وَرَبِّ الْاَرْبَابِ۔ (چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک) (کہاں خاک اور کہاں عالمِ پاک)۔

اور نیز اسی مقام میں جبکہ سالک کی سیر اس اسم میں واقع ہوتی ہے جو اس کا رب ہے تو بسا اوقات وہ خیال کرتا ہے کہ بعض اکابر جو یقیناً اس سے افضل ہیں اس کے توسط سے بلند درجوں میں پہنچ گئے ہیں اور اسی کے توسل سے ترقی کی ہے۔ یہ مقام بھی سالکوں کے اقدام کی لغزش گاہ ہے اللہ تعالیٰ سبحانہٗ ہم کو اس بات سے اپنی پناہ میں رکھے، کہ اس گمان کی بنیاد پر کوئی اپنے آپ کو افضل سمجھ کر ابدی خسارہ میں پڑ جائے ——— اور اگر کوئی عظیم الشان بادشاہ کسی زمیندار کی مدد سے جو اس کی مملکت میں داخل ہے اس کے بعض مقامات پر پہنچے اور اس کے توسل کر بعض علاقے فتح کر لے تو اس میں کونسی تعجب کی بات ہے اور کیا فضیلت ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ یہاں جزئی برتری کا احتمال ہے جو کہ خارج از بحث ہے کیونکہ ہر ایک حجام اور جلاہا جو بعض مخصوص وجوہ کی بنا پر تمام عالم ذوفنون (دانشوروں) اور حکیم بوقلموں (گوناگوں فلسفیوں) پر فضیلت رکھتا ہے لیکن یہ فضیلت اعتبار سے خارج ہے اور جو معتبر ہے وہ فضیلت کلی ہے جو کہ عالم اور حکیم کے لئے ثابت ہے ——— اس درویش کو بھی اس قسم کے اشتباہات بہت پیش آئے اور اس قسم کے خیالات بہت آتے رہے اور مدتوں تک یہی حالت رہی۔ چونکہ حق تعالیٰ جل شانہٗ کی حفاظت شامل حال رہی اس لئے یقینِ سابق میں بال برابر بھی تذبذب نہیں ہوا، اور متفق علیہ اعتقادات میں کوئی فتور واقع نہیں ہوا۔ لِلّٰهِ سُبْحَانَهٗ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ عَلٰى ذٰلِكَ وَعَلٰى جَمِيْعِ نَعْمَائِهٖ (اس نعمت پر اور تمام نعمتوں پر اللہ سبحانہٗ کی حمد اور اس کا احسان ہے)۔ اور جو کچھ مجمع علیہ (متفق علیہ اعتقادات) کے خلاف ظاہر ہوتا تھا اس کا کچھ اعتبار نہ کرتا تھا، اور اس کو اچھے معنی پر محمول کرتا تھا اور مجمل طور پر اتنا جانتا تھا کہ اس کشف کی صحت کا اندازہ بھی جزئی فضیلت کی طرف راجع ہے ہر چند یہ وسوسہ بھی عارض ہوتا تھا کہ فضیلت کا مدار قربِ الٰہی جل سلطانہٗ پر ہے اور یہ زیادتی اسی قرب میں ہے پھر جزئی فضیلت کیوں ہوگی؟ لیکن یقینِ صادق کے مقابلے میں یہ وسوسہ بھی ہباءً منثوراً (پراگندہ

---

[1] جیسا کہ حدیثِ قدسی میں وارد ہے الکبریاء ردائی والعظمۃ ازاری (کبریائی میری چادر اور عظمت میری ازار ہے)۔

بخار کی طرح اُڑ جاتا تھا اور اس کا کوئی اعتبار نہ کرتا تھا بلکہ توبہ، استغفار اور انابت کے ساتھ التجا کرتا تھا اور نہایت عاجزی وزاری کے ساتھ دعا کرتا تھا کہ اس قسم کے کشف ظاہر نہ ہوں، اور اہل سنت وجماعت کے اعتقادات کے خلاف بال برابر بھی منکشف نہ ہو ——— ایک دن یہ خوف غالب ہوا کہ کہیں یہ کشف مواخذہ کا باعث نہ بن جائیں، اور یہ وہم سوال کا باعث ہو جائے۔ اس خوف کے غلبے نے بے قرار و بے چین کر دیا تو جناب قدس خداوندی جل سلطانہٗ میں التجا و تضرع زیادہ بڑھ گئی اور یہ حالت کافی عرصہ تک رہی۔ اتفاقاً اسی عرصہ میں ایک بزرگ کے مزار پر گذر ہوا اور اس معاملہ میں ان بزرگ کی معاونت چاہی۔ اسی اثنا میں اللہ جل شانہٗ کی عنایت شاملِ حال ہوئی اور حقیقتِ معاملہ جیسا کہ اس کا حق ہے ظاہر ہوا اور حضرت رسالت خاتمیت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی روحانیت جو تمام عالموں کے لئے رحمت ہے اس وقت ظہور پذیر ہوئی اور دلِ غمگین کی تسلی فرمائی اور معلوم ہوا کہ بیشک قربِ الٰہی ہی فضلِ کُلّی کا موجب ہے لیکن یہ قرب جو تجھ کو حاصل ہوا ہے الوہیت کے مراتب کے ظلالوں میں سے ایک ظل کا قرب ہے جو اس اسم کے ساتھ مخصوص ہے جو تیرا ارب ہے اس لئے کلی فضیلت کا موجب نہ ہوگا ——— اس مقام کی مثالی صورت کو اس طریقے پر منکشف کیا گیا کہ کوئی شک وشبہ کی گنجائش نہ رہی اور اس شبہ کا گمان بالکل ختم ہو گیا۔ اور بعض وہ علوم جو اشتباہ کا محل رکھتے ہیں اور ان میں تاویل و توجیہ کی گنجائش ہے، اور یہ درویش اپنی کتابوں اور رسالوں میں لکھ چکا تھا زیادہ منکشف ہوئی۔

(اس فقیر نے چاہا) کہ ان علوم کے اغلاط کا منشا، جو محض فضلِ خداوندی جل شانہٗ سے حاصل ہوا ہے لکھے اور شائع کرے کیونکہ مشہر گناہ کے ازالہ کے لئے توبہ کا اشتہار ضروری ہے تاکہ لوگ ان علوم سے خلاف شریعت نہ سمجھ لیں اور تقلید کی بنا پر گمراہی میں نہ پڑ جائیں، یا تعصب اور تکلف سے گمراہی اور جہالت اختیار نہ کرلیں کہ اس راہِ غیب الغیب میں اس قسم کے بھول بہت کھلتے ہیں کہ ایک گروہ کو ہدایت کی طرف لے جاتے ہیں اور دوسرے کو گمراہی کی طرف رہنمائی کرتے ہیں۔

(اس فقیر نے) اپنے والد بزرگوار قدس سرہٗ سے سنا ہے، آپ فرماتے تھے کہ بہتر[۷۲] فرقوں میں سے اکثر فرقے گمراہی کی راہ اختیار کئے ہوئے ہیں اور راہِ راست سے بھٹک گئے ہیں، اور ان کا باعث صوفیوں کے طریقے میں داخل ہونا ہے کیونکہ انھوں نے کام کو انجام تک نہیں پہنچایا بلکہ غلط راستہ اختیار کر کے گمراہ ہو گئے"۔ والسلام

مکتوب ۲۲۱

دوصد و بست و یکم

سید حسینؒ مانک پوری کی طرف صادر فرمایا ——— طریقۂ عالیہ نقشبندیہ کے خصائص وکمالات کے بیان میں، یعنی اس طریقہ کی افضلیت اور دوسروں کی انتہا اس کی ابتدا میں درج ہونے اور اس طریق کی انتہا کے بیان میں، اور سفر در وطن، خلوت در انجمن اور سلوک پر جذبہ کے مقدم ہونے اور عالم امر سے سیر کی ابتدا ہونے کے بیان میں، اور یہ کہ یہ طریقہ موصل (وصول الی اللہ) کے طریقوں میں سب سے قریب ترین ہے، اور اس طریقہ کی ابتدا میں حلاوت و وجدان ہے اور انتہا میں بے مزگی اور فقدان ہے جو نا امیدی کے لوازمات سے ہے۔ اور ایسے ہی اس طریقہ کی ابتدا میں قرب و شہود ہے اور انتہا میں بُعد و حرمان، (نیز) اس طریقۂ عالیہ کے اکابرین نے احوال و مواجید کو احکام شرعیہ کے تابع کیا ہے اور اذواق و معارف کو علوم دینیہ کا خادم قرار دیا ہے، اور اس طریقہ میں پیری و مریدی طریقت کی تعلیم و تعلم (سیکھنے سکھانے) سے ہے نہ کہ کلاہ و شجرہ سے اور اس طریق میں طالب کا سلوک شیخ مقتدا کے تصرف پر منحصر ہے۔ اور اس سلسلہ کے بزرگ جس طرح نسبت عطا کرنے میں کامل طاقت رکھتے ہیں اسی طرح اس نسبت کو سلب کرنے میں بھی پوری قدرت رکھتے ہیں، اور اس طریق میں زیادہ فائدہ اور استفادہ سکوت میں ہے اور سکوت اس طریق کے لوازم میں سے ہے، اور اس کے مناسب بیان میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَاٰلِہِ الطَّاهِرِیْنَ وَعَلَیْهِمْ اَجْمَعِیْنَ ○ (سب تعریف اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے اور صلوٰۃ و سلام ہو حضرت سید المرسلین اور آپ کی تمام پاک اولاد پر) ——— میرے عزیز بھائی سیادت پناہ میر سید حسین نے دور پڑے ہوؤں کو فراموش نہ کیا ہوگا، اور اس طریقۂ عالیہ کے آداب کی رعایت کو جو مشائخ کرام کے تمام طریقوں سے بعض وجوہ کی بنا پر ممتاز ہے ہاتھ سے نہ چھوڑا ہوگا اور اس پر کاربند ہوں گے) کیونکہ آپ کے ملاقات کی فرصت بہت کم حاصل ہوتی ہے، اس حقیقت کا لحاظ رکھتے ہوئے (یہ فقیر) اس طریقۂ عالیہ کے بعض کمالات و خصوصیات کو علوم بلند اور معارف ارجمند کے ضمن میں تحریر کرتا ہے ———

لہ آپ کے نام صرف یہی ایک مکتوب ہے اور مزید حالات معلوم نہ ہو سکے

اگرچہ (یہ درویش) جانتا ہے کہ اس قسم کے علوم و معارف کا سمجھنا بالفعل سننے والوں کے اذہان سے بعید ہے لیکن ایسے معارف کا اظہار دو وجہ سے (ضروری) ہے — ایک یہ کہ سننے والا (یعنی سید حسین مانکپوری) ان علوم کی استعداد رکھتا ہے، اگرچہ بالفعل (فوری طور پر) وہ دور از کار معلوم ہوتے ہیں — دوم یہ کہ اگرچہ ظاہری طور پر مخاطب معین (مخصوص) ہے، لیکن حقیقت میں ہر وہ شخص مخاطب ہے جو اس معاملہ کا راز دار ہے "اَلسَّیْفُ لِلضَّارِبِ" (تلوار صاحبِ استعمال کے لئے زیبا ہے) مثل مشہور ہے۔

اے بھائی! اس روشن طریقے کے حلقہ کے سردار حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں کہ انبیا علیہم الصلوات والتسلیمات کے بعد بالتحقیق تمام بنی آدم سے افضل ہیں اور اسی اعتبار سے بہ طریقہ اکابر کی عبارتوں میں آیا ہے کہ ہماری نسبت دوسری تمام نسبتوں سے بڑھ کر ہے، کیونکہ ان کی نسبت جس سے مراد خاص حضور و آگاہی ہے بعینہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسبت اور حضور ہے جو تمام آگاہیوں پر برتری رکھتی ہے، اور اس طریق میں (دوسروں کی) نہایت اس کی ابتدا میں مندرج ہے۔ (جیسا کہ) حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہٗ فرماتے ہیں: "ما نہایت را در بدایت درج می کنیم" (ہم انتہا کو ابتدا میں درج کرتے ہیں) — مصرع

قیاس کن زگلستانِ من بہارِ مرا　　(مری بہار کا اندازہ گلستاں سے کر)

اگر کوئی پوچھے کہ جب دوسروں کی انتہا ان کی ابتدا میں مندرج ہے تو ان کی انتہا کیا ہوگی اور اسی طرح جب دوسروں کی انتہا یقیناً حق سبحانہٗ و تعالیٰ کا وصول ہے تو پھر ان کو حق سے آگے کہاں کی سیر میسر ہوگی۔ لَیْسَ وَرَاءَ الْعَبَّادَانِ قَرْیَۃٌ (جزیرہ عبادان کے بعد کوئی آبادی نہیں ہے) مثل مشہور ہے۔ — ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ اس طریقۂ عالیہ کی نہایت اگر میسر ہو جائے تو وہ وصلِ عریاں (واضح مشاہدہ) ہے کہ اس کے حاصل ہونے کی علامت مطلوب کے حصول کی یاس کا حاصل ہونا ہے۔ فَافْہَمْ فَاِنَّ کَلَامَنَا اِشَارَۃٌ لَا یُدْرِکُہَا اِلَّا الْاَقَلُّ مِنَ الْخَوَاصِّ بَلْ مِنْ اَخَصِّ الْخَوَاصِّ (لہٰذا اس سے سمجھ لیں کہ ہمارے کلام میں وہ اشارے ہیں جن کو خواص بلکہ اخص الخواص میں سے بھی بہت کم سمجھنے والے ہیں) — اس دولتِ عظمیٰ کے حاصل ہونے کی علامت کا ذکر اس لئے کیا ہے کہ اس گروہ میں سے ایک جماعت نے وصلِ عریاں کا دعوی کیا ہے اور دوسری جماعت مطلوب کے حصول کی ناامیدی کی قائل ہو گئی ہے۔ لیکن اگر ان دونوں دولتوں کو ان پر پیش کر دیا جائے تو نزدیک ہے

کہ اجتماعِ ضدین خیال کریں اور ان کو محالات (ناممکنات) کی قسم سے جانیں ـــــــ ایک گروہ جو وصل کا دعویدار ہے اور یاس (ناامیدی) کو حرمان (محرومی) جانتا ہے، اور وہ جماعت جو یاس کی مدعی ہے وہ وصل کو عین فصل (جدائی) خیال کرتی ہے، یہ سب کچھ اس بلند منزل تک نارسائی کی علامت ہے۔

ـــــــ خلاصہ یہ کہ اس عالی مقام کا ایک پرتو اُن کے باطن پر چمکا ہے جس کو ایک گروہ نے وصل خیال کر لیا ہے اور دوسرا گروہ اس کو یاس سمجھتا ہے اور یہ فرق ایک دوسرے کی استعداد کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔ ایک گروہ کی استعداد کے مناسب وصل ہے اور دوسرے کی استعداد کے موافق یاس ہے ـــــــ اس حقیر کے نزدیک وصل کی استعداد سے یاس کی استعداد زیادہ بہتر ہے اگرچہ اس مقام پر وصل اور یاس ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم ہیں ـــــــ اس جواب سے دوسرے اعتراض کا جواب بھی روشن ہو گیا کہ وصلِ مطلق اور چیز ہے اور وصلِ عریاں اور۔ شَتَّانَ مَا بَیْنَھُمَا (ان دونوں میں بڑا فرق ہے) ـــــــ وصلِ عریاں سے ہماری مراد یہ ہے کہ تمام حجابات اُٹھ جائیں اور تمام رکاوٹیں دُور ہو جائیں۔ اور چونکہ مختلف قسم کی تجلیات اور طرح طرح کے ظہورات بہت بڑے اور قوی حجابات ہیں اس لئے ان سب تجلیات اور ظہورات سے گذر جانا اور آگے بڑھنا ضروری ہے خواہ یہ تجلی و ظہور امکانی آئینوں میں ہوں یا مظاہرِ وجوبیہ میں کیونکہ یہ دونوں نفس حجابات حاصل ہونے میں برابر ہیں، اور اگر کچھ فرق ہے تو صرف شرافت و رتبہ کا ہے اور وہ طالب کی نظر سے خارج ہے۔

اگر پوچھیں کہ اس بیان سے یہ بات لازم آتی ہے کہ تجلیات کی نہایت ہے، حالانکہ شائخ طریقت نے تصریح کی ہے کہ تجلیات کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ تجلیات کا بے نہایت ہونا اس لحاظ سے ہے کہ اسماء و صفات بہ تفصیل سے سیر واقع ہو (لیکن) اس تقدیر پر حضرت ذات تعالیٰ و تقدس کا وصول میسر نہیں ہے اور نہ ہی وصلِ عریاں حاصل ہے، بلکہ حضرت ذات تعالیٰ و تقدس کا وصول اجمال کے طریقے پر اسماء و صفات کے طے کرنے پر منحصر ہے، اس وجہ سے تجلیات کی نہایت ہوگی۔

اور اگر کہا جائے کہ تجلیاتِ ذات کو بھی بے نہایت کہا گیا ہے جیسا کہ حضرت مولوی جامی قدس سرہ نے شرح لمعات میں اس کی تصریح کی ہے تو تجلیات کو محدود کرنا کس وجہ سے درست ہے؟ تو جواب میں ہم کہتے ہیں کہ وہ تجلیاتِ ذاتیہ بھی شیون و اعتبارات کے ملاحظہ کے بغیر ممکن نہیں ہیں۔ اور ہم جو کچھ بیان کر رہے ہیں وہ ایک ایسا امر ہے جو تجلیاتِ صفاتی سے ماورا ہے خواہ وہ تجلیات

ذاتی ہوں یا صفاتی۔ کیونکہ اس مقام میں تجلی کا اطلاق جائز نہیں ہوگا خواہ کوئی تجلی ہو، اس لئے کہ تجلی سے شے کا ظہور مراد ہے جو دوسرے یا تیسرے یا چوتھے مرتبہ میں ہو، جہاں تک اللہ تعالیٰ چاہے (مشاہدہ کرائے) اور یہاں پر تمام مراتب ساقط ہو گئے اور تمام مسافت طے ہو چکی۔

اگر یہ پوچھا جائے کہ ان تجلیات کو تجلیاتِ ذاتی کس اعتبار سے کہا جاتا ہے تو ہم کہتے ہیں کہ اگر وہ تجلیات (اصولِ ذات میں) معانی زائدہ (تجلیاتِ ذاتی کے علاوہ) کے ملاحظہ سے ہیں تو وہ تجلیاتِ صفات ہیں اور اگر غیر زائدہ معانی کے ملاحظہ سے ہیں تو وہ تجلیاتِ ذات ہیں، لہٰذا وحدت کا ظہور جو تعینِ اول ہے اور حق تعالیٰ کی ذات پر زائد نہیں ہے اس لئے بزرگوں نے اس کو تجلی ذات کہا ہے اور ہمارا مطلب حضرت ذات تعالیٰ و تقدس ہے جہاں معانی کے ملاحظہ کی ہرگز گنجائش نہیں ہے خواہ وہ معانی زائد ہوں یا غیر زائد۔ کیونکہ تمام معانی بطریقِ اجمال طے ہو کر حضرت ذات تعالیٰ و تقدس تک وصول میسر ہوا ہے۔

اور جاننا چاہئے کہ وصل اس مقام پر مطلب کے رنگ میں بے چون و بے چگونہ ہے، اور وہ اتصال جس کو عقل و فہم سمجھ سکے بحث سے خارج ہے اور اس جنابِ قدس کے شایاں نہیں ہے کیونکہ چون کو بے چون کی طرف کوئی راہ نہیں ہے۔ لَا یَحْمِلُ عَطَایَا الْمَلِكِ اِلَّا مَطَایَاہُ (بادشاہ کے عطیات کو اس کی سواریاں ہی اٹھا سکتی ہیں) ؎

اتصالِ بے تکیف بے قیاس　　　ہست رب الناس را باجانِ ناس

(ربِ انساں سے اتصالِ بشر　　　کیفیت اس کی کیا ہے! کس کو خبر؟)

اس طریقۂ عالیہ کے مشائخ میں سے کسی نے بھی اپنے طریقے کی انتہا کی خبر نہیں دی، بلکہ اپنے طریقے کے ابتدا کی نسبت کہا ہے کہ نہایت کا بھی اسی میں اندراج ہے۔ جب ان کی ابتدا میں دوسروں کی انتہا ملی ہوئی ہے تو ان کی انتہا کے لئے بھی ضروری ہے کہ اس کی ابتدا کے مناسب ہو۔ اور یہ وہی چیز ہے جس کا اظہار کر کے اس فقیر نے (حق تعالیٰ کی عنایت سے) امتیاز حاصل کیا ہے ؎

اگر بادشہ بر درِ پیر زن　　　توائے خواجہ سبلت مکن

(اگر بادشہ آئے بڑھیا کے گھر　　　تو اے خواجہ ہرگز تعجب نہ کر)

لِلّٰہِ سُبْحَانَہٗ الْحَمْدُ وَالْمِنَّۃُ عَلٰی ذٰلِكَ (اس بات پر اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کا احسان ہے)۔

اے بھائی! اس نہایت (انتہا) کے واصل حضرات اس طریقے میں اور دوسرے طریقوں میں بہت ہی کم ہیں۔ اگر ایسے حضرات کی تعداد کو شمار کیا جائے تو ممکن ہے کہ جو نزدیک ہیں وہ دوری اختیار کرلیں اور جو دور ہیں ان کے انکار سے تو کوئی تعجب ہی نہیں۔ یہ سب کچھ اُس کے حبیب علیہ وعلی آلہ الصلوات والتسلیمات اتمہا واکملہا کے صدقہ میں نہایت النہایت تک کمال کے وصول کی وجہ سے ہے ______ اور اس طریقۂ عالیہ کی خصوصیتوں میں سے ایک خصوصیت "سفر در وطن" ہے کہ جس سے مراد سیرِ انفسی ہے۔ اگرچہ سیرِ انفسی تمام مشائخ کے طریقوں سے ثابت ہے، لیکن وہ سیر، سیرِ آفاقی کے طے کرنے کے بعد (مقام) نہایت میں حاصل ہوتی ہے، اور اس طریق (نقشبندیہ) میں ابتدا ہی اس سیر سے ہوتی ہے اور سیرِ آفاقی اِس سیر کے ضمن میں خود بخود طے ہو جاتی ہے۔ لہٰذا اس سیر کا مقصد جو ابتدا میں حاصل ہوتا ہے وہ "اندراج النہایت فی البدایت" ہے یعنی ابتدا میں انتہا کا مندرج ہونا ہے ______ اور دوسری خصوصیت "خلوت در انجمن" ہے جو "سفر در وطن" پر متفرع و مترتب ہے۔ جب "سفر در وطن" میسر ہو جائے تو "خلوت در انجمن" بھی اس کے ضمن میں میسر ہو جائے گی۔ لہٰذا سالک انجمن کے تفرقہ میں رہتے ہوئے بھی وطن (دل) کے خلوت خانہ میں سفر کرتا ہے اور آفاق کا تفرقہ نفس کے حجرے میں راہ نہیں پاتا۔ یہ خلوت اگرچہ دوسرے طریقوں کے منتہیوں کو بھی گر حاصل ہے لیکن اس طریقے میں چونکہ ابتدا ہی میں یہ بات میسر ہو جاتی ہے اس لئے یہ اس طریقے کی خصوصیت ہوگی۔

جاننا چاہئے کہ "خلوت در انجمن" ایسے انداز سے پر ہے کہ وطن کے خلوت خانے کے دروازوں کو بند کر دیا گیا ہو اور اس کے سوراخوں کو بھی مسدود کر دیا ہو یعنی انجمن کے تفرقہ میں کسی ایک چیز کی طرف بھی التفات نہ کرے، اور (باطن میں) متکلم ومخاطب نہ ہو، نہ آنکھوں کو ڈھانپے اور نہ حواس کو جان بوجھ کر معطل کرے کیونکہ یہ (باتیں) اس طریقے کے خلاف ہیں۔

اے بھائی! یہ سب حیلہ وتکلف ابتدا اور وسط کے درجوں میں ہے اور انتہا میں اس قسم کے حیلوں کا کچھ کام نہیں (لہٰذا منتہی) عین تفرقہ میں بھی (دل کی) جمعیت سے ہے اور نفس غفلت (کی انجمن) میں بھی حاضر ہے ______ اس جگہ کوئی شخص یہ گمان نہ کرے کہ مطلقاً منتہی کے حق میں تفرقہ اور عدم تفرقہ بہمہ وجوہ مساوی ہے۔ ایسا نہیں ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ تفرقہ وعدم تفرقہ اس کے باطن کے نفس جمعیت میں برابر ہیں۔ اسی طرح اگر ظاہر کو باطن کے ساتھ جمع کرلیں اور ظاہر سے بھی تفرقہ کو دفع کر دیں تو بہت ہی

بہتر اور مناسب ہے ـــــ حق سبحانہٗ وتعالیٰ اپنے حبیب علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام سے فرماتا ہے:
وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا (سورہ مزمل آیت ۸) (اپنے رب کے نام کو یاد کر اور سب سے قطع تعلق کر کے اس کی طرف متوجہ ہو جا)۔

جاننا چاہیے کہ بعض اوقات ظاہری تفرقہ سے چارہ نہیں ہوتا تاکہ مخلوق کے حقوق ادا ہو سکیں لہٰذا یہ ظاہری تفرقہ بھی بعض اوقات قابلِ ستائش اور مستحسن ہے، لیکن باطن کا تفرقہ اوقات میں سے کسی وقت بھی جائز نہیں کہ وہ خالص حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے لئے ہے ـــــ لہٰذا بندوں کے (اوقات میں) تین حصے حق تعالیٰ کے لئے مقرر ہوئے یعنی باطن سب کا سب، اور ظاہر کا ایک نصف بھی اور ظاہر کا بقیہ نصف مخلوق کے حقوق کی ادائیگی کے لئے باقی رہا۔ چونکہ ان حقوق کے ادا کرنے میں ہر وقت حق سبحانہٗ کے اوامر کی بجا آوری ہے اس لئے وہ نصف بھی حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی طرف راجع ہو گیا۔ وَإِلَيْهِ يُرْجَعُ الْأَمْرُ كُلُّهُ فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ (ہود آیت ۱۲۳) (اور تمام کاموں کا اسی کی طرف رجوع ہے پس آپ اسی کی عبادت کیجئے اور اسی پر بھروسہ رکھئے اور آپ کا رب ان سب باتوں سے بے خبر نہیں جو کچھ تم کر رہے ہو)۔

اور اس طریقہ میں جذبہ سلوک پر مقدم ہے اور سیر کی ابتدا عالمِ امر سے ہے نہ کہ عالمِ خلق سے، برخلاف اکثر دوسرے طریقوں کے (کہ ان کے سیر کی ابتدا عالمِ خلق سے ہے) ـــــ اور اس طریق میں سلوک کی منازل جذبہ کے مراتب طے ہونے کے ضمن میں قطع ہو جاتی ہیں اور عالمِ خلق کی سیر عالمِ امر کی سیر کے تحت میسر ہو جاتی ہے، لہٰذا اگر اس اعتبار سے بھی کہیں کہ اس طریق میں انتہا ابتدا میں درج ہے تو کہنے کی گنجائش رکھتا ہے، لہٰذا معلوم ہوا کہ اس طریقہ کی ابتدا ہی میں انتہا کی سیر درج ہے نہ یہ کہ انتہا سے ابتدا کی سیر کے لئے نیچے آجائیں اور نہایت کی سیر تمام کرنے کے بعد بدایت کی سیر اختیار کریں ـــــ اس (مضمون) سے اس شخص کا زعم باطل ہو گیا جو کہتا ہے کہ "اس (نقشبندیہ) طریقہ کی انتہا دوسرے تمام مشائخ کے طریقوں کی ابتدا ہے" ـــــ

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اس طریقے کے بعض مشائخ کی عبارتوں میں واقع ہے کہ ان کو اسماء وصفات کی سیر ان کی نسبت کے تمام ہونے کے بعد واقع ہوئی ہے تو یہ درست ہے کہ ان کی نہایت دوسرے طریقوں کے مشائخ کی بدایت ہو گئی کیونکہ اسماء وصفات کی سیر تجلیاتِ ذاتیہ کی سیر کی نسبت ابتدا میں سے ہے

تو ہم جواب میں کہتے ہیں کہ ان (مشائخِ نقشبندیہ) کی سیر اسماء و صفات میں تجلیاتِ ذاتیہ کی سیر کے بعد نہیں ہے بلکہ اسی سیر کے ضمن میں وہ سیر بھی واقع ہو جاتی ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ جب اسماء و صفات کی سیر بعض عوارض کے سبب سے ظہور میں آتی ہے اور تجلیاتِ ذاتیہ کی سیر پوشیدہ ہو جاتی ہے تو یہ خیال پیدا ہو جاتا ہے کہ وہ سیر (تجلیاتِ ذاتیہ) کو تمام کر کے تجلیات اسمائی و صفاتی میں داخل ہو گیا ہے، حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ ہاں ولایت کے تمام مدارج میں سیر کی تکمیل کے بعد مخلوق کو حق جل و علا کی طرف دعوت دینے کے لئے عالَم کی طرف رجوع واقع ہوتا ہے، اگر اس رجوع کو ان کی انتہا سمجھ کر اس کو اپنی ابتدا تصور کی ہو تو کچھ بعید نہیں ــــــ لیکن (فقیر) کیا کہے جبکہ اس کے مشائخ ہی اسی نہایت میں رجوع رکھتے ہیں، اور اسی طرح نہایت و ہدایت سے مراد ولایت کی ہدایت و نہایت ہے اور رجوع کی یہ سیر ولایت سے تعلق نہیں رکھتی بلکہ دعوت و تبلیغ کے مرتبہ کا ایک حصہ ہے ــــــ اور یہ طریقہ (نقشبندیہ) سب طریقوں سے قریب ترین ہے اور بیشک موصل (مقصود تک پہنچانے والا) ہے۔

حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہٗ فرماتے ہیں "طریقِ ما اقربِ طرق است" (ہمارا طریقہ (وصول الی اللہ میں) تمام طریقوں سے قریب ترین ہے)۔ اور یہ بھی فرمایا کہ "میں نے حق سبحانہٗ و تعالیٰ سے ایسے طریقے کے لئے دعا کی جو یقیناً موصل ہو۔" اور آپ کی یہ دعا قبول ہو گئی ــــــ چنانچہ رشحات میں حضرت خواجہ احرار قدس سرہ سے منقول ہے کہ یہ طریقہ مقبول اور موصل کیوں نہ ہو جبکہ انتہا اس کی ابتدا میں مندرج ہے۔ بہت ہی بدقسمت ہے وہ شخص جو اس طریقہ میں داخل ہو اور استقامت اختیار نہ کرے اور بے نصیب رہے۔

مصرع　خورشید نہ مجرم ار کسے بینا نیست　(اندھا نہ دیکھ پائے تو سورج کا کیا قصور)

ہاں اگر کوئی طالب کسی ناقص (شیخ) کے ہاتھ پڑ جائے تو اس میں طریقہ کا کیا قصور ہے اور طالب کا بھی کہاں قصور۔ کیونکہ فی الحقیقت اس طریق کا رہبر موصل ہے نہ کہ نفسِ طریق ــــــ ــــــ اور اس طریق کی ابتدا میں حلاوت و وجدان ہے اور انتہا میں بے مزگی اور فقدان (گم ہونا) جو کہ مطلوب کے حصول کی ناامیدی کے لوازمات میں سے ہے، بخلاف دوسرے طریقوں کے کہ جن کی ابتدا میں بے مزگی اور فقدان ہے اور انتہا میں حلاوت و وجدان ہے ــــــ اور اسی طرح اس طریق کی ابتدا میں قرب و شہود ہے اور انتہا میں بعد و حرمان۔ بخلاف دوسرے تمام طریقوں والے

مشائخ کرام کے۔ اس (مضمون) سے طریقوں کے فرق کو قیاس کرنا چاہیئے ـــــ اور اس طریقۂ عالیہ کی بزرگی اور برتری دریافت کرنی چاہیئے، کیونکہ قرب و شہود، حلاوت و وجدان، دوری و مہجوری کی خبر دیتے ہیں اور بُعد و حرمان، بے حلاوتی اور فقدان، نہایتِ قرب کی خبر دیتے ہیں، لہٰذا سمجھ والے ہی سمجھ سکتے ہیں۔

اس راز کی وضاحت یا شرح میں اتنا بیان کیا جاتا ہے کہ کسی شخص کے لئے اپنے نفس سے زیادہ قریب ترین کوئی چیز نہیں ہے اور نسبتِ قرب، شہود و حلاوت اور وجدان اس کے اپنے حق کے نفس میں مفقود ہے اور اپنے سے غیر کی نسبت جس سے بیگانگی رکھتا ہے اس میں یہ تمام نسبتیں موجود ہیں:۔ فَالعَاقِلُ تَکْفِیْہِ الْاِشَارَۃُ (پس عقلمند کے لئے ایک ہی اشارہ کافی ہے)۔

اور اس طریقۂ عالیہ کے اکابر نے احوال و مواجید کو احکامِ شرعیہ کے تابع کر کے اذواق و معارف کو علومِ دینیہ کا خادم بنایا ہے اور احکامِ شرعیہ کے قیمتی جواہرات کو بچوں کی طرح وجد و حال کے اخروٹ و منقی کے عوض نہیں پسند کرتے، اور صوفیہ کے کلماتِ سُکریہ پر مغرور و مفتوں نہیں ہوتے وہ احوال جو شرعی ممنوعات اور روشِ سنتوں کے خلاف اختیار کرنے سے حاصل ہوتے ہیں قبول نہیں کرتے اور نہ ہی اس کو پسند کرتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ سماع و رقص کو جائز نہیں رکھتے اور ذکرِ جہر کو بھی قبول نہیں کرتے۔ ان کا حال دوام پر ہے اور ان کا وقت استمراری ہے، وہ تجلّیٔ ذاتی جو دوسروں کے لئے برق کی مانند ہے ان کے لئے دائمی ہے، اور وہ حضوری جس کے پیچھے غیبت ہو، ان بزرگوں کے نزدیک اعتبار سے ساقط ہے بلکہ ان کا معاملہ حضور و تجلی سے بھی بلند تر ہے۔ جیسا کہ پہلے اشارہ کیا جا چکا ہے۔

حضرت خواجہ احرار قدس سرہٗ نے فرمایا ہے کہ اس سلسلۂ نقشبندیہ کے خواجگان قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم ہر زرّاق و رقاص (مکر کرنے والے اور ناچنے والے) کے ساتھ نسبت نہیں رکھتے، ان کا کام اس سے بہت بلند ہے ـــــ اور اس طریق میں پیری و مریدی، طریقے کی تعلیم و تعلّم پر موقوف ہے کلاہ و شجرہ پر موقوف نہیں جو کہ اکثر مشائخ کے سلسلوں میں رسم بن گئی ہے، یہاں تک کہ ان کے متاخرین نے پیری مریدی کو صرف کلاہ و شجرہ پر منحصر کر دیا ہے، یہی وجہ ہے کہ پیر کہلوانا پسند نہیں کرتے اور طریقت کے معلم کو مرشد کہتے ہیں، پیر نہیں جانتے، اور پیری کے آداب کی رعایت اس کے حق میں بجا نہیں لاتے، یہ بات ان کی کمال جہالت و نادانی کی وجہ سے ہے ـــــ وہ نہیں جانتے کہ ان کے مشائخ نے

پیر تعلیم و پیرِ صحبت کو بھی پیر ہی کہا ہے، اور پیر کہلوانا جائز قرار دیا ہے، بلکہ پیر اول کی حین حیات ہی میں اگر طالب اپنی ہدایت کسی دوسری جگہ دیکھے تو اس کے لئے جائز ہے کہ پیرِ اول کے انکار کے بغیر دوسرا پیر اختیار کرلے۔ حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ نے اس بات کے جائز ہونے کے بارے میں علمائے بخارا کے فتوے کو درست قرار دیا ہے —— ہاں اگر کسی پیر سے خرقۂ ارادت حاصل ہوگیا ہے تو دوسرے پیر سے خرقۂ ارادت نہ لے، اور اگر لے تو اس کو خرقۂ تبرک تصور کرے۔ اس سے یہ بات لازم نہیں آتی کہ دوسرا پیر ہرگز اختیار نہ کرے بلکہ روا ہے کہ خرقۂ ارادت ایک سے حاصل کرے اور طریقت کی تعلیم دوسرے سے اور صحبت تیسرے سے رکھے اور اگر یہ تینوں نعمتیں کسی ایک ہی (پیر) سے حاصل ہوجائیں تو زہے قسمت، اور جائز ہے کہ متعدد مشائخ کی تعلیم اور صحبت سے استفادہ کرے۔

جاننا چاہئے کہ پیر وہ ہے جو مرید کو حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی طرف رہنمائی کرے۔ اور یہ معنی تعلیم طریقت میں زیادہ ملحوظ اور واضح ہیں، کیونکہ پیرِ تعلیم شریعت کا بھی استاد ہے اور طریقت کا بھی رہنما ہے بخلاف پیرِ خرقہ کے۔ لہٰذا پیرِ تعلیم کے آداب کی رعایت کو بہت زیادہ ملحوظِ خاطر رکھنا چاہئے اور پیر بننا اور کہلانے کا زیادہ مستحق یہی ہے —— اور اس طریق میں نفسِ امارہ کے ساتھ ریاضات و مجاہدات کرنا احکامِ شرعیہ کی بجا آوری اور سنتِ سنیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کی پیروی کا التزام کرنے میں ہے۔ کیونکہ رسولوں کے بھیجنے اور کتابوں کے نازل کرنے سے مقصود نفسِ امارہ کی خواہشات کو ختم کرنا ہے جو اپنے مولا جل سلطانہٗ کی دشمنی پر قائم ہے۔ لہٰذا نفسانی خواہشوں کا دور کرنا احکامِ شرعیہ کی بجا آوری پر وابستہ ہوا، جو شخص جسقدر شریعت میں راسخ اور ثابت قدم ہوگا اسی قدر خواہشاتِ نفسانی سے دور ہوگا۔ لہٰذا نفسِ امارہ پر شریعت کے اوامر و نواہی کی بجا آوری سے زیادہ گراں کوئی چیز نہیں، اور صاحبِ شریعت کی تقلید کے علاوہ کسی چیز میں اس (نفسِ امارہ) کی خرابی متصور نہیں ہے۔

(جو لوگ) وہ ریاضات و مجاہدات جو سنت کی تقلید کے علاوہ اختیار کریں وہ قابلِ اعتبار نہیں ہیں، جیسا کہ ہندوستان کے جوگی اور برہمن، اور یونان کے فلسفی اس معاملے میں شریک ہیں، اور وہ تمام ریاضتیں ان کے حق میں گمراہی کے اضافہ کے علاوہ اور کچھ نہیں ہیں اور سوائے خسارے کے کچھ رہنمائی نہیں کرتیں —— اور اس طریق میں طالب کا سلوک اپنے شیخ پیشوا کے تصرف پر منحصر ہے اس کے تصرف کے بغیر کچھ کام نہیں چلتا، کیونکہ ابتدا میں نہایت کا درج ہونا اسی کی شریف توجہ کا اثر ہے

اور بے چونی و بے چگونی کا حصول اسی کے کمالِ تصرف کا نتیجہ ہے۔ اور بیخودی کی وہ کیفیت جس کو انھوں نے مخفی (پوشیدہ) راہ سے تعبیر کیا ہے اس کا حاصل ہونا بندی کے اختیار میں نہیں ہے اور وہ توجہ جو شش جہت سے معرا (خالی) ہے اس کا وجود طالب کے حوصلہ کے لائق نہیں ہے ؎

نقشبندیہ عجب قافلہ سالارانند
کہ برند از رہِ پنہاں بحرم قافلہ را

(نقشبندی عجیب رہبر ہیں
لے کے جائیں حرم وہ پوشیدہ)

یہ بزرگوار جس طرح نسبت کے عطا کرنے میں کامل قدرت رکھتے ہیں کہ طالبِ صادق کو بہت کم وقت میں حضور و آگاہی عطا فرما دیتے ہیں اسی طرح اس کی نسبت کے سلب کرنے میں بھی پوری قدرت رکھتے ہیں، اور ذراسی بے توجہی سے صاحبِ نسبت کو محروم کر دیتے ہیں۔ ہاں سچ ہے، جو دیتے ہیں وہ لے بھی لیتے ہیں: اَعَاذَنَا اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ مِنْ غَضَبِہٖ وَغَضَبِ اَوْلِیَاءِہِ الْکِرَامِ (اللہ سبحانہٗ اپنے غضب سے اور اپنے اولیائے کرام کے غصہ سے بچائے)۔

اس طریقۂ عالیہ میں افادہ اور استفادہ اکثر خاموشی میں ہے، اور یہ (بزرگوار) فرماتے ہیں کہ "جس کو ہمارے سکوت (خاموشی) سے نفع حاصل نہیں ہوا وہ ہمارے کلام سے کیا فائدہ اٹھائے گا" اور اس سکوت کو انھوں نے تکلف کے طور پر اختیار نہیں کیا ہے بلکہ ان کے طریق (سلسلہ) کے لوازمات میں سے ہے، کیونکہ شروع ہی سے ان بزرگوں کی توجہ احدیتِ مجردہ کی طرف ہے۔ اسم اور صفت سے سوائے ذات کے اور کچھ نہیں چاہتے۔ اور جانتے ہیں کہ اس توجہ کے مناسب اور اس مقام کے شایان سکوت اور گونگا پن ہے: مَنْ عَرَفَ اللّٰہَ کَلَّ لِسَانُہٗ[1] (جس نے اللہ تعالیٰ کو پہچان لیا اس کی زبان گنگ ہو گئی) اس بات کی مصداق ہے۔

وَاَخْتِمُ ھٰذِہِ الْمَقَالَۃَ بِحَمْدِ اللّٰہِ سُبْحَانَہٗ وَبِصَلٰوۃِ حَبِیْبِہٖ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَاٰلِہِ الطَّاھِرِیْنَ وَعَلَیْھِمْ اَجْمَعِیْنَ۔ وَالسَّلَامُ (اب ہم اس مقالہ کو اللہ سبحانہٗ کی حمد اور اس کے حبیب کی صلوٰۃ پر ختم کرتے ہیں۔ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ رب العلمین کے لئے ہیں اور سید المرسلین اور آپؐ کی پاک اولاد پر صلوٰۃ و سلام ہو) والسلام

---

[1] یہ مقولہ سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی قدس سرہٗ کا ہے۔

خواجہ محمد اشرف کابلی[1] کی طرف صادر فرمایا ——— احوال کی خرابی کے بیان میں اور دید قصور (اپنے قصور کو دیکھنا) اور اپنی حسنات کو متہم سمجھنا ولایت کے کمالات کے ساتھ اس دید قصور کا جمع ہونا ہی بلکہ یہ مشاہدہ ان کمالات ہی کا اثر ہے، اور اس کے مناسب بیان میں۔

اَللّٰهُمَّ وَفِّقْنَا لِمَرْضَاتِكَ وَثَبِّتْنَا عَلٰى طَاعَتِكَ بِحُرْمَةِ سَيِّدِ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِيْمَاتُ (بار الٰہا تو ہم کو اپنی مرضیات کی توفیق عطا فرما اور حضرت سید المرسلین و الآخرین علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کے طفیل اپنی طاعت پر ثابت قدم رکھ (آمین) ———

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ مرید صادق وہ ہے کہ بیس سال کی مدت میں بھی اس کا کاتبِ شمال (بائیں جانب کا نامۂ اعمال لکھنے والا فرشتہ) کچھ بھی نہ لکھنے پائے" ——— (لیکن) یہ فقیر پر تقصیر اپنے ذوق و وجدان سے اپنے حق میں یہ بات پاتا ہے کہ کاتبِ یمین (دائیں جانب کا نیک اعمال لکھنے والا فرشتہ) معلوم نہیں ہوتا کہ بیس سال کی مدت میں کوئی نیکی میرے اعمال میں درج کرسکا ہو ——— خداوند جل سلطانہٗ جانتا ہے کہ میں نے یہ بات تصنع و تکلف کے ساتھ نہیں کہی بلکہ ذوق کے طور پر پاتا ہے کہ "کافر فرنگ" اس سے کئی درجہ بہتر ہے۔ اور اگر اس کی وجہ دریافت کریں تو (بندہ) جواب سے عاجز نہیں ہے۔ اور نیز بطریق ذوق اپنے آپ کو خطاؤں سے گھرا ہوا جانتا ہے اور گناہوں سے بھرا ہوا سمجھتا ہے اور وہ نیکیاں جو وجود میں آجاتی ہیں تو کاتبِ شمال کو ان کے لکھنے کا زیادہ سزاوار دیکھتا ہے، اور جانتا ہے کہ اس کا کاتب شمال ہمیشہ اپنے کام میں مصروف ہے اور کاتبِ یمین معطل و بیکار ہے ——— اور دائیں طرف کے اعمال نامے کے اوراق کو خالی اور سفید دیکھتا ہے، اور بائیں طرف کے نامۂ اعمال کے اوراق کو سیاہی سے بھرا ہوا دیکھتا ہے۔ اس کی رحمت کے علاوہ کوئی امید نہیں اور سوائے مغفرت کے اور کوئی وسیلہ نہیں: اَللّٰهُمَّ مَغْفِرَتُكَ اَوْسَعُ مِنْ ذُنُوْبِيْ وَرَحْمَتُكَ اَرْجٰى عِنْدِيْ مِنْ عَمَلِيْ (یا اللہ تیری بخشش میرے گناہوں سے زیادہ وسیع ہے اور مجھے اپنے عمل کی نسبت تیری رحمت سے زیادہ امید ہے) یہ دعا اس (عاجز) کے حال کے موافق ہے۔

---

[1] مکتوبات شریف میں آپ کے نام دس مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۱۳۱ کے فٹ نوٹ میں ملاحظہ ہو۔

عجب معاملہ ہے کہ فیوض و وارداتِ الٰہی جل سلطانہٗ جو متواتر کمال و تکمیل کے درجات میں وارد ہیں وہ بھی اس دیدِ قصور (اپنے حسنات کو قصور وار دیکھنے) کی تائید کرتے ہیں اور اس عیب بینی کو تقویت دیتے ہیں، اور بجائے عُجب (خود بینی) کے منقصت (نقص و کمی) کو زیادہ کرتے ہیں، اور رفعت و تکبّر کی بجائے تواضع و فروتنی کی راہ کھولتے ہیں، اور آنِ واحد میں کمالاتِ ولایت سے بھی مشرف اور دیدِ قصور سے بھی متصف ہے، (یہ فقیر) جسقدر بلند جاتا ہے اسی قدر زیادہ نیچے اپنے آپ کو دیکھتا ہے بلکہ بلندی پر جانا (عروج حاصل کرنا) اپنے آپ کو کمتر دیکھنے کا سبب ہوا ہے۔ عقلمند لوگ اس بات کو یقین کریں یا نہ کریں۔ اگر اس بات کا راز معلوم کرلیں تو شاید یقین آجائے۔

سوال :۔ ان دونوں متنافی (متضاد) چیزوں کے جمع ہونے کا کیا راز ہے؟ اور ایک متنافی کا وجود دوسرے متنافی کے وجود کا کیسے سبب ہوسکتا ہے؟۔

جواب :۔ دونوں متنافیوں کا جمع ہونا اس شرط پر محال ہے جبکہ دونوں کا محل ایک ہو اور جس بارے میں ہم گفتگو کررہے ہیں یہ نہیں کہ اس کے محل متعدد ہیں۔ انسانِ کامل سے اوپر جانے والے اس کے عالمِ امر کے لطائف ہیں ور نیچے آنے والے عالمِ خلق کے لطائف۔ عالمِ امر کے لطائف جس قدر بلند و بالا جاتے ہیں اسی قدر عالمِ خلق سے مناسبت ختم ہوجاتی ہے۔ اور یہی بے مناسبتی عالمِ خلق کے نیچے ہونے کا سبب ہے، اور عالمِ خلق جسقدر زیادہ نیچے آتا ہے اسی قدر سالک کو بے حلاوت (بے مزہ) کردیتا ہے اور اس کے عیوب و نقائص کی دید زیادہ معلوم ہونے لگتی ہے ——

یہی وجہ ہے کہ منتہی مرجوع اس لذت و حلاوت کی آرزو کرتے ہیں جو کہ ان کو ابتدا میں میسر ہوتی تھی اور انتہا میں ہاتھ سے جاتی رہی اور اس کی جگہ بےمزگی پیدا ہوگئی۔ اور یہی وجہ ہے کہ عارف اپنے آپ سے کافر فرنگ کو بہتر جانتا ہے۔ کیونکہ کافر میں اس کے عالمِ امر اور عالمِ خلق کے اختلاط کی وجہ سے ایک نورانیت ہے، اور عارف میں یہ امتزاجی کیفیت ختم ہوگئی ہے۔ عالمِ خلق تنہا جس کے باعث عارف سے "انا" سرزد ہوتی ہے وہ جدا ہوگئی ہے جو سراسر ظلمت و کدورت سے بھری ہوئی ہے۔ اور عالم امر کے لطائف خواہ کتنے ہی نیچے آجائیں عالمِ خلق سے کوئی اختلاط نہیں رکھتے اور کچھ بھی امتزاج حاصل نہیں کرتے جیسا کہ ابتدا میں رکھتے تھے۔

وہ مکتوب جو برادرم خواجہ محمد طاہر کے بدست آپ نے ارسال کیا تھا موصول ہوا۔ رابطہ (تصورِ شیخ) کا

حاصل ہونا جو پوری مناسبت پر مبنی ہے، غَیبت (غیر حاضری) کے زمانے میں عظیم نعمتوں میں سے خیال کریں، اور جب تک موانعات دُور نہ ہو جائیں دلوں کے قُرب پر اکتفا کریں اور اس قرب کے باوجود "قربِ ابدان" (جسمانی قرب) کی خواہش کو ہاتھ سے نہ دیں، کیونکہ تمام نعمت اسی قرب سے وابستہ ہے ——— حضرت اویس قرنیؒ باوجود قربِ قلبی کے جسمانی قرب نہیں رکھتے تھے لہٰذا اس گروہ کے کمترین قرب والوں کے درجے کو نہ پہنچے، چنانچہ سونے کا پہاڑ خرچ کرنا ان کے ایک سیر جَو کے برابر نہیں ہو سکتا۔ پس صحبت کے برابر کوئی چیز نہیں ہے۔ والسلام
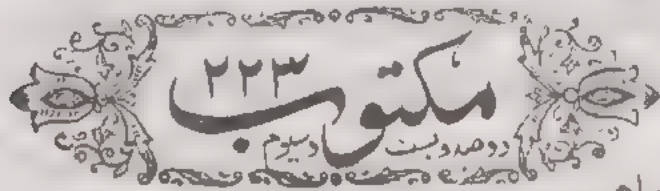
خواجہ جمال الدین حسین کولابی[1] کی طرف صادر فرمایا ——— احوال و واقعات کو اپنے شیخ بزرگوار کی خدمت میں اظہار کی ترغیب کے بیان میں۔

برادرم خواجہ جمال الدین حسین نے ایک مدت سے اپنے احوال کی کیفیات سے مطلع نہیں کیا، کیا آپ نے نہیں سُنا کہ مشائخ کُبرویہ اُس مرید کو جو تین دن تک اپنے احوال و واقعات شیخ کی خدمت میں پیش نہ کرے "کفِ پائے" (پاؤں کا تلوا، یا چپل) کہتے ہیں ——— خیر جو کچھ ہوا سو ہوا، آئندہ ایسا نہ کریں اور جو کچھ ظاہر ہوتا رہے اس کو لکھتے رہا کریں ——— مکرمی و محترمی بھائی کے مبارک قدموں کو غنیمت سمجھ کر ان کی خدمت و دلجوئی کی کوشش کریں اور ان کی قیمتی صحبت کو بہت عزیز سمجھیں۔ ع

دادیم ترا ز گنجِ مقصود نشان (پتا دیدیا گنجِ مقصود کا)

والسلام
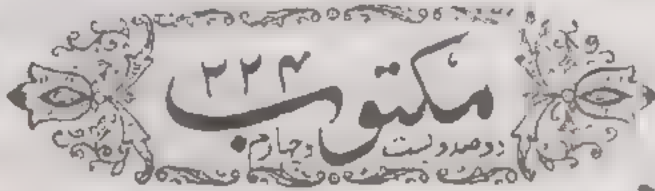
میر محمد نعمان بدخشی[2] کی طرف صادر فرمایا ——— آداب کی رعایت کے بیان میں اور آزار کے گمان کو

---

[1] خواجہ جمال الدین حسین کے نام چھ مکتوبات ہیں، دو مکتوبات میں نام کے ساتھ کولابی درج ہے ایک میں بدخشی ہے، گمان ہوتا ہے کہ یہ سب ایک ہی صاحب ہیں جو خواجہ حسام الدین کے صاحبزادے ہیں۔

[2] میر محمد نعمان کے نام ۳۳ مکتوبات ہیں، اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۱۱۹ پر درج ہے۔

دُور کرنے میں کہ جس کا وہم ظاہر کیا تھا اور احتیاط کا امر کرنے میں اور تعلیم طریقت کی تاکید کے بارے میں، اور فقر و تنگدستی کی سختی و نامرادی کو برداشت کرنے میں اور بعض نصائح و تنبیہات کے بیان میں جو ملا یار محمد قدیم کے مکتوب کی پشت پر لکھی تھیں۔

میرے سعادت مند بھائی، سیادت پناہ میر محمد نعمان کا مکتوب شریف موصول ہوا۔ اُن مقدمات کا مضمون جو آپ نے ترتیب دیا تھا اور ان شکوک کا مطلب جو آپ نے لکھا تھا واضح ہوا۔ بعض لوگ آپ کو "عقلِ زماں" (زمانے کا عقلمند) کہتے ہیں۔ اس قسم کی باتوں کو درمیان میں لانا، اس شخص کے ساتھ جس سے مفر نہ ہو، کیا مناسب ہے۔ جبکہ اس سے قطع تعلق نہیں کر سکتے اور نہ جدائی اختیار کر سکتے ہیں۔ باوجود اس کے آپ یہ خیال نہ کریں کہ اس قسم کی باتوں سے فقیر کے دل میں کسی قسم کا غبار آیا ہو جس کا نتیجہ آزار ہو سکے چہ جائے کہ ناراضگی کی نوبت پہنچے ——— آپ کی خوبیاں (ہماری) نظر میں ہیں اور آپ کی لغزشیں اعتبار سے ساقط ہیں۔ کسی طرح بھی اپنے دل کو پریشان نہ کریں اور کسی وجہ سے بھی ہماری طرف سے ناراضگی کا تصور نہ کریں کیونکہ کسی وجہ سے بھی آزار واقع نہیں ہے (یعنی ہم قطعاً ناراض نہیں ہیں) اور ناراضگی کیوں تصور کی جائے جبکہ ناراضگی کی کوئی وجہ ہی نہیں ہے۔ اور وہ امور جو بشریت کے تقاضے کی بنا پر سہو و نسیان کی وجہ سے واقع ہو جائیں وہ قابلِ مواخذہ نہیں ہیں ——— آزار (ناراضگی) کا وہم دل سے دُور کر کے طریقہ کی تعلیم اور طلبا کے افادہ میں سرگرم رہیں۔ ——— اور استخارہ کا حکم اس امر کی تاکید کے لئے ہے نہ کہ اس امر کی نفی کے لئے۔ کیونکہ جب شیطانِ لعین اور نفسِ بدترین اس مسکین کی گھات میں لگے ہوئے ہیں تو احتیاط اور تاکید کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہے، کہیں مکر و حیلہ سے سیدھی راہ سے ہٹا دیں اور اپنی فریب کاریوں اور ڈھکوسلوں سے بری باتوں کو حسنات کی صورت میں ظاہر کریں۔

اور بزرگوں نے فرمایا ہے کہ دشمنِ لعین (شیطان) جب طاعت و نصیحت کے راستہ سے (انسان میں) داخل ہوتا ہے تو اس کا دفع کرنا بہت دشوار ہو جاتا ہے، لہذا ہمیشہ التجا و زاری کرتے رہنا چاہئے، اور حق سبحانہٗ و تعالیٰ سے شکستگی و زاری کے ساتھ طلب کرنی چاہئے تاکہ اس راہ (طاعت و نصیحت) سے اس کو خرابی نہ پہنچے اور اس کا استدراج مطلوب نہ ہو۔ استقامت کا راستہ یہی ہے جو سعادتِ ابدی کی طرف رہنمائی کرے۔

دوسری (نصیحت) یہ ہے کہ اس گروہ کا جمال فقر و نامرادی میں ہے اور اس میں حضرت سید کونین علیہ وعلی آلہ الصلوات والتسلیمات کی پیروی ہے۔ حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ اپنے کمالِ کرم سے اپنے بندوں کے رزق کا خود کفیل (ذمہ دار) ہے اور ہم کو اور آپ کو اس فکر و تردد سے فارغ کر دیا ہے۔ جسقدر اشخاص زیادہ ہوں گے اسی قدر رزق بھی زیادہ ہوگا۔ آپ اپنی ہمت کو جمع کر کے حق تعالیٰ وتقدس کی مرضیات حاصل کرنے میں متوجہ رہیں اور اپنے متعلقین کے غم کو حق سبحانہ کے کرم کے حوالہ کر دیں۔ وَالْبَاقِیْ عِنْدَ التَّلَاقِیْ (باقی بوقتِ ملاقات)۔

بعض دوست جو اس طرف سے آئے ہیں انھوں نے اظہار کیا ہے کہ "میر صاحب کے دل میں ابھی تک آزار کا وہم بیٹھا ہوا ہے" اس وجہ سے تاکید اور مبالغہ کے ساتھ تحریر کیا جاتا ہے کہ "آزار کا وہم دُور کر دیں"۔

دوسری بات یہ کہ جو مکتوب ملا یار محمد قدیم کو تحریر کیا گیا تھا اور اس میں نصائح و مواعظ درج تھے، بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس مکتوب کے مضمون کو اُن کی طبیعت نے قبول نہیں کیا کیونکہ انھوں نے اس کا جواب نہیں دیا، اور دعا سلام سے بھی اپنے آپ کو معاف رکھا، ان کی طبیعت نے اس کو قبول نہیں کیا، تو کیے ——— وہ لوگ جو اس حقیر کے ساتھ نسبت رکھتے ہیں اگر ان کے غلط گمانوں اور خطاؤں کے مواد کو ان پر ظاہر نہ کروں اور حق کو باطل سے جدا نہ کروں تو اپنے فرائضِ منصبی سے کس طرح عہدہ برآ ہو سکتا ہوں اور آخرت میں کیا منہ دکھاؤں گا۔ آپ اُن سے یہ بات کہدیں ؎

من آنچہ شرطِ بلاغ است با تو می گویم	تو خواہ از سخنم پند گیر و خواہ ملال
(جو حق کہنے کا ہے کہتا ہوں تم سے	نصیحت اس سے پکڑو یا نہ پکڑو)

(ملا یار محمدؒ کو) جاننا چاہیئے کہ شیخ بننے اور حق جل وعلا کی طرف مخلوق کو دعوت دینے کا مقام بہت ہی عالی ہے۔ اَلشَّیْخُ فِیْ قَوْمِہٖ کَالنَّبِیِّ فِیْ اُمَّتِہٖ[1] (شیخ (کی حیثیت) اپنی قوم میں ایسی ہے جیسی نبی کی اپنی امت میں) آپ نے سنا ہوگا — ہر بے سر و سامان کو اس عالی مقام سے کیا نسبت ہو سکتی ہے ؎

ہر گدائے مرد میداں کے شود	پشۂ آخر سلیماں کے شود
(ہر گدا کب مرد میداں بن سکے؟	کب کوئی مچھر سلیماں بن سکے؟)

احوال و مقامات کا مفصل علم حاصل ہونا اور مشاہدات و تجلیات کی حقیقت کی معرفت اور کشوف

نصائح برائے شیخ مقتدا

[1] حاشیہ آئندہ صفحہ پر ملاحظہ ہو۔

الہامات کا حاصل ہونا اور واقعات کی تعبیرات کا ظاہر ہونا اس عالی مقام کے لوازمات میں سے ہے وَدُوْنَهَا خَرْطُ الْقَتَادِ (اس کے علاوہ کانٹوں میں ہاتھ ڈالنا ہے)۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ اکابر طریقت قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم اپنے بعض مریدوں کو مقام شیخی تک پہنچنے سے پہلے کسی مصلحت کے پیش نظر ایک طرح کی اجازت دیدیتے ہیں اور ایک لحاظ سے تجویز فرماتے ہیں کہ وہ طالبوں کو طریقت کی تعلیم دیں اور ان کے احوال و واقعات سے مطلع رہیں ——— اس طرح کی تجویز میں شیخ مقتدا پر لازم ہے کہ ان "مریدان مجاز" (اجازت یافتہ مریدوں) کو اس کام میں بڑی احتیاط سے کام کرنے کا حکم کریں اور تاکید کے ساتھ غلط مقامات کی نشان دہی کریں اور بار بار ان کے نقص کی اطلاع دیتے رہیں اور مبالغہ کے ساتھ ان کے ناقص ہونے کو ظاہر کریں ——— اس صورت میں اگر شیخ اظہارِ حق میں سستی کرے گا تو یہ خیانت ہوگی اور اگر مرید کو یہ بات پسند نہ آئے تو وہ بدنصیب ہے، کیونکہ وہ نہیں جانتا کہ حق جل وعلا کی رضامندی شیخ کی رضامندی سے وابستہ ہے اور حق تعالیٰ کا غضب شیخ کے غضب پر موقوف ہے۔ اس پر کیا مصیبت ہے کہ وہ نہیں سمجھتا کہ ہم سے قطع تعلق کرنا اس کو کہاں تک پہنچادے گا، اگر ہم سے قطع کرے گا تو اس کو کون ملادے گا۔ حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی پناہ! اگر اس قسم کے خیالات اس کے دل میں آئیں تو فوراً توبہ کرے اور استغفار کرے اور حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی درگاہ میں التجا وزاری کرے کہ وہ اس بڑی مصیبت (شیخ سے اعراض) میں اس کو مبتلا نہ کرے اور اس خطرناک بلا وآزمائش میں اس کو گرفتار نہ کرے۔

اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کا احسان ہے کہ دوستوں کی اس لاپروائی اور اضطراب سے کسی قسم کا غبار اور آزار اس (فقیر) کے دل میں داخل نہیں ہوا، اس وجہ سے امیدوار ہے کہ تمام کاموں کا انجام بخیر ہوگا ——— اور باقی احوال، وا وضاع سعادتمند بھائی مولانا محمد صالح تفصیل کے ساتھ بیان کریں گے اور بعض شبہات کے مقامات کو ان سے دریافت کرلیں ——— اور سلام ہو اس شخص پر جس نے ہدایت کا راستہ اختیار کیا اور حضرت محمد مصطفےٰ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات اتمہا واکملہا کی متابعت کو لازم جانا۔

(بقیہ حاشیہ از صفحہ گذشتہ) امام سیوطیؒ نے درر المنتثرہ میں فرمایا کہ اس کو دیلمی نے ابو رافع کی حدیث سے سند کے ساتھ بیان کیا ہے اور اس کو اپنی جامع الصغیر میں الشیخ فی اھلہ کالنبی فی امتہ کے الفاظ سے ذکر کیا ہے اور اس کی نسبت خلیلی کی طرف کی ہے اور ابن النجار نے ابو رافع سے الشیخ فی بیتہ کالنبی فی قومہ کے الفاظ سے بیان کیا ہے اور اس کو ابن حبان کی طرف ضعفا میں منسوب کیا ہے۔ اور سیوطی نے بھی اس کو ضعیف کہہ کر رد کردیا ہے لیکن اس کے معنی کو حدیث "العلماء ورثۃ الانبیاء" اور "علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل" تائید کرتی ہیں۔

ملا طاہر لاہوری[1] کی طرف صادر فرمایا ـــــ اس بیان میں کہ اس طریقۂ عالیہ کی ابتدا میں وہ احوال میسر ہو جاتے ہیں جو دوسرے (طریقے والوں) کو نہایت (آخر) میں حاصل ہوتے ہیں لیکن "اندراجِ نہایت دربدایت" کے طریق پر جو کہ اس طریقۂ عالی کے لوازمات میں سے ہے ـ ابتدا میں ایسے احوال ظاہر ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس صاحبِ احوال کو کامل اور مکمل قرار دیدیا جائے اور طریقہ سکھانے کی تعلیم کی اجازت دیدی جائے، اور اس کے مناسب بیان میں۔

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی نَبِیِّہٖ وَنُسَلِّمُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہِ الْکِرَامِ ہم اللہ تعالیٰ کی حمد کرتے ہیں اور اس کے نبی پر درود بھیجتے ہیں اور آپ پر اور آپ کی بزرگ آل پر سلام بھیجتے ہیں ـــــ آپ کے پے در پے بھیجے ہوئے گرامی نامے موصول ہوئے اور طالبوں کی گرما گرمی اور ان کا ذوق و شوق اور جمعیت کا حال معلوم ہو کر خوشی پر خوشی حاصل ہوئی ـــــ حاصل کلام یہ ہے کہ چونکہ اس طریقے کی ابتدا ہی میں اس کی انتہا درج ہے لہذا اس طریقۂ عالیہ کے مبتدیوں کو شروع میں اس قسم کے احوال ظاہر ہوتے ہیں جن پر منتہی حضرات کے احوال کا شبہ ہوتا ہے۔ اس حیثیت سے دونوں قسم کے احوال کے درمیان سوائے اس عارف کے جس کی نظرِ بصیرت تیز ہو کوئی فرق محسوس نہیں کر سکتا ـــــ پس محض اعتماد کرتے ہوئے ان احوال پر جو احوال انھوں نے حاصل کر لئے ہیں ان کو طریقہ سکھانے کی اجازت نہیں دینی چاہئے کیونکہ ایسی صورت میں اس صاحبِ احوال کا نقصان اس کے طالبوں کے نقصان سے زیادہ ہے (اور اس بات کا) احتمال ہے کہ اس کا اپنے خیال کے مطابق کامل ہونا اس کی ترقی کو روک دیگا اور بہت ممکن ہے کہ جاہ و مرتبہ جو "مقامِ ارشاد" کے لوازمات سے ہے اس کو کسی مصیبت میں گرفتار کر دے

---

[1] آپ کے نام تین مکتوبات ہیں: دفتر اول مکتوب ۲۲۵-۲۲۷-۲۵۵۔ آپ حضرت مجدد صاحبؒ کے بڑے خلفا میں سے ہیں ـ حافظِ قرآن تھے اور ظاہری علوم میں کمال حاصل تھا۔ آپ نے عجز و انکسار اور ذلت و افتقار کے ساتھ سالہا سال حضرت مجددؒ کے دیدِ دولت پر گذارے اور حضرت مجددؒ کے صاحبزادوں کی تعلیم و تدریس میں نہایت کوشش و سعی بلیغ فرماتے تھے چنانچہ مخدوم زادے فرمایا کرتے تھے ـ حضرت شیخ طاہر کے حقوق ہمارے اوپر اس قدر ہیں کہ ہم کسی طرح بھی ان کے شکریہ سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتے۔ اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے! اہلِ پنجاب آپ کو "طاہر بندگی" کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ بسنہ ۹۸۶ھ میں ولادت اور چھپن سال کی عمر میں بروز پنجشنبہ بوقت چاشت ۲۰ محرم الحرام سنہ ۱۰۴۰ھ / ۱۶۳۰ء کو وفات پائی۔ لاہور میں آپ کا مزار مرجع خلائق ہے۔

کیونکہ اس کا نفسِ امارہ ابھی تک اپنے کفر پر قائم ہے اور اس کا تزکیہ نہیں ہوا ہے۔ خیر جو کچھ ہوا سو ہوا، جس جماعت کو آپ نے اجازت دی ہے اس کو نرمی اور محبت سے سمجھائیں کہ اس طرح کی اجازت کمال پر منحصر نہیں ہے ابھی بہت کام کرنا باقی ہے۔ اس قسم کے احوال جو شروع میں ظاہر ہوتے ہیں "اندراجِ نہایت در بدایت" (ابتدا میں انتہا درج ہونے) کی قسم سے ہیں۔ اور مناسب نصیحتیں جو ان کے مناسب حال ہوں اختیار کریں اور ان کے نقائص سے ان کو مطلع کرتے رہیں ——— اب چونکہ آپ نے ان کو اجازت دیدی ہے اس لئے طریقہ کی تعلیم سے ان کو منع نہ کریں۔ ممکن ہے کہ آپ کی توجہ کی برکت سے "مقامِ ارشاد" کی حقیقت تک پہنچ جائیں ——— دوسرے یہ کہ جب آپ نے اس عظیم القدر کام کو شروع کر دیا ہے تو مبارک ہو۔ اس کام میں بڑی سعی و کوشش کریں اور سرگرم رہیں تاکہ طالبوں کی زیادہ سے زیادہ ترقی کا باعث ہو۔ والسلام

مکتوب ۲۲۶
دو صد و بست و ششم

اپنے برادرِ حقیقی میاں شیخ محمد مودود[1] کی طرف تحریر فرمایا ——— اس بیان میں کہ زندگی کی فرصت (مہلت) بہت کم ہے اور ہمیشہ کا عذاب اس پر مترتب ہے اور اس کے مناسب بیان میں۔

میرے محترم بھائی کا گرامی نامہ موصول ہو کر خوشی کا باعث ہوا۔ اے بھائی! وَفَّقَنَا اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَاِیَّاکَ (اللہ سبحانہٗ ہم کو اور تم کو (نیک اعمال کی) توفیق عطا فرمائے) زندگی کی فرصت بہت کم ہے (اگر زندگی خلافِ شریعت کاموں میں گذاری تو) اس پر ہمیشہ کا عذاب مترتب ہوگا۔ بڑے افسوس کی بات ہے کہ کوئی شخص (زندگی کی) اس فرصت کو بے فائدہ کاموں کے حصول میں خرچ کر ڈالے اور دائمی تکالیف کو اپنے اوپر لازم کرلے ——— اے بھائی! لوگ اطراف و جوانب سے اسبابِ دنیوی کو چھوڑ چھاڑ کر مور و ملخ (چیونٹی اور ٹڈی) کی طرح یہاں (سرہند) آرہے ہیں اور تم ہو کہ گھر کی دولت کی قدر نہ جان کر اس کمینی دنیا کی طلب میں بڑے مزے کے ساتھ بھاگے پھر رہے ہو اور بڑے شوق کے ساتھ اس کے حصول میں لگے ہوئے ہو۔ اَلْحَیَاءُ شُعْبَۃٌ مِّنَ الْاِیْمَانِ[2] (حیا ایمان کا

[1] آپ حضرت مجددؒ کے چھوٹے بھائی ہیں آپ کے نام دو مکتوب ہیں ایک یہی دوسرا دفتر دوم کا مکتوب ۵۱ ہے باقی حالات معلوم نہ ہو سکے۔
[2] اخرجہ الشیخان

شرخ ہے) یہ حدیث نبوی علیہ من الصلوات افضلہا ومن التسلیمات اکملہا ہے ——— اے بھائی!
اہل اللہ کا اس طریقہ پر اجتماع اور اس طرح بِلّٰہ فی اللہ (خالص اللہ کے لئے) جمعیت جو آج کل سرہند
میں میسر ہے اگر تمام جہان کے چاروں طرف چکر لگاؤ تو بھی معلوم نہیں کہ اس دولت کا عشر عشیر (سواں حصہ)
کہیں پاسکو، اور ذرا سا بھی اس ماجرے کا حال معلوم کرسکو۔ اور تم اس دولت کو مفت میں اپنے ہاتھ
سے کھو دیا ہے، اور عمدہ قسم کے جواہرات کو چھوڑ کر بچوں کی طرح اخروٹ و منقی پر کفایت کی ہے مصرعہ

شرمت بادا ہزار شرمت بادا　(شرم آئے ہزار شرم آئے)

اے برادر! شاید (قضا و قدر اس کے بعد) پھر کبھی فرصت نہ دیں، اگر دیں بھی تو اس قسم کا اجتماع
قائم نہ رہے، اس وقت کیا علاج ہوگا اور کس طرح تدارک ہوگا اور کس چیز سے اس کی تلافی کرسکو گے
تم نے خطا کی ہے اور غلط سمجھا ہے۔ مرغن اور شیریں لقموں پر فریفتہ نہ ہو جاؤ نفیس اور مزین لباسوں پر
دھوکہ نہ کھاؤ کہ ان کے نتائج دنیا و آخرت میں حسرت و ندامت کے علاوہ کچھ نہیں، اپنے اہل و
عیال کی رضامندی حاصل کرنے کے لئے اپنے آپ کو مصیبت میں ڈالنا اور آخرت کا دائمی عذاب
مول لینا عقل دوراندیش سے بہت دور ہے حق سبحانہ و تعالیٰ تم کو عقل دے اور غفلت سے متنبہ
کرے ——— اے بھائی! دنیا بے وفائی میں ضرب المثل ہے اور دنیا دار کمینگی اور بخیلی میں مشہور
ہیں بڑے افسوس کی بات ہے کہ اپنی قیمتی عمر کو اس بے وفا اور کمینی دنیا کے پیچھے صرف کرے۔
مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلَاغُ (قاصد کا کام پیغام پہنچا دینا ہے) وَالسَّلَامُ۔

مکتوب ۲۲۷
دو صد و بست و ہفتم
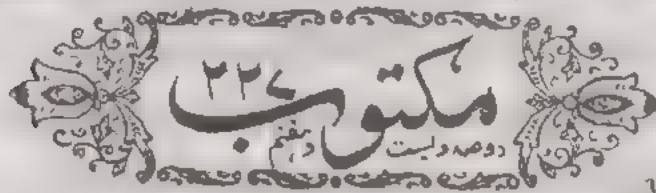
ملا طاہر لاہوری[1] کی طرف صادر فرمایا ——— بعض پند و نصائح کے بیان میں جو کہ شیخی اور
تکمیل کے مقام سے تعلق رکھتے ہیں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى (تمام تعریف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے اور اس کے
برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) ——— مکتوب شریف موصول ہو کر خوشی کا باعث ہوا۔ دوستوں کی

---
[1] آپ کے نام تین مکتوبات ہیں دفتر اول مکتوب ۲۲۵-۲۲۷-۲۵۵-اور آپ کا تذکرہ مکتوب ۲۲۵ پر گذر چکا ہے۔

لذت وحلاوت کے بارے میں جو کچھ آپ نے تحریر کیا تھا بہت زیادہ خوشی کا باعث ہوا ——

اے بھائی! حق سبحانہ وتعالیٰ نے آپ کو یہ منصب عطا فرمایا ہے لہذا اس نعمتِ عظمیٰ کا شکر پوری طرح بجالائیں اور اس بات کی احتیاط رکھیں کہ کوئی ایسا امر صادر نہ ہو جو مخلوقات کی نفرت کا باعث بنے اور وبالِ عظیم ہو (کیونکہ) مخلوق کی نفرت ملامتیہ جماعت کے حال کے مناسب ہے کہ وہ شیخی اور دعوت سے کوئی تعلق نہیں رکھتے، بلکہ ملامت کا مقام شیخی کے مقام کے خلاف ہے۔ ایسا نہ ہو کہ ان دونوں مقاموں کو (آپس میں) خلط ملط کردیں۔ اور عین شیخی میں ملامت کی آرزو کرنا بہت بڑے ظلم کی بات ہے —— اور مریدوں کی نظروں میں اپنے آپ کو "متجمل" (آراستہ و پیراستہ) رکھیں، اور مریدوں کے ساتھ بہت زیادہ شیر وشکر اور بے تکلف نہ ہوں کیونکہ یہ سُبکی اور حقارت کا باعث ہے جو کہ "افادہ واستفادہ" (فائدہ پہنچانا اور فائدہ حاصل کرنا) دونوں کے منافی ہے اور حدودِ شرعیہ کی محافظت میں بہت زیادہ احتیاط رکھیں۔ جہاں تک ممکن ہو سکے رخصت پر عمل نہ کریں کہ یہ بھی طریقۂ عالیہ کے منافی ہے اور روشن سنت کی متابعت کے دعوے کے مخالف ہے۔

ایک بزرگ نے فرمایا ہے: رِیَاءُ الْعَارِفِیْنَ خَیْرٌ مِّنْ اِخْلَاصِ الْمُرِیْدِیْنَ (عارفوں کی ریا مریدوں کے اخلاص سے بہتر ہے) —— کیونکہ عارفوں کی ریا (دکھاوا) طالبوں کے دلوں کو حق جل سلطانہٗ کی جناب میں کھینچنے کے لئے ہوتا ہے لہذا لازماً (عارفوں کی ریا) مریدوں کے اخلاص سے بہتر ہوئی۔ اور اسی طرح عارفوں کے اعمال خاص طالبوں کے لئے اعمال کی بجاآوری میں تقلید کا باعث ہیں۔ اگر عارف خود عمل نہیں کریں گے تو طالبین بھی محروم رہیں گے۔ لہذا عارف اس لئے (ریا) کرتے ہیں تاکہ طالبین ان کی اقتدا کریں۔ یہ ریا عین اخلاص ہے بلکہ اخلاص سے بھی بہتر ہے جو اپنے نفع کے لئے ہو —— اس بات سے کوئی شخص یہ گمان نہ کرلے کہ عارفوں کا عمل صرف طالبوں کی تقلید کے لئے ہے اور عارفوں کو عمل کی ضرورت نہیں ہے، عِیَاذًا بِاللّٰہِ سُبْحَانَہٗ (اللہ سبحانہٗ کی پناہ) یہ بات خود عین الحاد وزندقہ ہے، بلکہ عارف اعمال کی بجاآوری میں تمام طالبوں کے ساتھ برابر ہیں، اور اعمال کی بجاآوری میں کوئی شخص بھی مستثنیٰ نہیں ہے —— خلاصۂ کلام یہ ہے کہ بسا اوقات عارف کے اعمال میں طالبوں کا نفع بھی مدنظر ہوتا ہے جو ان کی تقلید پر مربوط ہے، اس اعتبار سے وہ اس کو ریا کا نام دیتے ہیں۔

غرض کہ اپنے قول و فعل میں بہت زیادہ محتاط رہیں کیونکہ اس زمانے میں اکثر لوگ فساد و ہنگامے کے درپے ہیں، کوئی کام بھی ایسا سرزد نہ ہو جو اس مقام کے منافی ہو اور جاہل لوگوں کو زر گو یہ طعن کرنے کا موقع ہاتھ آئے۔ اور حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ سے استقامت طلب کرتے رہیں ــــ

ــــ دوسرے یہ کہ مشائخ کی نسبتوں کے حاصل کرنے کے بارے میں آپ نے لکھا تھا، اس کی وجہ کئی مرتبہ آپ سے بالمشافہ بیان ہو چکی ہے، اس کے علاوہ اور کچھ نہ سمجھیں کہ اس میں خیریت نہیں ہے زیادہ کیا تحریر کیا جائے۔ والسلام

مکتوب ۲۲۸ دو صد و بست و ہشتم

میر محمد نعمان[۱] کی طرف صادر فرمایا ــــ بعض نصیحتوں کے بیان میں جو کہ مقام تکمیل اور تعلیم طریقت سے متعلق ہیں اور اس کے مناسب بیان میں۔

سیادت پناہ بھائی کا گرامی نامہ موصول ہو کر فرحت کا باعث ہوا ــــ اے بھائی! آپ سے کئی دفعہ کہا گیا ہے کہ اس طریق کا دار و مدار دو اصلوں پر ہے ــــ ایک[۱] یہ کہ شریعت پر اس حد تک استقامت اختیار کرنا کہ اس کے چھوٹے سے چھوٹے آداب کے ترک پر بھی راضی نہ ہوں۔ ــــ دوسرے[۲] یہ کہ شیخ طریقت کی محبت و اخلاص اس طرح راسخ و ثابت ہو جائے کہ اس (کے حکم) پر کسی قسم کے اعتراض کی ہرگز گنجائش نہ رہے، بلکہ اس (شیخ) کے تمام حرکات و سکنات مرید کی نظر میں پسندیدہ و محبوب دکھائی دیں ــــ ان دو اصلوں کے متعلق جو امور ہیں ان میں سے کسی امر میں بھی خلل واقع ہونے سے اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔ اور اگر اللہ سبحانہٗ کی عنایت سے یہ دونوں اصل درست ہو گئیں تو دنیا و آخرت کی سعادت "نقد وقت" ہے ــــ اور دوسری نصیحتیں اور وصیتیں بھی آپ کے گوش گذار کی جا چکی ہیں۔ ان کی بجا آوری میں احتیاط رکھیں اور بڑی عاجزی و زاری سے اپنی کوتاہیوں کی تلافی کرتے رہیں اور اس ذی الحجہ کے عشرہ میں "ماہ رمضان کے قضا اعتکاف" کی نیت سے اعتکاف میں بیٹھیں جو رمضان میں آپ سے قضا ہو گیا تھا تاکہ اس نیت سے سنت پر

[۱] آپ کے نام ۳۳ مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۱۹۱ پر ملاحظہ ہو۔

عمل کرنے کی سعادت حاصل ہو۔ اور اس عشرۂ اعتکاف میں گریہ وزاری، التجا و نیاز سے اپنی کوتاہیوں کی معافی طلب کریں۔ انشاء اللہ تعالیٰ فقیر بھی اس عشرہ میں (توجہ سے) تمہاری مدد کریگا۔

اجازت نامہ کی تحریر میں جو اسقدر مبالغہ اور اہتمام رکھتے ہیں اس سے آپ کا کیا مقصد ہے آپ کو طریقہ تعلیم دینے کی جو اجازت دی گئی ہے اگر وہ کافی نہیں ہے تو اجازت نامہ کیا کام دے گا۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ جو کچھ دل میں خیال آجائے اس کے لئے ضرور کوشش کی جائے۔ بہت سی ایسی باتیں دل میں گذرتی ہیں جن کا ترک کرنا انسب واولیٰ ہوتا ہے۔ نفس بڑا ضدی ہے جس کام کو بھی چاہتا ہے اس کو پورا کرنے کے درپے ہوجاتا ہے اور اس کے حق و باطل کا لحاظ نہیں کرتا ــــــ یہ چند کلمات آپ کی خاطر لکھدیئے گئے ہیں حضرت حق سبحانہ آپ کو نفع دے۔ اپنے کام کی فکر خود کرنی چاہیئے تاکہ (دنیا سے) ایمان سلامت لے جائیں ــــــ اجازت نامہ اور مرید کام نہیں آئیں گے۔ ہاں اپنے کام کے ضمن میں اگر کوئی شخص سچی طلب کے ساتھ آئے تو اس کو طریقت کی تعلیم دیدی جائے، نہ یہ کہ تعلیم طریقت کو اپنا اصل کام (پیشہ) سمجھ لیں اور اپنا معاملہ اس کے تابع کردیں کہ یہ سراسر ضرر اور خسارہ ہے۔

مکتوب ۲۲۹

دوصد وبست ونہم

میرزا حسام الدین احمد[1] کی طرف صادر فرمایا ــــــ اس بیان میں کہ ہمارا طریقہ بالکل وہی ہے جو حضرت ایشاں (خواجہ باقی باللہؒ) کا ہے اور ہماری نسبت بھی بالکل وہی ہے لیکن صناعت کا کامل ہونا اور نسبت کا تمام ہونا مختلف افکار کی آمیزش اور آراء کے پے درپے آنے پر موقوف ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) ــــــ آپ کے گرامی نامے جو آپ نے اپنے مخلص مشتاق کے نام تحریر کئے تھے پے درپے موصول ہوکر فرحت کی زیادتی اور محبت کی کثرت کا باعث ہوئے۔ جَزَاکُمُ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ عَنَّا خَیْرَ الْجَزَاءِ (اللہ سبحانہ آپ کو ہماری طرف سے بہترین جزا عطا فرمائے) ــــــ مختصر یہ کہ بعض شبہات اور تردّدات جو آپ نے لکھے تھے ان کا جواب یہ ہے کہ ہمارا طریقہ بعینہٖ ان حضرت

[1] آپ کے نام سولہ[16] مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۳۲ پر ملاحظہ ہو۔

(خواجہ باقی باللہ) قدس اللہ تعالیٰ سرہ الاقدس کا ہے اور نسبت بھی انہی کی نسبت شریفہ ہے۔ اس عالی طریق سے بڑھ کر اور کونسا طریقہ ہو سکتا ہے اور اس نسبت عالی سے بڑھ کر اور کونسی نسبت اولیٰ و انسب ہے جس کو کوئی اختیار کرے ـــــــ حاصل کلام یہ ہے کہ ہر صناعت (کاریگری) کی تکمیل اور ہر نسبت کی تتمیم (مکمل ہونا) مختلف افکار کی آمیزش اور انوار و آراء کے پے در پے وارد ہونے پر منحصر ہے۔ مثلاً علم نحو جو سیبویہ (امام علم صرف و نحو) کے زمانے میں تھا اب متاخرین کے افکار کے ملنے کی وجہ سے دو سو گنا زیادہ ہو گیا اور بہت کامل و واضح ہو گیا۔ اس کے باوجود وہی سیبویہ کی نحو ہے جس میں متاخرین کے افکار نے اس کی آراستگی و پیراستگی کے علاوہ کوئی مزید اضافہ نہیں کیا۔

شیخ علاؤ الدولہ[1] قدس سرہ کا مقولہ آپ کے مبارک کانوں تک پہنچا ہو گا کہ "جس قدر ذرائع زیادہ ہوں گے اسی قدر راستہ نزدیک تر اور روشن تر ہو گا" ـــــــ اس نسبت عالیہ پر اس قسم کی زیادتی نے جو اس کی آراستگی و پیراستگی کی وجہ سے پیدا ہو گئی ہے بہت لوگوں کو (بدگمانیوں) میں ڈال دیا ہے (ورنہ) حقیقت معاملہ صرف اتنا ہی ہے جو بے تکلف اور بے تصنع ظاہر کر دیا گیا ہے ـــــــ

ـــــــ آپ اس فقیر کے رسائل و مکتوبات کو ملاحظہ فرمائیں کہ جن میں اس طریق کو اصحابِ کرام علیہم الرضوان کا طریقہ ثابت کیا ہے اور تمام نسبتوں پر اس نسبت کی فوقیت کو مدلل بیان کیا ہے، اور اس طریق عالی اور اس کے اکابرین کی تعریف اور مدح ایسے طریقے پر کی ہے کہ اس بزرگ خانوادہ کے خلفا میں سے کسی کو بھی اس کا عشر عشیر (سواں حصہ) بیان کرنے کی توفیق نہیں ہوئی ـــــــ اور نیز یہ فقیر اپنے روزمرہ کی نشست و برخاست میں اس طریقہ کے آداب و لوازمات کی رعایت پوری طرح کرتا ہے اور سرِ مو بھی اس کی مخالفت یا انحراف کو پسند نہیں کرتا ـــــــ تعجب ہے کہ یہ تمام خوبیاں آپ کی نظر سے پوشیدہ رہیں۔ اور اگر بالفرض پریشانی کے دنوں میں بعض دوستوں سے کلمہ و کلام میں غیر مناسب باتیں واقع ہو گئی ہوں اور آپ کی نظر میں آئی ہوں تو اس سے زیادہ تعجب یہ ہے کہ آپ ایسی باتوں کا یقین کر لیتے ہیں اور صرف سننے پر آپے سے باہر ہو جاتے ہیں۔ اگر حسنِ ظن ہے تو کیا اُسی جماعت کے ساتھ مخصوص ہے شاید ہم حُسنِ ظن کے قابل نہیں ہیں ـــــــ مختصر یہ اگر صرف کہنے سننے پر ہی دارومدار ہے تو پھر چغلخور نکتہ چینوں سے کبھی نجات متصور نہیں کی جا سکتی اور ان سے اخلاص کی بھی توقع نہیں (بہتر یہ ہے کہ آپ) گفت و شنید کو ترک کر کے گزری ہوئی باتوں کو

[1] آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب اول کے صفحہ ۳۶ پر ملاحظہ ہو۔

بھول جائیں تاکہ اخلاص پیدا ہو اور پُرانی کلفت رفع ہو جائے۔

اور آپ نے لکھا تھا کہ حضراتِ پیرزادگان کی تربیت کا وقت آگیا ہے اور گزر رہا ہے لہذا حضرت ایشاں (خواجہ باقی باللہ) قدس سرہٗ کی وصیت یاد دلائی جاتی ہے ——— میرے مخدوم و مکرم! اس میں خادموں کے لئے سعادت ہے کہ مخدوم زادوں کی خدمت کو اپنے اوپر فائز کرلیں۔ لیکن اس مدت میں موانعِ معلومہ (جو رکاوٹیں معلوم ہیں) کی وجہ سے اس ظاہری خدمت سے معذور رہا اور وصیتِ عالیہ کے ظہور کے وقت کا انتظار کرتا رہا۔ اب اگر آپ سمجھتے ہیں کہ کوئی موانع (رکاوٹ) نہیں ہے اور گفت و شنید کی راہ بند ہو گئی ہے تو حکم فرمائیں کہ (فقیر) چند روز کے لئے حاضر ہو کر اس خدمت میں مشغول ہو جائے۔ اگرچہ غور سے ملاحظہ فرمائیں تو فقیر سمجھتا ہے کہ اس کام کی بجا آوری میں صرف وصیت کے بجا لانے کا حکم ہے ورنہ آپ کی ظاہری و باطنی تربیت اِن کے لئے کافی ہے کسی دوسرے کی حاجت نہیں۔

دوسرے یہ کہ برادرم مولانا عبداللطیف فرماتے تھے کہ میاں محمد قلیج[عہ] نے بڑے مخدوم زادے کی ظاہری تعلیم و تربیت اپنے ذمے لی ہے اور آپ نے بھی اس تجویز کو پسند فرمایا ہے ——— یہ بات سن کر بہت تعجب ہوا، اگر وہ اپنی نارسائی کی وجہ سے کوئی خیال کریں (تو اور بات ہے) لیکن آپ اس تجویز کو کس طرح پسند کرتے ہیں۔ مجھے اس بات کا ڈر ہے کہ کہیں محمد قلیج خاں کا یہ آزار دوسری جگہ (مخدوم زادے میں) سرایت نہ کر جائے۔

والسلام

مکتوب ۲۳۰

دو صد و سی ام
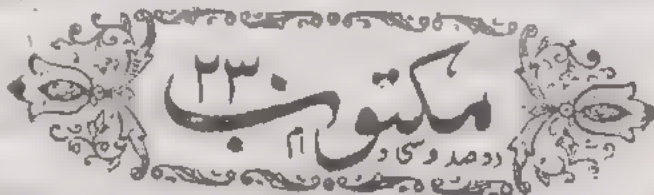
شیخ یوسف برکی[سلہ] کی طرف صادر فرمایا ——— بلند ہمتی کے بارے میں اور جو کچھ حاصل ہو جائے اس پر اکتفا نہ کرنا بلکہ جو کچھ مشہود و معلوم ہو جائے اس کی نفی کرنا اور اس معبود بے چون و بے چگون کا اثبات کرنا ہے جو دید و دانش سے ماوراء ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى (تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو ——— آپ کے احوالِ گرامی کا تھوڑا سا تذکرہ آپ کی اجازت کے مطابق

سلہ آپ کے نام چار مکتوبات ہیں دفتر اول مکتوب ۲۳۰۔ ۲۴۰۔ ۲۷۴۔ دفتر دوم مکتوب ۷۹۔ آپ شروع میں بعض مشائخ کی صحبت میں رہے اور آخر میں حضرت مجدد صاحب کی خدمت میں کئی سال گذار کر خلافت و اجازت کی سعادت سے مشرف ہوئے۔ سنہ ۱۰۳۴ھ جالندھر میں انتقال ہوا اور وہیں آپ کا مزار ہے۔ عہ آپ مخدوم زادہ کلاں کے حقیقی ماموں ہیں۔

میاں بابو نے بیان کیا اور اس کی حقیقت دریافت کی۔ اسی لئے یہ چند فقرے تحریر کیے جاتے ہیں۔

میرے مخدوم! اس قسم کے احوال ابتدائی مراتب میں اس راہِ سلوک کے مبتدیوں کو بہت پیش آتے ہیں، ان میں سے کسی کا اعتبار نہ کریں بلکہ نفی کرتے رہیں، وصل کہاں اور نہایت کدھر شعر

کَیْفَ الْوُصُوْلُ اِلیٰ سُعَادَ وَدُوْنَهَا　　　قُلَلُ الْجِبَالِ وَدُوْنَهُنَّ حُیُوْفُ

(کس طرح جاؤں درِ محبوب تک　　　درمیاں ہیں پُرخطر کوہ اور غار)

اللہ تعالیٰ کی ذات بے چون و بے چگون (بے مثل و بے کیف) ہے، اور جو کچھ دید و دانش اور شہود و مکاشفہ میں آتا ہے وہ اس کا غیر ہے، وہ سبحانہٗ و تعالیٰ وراء الورا ہے ——— اس راہ میں نادان بچوں کے مانند جوز و مویز (اخروٹ و منقیٰ) پر ہرگز فریفتہ نہ ہو جائیں اور نہایت کے وصول پر مغرور نہ ہوں۔ اور اپنے واقعات و احوال کو ناقص مشائخ کے سامنے ظاہر نہ کریں کیونکہ وہ اپنے (علم و وجدان) کے حصول کے مطابق کم کو زیادہ سمجھتے ہیں اور ابتدا کو انتہا شمار کر لیتے ہیں جس کی وجہ سے باہمت طالب اپنے کمال کے زعم میں گرفتار (پھنس) ہو جاتا ہے اور اس کی طلب کی راہ میں فتور آ جاتا ہے۔ ——— شیخِ کامل کی تلاش کرنی چاہئے اور اپنے باطنی امراض کا علاج اس سے کرانا چاہئے۔ اور جب تک شیخِ کامل تک رسائی نہ ہو اپنے احوال کو کلمہ "لا" کے تحت لا کر نفی کرنی چاہئے اور معبودِ برحق کا جو کہ بے چون و بے چگون ہے اثبات کرنا چاہئے ——— حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ "جو کچھ دیکھا، سُنا اور جانا گیا وہ سب اس کا غیر ہے اور کلا (لا الٰہ) کے کلمہ کی حقیقت سے اس کی نفی کرنی چاہئے۔" ——— اس کے علاوہ آئندہ جو کچھ بھی ظاہر ہو اس کی بھی نفی کریں کہ وہ حق تعالیٰ وراء الورا ہے۔ اور اثبات کی جانب میں ایک کلمہ مستثنیٰ (یعنی اللہ) کے کلمے کے سوا کچھ ہاتھ میں نہ ہو۔ اس طریقت کے اکابرین کا یہی طریقہ ہے —

وَالسَّلَامُ عَلیٰ مَنِ اتَّبَعَ الْهُدیٰ وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفیٰ عَلَیْهِ وَعَلیٰ اٰلِهِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ اَتَمُّهَا وَاَکْمَلُهَا (سلام ہو اس شخص پر جس نے ہدایت کی پیروی کی اور حضرت محمد مصطفیٰ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات اتمہا واکملہا کی پیروی کو اپنے اوپر لازم کیا)۔
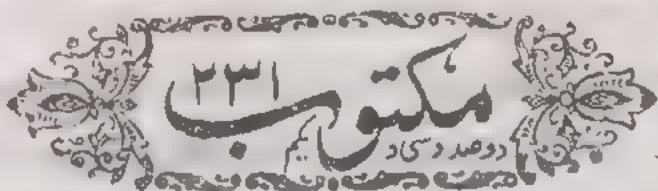
میر محمد نعمان[1] کی طرف صادر فرمایا ـــــ ان سوالات کے جواب میں جو آپ سے کئے گئے تھے، اور دریافت کیا تھا کہ حصول اور وصول کے درمیان کیا فرق ہے اور وہ اسماء جو انبیاء علیہم الصلوات و التسلیمات کے تعینات کے مبادی ہیں وہ اولیاء کے تعینات کے مبادی ہیں یا نہیں، اور اگر ہیں تو ان میں کیا فرق ہے۔ اور یہ بھی دریافت کیا تھا کہ (مشائخ نقشبندیہ) ذکر جہر سے منع کرتے ہیں کہ یہ بدعت ہے، حالانکہ اس سے ذوق و شوق پیدا ہوتا ہے اور دوسری چیزیں جو آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے میں نہ تھیں مثلاً لباسِ فرجی، شال، اور شلوار وغیرہ سے کیوں نہیں منع کرتے۔

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی نَبِیِّہٖ وَنُسَلِّمُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہِ الْکِرَامِ (ہم اللہ تعالیٰ کی حمد کرتے ہیں اور اس کے نبی پر درود بھیجتے ہیں اور آپ پر اور آپ کی بزرگ والی آل پر سلام بھیجتے ہیں) ـــ آپ کے دو[2] مکتوب شریف پے در پے موصول ہوئے۔ پہلا مکتوب شورش و اضطراب کی خبر دیتا تھا لیکن دوسرا مکتوب نرم و ہموار اور شوق و سرگرمی کی خبر دیتا تھا ـــــ اے محبت کے نشان والے! میر سعد الدین نے روانگی کے وقت (آپ کے خط کا) جواب طلب کیا۔ (فقیر کا) دماغ اس وقت غیر حاضر اور مقبوض (بند) تھا کہ اپنے ہاتھ سے خط بھی نہ لکھ سکتا تھا (چنانچہ) مولانا یار محمد جدید[3] سے لکھنے کے لئے کہا ہے۔ دماغی غیر حاضری کے وقت میں اگر کوئی نامناسب کلمہ لکھا گیا ہو تو معذور سمجھیں ـــــ آپ کو چاہئے کہ معمولی بات پر نہ بگڑ جائیں اور معاملہ کو درہم برہم نہ کر دیں۔ حق سبحانہ وتعالیٰ ایسا نہ کرے کہ کوئی دل شکنی کا سبب پیدا ہو، یا رنجش اور روگردانی کے باعث کچھ لکھا جائے۔ ہاں اگر نصیحت کے طور پر کوئی بات لکھی جائے تو اس سے خوش ہونا چاہئے۔

آپ کے دوسرے مکتوب سے بہت زیادہ خوشی حاصل ہوئی۔ چُستی و تیزی ہر کام میں درکار ہے، سُستی اور افسردگی دشمنوں کو نصیب ہو۔ آپ نے لکھا تھا کہ "حصول اور وصول کے درمیان جو فرق ہے اس کو سمجھ نہیں سکا" ـــــ اے بھائی! "حصول" باوجود دوری کے متصور ہے اور "وصول" شکل و

---

[1] آپ کے نام ۳۳ مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۱۱۹ پر گذر چکا۔ [2] آپ کے نام صرف ایک مکتوب ۱۶۰ دفتر اول میں ہے اور دو میں تذکرہ ہے۔

دشوار ہے، جیسا کہ عنقا کو ایک مخصوص صورت کے ساتھ تصور کیا جا سکتا ہے تو کہہ سکتے ہیں کہ عنقا ہماری قوتِ مدرکہ میں حاصل ہے لیکن عنقا تک پہنچنا ثابت نہیں ہے۔ کیونکہ ظلیت جو کہ کسی چیز کے مرتبۂ ثانی میں ظہور سے مراد ہے اس چیز کے حصول کے منافی نہیں ہے لیکن اس چیز کا وصول ظلیت کی تاب نہیں لا سکتا، لہٰذا ان دونوں کے درمیان فرق معلوم ہو گیا۔

اور آپ نے یہ بھی دریافت کیا تھا کہ وہ اسماء جو انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے تعینات کے مبادی ہیں، وہی اسماء اولیاء کے تعینات کے بھی مبادی ہیں یا ایسا نہیں ہے، اور اگر ہیں تو کیا فرق ہے؟ ــــ اے عزیز! انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے مبادی ان اسماء کے کلیات ہیں، اور اولیاء کے تعینات کے مبادی ان اسماء کی جزئیات ہیں جو ان کی کلیات کے تحت مندرج ہیں۔ اور ان اسماء کی جزئیات سے مراد وہی اسماء ہیں جو ان کی قیود میں سے کسی قید کے ساتھ ماخوذ ہیں۔ جیسے کہ کسی شے کے ساتھ ارادہ بے قید اور ارادہ مقید ہوتا ہے، اور چونکہ اولیاء کو انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی پیروی کی وجہ سے ترقی ہوتی ہے اس لئے وہ اس قید کو دور کر کے مطلق کے ساتھ ملحق ہو جاتے ہیں ــ اس فقیر نے اس فرق کو بعض مکاتیب میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے وہاں ملاحظہ کر لیں۔

نیز آپ نے دریافت کیا تھا کہ (اکابر نقشبندیہ) ذکرِ جہر سے منع کرتے ہیں کہ یہ بدعت ہے حالانکہ اس سے ذوق و شوق پیدا ہوتا ہے اور دوسری چیزوں سے جو کہ آنحضرت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کے زمانے میں نہیں تھیں مثلاً لباسِ فرجی، شال اور شلوار سے منع نہیں کرتے ــــــ میرے مخدوم! آنحضرت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کا عمل دو قسم کا ہے: ایک عبادت کے طریقہ پر ہے اور دوسرا عرف و عادت کے طور پر، وہ عمل جو عبادت کے طریقے پر ہے اس کے خلاف کرنا بدعتِ منکرہ جانتا ہوں اور اس کے منع کرنے میں مبالغہ کرتا ہوں کہ یہ دین میں نئی نئی باتیں پیدا کرنا ہے اور وہ مردود ہے ــــ اور وہ عمل جو عرف و عادت کے طور پر ہے اس کے خلاف کرنا بدعت منکرہ نہیں جانتا اور اس کے منع کرنے میں مبالغہ نہیں کرتا کیونکہ اس کا تعلق دین سے نہیں اور اس کا ہونا نہ ہونا عرف و عادت پر موقوف ہے نہ کہ دین و ملت پر۔ جس طرح کہ بعض شہروں کا عرف دوسرے شہروں کے عرف کے خلاف ہے، اسی طرح ایک شہر میں زمانے کے تفاوت کے اعتبار کی وجہ سے عرف میں تفاوت ظاہر ہے۔ البتہ عادی سنت کی رعایت بھی بہت سے فائدوں اور سعادتوں کا باعث ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اور آپ کو حضرت سید المرسلین علیہ وعلیہم وعلیٰ تابعی کل من الصلوات افضلہا ومن التسلیمات اکملہا کی متابعت پر ثابت قدم رکھے۔

مکتوب ۲۳۲

(عبدالرحیم) خانِ خاناںؒ کی طرف صادر فرمایا ــــ کمینی دنیا کی حقیقت اور اس کی ردّی زیبائش کی بُرائی میں اور اس کمینی دنیا کی محبت کے دُور کرنے کے علاج میں اور اس کے مناسب بیان میں۔

حضرتِ حق سبحانہٗ وتعالیٰ حضرت سید المرسلین علیہ وعلیہم وعلیٰ آلہٖ من الصلوات افضلہا ومن التسلیمات اکملہا کے طفیل ناپسندیدہ کمینی دنیا کی حقیقت اور اس کی گھٹیا زیب و زینت اور آرایش کی برائی کو آپ کی نظرِ بصیرت میں آشکارا اور منکشف کر کے آخرت کے حُسن و کمال کو جنّت کے باغات اور نہروں کی تروتازگی اور ان میں پروردگار جلّ سلطانہٗ کے دیدار کی زیادتی جلوہ گر فرمائے تاکہ اس جلد زوال پذیر کمینی دنیا سے بے رغبتی حاصل ہو کر عالمِ بقا کی طرف جو مولائے جلّ سلطانہٗ کی رضا کا مقام ہے توجہ میسر آئے ــــ جبتک اس کمینی دنیا کی بُرائی واضح نہ ہوگی اس کی گرفتاری سے خلاصی پانا محال ہے اور جب تک اس (دنیا کی) گرفتاری سے خلاصی میسر نہ ہو جائے فلاح و نجاتِ اخروی کا حاصل ہونا دشوار ہے، حُبُّ الدُّنْیَا رَأْسُ کُلِّ خَطِیْئَۃٍ[۲] (دنیا کی محبت تمام خطاؤں کی جڑ ہے) طے شدہ فیصلہ ہے ــــ اور چونکہ علاج بالضد ہوتا ہے، اس لئے کمینی دنیا کی محبت دُور کرنے کا علاج آخرت کی نعمتوں کی رغبت دلانے پر اور روشن شریعت کے احکام کے موافق اعمالِ صالحہ بجا لانے پر وابستہ ہے ــــ حضرتِ حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے دنیا کی زندگی کو پانچ[۵] بلکہ چار چیزوں پر منحصر فرمایا ہے چنانچہ ارشاد ہے: اَنَّمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا لَعِبٌ وَّلَھْوٌ وَّزِیْنَۃٌ وَّتَفَاخُرٌ بَیْنَکُمْ وَتَکَاثُرٌ فِی الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ (سورۂ حدید ۵۷ آیت ۲۰) (دنیا کی زندگی محض کھیل[۱] تماشا[۲] اور زینت[۳] اور ایک دوسرے پر فخر[۴] کرنا اور اموال[۵] اولاد میں زیادتی کرنا ہے) لہٰذا لازمی طور پر جب اعمالِ صالحہ میں مشغول ہوں گے تو اس کا جزوِ اعظم جو لہو و لعب (کھیل اور تماشا) ہے کم ہوتا جائے گا اور ریشمی لباس اور سونے چاندی کے استعمال سے جن پر عمدہ اور اعلیٰ درجہ کی زینت کا مدار ہے پرہیز کرنے لگتا ہے اور اس کا دوسرا جزو جو زینت ہے زوال پذیر ہو جاتا ہے ــــ ــــ اور جب یقین ہو جائے کہ خدائے عزّ وجلّ کے نزدیک فضیلت و کرامت پرہیزگاری اور تقویٰ پر

---

[۱] آپ کے نام ۱۲ مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۲۳ پر گذر چکا ہے [۲] رزین اور بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا مشکوٰۃ

موقوف ہے نہ کہ حسب و نسب پر تو وہ فخر سے باز رہتا ہے۔ اور جب وہ جانتا ہے کہ اموال و اولاد (کی بیجا محبت) حق سبحانہ وتعالیٰ کے ذکر سے مانع ہیں اور اس کی پاک و بلند بارگاہ سے روکنے والے ہیں تو مجبوراً ان کے حصول کی زیادتی میں کمی کر دیتا ہے بلکہ ان کی زیادتی کو معیوب شمار کرتا ہے، غرض مَا اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰکُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا (حشر آیت ۵۹) (جو کچھ رسول تمہارے پاس لایا اس کو پکڑ لو اور جس سے منع کرے رک جاؤ) کَیْلَا یَضُرُّکُمْ شَیْئٌ (تاکہ کوئی چیز تم کو ضرر نہ پہنچائے) بیت

دادیم ترا ز گنج مقصود نشاں گر ما نہ رسیدیم تو شاید برسی

باقی مقصود یہ ہے کہ میاں شیخ عبدالمومن بزرگ زادہ ہیں، تحصیلِ علوم کی تکمیل کے بعد صوفیہ کے سلوک میں مشغول ہیں اور راہِ سلوک میں عجیب احوال کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ بشری ضرورت جو اہل و عیال کی وجہ سے پیدا ہو گئی ہے ان کو بے اختیار و مضطرب کر رہی ہے۔ یہ فقیر اس بے چینی اور پریشانی کو دور کرنے کے لئے آپ کی جناب میں اُن کی رہنمائی کرتا ہے۔ مَنْ دَقَّ بَابَ الْکَرِیْمِ یَفْتَحُ (جس نے کریم کا دروازہ کھٹکھٹایا وہ دروازہ کھول لیتا ہے۔) وَالسَّلَامُ۔

مکتوب ۲۳۳
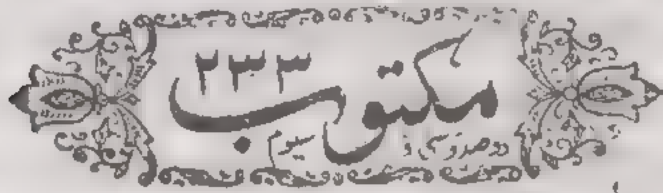
عالی جناب شیخ فریدؒ کی طرف بعض عمدہ نصیحتوں کے بارے میں تحریر فرمایا۔

ثَبَّتَنَا اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَاِیَّاکُمْ عَلٰی جَادَّةِ جَدِّکُمْ الْاَمْجَدِ عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ مِنَ الصَّلَوَاتِ اَفْضَلُهَا وَمِنَ التَّسْلِیْمَاتِ اَکْمَلُهَا (اللہ تعالیٰ ہم کو اور آپ کو آپ کے جدِ بزرگوار علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ من الصلوات افضلہا ومن التسلیمات اکملہا کے لائے ہوئے طریقہ پر ثابت قدم رکھے) ——— حضرت خواجہ جیو (باقی باللہ) قدس سرہ کے عرس کے زمانے میں دہلی پہنچ کر یہ خیال تھا کہ آپ کی عالی خدمت میں بھی حاضر ہوں کہ اسی اثنا میں روانگی کی خبر پھیل گئی۔ مجبوراً توقف کر کے چند نامربوط کلموں سے آپ کو تکلیف دے رہا ہوں ——— (فقیر) خواہ حضور (روبرو) ہو یا غیبت (غائبانہ حالت) میں ہو آپ کی سلامتی کے لئے پوری توجہ کے ساتھ دعا گو ہے کہ (اللہ تعالیٰ) آپ کو ہر نامناسب اور ناشائستہ امور سے سلامت رکھے۔ اور بعض مرتبہ آپ کی خیر اندیشی کا غلبہ اس بات پر مجبور کرتا ہے کہ (فقیر بھی) آپ جیسی جسارت اختیار کر کے آپ کو

تاکید اور مبالغہ کے ساتھ ان باتوں سے منع کرے جو آپ کے شایانِ شان نہ ہوں، اور نااہلوں کو بھی (آپ کی) مجلسِ شریف میں نہ رہنے دے۔ لیکن (فقیر) یہ بھی جانتا ہے کہ ان تمام آرزوؤں کا میسر ہونا ممکن نہیں ہے، مجبوراً آپ کے لئے غائبانہ دعا سے اپنی زبان کو تر کرتا ہوں شاید کہ یہ دعا قبول ہو جائے۔

حضرت خواجہ احرار قدس سرہٗ اپنی بزرگی اور بڑائی کی نسبت فرمایا کرتے تھے کہ اگرچہ یہ بات کفر ہے کہ کوئی شخص اتنا بڑا ہو جائے کہ اگر وہ برہم ہو جائے تو تمام عالم برہم ہو جائے لیکن کیا کیا جائے کہ (اللہ تعالیٰ نے) ہم کو ہمارے چاہنے کے بغیر بڑا بنا دیا ہے ——— آج اس قسم کی بزرگی اور بڑائی ممکن ہے کہ آپ کی جناب کے بارے میں صادق آئے کیونکہ آپ کی خوشحالی مخلوق کی خوشحالی ہے اور اس کے برعکس بھی۔ یہی وجہ ہے کہ لوگوں کی طرف سے آپ کے لئے دعائے خیر بارش کی طرح برس رہی ہے اور عام خلائق کے لئے مفید ہے، لہٰذا اس شخص پر افسوس ہے جو اس بزرگی اور بڑائی کے باوجود (آپ پر) دانۂ خشخاش کے برابر انگشت نمائی کرے، اور یہ خشخاش کا دانہ دوستوں اور خیر خواہوں کے دلوں پر بارِ عظیم (بہت بڑا بوجھ) ہے۔ مہربانی فرما کر ان کے دلوں کو اس بوجھ سے ہلکا کر دیں ——— کافی عرصہ سے اس خیر اندیش نے اس بارے میں کوئی ایک لفظ بھی تحریر نہیں کیا کہ کہیں تکرار و مبالغہ آپ کی طبیعت پر گرانی کا سبب نہ بن جائے ؎

یار نازک بدن از بادِ ہوا می رنجد   ہمچو گل برگ ز آسیبِ صبا می رنجد
(نازک بدن کو بوجھ ہوا کا بھی ہے گراں   ہر پنکھڑی کو بوجھ صبا کا بھی ہے گراں)

لیکن دوستی (کے حق) سے یہ بات بعید معلوم ہوتی ہے کہ آپ کی گرانیٔ خاطر کا لحاظ کر کے خاموشی اختیار کر لی جائے ؎

حافظ وظیفۂ تو دعا گفتن است و بس   در بندِ آں مباش کہ نشنید یا شنید
(حافظ ہمیشہ لوگوں کو دعا دیا کرو   پروا نہیں کہ کوئی وہ سنتا ہے یا نہیں)

کچھ مدت سے حرمین شریفین حَرَسَهُمَا اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ عَنِ الْآفَاتِ (اللہ تعالیٰ ان دونوں کو آفات سے محفوظ رکھے) کی زیارت[1] کا ارادہ پیدا ہو گیا ہے اور اس سفر (یعنی دہلی آنے) کا باعث بھی یہی شوق ہے۔ اور چونکہ یہ ارادہ آپ کے صلاح و مشورے اور رضامندی پر وابستہ تھا لیکن (قافلہ کی) روانگی کی خبر نے اس ارادہ کو التوا میں ڈال دیا۔ اَلْخَيْرُ فِيْمَا صَنَعَ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ (بہتری اسی میں ہے جو اللہ سبحانہٗ کرے)۔

والسّلام

[1] یعنی حج کے ارادہ سے نکلنا یہ دوسری مرتبہ ہوا جو پورا نہ ہو سکا۔

حقائق آگاہ بمعارف دستگاہ، عالم ربانی عارف سبحانی مخدوم زادۂ کلاں اعنی شیخ محمد صادقؒ[1] سَلَّمَہُ اللہُ سُبْحَانَہٗ وَاَبْقَاہُ وَاَوْصَلَہٗ اِلٰی غَایَۃِ مَا یَتَمَنَّاہُ[ع] کی طرف صادر فرمایا ——— اس بیان میں کہ واجب الوجود تعالیٰ کی حقیقت "وجودِ محض" ہے، جو ہر خیر و کمال کا منشا ہے اور ممکنات کے حقائق عدمات ہیں جو ہر شر و فساد کے مبادی ہیں، اور مَنْ عَرَفَ نَفْسَہٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّہٗ کے معنی، اور تجلّیٔ ذاتی کے بیان میں جو تمام نسبتوں اور اعتبارات سے بڑھ چڑھ کر ہے اور آیۂ کریمہ اَللہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کے تاویلی معنوں اور اس کے مناسب بیان میں مع سوالات و جوابات کے جو اس مقام کی توضیح سے متعلق ہیں اور مع تنبیہات کے جو اس کی تلخیص کے لائق ہیں۔

بِسْمِ اللہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ خدائے بیچون (بے مثال) کی حمد اور رہنما پیغمبر پر درود و سلام کے بعد میرے عزیز فرزند کو معلوم ہو کہ حق سبحانہ کی حقیقت وجود صرف (وجودِ محض) ہے کہ کوئی دوسرا امر اس کے ساتھ انضمام (ملا ہوا) نہیں ہے اور وہ وجود تعالیٰ ہر خیر و کمال کا منشا (پیدا ہونے کی جگہ) اور ہر حُسن و جمال کا مبدأ (ابتدا ہونے کی جگہ) ہے، اور وہ (وجود) جزو حقیقی اور ایسا بسیط ہے کہ اس کی ترکیب (ساخت) کو ذہنی اور خارجی طور پر ہرگز راہ نہیں ہے اور حقیقت کے اعتبار سے اس کا تصور دائرۂ امکان سے باہر ہے (یعنی تصور میں آنا محال ہے) اور وجود تعالیٰ ذات تعالیٰ پر ازروئے مواطات (یعنی محمول کا حمل موضوع پر بلا واسطہ ہے، دونوں میں اتحادِ محض کی بنا پر) محمول ہے، نہ کہ اشتقاق کے اعتبار سے (کیونکہ تغایر نہیں ہے اور حمل اشتقاق میں تغایر کا ہونا ضروری ہے) اگرچہ حمل کی نسبت کو بھی حقیقتاً اس مقام میں کوئی گنجائش نہیں ہے کیونکہ اُس جگہ تمام نسبتیں اعتبار سے ساقط ہیں ———

اور وہ وجود جو عام اور مشترک ہے وہ اس وجود خاص تعالیٰ و تقدس کے ظلال میں سے ایک ظل ہے اور یہ ظل ذات تعالیٰ و تقدس پر محمول ہے۔ اور وہ اشیاء پر تشکیک (واسطے کے طور پر) ازروئے اشتقاق نہ کہ ازروئے مواطات ——— اور اس ظل سے مراد حضرت وجود تعالیٰ کا تنزلات کے مرتبوں میں ظہور ہے۔ اور اس ظل کے افراد میں سے اولیٰ اقدم اور اشرف وہ فرد ہے جو

[ع] (اللہ سبحانہ ان کو سلامت رکھے اور ان کی عمر دراز فرمائے اور اس انتہائی درجے تک پہنچائے جس کے وہ خواہشمند ہیں)

[1] آپ کے نام پانچ مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۱۸۱ پر گذر چکا ہے۔

ذات تعالیٰ و تقدس پر اشتقاقاً محمول ہو۔ لہٰذا اصالت کے مرتبہ میں "اَللّٰہُ تَعَالیٰ وُجُوْدٌ" (حملِ مواطات کے طور پر) تو کہہ سکتے ہیں، "اَللّٰہُ تَعَالیٰ مَوْجُوْدٌ" (حملِ اشتقاق کے طور پر) نہیں کہہ سکتے۔ اور اس ظل کے مرتبہ میں "اللہ تعالیٰ مَوْجُوْدٌ" کہنا صحیح ہے نہ کہ "اَللّٰہُ تَعَالیٰ وُجُوْدٌ" ــــــــ اور چونکہ حکما اور صوفیہ کا ایک گروہ وجود کی عینیت کے قائل ہو گئے ہیں، اور اس فرق کی حقیقت پر مطلع نہیں ہوئے، اور ظل کو اصل سے جدا نہ کرتے ہوئے انھوں نے حملِ اشتقاق اور حملِ مواطات دونوں کا ایک ہی مرتبہ میں اثبات کیا ہے، اور حملِ اشتقاق کے درست کرنے میں بیجا تکلف اور حیلے کے محتاج ہوئے ہیں اور حق وہی ہے جو میں نے اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کے الہام سے تحقیق کیا ہے۔

اور یہ اصالت و ظلیت تمام صفاتِ حقیقیہ کی اصالت و ظلیت کے مانند ہے کیونکہ مرتبۂ اصالت میں جو اجمال اور غیب الغیب کا مقام ہے ان صفات کا حمل کرنا جو مواطات کے طریقے پر ہے نہ کہ اشتقاق کے طریقے پر، کہہ سکتے ہیں "اللہ تعالیٰ عِلْمٌ" ہے، اور یہ نہیں کہہ سکتے کہ "اللہ تعالیٰ عَالِمٌ" ہے، کیونکہ حملِ اشتقاق میں مغائرت کے بغیر چارہ نہیں ہے اگرچہ وہ مغائرت اعتباری ہو (نہ کہ حقیقی)۔ اور وہ مغائرت اس مرتبہ میں بالکل مفقود ہے کیونکہ مغائرت ظلیت کے مرتبوں میں ہوتی ہے اور اس جگہ کوئی ظلیت نہیں ہے، چونکہ وہ تعینِ اول سے کئی درجے بالاتر ہے اس وجہ سے کہ نسبتیں اس تعین میں اجمال کے طریقے پر ملحوظ ہیں، اور اس مقام میں اشیاء میں سے کسی شے کا کسی طرح کا بھی ملاحظہ نہیں ہے۔ اور ظل کے مرتبہ میں کہ جو اس اجمال کی تفصیل ہے حملِ اشتقاق صادق ہے نہ کہ حملِ مواطات۔ لیکن ان صفات کی عینیت اس مرتبہ میں وجود (تعالیٰ) کی عینیت کی فرع (شاخ) ہے جو ہر خیر و کمال کا مبدأ ہے اور ہر حُسن و جمال کا منشا (نشو و نما کی جگہ) ہے۔

اس فقیر نے اپنی کتب و رسائل میں جس وجود کی عینیت کی نفی کی ہے اس سے مراد وجودِ ظلی سمجھنا چاہیے جو حملِ اشتقاق کا درست کرنے والا ہے اور یہ وجودِ ظلی بھی آثارِ خارجیہ کا مبدأ ہے، پس وہ ماہیتیں جو اس ظل سے متصف ہو گئیں وہ ہر مرتبہ میں موجوداتِ خارجیہ کے مراتب میں ہوں گی۔ پس تو سمجھ لے کیونکہ یہ تجھے بہت سے مواقع پر نفع دیگا ــــــــ پس صفاتِ حقیقیہ بھی موجوداتِ خارجیہ ہوں گی اور ممکنات بھی خارج میں موجود ہوں گی ــــ اس کو یاد رکھ۔

اے فرزند! ایک مخفی راز سنو! کہ کمالاتِ ذاتیہ حضرتِ ذات تعالیٰ و تقدس کے مرتبہ میں حضرتِ ذات کا عین ہیں۔ مثلاً صفتِ علم اس مقام میں حضرتِ ذات تعالیٰ کا عین ہے، اور قدرت و ارادت اور باقی صفات کا بھی یہی حال ہے، اور نیز اس مقام میں حضرتِ ذات بتمامہ علم ہے، اور اسی طرح بتمامہ قدرت ہے، نہ یہ کہ حضرتِ ذات کا بعض علم ہے اور بعض قدرت کیونکہ وہاں بعض ہونا اور جزو بننا محال ہے۔ اور ان کمالات نے جو گویا حضرت ذات تعالیٰ سے منتزع (علیحدہ) ہیں حضرتِ علم کے مرتبہ میں تفصیل پائی ہے اور تمیز پیدا کر لی ہے۔ اور حضرت ذات تعالیٰ و تقدس اپنی وحدانیت کی اسی اجمالی صرافت پر باقی ہے۔ اس کے بعد کوئی چیز اس میں باقی نہیں رہی جو اس تفصیل میں داخل نہ ہوئی ہو اور متمیز نہ کی گئی ہو، بلکہ وہ تمام کمالات جو حضرت ذات تعالیٰ کے عین ہیں مرتبۂ علم میں آ گئے ہیں۔ اور ان تفصیلی کمالات نے دوسرے مرتبہ میں وجودِ ظلی پیدا کر کے صفات کا نام حاصل کر لیا ہے اور حضرتِ ذات کے ساتھ جو ان تمام کی اصل ہے قیام پیدا کر لیا ہے ——— اور اعیانِ ثابتہ سے صاحبِ فصوص علیہ الرحمہ کی مراد یہی کمالاتِ مفصلہ ہیں جنہوں نے علم کے خانے میں وجودِ علمی حاصل کیا ہے۔ اور فقیر کے نزدیک ممکنات کے حقایق عدمات ہیں جو کہ ہر شر و نقص کا مبدأ و محل ہیں ان کمالات کے ساتھ ان میں منعکس ہو گئے ہیں۔ ——— یہ بات تفصیل طلب ہے گوشِ ہوش سے سننا چاہئے۔

جان لے! اللہ تعالیٰ تجھ کو ہدایت دے کہ عدم وجود کے مقابل ہے اور اس کی نقیض (ضد) ہے پس عدم بالذات ہر شر و نقص کے پیدا ہونے کی جگہ ہے بلکہ وہ ہر شر و فساد کا عین ہے جس طرح کہ وجود اجمال کے مرتبہ میں ہر خیر و کمال کا عین ہے ۔ اور جس طرح حضرت وجود اصل الاصل کے مقام میں ذات تعالیٰ پر اشتقاق کے طریق پر محمول نہیں ہے اسی طرح عدم بھی جو اس وجود کے مقابل ہے ماہیتِ عدمیہ پر اشتقاق کے طریق پر محمول نہیں ہے، اس مرتبہ میں اس ماہیت کو معدوم نہیں کہہ سکتے بلکہ وہ عدمِ محض ہے، اور تفصیلِ علمی کے مرتبوں میں کہ جو اس ماہیتِ عدمیہ سے تعلق قائم کئے ہوئے ہیں اس ماہیت کی جزئیات عدم کے ساتھ متصف ہو گئی ہیں اور حملِ اشتقاق وہاں درست ہوتا ہے۔ اور عدم کا مفہوم جو کہ گویا اس اجمالِ عدمیہ کی ماہیت سے منتزع (علیحدہ) ہے اور اس کے ظل کی مانند ہے اس ماہیتِ عدمیہ کے تمام مفصلہ افراد پر اشتقاق کے طریقے پر جزئیات میں

محمول ہوتا ہے جیسا کہ آگے بیان ہوگا ——— اور چونکہ وہ عدم جو اجمال کے مرتبہ میں ہر شر و فساد کا عین تھا اور اللہ تعالیٰ سبحانہٗ کے علم میں ہر شر دوسرے شر سے جدا ہوگیا تھا اور ہر فساد دوسرے فساد سے ممتاز ہوگیا، اور جس طرح وجود کی جانب اجمال کے مرتبہ میں حضرتِ وجود ہر خیر و کمال کا عین تھا اور تفصیلِ علمی کے مرتبہ میں ہر کمال دوسرے کمال سے ممتاز ہوکر ہر خیر دوسرے خیر سے جدا ہوگیا۔ اسی طرح کمالاتِ وجودیہ میں سے ہر کمال اور نقائصِ عدمیہ میں سے ہر نقص جو اس کے مقابل ہے علم کے خانے میں منعکس ہوگیا ہے اور ایک دوسرے کی علمی صورتیں بن کر مل جل گئی ہیں۔ ——— اور وہ عدمات جن سے مراد شرور و نقائص ہیں وہ ان کمالاتِ منعکسہ کے ساتھ جنھوں نے حضرتِ علم کے مرتبہ میں تفصیلِ علمی پائی ہے ممکنات کی ماہیتیں ہیں۔ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ وہ عدمات ان ماہیتوں کے اصول اور مواد کی طرح ہیں اور وہ کمالات ان میں حلول کی ہوئی صورتوں کی مانند ہیں۔

——— پس اعیانِ ثابتہ سے اس حقیر کے نزدیک یہی عدمات اور کمالات مراد ہیں جو ایک دوسرے سے باہم مل جل گئے ہیں، اور یہ . . . . . ان ماہیاتِ عدمیہ مع ان تمام لوازمات اور ظلالِ وجودیہ کے کمالات کے جو حضرتِ علم میں منعکس ہوگئے ہیں اور ممکنات ماہیہ کا نام پالیا ہے، قادرِ مختار جل سلطانہٗ نے جب چاہا ان کو وجودِ ظلی کے رنگ میں رنگین کرکے موجوداتِ خارجیہ بنا دیا اور آثارِ خارجیہ کا مبدا کردیا۔

جاننا چاہیے کہ صورِ علمیہ جس سے مراد ممکنات کے اعیانِ ثابتہ اور ان کی ماہیت ہیں، ان کو رنگین کرنا اس معنی میں نہیں ہے کہ صورِ علمیہ نے خانۂ علم سے نکل کر وجودِ خارجی پیدا کرلیا ہے کیونکہ یہ محال ہے اور جہل کو مستلزم ہے تَعَالَى اللّٰهُ عَنْ ذٰلِكَ عُلُوًّا كَبِيْرًا (اللہ تعالیٰ اس سے بہت زیادہ بلند ہے) ——— بلکہ اس معنی میں ہے کہ ممکنات نے خارج میں صورِ علمیہ کے مطابق ایک وجود پیدا کرلیا ہے اور وجودِ علمی کے علاوہ اس وجودِ علمی کے موافق وجودِ خارجی حاصل کرلیا ہے، جیسے نجار (بڑھئی) تخت کی صورت کو ذہن میں تصور کرکے خارج میں اس کا اختراع کرتا ہے، اس صورت میں تخت کی وہ ذہنی تصویر جو حقیقت میں اس تخت کی ماہیت ہے اس نجار کے خانۂ علم سے باہر نہیں نکلی ہے بلکہ خارج میں اس تخت نے اس صورتِ ذہنیہ کے مطابق وجود پیدا کرلیا ہے۔ پس سمجھ لو۔

جاننا چاہئے کہ ہر عدم جو کمالاتِ وجودیہ کے ظلال میں سے ایک ظل ہے جو اس کے مقابل ہے اور حسن نے منعکس کے ساتھ رنگین ہو کر خارج میں ایک زینت پیدا کر لی ہے بخلاف عدمِ صرف کے کہ وہ ان ظلال سے متاثر نہیں ہوا اور نہ ان کے رنگ میں رنگا گیا، وہ کس طرح یہ رنگ پکڑ سکتا ہے جبکہ وہ ان ظلال کے مقابل میں ہے ہی نہیں، اگر وہ مقابلہ (حضوری) رکھتا ہے تو حضرتِ وجودِ صرف تعالیٰ و تقدس کے ساتھ رکھتا ہے ——— پس عارف تام المعرفت (کامل معرفت والا) جب حضرتِ وجود کی حضوری میں ترقی کر کے عدمِ صرف کے مقام میں نزول کرتا ہے تو اس کے توسل سے یہ عدم بھی اس حضرت (وجود صرف) کے ساتھ ایک طرح کا رنگ پیدا کر کے مزین اور مستحسن ہو جاتا ہے۔ اس وقت وہ عارف جو فی الحقیقت مراتبِ ذاتیہ کا جامع ہے اور اس وقت میں تمام اعدام کے مراتب کا جمع کرنے والا بھی اس نے تفصیلی اور اجمالی حُسن و خیریت پیدا کر لی ہے اور اس کو کمال و جمال حاصل ہو گیا ہے۔ اور یہ خیریت جو تمام ذات کے مراتب میں سرایت کئے ہوئے ہے اسی قسم کے عارف کے ساتھ مخصوص ہے۔ اگر غیر عارف میں بھی یہ خیریت سرایت کئے ہوئے ہے یا اس میں قصور ہے تو اس کے اعدامِ ذاتیہ کے بعض تفصیلی مراتب میں یا اس کے تمام تفصیلی مراتب میں درجات کے تفاوت سے جاری ہے۔ اور یہ آخری قسم بھی نادر الوجود ہے۔ لیکن عدم کے اجمال کے مرتبہ میں جو ہر شر و نقص کا عین ہے اس عارف کے علاوہ کسی نے بھی اس کی خیریت کی خوشبو نہیں پائی، اور نہ ہی حُسن کا رنگ پیدا کیا ——— لہذا ایسا عارف جو خیر تام سے متصف ہو چکا ہے اس کا شیطان بھی حسنِ اسلام پیدا کر لیتا ہے اور اس کا نفسِ امارہ بھی مطمئنہ ہو کر اپنے مولیٰ سے راضی ہو جاتا ہے ——— یہی وہ مقام ہے جبکہ سید المرسلین علیہ و علیہم الصلوات والتسلیمات نے فرمایا اَسْلَمَ شَیْطَانِیْ[1] (میرا شیطان مسلمان ہو گیا ہے)۔ لہذا کوئی غازی جنگ میں اس پر سبقت نہیں کرتا اور شیطان جیسے کو بھی خیر کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

سبحان اللہ! وہ معارف جو اس فقیر سے بے ارادہ ظہور میں آئے ہیں اگر اکثر لوگ جمع ہو کر ان جیسے پیش کرنے کی کوشش کریں تو معلوم نہیں کہ میسر ہو سکے، تحقیق کہ ان معارف کا بہت سا حصہ حضرت مہدی موعود علیہ الرضوان کو حاصل ہوگا۔

---

[1] اس کو مسلم نے حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے روایت کیا (مشکوٰۃ)

اگر بادشہ بر درِ پیر زن　　بیاید تو اے خواجہ سبلت مکن
(اگر بادشہ آئے بڑھیا کے گھر　　تو اے خواجہ ہرگز تعجب نہ کر)

فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (پس کیا ہی بابرکت ہے وہ اللہ تعالیٰ جو بہتر پیدا کرنے والا ہے اور اللہ تعالیٰ کی حمد ہے جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے) ——— لہذا ممکنات کے ذوات عدمات ہیں کہ جن میں وجودی کمالات کے ظلال نے منعکس ہو کر ان کو مزین کر دیا ہے پس لازمی طور پر ممکنات بالذات ہر شر و فساد کے محل ہیں اور ہر برائی و نقص کی جائے پناہ، اور ہر خیر و کمال جو ان میں تعبیر اور پوشیدہ ہے وہ حضرتِ وجود سے عاریت (مستعار) ہے کہ وہ خیرِ محض ہے جو حضرتِ وجود کی وجہ سے فائض ہوا ہے۔ آیۂ کریمہ مَاۤ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ وَمَاۤ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ (نساء آیۃ ۷۹) (جو بھی بھلائی تجھے پہنچتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے اور جو بھی برائی تجھے پہنچتی ہے وہ تیرے نفس کی طرف سے ہے) اس مضمون کی خبر دیتی ہے۔

اور جب اللہ جل سلطانہ، کے فضل سے یہ "دیدِ عاریت" (مشاہدۂ مستعار) غلبہ پالیتی ہے اور اپنے کمالات کو یہ تمام و کمال اس (حق تعالیٰ) کی طرف سے دیکھتا ہے تو خود کو "شرِ محض" پاتا ہے اور "نقصِ خالص" جانتا ہے، اور کوئی کمال اپنے اندر مشاہدہ نہیں کرتا اگرچہ وہ انعکاس کے طور پر ہی کیوں نہ ہو۔ اس شخص کے مانند ہے جو ننگا ہو لیکن اس نے عاریت کا (مانگا ہوا) لباس پہنا ہوا ہو۔ اور یہ "دیدِ عاریت" اُس پر اس طرح غلبہ حاصل کر لے کہ وہ اپنے خیال میں اپنا سارا لباس اُس مالک کا سمجھے تو یقیناً وہ شخص اپنے آپ کو پورے ذوق کے ساتھ ننگا سمجھے گا، اگرچہ اس نے "جامۂ عاریت" پہنا ہوا ہے۔ اس مشاہدہ والا شخص "مقامِ عبدیت" سے مشرف ہو جاتا ہے جو کہ ولایت کے تمام کمالات سے بڑھ کر ہے۔

تنبیہ: — یہ تمام شر و خیر اور نقص و کمال جو حقیقت میں وجود و عدم کا اجتماع ہے "جمع نقیضین" کی قسم سے نہیں ہے کہ تم اس کو محال سمجھو کیونکہ "وجودِ صرف" کا نقیض "عدمِ صرف" ہے اور یہ "مراتبِ ظلیہ" جس طرح کہ وجود کی جانب اصل کی بلندی سے تنزلات کی گہرائیوں میں نزول فرمایا ہے، اسی طرح عدم کی جانب بھی "صرافتِ عدم" کی گہرائیوں سے مراتبِ ظلیہ میں ظاہر ہو کر عروج کیا ہے، اور ان کا اجتماع "عناصرِ متضادہ" کے اجتماع کے رنگ میں کہ ہر ایک کے ضد پر غلبہ اور تیزی کے

تو ذکر ان کو جمع کر دیا ہے: فَسُبْحٰنَ مَنْ جَمَعَ بَیْنَ الظُّلْمَۃِ وَالنُّوْرِ (پس پاک ہے وہ ذات جس نے اندھیرے اور روشنی کو جمع کر دیا)۔

اگر یہ کہا جائے کہ تو نے (یعنی حضرت مجددؒ نے) مندرجہ بالا عبارت میں "عدمِ صرف" کو بھی "وجودِ صرف" کے ساتھ رنگ دے کر جو اس کی ضد ہے "اجتماعِ نقیضین" کا حکم پیدا کر دیا ہے ـــــ ـــــ تو میں جواب میں کہتا ہوں کہ اجتماعِ نقیضین ایک مقام پر محال ہے لیکن ایک نقیض کا دوسرے نقیض کے ساتھ قیام کرنا اور ایک "اتصاف" (وصف) کا دوسرے وصف کے ساتھ (جمع) ہونا محال نہیں ہے، جیسا کہ اربابِ معقول (فلاسفہ) نے کہا ہے کہ وجود معدوم ہے اور وجود کا عدم کے ساتھ متصف ہونا محال نہیں ہے، لہذا اگر عدم موجود ہو کر وجود میں رنگین ہو جائے تو اس میں کیا قباحت ہے۔

اور اگر کہا جائے کہ عدم معقولاتِ ثانویہ سے ہے جو وجود خارجی کا منافی ہے تو وہ وجودِ خارجی سے کس طرح متصف ہو گا ـــــ تو میں اس کے جواب میں کہتا ہوں کہ عدم کے مفہوم کو معقولاتِ ثانویہ میں سے بیان کیا گیا ہے لیکن اگر عدم کے افراد میں سے کوئی فرد وجود سے متصف ہو جائے تو اس میں کیا پریشانی ہے۔ جس طرح اربابِ معقول نے وجود کے بارے میں اشکال کے طریقے پر کہا ہے کہ وجود کو چاہئے کہ واجب الوجود تعالیٰ و تقدس کی ذات کا عین نہ ہو، کیونکہ وجود معقولاتِ ثانیہ سے ہے جو خارجی وجود نہیں رکھتا، اور ذات واجب الوجود تعالیٰ و تقدس خارج میں موجود ہے لہذا وہ عین نہیں ہے ـــــ اور انھوں نے اس اشکال کے جواب میں کہا ہے کہ وجود کا مفہوم معقولاتِ ثانویہ سے ہے نہ کہ اس کی جزئیات سے۔ لہذا اس کی جزئیات میں سے کوئی جزئی وجودِ خارجی کے منافی نہیں ہے اور ہو سکتا ہے کہ خارج میں موجود ہو۔

سوال: سابقہ تحقیق سے معلوم ہوا کہ حقیقی صفات کا وجود ظلال کے مرتبہ میں ہے اور اصل کے مرتبہ میں ان کا کوئی وجود حاصل نہیں ہے، یہ بات اہلِ حق شکر اللہ تعالیٰ سعیہم کی رائے کے خلاف ہے۔ کیونکہ وہ صفات کو کسی وقت بھی ذات تعالیٰ و تقدس سے جدا نہیں سمجھتے اور ممتنع الانفکاک (یعنی ان کا ذات تعالیٰ سے جدا ہونا محال) تصور کرتے ہیں۔

جواب: یہ ہے کہ اس بیان سے انفکاک کا جواز لازم نہیں آتا کیونکہ یہ ظل اس اصل کے لئے لازم ہے پس انفکاک نہ رہا ـــــ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ وہ عارف جس کی توجہ کا قبلہ حضرت ذات تعالیٰ و تقدس ہے

اور اس کے سامنے اسماء وصفات میں سے کچھ بھی نہیں ہے وہ اس مقام میں ذات تعالیٰ ہی کو پاتا ہے اور صفات میں سے اس کو کچھ بھی ملحوظ نہیں رہتا (یہ بات نہیں ہے) کہ اس وقت صفات موجود نہیں (بلکہ اس کے ملاحظہ میں نہیں ہوتیں)۔ لہذا صفات کا حضرت ذات تعالیٰ وتقدس سے منقطع ہونا اس عارف کے مشاہدہ کے اعتبار سے ثابت ہوا نہ کہ حقیقت الامر کے اعتبار سے تاکہ اہلِ سنت کے مخالف ہو۔ پس سمجھ لو۔

من عرف نفسہ فقد عرف ربہ کے معنی

اس بیان سے مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ[1] (جس نے اپنے نفس کو پہچانا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا) کے معنی واضح ہو گئے کیونکہ جس شخص نے اپنی حقیقت کو شرارت ونقص کے ساتھ پہچان لیا اور سمجھ لیا کہ ہر خیر وکمال جو اس میں پوشیدہ کیا گیا ہے وہ حضرت واجب الوجود تعالیٰ وتقدس کی طرف سے مستعار ہے، لہذا لازماً حق سبحانہٗ وتعالیٰ کو خیر وکمال اور حسن وجمال کے ذریعے پہچان لے گا ——— اس تحقیق سے آیۂ کریمہ اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (نور آیت ۲۴/۳۵) (اللہ تعالیٰ نور ہے آسمانوں اور زمین کا) کے تاویلی معنی بھی واضح ہو گئے، کیونکہ جب ظاہر ہو گیا کہ ممکنات سب کے سب عدمات ہیں جو سراسر ظلمت وشرارت ہیں، اور ان میں خیر وکمال اور حسن وجمال حضرتِ وجود کی طرف سے ہے جو نفس ذات تعالیٰ وتقدس ہے اور ہر خیر وکمال اور حسن وجمال کا عین ہے لہذا لازمی طور پر آسمانوں اور زمین کا نور حضرت وجود ہی ہے جو واجب تعالیٰ وتقدس کی حقیقت ہے ——— اور چونکہ یہ نور آسمانوں اور زمین میں ظلال کے توسط سے ہے، اس لئے ان وہم کرنے والوں کے وہم کو دور کرنے کے لئے جو بے توسط سمجھتے ہیں اس نور کے لئے ایک مثال بیان کی گئی جیسا کہ حق تعالیٰ نے فرمایا: مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ اِلٰى اٰخِرِ الْاٰيَةِ الْكَرِيْمَةِ (نور آیت ۲۴/۳۵) (اور اس کے نور کی مثال جیسے ایک طاق ہو جس میں ایک چراغ ہو وہ چراغ شیشہ میں رکھا ہو) تاکہ واسطوں کا ثبوت فراہم ہو جائے ——— اور اس آیۂ کریمہ کے تاویلی معنی تفصیل کے ساتھ انشاء اللہ تعالیٰ کسی دوسری جگہ تحریر کئے جائیں گے کیونکہ اس میں بات کی بہت گنجائش ہے۔ اور اس مکتوب میں اس کی تفصیل کی گنجائش نہیں ہے۔

---

[1] بعض نے مقولہ کہا ہے اور بعض نے حدیث۔

اور یہ جو ہم نے کہا ہے کہ آیۂ کریمہ کے تاویلی معنی ہیں، کیونکہ تفسیری معنی نقل و سماع کے ساتھ مشروط ہیں، مَنْ فَسَّرَ الْقُرْاٰنَ بِرَاْیِہٖ فَقَدْ کَفَرَ[1] (جس شخص نے اپنی رائے سے قرآن کریم کی تفسیر کی تحقیق وہ کافر ہو گیا) آپ نے سنا ہوگا۔ اور تاویل میں صرف احتمال کافی ہے بشرطیکہ وہ کتاب و سنت کے مخالف نہ ہو۔ لہذا ثابت ہو گیا کہ ممکنات کے ذوات و اصول عدمات ہیں اور ان کے نقائص و رذائل کے صفات ان عدمات کے مقتضیات ہیں جو قادر مختار جل سلطانہ کی صنعت و ایجاد سے وجود میں آئے ہیں اور ان میں صفاتِ کاملہ حضرت وجود تعالیٰ و تقدس کے کمالات کے ظلال سے مستعار ہیں جو انعکاس کے طریق پر ظہور پا کر قادر مختار جل سلطانہ کی ایجاد سے موجود ہوئے ہیں ——————

اور اشیا کے حسن و قبح کا مصداق یہ ہے کہ وہ چیز جو آخرت سے تعلق رکھتی ہے اور آخرت کے لئے ذریعہ وسیلہ ہے وہ حَسن (اچھی) ہے اگرچہ بظاہر اچھی معلوم نہ ہو، اور جو چیز دنیا سے تعلق رکھتی ہے اور دنیا کے حصول کا ذریعہ و وسیلہ ہے وہ قبیح (بُری) ہے اگرچہ بظاہر اچھی معلوم ہو اور حلاوت و طراوت کے ساتھ ظاہر ہو جیسا کہ دنیوی مزخرفات (جھوٹی زیب زینت) کا یہی حال ہے —————— یہی وجہ ہے کہ شریعتِ مصطفویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ میں بے ریش لڑکوں اور اجنبی عورتوں کے حُسن اور دنیا (فیمتی) کی زیب و زینت کی طرف رغبت و خواہش سے نظر کرنا منع فرما دیا گیا ہے کیونکہ یہ حسن و طراوت عدم کے مقتضیات سے ہے جو ہر شر و فساد کی جگہ ہے۔ اگر اس حسن و جمال کا منشا کمالاتِ وجودیہ ہوتے تو اس سے منع نہ فرماتے۔ اس لئے کہ اصل کے موجود ہوتے ظل کی طرف توجہ کرنا برا اور مکروہ ہے۔ اور یہ منع کرنا استحسان کے طور پر ہے نہ کہ واجب، برخلاف پہلے منع کرنے کے (جو کہ وجوبی ہے)۔ لہذا وہ حُسن جو دنیاوی مظاہر جمیلہ میں ظاہر ہوتا ہے وہ اس ذات تعالیٰ و تقدس کے حُسن کے ظلال سے نہیں ہے بلکہ عدم کے لوازمات سے ہے جس نے حَسن کی مجاورت (معیّت) کی وجہ سے ظاہر میں حُسن پیدا کر لیا ہے، اور حقیقت میں قبیح و ناقص ہے، جیسے کہ زہر کو شکر کے غلاف میں ڈھانپ دیا جائے یا نجاست پر سونے کا غلاف چڑھا دیں —————— اور یہ جو خوبصورت عورتوں اور لونڈیوں سے نکاح کرنے کا حکم فرمایا گیا ہے وہ اولاد حاصل کرنے اور بقائے نسل کے لئے ہے جو نظامِ عالم کو باقی رکھنے کے لئے ضروری ہے۔

بے ریش لڑکوں اور خوبصورت عورتوں کو دیکھنا منع ہے

---

[1] معرب نے کہا کہ بعینہ ان الفاظ سے میں نے روایت نہیں دیکھی۔

مظاہر جمیلہ اور دلکش نغمات کی گرفتاری

لہٰذا بعض صوفیہ جو مظاہر جمیلہ اور دلکش نغمات میں اس خیال سے گرفتار ہیں کہ یہ حسن و جمال حضرت واجب الوجود تعالیٰ و تقدس کے کمالات سے مستعار ہے جو ان مظاہر میں ظاہر ہوا ہے اور اس گرفتاری کو نیک اور مستحسن خیال کرتے ہیں بلکہ وصول الی اللہ کا ذریعہ تصور کرتے ہیں ـــــ اس فقیر کے نزدیک اس کے خلاف ثابت ہوا ہے۔ چنانچہ اس قسم کا تھوڑا سا مضمون اوپر بیان ہو چکا ہے۔

عجب معاملہ ہے کہ بعض صوفیہ اپنی مطلب براری کے لئے اس قول کو سند کے طور پر پیش کرتے ہیں جس میں کہا گیا ہے: اِیَّاکُمْ وَالْمُرْدَ فَاِنَّ فِیْہِمْ لَوْنًا کَلَوْنِ اللّٰہِ (تم ان بے ریشوں سے بچو کیونکہ ان میں اللہ تعالیٰ کے رنگ کی طرح کا رنگ ہے)۔ کلمہ "کَلَوْنِ اللّٰہِ" (اللہ تعالیٰ کے رنگ کی مانند) ان کو شبہ میں ڈال دیتا ہے، اور نہیں جانتے کہ یہ قول ان کے مطلب کے منافی ہے اور اس درویش کی معرفت کی تائید میں ہے کیونکہ کلمہ "تحذیر" (بچنے کی تاکید) لا کر اُن کی طرف توجہ کرنے سے منع کیا گیا ہے اور ان کی غلط منشا کو بیان کیا گیا ہے کہ ان کا حُسن حق تعالیٰ سبحانہٗ کے حسن و جمال کی مانند ہے نہ کہ بعینہٖ اس کا حُسن۔ تاکہ غلطی میں نہ پڑ جائیں۔

دنیا اور آخرت سوکنیں ہیں

آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: مَا الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃُ اِلَّا ضَرَّتَانِ اِنْ رَضِیَتْ اِحْدٰہُمَا سَخِطَتِ الْاُخْرٰی[1] (یعنی دنیا اور آخرت دو سوکنوں کی طرح ہیں اگر ایک راضی ہوگی تو دوسری ناراض ہو جائے گی) اس حدیث میں بھی اس بات کی تصریح ہے کہ دنیاوی حُسن و جمال اور اُخروی حسن و جمال دونوں ایک دوسرے کے نقیض اور ضد ہیں اور مقرر ہے (یعنی نصوص آیات و احادیث سے ثابت ہے) کہ حُسنِ دنیاوی ناپسندیدہ ہے اور حُسنِ اُخروی (اللہ تعالیٰ کی مرضیات سے ہے۔ لہٰذا "شر" حسنِ دنیوی کے لئے لازم ہوگا اور "خیر" حُسنِ اُخروی کے لئے لازم۔ پس لازماً اول کا منشا عدم ہوگا اور دوسرے کا منشا وجود ـــــ ہاں بعض چیزیں ایسی ہیں کہ ایک وجہ کی بنا پر دنیا سے تعلق رکھتی ہیں اور دوسری وجہ سے آخرت سے متعلق ہیں۔ یہ اشیا (چیزیں) پہلی وجہ کے لحاظ سے قبیح (بُری) ہیں اور دوسری وجہ کے اعتبار سے حَسَن (اچھی) ہیں۔ اور ان دونوں کے درمیان، اور ان میں سے حسن و قبح کے درمیان تمیز کرنا علمِ شریعت پر موقوف ہے ـــــ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کا ارشاد ہے:

[1] اس حدیث کو امام احمدؒ و بیہقیؒ نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت کیا ہے۔

مَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَھٰکُمْ عَنْهُ فَانْتَھُوْا (سورہ حشر آیت ۵۹) رسولؐ جو کچھ تم دے وہ لے لو اور جس سے منع کرے اس سے باز رہو) ــــــــــــ

حدیث شریف میں وارد ہے کہ جب سے اللہ تعالیٰ نے دنیا کو پیدا کیا ہے اس کی طرف نظر نہیں کی اور وہ حق تعالیٰ کی مبغوضہ ہے[1] ــــــــــ اور یہ سب کچھ اس کی برائی، شرارت اور فساد کی وجہ سے ہے جو عدم کے نقائصوں میں سے ہے جو کہ ہر شر و فساد کا محل ہے، اور دنیاوی حسن و جمال اس کی شیرینی اور تازگی راستے کے کوڑے کرکٹ کی مانند ہیں جو منظورِ نظر نہیں ہیں، وہ تو آخرت کا جمال ہی ہے جو شایانِ نظر اور حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی مرضی کا مقام ہے۔ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ دنیاداروں کا حال بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے: تُرِیْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْیَا وَاللہُ یُرِیْدُ الْاٰخِرَةَ (انفال آیت ۶۷) (تم دنیا کا مال و اسباب چاہتے ہو اور اللہ تعالیٰ (تمہارے لئے) آخرت چاہتا ہے) ــــــــــ

اَللّٰھُمَّ صَغِّرِ الدُّنْیَا بِاَعْیُنِنَا وَکَبِّرِ الْاٰخِرَةَ فِیْ قُلُوْبِنَا بِحُرْمَةِ مَنِ افْتَخَرَ بِالْفَقْرِ وَ تَجَنَّبَ عَنِ الْغِنَا عَلَیْهِ وَعَلٰٓی اٰلِهِ الصَّلَوٰتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ اَتَمُّھَا وَاَکْمَلُھَا (یا اللہ! تو دنیا کو ہماری آنکھوں میں حقیر کردے اور آخرت کی بزرگی اور بڑائی ہمارے دلوں میں ڈال دے بحرمت رسولِ اکرم علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات اتمہا واکملہا جنھوں نے فقر پر فخر کیا اور دولت مندی سے اجتناب کیا)۔

اور چونکہ شیخ اجل شیخ محی الدین ابن عربیؒ کی نظر ان کے فساد اور نقص و شرارت کی حقیقت پر نہیں پڑی اس لئے انھوں نے حقائقِ ممکنات کو حق جل وعلا کی صورتِ علمیہ سمجھ لیا ہے۔ کیونکہ ان صورتوں نے حضرتِ ذات تعالیٰ و تقدس کے آئینے میں جو خارج میں اس کے جز کے سوا کچھ بھی موجود نہیں ہیں (انھوں نے) انعکاس پیدا کرکے خارج میں ظہور پیدا کر لیا ہے اور وہ ان صورِ علمیہ کو صورِ شیون اور صفاتِ واجبی جل سلطانہ کے علاوہ نہیں جانتے ہیں۔ لہٰذا لازمی طور پر انھوں نے وحدت الوجود کا حکم کیا ہے اور ممکنات کے وجود کو واجب تعالیٰ و تقدس کا عین کہا ہے اور شر و نقص کو اضافی و نسبتی قرار دے کر شرارتِ مطلق اور نقصِ محض کی نفی کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کسی چیز کو بالذات بری نہیں جانتے، یہاں تک کہ کفر و ضلالت کو ایمان و ہدایت کی نسبت برا جانتے ہیں، ان کی اپنی ذاتی نسبت کو برا نہیں جانتے کیونکہ وہ ان کو عین خیر و صلاح سمجھتے ہیں اور ان تمام چیزوں کے لئے اپنے ارباب کو ان کی نسبت استقامت کا حکم کرتے ہیں اور

---

[1] اس حدیث کی تخریج سے متعلق مکتوب ۱۹۷ کا حاشیہ ملاحظہ ہو۔

آیۂ کریمہ مَا مِنْ دَآبَّۃٍ اِلَّا ھُوَ اٰخِذٌ بِنَاصِیَتِھَا اِنَّ رَبِّیْ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ (سورہ ہود آیت ۵۶)
(جتنے روئے زمین پر چلنے والے ہیں سب کی چوٹی اس (اللہ تعالیٰ) نے پکڑ رکھی ہے بیشک میرا رب صراطِ مستقیم پر ہے)
کو اس معنی پر شاہد لاتے ہیں ——— ہاں جو کوئی وحدت الوجود کا حکم کرتا ہے وہ اس قسم کی باتوں سے کس طرح کنارہ کر سکتا ہے ——— اور جو کچھ اس حقیر کے اوپر منکشف کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ "ماہیات" ممکنات کے عدمات ہیں جو کمالاتِ وجودیہ کے ساتھ ان میں منعکس ہو گئے ہیں اور مِل جُل گئے ہیں۔ جیسا کہ مفصل گذر چکا ہے۔ وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ یُحِقُّ الْحَقَّ وَھُوَ یَھْدِی السَّبِیْلَ (اللہ سبحانہٗ ہی حق بات کو ثابت کرتا ہے اور وہی سیدھے راستے کی ہدایت دیتا ہے)۔

اے فرزند! یہ علوم و معارف (کہ جن کی نسبت) اہل اللہ میں سے کسی نے بھی صراحت کے ساتھ گفتگو نہیں کی اور نہ ہی اشارہ کیا، یہ "اشرفِ معارف" (نہایت اعلیٰ درجے کے) معارف ہیں اور "اکملِ علوم" میں سے ہیں جو ہزار سال کے بعد منصۂ شہود پر آئے ہیں اور واجب تعالیٰ و تقدس کی حقیقت اور ممکنات کے حقائق کو جسقدر کہ ممکن اور اس کے لائق ہے بیان کیا گیا ہے۔ یہ معارف کتاب و سنت کی مخالفت نہیں کرتے اور نہ ہی اہلِ حق کے اقوال کے مخالف ہیں ———
معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی اس دعا سے یہی مراد ہے جو آپ نے امت کو تعلیم فرمائی ہے: اَللّٰھُمَّ اَرِنَا حَقَائِقَ الْاَشْیَاءِ کَمَا ھِیَ (یا اللہ تو ہم کو اشیاء کی حقیقت دکھا جیسی کہ وہ ہیں) ——— یہ وہ حقائق ہیں جو ان علوم کے ضمن میں بیان ہو گئے ہیں اور جو عبودیت کے مقام کے مناسب ہیں اور جو نقص و ذلت اور انکسار پر بندگی کے حال کے مناسب ہے دلالت کرتے ہیں۔ وہ بندۂ عاجز جو اپنے آپ کو مولائے قادر کا عین جانے کمال درجہ بے ادبی ہے اور اس میں کوئی خیر نہیں۔

اے فرزند! یہ وہ وقت ہے جبکہ سابقہ امتوں میں ایسے ظلمت و تاریک بھرے وقت ——— میں اولو العزم پیغمبر مبعوث ہوتے تھے اور احیاءِ شریعت کرتے تھے۔ اور اس امت میں جو کہ خیر الامم ہے اور اس کے پیغمبر خاتم الرسل علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات ہیں (آپ نے اس امت کے) علماء کو انبیاءِ بنی اسرائیل[۱] کا مرتبہ دیا ہے اور علماء کے وجود کو انبیاء کے وجود سے کفایت فرمایا ہے، اسی لئے ہر صدی کے سرے پر (ختم یا شروع میں) اس امت کے علماء میں سے ایک مجدد کا تعین کرتے ہیں تاکہ احیائے شریعت فرمائے

۱؎ بخاری میں العلماء ورثۃ الانبیاء حدیث آئی ہے جس کو ابوداؤد، ترمذی، ابن حبان اور حاکم نے اپنی صحیحین میں

بالخصوص ایک ہزار سال گذر جانے کے بعد جو کہ امم سابقہ میں اولوالعزم پیغمبر کی بعثت کا وقت قرار دیا گیا ہے ایسے وقت میں ہر پیغمبر کو کافی نہیں سمجھا گیا (بلکہ اولوالعزم پیغمبر مبعوث کیا گیا) اب بھی اسی طرح کے وقت میں ایک تام المعرفت عالم و عارف کی ضرورت ہے جو امم سابقہ کی طرح اولوالعزم (پیغمبر کے قائم مقام) ہو۔ شعر

فیض روح القدس ار باز مدد فرماید دیگراں ہم بکنند آنچہ مسیحا می کرد

(وحی کا فیض اگر پھر سے میسّر ہو جائے دوسرے بھی وہ کریں جو کہ مسیحا نے کیا)

اے فرزند! "وجود صرف" "عدم صرف" کے مقابل ہے اور جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے کہ وجود صرف واجب الوجود تعالیٰ و تقدس کی حقیقت ہے جو ہر خیر و کمال کا عین ہے، اگرچہ اس عینیت کا ملاحظہ بھی نہایت اختصار سے ہوتا ہے کیونکہ اس مقام پر گنجائش نہیں ہے کہ وہاں ظلیت کی آمیزش رکھی ہو اور عدم صرف جو اس وجود کے مقابل ہے وہ وہ عدم ہے جس کی طرف کسی نسبت و اضافت نے راہ نہیں پائی اور وہ ہر شر و نقص کا عین ہے، اگرچہ یہ عینیت بھی وہاں (عدم) گنجائش نہیں رکھتی کیونکہ وہ اضافت کی بو رکھتی ہے ـــــــ اور یہ بات معلوم ہے کہ کسی چیز کا ظہور پورے طور پر اس چیز کے حقیقی مقابلے میں صورت اختیار کر لیتا ہے اور بِضِدِّهَا تَتَبَيَّنُ الْأَشْيَاءُ (اشیاء اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہیں) لہٰذا لازمی طور پر "وجود صرف" کا ظہور پورے طور پر عدم صرف کے آئینے میں حاصل ہوتا ہے ـــــــ اور یہ بات طے شدہ ہے کہ نزول عروج کے اندازے کے مطابق ہوتا ہے لہٰذا اگر کسی کا عروج اللہ سبحانہٗ کی عنایت سے وجود صرف کے سامنے تحقق ہو جائے تو لازمی طور پر اس کا نزول بھی عدم صرف میں ہوگا جو اس کے مقابل ہے۔ لیکن عروج کے وقت وہاں عارف کا استہلاک ہے جس میں جہل لازم ہے، اور نزول کے وقت صحو متحقق ہے جو مقام علم و معرفت ہے اس مقام صحو میں اس کو اس تجلی ذاتی سے جو ظلیت کی آمیزش سے مبرا اور شیون و اعتبارات ذاتیہ کے ملاحظہ سے منزہ ہے مشرف کر دیتے ہیں اور اس کو آگاہ کر دیتے ہیں کہ اس سے پہلے جو تجلی حاصل ہوتی تھی وہ اسماء و صفات اور شیون و اعتبارات کے ظلال میں سے کسی ظل کے پردے میں تھی، اگرچہ عارف اس تجلی کو اسماء، وصفات اور شیون کے ملاحظہ کے بغیر جانتا ہے اور اس کو حضرت "وجود صرف" کی تجلی خیال کرتا ہے۔

سبحان اللہ! یہ "عدم" جو ہر شر و نقص کی جگہ ہے جس نے حضرت وجود تعالیٰ کے ظہورِ تام کے واسطے سے حُسن کے معنی پیدا کر لئے ہیں، اور وہ کچھ پایا ہے جو کسی نے نہیں پایا (تیز) جو فی نفسہ اپنی ذات میں قبیح تھا وہ حُسنِ عارضی کے واسطے سے مستحسن ہو گیا۔ اور انسان کا نفسِ امارہ جو بالذات شرارت کی طرف مائل ہے اس عدم کے ساتھ سب سے زیادہ کامل مناسبت رکھتا ہے تجلیٔ خاص میں سب سے فائق ہو گیا اور سب پر ترقی کر گیا۔ ع

کہ مستحقِ کرامت گنہگار انند (کرم کے مستحق بس عاصیاں ہیں)

جاننا چاہیئے کہ "عارف تام المعرفت" عروج کے مقامات اور نزول کے مراتب کو تفصیل کے ساتھ طے کرنے کے بعد جب عدمِ صرف میں نزول کرتا ہے اور حضرتِ وجود کی آئینہ داری کرتا ہے تو اس وقت اس میں تمام اسمائی و صفاتی کمالات ظہور کرتے ہیں اور تفصیل کے ساتھ وہ تمام لطائف کو ظاہر پاتا ہے کہ جن کا متضمن مقامِ اجمال ہے ——— اور یہ دولت اس کے علاوہ دوسرے کو میسر نہیں ہے اور یہ آئینہ داری ایک قابلِ فخر عمدہ لباس ہے جو اس کے قد پر سلا ہوا ہے۔ اگرچہ اس تفصیل نے حضرتِ علم کے خزینہ میں صورت حاصل کر لی ہے لیکن وہ آئینہ داری مرتبۂ علم میں ہے اور اس عارف کی آئینہ داری مرتبۂ خارج میں ہے جس نے خارج میں تمام کمالات کو ظاہر کیا ہے۔

سوال: "مرآتیتِ عدم" کے کیا معنی ہیں، اور عدم جو کہ محض لاشے ہے اس کو کس اعتبار سے وجود کا آئینہ کہا ہے؟۔

جواب: عدم خارج کے اعتبار سے محض لاشے ہے لیکن اس نے علم میں ایک امتیاز پیدا کر لیا ہے بلکہ وجودِ ذہنی ثابت کرنے والوں کے نزدیک اس کو وجودِ علمی بھی حاصل ہو گیا ہے۔ اور اس کو وجود کا آئینہ اس اعتبار سے کہا ہے کہ عدم کے مرتبہ میں جو کچھ نقص و شرارت ثابت ہو گا وہ وجود سے جو اس کا نقیض ہے لازمی طور پر مسلوب ہو گا۔ اور ہر کمال جو عدم کے مرتبہ میں مسلوب ہو گا وہ حضرتِ وجود میں مثبت ہو گا۔ لہذا لازمی طور پر عدم کمالاتِ وجودی کے ظاہر کرنے کا سبب بن گیا۔ اور آئینہ ہونے کے یہی معنی ہیں اس کے علاوہ اور کوئی معنی نہیں۔ فَافْهَمْ فَاِنَّهٗ يَنْفَعُكَ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهٗ الْمُلْهِمُ (پس سمجھ لو کیونکہ یہ تمہارے لئے نفع بخش ہے اور اللہ سبحانہٗ الہام کرنے والا ہے)۔

اے فرزند! یہ معارف جو تحریر میں آئے ہیں امید ہے کہ الہاماتِ رحمانی سے ہوں گے جن میں ہرگز

بیانِ نعمت کا اہتمام

وساوسِ شیطانی کا شائبہ تک نہیں ہوا۔ اور اس معنی کی دلیل یہ ہے کہ جب یہ علوم تحریر کیے جاتے تھے تو یہ فقیر خداوند جل سلطانہ کے حضور میں ملتجی ہوا اور دیکھا کہ گویا ملائکہ کرام علی نبینا و علیہم الصلوٰۃ والسلام اس مقام کے اطراف سے شیطان کو دفع کرتے ہیں اور اس مکان کے گرد نہیں آنے دیتے۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهٗ اَعْلَمُ بِحَقِيْقَةِ الْحَالِ (اور اللہ سبحانہٗ ہی حقیقۃ الحال کو خوب جانتا ہے)۔

——— اور چونکہ اللہ تعالیٰ کی بزرگ ترین نعمتوں کے ظاہر کرنے میں بڑی اعلیٰ درجے کی شکر گذاری ہے اس لئے اس نعمتِ عظمیٰ کے اظہار کی جرأت کی ہے۔ امید ہے کہ یہ بات عُجب کے گمان سے پاک ہو گی۔ اس میں عُجب کی گنجائش کس طرح ہو سکتی ہے جبکہ اللہ تعالیٰ سبحانہٗ کی عنایات سے اپنا ذاتی نقص اور شرارت ہمہ وقت اپنی آنکھوں کے سامنے ہے، اور سب کمالات اللہ تعالیٰ ہی کی طرف منسوب ہیں ——— اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ اَوَّلًا وَّ اٰخِرًا وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ دَائِمًا وَّسَرْمَدًا وَّعَلٰى اٰلِهِ الْكِرَامِ وَاَصْحَابِهِ الْعِظَامِ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَائِرِ مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِيْمَاتُ اَتَمُّهَا وَاَكْمَلُهَا (اول و آخر تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کے لئے ہیں اور اس کے رسول اور ان کی بزرگ اولاد اور اصحاب عظام پر ہمیشہ صلوٰۃ و سلام ہو اور ان سب پر بھی جو ہدایت کے راستے پر چلے اور حضرت محمد مصطفیٰ علیہ و علیٰ آلہ الصلوات و التسلیمات کی متابعت کو لازم پکڑے)۔

مکتوب ۲۳۵
دو صد و سی پنجم
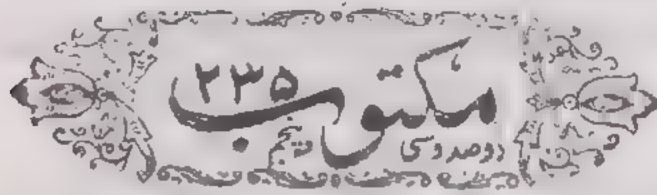
ملا عبد الغفور سمرقندی و حاجی بیگ فرکتی و خواجہ محمد اشرف کابلی کی طرف صادر فرمایا[1] ——— اس بیان میں کہ اس گروہ (اہل اللہ) کی محبت دنیا و آخرت کی سعادتوں کا سرمایہ ہے اور احکام شرعیہ کے بجالانے اور باطنی جمعیت (اطمینان) حاصل کرنے کی توفیق اس محبت کے ثمرات ہیں، اور اس کے مناسب بیان میں۔

---

[1] ملا عبد الغفور سمرقندی کے نام تین مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۱۴۲ میں گذر چکا ہے ——— اور حاجی بیگ فرکتی کے نام چار مکتوبات ہیں دفتر اول مکتوب ۲۳۵ - ۳۰۹ - دفتر دوم مکتوب ۲۴ - ۳۰ - آپ بظاہر اہلِ سپاہ میں سے تھے لیکن بباطن حضرت مجددؒ کی خانقاہ کے بڑے لوگوں میں سے تھے ——— خواجہ محمد اشرف کے نام دس مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۱۳۱ پر گذر چکا ہے۔ تینوں حضرات حضرت مجدد کے خلفا میں سے ہیں۔

حمد و صلوٰۃ اور تبلیغ دعوات کے بعد حقیقی دوستوں اور تحقیق شدہ مشتاقوں کو معلوم ہو کہ آپ کے مکتوباتِ شریفہ جو فرطِ محبت اور اشتیاق سے لبریز تھے موصول ہو کر خوشی اور مسرت کا باعث ہوئے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس محبت پر ثابت قدم رکھے۔ اس محبت کو دنیوی و اُخروی سعادتوں کا سرمایہ جان کر حضرتِ حق سبحانہٗ و تعالیٰ (کے حضور میں) استقامت اور مداومت کی دعا کرنی چاہیئے ــــــ احکامِ شرعیہ کی بجا آوری کی توفیق اسی محبت کا نتیجہ ہے اور باطنی جمعیت (اطمینان) حاصل کرنے کا ثمرہ بھی یہی محبت ہے۔ اگر تمام دنیا اور اس کی ظلمتیں اور کدورتیں باطن میں ڈال دیں اور اس محبت کو قائم رکھیں تو کوئی غم نہیں بلکہ امیدوار رہنا چاہیئے اور اگر تمام پہاڑوں کے برابر انوار و احوال کو باطن میں ڈال دیں اور اس محبت میں سے بال برابر لے لیں تو سوائے خرابی کے کچھ نہیں جاننا چاہیے اور اس کو استدراج شمار کرنا چاہیئے ــــــ اس تعلق کو مضبوط کر کے اپنے کام میں مشغول رہیں اور بے فائدہ کاموں میں عمرِ عزیز کو ضائع نہ کریں ؎

ہماندر زمن بتو این است	کہ تو طفلے و خانہ رنگین است
(اک نصیحت ہے گو کہ سنگیں ہے	تو ہے بچہ مکان رنگیں ہے)

وَالسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَعَلٰی سَائِرِ مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَۃَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ مِنَ الصَّلَوَاتِ اَفْضَلُھَا وَمِنَ التَّسْلِیْمَاتِ اَکْمَلُھَا (اور سلام ہو آپ پر اور ان سب پر جو ہدایت کی پیروی کریں اور حضرت محمد مصطفٰے علیہ و علیٰ آلہ من الصلوات افضلہا و من التسلیمات اکملہا کی متابعت کو اپنے اوپر لازم جانیں)۔

مخدوم زادہ میاں شیخ محمد صادق[1] سلمہ اللہ تعالیٰ کی طرف بعض اسرار کے بیان میں صادر فرمایا۔

حمد و صلوٰۃ کے بعد میرے فرزندِ ارشد کو معلوم ہو کہ تمہارے خط سے جو تم نے اپنے احوال کی تفصیل میں لکھا تھا (اس سے) ایسا مفہوم ہوتا ہے کہ تم کو ولایتِ خاصہ محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کے ساتھ مناسبت پیدا ہو گئی ہے، اس بات سے خداوند جل سلطانہ کا شکر بجا لایا، کیونکہ مدت سے

---

[1] آپ کے نام پانچ مکتوبات ہیں، اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۱۸۱ پر گذر چکا ہے۔

آرزو تھی کہ یہ حاصل شدہ دولت تم کو مل جائے۔ اور (خاص طور پر) اس زمانے میں امیدوار ہو کر اس کے لئے متوجہ ہوا کہ تمہارے اندر یہ دولت جذب ہو جائے۔ اتفاقاً اسی جستجو میں تم کو ولایتِ موسوی علیٰ نبینا وعلیہ الصلوات والتسلیمات میں داخل پایا پھر اس جگہ سے کھینچ کر ولایتِ خاصہ کے دائرہ میں داخل کر دیا۔ لِلّٰہِ سُبْحَانَہٗ اَلْحَمْدُ وَالْمِنَّۃُ عَلٰی ذٰلِکَ (اس پر اللہ سبحانہٗ کی حمد اور احسان ہے)

—— اور چونکہ تم کو اس ولایت میں زبردستی لایا گیا ہے اس لئے بیس روز سے زیادہ عرصہ ہو گیا کہ میں تم کو اپنے پہلو میں نگاہ رکھ کر پرورش کرتا ہوں۔ شاید اس نسبت کے متعلق تھوڑا بہت تم کو معلوم ہو گیا ہو۔ اب چونکہ یہ نسبت قوی ہو گئی ہے اس لئے امید ہے کہ تم کو بھی معلوم ہو گیا ہو گا۔

—— اور حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے جو انعامات اس عاصی پر تواتر کے ساتھ مسلسل پہنچ رہے ہیں ان کی نسبت کیا لکھے ؎

من آں خاکم کہ ابرِ نوبہاری — کند از لطف برمن قطرہ باری
اگر بروید از تن صد زبانم — چو سوسن شکر لطفش کے توانم [۲]

دوسرے یہ کہ فرزند عزیز محمد سعید نے اپنے مکتوب میں جو احوال ظاہر کئے تھے بہت زیادہ صحیح ہیں۔ اس خصوصیت کے ساتھ دوستوں میں سے بہت کم لوگوں کو حاصل ہوئے ہیں۔ (فقیر) امیدوار ہے کہ حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ اس کو بھی ولایتِ خاصہ سے مشرف فرمائے گا —— اور میرے فرزند محمد معصوم خود خداوند جل سلطانہٗ کے فضل سے ذاتی طور پر اس دولت کے قابل ہے حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ اپنے حبیب پاک علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کے طفیل قوت سے فعل میں لائے۔

مکتوب ۲۳۷

دو صد و سی و ہفتم
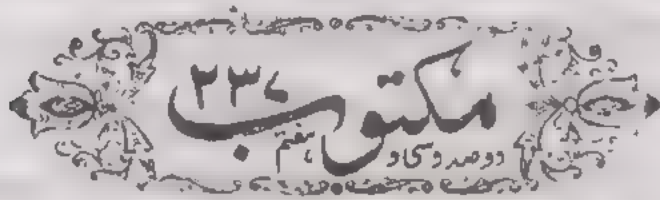
ملا محمد طالب بیانکی [۱] کی طرف سنتِ سنیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کی متابعت کی ترغیب میں اور طریقۂ عالیہ نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کی تعریف میں صادر فرمایا۔

ثَبَّتَنَا اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَاِیَّاکُمْ عَلٰی جَادَّۃِ الشَّرِیْعَۃِ الْحَقَّۃِ الْمُصْطَفَوِیَّۃِ عَلٰی صَاحِبِھَا الصَّلٰوۃُ

---

[۱] آپ کے نام صرف یہی ایک مکتوب ہے باقی حالات معلوم نہ ہو سکے۔
[۲] (ترجمہ: وہ مٹی ہوں کہ گر ابرِ بہاری۔ کرے مجھ پر کرم سے قطرہ باری۔ بنیں تسبیح جیسی سو زباں بھی۔ مگر شکرِ خدا کیا کرنے پائیں

وَالسَّلَامُ وَالتَّحِیَّۃُ وَعَلیٰ اٰلِہِ الْکِرَامِ وَاَصْحَابِہِ الْعِظَامِ اللہ سبحانہ ہم کو اور آپ کو حضرت محمد مصطفےٰ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ اور آپ کی اولادِ کرام واصحاب عظام کے سیدھے راستے پر ثابت قدم رکھے۔

میرے سعادتمند بھائی! طریقۂ عالیہ نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے بزرگوں نے روشن سنت کی پیروی کو لازم وضروری قرار دیا ہے اور عمل کو عزیمت پر اختیار فرمایا ہے۔ اگر اس التزام واختیار کے ساتھ ان کو احوال ومواجید سے بھی مشرف کر دیں تو نعمتِ عظیم جانتے ہیں۔ اور اگر احوال ومواجید ان کو بخش دیں اور اس التزام واختیار (سنتِ سنیہ) میں کوئی فتور واقع ہو تو وہ ان احوال کو پسند نہیں کرتے اور ان مواجید کو نہیں چاہتے اور اس فتور میں اپنی خرابی کے علاوہ کچھ نہیں جانتے ———— کیونکہ ہندوستان کے برہمنوں، جوگیوں اور یونان کے فلاسفہ اور حکماء تجلیاتِ صوری اور مکاشفاتِ مثالی اور علوم توحیدی بہت رکھتے ہیں لیکن ان کو ان (علوم) سے سوائے خرابی اور رسوائی کے کچھ نتیجہ حاصل نہیں ہوتا، اور ان کے وقت کی دولت سوائے بُعد و حرمان کے کچھ نہیں۔

اے بھائی! جب آپ نے فضلِ الٰہی جل سلطانہٗ سے اپنے آپ کو ان اکابر کی ارادت کے رشتہ میں داخل کر لیا ہے تو ضروری ہے کہ ان کی پیروی کو اپنے اوپر لازم کریں اور سرِ مو بھی ان کی مخالفت نہ کریں تاکہ ان کے کمالات سے بہرہ مند ہو کر فیضیاب ہوں ———— سب سے پہلے اپنے عقائد کی تصحیح اہلِ سنت وجماعت کثرہم اللہ سبحانہ کے اعتقادات کے مطابق کریں ———— دوسرے فرض، واجب، سنت، مندوب، حلال وحرام اور مشتبہ کا علم جو علمِ فقہ میں مذکور ہے حاصل کریں اور اس علم کے تقاضوں کے مطابق عمل کریں ———— تیسرے درجے میں علومِ صوفیہ کی طرف نوبت پہنچتی ہے۔ کیونکہ جب تک وہ دونوں بازو صحیح نہ ہوں گے عالمِ قدس کی طرف پرواز محال ہے۔ اگر ان دو بازوؤں کے بغیر احوال ومواجید میسر ہوں تو ان میں اپنی خرابی جاننی چاہیے اور ان احوال ومواجید سے پناہ مانگنی چاہیے۔ ع

کار اینست غیر ایں ہمہ ہیچ (کام بس یہ ہے باقی سب کچھ ہیچ ہے)

مَا عَلَی الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلَاغُ (قاصد کا کام صرف پہنچا دینا ہے)

میرے بھائی محترم میاں شیخ داؤد[1] وہاں آئے ہوئے ہیں ان کی صحبت کو غنیمت جانیں، اور وہ

---

[1] آپ حضرت مجددؒ کے خلفا میں سے ہیں آپ کے نام مکتوب اور تذکرہ دفتر اول مکتوب ۲۱۸ پر گذر چکا ہے۔

جو کچھ نصیحت و دلالت (رہنمائی) کریں اس کو اختیار کریں کیونکہ انھوں نے ان اکابر کے مریدوں کی صحبت میں بہت عرصہ گذارا ہے اور ان کی راہ و روش کو معلوم کیا ہے۔ جو دوست وہاں پر (رہتے) ہیں اور وہ جو اس طریقۂ عالیہ میں میر نعمان کی خدمت کے توسل سے داخل ہو گئے ہیں وہ بھی شیخ داؤد کی صحبت کو غنیمت جانیں اور ایک ہی جگہ حلقہ میں بیٹھیں اور ایک دوسرے میں مل جائیں تاکہ جمعیت حاصل ہو کر معاملہ ترقی پذیر ہو ــــــ اور مکتوبات کا مطالعہ اپنے اوپر لازم جانیں کیونکہ یہ فائدہ مند ہے ع

دادیم ترا ز گنج مقصود نشاں (گنج مقصود کا پتہ یہ ہے)

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهِ الصَّلَوٰتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ اَتَمُّهَا وَاَکْمَلُهَا (اور سلام ہو اس پر جس نے ہدایت کی پیروی کی اور حضرت محمد مصطفیٰ علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی پیروی کو اپنے اوپر لازم جانا)۔
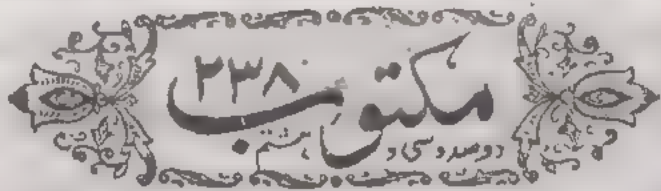
میر محمد نعمان[1] کی طرف صادر فرمایا ــــــ اس بیان میں کہ (دینی) بھائیوں کے اضافہ ہونے میں بہت سی امیدیں وابستہ ہیں اور اس امر کی تنبیہ میں کہ ایسا نہ ہو مریدوں کے احوال و معارف پیروں کے توقف اور عُجب کا باعث بن جائیں۔ اور اس بیان میں کہ مریدوں کے احوال کو (پیروں کے لئے) شرم کا باعث ہونا چاہیے تاکہ وہ (مریدوں کو) ترقیات پر ترغیب دیں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوةُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهِ الطَّیِّبِیْنَ الطَّاهِرِیْنَ وَعَلَیْهِمْ اَجْمَعِیْنَ (تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کے لئے ہیں اور حضرت سید المرسلین اور آپ کی پاک و مطہر اولاد و اصحاب سب پر صلوٰۃ و سلام ہو) ــــــ جو مکتوب شریف آپ نے خواجہ رحمی کے ذریعہ ارسال کیا تھا موصول ہو کر بہت زیادہ خوشی کا باعث ہوا۔ اور چونکہ اس میں آپ سے ہدایت حاصل کرنے والوں اور آپ کے مریدوں کے احوال تفصیل کے ساتھ درج تھے اس لئے مزید خوشی حاصل ہوئی۔ کیونکہ (دینی) بھائیوں کی کثرت بموجب اَکْثِرُوْا اِخْوَانَکُمْ فِی الدِّیْنِ (دینی بھائیوں کی تعداد میں (تبلیغ کے ذریعے) کثرت کرو) بہت سی امیدیں وابستہ ہیں۔ اور آیت کریمہ: سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِاَخِیْكَ (پ ۲۰ قصص ۵)

---

[1] آپ کے نام تینتیس ۳۳ مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۱۱۹ پر گذر چکا۔

(ہم تیرے بازو کو تیرے بھائی سے مضبوط کر دیں گے) اس بات کی تائید میں ہے ——— لیکن چاہیئے کہ اپنے احوال و اعمال پر نظر رہے اور اپنی حرکت و سکون ملاحظہ میں رہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ مریدوں کی ترقیاں پیروں کے توقف کا باعث بن جائیں اور مسترشدان (ہدایت پانے والوں) کی گرمجوشی مرشدوں کے کارخانے میں سردی و سستی پیدا کر دے، اس معنیٰ سے بہت زیادہ ڈرتے رہنا چاہیئے۔ اپنے مریدوں کے احوال و مقامات کو شیر ببر کی طرح سمجھنا چاہیئے نہ یہ کہ ان پر فخر و مباہات کرنے لگیں۔ ایسا نہ ہو کہ اس راہ سے عُجب و غرور کا دروازہ کھُل جائے، بلکہ چاہیئے کہ بحکم اَلْحَیَاءُ شُعْبَۃٌ مِّنَ الْاِیْمَانِ[1] (حیا شرم) ایمان کا ایک جزو (حصہ) ہے)۔ مریدوں کی ترقیاں شرمندگی اور خجالت کا باعث ہوں، اور طالبوں کی طلب کی گرمجوشی غیرت و عبرت کا موجب ہو ———

(نیز) چاہیئے کہ اپنے اعمال کو قاصر و کوتاہ اور اپنی نیتوں کو تہمت زدہ سمجھیں (تاکہ عُجب دُور ہو) اور حال و قال کی زبان کو کلمہ هَلْ مِنْ مَّزِیْدٍ (ق آیت ۳۰) (کیا اور بھی ہے) سے تر و تازہ رکھیں —— اگرچہ آپ کے پسندیدہ احوال و اطوار سے یہی امید ہے کہ آپ اسی طرح معاملہ کرتے ہوں گے، لیکن دشمنانِ دین نفسِ امارہ و شیطانِ لعین کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے تاکید میں مبالغہ کیا گیا ہے تاکہ ایسا نہ ہو کہ اس کی وجہ سے طالبوں کی توجہ کی سرگرمی میں سردی و سستی واقع ہو جائے کیونکہ مقصود ان دونوں حالتوں کا جمع کرنا ہے، صرف ایک ہی کی فکر میں لگے رہنا قصور و کوتاہی میں داخل ہے۔

خواجہ رحمی اور سید احمد کو چاہیئے کہ وہ آپ کی خدمت میں حاضر رہیں اور آپ ان کے حال پر پوری توجہ فرماتے رہیں۔ میر عبداللطیف کو بھی اگر توبہ کی توفیق ہو گئی ہو تو اس کی بھی مدد کریں تاکہ استقامت حاصل ہو ——— آپ نے لکھا تھا کہ بعض طالب طریقہ قادریہ کی فرمائش کرتے ہیں۔ آپ کو چاہیئے کہ طریقہ نقشبندیہ کے علاوہ کوئی دوسرا طریقہ تعلیم کسی کو بھی نہ سکھائیں تاکہ دو طریقے خلط ملط نہ ہو جائیں۔ لیکن اگر کلاہ و شجرہ طلب کریں اور استخارہ بھی اجازت دے تو مرید کر لیں اور نصیحت فرمائیں۔

وَالسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَعَلٰی سَائِرِ اَصْحَابِکُمْ وَاَحْبَابِکُمْ وَعَلٰی سَائِرِ مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَۃَ الْمُصْطَفٰی وَعَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ اَتَمُّھَا وَاَکْمَلُھَا (سلام ہو تم پر اور تمہارے اصحاب و احباب پر اور ان سب پر جنہوں نے ہدایت کی پیروی کی اور حضرت محمد مصطفےٰ علیہ وعلی آلہ الصلوۃ والسلام اتمہا واکملہا کی پیروی کو لازم جانا)

ملا احمد برکی[1] کی طرف صادر فرمایا ان کے خط کے جواب میں جس میں انھوں نے بعض سوالات کیے تھے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہِ الطَّاھِرِیْنَ وَعَلَیْھِمْ اَجْمَعِیْنَ (تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کے لیے ہیں اور حضرت سید المرسلین اور آپ کی تمام پاک و مطہر آل و اصحاب پر صلوٰۃ و سلام ہو) ——— گرامی نامہ جو محبت و شفقت کی بنا پر آپ نے بھیجا تھا اس کے مضامین کے مطالعہ سے بڑی مسرت ہوئی۔

(۱) آپ نے لکھا تھا کہ "احوال کا عرض کرنا حالات کے اندازے پر منحصر ہے الخ ......"
میرے مخدوم! احوال کے حاصل ہونے سے مقصود یہ ہے کہ محوّل احوال (احوال کا پھیرنے والا یعنی حق تعالیٰ) کے ساتھ گرفتاری اور تعلق حاصل ہو جائے اور جب یہ گرفتاری (تعلق مع اللہ) حاصل ہو جائے تو پھر احوال حاصل ہوں یا نہ ہوں کچھ پرواہ نہیں۔

(۲) آپ نے لکھا تھا کہ "آپ نے بالمشافہ ایسا فرمایا تھا کہ ہم نے تمہارے حق میں بہت زیادہ تخم ریزی کی ہے الخ ......" میرے مخدوم! فی الواقعہ اسی طرح ہے، لیکن اس کے ثمرات کا حاصل ہونا زندگی میں یا موت کے بعد (جیسا اللہ تعالیٰ کو منظور ہو) بے شمار زمانوں کے گذرنے پر موقوف ہے اَبْشِرْ وَلَا تَعْجَلْ بِہٖ (خوش ہو جاؤ اور جلدی نہ کرو)۔

(۳) آپ نے مولانا محمد صالح کے منقولے کے بارے میں تحریر کیا تھا! چونکہ مولانا مذکور موجود نہیں ہیں کہ ان کے منقولے کا مفہوم دریافت کیا جائے۔ (لیکن) ان کے منقولے پر اعتراض نہ کرنا چاہئے اسی میں خیر ہے، اور دل میں اس کا کچھ خیال نہ کریں۔

(۴) اور سوءِ ادب کی بابت جو آپ نے تحریر کیا تھا۔ لہٰذا مخلص دوستوں کی لغزشیں سب معاف ہیں اس کا بھی کچھ خیال نہ کریں۔

---

[1] آپ کے نام پانچ مکتوبات ہیں: دفتر اول مکتوب ۲۳۹-۲۵۰-۲۵۴-۲۷۵۔ اور دفتر دوم میں مکتوب ۱۴ ہے۔ برک، کابل اور قندھار کے درمیان ایک شہر ہے آپ وہاں کے جید علما میں سے تھے، ایک دوست کے ذریعے آپ کو حضرت مجدد کا تعارف ہوا آپ بصد اشتیاق برک سے سرہند آکر مرید ہو گئے اور ایک ہی ہفتہ میں کمال کو پہنچ کر خلافت سے سرفراز ہو گئے۔ ۱۰۲۶ھ میں وفات پائی۔

(۵) آپ نے اپنے حال کے متعلق استفسار کیا تھا۔ (جواباً یہ ہے) کہ اللہ سبحانہٗ کی حمد اور
اس کا احسان ہے کہ آپ مقبولین میں سے ہیں۔ قُبِلَ مَنْ قُبِلَ بِلَا عِلَّۃٍ (جو قبول کیا گیا وہ بلا کسی وجہ کے
(۶) آپ نے لکھا تھا کہ دو[۲] شیخ زادے آئے تھے کہ ذکر کی تلقین حاصل کریں الخ.........
میرے مخدوم! استخارہ ہر امر میں مسنون و مبارک ہے۔ لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ استخارہ کے بعد
خواب یا واقعہ یا بیداری میں ایسی بات ظاہر ہو جو اس کام کے کرنے یا نہ کرنے پر دلالت کرتی ہو، بلکہ
استخارہ کے بعد قلب کی طرف رجوع ہونا چاہئے۔ اگر دل میں اس کام کے کرنے کی رغبت یا میلان
پہلے سے زیادہ ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ کام کرنا چاہئے اور اگر قلبی رغبت اسی قدر ہے
جیسی کہ (استخارہ سے) پہلے تھی اور اس میں کوئی کمی نہیں ہوئی تب بھی منع نہیں ہے ایسی صورت
میں استخاروں کی تکرار کرنی چاہئے تاکہ رغبت و میلان کی زیادتی معلوم ہو جائے ———
استخاروں کے تکرار کی انتہا سات مرتبہ ہے، اگر پہلی مرتبہ میں استخارہ ادا کرنے کے بعد توجہ میں کمی
معلوم ہو تو یہ بات منع پر دلالت کرتی ہے۔ ایسی صورت میں بھی استخاروں کو چند بار کریں تو گنجائش
ہے بلکہ ہر صورت میں استخارہ مکرر کرنا اولیٰ و انسب ہے۔ اور اس کام کے کرنے یا نہ کرنے میں احتیا
ضروری ہے۔

(۷) رسالہ "مبدا و معاد" کی اس عبارت کے معنی جو اس جسد کے بیان میں لکھی گئی ہے[۱] جو
روح کا مکتسب ہے (یعنی روح جس جسد سے افعالِ جسمانی کا اکتساب کرتی ہے) آپ نے دریافت
کئے ہیں ——— میرے مخدوم! روح کا ایسے افعال اختیار کرنا جو اجسام کے افعال کے مناسب
ہیں وہ اسی جسدِ مکتسب کی قسم سے ہیں اور اکابر قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کی روحانی امداد بھی اسی
قسم کے جسمانی افعال کی مناسبت سے ہے کہ مختلف وجوہات کی بنا پر مختلف طریقوں سے انھوں
دشمنوں کو ہلاک کیا اور دوستوں کی امداد فرمائی وغیرہ۔

(۸) آپ نے ظالموں کے فتنے سے محفوظ رہنے کے لئے (دعا کی) درخواست کی تھی (دعا کی گئی ا
حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے آپ کو اور آپ کے اہلِ خاندان کو بلکہ آپ کے علاقہ کو ظالموں کے شر سے
محفوظ کر دیا ہے لہٰذا آپ خاطر جمع ہو کر حق تعالیٰ و تقدس کی بارگاہ میں پوری طرح متوجہ اور مشغول رہ

---

[۱] حضرت مجددؒ نے رسالہ مبدا و معاد، منہاج ۱۳ میں اس بحث کو تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔

اور امید ہے کہ اس حفاظت کو کسی خاص وقت تک کے لئے معین نہیں کریں گے (بلکہ دائمی ہوگی) اِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ (والنجم آیت ۳۲) (بیشک تمہارے رب کی مغفرت بہت وسیع ہے) ــــ لیکن اس جگہ کے رہنے والوں کو نصیحت فرمادیں کہ مسلمانوں کی بھلائی اور ان کی خیر خواہی کی وضع میں تبدیلی نہ کریں کیونکہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا فرمان ہے، اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ (رعد آیت ۱۱) (بیشک اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت اس وقت تک نہیں بدلتا جبتک کہ وہ خود اپنی حالت کو نہ بدلیں)۔ والسّلام

شیخ یوسف برکی کی طرف صادر فرمایا ــــ اس راہ (سلوک) کی بے نہایتی اور کلمۂ طیبہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کے بعض فوائد کے بیان میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى (تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) ــــ وہ مکتوب جو آپ کی خیریت کے انجام والے احوال پر مشتمل تھا موصول ہوا، اور اس کا مطالعہ خوشی کا باعث ہوا۔ ع

در عشق چنیں بو العجبیہا باشد　　(عشق میں باتیں ہیں ایسی ہی عجیب)

لیکن چاہئے کہ ان احوال سے گذر کر احوال کے بدلنے والے (یعنی حق تعالیٰ) تک پہنچنا چاہئے کہ وہاں سب جہالت ونادانی ہے۔ اس کے بعد اگر معرفت سے مشرف فرمائیں تو کیا ہی نعمت وسعادت ہے۔ مختصر یہ کہ جو کچھ دید ودانش (دیکھنے اور سمجھنے) میں آئے قابلِ نفی ہے۔ اگرچہ وہ کثرت میں وحدت کا شہود ہی ہو۔ کیونکہ اس وحدت کی کثرت میں ہرگز گنجائش نہیں ہے۔ جو کچھ دیکھنے میں آتا ہے اس وحدت کی مثال اور صورت ہے نہ کہ وہ خود ــــ لہٰذا آپ کے حال کے مناسب اس وقت کلمۂ طیبہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا ذکر ہے۔ اور اس کلمہ کی اسقدر تکرار کریں کہ آپ کی دید ودانش میں کوئی اور چیز باقی نہ رہے اور سامان کو حیرت ونادانی میں ڈال دے اور معاملہ کو فنا کی طرف لے جائے۔

لہ آپ کے نام چار مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۲۳۰ پر گذر چکا ہے۔

جبتک (سالک) حیرت و جہل کی طرف نہ چلا جائے فنا نصیب نہیں ہوتی، اور جس کو آپ نے فنا سمجھا ہے اس کا فنا سے کوئی تعلق نہیں۔ اس کی تعبیر عدم سے ہے نہ کہ فنا سے۔ اور جب جہل تک پہنچنے کے بعد فنا حاصل ہو جائے تو وہ اس راہ (سلوک) کا پہلا قدم ہوگا۔ وصل کہاں اور اتصال کس کو؎

کَیْفَ الْوُصُوْلُ اِلٰی سُعَادَ وَدُوْنَهَا　　قُلَلُ الْجِبَالِ وَدُوْنَهُنَّ حُیُوْفُ

(کس طرح جاؤں درِ محبوب تک　　درمیاں ہیں پُرخطر کوہ اور غار)

آپ کے احوال درست ہیں لیکن ان سے گذرنا ضروری ہے۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ مِنَ الصَّلَوَاتِ وَالتَّسْلِیْمَاتِ اَتَمُّهَا وَاَکْمَلُهَا (اور سلام ہو اس پر جس نے ہدایت کی پیروی کی اور حضرت محمد مصطفٰے علیہ وعلی آلہ الصلوات والتسلیمات اتمہا واکملہا کی متابعت کو اپنے اوپر لازم جانا)

دوسری نصیحت شریعت پر استقامت ہے اور اپنے احوال کو شرعی اصول کے مطابق درست کرنا ہے عِیَاذًا بِاللّٰهِ سُبْحَانَهٗ (اللہ سبحانہٗ کی پناہ) اگر قول و فعل میں شریعت کے خلاف کوئی بات ظاہر ہو تو اس میں اپنی خرابی جاننا چاہئے۔ استقامت والے حضرات کا یہی طریقہ ہے۔ والسلام

مکتوب ۲۴۱
دو صد و چہل و یکم

مولانا محمد صالح[1] کی طرف بعض دوستوں کی ترقی کے بیان میں صادر فرمایا۔

حمد و صلوٰۃ کے بعد میرے سعادت مند بھائی کو معلوم ہو کہ اس جگہ کے حالات حمد کے لائق ہیں اور یہاں کے سب دوست خوش و خرم ہیں، بالخصوص مولانا محمد صدیق[2] ان دنوں اللہ سبحانہٗ کی عنایت سے ولایتِ خاصہ سے مشرف ہو گئے ہیں اور اسمِ جزئی سے اسمِ کُلّی کے ساتھ ملحق ہو گئے ہیں اس کے باوجود نظر فوق کی جانب رکھتے ہیں۔ وہاں (فوق) سے نصیبِ وافر (بہت بڑا حصہ) حاصل کر کے شاید رجوع کی طرف رجحان کریں: وَاللّٰهُ یَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ یَّشَآءُ (بقرہ آیت ۱۰۵) (اور اللہ جس کو چاہتا اپنی رحمت کے ساتھ مخصوص کر لیتا ہے) ——— کبھی کبھی اپنے اور ان دوستوں کے احوال جو طریقہ میں داخل ہو گئے ہیں اور ہونے رہتے ہیں لکھا کریں اور چند روز وہیں قیام پذیر رہیں۔ والسلام

---

[1] آپ کے نام دس مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۱۶۱ پر گذر چکا ہے آپ کا انتقال ۱۰۳۸ھ میں ہوا۔
[2] آپ کے نام تیرہ[13] مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۱۳۲ پر گذر چکا ہے۔

ملا بدیع الدین[1] کی جانب ان کے بعض سوالات کے جواب میں صادر فرمایا۔

حمد و صلوٰۃ اور تبلیغ دعوات کے بعد میرے عزیز بھائی کو معلوم ہو کہ درویش کمال نے آپ کا مکتوب شریف پہنچایا بہت خوشی کا باعث ہوا ـــــــ آپ نے اپنے اعمال اور نیتوں کو "دیدِ قصور" کی وجہ سے متہم سمجھنے کے بارے میں تحریر کیا تھا، اس کی وضاحت ہوئی۔ حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ اس "دیدِ قصور" کے مشاہدے میں زیادتی فرمائے اور اس اتہام کی تکمیل فرمائے۔ کیونکہ اس راہِ (سلوک) میں یہ دونوں (یعنی دیدِ قصور اور اتہام نیّات و اعمال) بڑی دولتیں ہیں۔

آپ نے لکھا تھا اور دریافت کیا تھا کہ اسم ذات تعالیٰ وتقدس کا شغل کس حد تک کرنا چاہئے اور اس اسمِ مبارک کی کس مقدار کی مداومت سے حجابات دُور ہو جاتے ہیں، اور نفی و اثبات کی نہایتِ حد کہاں تک ہے، اور اس کلمۂ متبرکہ سے کیا کیا کشائشیں (وسعتیں) پیش آتی ہیں اور کس مقدار میں حجابات اُٹھ جاتے ہیں؟ ـــــــ جاننا چاہئے کہ ذکر سے مراد غفلت کا دور کرنا ہے اور چونکہ ظاہر کو غفلت سے چارہ نہیں ہے خواہ ابتدا میں ہو یا انتہا میں، لہٰذا ظاہر ہے کہ ہمہ وقت ذکر کا محتاج ہے۔ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ بعض اوقات اسمِ ذات عز و جل کا ذکر زیادہ نفع بخش ہے اور بعض دوسرے اوقات میں ذکر نفی و اثبات انسب ہے ـــــــ باقی رہا باطن کا معاملہ تو وہاں بھی جب تک غفلت بالکل دُور نہ ہو جائے ذکر کے بغیر چارہ نہیں ہے البتہ اس قدر ہے کہ ابتدا میں یہ دو ذکر متعین (ضروری) ہیں اور وسط و انتہا میں یہ دونوں ذکر متعین نہیں ہیں۔ اگر تلاوتِ قرآن مجید اور نماز کی ادائیگی سے غفلت دُور ہو جائے تو گنجائش ہے۔ لیکن قرآن مجید کی تلاوت متوسط حال والوں کے مناسب ہے اور نمازِ نوافل کی ادائیگی منتہی حال والوں کے مناسب ہے۔

جاننا چاہئے کہ حضرتِ ذات تعالیٰ وتقدس کا وہ حضور جو اسماء و صفات کے ملاحظہ سے ہو اگرچہ دائمی ہو لیکن احدیت مجردہ کی طرف متوجہ ہونے والوں کے نزدیک غفلت میں داخل ہے۔ اس غفلت کو

[1] آپ کے نام دس مکتوبات ہیں اور تذکرہ دفتر اول مکتوب ۱۷۲ میں گذر چکا ہے۔

کو بھی دُور کرنا چاہیے، اور وراء الوراء کی طرف جانا چاہیے ؎

فراقِ دوست اگر اندک است اندک نیست — درونِ دیدہ اگر نیم موست بسیار است

(فراقِ یار اگر کم ہے کم نہیں سمجھو — اگر ہے آنکھ میں کچھ بال، کم نہیں جانو)

آپ نے وہ واقعات جو پیش آتے رہتے ہیں تحریر کئے تھے ان کا جواب پہلے بھی لکھا جا چکا ہے کہ یہ سب مبشرات (خوشخبری دینے والے) ہیں، ابھی ان کے ظہور کا وقت نہیں آیا منتظر رہیں اور کام میں مشغول رہیں ؎

كَيْفَ الْوُصُوْلُ إِلَى سُعَادَ وَدُوْنَهَا — قُلَلُ الْجِبَالِ وَدُوْنَهُنَّ حُيُوْفٌ

(کس طرح جاؤں درِ محبوب تک — درمیاں ہیں پُر خطر کوہ اور غار) والسلام

مکتوب ۲۴۳

دو صد و چہل و سوم

ملا ایوب محتسب[1] کی طرف طریقۂ عالیہ نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کی ترغیب میں صادر فرمایا۔

حمد و صلوٰۃ اور تبلیغ دعوات کے بعد میرے عزیز بھائی کو معلوم ہو کہ چند بار آپ نے اپنے خطوط نصیحتوں کی طلب میں تحریر کئے، لیکن یہ حقیر اپنی خرابیوں پر نظر کر کے آپ کے سوالات کے جوابات میں پیشقدمی نہیں کرتا تھا، اب جبکہ آپ کی طرف سے بار بار طلب ہوئی تو چند بے ربط و نامربوط فقرے تحریر میں آگئے ——— غور سے سنیں اور جان لیں کہ ہر شخص کے لئے جو چیز ضروری ہے اور وہ اس کا مکلف ہے وہ اوامر کی بجا آوری اور نواہی سے پرہیز کرنا ہے۔ آیۂ کریمہ مَا اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا (حشر آیت ۵۹) (رسول جو کچھ تم کو دے وہ لے لو اور جس سے وہ منع کرے اس سے باز رہو) اس معنی کی شاہد ہے۔ اور چونکہ (طالب کو) اخلاص کا حکم ہے: اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ (زمر آیت ۳۹) (آگاہ رہو کہ خالص دین (عبادت) اللہ ہی کے لئے ہے) اور وہ بغیر فنا کے حاصل نہیں ہوتا اور محبتِ ذاتیہ کے بغیر متصور نہیں ہوتا ——— لہٰذا طریقِ صوفیہ کا سلوک جس میں فنا اور محبتِ ذاتیہ کا حصول ہے ضروری ہوا۔ تاکہ اخلاص کی حقیقت شکل پذیر ہو۔ اور چونکہ صوفیہ کے طریقے کمال اور تکمیل کے مرتبوں میں متفاوت ہیں اس لئے ایسے طریقے کو جو روشن سنت کی پیروی کو لازم جانے اور احکامِ شرعیہ کی بجا آوری کے

---

[1] آپ کے نام صرف یہی ایک مکتوب ہے اور آپ کے حالات معلوم نہ ہو سکے۔

(بالکل) مطابق ہو اختیار کرنا اولیٰ اور بہت بہتر ہے، اور وہ طریقہ اکابر نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم العلیا کا طریق ہے۔ کیونکہ اس طریق کے بزرگوں نے سنت کو لازم قرار دیا ہے اور بدعت سے پرہیز فرمایا ہے۔ جہانتک ہو سکے رخصت پر عمل کرنا پسند نہیں کرتے اگرچہ بظاہر اس کو باطن میں نافع پائیں اور عزیمت پر عمل کرنا نہیں چھوڑتے اگرچہ بظاہر اس کو باطن میں مضر جانیں۔ انھوں نے احوال و مواجید کو احکامِ شرعیہ کے تابع کیا ہے اور اذواق و معارف (کیفیات وکشفیات) کو علوم دینیہ کا خادم جانتے ہیں، اور احکام شرعیہ کے نفیس جواہرات کو بچوں کی طرح جوز و مویز (اخروٹ و منقیٰ) اور وجد و حال کے بدلے نہیں دیتے، اور صوفیہ کی (حالتِ سکروالی) بیکار باتوں پر مغرور و مفتوں نہیں ہوتے، اور نص (قرآن) کو چھوڑ کر فص (فصوص الحکم) کی طرف مائل نہیں ہوتے، اور فتوحاتِ مدنیہ (احادیث و نصوصِ شرعیہ) کو چھوڑ کر فتوحاتِ مکیہ (شیخ اکبر کی تصنیف) کی طرف التفات نہیں کرتے، یہی وجہ ہے کہ ان کا حال دائمی ہے اور ان کا وقت استمراری (مستقل) ہے ——— اور ان کے باطن سے ماسویٰ کے نقوش اس طرح محو و زائل ہو جاتے ہیں کہ اگر وہ (ماسوی اللہ کو دل میں) حاضر کرنے کے لئے ہزار سال تک کوشش کریں تب بھی میسر نہ ہو۔ اور وہ تجلی ذاتی جو دوسروں کے لئے برق کی مانند ہے ان بزرگوں کے لئے دائمی ہے۔ اور وہ حضور جس کے پیچھے غیبت ہو ان عزیزوں کے نزدیک دائرہ اعتبار سے ساقط ہے (آیت کریمہ) رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ (سورہ نور [۲۴] آیت ۳۷) (وہ ایسے لوگ ہیں جنہیں تجارت اور خرید و فروخت اللہ کے ذکر سے غافل نہیں کرتی) ان کے حال کی نشاندہی کرتی ہے ——— اور اسی طرح ان کا طریق سب طریقوں سے زیادہ قریب اور یقیناً موصل ہے اور دوسروں کی نہایت ان بزرگوں کی بدایت میں مندرج ہے، اور ان کی نسبت جو کہ حضرتِ صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف منسوب ہے مشائخ کی تمام نسبتوں سے بڑھ کر ہے لیکن ہر شخص کی سمجھ ان اکابر کے مذاق کو نہیں پہنچ سکتی۔ ممکن ہے کہ اس طریقۂ عالیہ کے قاصر (کم ہمت و کوتاہ نظر) ان کے بعض کمالات سے انکار کر دیں ؎

قاصرے گر کند ایں طائفہ را طعن قصور　　حاش للہ کہ برآرم بزباں ایں گلہ را
(گر کوئی طعن ان پہ کرتا ہے　　توبہ توبہ، نہ کروں اس کا گلہ)

شاعرِ عرب (فرزدق) فرماتا ہے ؎

أُولٰئِكَ آبَائِي فَجِئْنِي بِمِثْلِهِمْ　　إِذَا جَمَعَتْنَا يَا جَرِيرُ الْمَجَامِعُ
(ایسے ایسے باپ دادا تھے جریر　　ذکر ان کا کیوں نہ ہو جب تھے کبیر)

حضرت خواجہ احرار قدس سرہ فرماتے ہیں کہ اس سلسلۂ عالیہ کے خواجگان قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم ہر زرّاق اور رقّاص (مکار اور رقص کرنے والے) کے ساتھ نسبت نہیں رکھتے، ان کا کارخانہ بلند ہے ؎

حیف باشد شرح او اندر جہاں | ہمچو رازِ عشق باید در نہاں
لیک گفتم وصفِ او تا رہ برند | پیش ازاں کز فوتِ آں حسرت خورند

(شرح ان کی خوبیوں کی کیا کروں | مثلِ رازِ عشق انھیں پنہاں رکھوں
لیکن ان کا وصف کم کم ہے بیاں | ہو نہ محرومی پہ حسرت بے گماں)

اگر ان برگزیدہ حضرات کے خصائص و کمالات کے بیان میں دفتروں کے دفتر لکھے جائیں تب بھی وہ دریائے بیکراں کے مقابلے میں قطرہ کے مانند ہیں۔ ؏

دادیم ترا ز گنجِ مقصود نشاں (گنجِ مقصود کا پتا یہ ہے)

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ مِنَ الصَّلَوَاتِ اَفْضَلُهَا وَمِنَ التَّسْلِیْمَاتِ اَکْمَلُهَا (اور سلام ہو اس پر جس نے ہدایت کی پیروی کی اور حضرت محمد مصطفےٰ علیہ وعلی آلہ من الصلوات افضلہا ومن التسلیمات اکملہا کی متابعت کو اپنے اوپر لازم کیا)۔

مکتوب ۲۴۴
دو صد و چہل و چہارم

ملا محمد صالح[1] کولابی کی طرف صادر فرمایا —— ان کے خط کے جواب میں جس میں انھوں نے اپنے احوال کی خرابی بیان کی تھی۔

میرے سعادتمند بھائی خواجہ محمد صالح کا گرامی نامہ موصول ہوا جس میں انھوں نے اپنی خرابیٔ احوال کے بارے میں لکھا تھا، امید ہے کہ اس سے بھی زیادہ خراب ہوں گے۔ اور اس خرابی کی نہایت اس مکتوب میں جو انہی ایام میں (فقیر نے اپنے) فرزند ارشد کے نام لکھا ہے درج ہو چکی ہے وہاں سے معلوم کریں —— اگر آپ سمجھتے ہیں کہ آپ کا وہاں چند روز قیام کرنا دوستوں کی جمعیت (اطمینان) کا باعث ہے تو بہتر ہے کہ وہاں چند روز اور قیام کریں، یہ فقیر بھی دہلی کے سفر کا ارادہ

[1] آپ کے نام دس مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۱۶۱ پر گذر چکا ہے۔

(کما رکنان قضا قدر نے)
دکھتا ہے، اکثر استخارے اور توجہات اس سفر کا باعث ہیں ——— اور اس مقام کو میرے فرزند ارشد (خواجہ محمد صادق) کو عنایت فرمادیا ہے اور ان کی ولایت میں داخل کر دیا گیا ہے۔ فقیر اس جگہ مسافروں کی طرح اُن کی ولایت میں بیٹھا ہوا ہے ——— اور جو دوست طریقہ عالیہ میں داخل ہو گئے ہیں بالخصوص میر سید مرتضےٰ، مولانا شکر اللہ اور میر سید نظام بہت دعاؤں کے ساتھ مخصوص ہیں۔ فرزندی خواجہ محمد صادق اور سب بھائی آپ کو اور سب دوستوں کو سلام و دعا کہتے ہیں۔

سید انبیا[1] کی طرف ان کے سوالات کے جواب میں تحریر فرمایا۔

حمد و صلوٰۃ اور تبلیغ دعوات کے بعد واضح ہو کہ مکتوب شریف جو قاصد کے ہمراہ ارسال کیا تھا موصول ہو کر خوشی کا باعث ہوا ——— آپ نے لکھا تھا کہ ذکر نفی و اثبات اکیس[21] عدد تک پہنچایا ہے لیکن اس پر مداومت نہیں رہتی، اور کبھی کبھی غیبت (ناغہ) بھی ہو جاتی ہے ——— اے محبت کے نشان والے! ذکر کرنے میں ظاہراً شرائط میں سے کوئی نہ کوئی شرط مفقود ہے جس کی وجہ سے اس عدد پر کوئی نتیجہ مرتب نہیں ہوا۔ انشاء اللہ تعالیٰ بالمشافہ معلوم کر لیں گے۔

دوسرے آپ نے اس قول کے معنی دریافت کئے تھے اور لکھا تھا کہ حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے کام کو تکمیل کر کے فرمایا: ذِکْرُ اللِّسَانِ لَقْلَقَۃٌ وَّذِکْرُ الْقَلْبِ وَسْوَسَۃٌ وَّذِکْرُ الرُّوْحِ شِرْکٌ وَّذِکْرُ السِّرِّ کُفْرٌ (زبان کا ذکر بکواس ہے اور قلب کا ذکر وسوسہ، روح کا ذکر شرک اور سر کا ذکر کفر ہے)؟ —

——— (جواب) آپ سمجھ لیں، کہ جب "ذکر" ذاکر و مذکور کی خبر دینے والا ہے، خواہ کوئی ذکر ہو اور اس کا اصل مقصود ذاکر اور ذکر کا مذکور میں فنا ہونا ہے اس لئے نتیجہ کے طور پر ذکر کو لقلقہ، وسوسہ، شرک اور کفر فرمایا ہے

ہرچہ از دوست و امانی چہ کفر آں حرف چہ ایماں　　ہرچہ از راہ دور افتی چہ زشت آں حرف وچہ زیبا
(جدا جو حق سے کردے ایسا ایمان کفر بن جائے　　تجھے گمراہ جو کر دے وہ خوبی عیب کہلائے)

---

[1] آپ کے نام دو مکتوبات ہیں دفتر اول مکتوب ۲۴۵-۲۸۸ باقی حالات معلوم نہ ہو سکے البتہ فارسی نسخہ کے حاشیہ پر بطور نسخہ ملا صالح لکھا ہوا ہے اور اردو تراجم [illegible]

لیکن فنا و بقا کے حاصل ہونے سے پہلے ذکر کے لئے ان ناموں کے عارض ہونے کو جاننا ضروری ہے، کیونکہ بقا کے حاصل ہونے کے بعد ذاکر کا وجود اور ذکر کا ثبوت اس سے مذموم نہیں ہے۔ اور اگر اس کے معنی سمجھنے میں کچھ اخفا رہ گیا ہو تو بالمشافہ دریافت کرنے پر معلوم ہو جائے گا کیونکہ تحریر کا حوصلہ (گنجائش) کم ہے۔ لہٰذا اس قول کو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف نسبت دینا خصوصاً کام پورا ہونے کے بعد مستحسن نہیں ہے۔

دوسرا سوال یہ تھا کہ آپ نے لکھا تھا کہ "شیخ ابوسعید ابوالخیر[۵۱] نے ابو علی سینا[۵۲] سے مقصود (حق جل و علا) پر دلیل طلب کی تھی اور اس نے جواب میں لکھا تھا کہ "کفرِ حقیقی میں آجا اور اسلام مجازی سے نکل جا"۔ اور شیخ ابوسعید نے عین القضاۃ[۵۳] کو لکھا کہ "اگر ایک لاکھ سال تک عبادت کرتا تو مجھے وہ فائدہ حاصل نہ ہوتا جو ابو علی سینا کے اس کلمہ سے حاصل ہوا"۔ عین القضاۃ نے جواب میں لکھا کہ "اگر آپ سمجھ لیتے تو اس بیچارے کی طرح مطعون اور ملامت زدہ ہو جاتے"۔

(جواب) جاننا چاہئے کہ کفرِ حقیقی سے مراد دوئی کا دور کرنا ہے اور کثرت کا کلی طور پر چھپ جانا ہے جو کہ فنا کا مقام ہے اور اس کفرِ حقیقی کے اوپر اسلامِ حقیقی کا مقام ہے جو بقا کا محل ہے۔ کفرِ حقیقی کو اسلامِ حقیقی سے نسبت دینا سراسر نقص و عیب ہے۔ یہ ابنِ سینا کی کوتاہ نظری ہے کہ اس نے اسلامِ حقیقی کی طرف رہنمائی نہیں کی اور حقیقت میں اس کو کفرِ حقیقی سے بھی کچھ نصیب نہیں ہوا، لہٰذا اس نے صرف علم و تقلید کی وجہ سے کہہ دیا اور لکھ دیا بلکہ اس کو تو اسلامِ مجازی سے بھی پورا حصہ حاصل نہیں ہوا اور وہ فلسفہ کی موشگافیوں میں الجھ کر رہ گیا۔۔۔ امام غزالیؒ[۵۴] اس کی تکفیر کرتے ہیں اور حق یہ ہے کہ اس کے فلسفی اصول اسلام کے اصول کے مخالف ہیں۔۔۔ دوسرے یہ کہ شیخ ابوسعید عین القضاۃ کے زمانے سے بہت پہلے ہوتے ہیں وہ ان کو کیسے لکھتے۔۔۔ اگر کوئی شبہ باقی رہ گیا ہو تو بوقتِ ملاقات دریافت فرمالیں۔ والسلام

---

[۵۱] شیخ ابوسعید ابوالخیر کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۱۱ کے حاشیہ پر ملاحظہ ہو۔

[۵۲] شیخ الرئیس بو علی سینا مسلم مفکرین اور حکماء میں سے ہیں۔ ۳۷۰ھ/۹۸۰ء میں بخارا کے قریب افشنا کے مقام پر پیدا ہوئے اور ۴۲۸ھ/۱۰۳۷ء میں ہمدان میں وفات پائی۔ مختلف علوم و فنون کے ماہر تھے۔ تصانیف کی تعداد کافی ہے، ان میں شفا فلسفہ کی انسائیکلوپیڈیا اور قانون خاص طور پر مشہور ہیں۔

[۵۳] آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۲۰۰ پر گزر چکا ہے۔

[۵۴] حجۃ الاسلام امام محمد بن محمد غزالیؒ طوس کے رہنے والے اور جامع شریعت و طریقت تھے تصوف میں شیخ ابو علی فارمدی سے نسبت حاصل تھی مذہباً شافعی تھے کثیر التصانیف ہیں۔ آپ کی تفسیر قرآن "یاقوت التاویل" چالیس جلدوں میں ہے علاوہ ازیں احیاء العلوم اور کیمیائے سعادت نہایت بلند پایہ تصانیف ہیں۔ ولادت ۴۵۰ھ اور وفات ۱۴ جمادی الآخر ۵۰۵ھ کو بغداد میں ہوئی۔

مکتوب ۲۴۶
دو صد و چہل و ششم

میر محمد نعمان[سلہ] کی طرف صادر فرمایا ـــــ اس مقام کے حاصل ہونے کے بارے میں جو کمال و تکمیل کے مراتب میں متوقع اور مترصد (امیدوار) ہے، اور اس بے توفیقی کی وجہ کے بیان میں جو بعض اوقات طاری ہو جاتی ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهِ الطَّاهِرِیْنَ وَعَلَیْهِمْ اَجْمَعِیْنَ (شروع اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم والا ہے، اور تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کے لئے ہیں اور حضرت سید المرسلین اور آپ کی پاک اولاد اور اصحاب پر صلوٰۃ و سلام ہو) ـــــ آپ کے مکتوبات گرامی پے در پے صادر ہوئے اور بہت زیادہ خوشی حاصل ہوئی۔ کوئی قاصد اُن اطراف کی طرف جانے والا نہ ملا اس لئے ہر ایک کا جواب نہ لکھ سکا امید ہے کہ معذور سمجھیں گے ـــــ آپ نے میر داد کے ہمراہ جو مکتوب ارسال کیا تھا اس کے پہنچنے کے بعد ایک روز صبح کی نماز کے بعد دوستوں کے حلقہ میں بیٹھا ہوا تھا کہ ارادۃً یا بے ارادہ آپ کی جانب توجہ پیدا ہو گئی اور بقایا آثار جو آپ میں نظر آتے تھے اُن کو دُور کرنے کے درپے ہوا، اور وہ ظلمتیں اور کدورتیں جو محسوس ہو رہی تھیں ان کے دفع کرنے میں کوشش کرنے لگا یہاں تک کہ آپ کے کمال کا ہلال بدر کامل بن گیا اور جو کچھ آفتاب ہدایت میں امانت رکھا تھا وہ سب کا سب اس بدر میں منعکس ہوا، یہاں تک کہ کمال کی جانب میں کچھ باقی نہ رہا کہ جس کی توقع یا انتظار کیا جائے۔ اِلَّا اَنْ یَّتَّسِعَ الظَّرْفُ بَعْدَ ذٰلِكَ وَیَاْخُذَ بِقَدْرِ وُسْعَتِهٖ شَیْئًا فَشَیْئًا (سوائے اس کے کہ ظرف وسیع ہو جائے اور اس کے بعد اپنی وسعت کے موافق تھوڑا تھوڑا کر کے حاصل کرلے) ـــــ اور بہت دیر تک اس معنی کی مثالی صورت نظر میں رہی یہاں تک کہ وہ یقین جو صدق کا مصداق ہے حاصل ہوا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ سُبْحَانَهٗ عَلٰی ذٰلِكَ (اس پر اللہ سبحانہٗ کا شکر ہے)

اس دولت کا حصول اس واقعہ کی تاویل ہے جو آپ نے دیکھا تھا اور جس کے حاصل

سلہ آپ کے نام ۳۳ مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۱۱۹ پر گذر چکا ہے۔

ہونے کے لئے آپ بڑے مبالغہ اور تاکید کے ساتھ سوال کرتے تھے۔ لِلّٰہِ الْحَمْدُ سُبْحَانَہٗ وَالْمِنَّۃُ، (اللہ سبحانہٗ کی حمد اور احسان ہے) کہ آپ کا قرض پورا پورا ادا ہو گیا، وعدہ وفا اور ایفائے عہد ہوا۔ امید ہے کہ اس کمال کے اندازے کے مطابق تکمیل حاصل ہو گی، اور اس علاقہ کے دشت و صحرا آپ کے وجود شریف سے منور ہوں گے۔

آپ نے اپنی بے توفیقی کے متعلق تحریر کیا تھا اس کا ظاہری سبب قبض کی زیادتی ہے اور چونکہ آپ کا قبض عرصہ تک رہتا ہے لہذا اس کا اثر اور نتیجہ بھی اس کی طوالت کی وجہ سے زیادہ ہوتا ہے (لہذا اس کا خیال نہ کریں) اور اپنے آپ کو تکلف کے ساتھ اعمال و عبادت کے ادا کرنے میں مشغول رکھیں اور اسی طرح عمل پیرا رہیں ——— دوسرے اس سال بہت علوم بلند اور معارفِ ارجمند ظہور میں آئے ہیں، ان میں سے دو مسودے اخوند مولانا محمد امین[1] اپنے ہمراہ لے گئے ہیں ان میں کا ایک مسودہ ہمارے حضرت خواجہ (باقی باللہ) قدس سرہٗ کی بعض رباعیات کی شرح کے حل میں ہے جو فیروز آباد کے دوستوں کی قراءت کے وقت تحریر ہوئی تھیں، اس رسالہ میں توحید آمیز علوم ان رباعیات کی تقریب کے سلسلہ میں درج ہوئے ہیں، اور علماء اور ان صوفیہ کے درمیان جو کہ وحدت الوجود کے قائل ہیں مطابقت پیدا کی ہے، اور وہ اس طرز پر تحریر ہوئے ہیں کہ فریقین کا نزاع لفظی رہ جاتا ہے۔ ——— اور دوسرا مسودہ وہ مکتوب ہے جو فرزندی وارشدی[2] کے نام بہت بسط و تفصیل کے ساتھ تحریر کیا گیا ہے اس کے مطالعہ کے وقت آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ یہ علوم کس درجہ بلند ہیں۔ اگر ان میں کوئی بات شبہ والی ہو تو دریافت کر لیں۔

مکتوب ۲۴۷ (عربی)

دو صد و چہل و ہفتم

عرفان پناہ میرزا حسام الدین احمد[3] کی طرف صادر فرمایا ——— اس بیان میں کہ حق تعالیٰ و تقدس کے وجودِ مقدس پر اس کا ایجاد حق جل سلطانہٗ کی دلیل ہے نہ کہ اس کے علاوہ، اور اس کے مناسب بیان میں۔

---

[1] مولانا محمد امین کے نام دو مکتوب ہیں اور تذکرہ دفتر اول مکتوب ۱۹۶ پر درج ہے۔

[2] غالباً مخدوم زادہ کلاں خواجہ محمد صادق مراد ہیں اور مکتوب ۲۳۴ دفتر اول ہے۔

[3] آپ کے نام ۱۷ مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۳۲ پر گذر چکا ہے۔

عَرَفْتُ رَبِّي بِفَسْخِ الْعَزَائِمِ لَا بَلْ عَرَفْتُ فَسْخَ الْعَزَائِمِ بِرَبِّي (میں نے اپنے پروردگار کو اپنے مستحکم ارادوں کے ٹوٹنے سے پہچانا، نہیں بلکہ ارادوں کے ٹوٹنے کو اپنے پروردگار جل وعلا کے ساتھ پہچان لیا ہے)۔ کیونکہ وہ سبحانہٗ وتعالیٰ اپنے ماسویٰ پر دلیل ہے نہ کہ غیر اللہ اس سبحانہٗ پر دلیل؟ اس لئے کہ دلیل اپنے مدلول سے اظہر ہوتی ہے اور اس سبحانہٗ وتعالیٰ سے زیادہ اور کونسی چیز اظہر ہے کیونکہ تمام اشیاء اس کے ساتھ اور اسی سے ظاہر ہوئی ہیں لہٰذا وہ سبحانہٗ وتعالیٰ اپنی ذات پر اور اپنے ماسوا پر دلیل ہے۔ پس لازماً عَرَفْتُ رَبِّي بِرَبِّي وَعَرَفْتُ الْأَشْيَاءَ بِهٖ تَعَالٰى (میں نے اپنے رب کو اپنے رب ہی کے ذریعہ پہچانا اور اشیاء کو اس سبحانہٗ وتعالیٰ کے ساتھ پہچانا) ——— لہٰذا برہان اس جگہ "لمّی" [1] ہے (معلوم بر علت کے اثر کے ساتھ) اور اکثر کے گمان میں "اِنّی" ہے اور تفاوت نظر کے تفاوت سے ہے اور اختلاف بلحاظ منظر کے اختلاف کے ہے، بلکہ وہاں استدلال و برہان کی مجال نہیں ہے کیونکہ اس سبحانہٗ وتعالیٰ کے وجود میں کوئی پوشیدگی نہیں ہے اور اس کے ظہور میں کوئی شک و تردد نہیں ہے اور تمام بدیہیات (جانی پہچانی پیش نظر چیزوں) سے زیادہ ظاہر اور روشن ہے۔ اور یہ بات سوائے اس شخص کے کسی پر پوشیدہ نہیں جس کے دل میں مرض اور آنکھوں پر پردہ ہو۔ حالانکہ تمام اشیاء ظاہری حواس سے محسوس ہیں اور وضاحت کے ساتھ معلوم ہیں کہ ان سب کا وجود حق تعالیٰ وتقدس کی طرف سے ہے لیکن بعض لوگوں کو اس کا علم حاصل نہ ہونا کسی بیماری کے عارض ہونے کی وجہ سے ہے جو اصل مطلوب میں مضر نہیں ہے۔ وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَعَلٰى سَائِرِ مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِيمَاتُ اَتَمُّهَا وَاَكْمَلُهَا (اور سلام ہو آپ پر اور تمام لوگوں پر جنہوں نے ہدایت کی پیروی کی اور حضرت محمد مصطفےٰ علیہ و علی آلہ الصلوات والتسلیمات اتمہا واکملہا کی متابعت کو اپنے اوپر لازم جانا)

یہ مکتوب بھی عالی جناب میرزا حسام الدین احمد کی طرف صادر فرمایا ——— اس بیان میں کہ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی مکمل تابعداری کرنے والوں کو ان کے تمام کمالات سے بطریق تابعداری

---

[1] "برہان لمّی" یہ ہے کہ علت سے معلول کی طرف دلیل پکڑیں اور "اِنّی" یہ ہے کہ معلول سے علت کی طرف دلیل پکڑیں۔

کچھ نہ کچھ حصہ ملتا ہے۔ اور اس بیان میں کہ کوئی ولی کبھی نبی کے مرتبہ پر نہیں پہنچ سکتا۔ اور اس بات کی تحقیق میں کہ آں سرور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے جو تجلی ذاتی مخصوص ہے اس کے کیا معنی ہیں اور اس کے مناسب بیان میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدٰىنَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ (اعراف آیت ۴۳) (اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے ہم کو اس طرف ہدایت کی اگر وہ ہم کو ہدایت نہ کرتا تو ہم ہرگز ہدایت نہ پاتے بیشک ہمارے رب کے رسول حق بات لے کر آئے ہیں) صَلَوَاتُ اللّٰهِ تَعَالٰى وَتَسْلِيْمَاتُهٗ سُبْحَانَهٗ عَلَيْهِمْ وَعَلٰى اَتْبَاعِهِمْ وَاَنْصَارِهِمْ وَاَعْوَانِهِمْ وَخَزَنَةِ اَسْرَارِهِمْ۔ (ان پر اور ان کے تابعداروں پر اور ان کے انصار اور ان کے مددگاروں اور ان کے اسرار کے محافظوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے صلوٰۃ وسلام ہو) ———— انبیا علیہم الصلوات والتسلیمات کے کامل تبعین کمال متابعت و فرطِ محبت کے باعث بلکہ محض (اللہ تعالیٰ کی) عنایت و بخشش کی وجہ سے اپنے متبوع (اتباع کردہ) انبیا کے تمام کمالات کو جذب کر لیتے ہیں بلکہ ان کے رنگ میں پورے طور پر رنگے جاتے ہیں، یہاں تک کہ متبوعان (جن انبیا کی پیروی کی گئی) اور متابعان (اتباع کرنے والے اولیا) کے درمیان اصالت و تبعیت اور اولیت و آخریت کے علاوہ کچھ فرق نہیں رہتا۔ باوجود اس امر کے کوئی تابع (اتباع کرنے والا) خواہ وہ افضل الرسل (صلی اللہ علیہ وسلم) کے تابعداروں ہی میں سے ہو کسی نبی کے مرتبہ کو نہیں پہنچتا اگرچہ وہ نبیوں میں سب سے کم درجہ کا نبی ہو ———— یہی وجہ ہے کہ حضرت صدیق رضؓ جو کہ انبیاؑ کے بعد تمام انسانوں میں سب سے افضل ہیں اُن کا سر ہمیشہ اس پیغمبر کے زیر قدم ہوگا جو تمام پیغمبروں سے کم درجہ ہے ———— اس کا سبب یہ ہے کہ تمام انبیا اور ان کے ارباب کے تعینات کے مبادی مقام اصل سے ہیں اور تمام اعلیٰ و اسفل انبیوں اور ان کے ارباب کے مبادی تعینات اس اصل کے ظلال کے مقامات سے اپنے اپنے درجے کے موافق ہیں۔ پس اصل اور ظل کے درمیان مساوات کس طرح ہو سکتی ہے ———— اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ ۝ اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ ۝ وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ (صافات آیت ۱۷۱ تا ۱۷۳) (اور بیشک ہمارے مرسلین بندوں کے لئے ہمارا قول پہلے ہی سے طے شدہ ہے کہ یقیناً وہی غالب رہیں گے اور یقیناً ہمارا لشکر ہی غالب رہے گا)

اور یہ جو کہتے ہیں کہ تجلی ذات تعالیٰ و تقدس انبیا کے درمیان حضرت خاتم الرسل علیہ و علیہم الصلوات والتحیات

کے لئے مخصوص ہے اور آں سرورؐ کے کامل تابعداروں کو بھی اس تجلی سے حصہ حاصل ہے۔ اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ دوسرے انبیاءؑ کو تجلی ذات کا حصہ حاصل نہیں ہے اور تابعداری کی وجہ سے ان کے کاملوں کو نصیب ہے، حاشا وکلا (ہرگز ایسا نہیں ہے) کہ کوئی اس سے یہ مطلب تصور کرے کیونکہ اس میں اولیاء کی انبیاء پر فوقیت ہوتی ہے ——— بلکہ آں سرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰت والتسلیمات پر اس تجلی کے مخصوص ہونے کے یہ معنی ہیں کہ دوسروں کو اس تجلی کا حاصل ہونا آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طفیل اور تبعیت (اتباع) کی وجہ سے ہے، اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو بھی اس تجلی کا حصول آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طفیل سے ہے، اور اس امت کے کامل اولیاء کو بھی آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیروی کی وجہ سے حاصل ہے۔ انبیاء اس نعمتِ عظمیٰ کے دستر خوان پر آپ علیہ الصلوات والتحیات کے طفیلی و ہمنشیں ہیں اور اولیاء (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے) خادم، پس خوردہ کھانے والے اور ہمنشین و طفیلی اور خادم پس خوردہ کھانے والے کے درمیان بہت فرق ہے۔ اس مقام میں قدم کو لغزش ہو جاتی ہے۔

اس تحقیق میں اور اس شبہ کے دُور کرنے کے سلسلہ میں اس فقیر نے اپنے مکتوبات و رسائل میں متعدد توجیہات کا ذکر کیا ہے اور حق وہی ہے جو میں نے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے فضل وکرم سے ان مسودوں (مکتوبات) میں تحقیق کی ہے۔

آپ کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ اگرچہ تمام انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کو آں سرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کے طفیل اس تجلی سے حصۂ وافر نصیب ہے، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ولایتِ خاصہ نے ان کی امتوں کے اولیاء میں سرایت نہیں کی اور نہ اس تجلی سے ان کو کوئی حصہ ملا کیونکہ جب ان کے اصول میں یہ دولت طفیلی اور عکسی طور پر ہو تو فروع میں عکس کے عکس کو کیا حاصل ہو سکتی ہے چنانچہ اس معنی کا مصداق کشفِ صریح ہے، استدلالِ عقلی پر مبنی نہیں ——— اور جو کچھ اس سے پیشتر ذکر کیا گیا کہ کامل پیروی کرنے والے کمال متابعت کے سبب اپنے متبوعوں کے پورے پورے کمالات جذب کر لیتے ہیں۔ ان کمالات سے مراد متبوعوں کے اصلی کمالات ہیں نہ کہ مطلقاً، تاکہ تعارض پیدا نہ ہو۔ بلکہ یہ لوگ اپنے انبیاء میں سے ہر ایک نبی کی ولایتِ مخصوصہ سے بہرہ ور ہوئے ہیں، اور چونکہ سب امتوں کے درمیان یہی امت پیروی کے باعث اس تجلی (ذاتی) سے مخصوص ہے اور اس دولتِ عظمیٰ سے مشرف ہے لہذا (یہ امت) خیر الامم ہو گئی، اور اس امت کے علماء بنی اسرائیل کے

انبیاء کے رنگ میں ہو گئے۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ (جمعہ ۶۲ آیت ۴) (یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے)۔

(یہ فقیر) چاہتا تھا کہ اس ولایتِ خاصہ کی خصوصیات اور فضائل میں سے کچھ تحریر کرے لیکن وقت کی تنگی نے موافقت نہ کی اور کاغذ بھی کوتاہ ہو گیا ـــــ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی عنایت سے علوم و معارف "بارانِ نیساں" کی طرح برس رہے ہیں اور عجیب و غریب اسرار پر اطلاع بخش رہے ہیں اس راز کے محرم اپنی اپنی استعداد کے موافق میرے فرزندانِ گرامی ہیں، کیونکہ دوسرے دوست چند روز حضور میں ہیں اور چند روز غیبت میں۔ اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ ہر چند ولی، ولی کامل ہو لیکن صحابی کے مرتبہ کو نہیں پہنچتا ـــــ آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کا شوق حد سے بڑھ گیا ہے۔ جو صحیفہ گرامی اس فقیر کے نام تحریر فرمایا تھا اس کے پہنچنے سے مشرف ہوا ـــــ دید قصور (اعمال کی کوتاہی کو نظر میں رکھنا) بہت بڑی نعمت ہے۔ لیکن تمام احوال میں میانہ روی بہت بہتر ہے۔ افراط تفریط کی طرح حدِ اعتدال سے باہر ہے ـــــ وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَعَلٰى سَائِرِ مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِيْمَاتُ (اور سلام ہو آپ پر اور ان سب پر جو ہدایت کی پیروی کریں اور حضرت محمد مصطفٰے علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کی متابعت اپنے اوپر لازم کر لے)۔

حضرت سید الاولین والآخرین کی متابعت کے فضائل اور اس پر مترتبہ کمالات اور اس کے ساتھ مخصوص مراتب کے بیان میں میرزا داراب[1] کی طرف صادر فرمایا۔

الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى (تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) ـــــ آخرت کی نجات اور دائمی فلاح حضرت سید الاولین والآخرین علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات اتمہا واکملہا کی متابعت پر وابستہ ہے ہذا آنحضرتؐ کی متابعت کی وجہ سے (آپ کی امت کے برگزیدہ) حق جل سلطانہٗ کی محبوبیت کے مقام پر پہنچتے ہیں، اور

اتباعِ رسولؐ کے فضائل

[1] آپ کے نام چار مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۱۰ پر گزر چکا ہے۔

آپؐ ہی کی متابعت سے تجلی ذات تعالیٰ و تقدس سے مشرف ہوتے ہیں، اور آپؐ ہی کی متابعت کی وجہ سے عبدیت کے مرتبہ پر جو تمام کمالات کے مراتب میں فوق ہے اور محبوبیت کے مقام کے حاصل ہونے کے بعد ہے سرفراز ہوتے ہیں۔ اور آپؐ ہی کی کامل پیروی کرنے والوں کو بنی اسرائیل کے انبیاء کے مانند فرمایا ہے ـــــ اور پیغمبران اولوالعزم بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کی آرزو رکھتے تھے۔ اور اگر حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے میں زندہ ہوتے تو ان کو بھی آپؐ کی متابعت کے بغیر چارہ نہ ہوتا[1] ـــ اور حضرت عیسیٰ روح اللہ کے نزول اور حضرت حبیب اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت کا قصہ معلوم اور مشہور ہے ـــــ اور آپؐ کی امت آپؐ ہی کی متابعت کی برکت سے "خیر الامم"[2] قرار دی گئی، اور ان میں سے اکثر اہل جنت[3] میں سے ہیں اور کل بروز قیامت آپؐ ہی کی متابعت کی بدولت تمام امتوں سے پہلے بہشت میں داخل ہوں گے اور وہاں کی نعمتیں حاصل کریں گے۔ اسی طرح اور اسی طرح ہوگا (یہ فضائل و خصائص صرف اسی امت کے لئے مخصوص ہیں) ـــــــ پس آپ کے اوپر لازم ہے کہ آنحضرت علیہ وعلیٰ جمیع اخوانہ من الصلوات افضلہا و من التسلیمات اکملہا کی متابعت اور سنت کو لازم جان کر شریعت حقہ کے احکام بجا لائیں۔

دوسرے یہ کہ یہ فقیر، شیخ اسمٰعیل کی سفارش کرتا ہے جو کہ عارف آگاہ حاجی عبد الحق کے دوستوں میں سے ہیں۔ والسلام

مکتوب ۲۵۰

دو صد و پنجاہم

ملا احمد برکی[4] کی طرف بعض سوالات کے حل میں صادر فرمایا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم حمد و صلوٰۃ اور تبلیغ دعوات کے بعد واضح ہو کہ اس طرف کے فقراء کے احوال و اوضاع شکر کے لائق ہیں اور آپ کی عافیت اللہ سبحانہٗ سے مطلوب ہے ـــــــ مکتوب گرامی موصول ہوا۔ آپ نے تحریر کیا ہے کہ وہ ذوق و فرحت جو پہلے حاصل تھی اب اپنے اندر نہیں پاتا

---

[1] قال صلی اللہ علیہ وسلم ولو کان موسیٰ حیا ما وسعہ الا اتباعی (رواہ احمد والبیہقی عن جابر۔ مشکوٰۃ)

[2] قال تعالیٰ کنتم خیر امۃ الخ وقال صلی اللہ علیہ وسلم انتم تتمون سبعین امۃ انتم خیرھا واکرمھا علی اللہ تعالیٰ (رواہ الترمذی وابن ماجہ۔ مشکوٰۃ) ـ [3] قال صلی اللہ علیہ وسلم اھل الجنۃ عشرون ومائۃ صف ثمانون منہا من ھذہ الامۃ واربعون من سائر الامم (رواہ الترمذی والدارمی والبیہقی۔ مشکوٰۃ) ـــ

[4] آپ کے نام چار مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۲۳۹ پر گذر چکا ہے ـ

اور اس کو اپنا تنزل جانتا ہے ——— میرے بھائی کو معلوم ہو کہ پہلی حالت کا تعلق اہلِ وجد و سماع سے تھا جس میں جسد کو کامل دخل تھا، اور جو حالت اب میسر ہوئی ہے اس میں جسم کو بہت تھوڑا حصہ نصیب ہے، اس کا زیادہ تعلق روح و قلب کے ساتھ ہے، اس معاملہ کا بیان تفصیل چاہتا ہے ——— مختصر یہ کہ دوسری حالت پہلی حالت سے کئی درجہ بہتر ہے، اور ذوق و وجدان کا نہ پانا اور خوشی کا دور ہونا ذوق و خوشی کے وجدان سے بالاتر ہے، کیونکہ نسبت جسقدر جہالت اور حیرت کی طرف ترقی کرے اور جسد سے دُور ہو اسی قدر اصیل ہے اور مطلوب کے حصول میں نزدیک تر ہے۔ کیونکہ اس مقام میں عجز اور نادانی کے علاوہ کسی اور چیز کی گنجائش نہیں ہے (اسی لئے) جہل کو معرفت سے تعبیر کرتے ہیں اور عجز کو ادراک کا نام دیتے ہیں۔

آپ نے تحریر کیا تھا کہ اس نسبت کی وہ تاثیر جو پہلے تھی اب نہیں رہی ——— ہاں ہاں جسدی تاثیر نہیں رہی لیکن تاثیر روحی میں اضافہ ہو گیا ہے، اگرچہ ہر شخص اس کا ادراک نہیں کر سکتا لیکن کیا کیا جائے کہ آپ کو اس فقیر کے ساتھ صحبت بہت کم حاصل ہوئی ہے اور علوم و معارفِ خاصہ بہت کم ذکر ہوئے ہیں۔ شاید حق تعالیٰ کو منظور ہو اور دوسری صحبت میسر ہو جائے اور چند روز مل بیٹھیں۔

نیز آپ نے دریافت کیا تھا کہ آیا زادِ راہ اور سواری ہونے کے باوجود اس پُر فتن زمانے میں مکہ مکرمہ کا سفر فرض ہے یا نہیں ——— میرے مخدوم! اس بارے میں فقہ کی روایات میں بہت اختلاف ہے اور فقیہ ابو اللیث کا فتویٰ اس مسئلہ میں مختار ہے، انھوں نے کہا ہے کہ "اگر راستہ میں امن اور عدم ہلاکت کا گمان غالب ہے تو اس سفر کی فرضیت ثابت ہے ورنہ نہیں" ——— لیکن یہ وجوبِ ادا کی شرط ہے نفسِ وجوب کی شرط نہیں یہی صحیح ہے لہٰذا ایسی صورت میں حج کی وصیت واجب ہو گی۔

چونکہ وقت نے موافقت نہیں کی اس لئے آپ کے دوسرے سوالات کو کسی دوسرے مکتوب پر موقوف کر دیا۔ والسلام
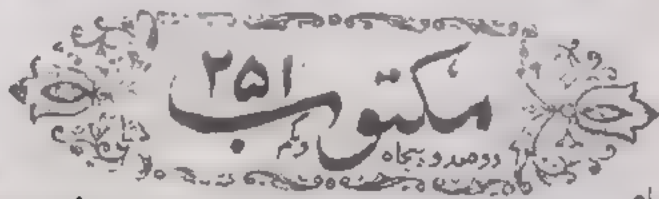
مولانا محمد اشرف[1] کی طرف صادر فرمایا ——— خلفائے راشدین کے فضائل اور حضرات شیخین کی افضلیت، اور حضرت امیر (علیؓ) کے بعض خصائص، اور اصحابِ کرام علیہم الرضوان کی تعظیم و توقیر

[1] آپ کے نام دس مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۱۳۱ پر گذر چکا ہے۔

اور ان کے درمیانی جھگڑوں اور لڑائیوں کے بارے میں صحیح موقف اور اس کے متعلق بیان میں۔

حمد وصلوٰۃ اور تبلیغ دعوات کے بعد میرے سعادت مند بھائی خواجہ محمد اشرف کو معلوم ہو کہ بعض علوم غریبہ، اسرار عجیبہ، مواہب لطیفہ اور معارف شریفہ کہ جن میں اکثر حضرات شیخین و ذی النورین اور حیدر کرار (یعنی خلفائے اربعہ) رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے فضائل و کمالات سے تعلق رکھتے ہیں اپنی ناقص فہم کے مطابق حوالۂ قلم کرتا ہوں، ہوش کے کانوں سے سماعت فرمائیں۔

حضرت صدیق اور حضرت فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کمالاتِ محمدی تک حاصل ہونے اور ولایتِ مصطفوی علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے درجات پر فائز ہونے کے باوجود گذشتہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے درمیان ولایت کی جانب حضرت ابراہیم صلوات اللہ تعالیٰ وتسلیماتہ، علیٰ نبینا وعلیہ کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں اور دعوت کی جانب جو کہ مقامِ نبوت کے مناسب ہے حضرت موسیٰ صلوات اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ وتسلیماتہٗ، علیٰ نبینا وعلیہ سے مناسبت رکھتے ہیں ——— اور حضرت ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ دونوں طرف (ولایت ودعوت) کے لحاظ سے حضرت نوح صلوات اللہ سبحانہ وتعالیٰ وتسلیماتہ، علیٰ نبینا وعلیہ کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں ——— اور حضرت امیر (علی) رضی اللہ تعالیٰ عنہ دونوں طرف (ولایت ودعوت) میں حضرت عیسیٰ صلوات اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ وتسلیماتہ، علیٰ نبینا وعلیہ کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں۔ اور چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام روح اللہ اور اس کے کلمۃ اللہ ہیں اس لئے لازمی طور پر نبوت کی بہ نسبت ولایت کی جانب ان میں غالب ہے اور حضرت امیرؓ میں بھی اسی مناسبت کی وجہ سے ولایت کی جہت غالب ہے ——— اور چاروں خلفاء کے مبادی تعینات، جہات کے اختلاف کی وجہ سے اجمالی اور تفصیلی طور پر صفت العلم ہیں، اور وہ صفت اجمال کے اعتبار سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا رب[۵] ہے، اور تفصیل کے اعتبار سے حضرت خلیلؑ کا رب ہے اور اجمال وتفصیل کی برزخیت کے اعتبار سے حضرت نوحؑ کا رب ہے، جیسے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا رب صفتِ کلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا رب صفتِ قدرت اور حضرت آدم علیہ السلام کا رب صفتِ تکوین ہے۔

---

[۵] "رب" کے معنی پروردگار، پالنے والا، پرورش کرنے والا۔ یعنی ان حضرات کو حق تعالیٰ کی عام تربیت کے علاوہ خاص طور پر صفتِ کلام، صفتِ علم، صفتِ قدرت وغیرہ صفات سے تربیت و پرورش حاصل ہوتی ہے۔

اب ہم اصل بات کو بیان کرتے ہیں کہ حضرت صدیقؓ اور حضرت فاروقؓ اپنے اپنے مرتبہ کے موافق "بارِ نبوتِ محمدی" کے حامل ہیں ـــــ اور حضرت امیر (علیؓ) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ مناسبت کی وجہ سے ولایت کی جانب غلبہ کے باعث "حامل بارِ ولایتِ محمدیؐ" ہیں ـــــ اور حضرت ذی النورینؓ برزخیت (درمیانی حیثیت) کے اعتبار سے دونوں نسبتوں (یعنی نبوتِ محمدی و ولایتِ محمدی) کے حامل ہیں اور ہو سکتا ہے کہ اسی اعتبار سے ان کو ذو النورین کہتے ہیں ـــــ اور چونکہ حضرات شیخین کو "حامل بارِ نبوت" فرمایا گیا ہے اسی لئے ان کو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے زیادہ مناسبت حاصل ہے کیونکہ مقامِ دعوت جو کہ مرتبۂ نبوت سے پیدا ہوا ہے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ باقی تمام انبیاء کے درمیان ان (حضرت موسیٰ علیہ السلام) میں بدرجۂ اتم واکمل ہے۔ اور ان کی کتاب (توراۃ) قرآن مجید کے بعد نازل شدہ کتابوں میں بہترین ہے لہذا ان کی امت پہلی امتوں کی نسبت زیادہ بہشت میں جائے گی ـــــ اگرچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت اور ان کی ملت تمام شریعتوں اور ملتوں سے افضل واکمل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تمام پیغمبروں میں سے افضل الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی ملت کی پیروی کا حکم دیا گیا، چنانچہ آیت کریمہ ثُمَّ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلَیۡکَ اَنِ اتَّبِعۡ مِلَّۃَ اِبۡرٰہِیۡمَ حَنِیۡفًا (سورہ نحل[16] آیت ۱۲۳) (پھر ہم نے تمہاری طرف وحی بھیجی کہ ملتِ ابراہیم کی پیروی کرو جو ایک طرف کے ہو رہے تھے) اسی مضمون کی شاہد ہے ـــــ اور حضرت مہدی موعود کہ ان کا رب بھی صفت العلم ہے جو حضرت امیر (علیؓ) کی مانند حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے مناسبت رکھتے ہیں گویا حضرت عیسیٰؑ کا ایک قدم حضرت امیرؓ کے سر پر ہے اور دوسرا قدم حضرت مہدیؑ کے سر پر۔

جاننا چاہئے کہ ولایتِ موسوی، ولایتِ محمدی کے داہنی جانب واقع ہوتی ہے اور ولایتِ عیسوی اس ولایت کے بائیں جانب ہے۔ اور چونکہ حضرت امیرؓ ولایتِ محمدی کے حامل ہیں اس لئے اکثر سلاسلِ اولیاء انہی سے منتسب ہوگئے ہیں اور حضرت امیرؓ کے کمالات حضراتِ شیخین کے کمالات کی نسبت اکثر گوشہ نشین اولیاء پر جو ولایت کے کمالات سے مخصوص ہیں زیادہ ظاہر ہوئے ہیں ـــ اگر حضرات شیخین کی افضلیت پر اہلِ سنت کا اجماع نہ ہوتا تو اکثر اولیائے گوشہ نشین کا کشف حضرت امیرؓ کی فضیلت کا حکم کر دیتا ـــ چونکہ حضراتِ شیخین کے کمالات، انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے کمالات کے مشابہ ہیں اور اربابِ ولایت کی ان کمالات تک دسترس نہیں ہے۔

اور اہلِ کشف کا کشف ان کے کمالاتِ نبوت کے درجات کی بلندی کے باعث راستے ہی میں ہے، ولایت کے کمالات ان کے کمالاتِ نبوت کے مقابلے میں کَالْمَطْرُوْحِ فِی الطَّرِیْقِ (راستے میں پھینکے ہوئے کی مانند) ہیں کمالاتِ ولایت، کمالاتِ نبوت کے عروج تک پہنچنے کے لئے زینہ (سیڑھی) ہیں پس مقدمات کو مقاصد کی کیا خبر ہے اور مبادی کو مطالب کا کیا شعور ہے — آج یہ بات عہدِ نبوت کے بُعد کی وجہ سے اکثر لوگوں پر گراں اور قبولیت سے دُور معلوم ہوتی ہے، لیکن کیا کیا جائے ؎

دَرپسِ آئینہ طوطی صفتم ساختہ اند　　ہر چہ استادِ ازل گفت ہماں می گویم

(مثلِ طوطی مجھے آئینے کے پیچھے ہے رکھا　　وہی کہتا ہوں جو اُستادِ ازل سے ہے پڑھا)

لیکن اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کا احسان ہے کہ میں اس گفتگو میں علمائے اہلِ سنت شکر اللہ تعالیٰ سعیہم کے موافق ہوں اور ان کے اجماع سے متفق ہوں۔ اور (حق تعالیٰ نے) مجھ پر ان کے استدلالی علم کو کشفی اور اجمالی کو تفصیلی کر دیا ہے۔

اس فقیر کو جب تک کہ اپنے پیغمبرؐ کی متابعت کے باعث مقامِ نبوت کے کمالات تک نہیں پہنچا دیا گیا اور اُن کمالات سے پورا پورا حصہ نہیں دیدیا گیا اس وقت تک فضائلِ شیخین کو کشف کے طریقے پر اطلاع نہیں بخشی گئی اور تقلید کے علاوہ اور کوئی راہ نہیں دکھائی گئی۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ ھَدٰنَا لِھٰذَا وَمَا کُنَّا لِنَھْتَدِیَ لَوْلَآ اَنْ ھَدٰنَا اللّٰہُ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ (اعراف آیت ۴۳) (تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جس نے ہم کو اس کی ہدایت دی اگر اللہ تعالیٰ ہم کو ہدایت نہ دیتا تو ہم کبھی ہدایت نہ پاتے، بیشک ہمارے رب کے رسول حق (سچائی) کے ساتھ آئے ہیں)۔

ایک دن کسی شخص نے بیان کیا کہ (راویوں نے) لکھا ہے کہ حضرت امیرؓ کا نام بہشت کے دروازے پر ثبت کر دیا گیا، اس فقیر کے دل میں گزرا کہ حضراتِ شیخین کے لئے اس مقام پر کیا خصوصیتیں ہوں گی؟ پوری طرح توجہ کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ اس امت کا بہشت میں داخلہ ان دونوں اکابر حضرات کی تجویز اور استصواب پر ہو گا۔ گویا حضرت صدیقؓ بہشت کے دروازے پر کھڑے ہیں اور لوگوں کے داخلے کی تجویز فرماتے ہیں اور حضرت فاروقؓ ان کا ہاتھ پکڑ کر اندر لیجاتے ہیں۔ اور ایسا مشاہدہ میں آتا ہے کہ گویا تمام بہشت حضرت صدیقؓ کے نور سے بھری ہوئی ہے۔

اس حقیر کی نظر میں حضراتِ شیخین، تمام صحابہ کے درمیان ایک علیحدہ شان اور یگانہ درجہ

رکھتے ہیں گویا کہ کوئی بھی اس میں ان کا شریک نہیں ہے۔ حضرت صدیقؓ حضرت پیغمبر علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ گویا "ہم خانہ" ہیں، اگر فرق ہے تو صرف بلندی اور پستی کا ہے (یعنی سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم بالائی منزل میں ہیں اور حضرت صدیقؓ اسی محل کے نیچے کی منزل میں ہیں) اور حضرت فاروقؓ بھی حضرت صدیقؓ کے طفیل اس دولت سے مشرف ہیں اور باقی تمام صحابۂ کرام آنسرور علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کے ساتھ ہم سرائے یا ہم شہری ہونے کی نسبت رکھتے ہیں پھر امت کے اولیاء کی وہاں کیا رسائی ہو سکتی ہے۔ ع

این بس کہ رسد ز دور بانگِ جرسم　　(دور ہی سے جو سنوں بانگِ جرس، کافی ہے)

پس یہ لوگ (اولیائے امت) شیخینؓ کے کمالات سے کیا حاصل کر سکتے ہیں (کیونکہ) یہ دونوں بزرگوار اپنی بزرگی اور برتری کی وجہ سے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام میں معدود (شمار کئے ہوئے) ہیں اور انبیاء کے فضائل کے ساتھ موصوف ہیں ـــــ حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے فرمایا: لَوْ کَانَ بَعْدِیْ نَبِیٌّ لَکَانَ عُمَرُ[1] (اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر ہوتا) ـــــ

امام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ حضرت فاروقؓ کی ماتم پرسی کے ایام میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے صحابہؓ کی مجلس میں کہا: مَاتَ تِسْعَۃُ اَعْشَارِ الْعِلْمِ (آج ۹ حصہ علم فوت ہو گیا)۔ جب بعض حضرات نے اس کے معنی سمجھنے میں توقف ظاہر کیا تو فرمایا کہ میری مراد علم سے علم باللہ ہے (یعنی معرفتِ حق جل وعلا) نہ کہ حیض و نفاس کا علم (یعنی علمِ احکامِ شرعیہ)۔

اور حضرت صدیقؓ کے متعلق (یہ فقیر) کیا بیان کرے کہ حضرت عمرؓ کی تمام نیکیاں ان کی ایک نیکی کے برابر ہیں جیسا کہ مخبرِ صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے[2] ـــــ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جو انحطاط و کمی حضرت فاروقؓ کو حضرت صدیقؓ سے ہے وہ اس انحطاط و کمی سے زیادہ ہے جو حضرت صدیقؓ کو حضرت پیغمبر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات سے ہے ـــ لہٰذا قیاس کرنا چاہیے کہ حضرت صدیقؓ سے دوسروں کا انحطاط و کمی کس درجہ کی ہوگی ـــ اور حضرات شیخینؓ وفات کے بعد بھی

---

[1] رواہ الترمذی، قال اغرب۔ ورواہ ابو یعلی والطبرانی والحاکم وابونعیم۔

[2] حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ایک شب جس میں آسمان پر بادل نہیں تھے اور آپؐ کا سر مبارک میری گود میں تھا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا کسی کی نیکیاں آسمان کے ستاروں کے برابر ہیں؟ آپؐ نے فرمایا ہاں عمرؓ کی۔ میں نے کہا پھر ابوبکرؓ کی حسنات کہاں ہیں؟ فرمایا: عمرؓ کی تمام نیکیاں ابوبکرؓ کی نیکیوں میں سے ایک نیکی کے برابر ہیں۔ رواہ رزین (مشکوٰۃ)

حضرت پیغمبرؐ سے جدا نہیں ہوئے اور ان کا حشر بھی اُنہی (پیغمبرؐ) کے درمیان (دائیں بائیں) ہوگا جیسا کہ (آنحضرتؐ نے) فرمایا ــــ پس ان کی افضلیت (آنحضرتؐ سے) اقربیت کی وجہ سے ہوگی۔

یہ (حقیر) قلیل البضاعت (بے سروسامان) ان حضرات کے کمالات کے بارے میں کیا بیان کرے اور ان کے فضائل میں کیا ظاہر کرے۔ ایک ذرہ کی کیا طاقت کہ آفتاب کی باتیں کرے اور قطرے کی کیا مجال کہ بحرِ عمان (دریائے محیط) کی بات زبان پر لائے۔

وہ اولیائے کرام جو دعوتِ خلق کی طرف لوٹا دیئے گئے ہیں اور ولایت و دعوت دونوں طرف سے کامل حصہ رکھتے ہیں اور تابعین و تبع تابعین میں سے علمائے مجتہدین نے اپنے کشفِ صحیح کے نور سے اور فراستِ صادقہ اور متواتر خبروں کی بنیاد پر شیخین کے کمالات کو تھوڑا سا دریافت کیا ہے اور ان کے فضائل میں سے تھوڑی سی معرفت حاصل کر کے ناچار اُن کی افضلیت شان کا حکم دیا ہے اور اس پر اجماع کیا ہے اور اس کشف کو جو اس اجماع کے خلاف ظاہر ہوا اس کو عدمِ صحت پر محمول کر کے قابلِ اعتبار نہیں سمجھا ہے ــــــــ اور اس کے علاوہ اور کسی کشف کا کس طرح اعتبار کیا جا سکتا ہے جبکہ صدرِ اول (عہدِ نبویؐ) میں ان کی افضلیت کی صحت مسلّم ہو چکی ہے، جیسا کہ امام بخاریؒ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی ہے: قَالَ كُنَّا فِي زَمَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ لَا نَعْدِلُ بِاَبِيْ بَكْرٍ اَحَدًا ثُمَّ عُمَرَ ثُمَّ عُثْمَانَ ثُمَّ نَتْرُكُ اَصْحَابَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ لَا نُفَاضِلُ بَيْنَهُمْ (حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ ہم نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں حضرت ابو بکرؓ پھر حضرت عمرؓ پھر حضرت عثمانؓ کے برابر کسی کو نہیں سمجھتے تھے، پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جملہ اصحاب کو چھوڑ دیتے تھے اور ان کے درمیان کسی کو فضیلت نہ دیتے تھے) ــــ اور ابو داؤدؒ کی ایک روایت میں ہے کہ قَالَ كُنَّا نَقُوْلُ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ حَيٌّ اَفْضَلُ اُمَّةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ بَعْدَهٗ اَبُوْ بَكْرٍ ثُمَّ عُمَرُ ثُمَّ عُثْمَانُ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمْ (حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ میں کہا کرتے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تمام امت میں حضرت ابو بکرؓ افضل ہیں پھر حضرت عمرؓ پھر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم)۔

اور یہ جو کہا گیا ہے کہ "ولایت نبوت سے افضل ہے" یہ اربابِ سکر (کی خبر) سے ہے جو اولیاء غیر مرجوع میں سے ہیں اور جن کو مقامِ نبوت کے کمالات سے زیادہ حصہ حاصل نہیں ہے ——— اور آپ کی نظر سے گذرا ہوگا کہ فقیر نے اپنے بعض رسائل میں تحقیق کی ہے کہ "نبوت' ولایت سے افضل ہے" اگرچہ اسی نبی کی ولایت ہو' اور حق (سچی بات) بھی یہی ہے۔ اور جس کسی نے اس کے خلاف کہا ہے وہ مقامِ نبوت کے کمالات کی نادانی کی وجہ سے کہا ہے۔ جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے۔

آپ کو معلوم ہے کہ اولیا کے تمام سلسلوں کے درمیان صرف سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ کی نسبت حضرت صدیق رضؓ سے ہے لہٰذا نسبتِ صحو بھی ان (مشائخ نقشبندیہ) کے درمیان غالب ہے اور ان کی دعوتِ (اسلام) کامل تر ہے، اور حضرتِ صدیق رضؓ کے کمالات ان پر زیادہ ظاہر ہوتے ہیں تو لازمی طور پر ان کی نسبت تمام سلسلوں کی نسبت سے بڑھ کر ہوگی۔ لہٰذا دوسرے ان کے کمالات کو کیا پا سکتے ہیں اور ان کی حقیقتِ معاملہ کو کیا سمجھ سکتے ہیں ——— میں یہ نہیں کہتا کہ تمام مشائخ نقشبندیہ اس معاملہ میں برابر ہیں۔ ہرگز ایسا نہیں ہے بلکہ اگر ہزاروں میں سے ایک بھی اس صفت میں کامل ہو جائے تو غنیمت ہے۔ میرا خیال ہے کہ حضرت مہدی موعود جو ولایت کی اکملیت کے لئے مقرر ہیں ان کو یہ نسبت حاصل ہوگی، اور وہ اس سلسلۂ عالیہ کی تتمیم و تکمیل فرمائیں گے، کیونکہ دوسری تمام ولایتوں کی نسبت اس نسبتِ عالیہ سے کمتر ہے ——— باقی تمام ولایتوں کو مرتبۂ نبوت کے کمالات سے بہت کم حصہ حاصل ہے، اور یہ ولایت حضرت صدیق رضؓ کی طرف منسوب ہونے کی وجہ سے ان کمالاتِ (نبوت) سے حظِ وافر رکھتی ہے جیسا کہ ابھی بیان ہوا۔ ع

ببیں تفاوتِ راہ از کجاست تا بکجا (یہ راہ دیکھو کہاں اور وہ راہ دیکھو کہاں)

اے بھائی! چونکہ حضرت امیر (علیؓ) بارِ ولایتِ محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیہ کے حامل ہیں اس لئے اقطاب، ابدال اور اوتاد کے مقام کی تربیت جو اولیائے عزلت میں سے ہیں اور کمالاتِ ولایت کی جانب ان میں غالب ہے ان کی تربیت حضرت امیر رضی اللہ عنہ کی اعانت و امداد سے سپرد ہے ——— قطب الاقطاب یعنی قطبِ مدار کا سر حضرت امیرؓ کے زیرِ قدم ہے۔ قطبِ مدار انہی کی حمایت اور رعایت سے اپنی مہم سرانجام دیتا ہے اور مداریت سے عہدہ برآ ہوتا ہے ——— حضرت فاطمہؓ اور امامین (حضرات حسن و حسینؓ) بھی اسی مقام میں حضرت امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے شریک ہیں۔

جاننا چاہئے کہ پیغمبر علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کے اصحاب سب بزرگ ہیں لہٰذا تمام (صحابہ) کو بزرگی سے یاد کرنا چاہئے ——— خطیب بغدادیؒ نے حضرت انسؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: اِنَّ اللّٰہَ اخْتَارَنِیْ وَاخْتَارَ لِیْ اَصْحَابًا وَّاخْتَارَ لِیْ مِنْھُمْ اَصْھَارًا وَّاَنْصَارًا فَمَنْ حَفِظَنِیْ فِیْھِمْ حَفِظَہُ اللّٰہُ وَمَنْ اٰذَانِیْ فِیْھِمْ اٰذَاہُ اللّٰہُ (تحقیق اللہ تعالیٰ نے مجھے پسند فرمایا اور میرے لئے اصحاب کو پسند کیا اور ان میں سے بعض کو میرے لئے قرابت دار اور مددگار پسند کیا پس جس شخص نے ان کے حق میں مجھے محفوظ رکھا اس کو اللہ تعالیٰ نے محفوظ رکھا اور جس نے ان کے حق میں مجھے ایذا دی اس کو اللہ تعالیٰ نے ایذا دی) ——— اور طبرانی نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: مَنْ سَبَّ اَصْحَابِیْ فَعَلَیْہِ لَعْنَۃُ اللّٰہِ وَالْمَلٰئِکَۃِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ (جس نے میرے اصحاب کو گالی دی اُس پر اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور تمام آدمیوں کی طرف سے لعنت ہے) ——— اور ابن عدی نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: اِنَّ اَشْرَارَ اُمَّتِیْ اَجْرَأُھُمْ عَلٰی اَصْحَابِیْ (میری امت کے بدترین وہ لوگ ہیں جو میرے اصحاب پر دلیر ہیں) ———

اور ان لڑائی جھگڑوں کو جو اُن کے درمیان واقع ہوئے ہیں نیک نیتی پر محمول کرنا چاہئے اور ہوا و تعصب سے دور سمجھنا چاہئے کیونکہ ان کی مخالفتیں اجتہاد و تاویل پر مبنی تھیں نہ کہ ہوا و ہوس پر، جیسا کہ جمہور اہل سنت کا موقف ہے ——— لیکن جاننا چاہئے کہ حضرت امیر کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کے خلاف لڑنے والے خطا پر تھے اور "حق" حضرت امیرؓ کی جانب تھا. لیکن چونکہ یہ خطا خطائے اجتہادی ہے اس لئے ملامت سے دور اور مواخذہ سے بری ہے، جیسا کہ شارح[1] مواقف[2] آمدی[3] سے نقل کرتے ہیں کہ "جمل و صفین کے واقعات اجتہاد کی رُو سے ہوئے ہیں ——— اور شیخ ابوشکور سلمی نے تمہید[4] میں تصریح کی ہے کہ اہل سنت وجماعت اس بات پر متفق ہیں کہ امیر معاویہؓ مع ان کے تمام اصحاب کے جو ان کے ہمراہ تھے سب خطا پر تھے لیکن ان کی خطا خطائے اجتہادی تھی.

---

[1] شارح مواقف سید علی بن محمد جرجانی متوفی سنہ ۸۱۶ھ
[2] علم کلام کی بلند مرتبہ کتاب، مصنف علامہ عضد الدین عبد الرحمن بن احمد قاضی
[3] آپ کا لقب سیف الدین کنیت ابو الحسن، نام علی بن ابی علی محمد بن سالم تغلبی، فقیہ اصولی ہیں۔ وفات سنہ ۶۳۱ھ (وفیات الاعیان)
[4] اصول معرفت توحید میں ایک مختصر رسالہ مصنفہ ابوشکور محمد بن سید بن شعیب کشی حنفی۔

——— اور شیخ ابنِ حجرؒ نے صواعق[1] میں کہا ہے کہ امیر معاویہؓ اور حضرت امیرؓ کے درمیان جھگڑے اجتہاد کی بنا پر ہوئے ہیں، اور اس قول کو اہلِ سنت کے معتقدات سے فرمایا ہے ———

اور شارح مواقف نے جو یہ بات کہی ہے کہ ہمارے بہت سے اصحاب اس پر متفق ہیں کہ "وہ جھگڑا اجتہاد کی بنا پر نہیں تھا" معلوم نہیں کہ اصحاب سے ان کی مراد کونسا گروہ ہے۔ جبکہ اہلِ سنت اس کے خلاف حکم دیتے ہیں جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا۔ اور قوم کی کتابیں "خطائے اجتہادی" (کے حکم) سے بھری ہوئی ہیں، جیسا کہ امام غزالیؒ، قاضی ابوبکرؒ وغیرہ نے صراحت کی ہے۔ لہذا حضرت امیرؓ کے ساتھ جنگ کرنے والوں کو فاسق اور گمراہ کہنا جائز نہیں ہوا۔

قاضی (عیاضؒ) نے شفا میں لکھا ہے کہ "حضرت امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے کہ جس شخص نے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب میں سے کسی کو یعنی ابوبکر، عمر، عثمان، معاویہ اور عمرو بن العاص (وغیرہ) رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو گالی دی اور کہا کہ وہ کفر اور گمراہی پر تھے تو وہ واجب القتل ہے اور اگر اس کے علاوہ کوئی اور سب وشتم کا لفظ استعمال کیا جس طرح لوگ ایک دوسرے کو کہتے ہیں تو اس کو سخت سزا دی جائے کیونکہ حضرت امیرؓ کے خلاف جنگ کرنے والے کفر پر نہ تھے جیسا کہ بعض غالی رافضیوں کا خیال ہے اور نہ ہی فسق پر تھے جیسا کہ بعض نے خیال کیا ہے اور شارح مواقف نے اس قول کو اکثر کی طرف منسوب کیا ہے۔ یہ کیسے ممکن ہو سکتا جبکہ حضرت صدیقہؓ اور طلحہؓ و زبیرؓ اور بہت سے اصحاب کرام انہی میں سے تھے۔ اور طلحہؓ و زبیرؓ جمل کی لڑائی میں امیر معاویہؓ کے خروج سے پیشتر تیرہ ہزار مقتولین کے ساتھ شہید و قتل ہوئے۔ لہذا ان کو ضلالت اور فسق کی طرف منسوب کرنے پر سوائے اس شخص کے جس کے دل میں مرض اور باطن میں خبث (گندگی) ہو کوئی مسلمان جرأت نہیں کر سکتا۔"

اور یہ جو بعض فقہاء نے اپنی عبارات میں امیر معاویہؓ کے حق میں لفظِ "جور" استعمال کیا ہے اور کہا ہے: كَانَ مُعَاوِيَةُ اِمَامًا جَائِرًا (معاویہ جور کرنے والے امام تھے) تو اس جور سے مراد یہ ہے کہ حضرت امیرؓ کی خلافت کے زمانے میں امیر معاویہ خلافت کے حقدار نہیں تھے، نہ کہ وہ جور جس کا انجام فسق و ضلالت ہے (یہ توجیہ اس لئے ہے) تاکہ اہلِ سنت کے اقوال کے موافق ہو جائے۔ اس کے باوجود

[1] شیخ شہاب الدین احمد ابن حجر الہیتمی کی مشہور کتاب "صواعقِ محرقہ"

استقامت والے حضرات ایسے الفاظ سے اجتناب کرتے ہیں جن سے مقصود کے خلاف وہم پیدا ہوتا ہو۔ اور "خطا" سے زیادہ کہنا پسند نہیں کرتے ــــــــ اور امیر معاویہؓ جوڑ کرنے والے کیسے ہو سکتے ہیں جبکہ صحیح طور پر تحقیق ہو چکا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حقوق اور مسلمانوں کے حقوق میں امام عادل تھے۔ جیسا کہ صواعق میں ہے ــــــــ اور حضرت مولانا عبد الرحمٰن جامیؒ نے جو خطائے منکر کہا ہے انھوں نے زیادتی کی ہے اور لفظ "خطا" سے زیادہ جو کچھ بھی کہا جائے خطا ہے اس کے بعد جو انھوں نے کہا ہے کہ اگر وہ مستحق لعنت ہیں الخ یہ بھی نامناسب کہا ہے، اس کی تردید کی کیا حاجت ہے اور اس میں شک وشبہ کا کیا موقع ہے۔ اگر یہ بات یزید کے بارے میں کہی جائے تو گنجائش رکھتی ہے، لیکن حضرت معاویہؓ کے بارے میں ایسا کہنا بہت برا ہے ــــــــ

احادیث نبویؐ میں معتبر اور ثقات کی اسناد سے مروی ہے کہ حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے امیر معاویہؓ کے حق میں دعا فرمائی اور فرمایا: اَللّٰهُمَّ عَلِّمْهُ الْكِتَابَ وَالْحِسَابَ وَقِهِ الْعَذَابَ[1] (یا اللہ! تو اس کو کتاب اور حساب کا علم دے اور اس کو عذاب سے بچا)۔ اور دوسری جگہ دعا میں فرمایا: اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ هَادِيًا وَّمَهْدِيًّا (یا اللہ! تو اس کو ہادی اور مہدی بنا) اور آنحضرتؐ کی یہ دعا مقبول ہے۔

بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ بات مولانا جامیؒ سے سہو ونسیان کی بنا پر سرزد ہوئی ہوگی اور نیز مولانا نے انہی ابیات میں نام کی تصریح کے بغیر کہا ہے کہ "آں صحابی دیگر" (وہ صحابی دوسرے ہیں) اور یہ عبارت بھی ناخوشی کی خبر دیتی ہے۔ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِنْ نَّسِيْنَا اَوْ اَخْطَأْنَا (بقرہ آیت ۲۸۶) (اے ہمارے رب! ہماری بھول چوک پر گرفت نہ کیجیو)۔

اور یہ جو (بعض نے) امام شعبیؒ سے امیر معاویہؓ کی مذمت میں نقل کیا ہے اور ان کی برائی کو فسق سے بھی بدتر قرار دیا ہے وہ پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچا۔ (اور اگر اس بات کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو) امام اعظم (ابو حنیفہؒ) جو ان کے شاگردوں میں سے ہیں اس نقل کو بیان کرنے کے زیادہ مستحق تھے۔ اور امام مالکؒ جو تابعین میں سے ہیں اور ان (امام شعبیؒ) کے ہمعصر اور علمائے مدینہ میں سب سے زیادہ عالم ہیں امیر معاویہؓ اور عمرو بن العاصؓ کے گالی دینے والے کو قتل کا حکم کرتے ہیں جیسا کہ اوپر بیان ہوا ــــــــ ــــــــ اگر وہ سب وشتم کے مستحق ہوتے تو ان کے گالی دینے والے کو قتل کا حکم کیوں کرتے۔ پس

[1] اخرجہ احمد فی مسندہ عن العرباض بن ساریۃ (تاریخ الخلفاء)۔

معلوم ہوا کہ ان کو گالی دینا گناہ کبیرہ سمجھ کر ان کے گالی دینے والے کو قتل کا حکم کیا ہے، اور اسی طرح ان کو گالی دینا حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ اور عثمانؓ کو گالی دینے کی طرح خیال کیا ہے۔ جیسا کہ اوپر مذکور ہوا۔ لہذا حضرت معاویہؓ نکوہش (سرزنش و برائی) کے مستحق نہیں ہیں۔

اے برادر! اس معاملے میں امیر معاویہؓ تنہا نہیں ہیں بلکہ صحابۂ کرام کی کم و بیش نصف جماعت اس معاملہ میں حضرت معاویہؓ کے شریک ہیں۔ پس محاربانِ امیرؓ اگر کفر یا فسق پر ہوں تو نصف دین سے اعتماد ختم ہو جاتا ہے جو کہ ان کی تبلیغ کے ذریعہ سے ہم تک پہنچا ہے۔ اور اس طرح کی بات کو سوائے اس زندیق کے اور کوئی تجویز نہیں کرتا جس کا مقصود دین کی بربادی اور اس کو جھٹلانا ہے۔

اے بھائی! اس فتنے کے برپا ہونے کا منشا حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت ہے اور ان کے قاتلوں سے ان کا قصاص طلب کرنا ہے۔ حضرت طلحہؓ و زبیرؓ جو اول مدینہ منورہ سے باہر نکلے تھے اس کی وجہ بھی تاخیرِ قصاص تھی اور حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بھی اس معاملے میں ان کی موافقت کی اور جنگِ جمل جس میں تیرہ ہزار آدمی قتل ہوئے اور حضرت طلحہؓ و زبیرؓ بھی جو عشرۂ مبشرہ میں سے ہیں وہ بھی شہید ہوئے۔ وہ بھی حضرت عثمانؓ کے قصاص کے تاخیر کی وجہ سے شہید ہوئے۔ اس کے بعد امیر معاویہؓ نے شام سے آکر ان کے ساتھ شریک ہو کر جنگِ صفین لڑی۔

حضرت امام غزالیؒ نے تصریح کی ہے کہ وہ جھگڑا خلافت پر نہیں ہوا بلکہ حضرت امیرؓ کی خلافت کی ابتدا ہی میں قصاص کے پورا کرنے کے لئے ہوا ——— اور شیخ ابن حجرؒ نے بھی اسی بات کو اہل سنت و جماعت کے معتقدات میں سے بیان کیا ہے ——— اور شیخ ابوشکور سلمی جو کہ حنفیہ علماء کے اکابرین میں سے ہیں فرماتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہؓ کا حضرت امیر (علیؓ) سے جھگڑا خلافت کے بارے میں تھا کیونکہ پیغمبر علیہ و علی آلہ الصلوات والتسلیمات نے حضرت معاویہؓ سے فرمایا تھا کیا اِذَا مَلَکْتَ النَّاسَ فَارْفِقْ بِهِمْ[1] (جب تو لوگوں کا حاکم بن جائے تو ان کے ساتھ نرمی کرنا)۔ اسی وجہ سے حضرت معاویہؓ کو خلافت کی آرزو پیدا ہو گئی تھی۔ لیکن وہ اس جہاد میں خطا پر تھے اور حضرت امیرؓ حق پر ——— کیونکہ ان کی خلافت کا زمانہ حضرت امیرؓ کی خلافت کے زمانے کے بعد ہے۔ اور ان دونوں اقوال کے درمیان موافقت اس طرح ہے کہ ہو سکتا ہے کہ اس جھگڑے کی وجہ قصاص کی تاخیر ہو۔ اس کے بعد

---

[1] قال المعرب رواہ مسلم و ابن ابی شیبۃ فی المصنف والطبرانی فی الکبیر بھذا اللفظ۔

امیر معاویہؓ کو خلافت کی آرزو پیدا ہو گئی تھی بہر تقدیر اجتہاد اپنے محل میں واقع ہو گیا۔ اگر خطا پر ہے تو ایک درجہ اور اگر حق پر ہے تو ۲ دو درجہ بلکہ دس درجے (ثواب ہے)۔

اے بھائی! اس معاملہ میں سب سے بہتر اور سلامتی کا طریقہ یہی ہے کہ حضرت پیغمبر علیہ و علیہم الصلوات والتسلیمات کے اصحاب کے جھگڑوں کے ذکر سے خاموشی اختیار کی جائے اور ان کے جھگڑوں کے تذکروں سے منہ پھیر لیا جائے، کیونکہ حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے: ۔ اِیَّاکُمْ وَمَا شَجَرَ بَیْنَ اَصْحَابِیْ[1] (میرے اصحاب کے درمیان جو جھگڑے ہوں ان سے اپنے آپ کو بچاؤ) ـــــ نیز آنحضرت پیغمبر علیہ و علی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: اِذَا ذُکِرَ اَصْحَابِیْ فَامْسِکُوْا[2] (جب میرے صحابہ (کے اختلاف) کا ذکر ہو تو خاموش ہو جاؤ) ـــــ اور نیز علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: اَللّٰہَ اَللّٰہَ فِیْ اَصْحَابِیْ لَا تَتَّخِذُوْھُمْ غَرَضًا[3] (میرے صحابہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور ان کو اپنے تیر کا نشانہ نہ بناؤ)۔

حضرت امام شافعیؒ نے فرمایا اور اسی طرح حضرت عمر بن عبد العزیزؒ سے بھی منقول ہے: تِلْکَ دِمَاءٌ طَھَّرَ اللّٰہُ عَنْھَا اَیْدِیَنَا فَلْنُطَھِّرْ عَنْھَا اَلْسِنَتَنَا (یہ وہ خون ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے ہمارے ہاتھوں کو بچایا ہے لہٰذا ہم کو چاہئے کہ اپنی زبانوں کو ان سے پاک رکھیں) ـــــ اس عبارت سے بھی مفہوم ہوتا ہے کہ ان کی خطاؤں کو زبان پر نہیں لانا چاہئے اور ان کے ذکرِ خیر کے علاوہ اور کچھ بیان نہ کرنا چاہئے ـــــ بدنصیب یزید فاسقوں کے زمرے میں سے ہے اس کی لعنت میں توقف کرنا اہلِ سنت والجماعت کے مقررہ اصول میں سے ہے کیونکہ شخصِ معین کو اگرچہ وہ کافر ہو لعنت تجویز نہیں کی گئی، مگر جب یقیناً معلوم ہو جائے کہ اس کا خاتمہ کفر پر ہوا ہے جیسا کہ ابی لہب جہنمی اور اس کی بیوی۔ نہ یہ کہ وہ لعنت کے لائق نہیں (یعنی وہ لعنت کے لائق ہیں) ـــــ (جیسا کہ قرآن کریم میں ہے) اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ لَعَنَھُمُ اللّٰہُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ (احزاب آیت ۵۷ پ ۲۲) (جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دیتے ہیں ان پر دنیا و آخرت میں اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے)۔

جاننا چاہئے کہ اس زمانہ میں چونکہ اکثر لوگ امامت کے معاملہ میں بحث کرتے رہتے ہیں، اور

---

[1] ذکرہ ابن الاثیر الجزری فی نہایۃ الغریب۔ [2] طبرانی نے حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت ثوبانؓ سے اور ابن عدی نے حضرت ابن عمرؓ
[3] اس کو ترمذی نے روایت کیا اور کہا ھذا حدیث غریب (مشکوٰۃ)

اصحابِ کرام علیہم الرضوان کی خلافت ومخالفت کی نسبت گفتگو کرنا اپنا نصب العین بنالیا ہے۔ اور جاہل تاریخ داں اور سرکش بدعتیوں کی تقلید کرتے ہوئے اکثر اصحاب کرامؓ کو نیکی وبھلائی سے یاد نہیں کرتے اور نامناسب باتیں ان حضرات کی طرف منسوب کرتے رہتے ہیں۔ لہذا ضروری سمجھتے ہوئے جو کچھ معلوم تھا اس میں سے تھوڑا سا تحریر میں لاکر دوستوں تک پہنچا دیا گیا ــــــ آنحضرت علیہ وعلی آلہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا: اِذَا ظَهَرَتِ الْفِتَنُ اَوْقَالَ الْبِدَعُ وَسُبَّتْ اَصْحَابِیْ فَلْیُظْهِرِ الْعَالِمُ عِلْمَهٗ، فَمَنْ لَمْ یَفْعَلْ ذٰلِكَ فَعَلَیْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ لَایَقْبَلُ اللّٰهُ لَهٗ صَرْفًا وَّلَاعَدْلًا[ع] (جب فتنے یا یہ فرمایا بدعتیں ظاہر ہوجائیں اور میرے اصحاب کو گالیاں دی جائیں تو عالم کو چاہئے کہ اپنے علم کو ظاہر کرے پس جس نے ایسا نہ کیا اس پر اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے، اللہ تعالیٰ اس کے نہ فرض قبول فرمائے گا نہ نفل)۔

لیکن اللہ تعالیٰ کا شکر اور احسان ہے کہ سلطانِ وقت (جہانگیر بادشاہ) اپنے آپ کو حنفی مذہب (کا پیرو) قرار دیتا ہے اور اہلِ سنت وجماعت سے جانتا ہے ورنہ مسلمانوں کو بڑی مشکل کا سامنا کرنا پڑتا۔ اس نعمتِ عظمیٰ کا شکر بجالانا چاہئے ــــــ پس چاہئے کہ اہلِ سنت وجماعت کے معتقدات کے مطابق اپنے اعتقاد کا مدار رکھیں اور زید وعمر کی باتوں پر توجہ نہ دیں۔ جھوٹے افسانوں پر اپنے کام کی بنیاد رکھنا خود کو ضائع کرنا ہے۔ فرقۂ ناجیہ (اہلِ سنت) کی تقلید ضروری ہے تاکہ نجات کی امید پیدا ہو، وَبِدُوْنِهٖ خَرْطُ الْقَتَادِ (ورنہ بے فائدہ تکلیف اٹھانا ہے) وَالسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَعَلٰی سَائِرِ مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ (اور سلام ہو تم پر اور ان سب پر جنہوں نے ہدایت کی پیروی کی اور حضرت محمد مصطفیٰ علیہ وعلی آلہ الصلوۃ والسلام کی متابعت کو اپنے اوپر لازم کیا)۔

جناب شیخ بدیع الدین[ل] کی طرف صادر فرمایا ــــــ بعض سوالات کے جواب میں اور اس کے مناسب بیان میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں اور اس کے

[ل] آپ کے نام دس مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۱۷۲ پر گزر چکا ہے۔
[ع] معرب نے کہا کہ اس حدیث کو ابن حجر مکی نے صواعق میں جامع خطیب بغدادی کے حوالے سے نقل کیا ہے۔

برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) ـــــ سعادت مند بھائی کا مکتوب موصول ہو کر بہت زیادہ خوشی کا باعث ہوا ـــ آپ نے جو سوالات کئے تھے ان کے جواب میں آپ کو معلوم ہو کہ حضرت نوحؑ اور حضرت ابراہیم صلوات اللہ تعالیٰ و تسلیماتہ سبحانہ علی نبینا و علیہما کا مبدأ تعین (سرچشمہ) صفت العلم ہے جیسا کہ تعینِ محمدی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مبدأ بھی صفت (صفت العلم) ہے، فرق صرف جہات اور اعتبارات کا ہے، کیونکہ اس صفت کی ایک جانب عالم کی طرف ہے اور دوسری معلوم کی طرف۔ پہلی وجہ (جانب) وحدت کے مناسب ہے اور دوسری وجہ کثرت کے موافق۔ اور اس صفت کے لئے بھی اجمال و تفصیل ہے کہ ہر ایک اعتبار کسی نہ کسی بزرگ کے مبدأ تعین سے ہے۔

دوسرے وہ معارف جو نبوت و ولایت کا بار اٹھانے سے تعلق رکھتے ہیں وہ خواجہ محمد اشرف کے نام والے مکتوب ۲۵۱ میں تفصیل کے ساتھ درج ہو چکے ہیں دوبارہ لکھنے کی ضرورت نہیں ہے وہاں سے معلوم کر لیں ـــــ دوسرے یہ کہ (فقیر) چاہتا تھا کہ اس استفسار کے جواب میں کہ قطب[2] اور غوث اور خلیفہ کے درمیان کیا فرق ہے کچھ لکھے، لیکن اذن نہ ہوا۔ ان کو دوسرے وقت کیلئے موقوف رکھیں۔ والسلام

مکتوب ۲۵۳

دو صد و پنجاہ و سیوم
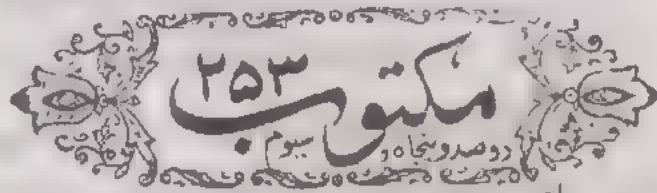
مشیخت مآب شیخ ادریس[1] سامانی کی طرف صادر فرمایا ـــ ان کے سوالات کے جواب میں اور اس راہ کی بے نہایتی اور رمز و اجمال کے طور پر بعض مقامات و منازل کی تفصیل کے بیان میں۔

حمد و صلوٰۃ اور تبلیغ دعوات کے بعد عرض ہے کہ اس طرف کے فقراء کے اوضاع و احوال حمد کے لائق ہیں، اور اللہ سبحانہ کے حضور میں آپ کے لئے آنحضرت علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کے پسندیدہ طریقے پر سلامتی، عافیت، ثابت قدمی اور استقامت کا سوال کرتا ہوں ـــــ

ان احوال و مواجید کا بیان جو (آپ نے) مولانا عبد المومن کی زبانی حوالہ کیا تھا، اور ان کا جواب چاہا تھا، مولانا نے اس کو بیان کر کے کہا کہ آپ نے فرمایا ہے کہ اگر میں زمین کی طرف نظر کرتا ہوں تو زمین کو نہیں پاتا اور اگر آسمان کی جانب دیکھتا ہوں تو اس کو بھی نہیں پاتا اور اسی طرح عرش و کرسی، بہشت و دوزخ کا

مفصل ہے

[1] آپ کے نام صرف یہی ایک مکتوب ہے اور حالات بھی معلوم نہ ہو سکے۔
[2] قطب، غوث سے متعلق مکتوب ۲۵۶ ملاحظہ ہو جو آگے آرہا ہے۔

وجود بھی نہیں پاتا، اور اگر کسی شخص کے پاس جاتا ہوں تو اس کا وجود بھی نہیں پاتا اور خود کو بھی موجود نہیں جانتا۔ اور حق جل شانہٗ کا وجود بے پایاں ہے اس کی نہایت کو کسی نے نہیں پایا۔ بزرگان (مشائخِ طریقت) اسی مقام تک کی گفتگو کرتے ہیں اور یہاں تک پہنچ کر وہ (مزید) سیر سے عاجز ہو گئے ہیں اور اس معنی سے زیادہ (سلوک) اختیار نہیں کر سکے ۔۔۔ اگر آپ بھی اسی کو کمال سمجھتے ہیں اور اسی مقام میں ہیں تو پھر میں آپ کے پاس کس لئے آؤں اور کیوں تکلیف برداشت کروں۔ اور اگر اس کمال کے علاوہ کوئی اور امر ہے تو اس کی اطلاع دیں تاکہ میں ایک دوست کے ساتھ جو بہت زیادہ درد و طلب رکھتا ہے آپ کی خدمت میں حاضر ہوں۔ اس تردد کے حصول کی وجہ سے حاضر ہونے میں چند سال توقف رہا"

میرے مخدوم! یہ احوال اور انہی احوال کے مثل (واقعات) قلب کے تلوینات[1] کی وجہ سے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان احوال والے شخص نے مقاماتِ قلب سے ابھی چوتھے حصے سے زیادہ طے نہیں کیا، مقاماتِ قلب کے تین حصے اور طے کرنے چاہئیں تاکہ قلب کا معاملہ پورے طور پر طے ہو جائے۔ قلب کے بعد روح کا معاملہ اور روح کے بعد سر ہے، سر کے بعد خفی پھر اس کے بعد اخفیٰ ہے ان باقی ماندہ چاروں (مقامات) میں سے ہر ایک کے احوال و مواجید علیحدہ ہیں لہٰذا ہر ایک کو جدا جدا طے کرنا چاہئے اور ہر ایک کے کمالات سے مزین ہونا چاہئے ۔۔۔۔۔۔۔۔ عالمِ امر کے ان پنجگانہ (پانچوں لطائف) سے گزرنے کے بعد اور ان کی اصول کی منازل کو درجہ بدرجہ طے کرنے کے بعد اور اسماء و صفات کے مدارج ظلال طے کرنے کے بعد جو کہ درجہ بدرجہ ان اصولوں کے اصول ہیں، اسماء و صفات کی تجلیات اور شیون و اعتبارات کے ظہورات ہیں، ان تجلیات سے گزرنے کے بعد تجلیاتِ ذات تعالیٰ و تقدس ہے۔ اس وقت یہ معاملہ نفس کے اطمینان پر آجاتا ہے اور پروردگار جل سلطانہٗ کی رضا کا حصول میسر ہو جاتا ہے۔ اور وہ کمالات جو اس مقام (رضا و اطمینان کے مقام) پر حاصل ہوتے ہیں ان کے مقابلے میں سابقہ کمالات دریائے محیط کے مقابلے میں قطرہ کا حکم رکھتے ہیں۔ اس جگہ شرح صدر میسر ہوتا ہے اور (انسان) اسلامِ حقیقی سے مشرف ہو جاتا ہے ؎

کار ایں است غیر ایں ہمہ ہیچ (کام بس یہ ہے اور باقی ہے)

---

[1] تلوین - گوناگوں کرنا۔ اہلِ تصوف کی اصطلاح میں مقاماتِ فقر میں سے ایک مقام کا نام ہے۔

اسماء و صفات کی وہ تجلیات جو عالمِ امر کے ان پنجگانہ منازل کو مع ان کے اصول اور اصولِ اصول کے قطع کرنے سے پہلے متوہم معلوم ہوتی ہیں وہ عالمِ امر کے بعض خواص کے ظہورات ہیں جو بے چونی اور لامکانیت سے کچھ حصہ رکھتے ہیں نہ کہ اسماء و صفات کی تجلیات سے۔ کسی سالک نے اسی مقام پر کہا ہے کہ میں تیس ۳۰ سال تک روح کو خدا سمجھ کر اس کی پرستش کرتا رہا۔ لہٰذا وصول کہاں اور میری کس کے لئے شعر

کَیْفَ الْوُصُوْلُ اِلٰی سُعَادَ وَدُوْنَهَا — قُلَلُ الْجِبَالِ وَدُوْنَهُنَّ حُیُوْفٌ

(کس طرح پہنچوں در محبوب تک — درمیاں ہیں پُر خطر کوہ اور غار)

چونکہ آپ نے خصوصیت کے ساتھ اس رہ کی حقیقت کی طلب ظاہر کی تھی لہٰذا مختصر طور پر اس کا کچھ بیان تحریر کیا گیا ہے۔ وَالْاَمْرُ عِنْدَ اللّٰهِ سُبْحَانَهٗ (اور اصل معاملہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے)۔ وَالسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَعَلٰی مَنْ لَّدَیْکُمْ (آپ پر اور آپ کے احباب پر سلام ہو)۔

مکتوب ۲۵۴
دوصد و پنجاہ و چہارم
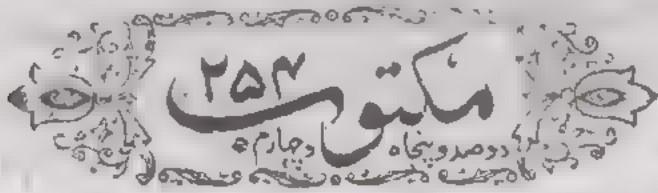
ملا احمد برکی[1] کی طرف صادر فرمایا۔ بعض سوالات کے جواب میں جو انھوں نے دریافت کئے تھے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) ——— آپ نے لکھا تھا کہ بعض بزرگوں نے فرمایا ہے کہ آدمی جو کچھ کرے وہ صاحبِ زماں کے حکم سے کرے تاکہ اس کا نتیجہ برآمد ہو، اگرچہ وہ مشروع کام ہو۔ اگر یہ بات صحیح ہے تو بندہ تمام مشروعات میں حکم کا امیدوار رہے؟ ——— میرے مخدوم! بزرگوں کا قول صحیح ہے، اور آپ کے بارے میں اذن (اجازت) حاصل کر کے ماذون (صاحبِ اجازت) کیا ہے۔ لیکن جاننا چاہئے کہ نتیجہ سے مراد ایک محدود نتیجہ ہے نہ کہ مطلقاً۔

نیز آپ نے لکھا تھا کہ ایک رسالہ میں یہ تحریر دیکھی ہے کہ حضرت خواجہ احرار قدس سرہٗ نے فرمایا ہے کہ "قرآن بحقیقت از مرتبۂ عین جمع است" (یعنی قرآن مجید حقیقت میں مرتبۂ عین جمع سے ہے) یعنی ذات تعالیٰ و تقدس کی احدیت سے ہے ——— لہٰذا جو کچھ رسالہ مبدا و معاد میں تحریر کیا گیا

[1] آپ کے نام پانچ مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۲۳۹ پر گزر چکا ہے۔

کہ "حقیقتِ کعبۂ ربانی، حقیقتِ قرآنی سے بلند و بالا ہے" اس کے کیا معنی ہوں گے؟ ـــــــ میرے مخدوم! احدیتِ ذات سے مراد احدیتِ مجردہ نہیں ہے کہ جس میں کوئی صفت و شان ملحوظ نہ ہو، کیونکہ حقیقتِ قرآن کا منشا صفتِ کلام سے ہے جو صفاتِ ثمانیہ (آٹھ صفات) میں سے ایک صفت ہے، اور حقیقتِ کعبہ کا مبدا و منشا وہ مرتبہ ہے جو شیونات و صفات کی تلوینات سے برتر ہے اس لئے اس کی فوقیت کی گنجائش ہو گئی۔

نیز آپ نے لکھا تھا کہ بعض تفاسیر میں درج ہے کہ اگر کوئی یہ کہے کہ میں کعبہ کو سجدہ کرتا ہوں تو وہ کافر ہو جاتا ہے کیونکہ سجدہ کعبہ کی جانب ہے نہ کہ کعبہ کو۔ اور دوسری جگہ لکھا ہے کہ ابتدائے اسلام میں سجدہ میں "لَكَ سَجَدْتُ" (میں نے تیرے لئے سجدہ کیا) کہتے تھے، ضمیروں کا مدلول نفسِ ذات تعالیٰ و تقدس ہے۔ لہذا رسالہ مبدا و معاد میں جو کچھ تحریر کیا گیا کہ کعبہ کی صورت جس طرح اشیاء کی صورتوں کی مسجود ہے اسی طرح کعبہ کی حقیقت بھی اشیاء کے حقائق کی مسجود ہے۔ اس کا کیا مطلب ہے؟ ـــــــ میرے مخدوم! یہ عبارتوں کے مسامحات (فروگذاشت اور آسانی کرنا) سے ہے جیسے کہ کہتے ہیں کہ "آدم مسجودِ ملائکہ ہے" حالانکہ سجدہ صرف خالق جل سلطانہ' کے لئے ہے نہ کہ اس کی مخلوق اور اس کی مصنوع کے لئے، خواہ وہ کوئی مخلوق ہو ـــــــ آپ کو، آپ کے ساتھیوں اور دوستوں بالخصوص ملا پایندہ و شیخ حسن کو سلام ہو۔
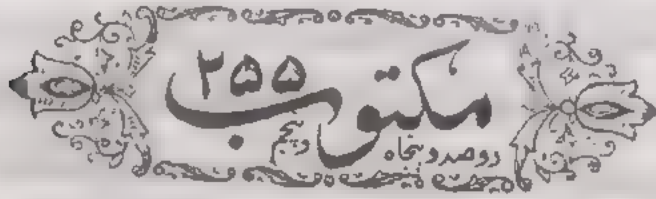
ملا طاہر لاہوری[1] کی طرف صادر فرمایا۔ روشن سنت کے زندہ کرنے اور ناپسندیدہ بدعت کے دُور کرنے کی ترغیب میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) ـــــــ گرامی نامہ جو حافظ بہاء الدین کے ہمراہ روانہ کیا تھا پہنچ کر بہت زیادہ خوشی کا باعث ہوا ـــــــ یہ کتنی بڑی نعمت ہے کہ محبان اور مخلصان اپنی تمام توجہاد

[1] آپ کے نام تین مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفترِ اول مکتوب ۲۲۵ پر گزر چکا ہے۔

ہمت کے ساتھ کسی سنتِ مصطفویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ میں سے کسی سنت کے زندہ کرنے میں متوجہ ہوں، اور (ساتھ ہی ساتھ) اپنی پوری تن دہی کے ساتھ منکر و ناپسندیدہ بدعتوں میں سے کسی بدعت کے دفع کرنے میں مستعد ہوں۔ سنت اور بدعت ایک دوسرے کی ضد ہیں اور ایک کے وجود سے دوسرے کی نفی لازم آتی ہے، لہذا ایک کے زندہ کرنے سے دوسرے کی موت واقع ہو جاتی ہے یعنی سنت کا زندہ کرنا بدعت کو مردہ کرنا ہے اور (اسی طرح) اس کے برعکس بھی (قیاس کر لیجیے)۔

——— پس بدعت، خواہ اس کو حَسَنَہ (نیک) کہیں یا سیّئہ (بری)، (ہر حال میں اس سے) سنّت کا دُور کرنا لازم آتا ہے۔ شاید (حسنہ کہہ کر) حُسنِ نسبی کی وجہ سے اعتبار کر لیا ہو (یعنی اس سے اضافی حسن مراد لیتے ہوں) ورنہ حسن مطلق کی وہاں گنجائش نہیں ہے کیونکہ تمام سنتیں حق جل سلطانہ کی مرضیات (پسندیدہ) ہیں اور ان کی اضداد (بدعتیں) مرضیاتِ شیطان ہیں ——— آج یہ بات بدعت کی اشاعت کی وجہ سے اگرچہ بہت سے لوگوں پر گراں ہے لیکن کل (قیامت کے دن) ان کو معلوم ہو جائے گا کہ ہم ہدایت پر ہیں یا وہ لوگ۔

منقول ہے کہ حضرت مہدی اپنی سلطنت کے زمانے میں جب دین کی ترویج کریں گے اور اور احیائے سنت کا حکم دیں گے تو مدینہ کا عالم جس نے بدعت پر عمل کرنا اپنی عادت بنالی ہو گی اور اس (بدعت) کو اچھا سمجھ کر دین کے ساتھ ملا لیا ہو گا وہ تعجب سے کہے گا کہ اس شخص (امام مہدی) نے ہمارے دین کو ختم کر کے ہماری ملت کو مار ڈالا ہے۔ حضرت مہدی اس عالم کے قتل کا حکم فرمائیں گے اور اس کے حسنہ (اچھائی) کو سیئہ (برائی) خیال کریں گے: ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ (جمعہ آیت ۴) (یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ بہت بڑے فضل والا ہے)

وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَعَلٰى سَائِرِ مَنْ لَّدَيْكُمْ (آپ پر اور جو آپ کے ساتھ ہیں ان سب پر سلام ہو ——— فقیر پر نسیان (بھول) کا غلبہ ہے، معلوم نہیں کہ آپ کے خط کو کس کے سپرد کیا تھا تاکہ سوالات کے موافق جواب لکھتا لہذا معذور خیال فرمائیں ———

میاں شیخ احمد فرملی دوستوں میں سے ہیں۔ چونکہ وہ آپ کے قرب و جوار میں رہتے ہیں لہذا امید ہے کہ ان کے حق میں التفات و توجہ کو مدنظر رکھیں گے۔

میاں شیخ بدیع الدین[1] کی طرف صادر فرمایا ـــــ ان سوالوں کے جواب میں جو (انھوں نے) دریافت کئے تھے کہ قطب و قطب الاقطاب اور غوث و خلیفہ کے کیا معنی ہیں؟ اور دریافت کیا تھا کہ اس حدیث تواترت ایمانُ ابی بکرٍ الخ کی کیا تحقیق ہے؟ اور اس کے مناسب بیان میں

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) ـــ گرامی نامہ جو آپ نے ایک درویش کے ہمراہ ارسال کیا تھا موصول ہو کر بہت زیادہ مسرت کا باعث ہوا ـــــ آپ نے دریافت کیا تھا کہ قطب و قطب الاقطاب غوث اور خلیفہ کے کیا معنی ہیں؟۔ اور ان میں سے ہر ایک کس خدمت پر مامور ہے، اور وہ اپنی خدمت سے مطلع ہیں یا نہیں؟۔ اور قطب الاقطاب کو جو بشارت (احکام) عالم غیب سے پہنچتی ہے اس کی کوئی اصل ہے یا وہم و خیال کا اختراع ہے؟ ـــــ

جاننا چاہئے کہ نبی علیہ و علیہم الصلوات والتسلیمات کے کامل تابعدار، مکمل طور پر تابعداری کرنے کی وجہ سے جب مقامِ نبوت کے کمالات کو تمام کر لیتے ہیں تو ان میں سے بعض کو منصبِ امامت پر سرفراز کرتے ہیں اور بعض کو محض اس کمال کے حصول پر ہی اکتفا فرماتے ہیں۔ یہ دونوں بزرگ اس کمال کے نفسِ حصول میں برابر ہیں، فرق صرف مرتبہ و عدم مرتبہ کا ہے اور ان امور کا بھی جو اس منصب سے تعلق رکھتے ہیں ـــــ جو حضرات ولایتِ نبوت کے کمالات کی پوری طرح تکمیل کر لیتے ہیں (تو ان میں سے) بعض کو منصبِ خلافت پر مشرف فرماتے ہیں اور بعض کو محض ان ہی کمالات کے حصول پر اکتفا کرتے ہیں، جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا۔ ـــــ یہ دونوں منصب (خلافت و امامت) کمالاتِ اصلیہ سے تعلق رکھتے ہیں اور کمالاتِ ظلیہ میں منصبِ امامت کے مناسب قطبِ ارشاد کا منصب ہے، اور منصبِ خلافت کے مناسب منصبِ قطبِ مدار ہے، گویا یہ دونوں مقام اُن دونوں مقاموں کے ظلال کے تحت ہیں (یعنی منصبِ امامت و منصبِ خلافت کا مقام ان کے اوپر ہے) ـــــ

[1] آپ کے نام دس مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۱۷۲ پر گزر چکا ہے۔

اور شیخ محی الدین العربیؒ کے نزدیک غوث ہی قطبِ مدار ہے۔ ان کے نزدیک غوثیت کا مرتبہ منصبِ قطبیت سے علیحدہ کوئی منصب نہیں ہے ــــ اور جو کچھ اس فقیر کا عقیدہ ہے وہ یہ ہے کہ غوث، قطبِ مدار کے علاوہ ہے بلکہ اس (قطبِ مدار) کا مدد و معاون ہے۔ قطبِ مدار بعض امور میں اس سے مدد لیتا ہے اور ابدال کے منصب مقرر کرنے میں بھی اس کو دخل ہے۔ اور قطب کو باعتبار اس کے اعوان و انصار کے قطب الاقطاب بھی کہتے ہیں، کیونکہ قطب الاقطاب کے اعوان و انصار اقطابِ حکمی ہیں، یہی وجہ ہے صاحب فتوحاتِ مکیہ لکھتے ہیں: مَا مِنْ قَرْيَةٍ مُؤْمِنَةٍ كَانَتْ اَوْ كَافِرَةٍ اِلَّا وَفِيْهَا قُطْبٌ: (مومنوں یا کافروں کا کوئی قریہ ایسا نہیں ہے جس میں قطب نہ ہو) ـــــ جاننا چاہیے کہ صاحبِ منصب کو یقیناً اپنے منصب کا علم ہوتا ہے۔ اور وہ جو اس منصب کا کمال رکھتا ہے لیکن منصب نہیں رکھتا اس کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ اربابِ علم ہو اور اپنی خدمت سے مطلع بھی ہو ــــ اور وہ بشارت جو اس کو عالم غیب سے پہنچتی ہے اس مقام کے کمالات حاصل ہونے کی بشارت ہے نہ کہ اس مقام کے منصب کی بشارت جس کا تعلق علم سے ہے۔

نیز آپ نے دریافت کیا تھا کہ اس ایمان سے کیا مراد ہے جو اس حدیث میں ہے: لَوْ اُتْزِنَ اِيْمَانُ اَبِيْ بَكْرٍ مَعَ اِيْمَانِ اُمَّتِيْ لَرَجَحَ[1] (اگر ابوبکرؓ کا ایمان میری ساری امت کے ایمان کے ساتھ وزن کیا جائے تو یقیناً وہ غالب رہے گا) اس سے کیا مراد ہے اور اس کی ترجیح کا کیا سبب ہے؟ ــــــ جاننا چاہیے کہ ایمان کی ترجیح مُؤْمَنٌ بِہٖ (جن پر ایمان لایا جاتا ہے) کے رجحان کے باعث ہے چونکہ حضرت صدیقؓ کا متعلقِ ایمان (جن کا ایمان سے تعلق ہے) تمام امت کے متعلقاتِ ایمان سے فوق و برتر ہے اس سے یقینا راجح و غالب ہوگا

میرے مخدوم! عروجات و ترقیات میں (عارف و طالب کا معاملہ یہاں تک پہنچ جاتا ہے کہ اگر ایک نقطہ زیادہ اوپر ہو جائے تو اس نقطہ عروج کے سبب جو کمال حاصل ہوا ہے وہ تمام سابقہ کمالات سے زیادہ ہو جاتا ہے، کیونکہ وہ نقطہ جو کچھ اس کے ماتحت ہے ان سب سے بالاتر ہے۔ اور یہی حال اس نقطہ کا ہے جو پہلے نقطہ پر فوقیت رکھتا ہے کیونکہ نقطۂ ماتقدم مع اپنے ماتحت کے نقطۂ فوق کے مقابلے میں حقیر و نقیر (کھجور کی گٹھلی کا گڑھا) ہے ــــ اسی پر قیاس کر لیجئے، پس جس کے ایمان کا تعلق کمال بلندی پر ہو وہ بیشک ہر اس سے جو اس کے ماتحت (کمتر) ہو راجح و غالب ہوگا ــــ

---

[1] امام سیوطیؒ نے الدر المنتثرہ میں اور ابنِ عدی نے کامل میں بروایت حضرت ابن عمرؓ مرفوعاً روایت کیا ہے۔

اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ عارف (باللہ) کا معاملہ بھی کچھ اسی طرح کا ہے کہ طرفۃ العین (پلک جھپکنے میں) سابقہ تمام کمالات پر فوقیت حاصل کر لیتا ہے۔ اور اس فقیر کی تحقیق کے اندازے کے مطابق ایک لمحہ میں تمام کمالاتِ ماتقدم سے بھی زیادہ پیش قدمی کر لیتا ہے: ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ (یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہے عطا فرمائے اور اللہ تعالیٰ بہت بڑے فضل والا ہے) (جمعہ آیت ۴ ۶۲)

اور نیز آپ نے دریافت کیا تھا کہ شیخ ابن العربیؒ اور ان کے متبعین نے لکھا ہے کہ جسقدر بچے حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی وجہ سے قتل کئے گئے ان تمام مقتولوں کی قابلیت اور استعدادیں حضرتِ موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام میں منتقل ہو گئیں۔ اس بات کی حقیقت مفصل طور پر تحریر فرمائیں؟ ——— جاننا چاہئے کہ یہ بات صحیح ہے کیونکہ تحقیق سے ثابت ہے کہ جس طرح ایک شخص کو پوری جماعت کے کمالات حاصل ہونے کا سبب بناتے ہیں اسی طرح پوری جماعت کو بھی ایک شخص کے کمالات حاصل ہونے کا سبب بنا دیتے ہیں۔ پیر اگرچہ مریدوں کے کمالات کے حصول کا ذریعہ ہے لیکن مریدین بھی پیر کے کمالات کے اسباب ہیں ——— اس حقیقت کو فقیر نے ماکولات و مشروبات (کھانے پینے کی چیزوں) میں جو اجزائے بدن ہوتی ہیں محسوس کیا ہے کہ ہر وہ لقمہ اور گھونٹ کہ (انسان) کھاتا پیتا ہے اس کی استعداد و قابلیت کی جامعیت کا سبب بنتا ہے اور اس کے علاوہ بھی قابلیت پیدا کرتا ہے۔ اور جب کبھی لذیذ کھانوں کے ترک کرنے کا قصد کرتا تھا تو روک دیا جاتا تھا، اور اس جامعیت اور قابلیت کے حاصل ہونے کی وجہ سے ان لذیذ کھانوں کو ترک کرنے کی اجازت نہ ملتی تھی۔ اور اکثر ایسا ہوا ہے کہ ایک کی استعداد دوسرے میں پوری کی پوری یا تھوڑی منتقل کر دی گئی۔ اور محسوس ہوتا ہے کہ ان میں سے ایک خالی رہ گیا اور دوسری جمعیت سے پُر ہے۔

نیز آپ نے دریافت کیا تھا کہ شیخ نجم الدین کبریٰ نے اپنے ایک مرید کو ایک بزرگ (شیخ مصلح الدین خجندی) کی خدمت میں بھیجا تاکہ ان کے توسل سے معلوم کریں کہ وہ کس پیغمبر کے زیرِ قدم ہیں۔ ان بزرگ نے فرمایا کہ تیرا جہود کس کام میں ہے ——— شیخ نے اس عبارت سے سمجھ لیا کہ وہ حضرت موسیٰ صلوات اللہ تعالیٰ وتسلیماتہ علی نبینا وعلیہ کے زیرِ قدم ہیں ——— اس عبارت سے یہ مطلب کس طرح لیا گیا؟ ———

(جواب) جاننا چاہئے کہ جہود، یہود کو کہتے ہیں جو حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی امت ہیں۔

آپ نے دریافت کیا تھا کہ "نفحات" میں لکھا ہے کہ تمام اولیاء کی ولایت مرنے کے بعد سلب ہو جاتی ہے سوائے چار آدمیوں کے؟ —— جاننا چاہیئے کہ یہاں ولایت سے مراد ظہورِ کرامات و تصرفات ہے نہ کہ اصل ولایت جس سے قربِ الٰہی جل سلطانہ مراد ہے، اور نیز سلب سے مراد کرامات کے ظہور کی کثرت کا سلب ہونا ہے نہ کہ اس ظہور کے اصل کا سلب۔ چونکہ یہ بات کشفی ہے اور کشف میں خطا کی بہت گنجائش ہے۔ (معلوم نہیں کہ) صاحبِ کشف نے کیا دیکھا اور کیا سمجھا۔

نیز آپ نے اولیاء کی بعض کرامات کے ظہور کے متعلق دریافت کیا تھا —— (جواب) آپ منتظر رہیں: سَيَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُسْرًا (طلاق آیت ۶۵) (اللہ تعالیٰ عنقریب تنگی کے بعد فراخی عطا فرمائے گا)

نیز آپ نے دریافت کیا تھا کہ نیشاپوری میں لکھا ہے کہ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ (کوثر آیت ۱۰۸ ۳) (بیشک آپ کا دشمن ہی (خیر کا) بے اولاد ہے) (یعنی شانئک) "یا" کے ساتھ تحقیق کیا ہے وہ ہمزہ کے ساتھ ہے یا "یا" کے ساتھ؟ —— (جواب) وہ ہمزہ کے ساتھ ہے اور جس نے یا کے ساتھ لکھا ہے اس کی قرأت غیر مشہور ہوگی۔

آپ نے دریافت کیا تھا کہ بعض عورتیں مشغولی (یعنی اخذِ طریقہ و توجہ) کی طلبگار ہیں؟ ——

(جواب) اگر وہ محرم ہیں تو کوئی منع نہیں ورنہ پردہ میں بیٹھ کر طریقہ اخذ کریں۔

آپ نے دریافت کیا تھا کہ اہلِ حدیث نے ہر ماہ میں منحوس ایام قرار دیئے ہیں اور اس بارے میں وہ حدیث بھی نقل کرتے ہیں (اس سلسلہ میں) کیا کرنا چاہیئے؟ —— فقیر کے والد قدس سرہٗ فرماتے تھے کہ شیخ عبد اللہ (بصری) و شیخ رحمت اللہ (سندھی) جو اکابر محدثین سے تھے اور حرمین میں وہ شیخین کے لقب سے مشہور تھے، کسی تقریب کے سلسلہ میں ہندوستان تشریف لائے تھے تو فرماتے تھے کہ اس حدیث کو کرمانی شارح بخاری نے نقل کیا ہے لیکن ضعیف ہے۔ اس باب میں صحیح حدیث یہ ہے: اَلْاَيَّامُ اَيَّامُ اللّٰهِ وَالْعِبَادُ عِبَادُ اللّٰهِ (سب دن اللہ تعالیٰ کے دن ہیں اور سب بندے اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں) —— اور وہ یہ بھی فرماتے تھے کہ دنوں کی نحوست، رحمتِ عالمیان علیہ و علیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کی ولادت سے ختم ہوگئی۔ اَيَّامٍ نَحِسَاتٍ یعنی منحوس دن گذشتہ امتوں کی نسبت سے تھے —— اور فقیر کا عمل بھی اسی پر ہے اور کسی دن کو بھی دوسرے دن پر ترجیح نہیں دیتا، جبتک کہ شارع علیہ السلام سے

اس کی ترجیح معلوم نہ کرلے۔ جیسا کہ جمعہ، رمضان وغیرہما۔

نیز آپ نے دریافت کیا تھا کہ وہ معارف جو بارِ نبوت کے اٹھانے سے تعلق رکھتے ہیں مجھ کو خواجہ محمد اشرف کے مکتوب میں نہیں ملے؟ ---- (جواب) آپ کو ابھی کہاں ملیں گے کیونکہ وہ مکتوب (۲۵۱) انہی ایام میں تحریر ہوا ہے اور اس کی نقل ابھی آپ کو نہیں پہنچی، مکتوب بہت طویل ہے شاید ایک جزء سے بھی زائد ہو۔ فقیر نے اس کی نقل آپ کی طرف بھیجنے کے لئے کہدیا ہے۔ والسلام

مکتوب ۲۵۷
دو صد و پنجاہ و ہفتم

میر محمد نعمان کی طرف اختصار کے طور پر طریقہ کے بیان میں صادر فرمایا۔

حمد و صلوٰۃ اور تبلیغ دعوات کے بعد واضح ہو کہ جو مکتوب شریف آپ نے شیخ احمد فرملی کے ہمراہ بھیجا تھا وصول ہو کر بہت زیادہ خوشی کا باعث ہوا ---- آپ نے وہ رسالہ جس میں طریقہ کا بیان ہے طلب فرمایا تھا، اس کے مسودے (ابھی ویسے ہی) پڑے ہوئے ہیں اگر توفیق نصیب ہوئی تو بیاض میں لکھ کر بھیجدیا جائے گا۔ فی الحال مختصر طور پر چند فقرے اس طریقے کے بیان میں تحریر کئے جاتے ہیں۔ گوشِ ہوش سے سماعت فرمائیں۔

میرے سیادت پناہ! وہ طریقہ جو ہم نے اختیار کیا ہے اس کے سیر کی ابتدا "قلب" سے ہے جو کہ "عالمِ امر" سے ہے، اور قلب کی سیر سے گذر کر مراتبِ روح ہیں جو اس سے اوپر ہیں اور روح سے گذرنے کے بعد معاملہ سِر کے ساتھ ہے جو اس سے اوپر ہے اور اسی طرح خفی و اخفیٰ کا حال ہے ---- ان لطائف پنجگانہ (پانچوں لطائف) کی منزلوں کو طے کرنے کے بعد اور ان میں سے ہر ایک کے متعلق علیحدہ علیحدہ علوم و معارف حاصل کرنے کے بعد اور ان احوال و مواجید کے ساتھ جو ان پنجگانہ لطائف میں سے ہر ایک کے ساتھ مخصوص (احوال) ہیں، ان کے متحقق ہونے کے بعد ان پنجگانہ (لطائف) کے اصول میں جو عالمِ کبیر میں ہے سیر واقع ہوتی ہے، کیونکہ جو کچھ بھی عالمِ صغیر میں ہے اس کی اصل عالمِ کبیر میں موجود ہے۔ عالمِ صغیر سے مراد انسان ہے اور عالمِ کبیر سے پوری کائنات کا مجموعہ مراد ہے ---- ان اصول پنجگانہ میں سیر کا آغاز عرشِ مجید سے ہوتا ہے جو انسان کے قلب کی اصل ہے۔

اور اس کے اوپر روحِ انسانی کی اصل ہے اور اس کے اوپر سرِ انسانی کی اصل ہے اور سر کی اصل کے اوپر خفی کی اصل ہے اور اصلِ خفی کے اوپر اخفیٰ کی اصل ہے۔ جب عالمِ کبیر کے ان پنجگانہ لطائف کو تفصیل کے ساتھ طے کر کے آخری نقطے پر پہنچتے ہیں تو دائرۂ امکان پورا ہو جاتا ہے اور فنا کی منزلوں میں سے اول منزل میں قدم رکھنا ہوتا ہے ـــــــ اس کے بعد اگر ترقی واقع ہو تو اسماء و صفاتِ واجبی جل سلطانہٗ کے ظلال میں سیر واقع ہوگی، اور یہ ظلال وجوب و امکان کے درمیان برزخ کی طرح ہیں اور عالمِ کبیر کے ان پنجگانہ مراتب کے لئے اصول کی مانند ہیں، نیز ان ظلال میں بھی اسی ترتیب سے سیر واقع ہوگی جس طرح ان کے فروع میں ذکر کیا جا چکا ہے۔ اور اگر فضل ایزدی جل شانہٗ سے ان ظلال کے بکثرت منازل طے کر کے ان کے آخری نقطہ پر پہنچ جائیں تو پھر اسماء و صفاتِ واجبی جل سلطانہٗ میں سیر شروع ہوگی اور اسماء و صفات کی تجلیات ظاہر ہوں گی اور شیون و اعتبارات کے ظہورات جلوہ فرما ہوں گے، اس وقت عالمِ امر کے پنجگانہ لطائف کا معاملہ طے ہو کر ان کا حق ادا ہو جائے گا ـــــــ اس کے بعد اگر فضلِ خداوندی جل شانہٗ شاملِ حال ہو جائے تو اس مقام سے بھی ترقی کر کے نفس کے اطمینان کا معاملہ حاصل ہوگا اور مقامِ رضا کا حصول جو مقاماتِ سلوک کی انتہا ہے میسر ہوگا اور اسی مقام پر شرحِ صدر حاصل ہوتا ہے اور اسلامِ حقیقی کے شرف سے بھی مشرف ہو جاتا ہے۔ ان کے مقابلے میں وہ کمالات جو اس مقام پر حاصل ہوتے ہیں عالمِ امر سے متعلق ہیں اور دریائے محیط کے مقابلے میں قطرہ کے مانند ہیں ـــــــ اور یہ سب کمالات جن کا ذکر کیا گیا اسم ظاہر سے تعلق رکھتے ہیں اور وہ کمالات جن کا تعلق اسم باطن سے ہے وہ دوسرے ہیں جن کا استتار (پوشیدہ ہونا) اور تبطن (باطن میں ہونا) ہی مناسب ہے ـــــــ جب ان دو مبارک اسموں کے کمالات پورے طور پر حاصل ہو جائیں تو سالک کی پرواز کے لئے دو بازو میسر ہو جاتے ہیں کہ ان دو بازوؤں کی قوت سے عالمِ قدس میں پرواز کرتا ہے اور بے اندازہ ترقیاں حاصل کرتا ہے ـــــــ اس معاملہ کی تفصیل بعض مسودات میں تحریر ہو چکی ہے میرے فرزند ارشد ان کو جمع کرنے کی کوشش کر رہے ہیں ـــــــ دوسرے یہ کہ اگر ممکن ہو تو آپ ایک مرتبہ یہاں تشریف لائیں، لیکن اس شرط کے ساتھ کہ اس مقام کو خالی نہ چھوڑیں اور اس انتظام کو درہم برہم نہ کریں اور خود تنہا یہاں آ جائیں اور دوستوں میں سے جس کسی کو پیش قدم (آگے بڑھا ہوا) اور مناسب سمجھیں اس جماعت کا پیشوا بنا کر اس علاقہ کی طرف متوجہ ہوں (یعنی تشریف لے آئیں) وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ اَعْلَمُ (اللہ سبحانہٗ بہتر جانتا ہے) کہ دوسرے وقت فرصت ملے یا نہ ملے۔ وَالسَّلَامُ

شریف خاں[1] کی طرف حق تعالیٰ کی اقربیت کے بیان میں صادر فرمایا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) ——— گرامی نامہ جو آپ نے مہربانی فرما کر اس طرف کے فقراء کے نام تحریر کیا تھا موصول ہو کر خوشی اور مسرت کا باعث ہوا۔ جَزَاکُمُ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ خَیْرَ الْجَزَاءِ (اللہ سبحانہٗ آپ کو اس کی جزا اور عمدہ قسم کی جزا عطا فرمائے) ——— میرے مخدوم! اگرچہ حق تعالیٰ کی اقربیت ہم سے زیادہ ہمارے ساتھ ہونا نصِ قطعی سے ثابت ہے لیکن کیا کیا جائے کہ حق تعالیٰ ہماری عقلوں، فہموں اور ہمارے علوم و ادراکات سے وراء الوراء ہے۔ حالانکہ ہم جانتے ہیں کہ یہ وراءیت (بلندیٔ شان) قرب کی جانب ہے نہ کہ بُعد کی۔ کیونکہ وہ سبحانہٗ ہر نزدیک سے زیادہ نزدیک ہے حتیٰ کہ اس سبحانہٗ کی ذاتِ احدیت ان صفات کی نسبت جن کے افعال و آثار ہم اپنے سے زیادہ نزدیک پاتے ہیں۔

یہ معرفت عقل کی نظر کے طریقے سے ماوراء ہے، کیونکہ عقل اپنے سے زیادہ نزدیک ہونے کا تصور نہیں کر سکتی، کوئی ایسی مثال جو اس بحث کی وضاحت کر سکے ممکن کوشش کے باوجود نہ مل سکی۔ اس معرفت کی دلیل نصِ قطعی اور کشفِ صحیح سے ہے ——— مشائخِ طریقت نے توحید اور اتحاد کے بارے میں بہت گفتگو کی ہے اور قرب و معیت کو بیان فرمایا ہے لیکن حق تعالیٰ کی اقربیت کے متعلق خاموشی اختیار کی ہے اور کوئی تسلی بخش بیان اس بارے میں نہیں دیا ہے۔ عجیب معاملات ہیں کہ اس سبحانہٗ کی اقربیت (قریب سے قریب تر ہونا) ہمارے لئے ابعدیت (دور سے دور تر ہونے) کا سبب ہوئی ہے۔ ھٰذَا اِلٰی اَنْ یَّبْلُغَ الْکِتَابُ اَجَلَہٗ (یہی کافی ہے، یہاں تک کہ کتاب اپنے مقررہ وقت کو پہنچے) فَافْھَمْ فَاِنَّ کَلَامَنَا اِشَارَۃٌ وَّبَشَارَۃٌ (پس سمجھ لو کہ ہمارا کلام اشارت اور بشارت آمیز ہے) ——— اور سلام ہو آپ پر اور ان سب پر جنھوں نے ہدایت کی پیروی کی اور حضرت محمد مصطفیٰ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات اتمہا و اکملہا کی متابعت کو اپنے اوپر لازم کیا۔

---

[1] آپ کے نام صرف یہی ایک مکتوب ہے۔ آپ خواجہ عبد الصمد شیریں قلم کے صاحبزادے اور جہانگیر کے ہم مکتب رفیق و جلیس تھے جہانگیر نے اپنے دور میں آپ کو پنج ہزاری کا منصب، امیر الامراء کا خطاب دیا۔ آخر عمر میں دکن بھیجا گیا تھا وہیں انتقال ہوا۔ (مآثر الامراء)

مکتوب ۲۵۹
دو صد و پنجاہ و نہم

مخدوم زادہ خواجہ محمد سعیدؒ[1] کی طرف صادر فرمایا جو جامع علوم عقلیہ و نقلیہ اور صاحب نسبتِ عالیہ ہیں۔۔۔

رسولوں کے بھیجنے کے فوائد اور واجب الوجود تعالیٰ و تقدس کی معرفت میں عقل کا استقلال نہ ہونے اور شاہقِ جبل اور پیغمبروں کے زمانۂ فترت کے مشرکوں اور دار الحرب کے مشرکوں کے اطفال کے بارے میں حکمِ خاص فرمایا اور ہندوستان کی اممِ سابقہ میں انبیا علیہم السلام کے مبعوث ہونے میں اور ان کے مناسب بیان میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ ھَدٰنَا لِھٰذَا وَمَا کُنَّا لِنَھْتَدِیَ لَوْلَآ اَنْ ھَدٰنَا اللّٰہُ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ (سب تعریف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے جس نے ہم کو ہدایت عطا فرمائی اور ہم ہرگز ہدایت نہ پاتے اگر اللہ تعالیٰ ہم کو ہدایت نہ کرتا بیشک ہمارے رب کے پیغمبر حق کے ساتھ آئے ہیں)۔ (اعراف آیت ۴۳)

انبیا علیہم الصلوات والتسلیمات کے بھیجنے کا شکر کس زبان سے ادا کیا جائے اور اس نعمت کے دینے والے یعنی حق تعالیٰ کا اعتقاد کس دل سے ظاہر کیا جائے اور وہ اعضا کہاں ہیں جو اس نعمتِ عظمیٰ کا بدلہ اعمالِ حسنہ کے ذریعے سے ادا کر سکیں، اگر ان بزرگوں کا وجود شریف نہ ہوتا تو ہم کم فہموں کو صانع تعالیٰ جل سلطانہٗ کے وجود اور اس کی وحدت کی طرف کون ہدایت کرتا ۔۔۔۔۔۔۔۔ یونان کے قدیم فلسفیوں نے اسقدر عقلمند ہونے کے باوجود صانع جل شانہٗ کے وجود کی طرف ہدایت نہیں پائی اور کائنات کے وجود کو زمانے کی طرف منسوب کیا اور جب انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی دعوت کے انوار روز بروز بلند ہوتے گئے تو متاخرین فلسفیوں نے ان انوار کی برکت سے اپنے متقدمین کے مذہب کا رد کیا اور صانع جل شانہٗ کے وجود کے قائل ہو گئے اور انھوں نے حق تعالیٰ کی وحدت کو ثابت کیا۔ پس ہماری عقلیں انوارِ نبوت کی تائید کے بغیر معزول و بیکار ہیں اور ہماری فہم انبیائے کرام علیہم الصلوات والتحیات کے وجود کے

---

[1] آپ حضرت مجددؒ کے صاحبزادۂ دوم ہیں۔ شوال ۱۰۰۵ھ میں ولادت ہوئی۔ بچپن ہی سے آثار ولایت و کرامت آپ کی پیشانی سے ہویدا تھے۔ شیخ محمد طاہر لاہوری اور اپنے بڑے بھائی سے بعض کتابیں پڑھیں اور اپنے والد ماجد اور شیخ عبدالرحمن رحمتی سے حدیث کی کتابیں پڑھیں۔ تحصیل علم کے زمانے ہی میں حضرت مجددؒ کی توجہ سے نسبتِ نقشبندیہ سے مشرف ہو کر "خازن رحمت" کا لقب پایا۔ سترہ اٹھارہ سال کی عمر سے درس و تدریس میں مشغول ہو گئے۔ فقہ میں اپنا نظیر نہ رکھتے تھے اور دقیق سے دقیق مسائل معمولی توجہ سے حل فرما دیتے تھے۔ عالمگیر کی درخواست پر دہلی تشریف لے گئے واپسی میں سنبھالکہ کے مقام پر ۲۷ جمادی الاخری ۱۰۷۰ھ کو آپ کا انتقال ہوا اور سرہند میں دفن کئے گئے۔ (از حضرت مجدد الف ثانیؒ) آپ کے ۲۴ مکتوبات ہیں۔ دفتر اول

توسط کے بغیر اس معاملے سے دُور ہیں۔ پھر ہمیں نہیں معلوم کہ ہمارے اصحابِ ماتریدیہ نے بعض امور مثلاً صانع تعالیٰ سبحانہٗ کے وجود کے اثبات اور اس کی وحدت کے بارے میں عقل کے استقلال و کافی ہونے سے کیا مراد لی ہے کہ انھوں نے شاہقِ جبل (پہاڑ کی چوٹی پر رہنے والے) بُت پرست کو ان دونوں امور (یعنی وجود صانع کے اثبات اور اس کی وحدت) کے لئے مکلّف ٹھہرایا ہے اگرچہ اس کو پیغمبر کی دعوت نہیں پہنچی اور ان دونوں امور میں اس کے نظر و فکر کو ترک کرنے پر اس کے کفر اور خلود فی النار کا حکم دیا ہے حالانکہ ہم ظاہری تبلیغ اور حجتِ بالغہ کے بغیر جو کہ رسولوں کے بھیجنے پر وابستہ ہے کفر اور خلود فی النار کا حکم دینا صحیح نہیں سمجھتے۔ بیشک عقل اللہ تعالیٰ کی حجتوں میں سے ایک حجت ہے لیکن یہ حجت ہونے میں اتنی کامل حجت نہیں ہے جس پر شدید ترین عذاب مرتب ہو سکے۔

سوال: اگر شاہقِ جبل (پہاڑ کی چوٹی پر رہنے والا شخص) جو کہ بت پرست ہے دوزخ میں ہمیشہ کے لئے نہیں رہے گا تو پھر وہ بہشت میں جائے گا اور یہ جائز نہیں ہے کیونکہ بہشت میں داخل ہونا مشرک پر حرام ہے اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف حکایت کرتے ہوئے فرماتا ہے: اِنَّہٗ مَنْ یُّشْرِکْ بِاللّٰہِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰہُ عَلَیْہِ الْجَنَّۃَ وَمَاْوٰىہُ النَّارُ (سورۂ مائدہ ۵ آیت ۷۲) ترجمہ: جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرے اللہ تعالیٰ نے اس پر جنت حرام کر دی ہے اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے) اور جنت اور دوزخ کے درمیان کوئی واسطہ (یعنی ہمیشہ رہنے کی جگہ) ثابت نہیں ہوا ہے (کیونکہ) اصحابِ اعراف بھی چند روز کے بعد بہشت میں داخل ہو جائیں گے۔ پس ہمیشہ کا ٹھکانا جنت میں ہے یا دوزخ میں۔

(جواب) یہ سوال بہت مشکل ہے۔ میرے اس فرزند ارشد کو معلوم ہے کہ آپ مدت تک اس فقیر سے بار بار یہ سوال دریافت کرتے رہتے تھے اور تسلی بخش جواب نہیں پاتے تھے۔ اور صاحب فتوحات مکیہ نے اس سوال کے حل میں جو کچھ کہا ہے اور قیامت کے دن ان لوگوں کو (حق تعالیٰ کی طرف) دعوت کے لئے پیغمبر کا مبعوث ہونا ثابت کیا ہے اور ان کی اس دعوت کے ردّ و قبول کے موجب دوزخ و بہشت کا حکم کیا ہے، وہ اس فقیر کے نزدیک مستحسن نہیں ہے کیونکہ آخرت دار جزا (بدلہ ملنے کا گھر) ہے نہ کہ دارِ تکلیف کہ جس کے لئے پیغمبر مبعوث کیا جائے ــــــ بہت مدت کے بعد اللہ تعالیٰ جل سلطانہٗ کی عنایت نے رہنمائی فرمائی اور اس معمّا کو حل کر دیا اور منکشف فرمایا کہ یہ لوگ نہ بہشت میں ہمیشہ رہیں گے نہ دوزخ میں،

پہاڑوں کی پر رہنے والے مشرکوں کا حشر

بلکہ آخرت میں اٹھائے جانے اور زندہ کئے جانے کے بعد ان کو حساب کے مقام میں کھڑا کر کے ان کے گناہوں کے اندازے کے موافق عتاب و عذاب دیں گے اور (بندوں کے) حقوق پورے کرنے کے بعد غیر مکلف حیوانوں کی طرح ان کو بھی معدوم مطلق اور لاشئی محض کر دیں گے۔ لہٰذا ان میں سے خلود کس کے لئے اور مخلد کون۔ ـــــــ اس عجیب و غریب معرفت کو جب (واقعہ میں) انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے حضور میں پیش کیا گیا تو سب نے اس کی تصدیق فرمائی اور قبولیت عطا کی۔ وَالْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ سُبْحَانَهٗ (اور حقیقی علم تو اللہ تعالیٰ ہی کو ہے)

اس فقیر پر یہ بات بہت گراں گذرتی ہے کہ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ اپنی کمال شفقت و رحمت کے باوجود انبیاء علیہم الصلوات والتحیات کے واسطے سے ظاہری طور پر ابلاغ مبین (احکام دین پہنچائے بغیر) صرف عقل کے اعتبار پر جس میں خطا اور غلطی کی بہت گنجائش ہے اپنے بندے کو ہمیشہ کی آگ میں ڈال دے اور دائمی عذاب میں گرفتار کرے جس طرح کہ (اس مشرک بندہ کے لئے) شرک کے باوجود جنت میں ہمیشہ رہنے کا حکم کرنا گراں معلوم ہوتا ہے جیسا کہ جنت و دوزخ کے درمیان واسطہ کا قائل نہ ہونے کے باعث اشعری کے مذہب سے لازم آتا ہے پس حق وہی ہے جو مجھے الہام ہوا کہ قیامت کے دن محاسبہ کی تکمیل کے بعد اس کو معدوم کر دیا جائے گا جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا۔

اور فقیر کے نزدیک دار حرب کے مشرکوں کی نابالغ اولاد کے بارے میں بھی یہی حکم ہے کیونکہ بہشت میں داخل ہونا ایمان پر موقوف ہے، ایمان خواہ اصالت کے طور پر ہو یا تبعیت کے طور پر، (یعنی ماں باپ وغیرہ کے اتباع سے حاصل ہو) اگرچہ تبعیت دار الاسلام ہی سے ہو، جیسا کہ ذمی کافروں کی نابالغ اولاد کو ہے اور ان (مشرکین دار الحرب کی نابالغ اولاد) کے حق میں ایمان مطلق طور پر مفقود ہے پس ان کا بہشت میں داخل ہونا متصور نہیں ہے اور دوزخ میں داخل ہونا اور اس میں ہمیشہ رہنا تکلیف (مکلف ہونا) کے ثابت ہونے کے بعد شرک پر منحصر ہے، اور یہ بھی ان کے حق میں مفقود ہے پس ان کا حکم بھی حیوانوں کے حکم کی مانند ہے کہ ان کو بعث و نشور کے بعد حساب کے لئے کھڑا کریں گے اور حقوق پورا کرنے کے بعد ان کو معدوم (نیست و نابود) کر دیں گے ـــــ اور ان مشرکوں کے حق میں جو پیغمبروں کی فترت (انقطاع) کے زمانے (دو پیغمبروں کے درمیانی زمانہ) میں ہوئے ہیں جن کو کسی پیغمبر کی دعوت نہیں پہنچی (ان کے لئے بھی) یہی حکم ہے۔

اے فرزند! یہ فقیر جس قدر ملاحظہ کرتا ہے اور نظر دوڑاتا ہے تو کوئی ایسی جگہ (خطۂ زمین میں) نہیں پاتا جہاں ہمارے پیغمبر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی دعوت نہ پہنچی ہو، بلکہ محسوس ہوتا ہے کہ آنحضرت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی دعوت کا نور آفتاب کی طرح سب جگہ پہنچا ہے حتیٰ کہ یاجوج ماجوج میں بھی جن کے درمیان دیوار حائل ہے (وہاں بھی) پہنچا ہوا ہے ——— اور گذشتہ امتوں میں بھی ملاحظہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسی جگہ بہت کم ہی ہے جہاں پیغمبر مبعوث نہ ہوئے ہوں یہاں تک کہ زمینِ ہند میں بھی جو کہ اس معاملے سے دور دکھائی دیتی ہے معلوم و محسوس ہوتا ہے کہ اہلِ ہند سے بھی پیغمبر مبعوث ہوئے ہیں اور صانع جل شانہٗ کی طرف دعوت فرمائی ہے۔ اور ہندوستان کے بعض شہروں میں محسوس ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے انوار شرک کے اندھیروں میں مشعلوں کی طرح روشن ہیں اگر (یہ فقیر) ان شہروں کو متعین کرنا چاہے تو کر سکتا ہے ——— اور دیکھتا ہے کہ کوئی پیغمبر ایسا ہے جس پر کوئی بھی ایمان نہیں لایا اور اس کی دعوت کو قبول نہیں کیا۔ اور کوئی پیغمبر ایسا ہے جس پر صرف ایک آدمی ایمان لایا ہے، اور کسی پیغمبر کے تابع صرف دو شخص ہوئے ہیں اور بعض پر صرف تین آدمی ایمان لائے ہیں۔ تین آدمیوں سے زیادہ نظر نہیں آتے جو ہندوستان میں کسی ایک پیغمبر پر ایمان لائے ہوں تاکہ چار آدمی ایک پیغمبر کی امت ہوتے ——— اور ہند کے سردارانِ کفار نے واجب تعالیٰ کے وجود اور اس سبحانہٗ کی صفات سے اس تعالیٰ کی تنزیہات و تقدیسات کی نسبت جو کچھ لکھا ہے وہ سب قندیلِ نبوت کے انوار سے لیا گیا ہے کیونکہ گذشتہ امتوں میں ہر زمانے میں ایک نہ ایک پیغمبر ضرور گذرا ہے جس نے واجب تعالیٰ کے وجود اور اس جل شانہٗ کی صفاتِ ثبوتیہ سے اور اس سبحانہٗ وتعالیٰ کی تنزیہات و تقدیسات کی نسبت خبر دی ہے۔ اگر ان بزرگ پیغمبروں کا وجودِ مبارک نہ ہوتا تو ان بدبختوں (کافروں) کی لنگڑی اور اندھی عقل جو کفر و معاصی کی ظلمتوں سے آلودہ ہے اس دولت کی طرف کب ہدایت پاتی ——— ان بدنصیبوں کی ناقص عقلیں اپنی ذات کی حد تک اپنی الوہیت کا حکم کرتی ہیں اور اپنے علاوہ کسی کو معبود نہیں مانتیں جیسا کہ فرعونِ مصر نے کہا مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ (قصص آیت ۲۸: ۳۸) (میں نہیں جانتا کہ میرے علاوہ بھی تمہارا کوئی معبود ہے)۔ اور یہ بھی کہا: لَئِنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَيْرِيْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِيْنَ (شعراء آیت ۲۶: ۲۹) ((اے موسیٰ!) اگر تو میرے علاوہ کسی اور کو معبود بنائے گا تو تجھے قید میں ڈال دوں گا) ———

اور چونکہ ان کو انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی تعلیمات سے معلوم ہو گیا کہ (کائناتِ) عالم کا بنانے والا

ہندوستان میں بھی انبیاء کی بعثت

واجب الوجود تعالیٰ و تقدس ہے تو ان بد نصیبوں میں سے بعض نے اس دعوے کی برائی پر اطلاع پاکر تقلید اور پوشیدگی کے طور پر صانعِ حقیقی کا اثبات کیا اور اپنے اندر جاری و ساری (حلول) سمجھا اور اس حیلہ سے لوگوں کو اپنی پرستش کی دعوت دی۔ تَعَالَى اللّٰهُ عَمَّا يَقُوْلُ الظّٰلِمُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا (اللہ تعالیٰ اس بات سے جو یہ ظالم کہتے ہیں بہت بڑا ہے) ——— اس مقام پر کوئی کوتاہ اندیش (کم عقل) یہ سوال نہ کرے کہ اگر زمینِ ہند میں انبیاءؑ مبعوث ہوتے تو یقینی طور پر اُن کی بعثت کی خبر ہم تک پہنچتی بلکہ وہ خبر بکثرت دعوتوں کے سبب تواتر کے ساتھ منقول ہوتی، جب ایسا نہیں ہے تو ویسا بھی نہیں ہے (یعنی پیغمبر نہیں آئے)۔

اس کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ ان مبعوث پیغمبروں کی دعوت عام نہیں تھی بلکہ بعض کی دعوت تو کسی ایک قوم کے ساتھ مخصوص تھی اور بعض کی دعوت کسی ایک گاؤں یا شہر پر تھی۔ اور بہت ممکن ہے کہ حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے اس قوم یا قریہ میں کسی ایک شخص کو اس دولت سے مشرف فرمایا ہو، اور اس شخص نے اس قوم یا قریہ کے لوگوں کو صانع جل شانہٗ کی معرفت کی دعوت دی ہو اور غیر اللہ کی عبادت سے منع کیا ہو اور اس قوم یا قریہ نے اس کا انکار کیا ہو اور اس کو گمراہ و جاہل سمجھا ہو، اور جب ان کا انکار و تکذیب انتہا کو پہنچ گیا ہو تو حق جل و علا کی مدد نے آکر ان کو ہلاک کر دیا ہو ——— اسی طرح کچھ مدت کے بعد دوسرا پیغمبر کسی قوم یا قریہ میں مبعوث ہوا ہو اور اس پیغمبر نے بھی ان کے ساتھ ایسا ہی معاملہ کیا ہو جیسا پہلے پیغمبر نے کیا تھا اور اس قوم نے اس پیغمبر کے ساتھ بھی وہی کچھ کیا ہو جیسا پہلے والے کے ساتھ کیا تھا۔ اور اسی طرح ہوتا رہا جب تک اللہ تعالیٰ نے چاہا۔

زمینِ ہند میں بھی قریوں اور شہروں کی بربادی و ہلاکت کے آثار بہت پائے جاتے ہیں۔ یہ قوم گرچہ ہلاک ہو گئی لیکن وہ "کلمۂ دعوت" ان کے ہمعصروں کے درمیان باقی رہ گیا: وَجَعَلَهَا كَلِمَةًۢ بَاقِيَةً فِيْ عَقِبِهٖ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ (زخرف ۴۳ آیت ۲۸) (اور اس کلمۂ (توحید) کو اس نے (ان کے) پیچھے باقی رکھا کہ شاید وہ (حق کی طرف) رجوع کر آئیں)۔

مبعوث شدہ پیغمبروں کی نبوت کی خبر ہمیں اس وقت ملتی جبکہ بکثرت لوگ ان کے پیرو ہوتے اور قوت و شوکت پیدا کرتے (لیکن جب) ایک آدمی (پیغمبر) آیا اور چند روز دعوت کا کام کر کے چلا گیا کسی شخص نے اس کی بات کو قبول نہیں کیا، پھر دوسرا آیا اس نے بھی یہی کام کیا اور اس کا ایک شخص پیرو ہو گیا

اسی طرح دوسرا آیا اور اس کے دو یا تین پیرو بن گئے، تو پھر ان کی خبر کس طرح اشاعت پذیر ہوتی۔ چونکہ تمام کفار نے ان (پیغمبروں) کا انکار کیا اور اپنے باپ دادا کے دین کے مخالفوں کی تردید کرتے رہے تو پھر نقل کون کرتا اور کس سے نقل کی جاتی ——— دوسرا جواب یہ ہے کہ رسالت، نبوت اور پیغمبری کے الفاظ ان پیغمبروں اور ہمارے پیغمبر علیہ وعلیٰ آلہ وعلیٰ جمیع الانبیاء الصلوات والتسلیمات کی اتحادِ دعوت کے وسیلے سے عربی اور فارسی زبان میں آئے ہیں، ہندی لغت میں یہ الفاظ نہیں ہیں تاکہ ہند کے مبعوث شدہ انبیاء کو نبی، رسول یا پیغمبر کہتے اور ان ناموں سے ان کو موسوم کرتے ——— اور اسی طرح اس سوال کے جواب میں بطریقِ معارضہ (بطریقِ الزام) ہم کہتے ہیں کہ اگر ہند میں پیغمبر مبعوث نہیں ہوئے اور ان کی زبان میں ان کو دعوتِ حق نہیں دی گئی تو یقینی طور پر ان کا حکم شاہقِ جبل والوں کی طرح ہوگا کہ سرکشی اور الوہیت کے دعوے کے باوجود دوزخ میں نہ جائیں اور ان کو دائمی عذاب نہ ہو۔ اس بات کو نہ تو عقلِ سلیم ہی تسلیم کرتی ہے اور نہ کشفِ صحیح اس کی تائید کرتا ہے کیونکہ ہم ان میں سے بعض سرکشوں کو دوزخ کے وسط میں دیکھتے ہیں۔ وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ اَعْلَمُ بِحَقِیْقَۃِ الْحَالِ (اور اللہ سبحانہ اصل حقیقت کو خوب جانتا ہے)

مکتوب ۲۶۰

دو صد و شصتم

حقائق آگاہ معارف دستگاہ، مظہرِ فیضِ الٰہی، منبع رحمت نامتناہی مخدوم زادہ میاں شیخ محمد صادق[1] سلمہ اللہ تعالیٰ کی طرف صادر فرمایا ——— اس طریقے کے بیان میں جس سے آپ کو ممتاز کیا گیا ہے جو تینوں ولایتوں کی تربیت کرنے والوں کے ضمناً بیان میں ہے جس میں ایک ولایتِ صغریٰ جو ولایتِ اولیاء ہے اور (دوسری) ولایتِ کبریٰ جو ولایتِ انبیاء ہے اور (تیسری) ولایتِ علیا جو ولایتِ ملاءِ اعلیٰ ہے۔ اور یہ بیان ہر قسم کی ولایت پر نبوت کی افضلیت ہونے پر مشتمل ہے، اور لطائف عشرۂ انسانی کے بیان میں کہ ان میں سے پانچ عالم امر سے متعلق ہیں اور دوسرے پانچ عالم خلق سے جو کہ نفس اور عناصر اربعہ ہیں اور ہر کمال کی خصوصیت جو ان لطائف میں سے ہر ایک کے ساتھ مخصوص ہیں، اور عالم امر پر عالم خلق کی افضلیت کے بیان میں مع ان کمالات کے جو عنصر خاکی سے مخصوص ہیں، اور عجیب و غریب علوم و معارف کے بیان میں جو ہر مقام کے مناسب ہیں اور ان عیسیٰ اور باتوں کے بیان میں۔

---

[1] آپ کے نام پانچ مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۱۸۱ پر درج ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ وَعَلَيْهِمْ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهِ الطَّيِّبِيْنَ الطَّاهِرِيْنَ (شروع اللہ تعالیٰ کے نام سے جو نہایت مہربان اور بڑا رحم والا ہے۔ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے اور سید المرسلین اور آپ کے آل و اصحاب پر صلوٰۃ و سلام ہو) ـــــــ اے فرزند اللہ تعالیٰ سبحانہٗ تم کو سعادتمند کرے، جاننا چاہئے کہ عالمِ امر کے پانچ لطائف ہیں: قلبؑ، روحؑ، سرؑ، خفیؑ اور اخفیؑ، جو انسانی عالمِ صغیر کے اجزا ہیں، ان کے اصول عالمِ کبیر میں ہیں، جس طرح عناصرِ اربعہ جو کہ انسان کے اجزا ہیں اور اپنے اصول عالمِ کبیر میں رکھتے ہیں اور ان پنجگانہ لطائف کے اصول کا ظہور عرش کے اوپر ہے جو لامکانیت سے موصوف ہے، یہی وجہ ہے کہ عالمِ امر کو لامکانی کہتے ہیں ـــــــ دائرہ امکان (تمام ممکنات) خواہ وہ خلق ہو یا امر، خواہ وہ صغیر ہو یا کبیر، ان اصول کی نہایت تک تمام ہو جاتا ہے اور عدم کا وجود سے ملنا جو امکان کا منشا ہے اس مقام میں انتہا کو پہنچ جاتا ہے۔ اور جب سالک رشید محمدی المشرب عالمِ امر کے پنجگانہ لطائف کو ترتیب وار طے کر کے ان کے اصول میں جو کہ عالمِ کبیر میں ہیں سیر کرتا ہے اور بلند فطرتی بلکہ محض فضلِ خداوندی جل شانہٗ سے ان سب کو ترتیب اور تفصیل کے ساتھ طے کر کے ان کے اخیر نقطے تک پہنچتا ہے تو اس وقت وہ دائرہ امکان کو سیر الی اللہ کے ساتھ تمام کر لیتا ہے اور فنا کے اسم کا اطلاق اپنے اوپر حاصل کر کے ولایتِ صغریٰ میں جو کہ ولایتِ اولیا ہے سیر شروع کرتا ہے۔ ـــــــ اس کے بعد اگر اللہ تعالیٰ و تقدس کے اسمائے وجوبی کے ظلال میں جو حقیقت میں عالمِ کبیر کے ان پنجگانہ لطائف کے اصول ہیں اور جن میں عدم کی کچھ آمیزش نہیں ہے سیر واقع ہو جائے اور ان سب کو اللہ تعالیٰ جل سلطانہٗ کے فضل سے سیر فی اللہ کے طریق سے طے کر کے ان کی نہایت تک پہنچ جائے تو وہ اسمائے وجوبی کے ظلال کے دائرے کو بھی پورا کر لیتا ہے اور اللہ جل سلطانہٗ کے اسماء و صفات واجبی کے مرتبہ تک پہنچ جاتا ہے ـــــــ ولایتِ صغریٰ کے عروج کی نہایت یہیں تک ہے۔ اس مقام میں حقیقتِ فنا کا آغاز متحقق ہوتا ہے اور ولایتِ کبریٰ کی ابتدا میں جو کہ ولایتِ انبیا علیہم الصلوات و التسلیمات ہے قدم رکھا جاتا ہے۔

جاننا چاہئے کہ یہ دائرہ ظل انبیائے کرام اور ملائکہ عظام علیہم الصلوۃ والسلام کے علاوہ تمام مخلوقات کے مبادی تعینات کو شامل ہے اور ہر ایک اسم کا ظل کسی نہ کسی شخص کا مبدأ تعین ہے

یہاں تک کہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ جو انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے بعد افضل البشر ہیں ان کا مبدأ تعین اس دائرہ کے اوپر نقطۂ فوق ہے۔

اور یہ جو (بعض مشائخ نے) کہا ہے کہ جب سالک اس اسم تک جو اس کا مبدأ تعین ہے پہنچ جاتا ہے تو اس وقت سیر الی اللہ کو تمام کر لیتا ہے اس اسم سے مراد اسمِ الٰہی جل شانہٗ کا ظل جاننا چاہئے اور وہ اس اسم کی جزئیات میں سے ایک جزئی ہے نہ کہ اس اسم کی اصل۔ اور یہ دائرۂ ظل حقیقت میں اسماء و صفات کے مرتبہ کی تفصیل ہے ——— مثلاً علم ایک حقیقی صفت ہے جس کی بہت سی جزئیات ہیں اور ان جزئیات کی تفصیل اس صفت کے ظلال ہیں جو اجمال کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں اور اس صفت کی ہر ایک جزئی انبیائے کرامؑ اور ملائکہ عظام علیہم الصلوۃ والسلام کے علاوہ باقی اشخاص میں سے کسی نہ کسی شخص کی حقیقت ہے، اور انبیاءؑ و ملائکہ کے مبادی تعینات ان ظلال کے اصول یعنی ان مفصلہ جزئیات کی کلیات ہیں ——— مثلاً صفت العلم اور صفت القدرۃ اور صفت الارادہ وغیرہ اور بہت سے اشخاص ایک صفت میں جو کہ ان کا مبدأ تعین ہے مختلف اعتبارات کے لحاظ سے باہم شرکت رکھتے ہیں۔ مثلاً حضرت خاتم الرسل ﷺ کا مبدأ تعین شان العلم ہے اور یہی صفت العلم ایک (خاص) اعتبار سے حضرت ابراہیم علیٰ نبینا و علیہ الصلوات و التسلیمات کا مبدأ تعین ہے، اور نیز یہی صفت ایک (اور خاص) اعتبار سے حضرت نوح علی نبینا و علیہ الصلوات والتسلیمات کا مبدأ تعین ہے۔ اور ان اعتبارات کے تعین کا ذکر خواجہ محمد اشرف کے مکتوب (۲۵۱) میں ہو چکا ہے۔

اور یہ جو بعض مشائخ نے فرمایا ہے کہ حقیقتِ محمدی تعینِ اول ہے جو حضرتِ اجمال ہے اور وحدت کے نام سے مسمیٰ ہے ——— ان کی مراد جو کچھ اس فقیر پر ظاہر ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ دائرۂ ظل کا مرکز یہی ہے۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهٗ اَعْلَمُ (اور اللہ سبحانہ ہی جانتا ہے) ——— اس دائرۂ ظل کو تعینِ اول خیال کیا ہے اور اس کے مرکز کو اجمال جانتے ہوئے وحدت کا نام لیا ہے، اور اس مرکز کی تفصیل کو جو اس دائرہ کا محیط ہے واحدیت گمان کیا ہے، اور دائرۂ ظل کے مقام سے اوپر جو اسماء و صفات کا دائرہ ہے ذاتِ بے چون جو تعین سے مبرا ہے تصور کیا ہے، کیونکہ صفت کو انھوں نے عینِ ذات کہا ہے اور ذات پر زائد نہیں جانا ہے، حالانکہ ایسا نہیں ہے ——— بلکہ میں کہتا ہوں کہ اس

دائرہ ظل کا مرکز دائرہ فوق کے مرکز کا ظل ہے جو کہ دائرۂ ظل کی اصل ہے اور اسماء وصفات، شیون و اعتبارات کے دائرہ سے موسوم ہے۔ حقیقت میں حقیقتِ محمدی اسی دائرہ اصل کا مرکز ہے جو اسماء و شیونات کا اجمال ہے اور اس دائرہ میں ان اسماء وصفات کی تفصیل واحدیت کا مرتبہ ہے اور ظلالِ اسماء کے مرتبہ میں وحدت اور واحدیت کا اطلاق کرنا ظل کو اصل کے مشابہ سمجھنے پر مبنی ہے، اور سیر فی اللہ کا اطلاق بھی اس مقام میں اسی قسم سے ہے

کیونکہ وہ سیر فی الحقیقت سیر الی اللہ میں داخل ہے۔ اسی طرح ہے ـــــ اس کے بعد اگر اسماء وصفات کے دائرہ میں جو کہ اس دائرہ ظل کا اصل ہے سیر فی اللہ کے طریق پر عروج واقع ہو جائے تو وہاں ولایتِ کبریٰ کے کمالات شروع ہو جاتے ہیں۔ اور یہ ولایتِ کبریٰ (بلاواسطہ اصلی طور پر) انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے ساتھ مخصوص ہے اور ان کی پیروی کے باعث ان کے اصحاب کرام بھی اس دولت سے مشرف ہوئے ہیں، اس دائرہ کے نیچے کا نصف حصہ اسماء و صفاتِ زائدہ کو متضمن ہے اور اس کا نصف بالائی حصہ شیون و اعتباراتِ ذاتیہ پر مشتمل ہے۔

عالمِ امر کے پنجگانہ (لطائف ومراتب) کے عروج کی انتہا اسماء و شیونات کے دائرہ کی نہایت تک ہے اس کے بعد اگر محض فضل ایزدی جل شانہ سے مقامِ صفات و شیونات پر ترقی واقع ہو جائے تو ان کے اصول کے دائرہ میں سیر واقع ہو گی، اور اس دائرہ اصول سے گزرنے کے بعد ان اصول کے اصول کا دائرہ ہے اس دائرہ کے طے کرنے کے بعد دائرۂ فوق سے ایک قوس (نصف دائرہ کے مانند) ظاہر ہو گی اس کو بھی قطع کرنا پڑتا ہے۔ اور چونکہ اس دائرہ فوق سے قوس کے علاوہ اور کچھ ظاہر نہیں ہوا اس لئے اسی قوس پر بس کیا گیا ـــــ شاید اس جگہ کوئی راز ہو گا جس پر (عالمِ غیب سے) اطلاع نہیں بخشی گئی ـــــ اور اسماء وصفات کے یہ اصولِ سہ گانہ جو مذکور ہوئے حضرت تعالیٰ وتقدس میں محض اعتبارات ہیں جو کہ صفات و شیونات کے مبادی ہو گئے ہیں۔ ان اصولِ سہ گانہ کے کمالات کا حاصل ہونا نفسِ مطمئنہ کے ساتھ مخصوص ہے۔ اس (نفس) کو اس مقام میں اطمینان حاصل ہو جاتا ہے اور اسی مقام میں شرح صدر حاصل ہوتا ہے اور سالک اسلامِ حقیقی سے مشرف ہو جاتا ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں نفسِ مطمئنہ صدارت کے تخت پر جلوس فرماتا ہے اور مقامِ رضا پر ترقی کرتا ہے۔ یہ مقام ولایتِ کبریٰ کی انتہا کا مقام ہے جو ولایتِ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کا مقام ہے

جب اس فقیر کی سیر یہاں تک ہو چکی تو وہم و خیال میں آیا کہ سب کام مکمل ہو چکا ہے، (اتنے میں عالمِ غیب سے) ندا آئی کہ "یہ سب کچھ اسمِ ظاہر کی تفصیل تھی جو کہ پرواز کے لئے ایک بازو ہے، اور اسمِ باطن کی سیر ابھی باقی ہے جو کہ عالمِ قدس کی طرف پرواز کرنے کے لئے دوسرا بازو ہے، اور جب تو اس کو بھی مفصل طور پر انجام دیدے گا تو اس وقت تجھے پرواز کے لئے دو بازو عطا ہوں گے"۔ اور جب اللہ سبحانہٗ کی عنایت سے اسمِ باطن کی سیر بھی انجام پا چکی تو دو بازو میسر ہو گئے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ هَدٰنَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَاۤ اَنْ هَدٰنَا اللّٰهُ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے جس نے ہم کو اس کی ہدایت بخشی اگر وہ ہم کو ہدایت نہ بخشتا تو ہم کبھی ہدایت نہ پاتے، بیشک ہمارے رب کے رسول حق لے کر آئے ہیں) (اعراف آیت ۴۳)

اے فرزند! اسمِ باطن کی سیر کی نسبت کیا لکھا جائے۔ اس سیر کا حال استتار و تبطن (در پردہ رہنے) ہی کے مناسب ہے۔ البتہ اس مقام کے متعلق صرف اس قدر بیان کیا جاتا ہے کہ اسمِ ظاہر کی سیر صفات میں ہے بغیر اس بات کے، کہ اس کے ضمن میں ذات تعالیٰ و تقدس ملحوظ ہو، اور اسمِ باطن کی سیر بھی اگرچہ اسماء میں ہے لیکن اس کے ضمن میں ذات تعالیٰ ملحوظ ہے اور یہ اسماء ڈھالوں (سپر) کے مانند ہیں جو حضرت ذات تعالیٰ و تقدس کے حجابات ہیں —— مثلاً صفتِ علم میں ذات تعالیٰ ہرگز ملحوظ نہیں ہے لیکن اس کے "اسمِ علیم" میں ذات تعالیٰ صفت کے پردہ میں ملحوظ ہے، کیونکہ علیم ایک ذات ہے جس کی صفت "علم" ہے پس "علم" کی سیر "اسمِ ظاہر" کی سیر ہے اور "علیم" کی سیر "اسمِ باطن" کی سیر ہے۔ باقی تمام صفات و اسماء کا حال بھی اسی پر قیاس کریں —— یہ اسماء جو اسمِ باطن سے تعلق رکھتے ہیں ملائکہ ملاءِ اعلیٰ علیٰ نبینا وعلیہم الصلوات والتحیات کے تعینات کے مبادی ہیں، اور ان اسماء میں سیر کا آغاز کرنا ولایتِ علیا میں قدم رکھنا ہے جو کہ ملاءِ اعلیٰ کی ولایت ہے ——

—— اور اسمِ ظاہر و اسمِ باطن کے بیان میں جو علم اور علیم کے درمیان فرق ظاہر کیا گیا ہے، تم اس فرق کو تھوڑا نہ سمجھو اور نہ یہ کہو کہ "علم" سے "علیم" تک بہت کم راستہ ہے، بلکہ وہ فرق ایسا ہے جیسا کہ مرکزِ زمین سے محدّب (سطح) عرش کے درمیان ہے نیز اس فرق کی نسبت ایسی ہے جیسے قطرہ کو دریائے محیط کی نسبت کا فرق ہے، کہنے کو تو یہ نزدیک ہے لیکن حاصل ہونے میں بہت دور ہے اور ان مقامات کا ذکر جو مجمل طور پر بیان کیا گیا ہے وہ بھی اسی قسم سے ہے ——

مثلاً کہا گیا ہے کہ (پنجگانہ (لطائف و مراتب) عالمِ امر کو طے کر کے ان کے اصول میں سیر کرے تا کہ دائرہ امکان تمام ہو جائے، اس مختصر سی عبارت میں "سیر الی اللہ" کا پوری طرح ذکر آ گیا ہے، لیکن اس سیر کے حاصل ہونے میں پچاس ہزار سالہ راہ کی مدت کا اندازہ کیا گیا ہے: آیہ کریمہ تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ (معارج آیت ۴) (فرشتے اور روح اس کی جانب ایک دن میں چڑھتے ہیں جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے)۔ اسی مطلب کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ حق تعالیٰ جل سلطانہ کی عنایت کے جذب و کشش سے کوئی بعید نہیں کہ اس مدت دراز کے کام کو طرفۃ العین (آنکھ جھپکنے) میں میسر کر دے۔ ع

با کریماں کارہا دشوار نیست (کریموں پر نہیں ہیں کام دشوار)

اور اسی طرح سے یہ جو کہا گیا ہے کہ دائرہ اسماء و صفات اور شیون و اعتبارات کو طے کر کے ان کے اصول میں سیر کرے، تمام اسماء و صفات اور شیون و اعتبارات کا طے کرنا کہنے میں تو آسان ہے لیکن طے کرنے میں بہت مشکل ہے۔ اور مشائخ نے اس سیر کو طے کرنے کی دشواری کے متعلق فرمایا ہے کہ مَنَازِلُ الْوُصُوْلِ لَا تَنْقَطِعُ اَبَدَ الْاٰبِدِيْنَ (وصول کی منزلیں ابدالآباد تک کبھی ختم نہیں ہوتیں)۔۔۔ اور مشائخ نے ان مراتب کی سیر کے پورا ہونے کو ناممکن سمجھا ہے ؎

نہ حُسنش غایتے دارد نہ سعدی را سخن پایاں   بمیرد تشنہ مستسقی و دریا ہمچناں باقی

(نہ اُس کے حُسن کی حد ہے نہ سعدی کا سخن آخر   مرے پیاسا ہی مستسقی مگر دریا رہے جاری)

یہ خیال نہ کرنا چاہئے کہ وصول (الی اللہ) کے مراتب کا انقطاع تجلیاتِ ذاتیہ کے اعتبار سے کہا گیا ہے نہ کہ تجلیاتِ صفاتیہ کے اعتبار سے، اور (مشائخ نے) حُسن سے مراد حُسنِ ذاتی قرار دیا ہے نہ کہ حُسنِ صفاتی۔ کیونکہ ہم کہتے ہیں کہ وہ تجلیاتِ ذاتیہ شیون و اعتبار کے ملاحظہ کے بغیر نہیں ہیں اور وہ حُسنِ ذاتی۔ صفاتِ جمالیہ کے روپوش (حجاب) کے بغیر نہیں ہے کیونکہ اس مقام میں ان روپوشوں کے بغیر گفتگو کی مجال نہیں ہے: مَنْ عَرَفَ اللّٰهَ كَلَّ لِسَانُهٗ (جس نے اللہ تعالیٰ کو پہچان لیا اس کی زبان گنگ ہو گئی) ۔۔۔۔۔۔ اور تجلی ایک قسم کی ظلیت چاہتی ہے لہٰذا اس مقام میں شیون کے ملاحظہ کے بغیر چارہ نہیں۔ پس وہ منازلِ وصول اور مراتبِ حُسن اسی اسماء و شیونات کے دائرہ میں داخل ہیں جس کا انقطاع (طے کرنا) ان (مشائخ) کے نزدیک دشوار ہے۔ لیکن وہ امر

جو اس درویش پر ظاہر کیا گیا وہ تجلیات وظہورات سے ماوراء (بالاتر) ہے، خواہ وہ تجلیات ذاتی ہوں یا صفاتی اور حسن وجمال سے وراء ہیں، خواہ وہ حسن ذاتی ہو یا صفاتی؟ ــــــــ

مختصر یہ کہ مطالب بلند اور مقاصد ارجمند کے موتیوں کو مختصر طور پر عبارات کی لڑی میں پرو دیا ہے اور دریائے بیکراں کو چند کوزوں میں بھر دیا ہے۔ فَلَا تَكُنْ مِنَ الْقَاصِرِيْنَ (پس کم ہمت نہ ہو)۔

اب ہم اصل مطلب کی طرف آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اسم ظاہر اور اسم باطن کے دونوں بازوؤں کے حصول کے بعد جب (اس فقیر کو) پرواز میسر ہوئی اور عروجات واقع ہوئے تو معلوم ہوا کہ یہ ترقیاں اصالت کے طور پر عنصر ناری کے نصیب ہیں اور عنصر ہوائی اور عنصر آبی کے ملائکہ کرام علی نبینا وعلیہم الصلوات والتسلیمات کو بھی ان سہ گانہ عناصر سے حصہ ملا ہے، جیسا کہ وارد ہوا ہے کہ بعض ملائکہ آتش اور برف کی مخلوق ہیں اور ان کی تسبیح یہ ہے سُبْحَانَ مَنْ جَمَعَ بَيْنَ النَّارِ وَالثَّلْجِ (تعریف ہے اس ذات کی جس نے آگ اور برف کو جمع کر دیا) (یعنی ملائکہ کو آتش اور برف کو ملا کر مخلوق کیا) ــــــــ اور اس سیر کے دوران ایک واقعہ پیش آیا کہ گویا میں ایک راستہ پر جا رہا ہوں اور چلتے چلتے تھک گیا ہوں۔ چوب اور عصا کی آرزو پیدا ہوئی کہ شاید ان کی مدد سے (بقیہ) راہ طے کر سکوں لیکن میسر نہیں ہوئی اور ہر خس وخاشاک پر ہاتھ ڈالتا ہوں تاکہ راستہ کی تقویت کا باعث ہو لیکن راستہ طے کرنے کے بغیر بھی چارہ نہیں ہے۔ اور جب کچھ مدت اسی حال میں سیر کی تو ایک فنائے شہر (شہر کی حدود) ظاہر ہوا، اس فنا کی مسافت طے کرنے کے بعد شہر میں داخل ہوا۔ (اس وقت) مجھ کو مطلع کیا گیا کہ اس شہر سے مراد تعین اول ہے جو تمام اسماء وصفات اور شیون واعتبارات کے مراتب کا جامع ہے۔ اور نیز ان مراتب کے اصول اور ان کے اصول کا جامع ہے اور اعتبارات ذاتیہ کا منتہا ہے جن کے درمیان تمیز کرنا علم حصولی کے مناسب ہے، اس کے بعد اگر سیر نصیب ہو تو وہ علم حضوری کے مناسب ہوگی۔

اے فرزند! علم حصولی اور علم حضوری کا اطلاق حضرت جل سلطانہٗ کے ہاں بطور تشبیہ وتمثیل (مشابہ اور مثال) وتنظیر (نظیر) کے اعتبار سے ہے (نہ کہ حقیقت کی رو سے)۔ کیونکہ وہ صفات جن کا وجود ذات تعالیٰ وتقدس کی ذات کے وجود پر زائد ہے ان کا علم علم حصولی کے مناسب ہے اور وہ

اعتباراتِ ذاتیہ جن کا ذات تعالیٰ و تقدس پر زائد ہونا ہرگز متصور نہیں ہے ان کا علم علمِ حضوری کے مناسب ہے ورنہ وہاں سوائے اس تعلق کے جو علم کو اپنے معلوم سے ہے اس امر کے بغیر کہ معلوم سے اس میں کیا حاصل ہوتا ہے اور کچھ نہیں ہے۔ پس سمجھ لیجئے۔

اور یہ تعینِ اول اشارہ ہے اس جامع شہر کا جو تمام انبیائے کرام اور ملائکہ عظام علیہم الصلوات والتسلیمات کی تمام ولایات کا جامع ہے اور ولایتِ علیا کی منتہا ہے جو اصالۃً ملاءِ اعلیٰ کے ساتھ مخصوص ہے ——— اس مقام میں یہ ملاحظہ کیا گیا کہ آیا یہ تعینِ اول "حقیقتِ محمدی" ہے یا نہیں۔ معلوم ہوا کہ حقیقتِ محمدی وہی ہے جس کا اوپر ذکر ہوا۔ اور اس کو تعین اول اس اعتبار سے کہا گیا ہے کہ وہ اسماء و صفات اور شیون و اعتبارات کے جامع ہونے کے اعتبار سے اس تعینِ اول کے ظل کا مرکز ہے، اور وہ سیر جو اس شہر سے اوپر واقع ہو وہ کمالاتِ نبوت کی ابتدا ہے جن کا حصول انبیاء علیہم الصلوات والتحیات کے ساتھ مخصوص ہے اور یہ کمالات مقامِ نبوت سے ناشی (پیدا) ہوئے ہیں۔ اور انبیاء کے کامل تابعداروں کو بھی ان کی پیروی کے طفیل ان کمالات میں سے کچھ حصہ حاصل ہے، اور لطائفِ انسانی کے درمیان عنصرِ خاکی کو بھی اصالت کے طور پر ان کمالات کا کافی حصہ حاصل ہے۔ اور تمام اجزائے انسانی خواہ وہ عالمِ امر سے ہوں یا عالمِ خلق سے سب کے سب اس مقام میں اسی عنصرِ پاک کے تابع ہیں اور اس کے طفیل اس دولت سے مشرف ہیں، اور چونکہ یہ عنصر بشر کے ساتھ مخصوص ہے اس لئے لازمی طور پر "خواصِ بشر" "خواصِ ملائکہ" سے افضل ہو گئے، کیونکہ جو کچھ اس عنصر کو میسر ہوا ہے کسی کو بھی میسر نہیں ہوا۔ اور دُنُوّ (نزدیک ہونا) کے بعد تَدَلِّیْ (قریب ہونا) کی حقیقت اس مقام میں ظاہر ہوئی اور قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی (نجم آیت ۹) (دو کمانوں کا فاصلہ تھا یا اس سے بھی کم) کا راز بھی اسی مقام پر منکشف ہوتا ہے ——— اور اس سیر میں معلوم ہوتا ہے کہ تمام ولایتوں کے کمالات خواہ وہ ولایتِ صغریٰ ہو یا ولایتِ کبریٰ یا ولایتِ علیا سب کے سب مقامِ نبوت کے کمالات کے ظلال ہیں اور وہ تمام کمالات خاص ان کمالات کی حقیقت کے لئے شبح اور مثال کی طرح ہیں ——— اور روشن ہو جاتا ہے کہ اس سیر کے ضمن میں ایک نقطے کا قطع کرنا مقامِ ولایت کے تمام کمالات کو طے کرنے سے زیادہ ہے۔ لہٰذا قیاس کرنا چاہئے کہ ان تمام کمالات کو سابقہ تمام کمالات کے ساتھ کیا نسبت ہو گی۔ دریائے بیکراں کو بھی ایک قطرہ کے ساتھ کچھ نہ کچھ نسبت

ہوتی ہے (لیکن) یہاں تو یہ نسبت بھی مفقود ہے۔ مگر ہم اسقدر کہہ سکتے ہیں کہ مقامِ نبوت کو مقامِ ولایت کے ساتھ ایسی نسبت ہے جیسی کہ غیر متناہی کو متناہی کے ساتھ ہے ——

سبحان اللہ! کوئی بے وقوف جاہل اس راز کے بارے میں کہتا ہے کہ "ولایت نبوت سے افضل ہے" اور دوسرا (جاہل) اس معاملہ کی ناواقفیت کی وجہ سے اس کی توجیہ میں کہتا ہے کہ "نبی کی ولایت اس کی نبوت سے افضل ہے: كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ (کہف آ ۵) (کتنی بڑی بات ہے جو ان کے منہ سے نکلتی ہے) —— اور جب اللہ سبحانہٗ کی عنایت اور اس کے حبیب علیہ وعلی آلہ الصلوات والتسلیمات کے طفیل سے اس سیر کو بھی انجام تک پہنچایا تو مشہود ہوا کہ اگر بالفرض اس سیر میں دوسرا قدم بڑھائے تو وہ عدمِ محض میں پڑے گا کیونکہ اس سے آگے عدمِ محض کے سوا کچھ نہیں ہے۔

اے فرزند! اس ماجرا سے تم اس وہم میں نہ پڑ جانا کہ عنقا شکار ہو گیا اور سیمرغ دام میں پھنس گیا ؎

عنقا شکار کس نشود دام باز چیں	کاینجا ہمیشہ باد بدست است دام را
(اُٹھا لے جال، شکارِ عنقا محال	بس یہاں جال کا یہی ہے مآل)

کیونکہ وہ سبحانہٗ تعالیٰ وراء الوراء ثم وراء الوراء ثم وراء الوراء ہے ؎

ہنوز ایوان استغنا بلند است	مرا فکرے رسیدن ناپسند است
(قصرِ استغنا تو اونچا ہے ہنوز	سخت مشکل واں پہنچنا ہے ہنوز)

وہ وراءیت (بلند سے بلند تر درجہ) حجابات کے وجود کے اعتبار سے نہیں ہے کیونکہ تمام حجابات اُٹھ چکے ہیں بلکہ وہ وراءیت عظمت و کبریائی کے ثبوت کے اعتبار سے ہے جو ادراک و فہم کے ملنے اور وجدان کے منافی ہے، کیونکہ وہ سبحانہٗ وجود میں اقرب ہے اور وجدان سے دور ہے ——

ہاں بعض کامل مرادوالوں کو انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے طفیل عظمت و کبریائی کے پردوں میں جگہ دی جاتی ہے اور ان کو بارگاہ کا محرم بنا دیا جاتا ہے۔ فَعُومِلَ مَعَهُمْ مَا عُومِلَ مَعَهُمْ (پس ان کے ساتھ جو معاملہ ہوا سو ہوا)۔

اے فرزند! یہ معاملہ انسان کی اس ہیئتِ وحدانی سے مخصوص ہے جو کہ عالمِ خلق و عالمِ امر کے مجموعہ سے پیدا ہوئی ہے، اس طرح ہے کہ اس مقام میں بھی سب کا رئیس (سردار) عنصرِ خاک ہے۔

اور یہ جو کہا گیا ہے: لَیْسَ وَرَاءَہٗ اِلَّا الْعَدَمُ الْمَحْضُ (اس کے اوپر سوائے عدم محض کے کچھ نہیں ہے) وہ اس لئے کہا ہے کہ وجودِ خارجی اور وجودِ علمی کے مراتب تمام ہونے کے بعد عدم کا حاصل ہوتا ہے جو اس (وجود) کی نقیض ہے اور اللہ سبحانہٗ کی ذات اس وجود و عدم سے وراء ہے جس طرح عدم کو وہاں راہ نہیں ہے اسی طرح وجود کی بھی گنجائش نہیں ہے۔ کیونکہ وہ وجود جس کی نقیض عدم پر مبنی ہو وہ اس بارگاہ جل سلطانہٗ کی شایانِ شان نہیں ہے۔ اور اگر اس مرتبہ میں وجود کا اطلاق عبارت کی تنگی کی وجہ سے کریں (تو اس سے مراد وہ وجود ہوگا) جس کی نقیض بننے کی عدم کو مجال نہیں ہے ——— اور جو کچھ اس فقیر نے اپنے بعض مکاتیب میں لکھا ہے کہ حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی حقیقت "وجودِ محض" ہے وہ اس معاملہ کی حقیقت تک اپنی نارسائی کے باعث لکھا گیا ہے اور وہ بعض معارف جو توحیدِ وجودی وغیرہ کے بارے میں لکھے ہیں وہ بھی اسی قسم سے ہیں (ان کا منشر بھی عدم اطلاع کی وجہ ہے) اور جب اس معاملہ کی اصل حقیقت سے آگاہی ہوگئی تو جو کچھ ابتدا اور وسط میں لکھا اور کہا ہے اس پر نادم ہوا اور استغفار کیا۔ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ وَاَتُوْبُ اِلَی اللّٰہِ مِنْ جَمِیْعِ مَاکَرِہَ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی (میں اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگتا ہوں اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں ان تمام باتوں سے جو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کو ناپسند ہیں)۔

اس بیان سے واضح ہو گیا کہ کمالاتِ نبوت صعود (چڑھنا) کے مراتب میں ہیں۔ اور اسی طرح نبوت کے عروجات میں حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی طرف توجہ ہے۔ ایسا نہیں ہے جیسا کہ اکثر لوگوں نے گمان کیا ہے کہ ولایت میں حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی طرف توجہ ہے اور نبوت میں توجہ مخلوق کی طرف۔ اور ولایت مراتبِ عروج میں ہے اور نبوت مدارجِ نزول میں۔ اسی وجہ سے بعض لوگوں نے یہ وہم کر لیا کہ ولایت نبوت سے افضل ہے۔ ہاں ولایت و نبوت دونوں کو عروج و ہبوط حاصل ہے اور دونوں کا رُخ عروج میں حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی طرف ہے اور ہبوط میں دونوں کا منہ مخلوق کی طرف ہے ——— خلاصۂ کلام یہ ہے کہ نبوت ہبوط کے مرتبہ میں کلی طور پر مخلوق کی طرف متوجہ ہے اور ولایت کو ہبوط کے مرتبہ میں مخلوق کی طرف پوری توجہ نہیں ہے بلکہ اس کا باطن حق کی طرف ہے اور اس کا ظاہر مخلوق کی طرف۔ اس کا راز یہ ہے کہ صاحبِ ولایت نے مقاماتِ عروج کو پوری طرح طے نہیں کیا اور نزول کر لیا ہے، اس لئے لازمی طور پر اس کو فوق کی نگرانی ہر وقت دامنگیر ہے

اور کلی طور پر اس کی توجہ خلق کے ساتھ ہونے میں مانع ہے، برخلاف صاحبِ نبوت کے کہ اس نے عروج کے تمام مقامات طے کر کے ہبوط فرمایا ہے لہٰذا وہ پورے طور پر مخلوق کو حق جل وعلا کی طرف دعوت دینے میں متوجہ ہے ——— پس سمجھ لو کہ یہ معرفت شریفہ اور اسی قسم کے دوسرے معارف اس سے پہلے کسی ایک نے بھی بیان نہیں کئے۔

جاننا چاہئے کہ جس طرح مراتبِ عروج میں عنصرِ خاک سب سے بالا جاتا ہے اسی طرح منازلِ ہبوط میں بھی وہ عنصر (خاک) سب سے زیادہ نیچے آجاتا ہے اور کیوں نیچے نہ آئے جبکہ اس کا مکان طبعی سب سے نیچے ہے اور چونکہ وہ (عنصرِ خاک) سب سے زیادہ نیچے آجاتا ہے اس لئے اس کے صاحب (بشر) کی دعوت اتم ہوتی ہے اور اس کا فائدہ بھی اکمل ہوتا ہے۔

اے فرزند! جان لے کہ چونکہ طریقہ نقشبندیہ میں سیر کی ابتدا قلب سے ہوتی ہے جس کا تعلق عالمِ امر سے ہے اسی لئے بات کی ابتدا بھی عالمِ امر سے کی گئی، بخلاف دوسرے مشائخ کرامؒ کے طریقوں کے جو شروع میں تزکیۂ نفس کرتے ہیں اور قالب (وجود) کی تطہیر (پاک) فرماتے ہیں، اس کے بعد عالمِ امر میں آتے ہیں اور جہاں تک اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا ہے اس میں عروج کرتے ہیں ——— یہی وجہ ہے کہ دوسروں کی انتہا ان بزرگواروں کی ابتدا میں مندرج ہے اور یہ طریقہ سب طریقوں سے اقرب ہے، کیونکہ ان کو اس سیر کے ضمن میں تزکیہ وتطہیر بوجہ احسن (بہت اچھی طرح) میسر ہو جاتا ہے اور مسافت (راستہ) کوتاہ ہو جاتی ہے۔ لہٰذا لازمی طور پر ان بزرگواروں نے عالمِ خلق کی سیر کو قصداً ضائع وبیکار ہی نہیں جانا بلکہ مطلب کے حاصل ہونے میں مضر اور مانع یقین کیا ہے۔ کیونکہ (دوسرے) طریقوں کے سالک جب ریاضاتِ شاقہ اور مجاہداتِ شدیدہ اور تزکیہ کے قدم کے ساتھ عالمِ خلق کی صورت کے دشت وصحرا طے کرنے کے بعد عالمِ امر میں سیر شروع کرتے ہیں اور قلبی جذبہ اور روح کے لذتوں میں پڑتے ہیں تو اکثر اوقات ایسا ہوتا ہے کہ وہ اسی انجذاب میں قناعت کرنے اور اسی لذت پر کفایت کر لیتے ہیں اور اس عالم پر لامکانیت کا گمان ان کو دامنگیر ہو جاتا ہے۔ اور اس عالم کی بیچونی کی آمیزش ان کو حقیقی بے چونی سے باز رکھتی ہے ——— شاید اسی مقام پر کسی سالک نے کہا ہے کہ میں تیس سال تک روح کو خدا سمجھ کر اس کی پرستش کرتا رہا۔ اور دوسرے نے کہا کہ استویٰ کا سرّ اور عرش کے اوپر تنزیہ کا ظہور دقیق ومخفی معارف میں سے ہے۔

اور سابقہ بیان سے معلوم ہو گیا کہ وہ تنزیہ بھی دائرہ امکان میں داخل ہے بلکہ وہ تنزیہ نما ہے اور فی الحقیقت تشبیہ ہے بخلاف اس عالی طریقہ (نقشبندیہ) کے بزرگواروں کے کہ مقامِ جذبہ سے شروع کرتے ہیں اور اس کی لذتوں کی مدد سے ترقی کرتے ہیں کیونکہ یہ انجذاب و تلذذ ان (بزرگواروں) کے حق میں ایسا ہے جیسا کہ دوسروں کے حق میں ریاضات و مجاہدات ہوتے ہیں اور جو کچھ دوسروں کے لئے وصول کا مانع ہے وہ ان بزرگوں کے لئے ممد و معاون ہے، وہ عالمِ امر کی لامکانیت کو عین مکانیت تصور کر کے لامکانی حقیقی کی طرف توجہ فرماتے ہیں اور اس عالم (عالمِ امر) کی بیچونی کو عین چون جان کر حقیقی بے چونی کی طرف عروج کرتے ہیں، اس لئے لازمی طور پر دوسروں کی طرح وجد و حال کے رنگ پر مفتوں نہیں ہوتے۔ اور بچوں کی طرح اس راہ (سلوک) کے جوز و مویز پر بیوقوف نہیں بنتے، اور ترہاتِ صوفیہ (صوفیوں کی باطل لہو آمیز باتوں) پر خوش نہیں ہوتے۔ اور شطحیاتِ مشائخ (مشائخ کی ظاہر خلافِ شرع باتوں) پر فخر نہیں کرتے بلکہ احدیتِ صرف کی طرف متوجہ ہیں اور اسم و صفت سے سوائے ذاتِ مقدس کے کچھ نہیں چاہتے۔

جاننا چاہئے کہ یہ عروج جس کا پہلے ذکر ہو چکا ہے محمدی المشرب (سالک) کے ساتھ مخصوص ہے جو تام الاستعداد (پوری استعداد والا) ہے اور جو عالمِ امر کے جواہرِ خمسہ کے کمالات سے کامل حصہ رکھتا ہے خواہ وہ عالمِ صغیر سے ہو یا عالمِ کبیر سے، اسی طرح ان پنجگانہ اصول سے جو اسماءِ وجوبی کے ظلال ہیں بہت بڑا حصہ رکھتا ہے، اور نیز ان ظلال کے اصول سے جو اسماء و صفات سے مقدم ہیں بہرہ ور ہوتا ہے ———— اور یہ جو میں نے کہا ہے کہ "وہ تام الاستعداد" والا ہو کیونکہ بسا اوقات ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ (سالک) بظاہر "محمدی المشرب" ہے جو کمالاتِ اخفیٰ سے بھی کہ مراتبِ (عالمِ) امر کی انتہا ہے حصہ رکھتا ہے لیکن معاملۂ اخفیٰ کو انجام تک نہیں پہنچا پایا (اس لئے اس کی استعداد ناقص ہے) اور وہ اس کا آخری نقطۂ انتہا نہیں ہوتا بلکہ وہ ابتدا یا وسط ہی میں رہ جاتا ہے اور جب وہ اخفیٰ میں کوتاہی کرتا ہے تو اس کے اندازے کے مطابق اصول میں بھی کوتاہی کرے گا اور کام انجام تک نہیں پہنچائے گا۔ اور عالمِ امر کے باقی چارگانہ مراتب میں بھی یہی نسبت ہے کہ ہر مرتبہ کی استعداد کا کامل ہونا اس کے آخری نقطہ کے وصول سے وابستہ ہے، ابتدا اور وسط اس نقص کی خبر دیتا ہے اگرچہ نہایت سے بال برابر بھی کوتاہی ہو۔

فراقِ دوست اگر اندک است اندک نیست | درونِ دیدہ اگر نیم مو است بسیار است
(فراقِ یار اگر کم ہے کم نہیں سمجھو | اگر ہے آنکھ میں کچھ بال، کم نہیں جانو)

اور یہ کوتاہی اصول میں اور اصول کے اصول میں بھی سرایت کر جائے گی اور وصولِ مطلب سے باز رکھے گی۔ اور جو کچھ میں نے کہا ہے کہ "یہ بیان محمدی المشرب کے ساتھ مخصوص ہے" اس لئے کہا ہے کہ غیر محمدی المشرب میں کسی ایک کا کمال درجاتِ ولایت میں سے درجۂ اُولیٰ تک ہی محدود ہوتا ہے اور درجۂ اولیٰ سے مراد مرتبۂ قلب ہے، اور کسی دوسرے کا کمال درجاتِ ولایت میں سے درجۂ ثانی (یعنی مقامِ روح) تک محدود ہے، اور تیسرے شخص کے کمال کا عروج تیسرے درجے تک ہوتا ہے جو مقامِ سِر ہے، اور چوتھے شخص کے کمال کا عروج چوتھے درجے تک ہے جس کا مقام خفی ہے۔ درجۂ اولیٰ کی مناسبت صفاتِ افعال کی تجلی کے ساتھ ہے، اور درجۂ ثانیہ کو صفاتِ ثبوتیہ ذاتیہ کی تجلی سے اور درجۂ ثالث کو شیون و اعتباراتِ ذاتیہ سے مناسبت ہے، اور درجۂ چہارم کو صفاتِ سلبیہ کے ساتھ جس کا مقام تقدیس و تنزیہ ہے مناسبت ہے اور درجاتِ ولایت میں سے ہر درجہ اولو العزم انبیاء میں سے کسی ایک نبی کے زیرِ قدم ہے۔

ولایت کا درجۂ اولیٰ حضرت آدم علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زیرِ قدم ہے اور ان کا رب "صفتِ تکوین" ہے جو کہ افعال کے صادر ہونے کا منشا ہے ــــــ اور دوسرا درجہ حضرت ابراہیمؑ کے زیرِ قدم ہے اور حضرت نوح علیٰ نبینا و علیہم الصلوات والتسلیمات بھی اس مقام میں شریک ہیں اور ان کا رب صفت العلم ہے جو صفاتِ ذاتیہ میں اجمع (سب سے زیادہ جامع) ہے ــــــ اور تیسرا درجہ حضرت موسیٰ علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زیرِ قدم ہے اور اُن کا رب مقاماتِ شیونات سے شانِ الکلام ہے ــــــ اور چوتھا درجہ حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زیرِ قدم ہے اور ان کا رب صفاتِ سلبیہ سے ہے نہ کہ صفاتِ ثبوتیہ سے کہ جس کا مقام تقدیس و تنزیہ ہے اور اکثر ملائکہ کرام علیٰ نبینا و علیہم الصلوٰۃ والسلام بھی اس مقام میں حضرت عیسیٰؑ کے ساتھ مشارکت رکھتے ہیں اور ان (ملائکہ) کو اس مقام میں شانِ عظیم حاصل ہے ــــــ اور پانچواں درجہ حضرت خاتم الرسل علیہ و علیہم الصلوات والتسلیمات کے زیرِ قدم ہے اور ان علیہ الصلوٰۃ والسلام کا رب، ربّ الارباب ہے جو تمام صفات و شیونات اور تقدیسات و تنزیہات کا جامع ہے اور ان کمالات کے

دائرے کا مرکز ہے، اور صفات و شیونات کے مرتبہ میں اس ربِّ جامع کی تعبیر "شان العلم" کے ساتھ مناسب ہے کہ یہ شان عظیم الشان تمام کمالات کی جامع ہے اور اسی مناسبت سے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ملّت حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ملّت ہوئی اور اُن کا قبلہ آپ کا قبلہ بنا۔ علیہما الصلوات والتسلیمات۔

جاننا چاہیئے کہ اقدامِ ولایت کی ایک دوسرے پر فضیلت درجات کے مقدم و مؤخر ہونے کے اعتبار سے نہیں ہے تاکہ صاحبِ اخفیٰ دوسروں سے افضل ہو جائے۔ علیٰ ہذا القیاس بلکہ اصل سے قریب و بعید ہونے اور ظلال کے درجات کی منزلوں کو زیادہ یا کم طے کرنے کے اعتبار سے ہے۔ لہذا ہو سکتا ہے کہ صاحبِ قلب قرب کے اعتبار سے اصل کے ساتھ صاحبِ اخفیٰ سے کہ اس نے یہ قرب حاصل نہیں کیا افضل ہو، اور کیونکر نہ ہو جبکہ نبی کی وہ ولایت جو ولایت کے درجۂ اولیٰ میں ہے اس ولی کی ولایت سے قطعی طور پر افضل ہے جو ولایت کے آخری درجہ میں ہے۔

پوشیدہ نہ رہے کہ لطائف کا مذکورہ بالا ترتیب کے ساتھ سلوک طے کرنا یعنی قلب سے روح کی طرف اور روح سے سِرّ اور سر سے خفی اور خفی سے اخفیٰ تک پہنچنا "محمدی المشرب" کے لئے مخصوص ہے جو ان پنجگانہ عالمِ امر کو ترتیب وار طے کر کے ان کے اصولوں میں سیر کرتا ہے، اس کے بعد اصول کے اصول میں اسی ترتیب کی رعایت رکھتے ہوئے کام کو انجام تک پہنچاتا ہے۔

اور یہ راہِ سلوک جس کی ترتیب مذکور ہوئی ہے وصول (الی اللہ) کے لئے شاہراہ ہے اور احدیت کی طرف توجہ کرنے والوں کے لئے خاص صراطِ مستقیم ہے بخلاف دوسری ولایتوں کے جنھوں نے گویا ہر درجہ میں نقب کھود کر مطلوب تک لے گئے ہیں۔ مثلاً مقامِ قلب سے نقب کھود کر افعال کی صفات تک جو اس کی اصل ہے پہنچایا اور اسی طرح مقامِ روح سے گویا نقب کھود کر صفاتِ ذاتیہ تک پہنچایا و علیٰ ہذا القیاس ـــــــ اور اس میں شک نہیں کہ اس تعالیٰ کے افعال و صفات اس کی ذات سے منفک (جدا) نہیں ہیں، اگر جدائی ہے تو ظلال میں ہے۔ لہذا اس مقام میں افعال و صفات کے واصلوں کو بھی ذاتِ بے چون تعالیٰ و تقدس کی تجلیات سے بھی حصہ حاصل ہو گا، جس طرح صاحبِ اخفیٰ کو اس کام کے تمام کرنے کے بعد یہ دولت میسر ہوگی اگرچہ علو و سفل (بلندی و پستی) کے اعتبار سے فرق باقی رہے گا اور صاحبِ قلب صاحبِ اخفیٰ کی برابری نہ کر سکے گا۔

(اے فرزند!) اس جگہ یہ غلطی نہ کرنا کہ یہ فرق جو اولیاء کے درمیان ایک دوسرے کے ساتھ متصور ہے دونوں کے مرتبۂ کمال تک پہنچنے کے بعد صاحبِ ولایتِ قلب کا درجہ صاحبِ ولایتِ اخفیٰ سے کم ہے، لیکن انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی نسبت اولیاء میں یہ فرق مفقود ہے کیونکہ نبی کی ولایت جو مقام قلب سے ناشی (پیدا ہوئی) ہے وہ ولی کی ولایت سے جو مقامِ اخفیٰ سے ناشی ہوئی ہو افضل ہے اگرچہ اس ولی نے اخفیٰ کے کمالات کو انجام تک پہنچا دیا ہو، اور اس صاحبِ ولایت کی سیر ہمیشہ اس نبی کی ولایت کے زیر قدم ہے ——— اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ فرماتا ہے: وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ ۝ اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ ۝ وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ۝ (صافات آیت ۱۷۱ تا ۱۷۳) (اور بیشک ہمارے بندوں میں جو رسول ہیں ان کے لئے ہمارا حکم پہلے ہی ہو چکا ہے کہ یقیناً انہی کی مدد کی جائے گی اور یقیناً ہمارا لشکر ہی غالب ہے) ——— ہاں یہ فرق انبیاء کے درمیان ایک دوسرے کے لئے متصور ہے کہ صاحبِ علو (بلند درجہ والے) کا درجہ صاحبِ سفل (کم درجے والے) سے افضل ہو، لیکن یہ فرق بھی انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے درمیان عالمِ امر کے دائرہ کمالات کے اخیر تک ہے، اس کے بعد یہ فضیلت بلندی و پستی (کے درجات) سے وابستہ نہیں ہے بلکہ ممکن ہے کہ اس مقام میں پستی والا بلندی والے سے افضل ہو ——— جیسا کہ ہم نے اس مقام میں حضرت موسیٰ و حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہما الصلوٰۃ والسلام کے درمیان اس تفاوت کو مشاہدہ کیا ہے کہ حضرت موسیٰؑ اس مقام میں جسم اور شانِ عظیم کے ساتھ ہیں اور حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہما الصلوٰۃ والسلام میں یہ جسامت اور شان نہیں ہے۔ ——— لیکن ہم کو معلوم ہوا ہے کہ اس مقام میں یہ فرق بلندی و پستی کے علاوہ ایک اور امر کی وجہ سے ہے جس کو ہم انشاء اللہ تعالیٰ اس (تعالیٰ) کے حسنِ توفیق اور کمال احسان وکرم سے اس کے بعد مفصل طور پر بیان کریں گے۔

اسی طرح یہ تفاوت حضرت خلیل الرحمٰن اور حضرت خاتم الرسل علیہم الصلوات والتسلیمات کے علاوہ تمام انبیا کے درمیان ان کے کمالات میں جو کعبۂ ربانی کی حقیقت کے ساتھ کہ تمام حقائق بشریت اور ملکیت سے برتر ہے تعلق رکھتے ہیں مشاہدہ کیا ہے کہ حضرت خلیل الرحمٰنؑ کو اس مقام میں وہ شانِ عظیم اور بلند مرتبہ حاصل ہے جو کسی ایک کو بھی وہ شان و مرتبہ میسر نہیں ہوا ——— ——— اس عجیب مقام میں جو عظمت و کبریائی کے پردوں کے ظہور کا مقام ہے، اس کے

مناسب ہے، اس مقام کے مرکز یعنی مقامِ اجمالی کے کمالات حضرت خاتم الرسل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نصیب ہیں اور باقی سب مفصل طور پر حضرت خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے مسلّم ہیں۔ اور اُن کے علاوہ دوسرے انبیاء اور کامل اولیاء علیہم الصلوات والتسلیمات سب ان کے طفیلی ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ ہمارے پیغمبر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات نے اس اجمال کی تفصیل (حق تعالیٰ سے) دریافت فرمائی ہے۔ چنانچہ اپنے مسئولہ صلوات و برکات کو حضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوات والتسلیمات کی صلوات و برکات کے ساتھ تشبیہ دی ہے ـــــــ اور اس فقیر پر ظاہر کیا گیا ہے کہ ہزار سال گذرنے کے بعد وہ تفصیل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو میسر ہو گئی اور آپ کا سوال قبول ہو گیا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ سُبْحَانَہٗ عَلٰی ذٰلِکَ وَعَلٰی جَمِیْعِ نَعْمَائِہٖ (اللہ سبحانہٗ کا اس پر اور تمام نعمتوں پر شکر ہے) ـــــــ اور اس عالی مقام کے کمالات تمام ولایتوں کے کمالات اور نبوت و رسالت کے کمالات سے بلند تر ہیں اور بلند تر کیوں نہ ہوں جبکہ یہی حقیقت، انبیاءِ کرام اور ملائکہ عظام علیہم الصلوات والتحیات کی مسجود الیہ ہے۔

اور اس فقیر نے رسالہ "مبدأ و معاد" میں جو کچھ لکھا ہے کہ "حقیقتِ محمدی اپنے مقام سے عروج کر کے حقیقتِ کعبہ کے مقام تک جو اس سے بلند تر ہے پہنچ کر متحد ہو گئی اور حقیقتِ محمدی نے اس مقام پر حقیقتِ احمدی کا نام حاصل کر لیا۔" وہ حقیقتِ کعبہ اس حقیقت کے ظلال میں سے ایک ظل ہے کہ (یہ فقیر) اس حقیقت کے عدمِ ظہور کے وقت میں ان سب کو حقیقت سمجھتا تھا۔ اس قسم کے اشتباہ بہت واقع ہوتے ہیں کہ (عارف) اصل کے ظاہر نہ ہونے کے وقت ظل کو اصل سمجھتا ہے اور اس کو حقیقت کا نام دیتا ہے، یہی وجہ ہے کہ ایک مقام چند مرتبہ ظاہر ہوتا ہے اس کا راز یہی ہے کہ اس مقام کے ظہورات اس مقام کے ظلال کے اعتبار سے ہیں۔ حقیقت میں اس مقام کی حقیقت وہی ہے جو آخری مرتبہ میں ظاہر ہوئی ہے ـــــــ اگر کوئی کہے کہ یہ کہاں سے معلوم ہوا کہ یہ مرتبہ اس مقام کے آخری مرتبہ کے ظہورات میں سے ہے تاکہ اس کو حقیقت جان لیا جائے تو میں کہتا ہوں کہ سابقہ ظہورات کی ظلیت کا علم حاصل ہونا اس ظہور کی آخریت پر شاہدِ عدل ہے، کیونکہ یہ علم سابقہ ظہورات کے وقت حاصل نہیں ہے بلکہ ہر ظہور کو حقیقت سمجھتا ہے اور ان میں سے کسی کو بھی ظل نہیں سمجھتا اگرچہ نہیں جانتا کہ ان حقائق کا اختلاف کہاں سے آیا ہے فافہم

اے فرزند! سابقہ معارف سے معلوم ہو گیا کہ وہ کمالات جو عالمِ امر سے تعلق رکھتے ہیں ان کمالات کے لئے جو عالمِ خلق سے متعلق ہیں مقدمات اور زینوں کی طرح ہیں اور پہلے کمالات ظلیت سے خالی نہیں ہیں اور وہ مقامات ولایت سے مخصوص ہیں اور دوسرے کمالات ظلیت کی آمیزش سے جو اس نشاءِ دنیاوی کے ظہورات کے مناسب ہے خالی ہو کر مقاماتِ نبوت سے کامل حصہ حاصل کر لیا ہے لہٰذا طریقت و حقیقت جو ولایت سے وابستہ ہیں دونوں شریعت کے لئے جو مقامِ نبوت سے ناشی (پیدا) ہے خادموں میں سے ہیں اور نبوت کے عروج کے لئے ولایت ایک زینہ ہے۔

اس بیان سے معلوم ہوا کہ وہ سیر جو اکابرِ نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم نے اختیار کی ہے اور جس کی ابتداء عالمِ امر سے کی ہے اولیٰ و انسب ہے کیونکہ ادنیٰ سے جو عالمِ امر ہے اعلیٰ کی طرف جو عالمِ خلق ہے ترقی کرنی چاہیئے نہ کہ اعلیٰ سے ادنیٰ کی طرف۔ لیکن کیا کیا جائے کہ یہ معمہ سب پر حل نہیں ہوا ــــــ دوسروں نے صورت (ظاہر) پر نظر ڈالی اور عالمِ خلق کو پست دیکھا اور پستی سے شروع کر کے بلندی کی طرف (یعنی عالمِ خلق سے عالمِ امر کی طرف) ترقی کی، اور یہ نہیں جانا کہ حقیقتِ معاملہ دگرگوں (برعکس) ہے اور پستی حقیقت میں بلندی ہے اور بلندی حقیقت میں پستی ہے ــــــ ہاں نقطۂ آخر جو عالمِ خلق ہے نقطۂ اولیٰ سے جو اصل الاصل ہے نزدیک واقع ہوا ہے یہ قرب کسی دوسرے کو میسر نہیں ہوا ع

کہ مستحقِ کرامت گنہگار انند (کرم کے مستحق بس عاصیاں ہیں)

یہ دید (مشاہدہ) مشکوٰۃِ نبوت سے اقتباس ہے۔ اربابِ ولایت نے اس معرفت (جو عالمِ خلق سے متعلق ہے) سے بہت کم حصہ پایا ہے۔ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات نے سیر کی ابتداء عالمِ امر سے کی ہے اور حقیقت سے شریعت کی طرف آئے ہیں ــــــ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ ان کامل اولیاء کے لئے جن کی سیر انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی سیر کے موافق ہوئی ہے، ابتدا میں شریعت کی صورت ہے اور وسط میں طریقت و حقیقت کہ جس کا تعلق ولایت سے ہے اور عالمِ امر کے مناسب ہے، اور آخر میں شریعت کی حقیقت ہے جو ثمرۂ نبوت ہے ــــــ لہٰذا یہ بات طے شدہ ہوئی کہ طریقت و حقیقت کا حصول شریعت کی حقیقت کے حصول کی تمہید ہے۔ اور کامل اولیاء کی بدایت (ابتدا) اور انبیاءِ مرسل کی بدایت حقیقت ہے اور دونوں کی انتہا شریعت ہوئی تو جس نے یہ کہا کہ "اولیاء کی بدایت انبیاء کی نہایت ہے"

اور اولیاء کی ہدایت اور انبیا کی نہایت سے شریعت مراد لی ہے اس کے کچھ معنی نہیں ہیں۔ ہاں وہ بیچارہ جو حقیقتِ معاملہ سے آگاہی نہیں رکھتا مجبوراً اس نے شطحی کلام کیا (یعنی ظاہر کے خلاف بات کہی)۔

———— ان معارف کو اگرچہ کسی نے بیان نہیں کیا بلکہ اکثر نے اس کے برعکس بیان کیا ہے اور ادراک سے دُور ہو گئے ہیں، لیکن وہ انصاف پسند جو انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی بزرگی ملاحظہ میں رکھے اور اس پر شریعت کی عظمت کا بھی غلبہ ہو تو احتمال ہے کہ ان مخفی اسرار کو قبول کرے گا اور اس قبولیت کو اپنے ایمان کی زیادتی کا وسیلہ بنائے گا۔

اے فرزند! سنو، انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات نے دعوت کو عالمِ خلق پر منحصر رکھا ہے بُنِيَ الْإِسْلَامُ عَلٰى خَمْسٍ[1] (اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے) اور چونکہ قلب کی مناسبت عالمِ خلق سے زیادہ ہے لہٰذا اس کی تصدیق کے لئے دعوت کا حکم فرمایا اور قلب کے ماوری کی نسبت کوئی بات نہیں فرمائی اور اس کو کَالْمَطْرُوْحِ فِي الطَّرِيْقِ (راستہ میں پڑا ہوا کوڑا) کی طرح سمجھا اور اس کو مقاصد میں شمار نہیں کیا۔ ہاں بہشت کی نعمتیں اور دوزخ کی مصیبتیں اور دیدار کی دولت اور محرومی کی بدنصیبی یہ سب عالمِ خلق سے وابستہ ہیں اور عالمِ امر کے ساتھ ان کا کچھ تعلق نہیں۔ دوسرے وہ عمل جو فرض، واجب اور سنت ہے ان کی بجا آوری اسی قالب سے تعلق رکھتی ہے جو عالمِ خلق سے ہے، اور جو کچھ کہ عالمِ امر کا حصہ ہے وہ اعمالِ نافلہ سے متعلق ہے۔ پس وہ قرب جو ان اعمال کے ادا کرنے کا ثمرہ ہے وہ اعمال کے اندازے کے مطابق ہوگا۔ لہٰذا لازمی طور پر وہ قرب جو ادائے فرض کا ثمرہ ہے عالمِ خلق کا نصیب ہے اور وہ قرب جو ادائے نوافل کا ثمرہ ہے وہ عالمِ امر کا نصیب ہے۔ اور اس میں شک نہیں ہے کہ نفل کی فرض کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں۔ کاش! اس کو دریائے محیط کے مقابلے میں قطرہ ہی کی نسبت ہوتی، بلکہ سنت کے مقابلے میں بھی نفل کی یہی نسبت ہے، اگرچہ سنت اور فرض کے درمیان بھی قطرہ اور دریا کی نسبت ہے۔ لہٰذا دونوں قربوں (قرب بالنوافل اور قرب بالفرائض) کے درمیانی فرق کو اسی پر قیاس کر لینا چاہیے، اور عالمِ خلق کا شرف عالمِ امر پر اسی فرق سے سمجھ لینا چاہئے۔

نفل کو فرض کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں

اکثر لوگ جو اس معنی سے بے نصیب ہیں اپنے فرائض کو خراب کر کے نوافل کی ترویج میں کوشش کرتے ہیں۔ صوفیائے خام ذکر اور فکر کو اہم ترین ضروریات جان کر فرائض اور سنتوں کی

[1] اس حدیث کو بخاری و مسلم نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کیا۔

بجا آوری میں سستی کرتے ہیں اور چلوں اور ریاضتوں کو اختیار کر کے جمعہ اور جماعت کو ترک کر دیتے ہیں، وہ یہ نہیں جانتے کہ ایک فرض کا جماعت کے ساتھ ادا کرنا ان کے ہزاروں چلوں سے بہتر ہے۔ ہاں آدابِ شرعیہ کی رعایت کے ساتھ ذکر و فکر میں مشغول ہونا بہت بہتر اور اہم ترین کام ہے۔

اور علماءِ بے سرانجام بھی نوافل کو رواج دینے میں کوشش کرتے ہیں اور فرائض کو خراب و ابتر کرتے ہیں۔ مثلاً نمازِ عاشورا کو جو حضرت پیغمبر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات سے صحت کے ساتھ نہیں پہنچی جماعت اور تمام جمعیت کے ساتھ اہتمام سے ادا کرتے ہیں۔ حالانکہ جانتے ہیں کہ فقہ کی روایات نمازِ نفل با جماعت کی کراہت پر ناطق ہیں اور فرض کی ادائیگی میں سستی برتتے ہیں۔ بہت کم (لوگ) ایسے ہیں کہ فرض نماز کو مستحب وقت میں ادا کریں بلکہ اصل وقت سے بھی تجاوز کر جاتے ہیں اور نماز با جماعت کا بھی زیادہ اہتمام نہیں کرتے۔ ایک یا دو آدمیوں کی جماعت پر قناعت کر لیتے ہیں بلکہ بسا اوقات تنہا پڑھ لینے پر ہی کفایت کرتے ہیں۔ جب اسلام کے پیشواؤں کا یہ حال ہو تو عوام کے بارے میں کیا کہا جائے۔ اس عمل کی نحوست کی وجہ سے اسلام میں ضعف پیدا ہو گیا اور اور اس فعل کی ظلمت کی وجہ سے ہوا و ہوس اور بدعت عام ہو گئی ہے

اندکے پیش تو گفتم غمِ دل ترسیدم | کہ دل آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

(غمِ دل مختصر ہی کہتا ہوں | دکھ نہ پہنچائے میری بات طویل)

اور اسی طرح نوافل کی ادائیگی منجملہ ظلال کے ایک ظل سے قریب کر دیتی ہے اور اصل قرب فرائض کی ادائیگی میں ہے کہ جس میں ظلیت کی آمیزش نہیں ہے۔ مگر وہ نوافل جو فرائض کی تکمیل کے لئے ادا کئے جائیں وہ بھی قربِ اصل کے لئے ممد و معاون اور فرض کے ملحقات سے ہیں، لہٰذا لازمی طور پر فرائض کی ادائیگی کا تعلق عالمِ خلق کے مناسب ہے جو اصل کے ساتھ متوجہ ہے، اور نوافل کی ادائیگی عالمِ امر کے مناسب ہے جس کا چہرہ ظل کی طرف ہے۔ تمام فرائض اگرچہ اصل کی طرف قرب بخشتے ہیں لیکن ان میں سب سے افضل و اکمل صلوٰۃ (نماز) ہے۔ اَلصَّلٰوۃُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِ[1] (نماز مؤمن کے لئے معراج ہے) —— اور اَقْرَبُ مَا يَكُوْنُ الْعَبْدُ مِنَ الرَّبِّ فِي الصَّلٰوةِ[2] (بندے کو سب سے زیادہ قرب اپنے پروردگار سے نماز میں ہوتا ہے) تم نے سنا ہو گا۔

---

[1] یہ حدیث صوفیہ میں مشہور ہے۔ [2] مسلم ابوداؤد اور نسائی نے اس کو حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کیا ہے۔

اور وہ وقتِ خاص جو حضرت پیغمبر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کو حاصل تھا جس کی تعبیر لِیْ مَعَ اللہِ وَقْتٌ[1] (اللہ تعالیٰ کے ساتھ میرا ایک وقت ہے) سے کی ہے فقیر کے نزدیک نماز ہی میں ہے۔ نماز ہی گناہوں کا کفارہ ہے اور نماز ہی فواحش و منکرات سے روکتی ہے اور نماز ہی ہے جس میں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے لئے راحت تلاش کرتے تھے اسی لئے آپؐ فرماتے تھے اَرِحْنِیْ یَا بِلَالُ[2] (اے بلال مجھے آرام دے)۔ اور نماز ہی کو دین کا ستون[3] فرمایا ہے اور نماز ہی اسلام اور کفر میں فرق ظاہر کرتی ہے۔

اب ہم اصل بات کی طرف رجوع کرتے ہیں اور عالمِ خلق کی عالمِ امر پر افزونی (فضیلت) بیان کرتے ہیں۔ عالمِ امر نے اس جگہ (دنیا) میں پورا پورا حظ (لذت) حاصل کر کے مشاہدہ اور معائنہ میں مشغول ہو گیا ہے، کل (روزِ قیامت) کو بہشت میں معاملہ عالمِ خلق سے ہو گا اور بلا کیف اس (حق تعالیٰ) کی رویت میسر ہو گی ——— اور اسی طرح مشاہدہ کا تعلق وجوب کے ظلال میں سے ایک ظل سے ہے اور آخرت میں واجب الوجود کا دیدار ہے۔ لہذا جسقدر مشاہدہ اور رویت، ظلیت اور اصالت میں فرق ہے اسی قدر عالمِ امر اور عالمِ خلق میں فرق ہے جان لو۔ پھر جان لو کہ مشاہدہ ولایت کا ثمرہ ہے اور رویت نبوت کا ثمرہ، جو انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی تابعداری کی وجہ سے عام تابعداروں کو بھی میسر ہو گی۔ اس مقام پر ولایت و نبوت کے درمیان جو فرق ہے وہ سمجھ لو۔

تنبیہ: جس عارف کو عالمِ امر کے ساتھ زیادہ مناسبت ہو گی اس کا قدم کمالاتِ ولایت میں زیادہ تر ہو گا اور جس کو عالمِ خلق سے زیادہ مناسبت ہو گی اس کا قدم کمالاتِ نبوت میں بہت زیادہ ہو گا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام ولایت میں بیشتر قدم رکھتے ہیں اور حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا قدم زیادہ تر نبوت میں ہے کیونکہ حضرت عیسیٰؑ میں (عالمِ) امر کی نسبت غالب ہے جس کی وجہ سے وہ روحانیوں سے ملحق ہو گئے اور حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہما الصلوٰۃ والسلام کا رخ عالمِ خلق کی طرف غالب ہے لہذا انھوں نے مشاہدہ پر اکتفا نہ کر کے رویتِ بصری[4] کی درخواست کی ——— کمالاتِ نبوت میں انبیاءؑ کے

---

[1] رسالہ قشیریہ میں ان الفاظ کے ساتھ ہے "لی وقت لا یسعنی فیہ غیر ربی"۔ [2] اس کو دار قطنی نے علل میں روایت کیا۔
[3] حدیث میں ہے "الصلوۃ عماد الدین من اقامہا اقام الدین ومن ترکہا فقد ہدم الدین"۔
[4] یعنی کہ حضرت موسیٰؑ نے کہا "رب ارنی انظر الیک"۔

اقدام کے تفاوت ہونے کا سبب یہی ہے، جس کے بیان کرنے کا وعدہ میں نے پہلے کیا تھا، نہ کہ بعض لطائف کی بلندی اور بعض کی پستی جو کہ کمالاتِ ولایت کے تفاوت میں معتبر ہے۔

وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ الْمُلْهِمُ لِلصَّوَابِ (اللہ سبحانہٗ بہتری کا الہام کرنے والا ہے)۔

اے فرزند! چونکہ علومِ نبوت جو کہ شرائع و احکام اور قالب (جسدِ خاکی) کے ساتھ زیادہ تر تعلق رکھتے ہیں اور انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کو بھی اسی وجہ سے عالمِ خلق کے ساتھ زیادہ مناسبت ہے اس مقام پر بعض نے گمان کیا ہے کہ نبوت سے مراد مقاماتِ قرب تک جو مقامِ ولایت سے تعلق رکھتے ہیں عروج کرنے کے بعد دعوتِ خلق کے لئے نزول کرنا ہے۔ اور یہ نہیں جانتے کہ عروج کی انتہا اور قرب کی غایت اسی مقام (یعنی مقامِ دعوت) میں ہے۔ اور وہ قرب جو پہلے حاصل ہوا تھا وہ اس قرب کے ظلال میں سے ایک ظل ہے جو کہ بُعد (دوری) کی صورت میں متصور ہوتا ہے، اور وہ عروج جو اس سے پہلے حاصل ہوا تھا وہ اس عروج کے عکسوں میں سے ایک عکس تھا جو ظاہر میں نزول دکھائی دیتا ہے۔ ——— کیا تم نہیں دیکھتے کہ دائرہ کا مرکز دائرہ کے محیط کی نسبت سب سے زیادہ دُور نقطہ ہے۔ حالانکہ حقیقت میں کوئی نقطہ بھی مرکز کے نقطہ کی نسبت محیط سے زیادہ قریب نہیں ہے کیونکہ محیط اس نقطۂ اجمال کی تفصیل ہے اور یہ نسبت کسی دوسرے نقطہ کو میسر نہیں ہوتی۔ ظاہر بین عوام اس اقربیت کو نہیں معلوم کر سکے اس لئے اس نقطہ کے لئے ابعدیت (بہت زیادہ دور ہونے) کا حکم کرتے ہیں اور اس نقطہ کی اقربیت کے حکم کو جہلِ مرکب تصور کرتے ہیں اور اس حکم کرنے والے کو جاہل اور احمق سمجھتے ہیں۔ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ (یوسف آیت ۱۸)

(اور جو کچھ تم بیان کرتے ہو اس پر اللہ تعالیٰ ہی سے مدد مطلوب ہے)

جاننا چاہئے کہ نفسِ مطمئنہ شرحِ صدر کے حصول کے بعد جو کمالاتِ ولایتِ کبریٰ کے لوازم میں سے ہے اپنے مقام سے عروج کر کے تختِ صدر پر ترقی کر جاتا ہے اور وہاں تمکن و سلطنت حاصل کر لیتا ہے اور قرب کے ممالک پر غلبہ پا لیتا ہے، یہ تختِ صدر حقیقت میں مرتبۂ ولایتِ کبریٰ کے عروج کے تمام مقامات سے بلند ہے، اور اس تخت پر پہنچنے والے کی نظر ابطنِ بطون (قلب کی گہرائیوں) میں نفوذ کرتی ہے اور غیب الغیب (پوشیدہ سے پوشیدہ) میں سرایت کر جاتی ہے۔ ہاں اگر کوئی شخص بہت اونچے مکان پر چڑھ جائے تو اس کی نگاہ بھی دُور سے دور تک پہنچ جائے گی

اور اس مطمئنہ کی تمکین کے بعد عقل بھی اپنے مقام سے نکل کر اس کے ساتھ مل جائے گی، اور عقلِ معاد کا نام حاصل کرلے گی، اور دونوں باہم اتفاق بلکہ اتحاد کے ساتھ اپنے کام میں متوجہ ہو جائیں گے۔

اے فرزند! اس مطمئنہ کو اب مخالفت کی گنجائش باقی نہیں رہی اور سرکشی کی مجال بھی نہیں۔ اور کلّی طور پر اپنے مطلوب کی طرف متوجہ ہے اور پوری طرح اپنا مقصود حاصل کرنے میں مشغول ہے۔ اس کی پوری ہمت پروردگار جل سلطانہٗ کی رضا (حاصل کرنے) کے علاوہ کچھ نہیں اور اس کا مطلب اس بزرگ بلند و بالا کی اطاعت و عبادت کے سوا کچھ نہیں۔ سبحان اللہ، وہ (نفسِ) امارہ جو اول بدترین خلائق تھا اب اطمینان اور حضرتِ سبحان کی رضا حاصل ہونے کے بعد عالمِ امر کے لطائف کا رئیس (سردار) بن گیا اور اپنے ہمسروں کا سردار ہو گیا۔ مخبرِ صادق علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے کیا خوب فرمایا ہے: خِيَارُكُمْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ خِيَارُكُمْ فِي الْإِسْلَامِ إِذَا فَقِهُوْا[1] (جو لوگ زمانۂ جاہلیت میں تم میں سے اچھے تھے وہ اسلام میں بھی تم میں اچھے ہیں جبکہ انھوں نے دین کو سمجھ لیا) ——— اس کے بعد اگر کوئی صورت خلاف و سرکشی کی پیدا ہوتی تو اس کا منشا (سرچشمہ) عناصرِ اربعہ کے مختلف طبائع ہیں جو اجزائے قالب (جسم کے اجزاء) ہیں، اگر قوتِ غضبیہ کا غلبہ ہے تو وہ بھی وہیں سے پیدا ہوا ہے اور اگر شہوانیت کا غلبہ ہے تو وہ بھی وہیں سے، اور اگر حرص و شر کا غلبہ ہے تو وہ بھی وہیں سے اٹھا ہے اور اگر بخل و کمینگی ہے تو وہ بھی وہیں سے ہے۔ ——— کیا تم نہیں دیکھتے کہ تمام حیوانات جن میں نفسِ امارہ نہیں ہے ان میں بھی یہ تمام رذائل بدرجہ اتم و اکمل پائے جاتے ہیں۔ لہٰذا بہت ممکن ہے کہ مراد اس جہادِ اکبر سے جو ہمارے پیغمبر علیہ و علیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات نے فرمایا ہے: رَجَعْنَا مِنَ الْجِهَادِ الْأَصْغَرِ إِلَى الْجِهَادِ الْأَكْبَرِ[2] (اب ہم جہادِ اصغر سے جہادِ اکبر کی طرف لوٹتے ہیں) جہاد با قالب ہو نہ کہ جہاد بانفس، جیسا کہ کہا گیا ہے کہ نفس اطمینان (کی حد) تک پہنچ چکا ہے اور "راضی و مرضی" (یعنی وہ حق تعالیٰ سے راضی اور حق تعالیٰ اس سے راضی) ہو گیا ہے۔ لہٰذا خلاف و سرکشی کی صورت اس سے متصور نہ ہو گی ——— اور خلاف و سرکشی کی صورت میں اجزائے قالب سے مراد ارادہ ترکِ اولیٰ ہے اور امورِ رخصت کے ارتکاب اور ترکِ عزیمت کا ارادہ ہے، نہ کہ حرام اشیاء کا ارتکاب اور فرائض و واجبات کے ترک کا ارادہ، جو کہ اس کے حق میں "نصیبِ دشمناں" ہو چکا ہے۔

---

[1] بخاری و مسلم بروایت حضرت ابوہریرہ [2] اس حدیث کی تحقیق دفتر اول مکتوب ۱۴۱ پر ملاحظہ فرمائیں۔

اے فرزند! اگرچہ عناصر اربعہ کے کمالات، کمالاتِ مطمئنہ سے بڑھ کر ہیں جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے لیکن مطمئنہ چونکہ مقامِ ولایت سے مناسبت رکھتا ہے اور عالمِ امر سے ملحق ہے اس لئے صاحبِ سکر ہے اور مقامِ استغراق میں ہے، ناچار اس میں مخالفت کی طاقت نہیں رہی، اور چونکہ عناصر میں مقامِ نبوت کی مناسبت زیادہ ہے اس لئے ان میں صحو (ہوش) غالب ہے، اسی لئے بعض منافع اور فوائد جو ان سے وابستہ ہیں ان کے لئے ان میں مخالفت کی صورت باقی رہتی ہے۔ پس سمجھ لو۔

جاننا چاہئے کہ منصبِ نبوت حضرت خاتم الرسل علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات پر ختم ہو چکا ہے لیکن اُس منصب کے کمالات میں آپؐ کی تابعداری کی وجہ سے آپؐ کے تابعداروں کو بھی پورا پورا حصہ حاصل ہے، یہ کمالات طبقۂ صحابہؓ میں بہت زیادہ ہیں اور تابعین اور تبع تابعین میں بھی یہ دولت کچھ نہ کچھ سرایت کئے ہوئے ہے، اس کے بعد یہ کمالات پوشیدگی میں چلے گئے اور ولایت ظلی (ولایتِ صغریٰ) کے کمالات کا غلبہ جلوہ گر ہوگیا۔ لیکن امید ہے کہ ہزار سال گذرنے کے بعد یہ دولت از سرِ نو تازہ ہو کر غلبہ و شیوع (عموم) حاصل کرلے اور کمالاتِ اصلی ظہور میں آئیں اور ظلی پوشیدہ ہو جائیں اور حضرت مہدی علیہ الرضوان اس نسبت عالیہ کو ظاہر و باطن کے ساتھ رواج دیں۔

اے فرزند! نبی علیہ وعلیٰ آلہ الصلوۃ والسلام کا کامل تابعدار اپنی کامل تابعداری کی وجہ سے جب مقامِ نبوت کے کمالات کو پورا کرلیتا ہے تو اگر وہ اہلِ مناصب سے ہے تو اس کو "منصبِ امامت" پر سرفراز کر دیتے ہیں اور جب وہ ولایتِ کبریٰ کے کمالات کو پورا کرلیتا ہے اور اہلِ منصب سے ہوتا ہے تو اس کو "منصبِ خلافت" سے مشرف کر دیتے ہیں۔ اور کمالاتِ ظلی کے مقامات سے منصبِ امامت کے مناسب "قطبِ ارشاد" کا منصب ہے اور منصبِ خلافت کے مناسب "قطبِ مدار" کا منصب ہے گویا نیچے کے یہ دونوں مقام ان اوپر کے دونوں مقاموں کے ظلال ہیں

——— شیخ محی الدین ابن العربیؒ کے نزدیک "غوث ہی قطب مدار ہے غوثیت کا منصب علیحدہ نہیں ہے"۔ لیکن جو کچھ اس فقیر کا اعتقاد ہے وہ یہ ہے کہ غوث "قطب مدار" نہیں ہے بلکہ قطب بعض امور میں اس سے مدد لیتا ہے اور ابدال کے مناصب کی تقرری میں بھی اس کو دخل ہے ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ (جمعہ آیت ۴ پ ۲۸)

تذییل (ایک چیز کا دوسری چیز پر اضافہ کرنا) وہ علوم و معارف جو "مقامِ نبوت" اور اس نبوت کی ولایت کے مقام کے مناسب ہیں انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے شرائع (شریعتیں) ہیں، اور چونکہ نبوت کے مرتبوں میں تفاوت ہے اس لئے اس تفاوت کے اندازے کے مطابق انبیاءؑ کی شرائع میں بھی اختلاف آگیا ہے۔ اور وہ معارف جو "مقامِ ولایتِ اولیاء" کے مناسب ہیں مشائخ کی شطحیات (خلافِ شرع باتیں) ہیں۔ اور وہ علوم جو توحید و اتحاد (توحیدِ وجودی) کی خبر دیتے ہیں اور احاطہ و سریان کی خبر اور قرب و معیت کا نشان بتاتے ہیں اور ظلیت کو ظاہر کرتے ہیں اور شہود و مشاہدہ ثابت کرتے ہیں۔ غرضکہ انبیاء کے معارف کتاب و سنت ہیں اور اولیاء کے معارف فصوص (الحکم) و فتوحاتِ مکیہ ہیں۔ ع

قیاس کن ز گلستانِ من بہارِ مرا　　(مری بہار کا اندازہ گلستاں سے کر)

اولیاء کی ولایت حق تعالیٰ کے قرب کی طرف سراغ دیتی ہے، اور انبیاء کی ولایت حق تعالیٰ کی اقربیت کا نشان بتاتی ہے۔ اور ولایتِ اولیا شہود کی طرف دلالت کرتی ہے اور ولایتِ انبیاء اس مجہول الکیفیت (بے کیفی و بے رنگی) کی نسبت کا ثبوت دیتی ہے۔ اولیاء کی ولایت اقربیت کو نہیں پہچانتی کہ کیا ہے اور جہالت کو نہیں جانتی کہ کہاں ہے۔ اور ولایتِ انبیاء اقربیت کے باوجود قرب کو عین بُعد جانتی ہے۔ اور شہود کو عین غیبت سمجھتی ہے۔ ع گر بگویم شرح ایں بعید شود۔ (شرح اس کی مضمون سے بعید ہے)

اے فرزند! کمالاتِ نبوت کے بیان میں گفتگو اور ولایت پر اس کی فضیلت اور ولایت سہ گانہ (تینوں ولایتوں یعنی) ولایتِ صغریٰ، ولایتِ کبریٰ اور ولایتِ علیا کے درمیان فرق اور ان میں سے ہر ایک کے مناسب معارف اور ہر ایک کے متعلقہ مقامات کو اس لئے طول طویل کیا ہے اور بار بار لمبے چوڑے فقرے اس لئے بیان کئے گئے ہیں تاکہ نہایت عجیب و غریب ہونے کے باوجود لوگوں کی سمجھ میں آسکیں اور کسی کو ان کے انکار کی مجال نہ رہے ——— یہ علوم کشفی اور بدیہی ہیں؛ استدلالی اور فکری نہیں ہیں۔ اور ان میں بعض مقدمات کا ذکر تنبیہ اور عوام کی سمجھ سے قریب لانے کے لئے ہے بلکہ خواص کے سمجھنے کے لئے وضاحت اور تشریح ہے۔ یہ سب شروع سے اخیر تک اس طریقہ پر بیان کیا گیا جس پر حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے اس حقیر کو ممتاز کیا ہے، اس کی بنیاد نسبتِ نقشبندیہ ہے جس کی ابتدا میں انتہا مندرج ہے، اسی بنیاد پر بہت سی عمارتیں اور قسم قسم کے محل بنائے گئے ہیں، اگر

یہ بنیاد نہ ہوتی تو معاملہ یہاں تک نہ پہنچتا یعنی بخارا اور سمرقند سے اس بیج کو لا کر زمینِ ہند (سرہند) میں بویا گیا جس کا خمیر "مدینہ طیبہ" اور "مکہ معظمہ" کی خاک سے تیار کیا گیا اور "فضل" کے پانی سے سالہا سال اس کو سیراب کیا گیا اور "احسان" کی تربیت سے اس کی پرورش کی گئی، جب وہ کھیتی کمال کو پہنچ گئی تو ان علوم و معارف کا ثمرہ اس سے حاصل ہوا ———— اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰىنَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْلَاۤ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ (تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے ہم کو اس کی ہدایت دی اگر وہ ہم کو ہدایت نہ دیتا تو ہم کبھی ہدایت نہ پاتے، بیشک ہمارے رب کے رسول حق کے ساتھ آئے ہیں)۔ (اعراف آیۃ ۴۳)

جاننا چاہیے کہ اس طریقۂ عالیہ کا سلوک ایسے شیخ مقتدا کی محبت کے رابطہ پر وابستہ ہے جس نے سیرِ مرادی سے اس راہ کو طے کیا ہو اور قوتِ انجذاب سے ان کمالات کے ساتھ رنگا ہوا ہو اس کی نظر قلبی امراض کو شفا بخشتی ہے اور اس کی توجہ باطنی امراض دُور کرتی ہے، ایسا صاحبِ کمال اپنے وقت کا امام اور اپنے زمانے کا خلیفہ ہے، اقطاب و ابدال اس کے مقامات کے ظلال میں خوش ہیں، اور اوتاد و نجبا اس کے کمالات کے سمندر سے ایک قطرہ پر قناعت کئے بیٹھے ہیں اس کی ہدایت وارشاد کا نور اس کے ارادہ اور خواہش کے بغیر آفتاب کے نور کی طرح ہر شخص پر چمکتا ہے، پس کس طرح نہ چمکے جبکہ وہ خود چاہے، اگرچہ یہ خواہش اس کے اپنے اختیار میں نہ ہو۔ کیونکہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ وہ کسی امر کی خواہش طلب کرتا ہے لیکن وہ خواہش اس میں پیدا نہیں ہوتی۔ اور یہ بھی ضروری نہیں کہ وہ لوگ جو اس کے نور سے ہدایت پائیں اور اس کے وسیلے سے راہِ راست پر آجائیں، اس معنی کو خوب جان ہیں ———— بلکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ وہ اپنے رشد و ہدایت کی اصل کو بھی کماحقہ نہیں جانتے حالانکہ وہ شیخ مقتدا کے کمالات سے متحقق ہوتے ہیں جن کے سبب ایک جہان کو ہدایت کرتے ہیں، کیونکہ علم سب کو نہیں دیا جاتا اور سیرِ مقامات کی تفصیل کی معرفت ہر ایک کو نہیں بخشتے۔ ہاں وہ شیخ جس کے وجود شریف پر وصول کے طریقوں میں سے کسی خاص طریقے کی بنا کا مدار ہے بیشک وہ صاحبِ علم اور سیر کی تفصیل سے آگاہ ہوتا ہے اور دوسروں کو اسی کے علم پر کفایت کرکے اس کے ذریعے سے مرتبہ کمال و تکمیل تک پہنچاتے ہیں اور فنا و بقا سے مشرف کرتے ہیں۔ ع

خاص کند بندۂ مصلحتِ عام را (عام کے فائدے کو خاص آیا)

(ہمارے اس طریقہ میں) افادہ اور استفادہ انعکاسی اور انصباغی ہے مرید محبت کے رابطہ سے جو وہ اپنے شیخ مقتدا کے ساتھ رکھتا ہے لحظہ بلحظہ اس کا رنگ پکڑتا جاتا ہے اور انعکاس کے طریق پر اس کے انوار سے منور ہوتا جاتا ہے۔ اس صورت میں افادہ اور استفادہ کے لئے علم کی کیا ضرورت ہے ــــــ (مثلاً) خربزہ (خربوزہ) سورج کی گرمی سے لمحہ بلمحہ پکتا ہے اور کچھ زمانہ گذرنے کے بعد پختہ ہو جاتا ہے، اس کے لئے کیا ضروری ہے کہ اس (خربوزہ) کو اپنے پختہ ہو جانے کا علم ہو، یا سورج کو اس کے پک جانے کا علم ہو۔ ہاں ظاہری طور پر سلوک و تسلیک اختیار کرنے کے لئے علم کا ہونا ضروری ہے جو دوسرے سلاسل سے وابستہ ہے، لیکن ہمارے طریقہ میں جو کہ اصحاب کرام علیہم الرضوان کا طریقہ ہے سلوک و تسلیک کا علم کچھ درکار نہیں ہے۔ اگرچہ شیخ مقتدا جو اس طریقہ کے بانی کی طرح ہے علم کے کمال اور معرفت کے نور سے متحقق ہے پس ناچار اس طریقۂ عالیہ میں وصول الی اللہ کے لئے زندے، مُردے، بچے اور بوڑھے، جوان اور کہول (درمیانی عمر والے) سب برابر ہیں جو رابطہ محبت یا صاحب دولت (شیخ کامل) کی توجہ سے اپنے بلند مقاصد پر پہنچتے ہیں۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ (جمعہ ۶۲ آیت ۴) (یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے)

لیکن جاننا چاہئے کہ اگرچہ منتہی صاحبِ علم نہیں ہوتا لیکن خوارقِ ظہور کے بغیر چارہ نہیں۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اس کے ظہور کا اس کو اختیار نہیں ہوتا بلکہ بسا اوقات اس کو اس ظہور کا علم بھی نہیں ہوتا۔ لوگ اس سے خوارق دیکھتے ہیں لیکن اس کو اس کی اطلاع بھی نہیں ہوتی ــــــ ــــــ اور یہ جو کہا گیا ہے کہ "منتہی صاحبِ علم نہیں ہوتا" اس سے مراد احوال کا تفصیلی علم نہ ہونا ہے نہ کہ مطلقاً عدمِ علم، اس حیثیت سے ہے کہ وہ اپنے احوال کو کچھ نہیں سمجھتا، جیسا کہ اوپر اشارہ کیا گیا ہے۔

اور اس کی ہدایت کا یہ نور اس کے مریدوں میں بے واسطہ یا بواسطہ یا بہت سے واسطوں سے اس وقت تک جاری و ساری رہتا ہے جب تک کہ اس کا مخصوص طریقہ مختلف تغیرات اور تبدیلیوں کی آلودگی سے ملوث نہ ہو جائے، اور مخترعات (من گھڑت باتوں) اور مبتدعات (نت نئی بدعتوں) کی وجہ سے خراب نہ ہو جائے۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ (رعد ۱۳ آیت ۱۱) (اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت کو نہیں بدلتا جب تک کہ وہ خود اپنی حالت نہ بدلیں)۔

تعجب ہے کہ ان میں سے ایک گروہ ان تبدیلیوں کو اس طریقے کی تکمیلات گمان کرتے ہیں اور ان الحاقات کو اس نسبت کا تتمہ تصور کرتے ہیں اور نہیں جانتے کہ یہ تتمیم و تکمیل ہر بے سر انجام کا کام نہیں ہے اور الحاق و اختراع ہر بے سروسامان کے لئے سزاوار نہیں ہے ؎

ہزار نکتۂ باریک تر ز مو اینجاست　　نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

(یہاں تو بال سے باریک راز ہیں لاکھوں　　منڈائے سر تو قلندر کوئی نہیں بنتا)

سنتِ سنیہ (روشن و بلند سنتیں) علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کے نور کو بدعتوں کے اندھیروں نے پوشیدہ کر دیا ہے اور ملتِ مصطفویہ علیٰ مصدرہا الصلوۃ والسلام والتحیۃ کی رونق کو امورِ محدثہ (نئے نئے کام) کی گندگیوں نے ضائع کر دیا ہے، پھر اس سے زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ بعض لوگ ان محدثات (دین میں نئی نئی باتیں جاری کرنا) کو امورِ مستحسنہ (نیک کام) جانتے ہیں اور ان بدعتوں کو حسنہ خیال کرتے ہیں اور ان حسنات سے دین کی تکمیل اور ملت کی تتمیم (پورا ہونے) کو تلاش کرتے ہیں اور ان امور کے بجا لانے کی ترغیبیں دیتے ہیں ھَدٰھُمُ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ سَوَاءَ الصِّرَاطِ (اللہ سبحانہٗ ان کو سیدھے راستے کی ہدایت دے) ——— کیا ان لوگوں کو معلوم نہیں کہ دین تو ان محدثات سے پہلے ہی کامل ہو چکا ہے اور نعمتِ خداوندی پوری ہو چکی ہے اور حضرتِ حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی رضامندی اس سے حاصل ہو چکی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا (مائدہ آیت ۳)٭ (آج میں نے دین کو تمہارے لئے کامل کر دیا اور اپنی نعمت کو تم پر پورا کر دیا اور تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کیا)۔ پس ان محدثات (بدعات) سے دین کا کمال طلب کرنا حقیقت میں اس آیۂ کریمہ کے مفہوم سے انکار کرنا ہے۔

اندکے پیش تو گفتم غمِ دل ترسیدم　　کہ دل آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

(غمِ دل مختصر ہی کہتا ہوں　　دکھ نہ پہنچائے میری بات طویل)

علمائے مجتہدین نے دین کے احکام (واضح طور پر) ظاہر فرما دیئے ہیں اور کوئی ایسی چیز ایجاد نہیں کی جو اس (دین) میں نہیں ہے۔ لہٰذا اجتہاد کے احکام امورِ محدثہ میں سے نہیں ہیں بلکہ وہ اصولِ دین میں سے ہیں کیونکہ چوتھی اصل قیاس ہے۔

٭ یہ عبارت در حقیقت ایک سوال کا جواب ہے کہ جب دین مکمل ہو گیا تو پھر احکامِ اجتہاد کی کیا ضرورت ہے کہ وہ بھی امورِ محدثہ میں شامل ہیں؟ جواب میں فرمایا کہ اجتہاد اور قیاس یہ احکام کو ظاہر کرتے ہیں اثبات نہیں کرتے کیونکہ فقہ کے اصولِ اربعہ میں سے چوتھی اصل قیاس ہے۔

اے فرزند! وہ معرفت جو "رسالہ مبدأ و معاد" میں اسی افادہ و استفادہ کے بارے میں
جو قطبِ ارشاد سے متعلق ہے تحریر ہوا ہے چونکہ وہ اس مقام کے ساتھ مناسبت رکھتی ہے اور
بہت سودمند ہے لہٰذا وہ معرفت اس مکتوب میں بھی تحریر کی گئی ہے اُسی جگہ سے معلوم کریں ۔
——— "قطبِ ارشاد" جو فردیت کے کمالات کا بھی جامع ہوتا ہے بہت ہی عزیز الوجود اور
کمیاب ہے اور بہت قرنوں اور بے شمار زمانوں کے بعد اس قسم کا گوہر ظہور میں آتا ہے اور دنیائے
تاریک اس نور کے ظہور سے نورانی ہو جاتی ہے، اور اس کے ارشاد و ہدایت کا نور محیطِ عرش سے
مرکزِ فرش تک تمام عالم کو شامل ہو جاتا ہے اور جس کسی کو رشد و ہدایت اور ایمان و معرفت حاصل
ہوتا ہے اسی کے واسطے سے حاصل ہوتا ہے اور اسی کی ذات سے مستفاد ہوتا ہے اور اس کے توسط
کے بغیر کوئی شخص بھی اس دولت تک رسائی حاصل نہیں کر سکتا ——— مثلاً اس کی ہدایت کا
نور دریائے محیط کی طرح تمام عالم کو گھیرے ہوئے ہے اور گویا وہ دریا منجمد (جما ہوا) ہے، اور اس میں
مطلقاً حرکت نہیں ہے، اور وہ شخص جو اس بزرگ کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اس کے ساتھ اخلاص
رکھتا ہے، یا یہ کہ وہ بزرگ خود کسی طالب کے حال پر متوجہ ہو جائے تو اس توجہ کے دوران طالب کے
دل میں ایک سوراخ کھل جاتا ہے اور اس راستے سے جس قدر توجہ اور اخلاص ہوتا ہے اسی قدر
وہ اس دریا سے سیراب ہوتا جاتا ہے۔ اسی طرح وہ شخص بھی جو ذکرِ الٰہی جل شانہٗ کی طرف متوجہ ہے اور
اور اس عزیز بزرگ کی طرف متوجہ نہیں ہے، اور یہ بے توجہی کسی انکار کی وجہ سے نہیں بلکہ وہ اس
بزرگ کو پہچانتا ہی نہیں تو اسی اندازہ کی فیض رسانی اسے بھی حاصل ہو جاتی ہے لیکن دوسری صورت کی
نسبت پہلی صورت میں افادہ زیادہ بڑھ کر ہے ——— لیکن جو شخص اس بزرگ کا منکر ہو
یا وہ بزرگ اس سے آزردہ خاطر ہے، اگرچہ وہ ذکرِ الٰہی تعالیٰ و تقدس میں مشغول رہے لیکن حقیقی رشد و
ہدایت سے محروم ہی رہتا ہے۔ یہی انکار و آزار اس کے فیض کا مانع ہو جاتا ہے بغیر اس امر کے کہ
وہ بزرگ اس کے عدمِ افادہ کی طرف متوجہ ہو، یا اس کو ضرر پہنچانے کا قصد کرے، کیونکہ ہدایت
کی حقیقت اس کے حق میں مفقود ہے، وہ صرف رشد کی صورت ہے، اور صورتِ بے معنی سے
بہت کم نفع پہنچتا ہے۔ لیکن وہ جماعت جو اس بزرگ کے ساتھ اخلاص و محبت رکھتی ہے اگرچہ
توجہ مذکور اور ذکرِ الٰہی تعالیٰ شانہ سے خالی ہو تو اس کو محض محبت کی وجہ سے رشد و ہدایت کا نور حاصل ہو جاتا ہے۔
اور یہی معرفت اس مکتوب کا آخری حصہ ہے۔

بس کنم خود زیرکاں را ایں بس است | بانگ دو کردم اگر در دہ کس است
(اسقدر کافی ہے دانا کے لئے | کردیا اعلان شاید سن سکو)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اَوَّلًا وَّ اٰخِرًا وَّ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِہٖ دَائِمًا وَّ سَرْمَدًا (اولاً و آخراً تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کے لئے ہیں جو رحمٰن اور رحیم ہے اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی آل پر ہمیشہ اور ابدالآباد تک صلوٰۃ وسلام ہو)۔

مکتوب ۲۶۱

دو صد و شصت و یکم
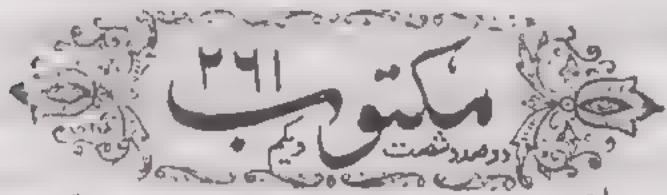
سیادت مآب میر محمد نعمان[1] کی جانب نماز کے فضائل اور اس کے مخصوص کمالات کے بیان میں جو معارف بلند اور حقائق ارجمند کے ضمن میں ہیں صادر فرمایا۔

حمد و صلوٰۃ اور تبلیغ دعوات کے بعد میرے عزیز بھائی ارشدہ اللہ سبحانہ کو معلوم ہو کہ اسلام کے پنجگانہ ارکان میں سے "نماز" رکنِ دوم ہے جو تمام عبادات کی جامع ہے اور ایک ایسا جزو ہے کہ جس نے اپنی جامعیت کی وجہ سے کُل کا حکم پیدا کر لیا ہے اور تمام مقرب اعمال پر سبقت لے گئی ہے اور وہ دولتِ رویت (باری تعالیٰ) جو سرورِ عالمیان علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کو شبِ معراج بہشت میں میسر ہوئی تھی، دنیا میں نزول فرمانے کے بعد اس جہان کے مناسب آپ کو وہ دولت نماز میں میسر ہوتی تھی۔ اسی لئے آنحضرت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے: اَلصَّلٰوۃُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِ[2] (نماز مومن کی معراج ہے) —— اور یہ بھی آپ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے: اَقْرَبُ مَا یَکُوْنُ الْعَبْدُ مِنَ الرَّبِّ فِی الصَّلٰوۃِ[3] (بندے کو اپنے رب کے ساتھ سب سے زیادہ قرب نماز میں ہوتا ہے) —— اور آپ علیہ وعلیہم الصلوات والتحیات کے کامل تابعداروں کو بھی اس جہان میں اس دولت کا بہت سا حصہ نماز میں حاصل ہے، اگرچہ حقیقی رویت میسر نہیں ہے کیونکہ یہ جہان اس کی تاب و طاقت نہیں رکھتا۔ اگر (حق تعالیٰ) نماز کا حکم نہ فرماتا تو مقصود کے چہرے سے نقاب کون اٹھاتا اور طالب کو مطلوب کی طرف کون رہنمائی کرتا ——

---

[1] آپ کے نام ۳۳ مکتوبات ہیں اور دفتر اول مکتوب ۱۱۹ پر آپ کا تذکرہ درج ہے۔
[2] یہ حدیث صوفیہ میں مشہور ہے۔ [3] مسلم ابوداؤد اور نسائی نے تقریباً اسی الفاظ میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کی ہے۔

نمازی ہے جو غمگساروں کے لئے لذت بخش ہے اور نماز ہی ہے جو بیماروں کو راحت دہ ہے: اَرِحْنِیْ یَا بِلَالُ (اے بلالؓ مجھے راحت دے) اس حقیقت کا رمز ہے ـــــ اور قُرَّۃُ عَیْنِیْ فِی الصَّلٰوۃِ (میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے) میں اسی آرزو کی طرف اشارہ ہے ـــــ وہ ذوق و مواجید، علوم و معارف، احوال و مقامات، انوار والوان، تلوینات و تمکینات (بیقراری و اطمینان) تجلیات متکیفہ وغیر متکیفہ (کیفیت والی اور بے کیفیت والی تجلیات) اور ظہوراتِ متلونہ وغیر متلونہ (رنگارنگ و بے رنگ ظہورات) ان میں سے جو کچھ نماز کے علاوہ (اوقات میں) میسر ہوں اور نماز کی حقیقت سے آگاہی کے بغیر ظاہر ہوں ان سب کا منشا ظلال و امثال ہے بلکہ وہم و خیال سے پیدا ہوئے ہیں ـــــ وہ نمازی جو نماز کی حقیقت سے آگاہ ہے نماز کی ادائیگی کے وقت گویا عالمِ دنیا سے باہر نکل جاتا ہے اور عالمِ آخرت میں پہنچ جاتا ہے لہذا وہ اس وقت اس دولت سے جو آخرت کے ساتھ مخصوص ہے حصہ حاصل کر لیتا ہے، اور اصل سے ظلیت کی آمیزش کے بغیر فائدہ اٹھاتا ہے۔ کیونکہ عالمِ دنیا (کا معاملہ) کمالاتِ ظلی تک محدود ہے اور وہ معاملہ جو ظلال سے باہر ہے آخرت کے ساتھ مخصوص ہے ـــــ پس معراج سے چارہ نہ ہوگا اور وہ مومنوں کے حق میں نماز ہے، اور یہ دولت اس امت کے ساتھ مخصوص ہے جو اپنے پیغمبر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کی متابعت کے سبب جو کہ شبِ معراج میں دنیا سے آخرت میں تشریف لے گئے اور بہشت میں پہنچ کر (حق تعالیٰ کی) رویت کی دولت سے مشرف ہوئے (لہذا یہ امت بھی) اس کمال کے ساتھ مشرف اور اس سعادت سے فیضیاب ہوئی۔ اَللّٰھُمَّ اجْزِہٖ عَنَّا مَا ھُوَ اَھْلُہٗ وَ اجْزِہٖ عَنَّا اَفْضَلَ مَا جَزَیْتَ نَبِیًّا عَنْ اُمَّتِہٖ وَاجْزِ الْاَنْبِیَاءَ کُلَّھُمْ جَزَاءً خَیْرًا فَاِنَّھُمْ دُعَاۃُ الْخَلْقِ اِلَی اللّٰہِ سُبْحَانَہٗ وَھُدَاتُھُمْ اِلٰی لِقَاءِ اللّٰہِ تَعَالٰی (یا اللہ! تو ہماری طرف سے ان (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) کو ایسی جزا عطا فرما جو اُن کی شایانِ شان ہے اور ان کو ہماری طرف سے اس سے بھی افضل جزا عطا فرما جو تو نے امت کی طرف سے کسی نبی کو عطا فرمائی ہو اور ہماری طرف سے تمام انبیاء (علیہم السلام) کو جزا عطا فرما کیونکہ وہ سب کے سب مخلوق کو حق تعالیٰ کی طرف دعوت دینے والے اور اس (حق تعالیٰ) کی طرف ہدایت دینے والے ہیں)

اس گروہ میں سے بعض لوگ جن کو نماز کی حقیقت سے آگاہی حاصل نہیں ہوئی اور اس کے مخصوص کمالات پر اطلاع نہیں بخشی گئی انھوں نے اپنے امراض کا علاج دوسرے امور میں تلاش کیا اور اپنی مرادوں کا حاصل دوسری چیزوں پر وابستہ جانا، بلکہ ان میں سے ایک گروہ نے نماز کو بے فائدہ اور دُور از کار سمجھ کر اس (وصول الی اللہ) کی بنیاد (نماز کے علاوہ) اور چیزوں (عبادات) پر رکھی اور روزہ کو نماز سے افضل جانا ——— (مثلاً) صاحب فتوحاتِ مکیہ کہتے ہیں کہ "روزہ میں جو کھانے پینے کا ترک ہے وہ صفتِ صمدیت سے متحقق ہونا ہے اور نماز میں غیر و غیریت کی طرف آنا، عابد و معبود کا جاننا ہے" ——— اس قسم کی باتیں اہلِ سکر کے احوال میں سے ہیں جو مسئلہ "توحیدِ وجودی" پر مبنی ہیں اور ایسی باتیں "حقیقتِ نماز" سے "عدم آگاہی" (بے خبری) کی وجہ سے ہیں، بلکہ اس طائفہ (صوفیہ) کی ایک کثیر جماعت نے اپنے اضطراب و بیقراری کی تسکین کو سماع و نغمہ اور وجد و تواجد میں تلاش کیا اور اپنے مطلوب کو نغمہ کے پردوں میں مطالعہ کیا اور رقص و رقاصی کو اپنا مسلک بنا لیا ہے، حالانکہ انھوں نے سُنا ہوگا: مَا جَعَلَ اللّٰہُ فِی الْحَرَامِ شِفَاءً[1] (اللہ تعالیٰ نے حرام چیز میں شفا نہیں رکھی) ——— ہاں: اَلْغَرِیْقُ یَتَعَلَّقُ بِکُلِّ حَشِیْشٍ وَحُبُّ الشَّیْءِ یُعْمِیْ وَیُصِمُّ (ڈوبنے والا شخص ہر ایک تنکے کا سہارا ڈھونڈتا ہے اور کسی چیز کی محبت اندھا اور بہرہ کر دیتی ہے) ——— اگر نماز کے کمالات کی کچھ بھی حقیقت ان پر منکشف ہو جاتی تو وہ ہرگز سماع و نغمہ کا دم نہ بھرتے اور وجد و تواجد کو یاد نہ کرتے ع

چوں ندیدند حقیقت رہِ افسانہ زدند (جب حقیقت نہ ملی ڈھونڈلی افسانے کی راہ)

اے بھائی! جس قدر فرق نماز و نغمہ میں ہے اسی قدر فرق نماز کے مخصوصہ کمالات اور نغمہ سے پیدا ہونے والے کمالات میں ہے۔ عاقل کو ایک اشارہ ہی کافی ہے۔

یہ وہ کمال ہے جو ہزار سال کے بعد وجود میں آیا ہے، اور آخریت ہے جو اولیت کے رنگ میں ظاہر ہوئی ہے، شاید حضور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات نے اسی وجہ سے فرمایا ہے: اَوَّلُھُمْ خَیْرٌ اَمْ اٰخِرُھُمْ (ان میں سے اول بہتر ہیں یا ان میں سے آخر) ——— اور یہ نہیں فرمایا: اَوَّلُھُمْ خَیْرٌ اَمْ اَوْسَطُھُمْ (ان میں سے اول بہتر ہیں یا درمیان والے) کیونکہ آخر کو اول کے ساتھ زیادہ مناسبت دیکھی

[1] ملا علی قاری نے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں لکھا ہے کہ طبرانی نے سندِ صحیح سے حضرت ام سلمہؓ سے روایت کیا ہے کہ: ان اللہ تعالیٰ لم یجعل شفاء کم فیما حرم علیکم۔

جو تردد کا محل ہے۔ ـــــ اور دوسری حدیث[1] میں آپ علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا "کہ اس امت کے بہترین (لوگ) اول میں ہیں یا آخر میں، اور درمیان میں تیرگی (اندھیرا) ہے۔"

ـــــ ہاں اس امت کے متاخرین میں اگرچہ وہ نسبت بلند ہے مگر قلیل بلکہ اقل (بہت کم) ہے، لیکن اس امت کے وسط میں اگرچہ وہ نسبت بلند نہیں ہے لیکن کثیر ہے بلکہ بہت زیادہ ہے: وَلِکُلٍّ وِّجْهَةٌ کَمِّيَّةً وَّکَيْفِيَّةً (ان میں سے ہر ایک کے لئے کمیت اور کیفیت کے لحاظ سے ایک جہت ہے)۔ لیکن اس نسبت کے اقل (بہت کم) ہونے کی وجہ سے متاخرین کو بلند درجہ پر پہنچا دیا اور سابقین (اولین) کے ساتھ مناسبت دے کر خوشخبری دیدی۔ (جیسا کہ حضور علیہ و علی آلہ الصلوات والتسلیمات نے فرمایا: اَلْاِسْلَامُ بَدَأَ غَرِيبًا وَسَيَعُودُ كَمَا بَدَأَ فَطُوبٰى لِلْغُرَبَاءِ[2] (اسلام کی ابتدا غربت سے ہوئی اور آخر میں پھر ویسا ہی غریب ہو جائے گا لہذا غریبوں کے لئے خوشخبری ہے)۔

ـــــ اور اس امت کے آخری حصہ کا شروع آں سرور علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام کی رحلت فرمانے کے بعد الفِ ثانی (یعنی دوسرے ہزار سال کی ابتدا سے) ہے۔ کیونکہ الف یعنی ہزار سال کے گذرنے کو امور کے تغیر میں عظیم خاصیت ہے اور اشیا کی تبدیلی میں قوی تاثیر ہے۔ اور چونکہ اس امت میں نسخ و تبدیلی نہیں ہے اسی لئے سابقین کی نسبت اسی تر و تازگی کے ساتھ متاخرین میں جلوہ گر ہوئی ہے اور (اس نے) الفِ ثانی میں شریعت کی تائید اور ملت کی تجدید فرمائی ہے۔ اس معنی پر حضرت عیسیٰ علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت مہدی علیہ الرضوان دونوں عادل گواہ ہیں ؎

فیضِ روح القدس ار باز مدد فرماید | دیگراں ہم بکنند آنچہ مسیحا میکرد!

(وحی کا فیض اگر پھر سے میسر آجائے | دوسرے بھی وہ کریں جو کہ مسیحا نے کیا)

اے بھائی! یہ بات آج اکثر لوگوں پر گراں ہے اور ان کی فہم سے بہت دور معلوم ہوتی ہے لیکن اگر انصاف سے کام لیں اور ایک دوسرے کے علوم و معارف کا موازنہ کریں اور ان کے احوال کی صحت و سقم (صحیح اور غلط) کو علومِ شرعیہ کی مطابقت و عدمِ مطابقت سے ملاحظہ کریں اور شریعت و نبوت کی تعظیم و توقیر کو غور سے دیکھیں کہ (دونوں میں سے) کس میں زیادہ تر (مطابقت) ہے تو ممکن ہے کہ یہ بات

---

[1] قال صلی اللہ علیہ وسلم خیر امتی اولہا و آخرہا و فی وسطہا الکدر فی نوادر الاصول الحکیم لترمذی عن ابی الدرداء قالہ المعرب

[2] مسلم و ابن ماجہ بروایت ابو ہریرہ اور طبرانی بروایت سلمان فارسی اور امام احمد و ترمذی اور رافعی اور خطیب اور ابن عساکر وغیرہ رحمہم اللہ تعالیٰ۔

ان کو فہم سے دُور معلوم نہ ہو۔

آپ نے دیکھا ہو گا کہ فقیر نے اپنی کتابوں و رسالوں میں لکھا ہے کہ "طریقت و حقیقت دونوں شریعت کے خادم ہیں" اور "نبوت ولایت سے افضل ہے" اگرچہ اسی نبی کی ولایت ہو ــــــ اور یہ بھی لکھا ہے کہ "کمالاتِ ولایت کو کمالاتِ نبوت کے ساتھ کچھ نسبت نہیں ہے" کاش کہ ان کے درمیان دریائے محیط کے مقابلہ میں قطرہ کی نسبت ہوتی ــــــ اس قسم کی بہت سی باتیں اس مکتوب[1] میں جو طریقے کے بیان میں اپنے فرزند کی طرف لکھا ہے (اس میں) خاص طور پر لکھی گئی ہیں وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

اس گفتگو سے مقصود حق سبحانہ وتعالیٰ کی نعمت کا اظہار ہے تاکہ اس طریقے کے طالبوں کے لئے ترغیب کا باعث ہو، نہ یہ کہ دوسروں پر اپنی فضیلت (کا اظہار) کیونکہ "خدائے جل وعلا کی معرفت اس شخص پر حرام ہے جو اپنے آپ کو کافرِ فرنگ سے بہتر جانے" تو پھر اس شخص کا کیا حال ہو جو اپنے آپ کو اکابرِ دین سے بہتر جانے۔ ابیات

ولے چوں شہ مرا برداشت از خاک	سزد گر بگذرانم سر ز افلاک
من آں خاکم کہ ابرِ نوبہاری	کند از لطف بر من قطرہ باری
اگر بر روید از تن صد زبانم	چو سوسن شکر لطفش کے توانم
(زمیں سے شاہ نے مجھ کو اُٹھایا	بجا ہے گر اُٹھاؤں سر کو اونچا
وہ مٹی ہوں کہ گر ابرِ بہاری	کرے مجھ پر کرم سے قطرہ باری
اگر ہوں مثلِ سوسن سَو زبانیں	خدا کا شکر ہم کیا کر سکیں پائیں

اس مکتوب کے مطالعہ کے بعد اگر آپ کو نماز کے سیکھنے کا شوق اور اس کے بعض مخصوص کمالات حاصل کرنے کا خیال پیدا ہو اور وہ (شوق) آپ کو بے آرام کر دے تو استخاروں کے بعد اس طرف متوجہ ہوں اور عمر کا کچھ حصہ نماز سیکھنے میں گذاریں ــــــ وَاللّٰہُ سُبْحَانَہُ الْهَادِیْ اِلٰی سَبِیْلِ الرَّشَادِ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهِ الصَّلَوٰتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ اَتَمُّهَا وَاَکْمَلُهَا (اللہ تعالیٰ ہی سیدھے راستے کی طرف ہدایت دینے والا ہے اور سلام ہو اس پر جس نے ہدایت کی پیروی کی اور حضرت محمد مصطفےٰ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات اتمہا واکملہا کی متابعت کو اپنے اوپر لازم جانا)

---

[1] مکتوب ۲۶۰ دفترِ اول مخدوم زادہ کلاں خواجہ محمد صادقؒ کے نام صادر فرمایا۔

مکتوب ۲۶۲ (دو صد و شصت و دوم)

مولانا محب علی[1] کی طرف صادر فرمایا ——— اس بیان میں کہ ہمارا تعلق حُبّی ہے اور ہماری نسبت انعکاسی، جو قُرب و بُعد میں کچھ فرق نہیں رکھتی، اور اس کے مناسب بیان میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (تمام تعریف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے اور برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) ——— صحیفہ شریفہ جو آپ نے مہربانی فرما کر تحریر کیا تھا موصول ہو کر خوشی کا باعث ہوا۔ چونکہ وہ فرطِ محبت اور کمالِ اختصاص سے لبریز تھا اس لئے بہت زیدہ خوشی حاصل ہوئی۔ آپ نے سابقہ وعدہ کے پورا کرنے کے لئے لکھا تھا۔

میرے مخدوم! شرعی طریقوں میں سے جس وضع پر آپ چاہیں رہیں، کوئی مضائقہ نہیں بشرطیکہ یہ رشتۂ محبت نہ ٹوٹے، بلکہ روز بروز مضبوط ہوتا جائے، اور یہ شعلۂ اشتیاق و محبت سرد نہ پڑنے پائے بلکہ لحظہ بلحظہ اس میں زیادتی اور تیزی ہوتی رہے، کیونکہ ہمارا تعلق حُبّی (محبت پر) ہے اور ہماری نسبت انعکاسی اور انصباغی (دوسرے کا اثر و عکس قبول کرنا اور رنگ میں رنگ جانا) ہے اس لئے جلد یا بدیر اور طریق کی بعض خصوصیات کا علم نہ ہونے کے باعث قرب و بعد میں کچھ فرق نہیں رکھتی۔ اس معنی کی تحقیق اس مکتوب کے خاتمہ سے جو فرزندی[2] ارشدی کے نام اس طریقہ کے بیان میں لکھا ہے معلوم کریں ——— اس مکتوب کی نقل برادرم سیادت پناہ میر محمد نعمان کے دوست لے گئے ہیں وہاں سے منگوائیں۔ کلام کو زیادہ طول کیا دیا جائے۔ والسلام

---

[1] آپ کے نام صرف یہی ایک مکتوب ہے۔ مولانا محب علی بن صدر الدین ٹھٹھی سندھی فقیہ و شاعر تھے، آپ کے دادا علی سلطان بابر کے ساتھ ہندوستان آئے اور شہید ہو گئے۔ والد ماجد نے ہمایوں کے ہمراہ بلادِ ہند کا سفر کیا اور ٹھٹھہ میں سکونت اختیار کر لی چنانچہ آپ کی ولادت ٹھٹھہ میں ہوئی۔ والد ماجد کا سایہ بچپن ہی میں اٹھ گیا، آپ نے بڑی محنت سے علم حاصل کیا۔ جب عبد الرحیم خان خاناں نے سندھ فتح کیا تو آپ ان کے ہمراہ آگرہ چلے گئے پھر برہان پور چلے گئے اور شیخ محمد بن فضل اللہ برہانپوری سے طریقت کی تکمیل کی، بعد ازاں حرمین شریفین چلے گئے۔ حج کر کے واپس برہان پور پہنچے تو شاہجہاں بادشاہ اپنے ساتھ دہلی لے آئے اور بقیہ زندگی شاہجہاں کی مصاحبت میں گزاری ۱۰۴۰ھ کے بعد انتقال ہوا۔ (نزہۃ الخواطر ج ۵ ص ۳۲۲)

[2] مخدوم زادۂ کلاں خواجہ محمد صادق کے نام دفتر اول مکتوب ۲۶۰۔

جناب معارف آگاہ میاں شیخ تاج[1] کی طرف صادر فرمایا ـــــ ان معارف کے بیان میں جو نعبۂ ربانی سے تعلق رکھتے ہیں اور تمامہ کے فضائل اور اس کے مناسب بیان میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) ـــــ آپ کے قدومِ مسرت لزوم (تشریف آوری) کی خوشخبری سن کر مشتاق دوستوں کو بہت زیادہ خوشی حاصل ہوئی، اس پر اللہ سبحانہٗ کی حمد اور احسان ہے ؎

انصاف بدہ اے فلک مینا فام | تا زین دو کدام خوب تر کرد خرام
خورشید جہانتاب نواز جانبِ مشرق | یا ماہِ جہاں گردِ من از جانبِ شام

(اے فلک انصاف کر بہر خدا | کون ان دونوں میں بہتر ہے بتا
تیرا سورج ہے جو مشرق سے اُٹھے؟ | یا وہ چندا آئے جو بشک شام سے؟)

جب آپ نے (حرمین شریفین سے ہندوستان میں) قدم رنجہ فرمایا ہے (تشریف لے آئے ہیں) تو جلد تشریف لائیں، کیونکہ ہم آپ کی آمد کے مشتاق و منتظر ہیں اور بیت اللہ شریف کی خبریں سننے کی آرزو رکھتے ہیں۔

---

[1] آپ کے نام صرف یہی ایک مکتوب ہے۔ شیخ تاج الدین بن زکریا بن سلطان عثمانی نقشبندی حنفی، سنبھل ضلع مراد آباد میں پیدا ہوئے وہیں تحصیلِ علوم کیا۔ اس کے بعد حضرت خواجہ اللہ بخش گڑھ مکتیسر (ضلع میرٹھ) سے بیعت ہو کر خلافت پائی۔ حضرت شیخ کی وفات کے بعد حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ سے بیعت کی اور چند دن میں سلوک نقشبندیہ کی تکمیل کر کے صاحبِ اجازت ہو گئے اور مستقل طور پر حضرت خواجہؒ کی خدمت میں رہے۔ حضرت خواجہؒ کی رحلت کا آپ کو شدید صدمہ ہوا بعد ازاں آپ نے سیاحت اختیار کی اور ۱۰۲۲ھ میں بصرہ پہنچے تو وہاں بہت مقبولیت حاصل ہوئی۔ پھر مکہ مکرمہ میں سکونت اختیار کی وہاں بہت مخلوق آپ سے فیضیاب ہوئی حتیٰ کہ علماء و مشائخ نے بھی آپ سے طریقہ اخذ کیا۔ آپ نے چند رسائل بھی تصنیف فرمائے۔ نناوے سال کی عمر میں عصر و مغرب کے درمیان بروز بدھ ۱۸ جمادی الاخری ۱۰۵۰ھ کو وفات پائی اور مکہ کے پہاڑ قیقعان کے دامن میں دفن ہوئے۔ (زبدۃ المقامات ص ۷۰ تا ۷۷ ونزہۃ الخواطر ج ۵ ص ۹۹) آپ کے مفصل حالات میں ایک مستقل کتاب بزبانِ عربی بانکی پور لائبریری (ہندوستان) میں موجود ہے (رود کوثر ص ۲۲۱) ـــــ اس مکتوب سے واضح ہوتا ہے کہ حج کی سعادت کے بعد آپ ہندوستان تشریف لائے اور دوبارہ حرمین شریفین تشریف لے گئے (مرتب)

فقیر کے نزدیک جس طرح کعبۂ ربانی کی ظاہری صورت مخلوق کی صورتوں کے لئے خواہ وہ بشر ہوں یا ملک، مسجود بہا ہے، اسی طرح اس (کعبہ شریف) کی حقیقت بھی تمام مخلوقات کے لئے مسجود الیہا ہے ———— پس لازمی طور پر وہ حقیقت (کعبۂ ربانی) تمام حقائق پر فوقیت رکھتی ہے اور اس (حقیقتِ کعبہ) کے متعلقہ کمالات تمام حقائق کے متعلقہ کمالات سے فائق تر ہیں۔ گویا حقیقتِ کعبہ "حقائقِ کونی" اور "حقائقِ الٰہی جل سلطانہ" کے درمیان ایک برزخ (متوسط) راہ ہے۔ اور "حقائقِ الٰہی" سے مراد عظمت و کبریائی کے پردے ہیں، کیونکہ کوئی رنگ و کیف اس (تعالیٰ شانہ) کے "دامانِ قدس" تک نہیں پہنچتا، اور کوئی ظلیت اس تک راہ نہیں پاتی ————
دنیاوی عروجات اور اس کے ظہورات کی نہایت "حقائقِ کونی" کی انتہا تک ہے۔ "حقائقِ الٰہی جل شانہ" سے کوئی حصہ حاصل ہونا آخرت کے ساتھ مخصوص ہے، مگر نماز میں جو کہ "مومن کی معراج" ہے اور اس معراج یعنی نماز میں گویا (وقتی طور پر) دنیا سے آخرت کی طرف جانا ہوتا ہے وہ حظ (لذت) جو آخرت میں نصیب ہوگا اس کا کچھ حصہ (نماز میں) میسر ہو جاتا ہے ———— میں خیال کرتا ہوں کہ اس دولت کے حاصل ہونے کا عمدہ ذریعہ نمازی کا نماز میں جہتِ کعبہ کی طرف متوجہ ہونے پر منحصر ہے کیونکہ جہتِ کعبہ "حقائقِ الٰہی تعالیٰ و تقدس" کے ظہورات کا مقام ہے۔ لہٰذا "کعبہ" دنیا میں ایک "عجوبۂ روزگار" ہے جو بظاہر دنیا سے ہے لیکن حقیقت میں آخرت سے متعلق ہے۔ اور نماز نے بھی اس (کعبۂ معظمہ) کے توسط سے یہ نسبت پیدا کر لی ہے اور صورت و حقیقت میں دنیا اور آخرت کی جامع ہو گئی ہے ———— اور یہ بات متحقق ہو گئی ہے کہ وہ حالت (کیفیت) جو نماز کی ادائیگی میں میسر ہوتی ہے وہ ان تمام حالات سے بلند و بالا ہے جو نماز کے علاوہ حاصل ہوتے ہیں کیونکہ وہ (بیرونِ نماز والے) حالات "دائرۂ ظل" سے باہر نہیں نکلتے خواہ وہ کتنے ہی بلند ہوں، اور یہ حالتِ (نماز) اصل سے حصہ رکھتی ہے۔ اور جس قدر فرق ظل اور اصل کے درمیان ہے اسی قدر فرق بیرونِ نماز والی حالت اور اندرونِ نماز والی حالت کے درمیان جاننا چاہئے ————
———— (یہ فقیر) مشاہدہ کرتا ہے کہ جو حالت اللہ سبحانہ کی عنایت سے موت کے وقت ظاہر ہوگی وہ نماز کی حالت سے بھی بلند ہوگی، کیونکہ موت، احوالِ آخرت کے مقدمات میں سے ہے اور جو چیز آخرت سے قریب ہے وہ اتم و اکمل ہے کیونکہ یہاں (دنیا میں) "ظہورِ صورت" ہے (یعنی

ظاہری کیفیت ہے) ور وہاں (آخرت میں) ظہورِ حقیقت، ان دونوں میں بہت بڑا فرق ہے
اور ایسے ہی وہ حالت جو (الٰہی جل سلطانہ، کے کرم سے "برزخِ صغریٰ" (قبر) میں میسر ہوگی
وہ اس حالت سے بڑھ کر ہوگی جو موت کے وقت ہوتی ہے۔ اور یہی نسبت "برزخِ کبریٰ" کو جو کہ روزِ
قیامت ہے "برزخِ صغریٰ" سے ہے کیونکہ وہاں "برزخِ کبریٰ" کا مشہود اتم و اکمل ہے اور جنات النعیم کا
مشہود برزخِ کبریٰ کے مشہود کی نسبت زیادہ اتمیت و اکملیت رکھتا ہے اور اس کو ان تمام مقامات پر
فوقیت حاصل ہے جس کے متعلق مخبرِ صادق علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات نے خبر دی ہے اور فرمایا ہے[1]
اِنَّ لِلّٰہِ جَنَّۃً لَیْسَ فِیْھَا حُوْرٌ وَّلَا قُصُوْرٌ یَتَجَلّٰی فِیْھَا رَبُّنَا ضَاحِکًا (بیشک اللہ تعالیٰ
کی ایک جنت ہے جس میں نہ حور ہے نہ قصور (محلات) اس میں اللہ تعالیٰ ہنستے ہوئے تجلی فرمائے گا) ——
—— لہٰذا تمام ظہورات میں سے ادنیٰ ظہور دنیا اور اس کا مافیہا ہے اور ان ظہورات میں سے
اعلیٰ مقام جنت ہے، بلکہ دنیا ہرگز ظہور کا مقام نہیں ہے وہ تو ظلال کے ظہورات اور مثال کی
نمائش ہے جو دنیا کے ساتھ مخصوص ہے۔ فقیر کے نزدیک امورِ دنیاوی میں شمار ہیں۔ اور حقیقت
میں وہ ظہورات، خواہ تجلیاتِ صفات ہوں یا تجلیاتِ ذات، سب دائرۂ امکان میں داخل ہیں:
تَعَالَی اللّٰہُ عَمَّا یَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا کَبِیْرًا (اللہ تعالیٰ اس بات سے جو لوگ کہتے ہیں بلند و بالا ہے) ——
—— فقیر پورے طور پر جب دنیا کو ملاحظہ کرتا ہے تو اس کو محض خالی پاتا ہے، اور اس کے
دماغ میں مطلوب کی کچھ بھی خوشبو نہیں پہنچی ——
حاصل کلام یہ ہے کہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔ اس جگہ مطلوب کو تلاش کرنا
اپنے آپ کو پریشان کرنا یا غیر مطلوب کو مطلوب جاننے (کی غلطی کرنا ہے) چنانچہ اکثر لوگ
اس میں گرفتار ہیں اور اپنے خواب و خیال میں محوِ آرام ہیں۔ اس مقام میں صرف نماز ہی ہے
جو وصل کی خبر دیتی ہے اور مطلوب کی خوشبو سنگھاتی ہے۔ وَدُوْنَہٗ خَرْطُ الْقَتَادِ (اس کے
علاوہ بے فائدہ رنج اٹھانا ہے)۔

---

[1] مولانا نور احمد امرتسریؒ حاشیہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ مجھے اس حدیث کی کوئی اصل نہیں ملی لیکن کتبِ صوفیہ میں یہ
حدیث مشہور ہے اور شیخ شرف الدین یحییٰ منیریؒ کے مکتوبات میں بھی موجود ہے تشیید المبانی میں بھی ہے۔
اس کے بعد محشیؒ نے مشکوٰۃ کے "باب صفۃ الجنۃ واہلہا" سے حضرت انسؓ اور حضرت ابوہریرہؓ کی دو حدیثیں
نقل کی ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ جنت میں ایک بازار ہے جس میں جنتی ہر جمعہ کو جایا کریں گے وہاں ایک ہوا چلے گی
جس سے ان کے حسن و جمال میں اضافہ ہوگا اور وہاں وہ اللہ تعالیٰ کے دیدار سے مشرف ہوا کریں گے۔ پھر وہاں سے وہ اپنے
اپنے گھروں کو واپس جائیں گے جہاں ان کی ازواج ہوں گی۔" ان احادیث سے مذکورہ حدیث کی تائید ہوتی ہے۔ واللہ اعلم

میر سید باقر سارنگپوری[1] کی طرف صادر فرمایا ــــــ اس بیان میں کہ اپنے معاملہ کو حیرت اور جہالت پر محمول کرنا چاہیئے اور احوال و کشوف پر اعتماد نہیں کرنا چاہیئے اور اس کے ضمن میں اس واقعہ کا ذکر اور تعبیر فرمائی جس کا اظہار اس علاقہ کے بعض مشائخ میں سے کسی نے کیا تھا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) ــــــ صحیفہ شریفہ جو فرطِ محبت اور کمال اشتیاق سے آپ نے تحریر فرمایا تھا موصول ہو کر بہت زیادہ خوشی کا باعث ہوا ــــــ آپ اپنے کام کی طرف متوجہ رہیں اور اسماء و صفات کے ملاحظہ کے بغیر اسمِ ذات تعالیٰ و تقدس کے ذکر میں مشغول رہیں تاکہ معاملہ جہالت تک پہنچ جائے اور کام حیرت کے ساتھ انجام پذیر ہو۔ کیونکہ اسماء و صفات کا ملاحظہ بسا اوقات احوال کے ظہور کا باعث ہوتا ہے اور مواجید کے صادر ہونے کا واسطہ بن جاتا ہے۔ آپ نے سنا ہوگا کہ احوال و مواجید میں خطا کا بہت زیادہ احتمال ہے اور اس مقام میں حق کے ساتھ باطل کا اشتباہ بہت زیادہ ہے۔

آپ غور فرمائیں کہ ان دنوں گرد و نواح کے مشائخ میں سے ایک شیخ نے فقیر کے پاس پیغام بھیجا اور (اس طرح) اپنے احوال کا اظہار کیا کہ "مجھے فنا و محویت اس درجہ حاصل ہو گئی ہے کہ جس چیز پر نظر پڑتی ہے کچھ نہیں معلوم ہوتا (کہ کیا ہے)، زمین و آسمان کو دیکھتا ہوں تو کچھ نہیں پاتا حتیٰ کہ عرش و کرسی کو بھی نہیں پاتا، اور جب خود کو ملاحظہ کرتا ہوں تو اپنے آپ کو بھی نہیں پاتا، اور اگر کسی کے پاس جاتا ہوں تو اس کو بھی نہیں پاتا۔ اور خدائے عز و جل و علا بے نہایت ہے اس کی نہایت کو کسی نے نہیں پایا، مشائخ نے اسی کو کمال سمجھ لیا ہے اگر تو بھی اسی کو کمال سمجھتا ہے تو پھر میں طلبِ حق جل و علا کے لئے تیرے پاس کیوں آؤں، اور اگر کسی اور بات میں کمال سمجھتا ہے تو تحریر کر۔"

---

[1] بعض نسخوں میں سہارنپوری درج ہے۔ آپ کے نام صرف یہی ایک مکتوب ہے۔ آپ حضرت مجددؒ کے قدیم الخدمت احباب میں سے ہیں آخری عمر میں خلافت پائی (روضۃ القیومیہ رکن اول ص ۳۳۹)

فقیر نے اس کے جواب میں لکھا کہ یہ احوال قلب کی تلوینات (قلبی کیفیات کا تغیر و تبدل) میں سے ہیں، اور قلب اس راہ کا زینۂ اول ہے۔ اور صاحب احوال نے ابھی مقام قلب کا ایک چوتھائی حصہ طے کیا ہے اور قلب کے باقی تین حصے اور طے کرنے چاہئیں، اس کے بعد دوسرے زینہ پر چڑھنا چاہئے جس سے مراد روح ہے۔ پھر جہاں تک اللہ تعالیٰ چاہے عروج حاصل ہو ——— اس ماجرے کے کچھ مدت بعد فقیر کے دوستوں میں سے ایک دوست نے جو اس طریقہ کو اخذ کر کے اپنے وطن گیا ہوا تھا، جب واپس آ کر اپنا حال بیان کیا تو معلوم ہوا کہ اس کا حال بالکل اس شیخ کے موافق ہے جس نے سوال کیا تھا بلکہ یہ دوست اس مقام میں اس (شیخ) سے بھی آگے قدم رکھتا ہے اور جب اس کے حال میں غور کیا گیا تو ظاہر ہوا کہ اس کی یہ فنا و محویت عنصر ہوا میں ہے جو ذرات میں سے ہر ذرہ کو محیط ہے اور ہوا کے علاوہ کوئی امر مشہود نہیں ہوا۔ اسی کو اس نے خدائے بے نہایت جان لیا ہے۔ تَعَالَى اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ عَنْ ذٰلِكَ عُلُوًّا كَبِيْرًا (اللہ تعالیٰ سبحانہٗ اس سے بہت بلند و بالا ہے) ——— دوسری مرتبہ اس دوست کو طلب کر کے جب اس کے احوال کی تفتیش کی توفیق ہو گیا کہ اس کی گرفتاری کا سبب عنصر ہوا کے علاوہ کچھ نہیں اور اس کو بھی اس (باطنی کیفیت) سے مطلع کر دیا اور جب اس نے بھی اپنے وجدان کی طرف رجوع کیا تو اس کو معلوم ہو گیا کہ اس کو ہوا کے علاوہ کوئی چیز حاصل نہیں ہے اور اس نے ان احوال سے استغفار کر کے قدم آگے بڑھایا۔

جاننا چاہئے کہ عالم خلق جو عناصر اربعہ کا عالم ہے اور عالم ارواح کے درمیان قلب برزخ کے مانند ہے اور وہ دونوں عالم کا رنگ رکھتا ہے۔ گویا قلب کا نصف حصہ عالم خلق سے متعلق ہے اور دوسرا نصف حصہ عالم روح سے۔ اور وہ دوسرا حصہ جس کو ہم نے عالم خلق سے منصف کیا ہے اگر اس (نصف حصہ کو) بھی نصف کریں تو معاملہ عنصر ہوا کا ہو جائے گا۔ پس قلب کے چوتھے حصے سے مراد مقام ہوا ہے جو قلب کے ضمن میں ہے۔ لہٰذا جو کچھ کہ آخر میں ظاہر ہوا وہ جواب اول کے موافق ہے۔ اور اس کی حقیقت کے کشف کا بیان ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدٰىنَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ (تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے جس نے ہم کو اس کی ہدایت دی اور ہم ہرگز ہدایت نہ پاتے اگر وہ ہم کو ہدایت نہ دیتا۔ بیشک ہمارے رب کے رسول حق بات لائے ہیں)۔ (اعراف آیت ۴۳)

اس سے زیادہ (لکھنے کے لئے) وقت میں گنجائش نہیں: وَالسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَعَلٰی سَائِرِ مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ مِنَ الصَّلَوَاتِ اَفْضَلُهَا وَمِنَ التَّسْلِیْمَاتِ اَکْمَلُهَا اور سلام ہو آپ پر اور ان سب پر جنھوں نے ہدایت کی پیروی کی اور حضرت محمد مصطفٰی علیہ وعلی آلہ من الصلوات افضلہا ومن التسلیمات اکملہا کی متابعت کو اپنے اوپر لازم جانا۔

مکتوب ۲۶۵

(فارسی درعربی) دو صد و شصت و پنجم

شیخ عبدالہادی بدایونی کی طرف صادر فرمایا ــــــ اس بیان میں کہ عزلت اختیار کرنے میں مسلمانوں کے حقوق ضائع نہ ہونے چاہئیں، حقوق اور اس کے مناسب بیان میں۔

حمد و صلوٰۃ اور تبلیغ دعوات کے بعد واضح ہو کہ میرے سعادتمند بھائی کا مکتوب مرغوب موصول ہو کر بہت زیادہ خوشی کا باعث ہوا ــــــ اللہ تعالیٰ کا شکر اور احسان ہے کہ مفارقت وجدائی کے عرصہ دراز نے محبت و اخلاص اور مودت و اختصاص میں کوئی تاثیر نہیں کی، اس کے باوجود اگر آپ یہاں تشریف لے آتے تو زیادہ مناسب تھا: اَلْخَیْرُ فِیْمَا صَنَعَ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ (اور بہتری اسی میں ہے جو اللہ تعالیٰ کرے)۔

آپ نے گوشہ نشینی اختیار کرنے کی آرزو کی تھی، ہاں بیشک گوشہ نشینی صدیقین کی آرزو ہے آپ کو مبارک ہو۔ آپ گوشہ نشینی اختیار کریں اور اس طرح یکسو ہوں کہ مسلمانوں کے حقوق کی رعایت ہاتھ سے نہ جانے دیں ــــــ آنحضرت علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: حَقُّ الْمُسْلِمِ عَلَی الْمُسْلِمِ خَمْسٌ رَدُّ السَّلَامِ وَعِیَادَةُ الْمَرِیْضِ وَاتِّبَاعُ الْجَنَائِزِ وَاِجَابَةُ الدَّعْوَةِ وَتَشْمِیْتُ الْعَاطِسِ[2] (مسلمان کے مسلمان پر پانچ حق ہیں (۱) سلام کا جواب دینا (۲) مریض کی عیادت کرنا۔ (۳) جنازہ کے ساتھ چلنا۔ (۴) دعوت کا قبول کرنا۔ (۵) اور چھینک کا جواب دینا۔) ــــــ لیکن

---

[1] آپ کے نام صرف یہی ایک مکتوب ہے آپ بڑے عالم و فاضل اور مشہور مشائخ میں سے تھے۔ آپ نے پہلے حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ سے بیعت کی بعد از اں عرصہ دراز تک حضرت مجدد الف ثانیؒ کی خدمت میں گزارے اور اجازت تعلیم و طریقت سے مشرف ہوئے ۹ شعبان ۱۰۲۱ھ کو انتقال ہوا اور خرم شاہ کے تکیہ بدایوں میں آپ کا مزار ہے۔

[2] بخاری و مسلم۔

دعوت قبول کرنے میں چند شرطیں ہیں: ــــــ "احیاء العلوم"[1] میں لکھا ہے کہ "اگر طعام مشتبہ ہو، یا دعوت کا مکان اور وہاں کا فرش حلال نہ ہو، یا وہاں ریشمی فرش اور چاندی کے برتن ہوں یا چھت یا دیوار پر جانداروں کی تصویریں ہوں، یا باجے یا سماع کی کوئی چیز موجود ہو، یا کسی قسم کا لہو و لعب کا شغل ہو یا غیبت و بہتان (چغلی) اور جھوٹ وغیرہ سننا پڑے تو ان سب صورتوں میں دعوت کا قبول کرنا منع ہے، اور یہ سب امور اس دعوت کی حرمت اور کراہت کا موجب ہیں۔ اور اسی طرح اگر دعوت کرنے والا ظالم یا فاسق یا مبتدع (بدعتی) یا شریر یا تکلف کرنے والا اور فخر و مباہات کا طالب ہے تب بھی یہی حکم ہے" ــــــ اور "شرعۃ الاسلام"[2] میں ہے کہ "ایسے طعام کی دعوت قبول نہ کریں جو ریا و سمعہ کے لئے تیار کیا گیا ہو" ــــــ اور محیط[3] میں ہے کہ جس دسترخوان پر لہو و لعب یا سرود کا سامان ہو، یا وہاں لوگ غیبت کرتے ہوں، یا شراب پیتے ہوں وہاں بیٹھنا نہیں چاہیے۔ ــــــ اگر یہ سب موانع موجود نہ ہوں تو دعوت قبول کرنے سے چارہ نہیں ہے، لیکن اس زمانے میں ان موانع کا مفقود ہونا دشوار ہے ــــــ اور نیز جان لیں کہ ع

عُزلت از اغیار باید نے زیار (غیر سے دوری نہ ہر گز یار سے)

کیونکہ ہمرازوں کے ساتھ صحبت رکھنا اس طریقۂ عالیہ کی سنتِ مؤکدہ ہے ــــــ حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہٗ نے فرمایا ہے کہ "ہمارا طریق صحبت ہے کیونکہ خلوت میں شہرت ہے اور شہرت میں آفت" ــــــ اور صحبت سے ان کی مراد طریقت سے موافقت کرنے والوں کی صحبت ہے نہ کہ مخالفین طریقت کی صحبت، کیونکہ ایک کا دوسرے میں فانی ہونا صحبت کی شرط ہے جو موافقت کے بغیر میسر نہیں ہوتا۔ ــــــ اور مریض کی عیادت سنّت ہے جبکہ اس بیمار کا کوئی خبر گیر ہو اور اس کی تیمار داری کرتا ہو، ورنہ اس بیمار کی عیادت (بیمار پرسی) واجب ہے جیسا کہ مشکوٰۃ[4] کے حاشیہ میں کہا ہے ــــــ اور نمازِ جنازہ میں حاضر ہونے کے لئے کم از کم چند قدم جنازے کے پیچھے چلنا چاہیئے تاکہ میت کا حق ادا ہو جائے۔ ــــــ اور جمعہ و جماعت اور نمازِ پنجگانہ و نماز عیدین میں حاضر ہونا ضروریاتِ اسلام میں سے ہے کہ جن سے چارہ نہیں ہے اور باقی وقتوں کو تبتل و انقطاع (تنہائی و گوشہ نشینی) میں گذاریں لیکن پہلے

---

[1] یہ حجۃ الاسلام امام غزالیؒ کی تصنیف ہے ــــــ [2] امام محمد بن ابوبکر معروف بہ امام زادہؒ حنفی متوفی ۵۷۳ھ کی تصنیف ہے ــــــ [3] امام رضی الدین محمد بن محمد سرخسی کی تصنیف ہے۔
[4] قال فی المرقاۃ و عیادۃ المریض فسنۃ اذا کان لہ متعہد و الا فواجب۔

نیت کی تصحیح کر لینی چاہئے اور گوشہ نشینی کو دنیا کی کسی غرض سے آلودہ نہ کریں، اور ذکرِ الٰہی جل سلطانہ کے ساتھ باطنی جمعیت کے حاصل ہونے اور بے فائدہ و بے کار اشغال سے منھ موڑنے کے سوا (گوشہ نشینی سے) اور کچھ مقصود نہ ہو ـــــ اور تصحیحِ نیت میں بڑی احتیاط کریں ایسا نہ ہو کہ اس کے ضمن میں کوئی نفسانی غرض پوشیدہ ہو، اور نیت کے درست کرنے میں (اللہ تعالیٰ کے حضور میں) التجا و تضرع بہت زیادہ کریں اور عاجزی و انکساری اختیار کریں تاکہ "حقیقتِ نیت" میسر ہو جائے۔ سات استخارے ادا کریں تاکہ تصحیحِ نیت کے ساتھ گوشہ نشینی اختیار کر سکیں امید ہے کہ اس پر بڑے بڑے فائدے مترتب ہوں گے۔ باقی حالات کو ملاقات پر موقوف رکھا ہے۔ والسلام

مکتوب ۲۶۶

دو صد و شصت و ششم
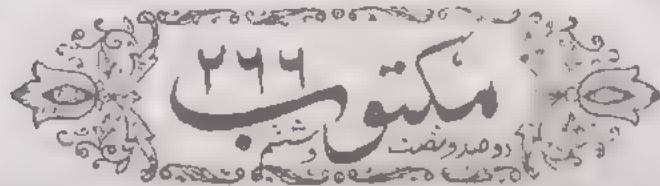
حضرات پیرزادگان خواجہ عبداللہ و خواجہ عبید اللہ[1] کی طرف صادر فرمایا ـــــ بعض عقائد کلامیہ کے بیان میں جو اہلِ سنت و جماعت شکر اللہ تعالیٰ سعیہم کی آراء کے موافق اور جو آپ کو الہام اور فراست کی بنا پر حاصل ہوئے نہ کہ تقلید و تخمین (گمان) کے مطابق۔ ابتدائے احوال میں حضرت پیغمبر علیہ و علیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کی خواب میں زیارت ہوئی اور آپ نے فرمایا کہ "تم علمِ کلام کے مجتہدوں میں سے ہو" اور اس واقعہ کو آپ نے حضرت خواجہ (باقی باللہؒ) کی خدمت میں عرض کیا تھا اسی روز سے حضرت والا (مجدد الف ثانیؒ) کی مسائلِ کلامیہ کے ہر مسئلہ میں علیحدہ رائے اور

---

[1] آپ کے نام سات مکتوبات ہیں دفتر اول میں صرف یہی ایک مکتوب ہے جو دونوں بھائیوں کے نام ہے اور عقائد کے بیان میں بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ نے "مالابد منہ" میں اس مکتوب سے اقتباسات لئے ہیں اور شاہ غلام علی دہلویؒ فرماتے ہیں کہ "یہ مکتوب علمِ عقائد میں فائدہ کثیر رکھتا ہے"۔ بقیہ چھ مکتوبات یہ ہیں دفتر دوم مکتوب ۲۳۔ ۳۵۔ ۵۹۔ دفتر سوم مکتوب ۵۶۔ ۶۰۔ ۷۱۔ آپ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کے چھوٹے صاحبزادے ہیں ۹ رجب ۱۰۱۰ھ کو اپنے بھائی خواجہ عبید اللہ سے جو خواجہ باقی باللہؒ کی دوسری زوجہ سے تھے چار ماہ بعد پیدا ہوئے۔ حضرت مجدد صاحبؒ جب حضرت خواجہ صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو خواجہؒ صاحب دونوں شیر خوار صاحبزادوں کو حضرت مجدد صاحبؒ کی خدمت میں لائے اور فرمایا کہ ان پر توجہ کرو۔ حضرت خواجہ باقی باللہ کے وصال کے بعد خواجہ حسام الدین احمد نے دونوں صاحبزادوں کی تربیت فرمائی بعد ازاں خواجہ عبداللہ حضرت مجددؒ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور واردات کثیرہ سے بہرہ ور ہو کر خلافت پائی۔ خواجہ عبداللہ حافظِ قرآن، خوشگو شاعر اور صاحبِ تصانیف تھے حضرت شاہ ولی اللہؒ کے والد آپ سے بیعت تھے۔ بروز سہ شنبہ ۲۵ جمادی الاولیٰ ۱۰۷۴ھ کو وفات پائی اور اپنے والد کے قریب اسی قبرستان میں دفن ہوئے۔

جدا حکم ہے، البتہ کثر مسائل میں مشائخ ماتریدیہ سے موافقت رکھتے ہیں۔ اور فلاسفہ کے رد میں اور ان کی مذمت اور برائی کے بیان میں اور ملحدوں اور زندیقوں کے رد میں جنھوں نے صوفیہ کی مراد کو نہیں سمجھا اور گمراہ ہو گئے۔ اور بعض فقہی احکام کے بیان میں جو صلوٰۃ سے متعلق ہیں۔ اور طریقۂ علیہ نقشبندیہ کے کمالات کے بیان میں کہ ان کا التزام سنت کی تابعداری میں ہے۔ اور سماع و سرود کے منع کرنے اور رقصوں کی مجلس میں شرکت سے منع کرنے کے بیان میں اور ان کے مناسب بیان میں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ رَبِّ يَسِّرْ وَلَا تُعَسِّرْ وَتَمِّمْ بِالْخَيْرِ (اے رب (ہمارے) کام کو آسان کر اور مشکل میں نہ ڈال اور خیر و خوبی سے مکمل فرما) ——— حمد و صلوٰۃ اور تبلیغ دعوات کے بعد مخدوم زادوں کی جناب میں عرض ہے کہ یہ فقیر سر سے پاؤں تک آپ کے والد بزرگوار کے احسانات میں غرق ہے اور اس طریقہ (نقشبندیہ) میں الف ب کا سبق اُن ہی سے حاصل کیا ہے۔ اس راہ میں حروف ہجی بھی ان ہی سے سیکھے ہیں، اور "اندراج النہایت فی البدایت" (ابتدا میں انتہا کا درج ہونا) کی دولت بھی ان ہی کی صحبت کی برکت سے حاصل ہوئی ہے۔ اور "سفر در وطن" کی سعادت بھی ان ہی کی خدمت کے صدقے میں ملی ہے ——— ان کی شریف توجہ نے "ڈھائی ماہ" میں اس ناقابل کو "نسبتِ نقشبندیہ" تک پہنچا دیا اور ان اکابر کا حضور خاص عطا فرما دیا۔ اور اس قلیل مدت میں جو تجلیات، ظہورات، انوار، الوان، بے رنگیاں اور بے کیفیتیں ان کے طفیل حاصل ہوئیں ان کی کیا شرح کروں اور کیا تفصیل بیان کروں ——— ان کی توجہ شریف کی برکت سے معارفِ توحید، اتحاد، قرب و معیت اور احاطہ و سریان میں شاید ہی کوئی دقیقہ رہ گیا ہو جو اس فقیر پر نہ کھولا گیا ہو اور اس کی حقیقت کی اطلاع نہ دی گئی ہو۔ وحدت کا شہود کثرت میں اور کثرت کا مشاہدہ وحدت میں کرنا ان معارف کے مقدمات و مبادی میں سے ہے۔

مختصر یہ کہ جس جگہ نسبتِ نقشبندیہ اور ان بزرگوں کا حضور خاص ہے وہاں ان معارف کو زبان پر لانا اور شہود و مشاہدہ کا نشان بیان کرنا کوتاہ نظری ہے، کیونکہ ان اکابرین کا کارخانہ بہت بلند ہے اور سرزرّاق (مکار) اور رقاص (ناچنے والا) اس کے ساتھ کوئی نسبت نہیں رکھتا۔ جب اس قسم کے بلند درجے والی دولت اُن (خواجہ باقی باللہؒ) سے اس فقیر کو پہنچی ہو تو اگر تمام عمر بھی اپنے سر کو خدام بارگاہ عالی (کے قدموں) میں پامال کرے تو بھی کچھ حق ادا نہ ہو۔

(یہ عاجز) اپنی کوتاہیاں کیا عرض کرے اور اپنی شرمندگیوں کا کیا اظہار کرے۔ لیکن معارف آگاہ خواجہ حسام الدین احمد کو حضرتِ حق سبحانہٗ ہماری طرف سے جزائے خیر دے کہ انھوں نے ہم کم ہمتوں کا بوجھ اپنے اوپر اٹھانے کا التزام کرکے خدام بارگاہ کی خدمت کے لئے اپنی کمرِ ہمت کو باندھ لیا اور ہم دُور پڑے ہوؤں کو اس سے فارغ کر دیا ؎

گر برتنِ من زباں شود ہر موئے یک شکرِ وے از ہزار نتوانم کرد

(ہر بال بھی گر زباں ہو اک شکر بھی کیا بیاں ہو)

یہ فقیر تین[۳] مرتبہ حضرت ایشاں (خواجہ باقی باللہؒ) کی قدم بوسی کی دولت سے مشرف ہوا، آخری مرتبہ (کی حاضری پر) فقیر سے ارشاد فرمایا کہ "مجھ پر بدن کا ضعف غالب آگیا ہے، زندگی کی امید کم ہے، بچوں کے احوال سے خبردار رہنا ہوگا" —— اور اپنے حضور میں آپ (دونوں) کو طلب فرمایا، اس وقت آپ دودھ پلانے والیوں کی گود میں تھے۔ اور فقیر کو حکم دیا کہ ان (بچوں) پر توجہ کرو۔ حسب الفرمان ہی کے حضور میں اس فقیر نے آپ (دونوں) کی طرف توجہ کی، یہاں تک کہ اس توجہ کا اثر ظاہر میں بھی نمایاں ہوا۔ بعد ازاں فرمایا کہ "ان بچوں کی والداؤں پر بھی غائبانہ توجہ کرو"۔ حسب الحکم ان پر بھی غائبانہ توجہ کی گئی۔ امید ہے کہ حضرت ایشاں (خواجہ صاحبؒ) کی برکت سے اس توجہ کے نتائج و ثمرات حاصل ہوں گے —— آپ ہرگز یہ تصور نہ کریں کہ ان کے واجب الاطاعت حکم اور وصیتِ لازمہ سے (کسی قسم کی) غفلت اور فراموشی واقع ہوئی ہے، ہرگز نہیں۔ بلکہ (یہ حقیر) آپ کی طرف سے اشارہ اور اجازت کا منتظر ہے۔

فی الحال چند فقرے بطریقِ نصیحت لکھے جاتے ہیں، امید ہے کہ گوشِ ہوش سے سماعت فرمائیں گے، اَسْعَدَکُمُ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ (اللہ سبحانہٗ آپ کو سعادتمند بنائے)

عقلمندوں پر سب سے اول فرض یہ ہے کہ علمائے اہلِ سنت و جماعت شکر اللہ تعالیٰ سعیہم جو فرقۂ ناجیہ ہیں ان کی صحیح رائے کے مطابق اپنے عقائد کو درست کریں۔ چنانچہ بعض مسائلِ اعتقادیہ جن میں قدرے پوشیدگی ہے ان کا اظہار کیا جاتا ہے۔

عقیدۂ ۱: جاننا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذاتِ مقدس کے ساتھ خود موجود ہے، اور تمام اشیاء اس تعالیٰ کی ایجاد سے موجود ہیں۔ اور حق تعالیٰ اپنی ذات و صفات اور افعال میں یگانہ ہے

عقیدہ ۱
حق تعالیٰ کی ذات و صفات اور افعال میں یگانگی

اور فی الحقیقت کسی امر میں بھی خواہ وجودی ہو یا غیر وجودی کوئی بھی اس کے ساتھ شریک نہیں ہے (اس کی جناب میں) مشارکتِ اسمی اور مناسبتِ لفظی بحث سے خارج ہے ———

اللہ سبحانہٗ کی صفات اور افعال اس کی ذات کی طرح بے چون اور بے چگونہ ہیں۔ اور ممکنات کی صفات اور افعال کے ساتھ کچھ مناسبت نہیں رکھتے، مثلاً صفت العلم اُس سبحانہٗ کی ایک صفت قدیم اور بسیطِ حقیقی ہے جس میں "تعدّد اور تکثّر" کو ہرگز دخل نہیں ہے، اگرچہ وہ تکثر تعددِ تعلقات کے اعتبار سے ہی کیوں نہ ہو، کیونکہ وہاں ایک ہی بسیط انکشاف ہے کہ ازل و ابد کی معلومات اُسی انکشاف سے منکشف ہوتی ہیں۔ اور (حق تعالیٰ) تمام اشیاء کو ان کے "متناسبہ و متضادہ" (موافق و مخالف) احوال کے ساتھ کُلّی و جُزئی طور پر ہر ایک کے اوقاتِ مخصوصہ کے ساتھ آنِ واحد میں بسیط جانتا ہے۔ ——— یعنی اسی ایک آن میں "زید" کو موجود بھی جانتا ہے اور معدوم بھی اور جنین (ماں کے پیٹ میں بھی)، اور طفل، جوان، اور بوڑھا بھی، زندہ اور مردہ بھی، کھڑا ہوا اور بیٹھا بھی تکیہ لگائے ہوئے اور لیٹا ہوا بھی، ہنستا ہوا اور روتا ہوا بھی، لذت پانے والا اور تکلیف پانے والا بھی، عزت والا اور ذلیل بھی، برزخ میں بھی اور حشرات (عرصۂ قیامت) میں بھی، جنّت میں بھی اور اس کی لذات و نعمتوں میں بھی جانتا ہے، لہٰذا تعدّدِ تعلق بھی اس مقام میں مفقود ہے۔ کیونکہ تعددِ تعلّقات، تعددِ اوقات اور وقت کی کثرت چاہتا ہے۔ اور وہاں ازل سے ابد تک صرف ایک ہی آنِ واحد بسیط ہے جس میں کسی قسم کا تعدد نہیں ہے کیونکہ حق تعالیٰ پر نہ زمانہ جاری ہے اور نہ تقدم و تاخر کے احکام جاری ہو سکتے ہیں ——— لہٰذا اس تعالیٰ کے علم میں اگر ہم معلومات کے ساتھ تعلق کا اثبات کریں تو وہ صرف ایک تعلق ہوگا جو تمام معلومات کے ساتھ متعلق ہے اور وہ تعلق بھی مجہول الکیفیت ہے (یعنی اس تعلق کی کیفیت معلوم نہیں) اور صفت العلم کی طرح بے چون و بے چگونہ ہے۔

ہم اس تصور کے استبعاد (یعنی قیاس اور فہم سے دُور اور بعید ہونے) کو ایک مثال کے ذریعے زائل کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ایک شخص ایک ہی وقت میں ایک "کلمہ" کو اس کے "اقسامِ متبائنہ" (مختلف اقسام) اور "احوالِ متغایرہ" (متفرق احوال) اور "اعتباراتِ متضادہ" (مخالف اعتبارات) سے جانتا ہے، لہٰذا اسی ایک وقت میں اس "کلمہ" کو اسم بھی جانتا ہے اور فعل بھی، حرف بھی اور ثلاثی بھی (یعنی تین حروف والا)، رباعی (چار حروف والا) بھی اور معرب بھی (یعنی جو تینوں حالتیں رفعی نصبی اور جری قبول کرے) مبنی بھی

عوامل کے ذریعے تغیر و تبدل پانا)، متمکن (ٹھہرنے والا) بھی اور غیر متمکن بھی، منصرف (وہ اسم جو تنوین قبول کرے) بھی اور غیر منصرف بھی، معرفہ (پہچانا ہوا) خاص بھی اور نکرہ (جو نہ پہچانا جائے) عام بھی، ماضی بھی اور مستقبل بھی، امر بھی اور نہی بھی جانتا ہے، بلکہ اس شخص کے لئے جائز ہے کہ وہ کہے کہ میں "کلمہ" کے تمام اقسام اور اعتبارات کو کلمہ کے آئینے میں بیک وقت تفصیل کے ساتھ دیکھتا ہوں، جبکہ ممکن کے علم میں بلکہ ممکن کی دید میں اضداد کا جمع ہونا متصور ہے تو پھر اس واجب تعالیٰ وَلِلّٰہِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی (نحل آیت ۶۰) (اور اللہ تعالیٰ کی مثال سب سے اعلیٰ ہے) کے علم میں یہ بات کس طرح بعید معلوم ہوتی ہے۔

جاننا چاہیئے کہ اس جگہ اگرچہ ظاہر صورت میں "جمع ضدین" ہے لیکن حقیقت میں ان کے درمیان ضدیت (تضاد) مفقود ہے کیونکہ اگرچہ (حق تعالیٰ) "زید" کو آنِ واحد میں موجود اور معدوم جانتا ہے لیکن اسی آن میں یہ بھی جانتا ہے کہ اس کے وجود کا وقت مثلاً ہزار سال سنہ ہجری کے بعد ہے اور اس کے وجود سے "عدمِ سابق" کا وقت اس سال معین سے پہلے ہے، اور اس کے عدم لاحق کا وقت گیارہ سو سال کے بعد ہے۔ لہٰذا حقیقت میں ان دونوں کے درمیان زمانے کی تبدیلی کی وجہ سے کوئی تضاد نہیں ہے، اور باقی احوال کو بھی اسی پر قیاس کر سکتے ہیں، پس سمجھ لو۔

اس تحقیق سے واضح ہو گیا کہ حق تعالیٰ کا علم اگرچہ تغیر پانے والی جزئیات سے متعلق ہو لیکن اس کے علم میں تغیر کا شائبہ بھی راہ نہیں پاتا اور حدوث کا گمان، اس کی صفت میں پیدا نہیں ہوتا، جیسا کہ فلاسفہ نے زعم (غلط دعویٰ) کیا ہے۔ کیونکہ تغیر اسی تقدیر پر متصور ہو سکتا ہے جبکہ ایک کو دوسرے کے بعد جانا ہو، اور جب سب کو آنِ واحد میں جان لے تو پھر تغیر و حدوث کی گنجائش نہیں ہے ـــــ ـ ـــــ پس اس کی کچھ حاجت نہیں ہے کہ ہم اس (تعالیٰ) کے لئے متعدد تعلقات کا اثبات کریں تاکہ تغیر و حدوث ان تعلقات کے ساتھ راجع ہو، نہ کہ صفتِ علم کی طرف، جیسا کہ بعض متکلمین نے فلاسفہ کے شبہ کو دور کرنے کے لئے کیا ہے۔ ہاں اگر معلومات کی جانب تعدد تعلقات کا اثبات کریں تو اس کی گنجائش ہے۔

اور اسی طرح ایک کلام بسیط ہے جو ازل سے ابد تک اسی ایک کلام کے ساتھ گویا (ناطق) ہے۔ اگر "امر" ہے تو وہ بھی وہیں سے پیدا ہوا ہے اور اگر "نہی" ہے تو وہ بھی وہیں سے ہے اور اگر اعلام (خبر) ہے تو بھی وہیں سے ماخوذ ہے اگر استفہام ہے تو وہ بھی وہیں سے، اگر تمنی یا ترجی
(آرزو کرنا۔ امید رکھنا)

تو وہ بھی وہیں سے مستفاد ہے ـــــــــ تمام نازل شدہ کتابیں اور بھیجے ہوئے صحیفے اس "کلامِ بسیط" کا ایک ورق ہیں، اگر "توریت" ہے تو وہ بھی وہیں سے لکھی گئی ہے اور "انجیل" ہے تو اس نے بھی وہیں سے صورتِ لفظی حاصل کی ہے، اور اگر "زبور" ہے تو وہ بھی وہیں سے مسطور ہوئی ہے اور اگر "فرقان" ہے تو وہ بھی وہیں سے نازل ہوا ہے۔ ؎

واللہ کلامِ حق کہ علی الحق یکے ست بس (واللہ بس کلامِ خدا ہے کلامِ حق)

پس در نزول مختلف آثار آمدہ (ہاں نزول میں مختلف آثار آئے ہیں)

اور اسی طرح ایک ہی فعل ہے اور اسی ایک فعل کے ذریعے اولین و آخرین کی مصنوعات وجود میں آرہی ہیں (جیسا کہ ارشاد ہے) وَمَآ اَمْرُنَآ اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍۭ بِالْبَصَرِ (سورہ قمر ۵۴ آیت ۵۰) (اور ہمارا حکم بس ایسا یکبارگی ہو جائے گا جیسے آنکھ جھپکانا)۔ اس آیت کریمہ میں (اس حقیقتِ مذکورہ کی طرف) اشارہ ہے کہ اگر زندہ کرنا یا مارنا ہے تو وہ اسی ایک فعل سے مربوط ہے۔ اور اگر ایلام (تکلیف) ہے یا انعام ہے تو وہ بھی اسی ایک فعل سے (منوط) ملا ہوا ہے، اور اگر ایجاد ہے یا اعدام (مٹا دینا) ہے تو وہ بھی اسی ایک فعل سے پیدا ہوا ہے ـــــــــ لہٰذا حق سبحانہٗ و تعالیٰ کے فعل میں بھی تعدد تعلقات ثابت نہیں ہے بلکہ ایک ہی تعلق سے مخلوقات اولین و آخرین اپنے وجود کے اوقاتِ مخصوصہ میں وجود پذیر ہو رہی ہیں، اور یہ تعلق بھی حق تعالیٰ کے فعل کے مانند بے چون و بے چگونہ ہے کیونکہ چون کو بے چون کے ساتھ کوئی راہ نہیں ہے: لَا يَحْمِلُ عَطَايَا الْمَلِكِ اِلَّا مَطَايَاهُ (بادشاہوں کی بخششیں ان کے اونٹ ہی اٹھا سکتے ہیں)۔

اشعری[1] چونکہ حق جل سلطانہٗ کے فعل کی حقیقت سے واقف نہ تھے اس لئے تکوین کو حادث کہہ دیا اور اس سبحانہٗ کے افعال کو بھی حادث جان لیا اور انہوں نے یہ نہیں جانا کہ یہ سب حق سبحانہٗ کے فعلِ ازلی کے آثار ہیں نہ کہ اس تعالیٰ کے افعال ـــــــــ اور اسی قبیل سے یہ ہے کہ بعض صوفیہ جنہوں نے تجلی افعال کا اثبات کیا ہے اور اس مقام میں ممکنات کے افعال کے آئینے میں سوائے فعلِ واحد جل سلطانہٗ کے کچھ نہیں دیکھا، وہ تجلی حقیقت میں حق سبحانہٗ کے فعل کے آثار کی ایک تجلی ہے

---

[1] یعنی امام ابو الحسن اشعریؒ جو فرقۂ اشاعرہ کے بانی اور علم کلام کے موجد تھے سن ۲۶۰ھ بصرہ میں پیدا ہوئے، ابتدا میں معتزلہ کے سرگرم کارکن رہے، پھر شافعی مسلک اختیار کرکے دینی مسائل کو فلسفیانہ انداز سے مرتب کیا اور تقریباً ۳۰۰ سو کتابیں لکھیں جن میں مقالات الاسلامیین سب سے زیادہ اہم ہے سن ۳۲۴ھ بغداد میں آپ کا انتقال ہوا۔

نہ کہ اس تعالیٰ کے فعل کی تجلی، کیونکہ اس تعالیٰ کے فعل کو جو بے چون و بے چگونہ ہے اور قدیم ہے اور اس تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قائم ہے جس کو "تکوین" کہتے ہیں، محدثات کے آئینے میں اس کی گنجائش نہیں اور ممکنات کے مظاہر میں اس کا کوئی ظہور نہیں ؎

در تنگنائے صورت معنی چگونہ گنجد — در کلبۂ گدایاں سلطان چہ کار دارد

(صورت کے تنگ گھر میں معنی کہاں سے آئے — منگتے کی جھونپڑی میں کیوں بادشاہ جائے)

اس فقیر کے نزدیک افعال و صفات کی تجلی، ذات تعالیٰ و تقدس کی تجلی کے بغیر متصور نہیں ہے کیونکہ افعال و صفات حضرت ذات تعالیٰ و تقدس سے جدا نہیں ہیں تاکہ ان کی تجلی ذات کی تجلی کے بغیر متصور ہو سکے ——— اور جو کچھ ذات تعالیٰ و تقدس سے جدا ہے وہ اس سبحانہ کی صفات و افعال کے ظلال ہیں، لہٰذا ان کی تجلی افعال و صفات کے ظلال کی تجلی ہوئی نہ کہ افعال و صفات کی تجلی۔ لیکن ہر شخص کی سمجھ اس کمال تک نہیں پہنچ سکتی: ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ (جمعہ آیت ۴ پ ۲۸) (یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ بہت بڑے فضل والا ہے)۔

عقیدہ (۲) اب ہم اصل بات کی طرف رجوع ہوتے ہیں: کہ اللہ تعالیٰ کسی چیز میں حلول نہیں کرتا اور نہ ہی کوئی چیز اس میں حلول کر سکتی ہے لیکن وہ تعالیٰ "محیط اشیاء" ہے (یعنی تمام اشیا کو اپنے احاطہ میں لئے ہوئے ہے) اور ان کے ساتھ قرب و معیت رکھتا ہے، اور وہ احاطہ قرب و معیت ایسا نہیں ہے جو ہماری فہم قاصر میں آسکے کیونکہ یہ (بات) اس تعالیٰ کی جنابِ قدس کے شایانِ شان نہیں ہے ——— اور (صوفیہ) جو کچھ کشف و شہود سے معلوم کرتے ہیں وہ تعالیٰ اس سے بھی منزہ ہے۔ کیونکہ ممکن (بشر وغیرہ) کو حق تعالیٰ کی ذات و صفات اور افعال کی حقیقت سے سوائے جہل و نادانی اور حیرت کے کچھ نصیب نہیں ہے۔ غیب پر ایمان لانا چاہئے اور جو کچھ مکشوف و مشہود ہو اس کو "لا" کی نفی کے تحت لانا چاہئے۔ ؎

عنقا شکار کس نشود دام باز چیں — کاایں جا ہمیشہ باد بدست است دام را

(اٹھا لے جال، شکار عنقا محال — بس یہاں جال کا یہی ہے مآل)

حضرت ایشاں (خواجہ باقی باللہؒ) کی مثنوی کا ایک بیت اس مقام کے مناسب ہے ؎

هنوز ایوانِ استغنا بلند است | مرا فکرِ رسیدن نا پسند است
قصرِ استغنا تو اونچا ہے ہنوز | سخت مشکل واں پہنچنا ہے ہنوز)

پس ہم ایمان لاتے ہیں کہ وہ تعالیٰ "محیطِ اشیاء" (یعنی تمام اشیاء کو محیط ہے) اور ان سے قریب ہے، اور ان کے ساتھ ہے لیکن اس احاطہ اور قرب ومعیت کے معنی (وحقیقت) اس تعالیٰ کے ساتھ کیا ہیں وہ ہم نہیں جانتے۔ اس کو احاطہ اور قربِ علمی کہنا بھی تاویلات کے متشابہ سے ہے اور ہم اس تاویل کے قائل نہیں ہیں۔

عقیدہ (۳) اور حق تعالیٰ کسی چیز کے ساتھ متحد نہیں ہے اور اسی طرح کوئی چیز بھی اس سبحانہ کے ساتھ متحد نہیں ہو سکتی۔ اور بعض صوفیہ کی عبارات سے جو کچھ اتحاد کا مفہوم لیا جاتا ہے وہ ان کی مراد کے خلاف ہے کیونکہ ان کی مراد اُس کلام سے جس سے اتحاد کا وہم ہوتا ہے إِذَا تَمَّ الْفَقْرُ فَهُوَ اللهُ سے یہ ہے کہ جب فقر تمام ہو جائے اور نیستیٔ محض (فنائیت) حاصل ہو جائے تو اس وقت اللہ تعالیٰ کے سوا کچھ باقی نہیں رہتا، نہ یہ کہ وہ فقیر خدائے تعالیٰ کے ساتھ متحد ہو جاتا ہے اور خدا بن جاتا ہے کیونکہ کفر اور زندقہ ہے تعالیٰ اللہ سبحانہ عَمَّا يَتَوَهَّمُ الظَّالِمُونَ عُلُوًّا كَبِيرًا (اللہ تعالیٰ سبحانہ ظالموں کے وہم وگمان سے بہت بلند اور بڑا ہے)۔
———— اور ہمارے حضرت خواجہ (باقی باللہؒ) قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ أَنَا الْحَقُّ سے یہ مراد نہیں ہے کہ "میں حق ہوں" بلکہ مطلب یہ ہے کہ "میں نہیں ہوں حق سبحانہ موجود ہے"۔

عقیدہ (۴) اور تغیر وتبدل کو اُس تعالیٰ کی ذات وصفات اور افعال میں کوئی راہ نہیں ہے فَسُبْحَانَ مَنْ لَّا يَتَغَيَّرُ بِذَاتِهٖ وَلَا بِصِفَاتِهٖ وَلَا فِيْ أَفْعَالِهٖ بِحُدُوْثِ الْأَكْوَانِ (پس پاک ہے وہ ذات جو اپنی ذات وصفات اور افعال میں کائنات (موجودات) کے حدوث (حوادث) سے متغیر نہیں ہوتی) ———— اور جو کچھ صوفیہ وجودیہ نے تنزلاتِ خمسہ کے بارے میں اثبات کیا ہے وہ مرتبۂ وجوب میں تغیر وتبدل کی قسم سے نہیں ہے کیونکہ وہ کفر وگمراہی ہے بلکہ ان تنزلات کو حق تعالیٰ کے کمال کے ظہورات کے مراتب میں اعتبار کیا ہے بغیر اس بات کے کہ حق تعالیٰ کی ذات وصفات اور افعال میں کوئی تغیر وتبدل راہ پائے۔

عقیدہ (۵): اور حق تعالیٰ اپنی ذات وصفات اور افعال میں غنیٔ مطلق ہے اور کسی امر کام میں بھی کسی چیز کا محتاج نہیں ہے، اور جس طرح وجود میں محتاج نہیں ہے اسی طرح ظہور میں بھی

محتاج نہیں ہے ______ اور یہ جو بعض صوفیہ کی عبارات سے مفہوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ اپنے اسمائی و صفاتی کمالات کے ظہور میں ہمارا محتاج ہے۔ یہ بات فقیر پر بہت گراں ہے بلکہ جانتا ہے کہ ان (مخلوق) کی پیدائش سے مقصود خود ان کے اپنے کمالات کا حاصل ہونا ہے نہ کہ وہ کمال جو حق تعالیٰ و تقدس کی بارگاہ کی طرف عائد ہو سکے۔ آیۂ کریمہ: وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ (ذاریات آیت ۵۶) ای لِیَعْرِفُوْنِ (اور میں نے جن و انس کو صرف اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔ یعنی اپنی معرفت کے لئے) اسی مطلب کی تائید کرتی ہے ______ لہٰذا جن و انس کی پیدائش سے مقصود ان کو معرفت کا حصول ہے جو کہ ان کے لئے کمال ہے، نہ یہ کہ ایسا امر جو حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی بارگاہ کی طرف عائد ہو سکے۔ ______ اور یہ جو حدیثِ قدسی میں آیا ہے، فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ لِاُعْرَفَ[1] (میں نے مخلوق کو اس لئے پیدا کیا ہے تاکہ میں پہچانا جاؤں)، اس جگہ بھی ان کی اپنی معرفت مراد ہے نہ یہ کہ میں (یعنی حق تعالیٰ) معروف ہو جاؤں اور ان کی معرفت کے توسل سے کمال حاصل کروں۔ تَعَالَی اللّٰہُ عَنْ ذٰلِکَ عُلُوًّا کَبِیْرًا (اللہ تعالیٰ ان باتوں سے بہت بلند اور سب سے بڑا ہے)۔

عقیدہ (۶) ، حق تعالیٰ نقص کی تمام صفتوں (اقسام) اور حدوث کے تمام نشانات سے منزہ اور مبرا ہے، جس طرح وہ جسم و جسمانی نہیں ہے مکانی و زمانی بھی نہیں ہے بلکہ تمام صفات کمال اسی کے لئے ثابت ہیں، جن میں سے آٹھ صفاتِ کمال وجودِ ذات تعالیٰ و تقدس پر وجود زائد کے ساتھ موجود ہیں۔ اور وہ آٹھ صفات: حیاتؔ، علمؔ، قدرتؔ، ارادہؔ، سمعؔ، بصرؔ، کلامؔ اور تکوینؔ (پیدا کرنا) ہیں اور یہ صفات خارج میں موجود ہیں، اور ایسا نہیں ہے کہ وجودِ ذات پر وجود زائد کے ساتھ علم میں موجود ہیں اور خارج میں نفسِ ذات تعالیٰ و تقدس ہیں جیسا کہ بعض صوفیہ وجودیہ نے گمان کیا ہے اور کہا ہے ؎

از روئے تعقل ہمہ غیر اند صفات ❊ با ذاتِ تو از روئے تحقق ہمہ عین

(عقل کہتی ہے صفات اغیار ہیں ❊ سچ یہ ہے وہ ذات میں ہیں عینِ ذات)

کیونکہ اس میں درحقیقت صفات کی نفی ہے اس لئے صفات کی نفی کرنے والے یعنی معتزلہ اور فلاسفہ نے بھی تغائر علمی اور اتحاد خارجی کہا ہے اور تغائر علمی سے انکار نہیں کیا اور یہ نہیں کہا کہ علم کا مفہوم عین مفہوم ذات تعالیٰ و تقدس ہے یا عین مفہوم قدرت و ارادہ ہے، بلکہ عینیت وجودِ خارجی کے اعتبار سے کہا ہے۔ لہٰذا جب تک یہ (صوفیہ) وجودِ خارجی کے تغائر کا اعتبار نہ کریں صفات کے انکار

[1] ملا علی قاری نے فرمایا کہ اس کے معنی صحیح ہیں اور آیت "وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون" سے مستفاد ہے۔ (معرب)

کرنے والوں میں سے نہیں نکلتے، کیونکہ تغایرِ اعتباری کچھ نفع نہیں دیتا، کَمَا عَرَفْتَ جیسا کہ تو نے سمجھ لیا۔

عقیدہ ۷

عقیدہ (۷) اور حق تعالیٰ قدیم اور ازلی ہے اور اس کے سوا کسی کے لئے "قدم و ازل" ثابت نہیں، تمام ملتوں کا اس پر اجماع ہے اور جو شخص بھی حق جل و علا کے سوا کسی غیر کے قِدم و ازلیت کا قائل ہوا اس کی تکفیر کی ہے ــــــــــ امام غزالیؒ نے اسی وجہ سے ابنِ سینا اور فارابی اور ان جیسے عقائد والوں کی تکفیر کی ہے جو عقول و نفوس کے قِدم کے قائل ہیں اور ہیولیٰ اور صورت کے قدیم ہونے کا گمان رکھتے ہیں اور آسمانوں کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ان کو بھی قدیم جانتا ہے ــــــــــ
اور ہمارے خواجہ حضرت (باقی باللہ) قدس سرہ فرماتے تھے کہ "شیخ محی الدین بن العربیؒ کاملین کی ارواح کے قدیم ہونے کے قائل ہیں"۔ اس بات کو ظاہر کی طرف سے پھیر کر تاویل پر محمول کرنا چاہیئے تاکہ اہل ملت کے اجماع کے مخالف نہ ہو۔

عقیدہ ۸

عقیدہ (۸) اور حق تعالیٰ قادر مختار ہے۔ ایجاب کی آمیزش اور اضطرار کے گمان سے منزہ اور مبرا ہے۔ بے عقل فلاسفہ نے کمال کو ایجاب میں جان کر واجب تعالیٰ سے اختیار کی نفی کر کے اس کے ایجاب کا اثبات کیا ہے، اور ان بے عقلوں نے ذات واجب تعالیٰ و تقدس کو بیکار سمجھا ہے اور سوائے ایک مصنوع کے کہ وہ بھی ایجاب سے ہے زمین و آسمان کے خالق سے صادر نہ جان کر حوادث کے وجود کو عقلِ فعال کی نسبت دی ہے جس کا وجود ان کے وہم کے علاوہ کہیں ثابت نہیں ہے۔ اور ان کے فاسد زعم میں حق سبحانہٗ و تعالیٰ سے ان کو کچھ کام نہیں ہے ــــ
ــــــــــ لازمی طور پر چاہیئے تھا کہ اضطراب و اضطرار کے وقت اپنی عقلِ فعال کی طرف التجا کرتے اور حضرت حق سبحانہٗ کی طرف رجوع نہ کرتے کیونکہ ان کے نزدیک حوادث کے وجود میں اُس تعالیٰ کی کوئی مداخلت نہیں ہے۔ اور کہتے ہیں کہ عقلِ فعال ہی حوادث کی ایجاد سے تعلق رکھتی ہے بلکہ وہ تو عقلِ فعال سے بھی رجوع نہیں کرتے کیونکہ ان کے نزدیک بلیات کے دفع کرنے میں بھی اس کا اختیار نہیں ہے۔ یہ بدنصیب (فلاسفہ) اپنی بے وقوفی اور حماقت میں فرقہ ضلالہ سے بھی آگے بڑھ گئے حالانکہ کافر بھی بخلاف ان بدبختوں کے حق سبحانہٗ و تعالیٰ سے التجا کرتے ہیں اور بلاؤں کے دفعیہ کو اسی تعالیٰ سے طلب کرتے ہیں ــــــــــ تمام گمراہ اور بے دین فرقوں کی نسبت ان بدبختوں میں دو چیزیں زیادہ ہیں ایک یہ کہ احکام مُنزلہ کا کفر اور انکار کرتے ہیں اور

اخبارِ مرسلہ کے ساتھ عداوت و دشمنی رکھتے ہیں، دوسرے یہ کہ اپنے بیہودہ اور واہی مطالب اور مقاصد کے ثابت کرنے میں بیہودہ مقدمات کو ترتیب دیتے اور جھوٹے دلائل اور باطل شواہد کو عمل میں لاتے ہیں، اپنے مطالب و مقاصد کے ثابت کرنے میں جسقدر ان کو خبط لاحق ہوا ہے اور کسی بے وقوف کو اسقدر لاحق نہیں ہوا ——— آسمان اور ستارے جو ہر وقت بے قرار اور سرگرداں ہیں اپنے کاموں کا مدار ان کی حرکات اور اوضاع پر رکھا ہے، اور آسمانوں کے خالق اور ستاروں کے موجد محرک اور مدبر (یعنی اللہ تعالیٰ) کی طرف سے آنکھیں بند کرلی ہیں اور دور از معاملہ سمجھتے ہیں۔ یہ لوگ کیا ہی بے خرد اور کیسے بے وقوف ہیں، اور ان سے بھی زیادہ بے وقوف اور احمق وہ شخص ہے جو ان کو دانا سمجھتا اور عقلمند جانتا ہے ——— ان کے منظم اور منضبط یعنی مرتب کردہ علوم میں سے ایک علم ہندسہ ہے جو محض لایعنی، بیہودہ اور لاطائل ہے۔ بھلا مثلث کے تینوں زاویوں کا دو زاویۂ قائمہ کے برابر ہونا کس کام آئے گا اور شکلِ عروسی اور ماموتی جو ان کے نزدیک بڑی مشکل اور جانکاہ ہے کس غرض کے لئے ہے ——— علمِ طب و نجوم اور علمِ تہذیبِ اخلاق جو ان کے تمام علوم میں سے بہترین علوم ہیں، انھوں نے گذشتہ انبیاء علیٰ نبینا وعلیہم الصلوات والتسلیمات کی کتابوں سے چرا کر اپنے باطل اور بیہودہ علوم کو رائج کیا ہے، جیسا کہ امام غزالیؒ نے اپنے رسالہ "المنقذ عن الضلال" میں اس امر کی تصریح کی ہے۔

اہلِ ملت اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے متبعین اگر دلائل و براہین میں غلطی کریں تو کچھ ڈر نہیں کیونکہ ان کے کام کا مدار انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تقلید پر ہے اور اپنے مطالبِ عالیہ کے ثبوت کے لئے دلائل و براہین کو صرف بطور تبرع (بطورِ احسان) لاتے ہیں۔ یہی تقلید ان کے لئے کافی ہے، بخلاف ان بدبختوں کے جو تقلید سے نکل کر صرف دلائل کے ساتھ اپنے مطالب کو ثابت کرنے کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں، ضَلُّوْا فَاَضَلُّوْا (یہ خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا)۔

حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت کی دعوت جب افلاطون[1] کو پہنچی جو ان بدنصیبوں کا سب سے بڑا سردار ہے تو اس نے کہا: نَحْنُ قَوْمٌ مُّهْتَدُوْنَ لَا حَاجَةَ بِنَا اِلٰى مَنْ يَّهْدِيْنَا (ہم ہدایت یافتہ قوم ہیں اور ہم کو ایسے شخص کی حاجت نہیں ہے جو ہم کو ہدایت دے) ——— اس بے وقوف کو چاہئے تھا کہ ایسے شخص کو جو مُردوں کو زندہ کر دیتا ہے اور مادر زاد اندھے کو

[1] مشہور افلاطون کا زمانہ ۴۲۷ قبل مسیح سے ۳۴۷ قبل مسیح تک ہے ہو سکتا ہے کہ حضرت کے زمانے کا افلاطون کوئی اور ہو۔ واللہ اعلم

بینا (دیکھنے والا) اور ابرص (جذامی کوڑھی) کو اچھا کر دیتا ہے، جو (ان کی) حکمت کے قانون سے ناممکن ہے پہلے ان کو دیکھتا اور ان کے حالات دریافت کرنا (پھر جواب دینا) بغیر دیکھے جواب دینا کمال درجہ دشمنی اور کمینہ پن ہے ؎

فلسفہ چوں اکثرش باشد سفہ ۔۔۔ پس کُلِ آں ہم سفہ باشد کہ حکمِ کُل حکمِ اکثر است

(فلسفہ اکثر سفہ ہے، بس سفہ ۔۔۔ کُل کا حکم آخر ہے اکثر کا حکم)

نَجَّانَا اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ عَنْ ظُلُمَاتِ مُعْتَقَدَاتِہِمُ السُّوْءِ (اللہ سبحانہٗ ان کے برے عقائد کی تاریکی سے ہم کو نجات دے) ــــــــ ان ہی ایام میں فرزندی محمد معصوم نے "جواہر شرح مواقف" کو پورا کیا ہے۔ اثنائے سبق میں ان بے وقوفوں (فلاسفہ) کی برائیاں واضح طور پر سامنے آئیں اور ان کی وجہ سے بہت فائدے مترتب ہوئے: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ ھَدٰنَا لِھٰذَا وَمَا کُنَّا لِنَھْتَدِیَ لَوْلَآ اَنْ ھَدٰنَا اللّٰہُ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ (تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے ہم کو ہدایت دی اگر وہ ہم کو ہدایت نہ دیتا تو ہم ہرگز ہدایت نہ پاتے، بیشک ہمارے رب کے رسول حق بات لیکر آئے) (اعراف آیت ۴۳)

ــــــــ اور شیخ محی الدین ابن عربیؒ کی (بعض) عبارتیں بھی ایجاب کی طرف ناظر ہیں اور قدرت کے معنی میں فلسفہ کے ساتھ موافقت رکھتی ہیں کہ اس کے ترک کی صحت قادر (حق تعالیٰ) سے تجویز نہیں کرتے اور فعل کی جانب کو لازم جانتے ہیں۔

عجب معاملہ ہے کہ شیخ محی الدین (اللہ تعالیٰ کے) مقبولین میں سے نظر آتے ہیں لیکن ان کے اکثر علوم جو اہلِ حق کی آراء کے مخالف ہیں خطا اور نادرست ظاہر ہوتے ہیں شاید ان کو خطائے کشفی کے باعث معذور رکھا گیا ہے اور خطائے اجتہادی کی طرح ان سے ملامت دور کر دی گئی ہے ــــ ــــ شیخ محی الدین کے حق میں فقیر کا اعتقاد یہی ہے کہ ان کو مقبولین میں سے جانتا ہے اور ان کے ان علوم کو (جو اہلِ حق کے) مخالف ہیں خطا اور ضرر رساں دیکھتا ہے ــــــ اس گروہ (صوفیہ) کے بعض لوگ ایسے ہیں کہ شیخ (موصوف) کو طعن و ملامت بھی کرتے ہیں اور ان کے علومِ مخالفہ کو بھی غلط اور نادرست سمجھتے ہیں۔ اور اس گروہ کے بعض لوگ شیخ (موصوف) کی تقلید اختیار کر کے ان کے تمام علوم کو درست جانتے ہیں اور دلائل و شواہد سے ان علوم کی حقیقت کو ثابت کرتے ہیں۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ان ہر دو فریق نے افراط و تفریط کا راستہ اختیار کیا ہے

اور میانہ روی سے دُور ہو گئے ہیں ——— شیخ (موصوف) کو جو کہ اولیائے مقبولین میں سے ہیں خطائے کشفی کے باعث کس طرح رد کر دیا جائے اور ان کے علوم کو جو کہ صحت و صواب سے دُور ہیں اور اہلِ حق کی رائے کے مخالف ہیں تقلید کی وجہ سے کس طرح قبول کیا جا سکتا ہے: فَالْحَقُّ هُوَ التَّوَسُّطُ الَّذِیْ وَفَّقَنِیَ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ بِمَنِّهٖ وَکَرَمِهٖ (بس حق اسی میانہ روی میں ہے جس کی توفیق اللہ سبحانہٗ نے اپنے فضل و کرم سے مجھے بخشی ہے)۔

مسئلہ وحدت الوجود

ہاں مسئلہ "وحدت الوجود" میں اس گروہ (صوفیہ) کی ایک بڑی جماعت شیخ کے ساتھ شریک ہے اگرچہ شیخ (موصوف) اس مسئلہ میں بھی ایک خاص طرز رکھتے ہیں لیکن اصل بات میں وہ سب لوگ (شیخ کے ساتھ) شریک ہیں۔ یہ مسئلہ بھی اگرچہ ظاہر میں اہلِ حق کے عقائد کے مخالف ہے لیکن توجیہ کے قابل اور تطبیق دینے کے لائق ہے ——— اس فقیر نے اللہ سبحانہٗ کی عنایت سے ہمارے حضرت (خواجہ باقی باللہؒ) کی "شرح رباعیات" کی شرح میں اس مسئلہ کو اہلِ حق کے عقائد کے ساتھ تطبیق دی ہے اور فریقین کے نزاع کو لفظ کی طرف پھیرا ہے (یعنی نزاع لفظی ثابت کیا ہے) اور طرفین کے شکوک و شبہات کو اس طرح حل کیا ہے کہ اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہی: کَمَا لَا یَخْفٰی عَلَی النَّاظِرِ فِیْهِ (جیسا کہ اس کے دیکھنے والے پر پوشیدہ نہیں ہے)۔

عقیدہ ۹

عقیدہ (۹) جاننا چاہئے کہ تمام ممکنات خواہ جواہر ہوں یا اعراض، خواہ اجسام و عقول ہوں یا نفوس، افلاک ہوں یا عناصر، سب اسی قادر مختار کی ایجاد کئے ہوئے ہیں جو ان کو نہاں خانۂ عدم سے معرضِ وجود میں لایا ہے، اور جس طرح یہ سب اپنے وجود میں اس تعالیٰ کے محتاج ہیں اسی طرح بقا (باقی رہنے) میں بھی اس سبحانہٗ کے محتاج ہیں، اور اُس نے اسباب و وسائل کے وجود کو اپنے فعل کا روپوش بنا دیا ہے اور حکمت کو اپنی قدرت کے پردے بنا دیئے ہیں: یہی نہیں بلکہ اسباب کو اپنے فعل کے ثبوت کے دلائل قرار دے کر حکمت کو اپنی قدرت کے وجود کا وسیلہ فرمایا ہے کیونکہ وہ عقلمند حضرات جنھوں نے حضرات انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی متابعت میں اپنی بصیرت کو سرمگیں اور روشن کر لیا ہے وہ جانتے ہیں کہ اسباب و وسائل اپنے وجود و بقا میں اس سبحانہٗ کے محتاج ہیں اور اپنا ثبوت و قیام اسی تعالیٰ و تقدس سے اور اسی کے ساتھ رکھتے ہیں۔ ورنہ حقیقت میں وہ جمادِ محض ہیں، وہ کس طرح دوسرے میں جو وہ بھی ان کے مثل (جماد) ہے

اثر انداز ہو سکتے ہیں اور ان میں احداث و اختراع کس طرح کر سکتے ہیں (ہر گز نہیں) بلکہ ان کے علاوہ اور قادر ہے جو ان کو ایجاد کرتا ہے اور ہر ایک کے لائق و مناسب کمالات ان کو عطا فرماتا ہے جیسا کہ عقلمند آدمی جمادِ محض سے فعل کو دیکھ کر اس کے فاعل اور محرک کا سراغ لگا لیتے ہیں کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ یہ فعل اس (جماد) کے حال کے لائق نہیں ہے بلکہ اس کے علاوہ کوئی اور فاعل ہے جو اس فعل کو اس میں ایجاد کرتا ہے، لہٰذا عقلمندوں کے نزدیک جماد کا فعل، فاعلِ حقیقی کے فعل کا روپوش ہونا ثابت نہیں ہوا۔ بلکہ اس کی جمادیت کی طرف نظر کرنے کے لحاظ سے اس کا وہ فعل فاعلِ حقیقی کے وجود پر دلیل ہو گیا۔ پس یہاں بھی اسی طرح ہے ——

البتہ اس بے وقوف کے فہم میں جماد کا فعل فاعلِ حقیقی کے فعل کا روپوش بن گیا جس نے اپنی حد درجہ بے وقوفی کی وجہ سے جمادِ محض کو اس ظاہری فعل کے سبب صاحبِ قدرت جان لیا ہے اور فاعلِ حقیقی کا منکر ہو گیا ہے: يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا (بقرہ آیت ۲۶) (گمراہ کرتا ہے اس سے بہت لوگوں کو اور ہدایت کرتا ہے اس سے بہت لوگوں کو)

یہ معرفت "مشکوٰۃِ نبوت" سے مقتبس ہے لیکن ہر شخص کی فہم اس تک نہیں پہنچی۔ ایک جماعت اس کمال کو اسباب کے دُور کرنے میں جانتی ہے اور شروع ہی سے چیزوں کو بغیر اسباب کے توسط کے حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی طرف منسوب کرتی ہے اور نہیں جانتے کہ اسباب کے رفع کرنے میں حکمت ختم ہو جاتی ہے جس کے ضمن میں بہت سی مصلحتیں مدنظر ہیں: رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ (آل عمران آیت ۱۹۱) (اے ہمارے رب! تو نے یہ سب بیکار اور بے فائدہ پیدا نہیں کیا)۔

انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات بھی اسباب کی رعایت کرتے ہیں اور (باوجود اس رعایت کے) اپنے کام کو حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی مراعات سے جانتے ہیں جیسا کہ حضرت یعقوب علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے نظرِ بد لگ جانے کے خیال سے اپنے لڑکوں کو وصیت فرمائی تھی: يٰبَنِيَّ لَا تَدْخُلُوْا مِنْ بَابٍ وَّاحِدٍ وَّادْخُلُوْا مِنْ اَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ (یوسف آیت ۶۷) (اے میرے بیٹو! تم ایک دروازہ سے داخل نہ ہونا بلکہ متفرق دروازوں سے داخل ہونا)۔

اور (حضرت یعقوبؑ نے) اس احتیاطی تدبیر کی رعایت کے باوجود اپنے حکم کو جل سلطانہٗ کے سپرد کر کے فرمایا: وَمَا اُغْنِيْ عَنْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ۭ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ۭ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۚ وَعَلَيْهِ

فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ (یوسف ۱۲ آیت ۶۷) میں تم کو اللہ تعالیٰ کی طرف کچھ بھی نہیں بچا سکتا۔ بیشک حکم صرف اللہ تعالیٰ ہی کا ہے اسی پر میں نے توکل (بھروسہ) کیا اور اسی پر توکل کرنے والوں کو توکل کرنا چاہیئے) ——— اور حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے ان کی اس معرفت کو پسند فرما کر اس بات کو اپنی طرف منسوب کر کے فرمایا: وَاِنَّهٗ لَذُوْ عِلْمٍ لِّمَا عَلَّمْنٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ (یوسف ۱۲ آیت ۶۸) (اور وہ (حضرت یعقوبؑ) بیشک بہت ہی صاحبِ علم تھے اس لئے کہ ہم نے ان کو اپنے پاس سے علم سکھایا تھا لیکن اکثر لوگ اس بات کو نہیں جانتے) ——— اور حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے قرآن مجید میں ہمارے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی اسباب کے واسطہ کا اشارہ فرمایا ہے: يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (انفال آیت ۶۴) (اے نبی! آپ کے لئے اللہ تعالیٰ کافی ہے اور وہ مومنین بھی جو آپ کی اتباع کرتے ہیں)۔

باقی رہا یہ کہ اسباب کی تاثیر روا ہے کیونکہ بعض اوقات حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ اسباب میں بھی تاثیر فرما دیتا ہے تاکہ وہ موثر ہو جائے، اور بعض اوقات ان میں تاثیر پیدا نہیں فرماتا لہٰذا ناچار اس کا کوئی اثر مرتب نہیں ہوتا۔ چنانچہ ہم (روزمرہ) اسباب میں اس حقیقت کا مشاہدہ کرتے ہیں کہ کبھی ان اسباب پر مسببات کا وجود مرتب ہوتا ہے اور کبھی کوئی اثر ان سے ظاہر نہیں ہوتا۔ اسباب کی تاثیر سے مطلقاً انکار کرنا لغو و باطل ہے: تاثیر کو ماننا چاہیئے لیکن اس تاثیر کو بھی اس کے سبب کی طرح حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی ایجاد سے جاننا چاہیئے۔ فقیر کی رائے اس مسئلہ میں یہی ہے۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ الْمُلْهِمُ (جیسا کہ اللہ سبحانہ نے الہام فرمایا)

اس بیان سے واضح ہو گیا کہ اسباب کا واسطہ توکل کے منافی نہیں ہے جیسا کہ ناقصوں نے خیال کیا ہے بلکہ اسباب میں توسط کا خیال کرنا "کمالِ توکل" ہے۔ جیسا کہ حضرت یعقوب علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسباب کو مدِ نظر رکھتے ہوئے معاملہ کو حق جل وعلا کے سپرد کرنے کو توکل فرمایا عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ (یوسف ۱۲ آیت ۶۷) (اسی پر میں نے توکل کیا اور اسی پر توکل کرنے والوں کو توکل (بھروسہ) کرنا چاہیئے)۔

عقیدہ (۱۰) اور حق تعالیٰ خیر و شر کا ارادہ کرنے والا بھی ہے اور دونوں (خیر و شر) کا پیدا کرنے والا بھی، لیکن وہ خیر سے راضی ہوتا ہے اور شر سے ناراض۔ ارادہ اور رضا کے درمیان یہ ایک بڑا باریک

عقیدہ ۱۰

اور دقیق فرق ہے جس کی طرف حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے اہلِ سنت کو ہدایت عطا فرمائی ہے۔ باقی تمام فرقے اس فرق کو نہ سمجھنے کی وجہ سے گمراہی میں مبتلا ہو گئے ہیں ـــــ اسی وجہ سے معتزلہ نے بندہ کو اپنے افعال کا خالق کہا ہے اور کفر و معاصی کی ایجاد کو اس (بندہ) سے منسوب کیا ہے ـــــ

ـــــ شیخ محی الدینؒ اور ان کی پیروی کرنے والوں کے کلام سے یہ مفہوم پیدا ہوتا ہے کہ جس طرح ایمان و عمل صالح "اسم الہادی" کے پسندیدہ ہیں اسی طرح کفر و معاصی بھی "اسم المضل" کے پسندیدہ ہیں" ـــــ (شیخ کی) یہ بات بھی اہلِ حق کے خلاف ہے اور ایجاب کی طرف میلان رکھتی ہے جو رضا کا متقاضی ہوتی ہے۔ جیسا کہ کہتے ہیں کہ آفتاب کا کام ضوفشانی (روشنی پھیلانا) ہے اور اس میں اس کی مرضی شامل ہے۔ اور حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے اپنے بندوں کو قدرت و ارادہ عطا کیا ہے کہ اپنے اختیار سے اپنے افعال کا کسب کرتے ہیں۔ افعال کا پیدا کرنا حق سبحانہٗ کی طرف منسوب ہے اور ان افعال کا کسب بندوں کی جانب منسوب ہے۔ اللہ سبحانہٗ کی عادت اسی طرح جاری ہے کہ بندہ جب اپنے فعل کا ارادہ کرتا ہے تو حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ اس فعل کو پیدا کر دیتا ہے۔ چونکہ بندہ کا فعل اپنے اختیار سے صادر ہوتا ہے اس لئے لازمی طور پر اس کی تعریف اور برائی، ثواب اور عذاب بھی اسی سے متعلق ہو جاتا ہے ـــــ اور جنہوں نے یہ کہا ہے کہ بندے کا اختیار کمزور اور ضعیف ہے اگر حق سبحانہٗ کی قوتِ اختیار کے اعتبار سے (اس بندے کے اختیار) کو ضعیف کہا ہے تو مسلم ہے اور اگر اس معنی میں کہا گیا ہے کہ جس کام کے کرنے میں اس کو مامور کیا گیا ہے وہ (قوت و اختیار) کافی نہیں ہے، تو یہ بات صحیح نہیں: فَإِنَّ اللّٰهَ سُبْحَانَهٗ لَا يُكَلِّفُ بِمَا لَيْسَ فِي وُسْعِهِ بَلْ يُرِيدُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ الْعُسْرَ (پس بیشک اللہ سبحانہٗ ایسے کام کی تکلیف نہیں دیتا جو بندے کی وسعت سے باہر ہو بلکہ وہ تو آسانی کا ارادہ کرتا ہے اور تنگی کا ارادہ نہیں کرتا)۔

خلاصۂ کلام یہ کہ "فعلِ موقت" (چند روزہ زندگی کے فعل) پر جزائے مخلد (دائمی عذاب) کا مقرر کرنا حق تعالیٰ کے حوالہ ہے، جس نے "کفرِ موقت" کی سزا اس کے اعمال کے موافق "عذابِ مخلد" فرمائی۔ اور "تلذذاتِ دائمی" (یعنی بہشت اور جو کچھ اس میں ہے) کو "ایمانِ موقت" (زندگی بھر کے ایمان) پر وابستہ کر دیا، ذٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ (یہ عزیز و حکیم کا مقرر کردہ ہے)۔

اللہ سبحانہٗ کی توفیق سے اس قدر تو ہم جانتے ہیں کہ حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ جو ظاہری

اور باطنی نعمتوں کا دینے والا اور آسمان و زمین کا پیدا کرنے والا ہے اور جس کی بارگاہ قدس کے لیے ہر قسم کی بزرگی اور کمال ثابت ہے اس کی نسبت کفر اختیار کرنے کی سزا بھی ایسی ہی ہونی چاہیے جو سخت ترین سزاؤں میں سے ہو، اور وہ ہمیشہ عذاب میں رہتا ہے۔ اور اسی طرح اس منعم بزرگ و برتر پر ایمان بالغیب لانا اور نفس و شیطان کی مزاحمت کے باوجود اس کو راست گو جاننے کی جزا بھی ویسی ہی ہونی چاہیے جو سب جزاؤں سے بہتر اور اعلیٰ درجہ کی ہو اور وہ دائمی نعمت و لذات میں رہتا ہے۔

بعض مشائخ نے فرمایا ہے کہ "درحقیقت بہشت میں داخل ہونا محض حق سبحانہٗ کے فضل پر موقوف ہے، اور اس کو ایمان کے ساتھ مربوط کرنا اس وجہ سے ہے کہ اعمال کی جزا لذیذ ترین معلوم ہو۔" ــــــ لیکن اس فقیر کے نزدیک حقیقتاً بہشت میں داخل ہونا ایمان کی وابستگی پر موقوف ہے لیکن ایمان بھی اس سبحانہٗ و تعالیٰ کا فضل اور عطیہ ہے ــــــ اور جہنم میں داخل ہونا کفر کے ساتھ وابستہ ہے اور کفر نفسِ امارہ کی خواہشات سے پیدا ہوتا ہے: مَاۤ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ وَمَاۤ اَصَابَكَ مِنْ سَیِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ (نساء آیت ۷۹) (جو کچھ بھلائی تجھ کو پہنچتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور جو کچھ برائی تجھ کو پہنچتی ہے وہ تیرے نفس کی طرف سے ہے)

جاننا چاہیے کہ بہشت کے داخلہ کو ایمان کے ساتھ مربوط کرنا حقیقت میں ایمان کی تعظیم اور تکریم ہے بلکہ "مومن بہ" (جس پر ایمان لایا گیا) کی تعظیم ہے جس پر اسقدر بڑا عظیم الشان اجر مرتب ہوا ہے ــــــ اور اسی طرح دوزخ میں داخل ہونے کو کفر کے ساتھ وابستہ کرنے میں کفر کی تحقیر ہے، اور اس ذات کی تعظیم ہے جس کی نسبت یہ کفر وقوع میں آیا اور اس طور پر دائمی عذاب اس پر مترتب ہوا ــــــ برخلاف اس بات کے جو بعض مشائخ نے کہی ہے وہ اس دقیقہ سے خالی ہے۔ اور نیز دوزخ میں داخل ہونا بھی انصاف کے تقاضے پر ہے اور کوئی مثال اس طرح پر جاری نہیں ہے کیونکہ جہنم میں داخل ہونا حقیقت میں کفر کے ساتھ مربوط ہے۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهٗ الْمُلْهِمُ. هٰذَا۔ (اللہ سبحانہٗ ہی الہام فرمانے والا ہے) اس کو یاد رکھیں

عقیدہ (۱۱) اور حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ کو مومنین آخرت میں بے جہت، بے کیف اور بے شبہ و بے مثال جنت میں دیکھیں گے ــــــ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے کہ جس میں اہل سنت کے علاوہ تمام اہلِ ملت اور غیر اہل ملت سب اس کے منکر ہیں اور بے جہت و بے کیف رویت کو

جائز نہیں سمجھتے۔ حتیٰ کہ شیخ محی الدین بن العربیؒ بھی آخرت کی رویت کو "تجلی صوری" کے ساتھ بیان کرتے ہیں اور اس تجلی صوری کے علاوہ کچھ تجویز نہیں کرتے ——— ایک روز ہمارے حضرت (خواجہ باقی باللہؒ) شیخ سے نقل کرتے تھے کہ اگر معتزلہ رویت کو تنزیہ کے مرتبہ میں منعقد نہ کرتے اور تشبیہ کے بھی قائل ہو جاتے اور اسی رویت کو تجلی (صوری) سمجھ لیتے تو ہرگز رویت کا انکار نہ کرتے اور محال نہ سمجھتے۔ یعنی ان کا انکار بے جہتی اور بے کیفی کی وجہ سے ہے جو مرتبہ تنزیہ کے ساتھ مخصوص ہے۔ بخلاف اس تجلی کے جس میں جہت اور کیف ملحوظ رکھا جاتا ہے۔

——— یہ بات پوشیدہ نہ رہے کہ آخرت کی رویت کو تجلی صوری کی طرح بیان کرنا فی الحقیقت خاص رویت کا انکار کرنا ہے کیونکہ وہ تجلی صوری اگرچہ دنیاوی تجلیاتِ صوریہ سے مختلف ہے لیکن حق تعالیٰ کی رویت نہیں ہے ؎

یَرَاهُ الْمُؤْمِنُوْنَ بِغَيْرِ كَيْفٍ ۔۔۔ وَاِدْرَاكٍ وَّضَرْبٍ مِّنْ مِّثَالٍ

(جنتی کو دیدِ حق کی ہوگی سیر ۔۔۔ کیف و ادراک اور مثالوں کے بغیر)

عقیدہ (۱۲) انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی بعثت عالم (تمام جہان) کے لئے سراسر رحمت ہے اگر ان بزرگواروں کے وجود کا وسیلہ نہ ہوتا تو ہم جیسے گمراہوں کو ذات و صفات واجب الوجود تعالیٰ و تقدس کی معرفت کی طرف کون ہدایت فرماتا اور ہمارے مولا جل شانہ کی مرضیات و نامرضیات والی چیزوں میں کون تمیز کراتا، اور ہماری ناقص عقلیں ان (بزرگواروں) کے نورِ دعوت کی تائید کے بغیر اس کے سمجھنے سے معزول و بیکار ہیں اور ہمارے افہامِ ناتمام ان بزرگواروں کی تقلید کے بغیر اس معاملہ میں عاجز و بے بس ہیں ——— بیشک عقل اگرچہ ایک حجت (دلیل) ہے لیکن یہ ایک ناتمام حجت ہے جو مرتبہ بلوغ تک نہیں پہنچی ہے۔ "حجتِ بالغہ" (دلیلِ کامل) انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی بعثت ہے جس پر آخرت کا دائمی عذاب و ثواب وابستہ ہے۔

سوال: جب آخرت کا دائمی عذاب بعثت پر موقوف ہے تو پھر بعثت کو "رحمتِ عالمیان" کہنا کیا معنی ہوگا۔

جواب: بعثتِ (انبیاءؑ) عین رحمت ہے کیونکہ واجب الوجود تعالیٰ و تقدس کی ذات و صفات کی معرفت کا سبب ہے جس میں دنیا و آخرت کی سعادتیں شامل ہیں۔ اور بعثتِ (انبیاءؑ) کی دولت کی وجہ سے

معلوم ہوگیا کہ فلاں چیز حق تعالیٰ کی بارگاہ قدس کے مناسب ہے اور فلاں نامناسب کیونکہ ہماری لنگڑی اور اندھی عقل امکان وحدوث کے داغ سے داغدار ہے وہ کیا سمجھے کہ اس حضرتِ وجوب کے لئے جس کے واسطے قدم لازم ہے اس کے اسماء وصفات اور افعال میں سے کون سے مناسب ہیں اور کون سے نامناسب تاکہ ان مناسب (اسماء وصفات) کا اطلاق کیا جائے اور نامناسب سے پرہیز کیا جائے۔ بلکہ اوقات (ہماری اندھی عقل) اپنے نقص کی وجہ سے کمال کو نقص جانتی ہے اور نقص کو کمال سمجھنے لگتی ہے ــــــ فقیر کے نزدیک یہ (مناسب ونامناسب کا) امتیاز تمام ظاہری اور باطنی نعمتوں سے بڑھ کر ہے۔ وہ شخص بڑا ہی بدبخت ہے جو نامناسب امور کو اس تعالیٰ کی پاک بارگاہ کی طرف منسوب کردے اور ناشائستہ چیزوں کو حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے ساتھ نسبت دے۔

ــــــ یہ بعثتِ (انبیاء) ہی کا کارنامہ ہے جس نے حق کو باطل سے جدا کر دیا بعثت ہی کی وجہ سے غیر مستحقِ عبادت اور مستحقِ عبادت (حق جل وعلا) کے درمیان تمیز قائم کی۔ یہ بعثت ہی ہے کہ جس کے ذریعے حق جل وعلا کے راستے کی طرف دعوت دی جاتی ہے جو بندوں کو مولیٰ جل سلطانہٗ کے قرب اور وصل کی سعادت تک پہنچاتی ہے۔ اور بعثت ہی کے وسیلے سے مولیٰ جل شانہٗ کی مرضیات کی اطلاع میسر ہوتی ہے۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ــــــ بعثت ہی کے طفیل اس تعالیٰ کی ملک میں تصرف کا جواز وعدم جواز کی تمیز حاصل ہوتی ہے۔ اور بعثت کے فوائد کی مثالیں بکثرت ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ انبیاء کی بعثت سراپا رحمت ہے۔ اور جو شخص اپنے نفسِ امارہ کا مطیع ہوگیا اور شیطانِ لعین کے حکم سے بعثت کا انکار کرتا ہے اور بعثت کے تقاضوں کے مطابق عمل نہیں کرتا تو اس میں بعثت کا کیا گناہ، اور بعثت کس طرح رحمت نہ ہوگی۔

سوال: ہر چند عقل اپنی ذات کی حد تک احکامِ الٰہی جل شانہٗ کی بجا آوری میں ناقص ونا تمام ہے لیکن ایسا کیوں نہیں ہوسکتا کہ تصفیہ اور تزکیہ حاصل ہونے کے بعد عقل کو مرتبۂ وجوب تعالیٰ وتقدس کے ساتھ ایک بے تکیف مناسبت اور اتصال پیدا ہوجائے کہ جس مناسبت اور اتصال کے سبب وہ احکام کو وہاں سے اخذ کرلے اور اس کو اس بعثت کی جو فرشتے کے واسطے سے ہے کوئی حاجت نہ رہے۔

جواب: اگرچہ عقل یہ مناسبت اور اتصال پیدا کرلے لیکن وہ تعلق جو اس کا جسمانی بدن کے ساتھ ہے وہ بالکل ختم نہیں ہوتا اور کامل طور پر علیحدگی حاصل نہیں ہوتی، لہٰذا قوتِ واہمہ ہمیشہ

دامنگیر رہتی ہے اور قوتِ متخیلہ ہرگز اس کا خیال نہیں چھوڑتی اور قوتِ غضبیہ و شہویہ ہمیشہ اس کے ساتھ رہتی ہے، اور حرص و لالچ کے رذائل ہر وقت اس کے ہمنشین رہتے ہیں، سہو و نسیان جو نوعِ انسانی کی لوازمات میں سے ہیں اس کی عقل سے مکمل طور پر جدا نہیں ہوتے، اور غلطی و خطا جو اس جہان کا خاصہ ہے اس سے جدا نہیں ہوتے۔ لہٰذا عقل اعتماد کے لائق نہیں ہے، اور اس سے ماخوذ احکام وہم اور تصرفِ خیال کے غلبہ سے محفوظ نہیں رہتے اور نسیان و خطا کے گمان کی آمیزش سے محفوظ نہیں رہتے، برخلاف فرشتے کے کہ وہ ان اوصاف سے پاک اور ان رذائل سے مبرا ہے تو لازماً وہ اعتماد کے قابل ہے اور اس سے ماخوذ احکام وہم و خیال کی آمیزش اور نسیان و خطا کے گمان سے محفوظ ہیں۔

اور بعض اوقات وہ علوم جو تلقیٔ روحانی (القائے روحانی) سے اخذ کئے ہوئے ہوتے ہیں ان کے متعلق تبلیغ کے دوران ایسا محسوس ہوتا ہے کہ قویٰ و حواس کے ساتھ بعض مقدماتِ مسلّمہ غیر صادقہ جو وہم و خیال یا کسی اور ذریعہ سے حاصل ہوئے ہیں بے اختیار ان علوم کے ساتھ اس طرح خلط ملط ہو جاتے ہیں کہ اس وقت ہرگز تمیز ممکن نہیں رہتی، اور دوسرے وقت میں ایسا ہوتا ہے کہ اس تمیز کا علم دیدیا جاتا ہے اور کبھی نہیں دیا جاتا۔ لہٰذا لازمی طور پر وہ علوم ان مقدمات کے مل جانے کی وجہ سے کذب کی ہیئت پیدا کر لیتے ہیں اور اعتماد کے قابل نہیں رہتے ـــــــ یا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ تصفیہ اور تزکیہ کا حاصل ہونا "اعمالِ صالحہ" کے بجا لانے پر موقوف ہے جو "مرضیاتِ مولیٰ سبحانہ" ہیں۔ اور یہ معنی بعثتِ (انبیاء) پر وابستہ ہیں، جیسا کہ بیان ہو چکا۔

لہٰذا ثابت ہوا کہ بعثت کے بغیر تصفیہ اور تزکیہ کی حقیقت میسر نہیں ہوتی اور وہ صفائی جو کفار اور اہلِ فسق کو حاصل ہوتی ہے وہ نفس کی صفائی ہے نہ کہ قلب کی صفائی۔ اور نفس کی صفائی سوائے گمراہی کے کچھ نہیں بڑھاتی، اور سوائے نقصان کے اور کچھ ہاتھ نہیں آتا ـــــــ اور بعض غیبی امور کا کشف جو صفائی نفس کے وقت کفار اور اہلِ فسق کو حاصل ہو جاتا ہے وہ استدراج ہے جس سے مقصود اس جماعت کی خرابی اور نقصان ہے: نَجَّانَا اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ عَنْ هٰذِهِ الْبَلِيَّةِ بِحُرْمَةِ سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ عَلَيْهِ وَعَلَيْهِمُ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِيْمَاتُ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاٰلِ كُلٍّ (اللہ سبحانہٗ حضرت سید المرسلین علیہ و علیہم الصلوات والتسلیمات و علیٰ آلہٖ کے طفیل ہم کو اس بلا سے نجات دے)

اس تحقیق سے واضح ہو گیا کہ تکلیفِ شرعی جو بعثتِ (انبیاء) کی راہ سے ثابت ہوئی ہے وہ بھی

رحمت ہی ہے، نہ کہ جس طرح تکلیفِ شرعی کے منکروں یعنی ملحدوں اور زندیقوں نے گمان کیا ہے اور تکلیفِ شرعی کو مصیبت جان کر غیر معقول اور ناپسند قرار دیا ہے اور کہتے ہیں کہ یہ کون سی مہربانی ہے کہ بندوں کو امورِ شاقہ کی تکلیف دی جائے پھر ان سے کہا جائے کہ اگر تم اس تکلیف کے مطابق عمل کروگے تو بہشت میں جاؤگے اور اگر اس کے خلاف کروگے تو دوزخ میں جاؤگے، ان کو ایسے امور کی کیوں تکلیف دیتے ہیں اور ان کو کیوں نہیں چھوڑ دیتے کہ کھائیں پئیں اور سوئیں، اور جس طرح چاہیں اپنے طور پر زندگی بسر کریں ——— (یہ منکرین) بدنصیب اور بے عقل یہ نہیں جانتے کہ از روئے عقل "شکرِ منعم" ادا کرنا واجب ہے اور یہ تکلیفاتِ شرعیہ اس شکر کے بجا لانے کا بیان ہے. لہذا تکلیفِ (شرعی) عقل کی رو سے بھی واجب ہے۔ اور اسی طرح "نظامِ عالم" "تکلیفاتِ شرعی" کے ساتھ وابستہ ہے ——— اگر ہر ایک کو اس کے حال پر چھوڑ دیا جاتا تو سوائے شرارت و فساد کے کچھ ظہور میں نہ آتا، اور ہر بوالہوس دوسرے کے جان و مال میں دست درازی کرتا اور خباثت و شرارت سے پیش آتا، اس طرح خود بھی ضائع ہوتا اور دوسروں کو ضائع کرتا۔ عِیَاذًا بِاللّٰہِ سُبْحَانَہٗ اگر سختی اور شرعی موانع حائل نہ ہوتے تو معلوم نہیں کہ کس قدر شرارت و فساد ظاہر ہوتا۔ وَلَکُمْ فِی الْقِصَاصِ حَیٰوۃٌ یّٰاُولِی الْاَلْبَابِ (بقرہ آیت ۱۷۹) (اے عقلمندو! تمہارے لئے قصاص میں ہی زندگی ہے) (نص قاطع ہے) ؎

اگر چوبِ حاکم نباشد زپے　　　　کند زنگئ مست در کعبہ قے

(اگر چوبِ حاکم کا ہوتا نہ خوف　　　　شرابی تو کعبے میں کردیتا قے)

باہم یہ کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ زمین و آسمان اور ہر چیز کا خود مختار مالک ہے اور (تمام) بندے اس سبحانہٗ کے مملوک اور غلام ہیں. لہذا جو حکم و تصرف وہ ان میں فرماتا ہے وہ عین خیر و صلاح ہے اور ظلم و فساد کی آمیزش سے منزّہ و مبرا ہے۔ لَا یُسْئَلُ عَمَّا یَفْعَلُ (انبیا آیت ۲۳) (وہ جو کچھ کرتا ہے اس سے کوئی نہیں پوچھ سکتا) ؎

کرا زہرہ آنکہ از بیمِ تو　　　　کشاید زباں جز بہ تسلیمِ تو

(ترے خوف سے کس کو ہے حوصلہ　　　　کہ تسلیم سے ہٹ کے کھولے زباں)

اگر وہ سب کو دوزخ میں ڈال دے اور دائمی عذاب کا حکم فرمائے تو کسی کو اعتراض کی کیا مجال ہے اور یہ غیر کی ملک میں تصرف نہیں ہے کہ اس میں ظلم و ستم کا شائبہ ہو۔ برخلاف ہماری املاک کے جو فی الحقیقت اسی سبحانہٗ کی املاک ہیں۔ ان املاک میں تمام تصرفات (سوائے ان کے جو جائز ہیں)

عین ستم ہیں: کیونکہ صاحب شرع نے بعض مصالح کی بنا پر ان املاک کی نسبت ہماری طرف کردی ہے لیکن حقیقت میں وہ سب اسی سبحانہٗ کی ملکیت ہیں۔ لہٰذا ان میں ہمارا تصرف اسی قدر جائز ہے جس قدر مالکِ علی الاطلاق (بالکلیہ مالک حق تعالیٰ) نے اس میں تصرف کی اجازت دی اور مباح فرمایا۔——
—— کیونکہ ان بزرگواروں (یعنی انبیا) علیہم الصلوات والتسلیمات نے حق جل وعلا کے احکام کے بارے میں خبریں دی ہیں، اور جو احکام بیان فرمائے ہیں وہ سب سچے اور واقعہ کے مطابق ہیں ——
(علماء نے) احکامِ اجتہادیہ میں ان بزرگوار (پیغمبران) علیہم الصلوات والتسلیمات والتحیات سے اگرچہ خطا کو تجویز کیا ہے لیکن خطا کے برقرار رکھنے کو ان کے حق میں جائز نہیں رکھا اور فرمایا ہے کہ: ان کو ان کی خطا پر جلدی متنبہ کر دیتے ہیں اور ان کی خطا کا تدارک صواب سے کر دیتے ہیں: فَلَا اعْتِدَادَ بِذٰلِكَ الْخَطَاءِ (لہٰذا یہ خطا کسی گنتی میں نہیں ہے)۔

عقیدہ (۱۳)۔ اور قبر کا عذاب خاص طور پر کافروں کے لئے اور بعض گنہگار اہلِ ایمان کے لئے "حق" ہے کیونکہ مخبرِ صادق علیہ وعلی آلہ الصلوات والتسلیمات نے اس کی خبر دی ہے۔

عقیدہ (۱۴) اور قبر میں مؤمنوں اور کافروں سے منکر نکیر کا سوال بھی "حق" ہے۔ کیونکہ دنیا اور آخرت کے درمیان "قبر" ایک برزخ ہے۔ اس کا عذاب بھی ایک وجہ سے دنیاوی عذاب سے مناسبت رکھتا ہے اور انقطاع پذیر (ختم ہونے والا) ہے، اور دوسری وجہ سے اس کو عذابِ اخروی کے ساتھ مناسبت ہے کیونکہ وہ حقیقت میں آخرت کے عذابوں میں سے ہے۔ آیتِ کریمہ: اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا (مومن آیت ۴۶) (وہ صبح و شام آگ (دوزخ) پر پیش کئے جاتے ہیں) نَزَلَتْ فِيْ عَذَابِ الْقَبْرِ (یہ آیت عذابِ قبر کے متعلق نازل ہوئی ہے)—— اور اسی طرح قبر کی راحت بھی دو حیثیتیں رکھتی ہے، وہ شخص بہت ہی سعادتمند ہے جس کی لغزشوں اور گناہوں کو کمالِ کرم اور مہربانی سے معاف فرما دیں اور ہرگز اس سے مواخذہ نہ کریں، اور اگر مقامِ مواخذہ میں آجائے تو بھی اپنی کمالِ رحمت سے دنیاوی آلام و مصائب کی تکالیف کو اس کے گناہوں کا کفارہ قرار دیدیں۔ اور اگر کچھ باقی رہ جائے تو قبر کی تنگی اور ان تکلیفوں کو جو اس مقام میں مقرر ہیں ان سے کفارہ کردیں تاکہ پاک و پاکیزہ ہو کر حشر میں مبعوث ہو۔ اور جس کسی کے لئے ایسا نہ کریں اور اس کا مواخذہ آخرت پر چھوڑ دیں تو یہ بھی عین عدل ہے۔ لیکن گنہگاروں اور شرمساروں کے حال پر افسوس ہے —— ہاں اگر وہ (گنہگار) اہلِ اسلام سے ہے تو اس کا انجام رحمت ہے،

اور وہ عذاب ابدی سے محفوظ ہے، یہ بھی ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ رَبَّنَا اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا اِنَّكَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ بِحُرْمَةِ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَعَلَیْهِمُ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ (اے ہمارے رب! سید المرسلین علیہ وعلی آلہ وعلیہم الصلوٰت والتسلیمات کے طفیل ہمارے نور کو کامل فرما اور ہم کو بخش دے بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے)۔

عقیدہ (۱۵) روزِ قیامت "حق" ہے۔ اس روز آسمان، ستارے، زمین، پہاڑ، سمندر، حیوان، نباتات اور معدنیات سب کے سب معدوم و ناچیز ہو جائیں گے، آسمان شق ہو جائیں گے اور ستارے منتشر ہو کر گر جائیں گے۔ اور زمین و پہاڑ پراگندہ ذرات ہو جائیں گے۔ یہ تمام توڑ پھوڑ اور فنا کا تعلق نفخۂ اولیٰ سے ہے ——— اور نفخۂ ثانیہ (دوسرے صور) پر لوگ قبروں سے اٹھ کر محشر کی طرف روانہ ہوں گے ——— اور فلاسفہ (یعنی حکمائے یونان وغیرہ) آسمانوں، ستاروں کے نیست و نابود ہونے کو نہیں مانتے اور ان کا فانی اور فاسد ہونا جائز نہیں سمجھتے، وہ ان کو ازلی اور ابدی کہتے ہیں ——— اور اس امر کے باوجود ان میں سے متاخرین اپنی بے وقوفی کی وجہ سے اپنے آپ کو زمرۂ اہلِ اسلام میں شمار کرتے ہیں اور اسلام کے بعض احکام بھی بجالانے کا دعویٰ کرتے ہیں ——— زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ بعض اہلِ اسلام ان کی ان باتوں پر یقین رکھتے ہیں اور جرأت و دلیری کے ساتھ ان کو مسلمان سمجھتے ہیں۔ اور اس سے بھی زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ بعض مسلمان ان لوگوں میں سے بعض کے اسلام کو کامل جانتے ہیں، اور اگر کوئی ان پر طعن و تشنیع کرے تو اس کو بہت برا سمجھتے ہیں۔ حالانکہ یہ لوگ نصوصِ قطعی کے منکر ہیں اور انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے اجماع کا انکار کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ وَاِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ (تکویر آیت ۱و۲) (جب آفتاب بے نور ہو جائے گا اور ستارے ٹوٹ ٹوٹ کر گر پڑیں گے) ——— نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ (انشقاق آیت ۱،۲) (جب آسمان پھٹ جائے گا اور اپنے رب کا حکم سن لے گا اور وہ اسی لائق ہے) ——— اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَفُتِحَتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ اَبْوَابًا (نبا آیت ۱۹) (اور آسمان کھل جائے گا اور اس میں دروازے ہی دروازے ہو جائیں گے) (یعنی پھٹ جائے گا) ——— اس قسم کی مثالیں قرآن مجید میں بکثرت موجود ہیں ——— وہ یہ نہیں جانتے کہ صرف کلمۂ شہادت زبان سے ادا کر لینا اسلام میں کافی نہیں ہے، بلکہ ان تمام چیزوں کی تصدیق بھی ضروری ہے جن کا بجالانا اور

ان پر عمل کرنا دین کی ضروریات میں سے ہے اور کفر و کافری سے تبرّا اور بیزار ہونا بھی ضروری ہے تاکہ اسلام متصور ہو جائے۔ وَبِدُوْنِہٖ خَرْطُ الْقَتَادِ (اس کے علاوہ بے فائدہ تکلیف اٹھانا ہے)۔

عقیدہ (۱۶) اور حساب، میزان (اعمال کا وزن ہونا) اور پل صراط "حق" ہے کہ مخبرِ صادق علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کی خبر دی ہے۔ (لیکن) نبوت کے اطوار سے ناواقفیت کی بنا پر بعض جاہلوں کا ان امور کو بعید از عقل سمجھنا (بلحاظ اعتبار ساقط ہے) کیونکہ نبوت کے اطوار عقل کے اطوار سے بالاتر ہیں۔ حقیقت میں انبیاء کرامؑ کی سچی خبروں کو عقل کی نظر کے موافق کرنے کی کوشش کرنا حقیقت میں "طورِ نبوت" سے انکار ہے، کیونکہ یہاں معاملہ صرف تقلید (انبیاء) پر مبنی ہے ——— وہ یہ نہیں جانتے کہ "طورِ نبوت" "طورِ عقل" کے مخالف ہے، بلکہ "طورِ عقل" انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی تقلید کی تائید کے بغیر اس عالی مطلب کی طرف ہدایت حاصل نہیں کر سکتی۔ مخالفت دوسری چیز ہے اور رسائی نہ ہونا دوسری بات ہے۔ کیونکہ مخالفت رسائی کے بعد متصور ہوتی ہے۔

عقیدہ (۱۷) اور بہشت و دوزخ موجود ہیں۔ قیامت کے دن حساب کے بعد ایک گروہ بہشت میں بھیجا جائے گا اور دوسرا گروہ دوزخ میں۔ اور ان (مومنوں) کے لئے ثواب اور (کفار کے لئے) عذاب دائمی و ابدی ہوگا جو کبھی ختم ہونے والا نہیں جیسا کہ قطعی اور موکدہ نصوص اس امر پر دلالت کرتے ہیں۔

صاحبِ فصوص (شیخ محی الدین ابن عربیؒ) کہتے ہیں کہ سب کا انجام "رحمت" ہے (جیسا کہ حق تعالیٰ نے فرمایا) وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ (اعراف آیت ۱۵۶) (اور میری رحمت سب چیزوں کو گھیرے ہوئے ہے)۔ ——— اور کفار کے لئے دوزخ کا عذاب تین حقبہ (ایک حقبہ اسّی برس کی مدت) تک ثابت ہے۔ اور اس کے بعد کہتے ہیں کہ "آگ ان کے حق میں بَرْدًا وَّسَلَامًا (ٹھنڈی اور سلامتی والی) ہو جائے گی جیسا کہ حضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام پر ہو گئی تھی۔ اور حق جل و علا کی وعید میں خلاف کرنے کو جائز سمجھتے ہیں ——— اور وہ (صاحبِ فصوص) یہ کہتے ہیں کہ اہلِ دل (صوفیہ) میں سے کوئی بھی کفار کے دائمی عذاب کی طرف نہیں گیا ہے"۔ اور اس مسئلہ میں بھی وہ راہِ حق سے دور جا پڑے ہیں، اور انھوں نے یہ نہیں جانا کہ مومنوں اور کافروں کے حق میں "وسعتِ رحمت" صرف اسی دنیا میں مخصوص ہے لیکن آخرت میں کافروں کو رحمت کی بو تک نہیں پہنچے گی، جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اِنَّہٗ لَا یَایْئَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰہِ اِلَّا الْقَوْمُ الْکٰفِرُوْنَ (یوسف آیت ۸۷) (بیشک اللہ تعالیٰ کی رحمت سے

سوائے کافروں کے کوئی مایوس (ناامید) نہ ہوگا) ــــــــ جیسا کہ سبحانہ و تعالیٰ نے وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ کے بعد فرمایا ہے: فَسَاَکْتُبُهَا لِلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوةَ وَالَّذِیْنَ هُمْ بِاٰیٰتِنَا یُؤْمِنُوْنَ (اعراف آیت ۱۵۶) (پھر میں اپنی رحمت کو ان لوگوں کے لئے لکھوں گا جو متقی ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں، اور ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں) ــــــــ شیخ (ابن عربیؒ) نے آیت کے اول حصہ کو تو پڑھ لیا اور آخری حصہ کے عمل کو نہ فرمایا۔

اور جیسا کہ حق تعالیٰ نے فرمایا: اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِیْنَ (اعراف آیت ۵۶) (بیشک اللہ تعالیٰ کی رحمت محسنین کے قریب ہے) ــــ نیز آیۂ کریمہ فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ رُسُلَهٗ (ابراہیم آیت ۴۷) (پس ہرگز گمان نہ کرو کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں سے وعدہ خلافی کرے گا) بھی وعدہ خلافی کی خصوصیت پر دلالت نہیں کرتی ــــ اور ہو سکتا ہے کہ اس جگہ وعدہ خلافی کے نہ ہونے کا اقتصار و انحصار اس وجہ سے ہو کہ وعدہ سے مراد رسولوں کی نصرت اور کفار پر ان کا غلبہ ہے۔ اور یہ بات وعدہ و وعید دونوں کو متضمن ہے یعنی رسولوں کے لئے وعدہ ہے اور کفار کے لئے وعید ــــ لہٰذا اس آیۂ کریمہ میں بھی خلفِ وعدہ (وعدہ خلافی) کی نفی ہوتی ہے اور خلفِ وعید کی بھی نفی۔ فَالْاٰیَةُ مُسْتَشْهَدٌ عَلَیْهِ لَا لَهٗ (لہٰذا آیتِ مذکورہ شیخ کے خلاف ہے تائید میں نہیں ہے) ــــــــ اور اسی طرح خلف در وعید (وعید میں خلاف ہونا) بھی وعدہ خلافی کے مانند جھوٹ کو مستلزم ہے۔ اور یہ حضرت جل سلطانہٗ کے شایانِ شان نہیں ہے۔ کیونکہ وہ (حق تعالیٰ) ازل ہی میں جانتا تھا کہ کفار کو دائمی عذاب نہیں دوں گا۔ باوجود اس کے کسی مصلحت کی بنا پر اپنے علم کے خلاف فرما دیا کہ میں ان پر دائمی عذاب مسلط کر دوں گا۔ اس بات کو جائز کرنا نہایت ہی برا ہے: سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا یَصِفُوْنَ (صفٰت آیت ۱۸۰) (تمہارا بڑی عزت والا رب ان باتوں سے پاک ہے جو یہ بیان کرتے ہیں)

اور کفار کے لئے دائمی عذاب کے نہ ہونے پر اہلِ دل (صوفیہ) کا اجماع صرف شیخ کا اپنا کشف ہے اور کشف میں خطا اور غلطی کی بہت گنجائش ہے اور خصوصاً وہ کشف جو مسلمانوں کے اجماع کے مخالف ہو اس لئے اس کا کچھ اعتبار و اعتماد نہیں ہے۔

عقیدہ (۱۸): فرشتے، خداوند جل سلطانہٗ کے بندے ہیں جو گناہوں سے پاک اور خطا و نسیان (بھول چوک) سے بھی محفوظ ہیں (جیسا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے) لَا یَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَیَفْعَلُوْنَ

مَا یُؤْمَرُوْنَ (تحریم آیت ۶) (اللہ تعالیٰ جو حکم ان کو کرتا ہے وہ اس میں اس کی نافرمانی نہیں کرتے اور وہی کرتے ہیں جو ان کو حکم ہوتا ہے)۔ وہ کھانے پینے سے اور مرد و زن ہونے سے منزہ اور مبرا ہیں۔ قرآن مجید میں ان کے لئے مذکر ضمیروں کا استعمال اس اعتبار سے ہے کہ صنفِ ذکور کو صنفِ نساء کے مقابلہ میں شرف حاصل ہے چنانچہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے اپنی ذات کے لئے بھی مذکر ضمیروں کا استعمال کیا ہے ——— اور حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے بعض (فرشتوں) کو رسالت کے لئے منتخب کیا ہے جیسا کہ بعض انسانوں کو رسالت کی دولت سے مشرف فرمایا ہے (جیسا کہ ارشاد ہے) اَللّٰہُ یَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ رُسُلًا وَّ مِنَ النَّاسِ (حج آیت ۷۵) (اللہ تعالیٰ فرشتوں اور انسانوں میں سے بعض کو رسالت کے لئے منتخب فرمالیتا ہے)۔

——— جمہور علماء اہلِ حق اس بات پر متفق ہیں کہ "خاص انسان خاص فرشتوں سے افضل ہیں"۔ اور امام غزالیؒ اور امام الحرمینؒ[1] اور صاحبِ فتوحاتِ مکیہ اس بات کے قائل ہیں کہ خاص فرشتے خاص انسانوں سے افضل ہیں ——— اور جو کچھ اس فقیر پر ظاہر کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ فرشتہ کی ولایت نبی علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ولایت سے افضل ہے لیکن نبوت و رسالت میں نبی کے لئے ایک ایسا درجہ ہے کہ جس تک فرشتہ نہیں پہنچا ہے اور وہ درجہ عنصرِ خاک کی وجہ سے ظاہر ہوا ہے جو بشر کے ساتھ مخصوص ہے ——— اور اس فقیر پر یہ بھی ظاہر کیا گیا ہے کہ "کمالاتِ ولایت" "کمالاتِ نبوت" کے مقابلہ میں کسی گنتی میں نہیں ہیں، کاش کہ ان کے درمیان وہ نسبت ہی ہوتی جو قطرہ کو دریائے محیط کے ساتھ ہے۔ مگر ایسا نہیں ہے پس وہ فضیلت جو نبی کو نبوت کی وجہ سے حاصل ہوئی ہے وہ اس فضیلت سے کئی گنا زائد ہے جو ولایت کی وجہ سے حاصل ہو، لہٰذا "افضلیتِ مطلق" انبیائے کرام علیہم الصلوات والتسلیمات کا حصہ ہے اور جزئی فضیلت ملائکہ کرام کے لئے ہے۔ پس درست وہی ہے جو علمائے کرام شکر اللہ تعالیٰ سعیہم نے فرمایا ہے ——— اس تحقیق سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے درجات ہیں۔ کسی نبی کے درجے تک کوئی ولی نہیں پہنچا بلکہ اس ولی کا سر ہمیشہ اس نبی کے قدم کے نیچے ہوتا ہے۔

جاننا چاہئے کہ ان مسائل میں سے ہر ایک مسئلہ میں جن میں علماء اور صوفیہ کا اختلاف ہے، جب اچھی طرح غور اور ملاحظہ کیا جاتا ہے تو حق علماء کی جانب معلوم ہوتا ہے۔ اور اس کا راز یہ ہے کہ علماء کی نظر نے انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی متابعت کے باعث نبوت کے کمالات اور اس کے علوم میں نفوذ کیا،

[1] یعنی امام الحرمین عبد الملک بن عبد اللہ الجوینی المتوفی ۴۷۸ھ

اور صوفیہ کی نظر ولایت کے کمالات اور اس کے معارف تک محدود رہتی ہے۔ لہٰذا وہ علم جو نبوت کی مشکوٰۃ سے حاصل کیا جائے وہ لازماً اس علم سے جو مرتبۂ ولایت سے اخذ کیا گیا ہو کئی درجے زیادہ صحیح اور حق ہوگا۔

ان معارف میں سے بعض کی تحقیق اس مکتوب (دفتر اول مکتوب ۲۶۰) میں جو فرزندی ارشدی (خواجہ محمد صادقؒ) کے نام طریقے کے بیان میں لکھا ہے درج ہو چکی ہے، اگر کچھ دقت اور پوشیدگی رہ گئی ہو تو اس (مکتوب کی طرف) رجوع کریں۔

عقیدہ (۱۹) ایمان سے مراد، جو کچھ دینی امور سے متعلق ضرورت اور تواتر کے طریق پر ہم تک پہنچا ہے اس کی دل سے تصدیق کرنا ہے، اور زبان سے اقرار کرنا بھی ایمان کا رکن ہے، جیسا کہ (علماء نے کہا ہے) کہ اس کے بغیر (ایمان کے) منہدم ہونے کا احتمال ہے، اور اس علامت کی تصدیق کفر پر تبری کرنا اور کافری سے اور جو کچھ کافری کے لوازم و خصائص ہیں جیسے زُنّار کا باندھنا اور اس کے مانند وغیرہ سے بیزاری کا اظہار کرنا ہے ــــــــ اللہ سبحانہٗ کی پناہ! اگر کوئی اس تصدیق کا بھی دعویٰ کرے اور کفر سے بیزاری کا اظہار نہ کرے تو وہ دو دینوں کا تصدیق کرنے والا بن جائے گا جو ارتداد کے داغ سے داغدار ہوگا اور حقیقت میں اس کا حکم منافق کے حکم میں ہے: لَآ اِلٰی هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰی هٰٓؤُلَآءِ (نساء آیت ۱۴۳) (نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے) ــــــــ لہٰذا ایمان کی تحقیق میں کفر سے تبرّی (بیزاری کا اظہار) کئے بغیر چارہ نہیں۔ تبرّی کا ادنیٰ درجہ دل سے بیزاری کرنا ہے۔ اور تبری کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ دل اور جسم دونوں سے ہو، اور تبری سے مراد حق جل و علا کے دشمنوں کے ساتھ دشمنی رکھنا ہے۔ خواہ دشمنی قلب سے ہو جبکہ ان سے نقصان پہنچنے کا خوف ہو، خواہ دل اور جسم دونوں سے ہو جبکہ ان سے ضرر کا خوف نہ ہو۔ آیۂ کریمہ: یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِیْنَ وَاغْلُظْ عَلَیْهِمْ (توبہ آیت ۷۳) (اے نبی! کفار اور منافقین سے جہاد کرو اور ان کے ساتھ سختی سے پیش آؤ) اس مضمون کی تائید کرتی ہے ــــــــ ــــــــ کیونکہ خدائے عزوجل کی محبت اور اس کے رسول علیہ و علیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کی محبت ان کے دشمنوں کی دشمنی کے بغیر صورت پذیر نہیں ہوتی۔ اس جگہ یہ مصرع صادق آتا ہے۔ ع

تولّی بے تبرّی نیست ممکن (حُبِّ حق کے واسطے ہے غیر سے نفرت ضرور)

شیعہ (فرقہ) نے جو یہ قاعدہ اہلِ بیت کی محبت اور دوستی میں جاری کیا ہے اور تینوں خلفاؓ اور ان کے علاوہ اکثر صحابہؓ پر تبرّی کرنا اہلِ بیت کی دوستی کی شرط قرار دیا ہے نامناسب ہے، کیونکہ

دوستوں کی محبت کے لئے شرط ہے کہ ان کے دشمنوں سے تبرّی کیا جائے، نہ کہ مطلق طور پر دشمنوں کے علاوہ دوسروں سے بھی ہو۔ اور کوئی عقلمند منصف اس بات کو تجویز نہیں کرتا کہ پیغمبر علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کے اصحاب پیغمبر علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات والتحیات کے اہلِ بیت کے دشمن ہوں، اور حالانکہ ان بزرگواروں نے آپ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی محبت میں اپنے اموال اور جانوں کو صرف کردیا اور اپنی عزت و حکومت کو برباد کردیا تو اہلِ بیت سے ان کی دشمنی کس طرح منسوب کی جاسکتی ہے، جبکہ نصِ قطعی سے آں سرورِ عالم علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کے قرابت داروں کی محبت ثابت ہے۔ اور دعوت کی اجرت کو اُن کی محبت قرار دیا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى وَمَنْ يَّقْتَرِفْ حَسَنَةً نَّزِدْ لَهٗ فِيْهَا حُسْنًا (شوریٰ ۴۲ آیت ۲۳) (آپ ان سے کہہ دیجئے کہ میں تم سے اہلِ قرابت کی دوستی کے علاوہ کوئی بدلہ نہیں چاہتا۔ اور جو شخص ایک نیکی کمائے گا ہم اس کی نیکیوں میں اور زیادتی کردیں گے)۔

اور حضرت ابراہیم خلیل الرحمٰن علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو جو یہ بزرگی حاصل ہوئی اور "شجرۂ انبیا" بن گئے، یہ سب اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کے ساتھ (علی الاعلان) تبرّی کرنے کی وجہ سے ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ (ممتحنہ آیت ۴) (تمہارے لئے ابراہیمؑ میں اور ان لوگوں میں جو ان کے ساتھ تھے ایک عمدہ نمونہ ہے جبکہ انھوں نے اپنی قوم سے کہا کہ ہم تم سے اور جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو ان سے بیزار ہیں، اور ہم تمہارے منکر ہیں اور ہم میں اور تم میں ہمیشہ کے لئے عداوت اور بغض ظاہر ہوگیا جب تک تم اللہ واحد پر ایمان نہ لاؤ)۔

اور اس فقیر کی نظر میں "رضائے حق جل وعلا" حاصل کرنے کے لئے اس تبرّی (بیزاری) کے اظہار کے برابر کوئی عمل نہیں ہے۔ (یہ فقیر اپنے ذوق میں پاتا ہے کہ حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ کو کفر و کافری کے ساتھ ذاتی عداوت ہے۔ اور یہ آفاقی آلہہ مثلاً لات وعزّیٰ اور ان کی پوجا کرنے والے ذاتی طور پر حق جل سلطانہٗ کے دشمن ہیں، اور دوزخ کا دائمی عذاب اس بُرے فعل کی سزا ہے اور خواہشِ نفسانی کے آلہہ اور تمام بُرے اعمال یہ نسبت نہیں رکھتے کیونکہ ان کی عداوت اور غضب

ذاتی نسبت سے نہیں ہے۔ اگر غضب ہے تو وہ صفات کی طرف منسوب ہے، اور اگر عقاب و عتاب (عذاب و غصہ) ہے تو افعال کی طرف راجع ہے، لہذا دوزخ کا دائمی عذاب اُن کے گناہوں کی سزا نہیں ہوئی بلکہ (حق تعالیٰ نے) ان کی مغفرت کو اپنی مشیت اور ارادہ پر منحصر رکھا ہے۔

جاننا چاہیے کہ جب کفر اور کافروں کے ساتھ ذاتی عداوت تحقیق ہو چکی تو لازماً رحمت و رافت جو "صفاتِ جمال" میں سے ہے آخرت میں کافروں کو نہ پہنچے گی، اور رحمت کی صفت ذاتی عداوت کو دور نہیں کرے گی۔ کیونکہ جو چیز ذات کے ساتھ تعلق رکھتی ہے اس چیز کی نسبت جو صفت سے تعلق رکھتی ہے زیادہ قوی اور بلند ہے، لہذا مقتضائے صفت (صفت کے تقاضے) مقتضائے ذات کو تبدیل نہیں کر سکتے ——— اور یہ جو حدیث قدسی میں آیا ہے: سَبَقَتْ رَحْمَتِيْ عَلٰى غَضَبِيْ[1] (میری رحمت میرے غضب پر سبقت لے گئی) ——— اس غضب سے مراد، غضبِ صفاتی سمجھنا چاہیے جو گنہگار مومنوں کے ساتھ مخصوص ہے نہ کہ غضبِ ذاتی جو مشرکوں کے ساتھ مخصوص ہے۔

سوال: اگر یہ کہا جائے کہ دنیا میں کافروں کو رحمت سے حصہ حاصل ہے، جیسا کہ تو نے مندرجہ بالا عبارت میں تحقیق کی ہے تو پھر دنیا میں رحمت کی صفت نے ذاتی عداوت کو کیسے دُور کر دیا؟

جواب: میں کہتا ہوں کہ دنیا میں خاص کافروں کو رحمت کا حاصل ہونا ظاہری طور پر اور صورت کے اعتبار سے ہے لیکن حقیقت میں وہ ان کے حق میں استدراج اور کید (دھوکہ) ہے، ان کے حق میں آیۂ کریمہ: اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّبَنِيْنَ نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرَاتِ بَلْ لَّا يَشْعُرُوْنَ (مومنون آیت ۲۳ ۵۵، ۵۶) (کیا یہ لوگ گمان کرتے ہیں کہ ہم مال اور اولاد میں جو ان کو ترقی دے رہے ہیں تو اس سے ان کو فائدہ پہنچانے میں جلدی کر رہے ہیں (نہیں) بلکہ ان کو اس (حکمت) کا شعور نہیں ہے) ——— اور آیۂ کریمہ: سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ وَاُمْلِيْ لَهُمْ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ (اعراف آیت ۱۸۲، ۱۸۳) (ہم ان کو (جہنم کی طرف) اس طرح آہستہ آہستہ لے جاتے ہیں جس کی ان کو خبر نہیں ہوتی اور ہم ان کو مہلت دیتے ہیں بیشک ہماری تدبیر بہت مضبوط ہے) ان ہی معنی پر شاہد ہیں۔ پس سمجھ لو۔

فائدہ جلیلہ: دوزخ کا دائمی عذاب کفر کی جزا (بدلہ) ہے اور بس ——— اگر پوچھیں کہ ایک شخص ایمان کے باوجود کفر کی رسمیں بجا لاتا اور اہل کفر کی رسموں کی تعظیم کرتا ہے، اور علماء اس پر کفر کا حکم لگاتے ہیں

---

[1] بخاری و مسلم بروایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

اور مرتد سمجھتے ہیں جیسا کہ ہندوستان کے اکثر مسلمان اس بلا میں مبتلا ہیں۔ لہذا چاہیے کہ علما کے فتوے کے بموجب وہ شخص آخرت کے ابدی عذاب میں گرفتار ہو، حالانکہ اخبارِ صحاح (صحیح احادیث) میں آچکا ہے کہ جس شخص کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہوگا اس کو دوزخ سے باہر نکال لیں گے اور دائمی عذاب میں نہ رہنے دیں گے۔ آپ کے نزدیک اس مسئلہ کی کیا تحقیق ہے؟ —— (جواب) میں کہتا ہوں اگر وہ شخص کافر محض ہے تو دائمی عذاب اس کا نصیب ہے، عِیَاذًا بِاللّٰہِ سُبْحَانَہٗ مِنْہُ (اللہ سبحانہٗ کی اس سے پناہ)۔ اور اگر کفر کی رسومات بجالانے کے باوجود ذرہ برابر ایمان بھی رکھتا ہے تو وہ دوزخ کے عذاب میں مبتلا تو ہوگا لیکن اس ذرہ برابر ایمان کی برکت سے امید ہے کہ ابدی عذاب سے خلاصی ہو جائے گی اور دائمی گرفتاری سے نجات پالے گا۔

فقیر ایک مرتبہ ایک شخص کی مزاج پرسی کے لئے گیا جس کا معاملہ نزع و موت کے قریب پہنچ چکا تھا۔ جب فقیر اس کے حال پر متوجہ ہوا تو معلوم ہوا کہ اس کا قلب "ظلماتِ بسیار" (بہت زیادہ ظلمتوں) میں گھرا ہوا ہے، ہر چند اُن ظلمتوں کے دُور کرنے میں متوجہ ہوا لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا پھر بہت زیادہ توجہ کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ یہ ظلمات و تاریکیاں "صفاتِ کفر" کی وجہ سے پیدا ہوئی ہیں جو اس میں پوشیدہ ہیں، اور یہ کدورتیں اس کے کفر اور اہلِ کفر کے ساتھ دوستی کی وجہ سے پیدا ہوئی ہیں، اور توجہ کرنے سے یہ ظلمتیں دُور نہیں ہو سکتیں، بلکہ ان ظلمات کا نقیہ دوزخ کے عذاب پر وابستہ ہے جو کفر کی جزا ہے —— نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ ذرہ برابر ایمان بھی رکھتا ہے جس کی برکت سے آخر کار اس کو دوزخ سے نکال لیا جائے گا —— اور جب اس کے حال کو مشاہدہ کر لیا تو اب دل میں آیا کہ اس کی نمازِ جنازہ پڑھی جائے یا نہیں؟۔ توجہ کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ نماز ادا کرنی چاہئے —— لہذا وہ مسلمان جو ایمان کے باوجود اہل کفر کی رسومات بجالاتے ہیں اور (ہنود کے) تہواروں کے ایام کی تعظیم کرتے ہیں، ان کی نماز جنازہ پڑھنی چاہئے اور ان کو کفار کے ساتھ نہیں ملا دینا چاہئے جیسا کہ آجکل علماء کا معمول ہے —— اور امیدوار رہنا چاہئے کہ آخر کار ایمان کی برکت سے دائمی عذاب سے نجات حاصل ہو جائے گی۔

پس معلوم ہوا کہ اہلِ کفر کے لئے عفو اور مغفرت نہیں ہے۔ (آیہ کریمہ) اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ (نساء۴، آیت ۴۸) (بیشک اللہ اس کو نہیں بخشے گا جس نے اس کے ساتھ کسی کو شریک قرار دیا) —— اور اگر وہ محض کافر ہے تو "عذاب ابدی" اس کے کفر کی جزا ہے۔ اور اگر ذرہ برابر بھی ایمان

ذرہ برابر ایمان کی برکت

رکھتا ہے تو اس کی جزا "عذابِ موقت" (وقتی عذاب) ہے، اور باقی تمام کبیرہ گناہوں کو اگر حق سبحانہٗ وتعالیٰ چاہے تو بخش دے اور چاہے عذاب دے ——— فقیر کے نزدیک "عذابِ دوزخ" خواہ وقتی ہو یا دائمی، کفر اور صفاتِ کفر کے ساتھ مخصوص ہے، جیسا کہ آگے تحقیق سے معلوم ہوگا ——— اور کبیرہ گناہ والے جن کے گناہ توبہ، شفاعت، یا صرف عفو واحسان کے ساتھ مغفرت کے قابل نہیں ہوتے، یا جن کبیرہ گناہوں کا کفارہ دنیاوی تکالیف یا سختیوں اور سکرات موت سے نہیں ہوا، امید ہے کہ ایسے لوگوں میں سے بعض کو قبر کا عذاب کفایت کرے گا اور بعض کے لئے قبر کی سختی کے بعد قیامت کا خوف اور اس دن کی تکالیف کافی ہوں گی اور ان کے گناہوں میں سے کوئی گناہ باقی نہیں چھوڑیں گے جس کی وجہ سے دوزخ کے عذاب کے مستحق ہوں چنانچہ آیۂ کریمہ: اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْٓا اِیْمَانَھُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِکَ لَھُمُ الْاَمْنُ (انعام آیہ ۸۲) (جو لوگ ایمان رکھتے ہیں اور اپنے ایمان کو شرک سے ملوث نہیں کرتے ان کے لئے امن وسلامتی ہے)۔ اسی مضمون کی تائید کرتی ہے۔ کیونکہ یہاں ظلم سے مراد شرک ہے۔ وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ اَعْلَمُ بِحَقَائِقِ الْاُمُوْرِ کُلِّھَا (اور اللہ سبحانہٗ ہی تمام امور کے حقائق کو بہتر جانتا ہے)۔

اور اگر یہ کہا جائے کہ کفر کے علاوہ بعض گناہوں کی سزا بھی عذابِ دوزخ آئی ہے جیسا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَمَنْ یَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُہٗ جَھَنَّمُ خَالِدًا فِیْھَا[1] (نساء آیہ ۹۳) (جو شخص کسی مومن کو قصداً قتل کرے پس اس کی سزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا) ——— اور اخبار (احادیث شریفہ) میں ہے کہ جو شخص قصداً ایک نمازِ فرض قضا کرے تو اس کو ایک حقبہ (یعنی اسّی سال) دوزخ میں عذاب دیا جائے گا۔ لہٰذا دوزخ کا عذاب صرف کافروں کے لئے ہی مخصوص نہ رہا (اور یہ کہتے ہو کہ دوزخ کا عذاب کافروں کے لئے ہی مخصوص ہے) ——— (جواب میں) میں کہتا ہوں کہ یہ عذاب اس قاتل کے لئے مخصوص ہے جو قتل کو حلال جانے کیونکہ قتل کو حلال جاننے والا کافر ہے۔ جیسا کہ مفسرین نے بیان کیا ہے۔ اور کفر کے علاوہ دوسرے گناہوں کے لئے بھی دوزخ کا عذاب آیا ہے۔ وہ بھی

---

[1] پوری آیت ملاحظہ ہو جو موجودہ حالات میں نہایت اہم اور قابلِ غور ہے: وَمَنْ یَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُہٗ جَھَنَّمُ خَالِدًا فِیْھَا وَغَضِبَ اللّٰہُ عَلَیْہِ وَلَعَنَہٗ وَاَعَدَّ لَہٗ عَذَابًا عَظِیْمًا (سورہ نساء آیہ ۹۳) (اور جو شخص کسی مومن کو قصداً قتل کرے پس اس کی سزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس پر اللہ تعالیٰ غضبناک ہوگا اور اس پر لعنت کرے گا اور اس شخص کے لئے اس نے بڑا سخت عذاب تیار کیا ہوا ہے)۔ نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں فرمایا "خبردار میرے بعد کفار کی طرح گمراہ نہ ہو جانا کہ آپس میں ایک دوسرے کی گردنیں کاٹنے لگو۔۔۔۔ تمہارے خون اور تمہارے مال تم میں ایک دوسرے پر اسی طرح حرام ہیں جس طرح تمہارا یہ دن (یوم عرفہ) تمہارے اس مہینے (ذی الحجہ) میں تمہارے اس شہر (مکہ مکرمہ) میں ہے۔"

صفاتِ کفر کے شائبہ سے خالی نہیں ہے، جیسا کہ اس گناہ کو معمولی سمجھنا اور اس کے ارتکاب کے وقت بے پروائی کرنا اور شرعی اوامر و نواہی کو بیکار و خوار سمجھنا وغیرہ وغیرہ ——— اور خبر (حدیث) میں ہے: شَفَاعَتِیْ لِاَهْلِ الْکَبَائِرِ مِنْ اُمَّتِیْ[1] (میری شفاعت میری امت کے کبیرہ گناہ کرنے والوں کے لئے ہوگی) ——— اور دوسری جگہ فرمایا ہے کہ: اُمَّتِیْ اُمَّةٌ مَّرْحُوْمَةٌ لَا عَذَابَ لَهَا فِی الْاٰخِرَةِ[2] (میری امت، امتِ مرحومہ (رحم کی ہوئی) ہے، اس کے لئے آخرت میں عذاب نہیں ہے) ——— اور آیۂ کریمہ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْا اِیْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِکَ لَهُمُ الْاَمْنُ (انعام آیت ۸۲) جو لوگ ایمان لائے اور اپنے ایمان کو شرک سے ملوث نہیں کیا ان ہی کے لئے امن ہے) بھی اس معنی کی تائید کرتی ہے، جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔

اور مشرکوں کے بچوں کے احوال، اور پہاڑوں پر رہنے والے، اور پیغمبروں کے زمانۂ فترت کے مشرکوں کا حال، اس مکتوب (دفتر اول مکتوب ۲۵۹) میں جو فرزندی محمد سعیدؒ کے نام تحریر ہوا ہے مفصل مذکور ہو چکا ہے وہاں ملاحظہ کر لیں۔

اور ایمان کے کم و زیادہ ہونے میں علماء کا اختلاف ہے۔ امام اعظم کوفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اَلْاِیْمَانُ لَا یَزِیْدُ وَلَا یَنْقُصُ (ایمان نہ زیادہ ہوتا ہے نہ کم) ——— اور امام شافعی رحمہ اللہ سبحانہٗ فرماتے ہیں: یَزِیْدُ وَیَنْقُصُ (ایمان زیادہ اور کم ہوتا ہے) ——— اور اس میں شک نہیں کہ ایمان سے مراد تصدیق اور یقینِ قلبی ہے جس میں زیادتی و کمی کی گنجائش نہیں، لہذا جو ایمان کہ کمی و زیادتی کو تسلیم کرے وہ دائرۂ ظن میں داخل ہے نہ کہ یقین کے درجہ میں ——— ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ اعمالِ صالحہ کا بجا لانا اس یقین کو جلا دیتا ہے اور غیر صالح اعمال کا بجا لانا یقین کو مکدر کر دیتا ہے۔ لہذا (ایمان کی) کمی و زیادتی اعمال کے اعتبار سے اس یقین کو روشن و جلا کرنے میں ثابت ہوئی نہ کہ نفسِ یقین میں ——— ایک جماعت جس نے یقین کو جلا یافتہ اور روشن معلوم کیا تو اس نے اس یقین کی نسبت جو جلا یافتہ اور روشن نہیں، زیادہ کہہ دیا۔ گویا بعض لوگوں نے غیر منجلی یقین کو یقین ہی نہیں سمجھا اور انہی میں سے بعض نے منجلی کو یقین جان کر غیر منجلی کو ناقص کہہ دیا ——— اور دوسرے گروہ نے جو نظر کی تیزی اور بصیرت رکھتے تھے دیکھا کہ یہ کمی و زیادتی یقین کی صفات کی طرف راجع ہے نہ کہ نفسِ یقین کی طرف۔

---

[1] اس حدیث کو ترمذی، ابوداؤد نے حضرت انسؓ سے، اور ابنِ ماجہ نے حضرت جابرؓ سے روایت کیا ہے۔
[2] اس حدیث کو خطیب اور ابن النجار نے حضرت ابنِ عباسؓ سے روایت کیا۔

اس وجہ سے انھوں نے یقین کو غیر زائد و ناقص کہدیا ——— اس کی مثال ایسی ہے جیسے دو آئینے جو باہم برابر ہوں لیکن روشنی اور نورانیت میں تفاوت رکھتے ہوں، جب ایک شخص اس آئینے کو دیکھتا ہے جس میں جلا اور روشنی زیادہ ہے اور وہ نور اور روشنی کی نمایندگی زیادہ کرتا ہے تو وہ کہہ اٹھتا ہے کہ یہ آئینہ دوسرے آئینے سے زیادہ روشن ہے کیونکہ اس میں جلا اور روشنی زیادہ نہیں ہے۔ اور دوسرا شخص یہ کہتا ہے کہ یہ دونوں آئینے (کمی و زیادتی میں) برابر ہیں البتہ فرق صرف جلا کی نمایندگی کا ہے جو ان دونوں کی صفات ہیں ——— پس دوسرے کی نظر صائب ہے اور شئے کی حقیقت تک رسائی رکھتا ہے اور پہلے شخص کی نظر ظاہر پر ہے لہذا کوتاہ ہے اور صفت سے ذات تک نہیں پہنچی ہے آیۂ کریمہ یَرْفَعِ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ (مجادلہ آیت ۱۱) (اللہ تم میں سے ایمان والوں کے اور ان لوگوں کے جن کو علم عطا ہوا ہے درجے بلند کردے گا)۔

اس تحقیق سے کہ جس کے اظہار کے لئے اس فقیر کو توفیق بخشی گئی، مخالفین کے اعتراضات جو جو انھوں نے ایمان کے زیادہ اور کم نہ ہونے پر کئے تھے زائل ہوگئے، اور عام مومنوں کا ایمان تمام وجوہ میں انبیا علیہم الصلوات والتسلیمات کے ایمان کے مثل نہیں ہوا، کیونکہ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کا ایمان تمام تر جلا یافتہ و نورانی ہے جو ثمرات و نتائج کئی گنا (زیادہ) رکھتا ہے اُن عام مومنوں کے ایمان کے مقابلہ پر جو اپنے اپنے درجات کے فرق کے لحاظ سے بہت سی ظلمتیں اور کدورتیں رکھتا ہے ——— اور اسی طرح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایمان جو وزن میں تمام امت کے ایمان سے زیادہ ہے اس کو بھی جلا اور نورانیت کے اعتبار سے سمجھنا چاہئے، اور زیادتی کو صفات کاملہ کی طرف راجع کرنا چاہئے ——— کیا تم نہیں دیکھتے کہ انبیا علیہم الصلوات و التسلیمات نفسِ انسانیت میں عام لوگوں کے ساتھ برابر ہیں اور حقیقت و ذات میں سب باہم متحد ہیں لیکن صفاتِ کاملہ کے اعتبار سے ان (انبیاءؑ) کو دوسرے (انسانوں) پر فضیلت حاصل ہے اور جس میں صفاتِ کاملہ نہیں ہیں گویا وہ اس نوع سے خارج اور اس کے فضائل و خصائص سے محروم ہے لیکن اس تفاوت کے باوجود نفسِ انسانیت میں زیادتی و کمی واقع نہیں، اور نہیں کہہ سکتے کہ وہ انسانیت زیادتی و نقصان کے قابل ہے۔ وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ الْمُلْہِمُ لِلصَّوَابِ (اللہ سبحانہٗ صحیح بات کا الہام کرنے والا ہے)۔

اور اسی طرح بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ "تصدیقِ ایمانی" سے مراد ان کے نزدیک تصدیقِ منطقی ہے جو ظن اور یقین دونوں کو شامل ہے، اس صورت میں "نفسِ ایمان" میں کمی و زیادتی کی گنجائش ہے، لیکن صحیح یہی ہے کہ اس جگہ تصدیق سے مراد یقین و اذعانِ قلبی (دل سے قبول کر لینا ہے) نہ کہ عام معنیٰ میں جس میں ظن بھی شامل ہے۔

امام اعظمؒ فرماتے ہیں "اَنَا مُؤْمِنٌ حَقًّا" (میں یقیناً مومن ہوں)۔ اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں "اَنَا مُؤْمِنٌ اِنْ شَاءَ اللّٰہُ تَعَالٰی" (میں مومن ہوں اگر اللہ تعالیٰ چاہے) ——— حقیقت میں یہ اختلاف "نزاعِ لفظی" ہے۔ مذہبِ اول (پہلے قول) کا تعلق ایمانِ حال سے ہے، اور مذہبِ ثانی (دوسرے قول) کا تعلق مآل و عاقبتِ کار سے ہے، لیکن صورتِ استثناء سے پرہیز کرنا اولیٰ و احوط ہے۔ کَمَا لَا یَخْفٰی عَلَی الْمُنْصِفِ (جیسا کہ منصف لوگوں پر پوشیدہ نہیں ہے)۔

عقیدہ ۲۰

عقیدہ (۲۰)۔ اور اولیاء اللہ کی کرامات حق ہیں اور ان سے بکثرت خوارقِ عادات واقع ہونے کی وجہ سے ان کی یہ بات عادتِ مستمرہ (دائمی) بن گئی ہے، اور کرامات کا انکار کرنے والا علم عادی اور ضروری کا انکار کرنے والا ہے۔ نبی کا معجزہ نبوت کے دعوے سے مقرون (ملا ہوا) ہوتا ہے، اور ولی کی کرامت اس معنیٰ میں خالی ہے بلکہ اس نبی کی پیروی کے اعتراف کے ساتھ مقرون (ملی ہوئی) ہوتی ہے۔ فَلَا اشْتِبَاهَ بَيْنَ الْمُعْجِزَةِ وَالْكَرَامَةِ كَمَا زَعَمَ الْمُنْكِرُوْنَ (لہٰذا معجزہ اور کرامت کے درمیان کوئی اشتباہ نہیں ہے جیسا کہ منکروں نے گمان کیا ہے)۔

عقیدہ ۲۱

عقیدہ (۲۱)۔ اور خلفائے راشدین کے درمیان افضلیت کی ترتیب خلافت کی ترتیب کے مطابق ہے لیکن شیخین کی افضلیت صحابہ اور تابعین کے اجماع سے ثابت ہوتی ہے۔ چنانچہ اکابرین ائمہ کی ایک جماعت نے جن میں امام شافعیؒ بھی ہیں جنھوں نے اس بات کو نقل کیا ہے کہ "شیخ الامام ابو الحسن[1] اشعریؒ فرماتے ہیں کہ "حضرت ابوبکرؓ کی فضیلت پھر حضرت عمرؓ کی فضیلت بقیہ تمام امت پر قطعی ہے" ———

اور امام ذہبیؒ[2] نے فرمایا کہ حضرت علیؓ کا یہ قول ان کی خلافت و مملکت کے زمانے میں آپ کے متبعین میں سے

---

[1] امام ابو الحسن اشعریؒ فرقۂ اشاعرہ کے بانی اور علم کلام کے موجد تھے سنہ ۲۶۰ھ بصرہ میں پیدا ہوئے۔ چالیس سال کی عمر تک آپ فرقۂ معتزلہ کے سرگرم رکن رہے۔ بعد میں فقہ شافعی کی حدود میں رہ کر آپ نے دینی مسائل کو فلسفیانہ استدلال کے ساتھ مستحکم کیا۔ تقریباً تین سو کتابیں تصنیف کیں۔ آپ کے معتقدین میں بڑے بڑے امام پیدا ہوئے مثلاً باقلانی، ابن فورک، اسفرائنی القشیری، الجوینی اور امام غزالیؒ ہیں۔ سنہ ۳۲۴ھ بغداد میں آپ کا وصال ہوا۔

[2] اعنی شمس الدین ابا عبداللہ محمد بن احمد الذہبی المتوفی سنہ ۷۴۸ھ (کشف الظنون)

ایک جم غفیر کے سامنے تواتر کے ساتھ منقول ہے کہ اَنَّ اَبَا بَکْرٍ وَّ عُمَرَ اَفْضَلُ الْاُمَّۃِ (ابوبکرؓ اور عمرؓ تمام امت میں افضل ہیں) ــــــ پھر فرماتے ہیں کہ اس روایت کو اسّی سے زیادہ راویوں نے حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے روایت کیا ہے ــــــ پھر فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ رافضیوں کا برا کرے یہ کیسے جاہل ہیں ــــــ اور بخاری نے ان (حضرت علیؓ) سے روایت کی ہے کہ انھوں نے فرمایا: خَیْرُ النَّاسِ بَعْدَ النَّبِیِّ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ اَبُوْبَکْرٍ ثُمَّ عُمَرُ ثُمَّ رَجُلٌ اٰخَرُ فَقَالَ ابْنُہٗ مُحَمَّدُ بْنُ الْحَنَفِیَّۃِ ثُمَّ اَنْتَ فَقَالَ اِنَّمَا اَنَا رَجُلٌ مِّنَ الْمُسْلِمِیْنَ (نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بعد تمام لوگوں میں بہتر حضرت ابوبکرؓ پھر حضرت عمرؓ ہیں پھر ایک اور شخص۔ (اس پر) آپ کے صاحبزادے محمد بن حنفیہؒ نے کہا کہ پھر آپ۔ (اس بات پر حضرت علیؓ نے فرمایا کہ میں تو مسلمانوں میں سے ایک فرد ہوں)۔

امام ذہبیؒ وغیرہ نے حضرت علیؓ سے بسند صحیح روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ مجھے اطلاع ملی ہے کہ لوگ مجھے ان دونوں (شیخین) پر فضیلت دیتے ہیں، لہٰذا جو بھی مجھ کو ان پر فضیلت دیتا ہے وہ وہ مفتری (جھوٹا) ہے اور اس کے لئے وہ سزا ہے جو ایک مفتری کی ہوتی ہے ــــــ اور دارقطنی نے آپ (حضرت علیؓ) سے روایت کی ہے کہ میں جس کو پاؤں گا کہ وہ حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ پر مجھے فضیلت دیتا ہے تو میں اس کو اتنے کوڑے لگاؤں گا جتنے ایک مفتری کو لگنے چاہئیں ــــــ اس قسم کی اور بہت سی روایتیں خود حضرت علیؓ سے اور آپ کے علاوہ دیگر صحابۂ کرامؓ سے اس کثرت اور تواتر سے آئی ہیں جس میں کسی کو انکار کی مجال نہیں ــــــ حتیٰ کہ عبد الرزاق جو اکابر شیعہ سے ہے کہتا ہے کہ اُفَضِّلُ الشَّیْخَیْنِ بِتَفْضِیْلِ عَلِیٍّ اِیَّاھُمَا عَلٰی نَفْسِہٖ وَاِلَّا لَمَا فَضَّلْتُھُمَا کَفٰی بِیْ وِزْرًا اَنْ اُحِبَّہٗ ثُمَّ اُخَالِفَہٗ (میں شیخین کو اس لئے فضیلت دیتا ہوں کہ خود حضرت علیؓ نے اپنے اوپر ان کو فضیلت دی ہے ورنہ میں ان (شیخین) کو کبھی فضیلت نہ دیتا۔ میرے نزدیک یہ گناہ ہے کہ میں ان (حضرت علیؓ) سے محبت کا دعویٰ کروں اور پھر ان (کے اقوال) کی مخالفت کروں) ــــــ یہ سب کچھ صواعق[۱] سے لیا گیا ہے۔

لیکن اب رہی حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر فضیلت،

ء دونوں میں سے ایک جماعت کا نام بھی لیا ہے۔

---

[۱] "الصواعق المحرقۃ فی الرد علی اھل البدع والزندقۃ" یہ امام علامہ فقیہ محدث شہاب الدین احمد ابن حجر الہیتمی المکی کی تصنیف ہے۔

سو اکثر علمائے اہلِ سنت اس مسلک پر ہیں کہ شیخین کے بعد حضرت عثمانؓ افضل ہیں پھر ان کے بعد حضرت علیؓ۔ اور ائمہ اربعہ مجتہدین کا مذہب بھی یہی ہے[1]۔ اور بعض لوگوں نے حضرت عثمانؓ کی فضیلت کے بارے میں امام مالکؒ سے جو توقف نقل کیا ہے، اس کے متعلق قاضی عیاضؒ نے فرمایا ہے کہ امام مالکؒ نے اس توقف سے حضرت عثمانؓ کی فضیلت کی طرف رجوع کر لیا ہے ——— اور قرطبیؒ نے کہا کہ انشاء اللہ تعالیٰ یہی اصح ہے ——— اور اسی طرح وہ توقف جو بعض نے امام اعظم رحمہ اللہ کی اس عبارت سے سمجھا ہے کہ مِنْ عَلَامَاتِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ تَفْضِيْلُ الشَّيْخَيْنِ وَمَحَبَّةُ الْخَتَنَيْنِ (اہلِ سنت والجماعت کی علامت میں سے یہ بھی ہے کہ شیخین کو فضیلت دی جائے اور ختنین (دونوں داماد) (حضرت عثمانؓ و حضرت علیؓ) سے محبت کی جائے)۔

اس فقیر کے نزدیک اس عبارت کے اختیار کرنے میں ایک دوسرا محل ہے کہ حضرات ختنین کی خلافت کے زمانے میں بہت زیادہ فتنے و فساد پیدا ہو گئے تھے جس کی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں بہت کدورت پیدا ہو گئی تھی۔ اس لئے امام (ابو حنیفہؒ) نے اس بات کو مدِ نظر رکھ کر ان کے حق میں محبت کا لفظ اختیار کیا ہے اور ان کی دوستی کو علاماتِ اہلِ سنت سے قرار دیا ہے، بغیر اس امر کے کہ کسی قسم کا توقف ملحوظ ہو، اور کیسے توقف ہو سکتا ہے کیونکہ حنفیوں کی کتابیں ایسے مضامین سے بھری پڑی ہیں کہ ان (خلفائے راشدین) کی فضیلت ان کی ترتیب ترتیبِ خلافت کے مطابق ہے۔

مختصر یہ کہ شیخین کی افضلیت یقینی ہے اور حضرت عثمانؓ کی افضلیت اُن سے کم درجہ کی ہے۔ لیکن زیادہ احتیاط اسی میں ہے کہ حضرت عثمانؓ کی افضلیت کے منکر کو بلکہ شیخین کی افضلیت کے منکر کے لئے بھی ہم کفر کا حکم نہ لگائیں البتہ ان کو بدعتی و گمراہ جانیں، کیونکہ ان کی تکفیر میں علماء کا اختلاف ہے اور اس اجماع کے قطعی ہونے میں بہت قیل و قال ہے، اس کا منکر بد تعصب یزید کا ساتھی ہے، اسی احتیاط کی بنا پر اس (یزید) کے لعن طعن کرنے میں توقف کیا ہے۔ اور وہ ایذا جو حضرت پیغمبر علیہ و علیہم الصلوات والتسلیمات کو خلفائے راشدین کو ایذا رسانی کی جہت سے پہنچی ہے وہ ایسی ہی ہے جیسی کہ حضرت ابنین (حضرت امام حسنؓ و امام حسینؓ) کو ایذا رسانی کی جہت سے پہنچی ہے۔

---

[1] یعنی فقہ کے چاروں امام حضرت امام ابوحنیفہؒ، حضرت امام شافعیؒ، حضرت امام مالکؒ، حضرت امام احمد بن حنبلؒ

آنحضرت علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: اَللّٰهَ اَللّٰهَ فِي اَصْحَابِي لَا تَتَّخِذُوْهُمْ غَرَضًا مِنْ بَعْدِيْ فَمَنْ اَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّيْ اَحَبَّهُمْ وَمَنْ اَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِيْ اَبْغَضَهُمْ وَمَنْ اٰذَاهُمْ فَقَدْ اٰذَانِيْ وَمَنْ اٰذَانِيْ فَقَدْ اٰذَى اللّٰهَ وَمَنْ اٰذَى اللّٰهَ فَيُوْشِكُ اَنْ يَّاْخُذَهٗ[1] (میرے اصحاب کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو، میرے بعد ان کو نشانہ (ملامت) نہ بنانا۔ جس نے ان کو دوست رکھا اس نے گویا میری محبت کے باعث ان کو دوست رکھا۔ اور جس نے ان سے بغض رکھا اس نے گویا میری دشمنی کی وجہ سے ان سے بغض رکھا۔ اور جس نے ان کو ایذا دی اس نے گویا مجھ کو ایذا دی اور جس نے مجھ کو ایذا دی اس نے گویا اللہ تعالیٰ کو ایذا دی (یعنی اللہ تعالیٰ کو ناراض کیا) اور جس نے اللہ تعالیٰ (کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام) کو ایذا دی قریب ہے کہ وہ (اللہ تعالیٰ) اس سے مواخذہ کرے گا) ——— اور اللہ تعالیٰ عزوجل نے فرمایا: اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ (احزاب آیت ۳۳-۵۷) (بیشک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دیتے ہیں اُن پر دنیا اور آخرت میں اللہ کی لعنت ہے)۔

اور جو کچھ مولانا سعد الدین نے شرح عقائد نسفی میں اس فضیلت کے بارے میں انصاف سمجھا ہے وہ انصاف سے دُور ہے اور جو تردید انھوں نے کی ہے وہ سراسر لاحاصل ہے، کیونکہ علماء کے نزدیک یہ بات مقرر ہے کہ اس جگہ افضلیت سے وہ مراد ہے جو خدائے جل وعلا کے نزدیک کثرت ثواب کے اعتبار سے ہے، نہ کہ وہ افضلیت جو فضائل ومناقب بکثرت ظاہر ہونے کے اعتبار سے ہو کیونکہ ایسی فضیلت عقلمندوں کے نزدیک اعتبار کے لائق ہے ۔ اور سلف صحابہ وتابعین نے جسقدر فضائل ومناقب حضرت امیرؓ کے نقل کئے ہیں وہ اور کسی صحابی کی نسبت منقول نہیں ——— حتیٰ کہ امام احمدؒ نے فرمایا "جو فضائل حضرت علیؓ کے بارے میں آئے ہیں وہ کسی اور صحابی کی نسبت نہیں آئے"۔ ——— اس کے باوجود وہ تینوں خلفاء کی فضیلت کے بارے میں حکم کرتے ہیں ——— پس معلوم ہوا کہ افضلیت کی وجہ ان فضائل ومناقب کے علاوہ کچھ اور ہے، اور اُس افضلیت کی اطلاع "دولت وحی کے مشاہدہ کرنے والوں کو میسر ہے جنھوں نے صریح طور پر یا قرائن سے معلوم کیا ہے اور وہ پیغمبر علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کے صحابہؓ ہیں ——— لہٰذا جو کچھ کہ شارح عقائد نسفی نے بیان کیا ہے کہ افضلیت سے مراد کثرتِ ثواب ہے تو توقف کی گنجائش ہے ساقط ہے کیونکہ توقف کے لئے

[1] اس حدیث کو ترمذی نے حضرت عبداللہ بن مغفلؓ سے روایت کیا۔

اس وقت کی گنجائش ہوتی ہے جبکہ اس افضلیت کو صراحتہً یا دلالتہً معلوم نہ کر لیا ہو۔ اور جب معلوم کر لیا ہو تو پھر توقف کیوں۔ اور اگر معلوم نہیں کیا تو افضلیت کا حکم کیوں کریں ــــــ اور جو شخص سب کو برابر سمجھتا ہے اور ایک دوسرے پر افضلیت دینا بیکار سمجھتا ہے وہ فضول اور لاحاصل ہے۔ وہ عجیب احمق ہے جو اہلِ حق کے اجماع کو فضول و بیکار سمجھتا ہے۔ شاید فضل کا لفظ اس کو فضولی کی طرف لے گیا ہے ــــــ اور جو کچھ صاحبِ فتوحاتِ مکیہ کہتے ہیں کہ ان کی خلافت کی ترتیب کا سبب ان کی عمروں کی مدتوں سے ہے۔ (یہ بات) ان کی فضیلت میں مساوات پر دلالت نہیں کرتی۔ کیونکہ خلافت کا معاملہ دوسرا ہے اور افضلیت کی بحث دوسری ــــــ اور اگر یہ بات تسلیم کر لی جائے تو یہ اور اس قسم کی دوسری باتیں جو ان (شیخ اکبرؒ) کی شطحیات سے ہیں ان کی شان کے لائق نہیں ہیں، ان کے اکثر کشفیہ معارف جو اہلِ سنت کے علوم سے جدا واقع ہوئے ہیں وہ صواب سے دور ہیں، لہٰذا ایسی باتوں کی متابعت وہی شخص کر سکتا ہے جس کا دل بیمار ہے یا مقلدِ محض ہے۔

اور صحابہؓ کے درمیان جو لڑائی جھگڑے واقع ہوئے ان کی اچھے معنوں میں تاویل کرنی چاہئے اور نفسانی خواہش و تعصب سے دور رکھنا چاہئے ــــــ تفتازانیؒ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی افراطِ محبت کے باوجود فرماتے ہیں "جو مخالفات و محاربات (جنگ و جدال) ان (صحابہؓ) کے درمیان واقع ہوئے ہیں وہ خلافت کا نزاع نہ تھا بلکہ خطائے اجتہادی کے سبب سے تھا ــــــ اور اس (شرح عقائد) کے حاشیۂ خیالی[1] میں ہے کہ حضرت معاویہؓ اور ان کے لشکر نے (حضرت علیؓ) کی اطاعت سے بغاوت کی اور ساتھ ہی اس امر کا اعتراف بھی کیا کہ وہ (حضرت علیؓ) تمام اہلِ زمانہ سے افضل ہیں اور وہ امامت کے ان سے زیادہ حقدار ہیں ایک شبہ کی وجہ سے، کہ حضرت علیؓ کا حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قاتلوں سے قصاص نہ لینا تھا ــــــ اور حاشیۂ قرہ کمال (الدین اسمٰعیل) میں حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ "ہمارے جن بھائیوں نے ہمارے خلاف بغاوت کی وہ فاسق و کافر نہیں ہیں کیونکہ ان کے لئے تاویل ہے" ــــــ اور اس میں شک نہیں کہ خطائے اجتہادی ملامت اور طعن و تشنیع سے بہت دور ہے ــــــ

حضرت خیر البشر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتحیات کے حقوقِ صحبت کی رعایت کر کے تمام صحابۂ کرامؓ کو نیکی کے ساتھ یاد کرنا چاہئے اور پیغمبر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کی دوستی کی

[1] احمد بن موسیٰ "خیالی" کے نام سے مشہور ہیں۔ سنہ ۸۶۰ھ میں وفات پائی۔ (کشف الظنون)

وجہ سے ان کو دوست رکھنا چاہئے ــــ (کیونکہ) آنحضرت علیہ وعلی آلہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا: مَنْ اَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّيْ اَحَبَّهُمْ وَمَنْ اَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِيْ اَبْغَضَهُمْ (جس نے اُن (صحابہؓ) کو دوست رکھا اس نے میری محبت کی وجہ سے ان کو دوست رکھا اور جس نے ان سے بغض رکھا اُس نے میرے ساتھ بغض کی وجہ سے ان سے بغض رکھا) - یعنی وہ محبت جو میرے اصحاب سے متعلق کی گئی ہے ایسی ہی محبت ہے جیسی کہ مجھ سے متعلق ہے اور اسی طرح وہ بغض جو ان سے تعلق رکھتا ہے ایسا ہی بغض ہے جیسا کہ مجھ سے کیا جائے۔

ہم کو حضرت امیر (علیؓ) کے ساتھ جنگ کرنے والوں سے کوئی دوستی نہیں ہے بلکہ مناسب ہے کہ ہم ان سے بیزار ہوں، لیکن چونکہ وہ سب پیغمبرؐ کے اصحابِ کرام ہیںؓ کہ ما بمحبتِ ایشاں ماموریم واز بغض وایذائے ایشاں ممنوع "یعنی ہم کو اُن کے ساتھ محبت رکھنے کا حکم ہے اور اُن کے ساتھ بغض وایذا رسانی سے روک دیئے گئے ہیں۔ اس لئے لازماً ہم بھی پیغمبر علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کی دوستی کی وجہ سے تمام صحابہؓ کو دوست رکھتے ہیں اور ان کے ساتھ بغض وایذا رسانی سے دور رہتے ہیں کیونکہ ان سے بغض و ایذا کا معاملہ سرورِ عالمؐ تک پہنچتا ہے۔ لیکن جو محق (حق پر) ہے ہم اس کو حق والا ہی کہیں گے اور مخطی (بلا قصد خطاوار) کو مخطی ــــ حضرت امیر (علیؓ) حق پر تھے اور ان کے مخالف خطا پر۔ اس سے زیادہ کہنا فضول ہے ــــ اس بحث کی تحقیق کا تفصیل سے ذکر اس مکتوب (ع ۲۵۱ دفتر اول) میں درج ہے جو خواجہ محمد اشرف کو لکھا گیا ہے۔ اگر کوئی بات پوشیدہ رہ گئی ہو تو اس مکتوب کی طرف رجوع فرمائیں۔

تصحیحِ عقائد کے بعد احکامِ فقہ کی تعلیم حاصل کرنے کے بغیر چارہ نہیں، اور فرض و واجب، حلال و حرام، سنت و مستحب، مشتبہ و مکروہ کی واقفیت بھی ضروری ہے، اور اسی طرح علمِ (فقہ) کے تقاضے کے مطابق عمل کرنا بھی ضروری ہے۔ فقہ کی کتابوں کا مطالعہ ضروریاتِ (دین) میں سے سمجھیں، اور اعمالِ صالحہ کی بجا آوری کی رعایت میں سعیِ بلیغ فرمائیں، اور نماز جو کہ دین کا ستون ہے اس کے چند ارکانؑ فضائل بیان کئے جاتے ہیں، غور سے سنیں۔

اول وضو کامل اور پورے طور پر کرنے کے سوا چارہ نہیں ہے، ہر عضو کو تین بار بتمام وکمال دھونا چاہئے تاکہ سنت کے طریقہ پر وضو ادا ہو، اور سر کا مسح بالاستیعاب یعنی سارے سر کا مسح کرنا چاہئے اور کانوں اور گردن کے مسح میں خوب احتیاط کرنی چاہئے اور بائیں ہاتھ کی خنصر یعنی چھنگلیا سے

پاؤں کی انگلیوں کے نیچے کی طرف سے خلال کرنا لکھا ہے اس کی رعایت رکھیں، اور مستحب کے بجالانے کو معمولی نہ سمجھیں، مستحب حق جل و علا کے نزدیک پسندیدہ اور محبوب عمل ہے، اگر تمام دنیا کے عوض اللہ تعالیٰ کا ایک پسندیدہ اور محبوب فعل معلوم ہو جائے اور اس کے مطابق عمل میسر ہو جائے تو غنیمت ہے اس کا بعینہ یہی حکم ہے کہ کوئی چند خزف ریزوں یعنی ٹھیکروں سے نفیس جواہر خرید لے اور بے فائدہ جماد یعنی پتھر سے روح کو حاصل کرے ــــــ کمال طہارت اور کامل وضو کے بعد نماز کا قصد کرنا چاہیے جو "مومن کی معراج" ہے اور کوشش کرنی چاہیے کہ فرض نماز باجماعت ادا ہوں بلکہ امام کے ساتھ تکبیر اولیٰ بھی ترک نہیں ہونی چاہیے اور نماز کو مستحب وقت میں ادا کرنا چاہیے، قرأت میں قدر مسنون کو مدنظر رکھنا چاہیے ــــــ رکوع و سجود میں بھی طمانیت ضروری ہے کیونکہ فرض ہے یا بقول مختار واجب، ــــــ قومہ میں اس طرح سیدھا کھڑا ہونا چاہیے کہ تمام بدن کی ہڈیاں اپنی اپنی جگہ پر آجائیں۔ اور سیدھا کھڑے ہونے کے بعد طمانیت درکار ہے کیونکہ طمانیت فرض ہے یا واجب یا سنت علی اختلاف الاقوال۔ ــــــ ایسے ہی جلسہ میں جو دو سجدوں کے درمیان ہے اچھی طرح بیٹھنے کے بعد اطمینان ضروری ہے جیسا کہ قومہ میں ــــــ اور رکوع و سجود کی کم سے کم تسبیحیں تین بار ہیں اور زیادہ سے زیادہ سات بار یا گیارہ بار ہیں علی اختلاف الاقوال ــــــ اور امام کی تسبیح مقتدیوں کے حال کے اندازہ کے مطابق ہونی چاہیے ــــــ شرم کی بات ہے کہ انسان تنہا نماز پڑھنے کی حالت میں طاقت ہوتے ہوئے اقل تسبیحات پر کفایت کرے، اگر زیادہ نہ ہو سکے تو پانچ یا سات بار تو کہے ــــــ اور سجدہ کرتے وقت اول وہ اعضا زمین پر رکھے جو زمین کے نزدیک ہیں۔ پس اول دونوں زانو زمین پر رکھے پھر دونوں ہاتھ پھر ناک پھر پیشانی، زانو اور ہاتھ زمین پر رکھتے وقت دائیں طرف سے ابتدا کی جائے ــــــ اور سر اٹھاتے وقت اول ان اعضا کو اٹھانا چاہیے جو آسمان سے نزدیک ہیں، پس پہلے پیشانی اٹھانی چاہیے ــــــ اور قیام کے وقت اپنی نظر کو سجدہ کی جگہ پر، اور رکوع کے وقت اپنے پاؤں پر، اور سجدے میں ناک کی نوک پر، اور جلوس کے وقت اپنے دونوں ہاتھوں پر یا اپنی گود کی طرف نظر رکھنی چاہیے ــــــ جب نظر پراگندہ ہونے سے روک لی جائے اور مذکورہ بالا جگہوں پر جمالی جائے تو سمجھ لینا چاہیے کہ نماز جمعیت اور حضورِ دل کے ساتھ میسر ہو گئی اور خشوع کے ساتھ ادا ہو گئی جیسا کہ نبی کریم علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام سے منقول ہے ــــــ اور ایسے ہی رکوع کے وقت دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو کھلا رکھنا اور سجود کے وقت انگلیوں کا ملانا سنت ہے اس کو بھی

مدِ نظر رکھنا چاہیئے ـــــــ انگلیوں کا کھلا رکھنا یا ملانا بے تقریب و بے فائدہ نہیں ہے صاحبِ شرع نے اس میں کئی قسم کے فائدے ملاحظہ کر کے اس پر عمل فرمایا ہے ـــــــ نیز صاحب شریعت علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت کے برابر کوئی فائدہ نہیں ہے ـــــــ یہ سب احکام مفصل اور واضح طور پر کتبِ فقہ میں درج ہیں، یہاں بیان کرنے سے مقصود یہ ہے کہ علم فقہ کے مطابق عمل بجالانے میں ترغیب ہو ـــــــ

وَفَّقَنَا اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَاِیَّاکُمْ عَلَی الْاَعْمَالِ الصَّالِحَۃِ الْمُوَافِقَۃِ لِلْعُلُوْمِ الشَّرْعِیَّۃِ بَعْدَ اَنْ وَفَّقَنَا اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ لِتَصْحِیْحِ الْعَقَائِدِ الدِّیْنِیَّۃِ بِحُرْمَۃِ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ عَلَیْہِ وَعَلَیْہِمْ وَعَلٰی اٰلِ کُلٍّ مِّنَ الصَّلَوَاتِ اَفْضَلُہَا وَمِنَ التَّسْلِیْمَاتِ اَکْمَلُہَا (اللہ تعالیٰ ہم کو اور آپ کو حضرت سید المرسلین علیہ وعلیہم وعلی آل کل من الصلوات افضلہا ومن التسلیمات اکملہا کے طفیل دینی عقائد کی تصحیح کے بعد علوم شرعیہ کے موافق اعمالِ صالحہ بجالانے کی توفیق عطا فرمائے (آمین)۔

نماز کے متعلق تین اہم مکتوبات

اگر نماز کے فضائل جاننے اور اس کے مخصوص کمالات معلوم کرنے کا ذوق و شوق اپنے اندر پائیں تو تین مکتوب جو ایک دوسرے سے متصل اور ملے ہوئے ہیں ان کا مطالعہ فرمائیں :ـ پہلا مکتوب (۲۶۰) فرزندی محمد صادق کے نام لکھا گیا ہے اور دوسرا مکتوب (۲۶۱) میر محمد نعمان کے نام اور تیسرا مکتوب (۲۶۳) مشیخت مآب شیخ تاج کے نام لکھا ہے۔

ان اعتقادی اور عملی دو بازوؤں کے حاصل ہونے کے بعد اگر حق تعالیٰ جل سلطانہٗ کی توفیق رہنمائی فرمائے تو صوفیہ کے عالی طریقہ کا سلوک (اختیار) کرے جو اس غرض سے نہیں کہ وہ اعتقاد و عمل کے علاوہ کوئی زائد چیز ہے یا کوئی نئی چیز حاصل کرنا ہے بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ معتقدات کی نسبت ایسا یقین و اطمینان حاصل ہو جائے کہ شک ڈالنے والے کی شک اندازی سے زائل نہ ہو، اور شبہ کے پیش آنے سے باطل نہ ہو جائے کیونکہ بحث و مباحثہ کے پاؤں لکڑی کے ہوتے ہیں، اور دلائل قائم رہنے والے نہیں ہوتے : اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ (رعد آیت ۲۸ پ ۱۳) (خبردار کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر ہی سے دلوں کو اطمینان حاصل ہوتا ہے) ـــــــ اور اعمال کی بجا آوری کے لئے آسانی اور سہولت حاصل کریں، اور سستی و سرکشی جو نفسِ امارہ سے پیدا ہوتی ہے اس کو دور کریں۔ اور اسی طرح طریقہ صوفیہ کے سلوک کا مقصود یہ نہیں ہے کہ غیبی صورتوں اور شکلوں کا مشاہدہ اور طرح طرح کے انوار کا معائنہ کریں یہ تو خود لہو و لعب میں داخل ہیں، یہ حسی صورتیں اور انوار کس قدر نقصان رکھتے ہیں

کہ کوئی شخص انوار و صورِ غیبی کی تمنا میں اپنے آپ کو ریاضات و مجاہدات میں لگا دے، کیونکہ یہ (حسی) صورتیں اور وہ (غیبی) صورتیں اور یہ انوار اور وہ انوار سب کے سب حق جل و علا کی مخلوق ہیں، اور وہ حق تعالیٰ کے وجود پر دلالت کرنے والی نشانیاں ہیں۔

اور صوفیہ کے طریقوں میں سے طریقۂ عالیہ نقشبندیہ کا اختیار کرنا اولیٰ و انسب ہے۔ کیونکہ ان بزرگواروں نے سنت کی پیروی کو اپنے اوپر لازم کر لیا ہے اور بدعت سے پرہیز کیا ہے، اگر ان کو پیروی کی دولت حاصل ہو جائے اور حال و احوال کچھ بھی حاصل نہ ہوں تو خوش ہیں۔ اور اگر احوال کے باوجود سنت کی پیروی میں سستی اور نقصان جانیں تو ان احوال کو پسند نہیں کرتے ـــــــ یہی وجہ ہے کہ ان بزرگواروں نے سماع و رقص کو تجویز نہیں کیا اور جو احوال (سماع کے دوران) ان پر مرتب ہوتے ہیں ان کو بھی قابلِ اعتبار نہیں سمجھتے بلکہ ذکرِ جہر کو بھی بدعت جان کر اس سے منع فرماتے ہیں، اور وہ ثمرات جو (اس کیفیت پر) مرتب ہوتے ہیں ان کو بھی قابلِ التفات نہیں سمجھتے۔

ایک دن ہم حضرت ایشاں (خواجہ باقی باللہؒ) کی مجلسِ طعام میں حاضر تھے۔ شیخ کمال جو ہمارے حضرت خواجہؒ کے مخلصوں میں سے تھے، انہوں نے کھانا شروع کرتے وقت ان کے حضور میں اسم اللہ بلند آواز سے کہا۔ آپ کو ناگوار ہوا حتیٰ کہ آپ نے کافی سرزنش فرمائی اور فرمایا کہ ان کو منع کریں کہ ہمارے کھانے کی مجلس میں حاضر نہ ہوا کریں ـــــــ اور میں نے حضرتِ ایشاں (خواجہ باقی باللہؒ) سے سنا ہے کہ حضرت خواجہ نقشبندؒ علمائے بخارا کو جمع کر کے حضرت امیر کلالؒ کی خانقاہ میں لے گئے تاکہ وہ ان کو ذکرِ جہر سے منع فرمائیں۔ چنانچہ علمائے کرامؒ نے حضرت امیرؒ کی خدمت میں عرض کیا کہ ذکرِ جہر بدعت ہے آپ ایسا نہ کریں۔ انہوں نے فرمایا کہ ہم آئندہ نہیں کریں گے۔

جب اس طریقے کے بزرگوار (صوفیائے ربانی) ذکرِ جہر سے منع کرنے میں اسقدر مبالغہ کرتے ہیں تو پھر سماع و رقص اور وجد و تواجد کا کیا ذکر۔ وہ احوال و مواجید جو غیر مشروع اسباب پر مرتب ہوں فقیر کے نزدیک استدراج کی قسم سے ہیں کیونکہ استدراج والوں کو بھی احوال و اذواق حاصل ہوتے ہیں اور جہان کی صورتوں کے آئینوں میں کشفِ توحید اور مکاشفہ و معائنہ ان کو بھی ظاہر ہو جاتا ہے۔ اس امر میں حکمائے یونان اور ہندوستان کے جوگی و برہمن سب برابر ہیں، احوال کے سچا اور صادق ہونے کی علامت ان احوال کا علومِ شرعیہ کے مطابق ہونا اور محرمہ و مشتبہ امور کے ارتکاب سے بچنا ہے۔

جاننا چاہئے کہ سماع ورقص درحقیقت لہو ولعب میں داخل ہیں: آیۂ کریمہ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ (سورۂ لقمٰن آیت ۶ / ۳۱) (اور لوگوں میں (کوئی) ایسا بھی (نالائق) ہے جو دابیات (وخرافات) قصے کہانیاں مول لے لیتا ہے) سرود سے منع کرنے کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ چنانچہ مجاہدؒ جو حضرت ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے شاگرد ہیں اور کبار تابعین میں سے ہیں فرماتے ہیں لَهْوَ الْحَدِيْثِ سے مراد سرود ہے ——— اور تفسیر مدارک میں ہے کہ لہو الحدیث سے مراد (بعد عشا) بیہودہ قصے کہانیوں میں وقت گذارنا اور سرود وغیرہ ہے۔ اور حضرت ابنِ عباس وابنِ مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم قسم کھاتے تھے کہ بیشک وہ غنا وسرود ہے ——— حضرت مجاہدؒ اللہ تعالیٰ کے قول لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ (فرقان آیت ۷۲ / ۲۵) (زور میں حاضر نہیں ہوتے) کی تفسیر میں فرماتے ہیں أَیْ لَا يَحْضُرُوْنَ الْغِنَاءَ (یعنی سرود وسماع میں حاضر نہیں ہوتے) ——— اور امام الہدیٰ ابو منصور ماتریدی سے روایت کی گئی ہے کہ جس شخص نے ہمارے زمانے کے کسی قاری کو (جو کلماتِ قرآن میں گانے کی طرز پر پڑھنے کی وجہ سے تغیر پیدا کرتا ہے) قرأت کے وقت کہا کہ تو نے بہت اچھا پڑھا تو وہ کافر ہو جاتا ہے[1] اور اس کی عورت کو طلاق ہو جاتی ہے، اور اللہ تعالیٰ اس کی تمام نیکیوں کو ضائع کر دیتا ہے ——— اور ابو نصیر الدبوسی سے حکایت کی گئی ہے کہ انھوں نے قاضی ظہیر الدین خوارزمی سے نقل کیا ہے کہ جس نے گانے والے یا کسی اور سے سرود سنا یا فعلِ حرام کو دیکھا اور اس کو اچھا جانا اسی وقت مرتد ہو جاتا ہے خواہ اچھا جاننا اعتقاد کی رو سے ہو یا بغیر اعتقاد کے، کیونکہ اس نے شریعت کے حکم کو باطل کر دیا اور جس نے شریعت کے حکم کو باطل کر دیا وہ کسی مجتہد کے نزدیک مومن نہیں رہتا اور اللہ تعالیٰ اس کی عبادت کو قبول نہیں کرتا اور اس کی سب نیکیوں کو ضائع کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اس سے بچائے۔

سرود وغنا کی حرمت میں آیات واحادیث اور روایات فقہیہ اس کثرت سے ہیں کہ ان کا شمار کرنا مشکل ہو اس کے باوجود اگر کوئی شخص منسوخ حدیث یا روایتِ شاذہ (یعنی غیر معتبر) کو سرود کے مباح ہونے میں پیش کرے تو اس کا اعتبار نہیں کرنا چاہئے، کیونکہ کسی فقیہ نے کسی زمانے میں بھی سرود کے مباح ہونے کا فتویٰ نہیں دیا ہے اور نہ ہی رقص وپاکوبی کو جائز قرار دیا ہے جیسا کہ امام ہمام ضیاء الدین

---

[1] درمختار میں ہے کہ قرآن و اذان میں آواز کو خوبصورتی سے پھرانا اچھا ہے جبکہ حروف میں تغیر واقع نہ ہوا ہو، اگر تغیر واقع ہوا تو اس کے لئے بھی اور سننے والے کے لئے بھی مکروہ ہے اور اس کو احسنت کہنا یعنی تو نے اچھا کیا اگر اس کے خاموش ہونے کی وجہ سے (بطور دعا کے) ہے تو اچھا ہے اور اگر اس کی اس (گانے کی طرز کی) قرأت کی وجہ سے احسنت کہا تو اس پر کفر کا ڈر ہے۔

شامی کے رسالہ ملتقط میں مذکور ہے ـــــ اور صوفیہ کا عمل حل و حرمت میں سند نہیں ہے۔ کیا ان کے لئے صرف یہی کافی نہیں ہے کہ ہم ان کو معذور سمجھیں اور ان کو ملامت نہ کریں اور ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کردیں، یہاں تو امام ابو حنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ اور امام محمد رحمہم اللہ کا قول معتبر ہے، نہ کہ ابو بکر شبلی اور ابو الحسن نوری کا عمل ـــــ اس زمانے کے خام صوفیوں نے اپنے پیروں کے عمل کا بہانہ بنا کر سرود و رقص کو اپنا دین و ملت بنالیا ہے اور اسی کو طاعت و عبادت سمجھ لیا ہے؛ اَلَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا دِیْنَهُمْ لَهْوًا وَّ لَعِبًا (الاعراف آیۃ ۵۱) (یعنی یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے لہو و لعب کو اپنا دین بنالیا ہے) ـــــ امر سابقہ روایت سے معلوم ہوچکا کہ جو شخص فعلِ حرام کو مستحسن اور اچھا جانے وہ اسلام کے گروہ سے نکل جاتا اور مرتد ہوجاتا ہے۔ تو پھر خیال کرنا چاہئے کہ سماع و رقص کی مجلس کی تعظیم کرنا بلکہ اس کو طاعت و عبادت سمجھنا کسقدر بُرا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کا احسان ہے کہ ہمارے پیر اس مرض میں مبتلا نہ ہوئے اور ہم متبعین کو اس قسم کے امور کی تقلید سے چھڑا دیا۔

سننے میں آیا ہے کہ مخدوم زادے سرود کی طرف رغبت رکھتے ہیں اور جمعہ کی راتوں میں سرود اور قصیدہ خوانی کی مجالس منعقد کرتے ہیں اور اکثر احباب اس امر میں موافقت کرتے ہیں۔ نہایت تعجب کی بات ہے کہ دوسرے سلسلوں کے مرید تو اپنے پیروں کے عمل کا بہانہ بنا کر اس امر کے مرتکب ہوتے ہیں اور شرعی حرمت کو اپنے پیروں کے عمل سے دفع کرتے ہیں اگرچہ فی الحقیقت وہ اس امر میں حق پر نہیں ہیں۔ بھلا اس سلسلہ کے احباب اس ارتکاب میں کونسا عذر پیش کریں گے ـــــ ایک طرف حرمتِ شرعی اور دوسری طرف اپنے پیروں کی مخالفت ہوئی، نہ اہلِ شریعت اس فعل سے راضی اور نہ اہلِ طریقت۔ ـــــ اگر حرمتِ شرعی نہ بھی ہوتی تو بھی طریقت میں کسی نئے امر کا پیدا کرنا بُرا ہوتا، پھر ایسا امر کس طرح بُرا نہ ہو جبکہ حرمتِ شرعی بھی اس کے ساتھ جمع ہوجائے ـــــ مجھے یقین ہے کہ جناب مرزا جیو (یعنی خواجہ حسام الدین صاحب) اس امر سے راضی نہ ہوں گے لیکن آپ کے آداب کو مدنظر رکھ کر صریح طور پر منع بھی نہ کرتے ہوں گے اور دوستوں کو اس اجتماع سے نہ روکتے ہوں گے ـــــ اس فقیر نے چونکہ اپنے آنے میں کچھ توقف دیکھا اس لئے چند فقرے جمع کرکے لکھ کر بھیج دیئے ہیں۔ اس سبق کو مرزا جیو کی خدمت میں پیش کردیں، اور اول سے آخر تک اُن کے سامنے پڑھیں۔

والسلام

میرزا حسام الدین احمد[1] کی طرف صادر فرمایا ـــــ اس بیان میں کہ وہ اسرار و دقائق جن سے حضرت ایشاں (حضرت مجددؒ) ممتاز ہوئے ہیں ان میں سے تھوڑا سا بھی ظاہر نہیں کیا جا سکتا بلکہ رمز و اشارہ کے ساتھ بھی ان کے بارے میں گفتگو نہیں کی سکتی، وہ اسرار "مشکوٰۃ نبوت" سے مقتبس ہیں اور ملائکہ علیین بھی اس دولت میں شریک ہیں، اور اس کے مناسب بیان میں۔

حمد و صلوٰۃ اور تبلیغ دعوات کے بعد عرض ہے کہ آپ کا صحیفہ شریفہ جو از روئے لطف و کرم اس حقیر کے نام تحریر فرمایا تھا اس کے مطالعے سے مشرف ہوا۔ جَزَاکُمُ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ خَیْرًا (اللہ سبحانہٗ آپ کو اس کی بہترین جزا عطا فرمائے) ـــــــــــ حق جل سلطانہٗ کے انعامات میں سے کیا کیا تحریر کرے اور اس کا شکر کس طرح ادا کرے ـــــ وہ "علوم و معارف" جن کا فیضان ہوتا رہتا ہے ان میں سے بیشتر حصہ تحریر ہوتا رہتا ہے اور ہر اہل و نااہل کے گوش گزار ہوتا رہتا ہے، لیکن وہ اسرار و دقائق جن کے ساتھ یہ فقیر ممتاز ہے اس کا ذرا سا حصہ بھی اظہار نہیں کیا جا سکتا بلکہ رمز و اشارہ سے بھی ان دقائق کا ذکر نہیں کیا جا سکتا ـــــ بلکہ اپنے فرزند عزیز (خواجہ محمد صادقؒ) جو اس فقیر کے معارف کا مجموعہ اور مقاماتِ سلوک و جذبہ کا نسخہ ہے اس سے بھی ان اسرار و دقائق میں سے کوئی ایک رمز بیان نہیں کر سکتا، اور ان کے پوشیدہ رکھنے میں پوری پوری احتیاط و کوشش کرتا ہے حالانکہ فقیر جانتا ہے کہ میرا فرزند "محرمانِ اسرار" میں سے ہے اور خطا و غلطی سے محفوظ ہے لیکن (یہ فقیر) کیا کرے کہ معانی کی دقت اور باریکی زبان کو پکڑ لیتی ہے اور اسرار کی لطافت ہونٹوں کو بند کر دیتی ہے۔ وَیَضِیْقُ صَدْرِیْ وَلَا یَنْطَلِقُ لِسَانِیْ (شعراء آیت ۱۳ پ ۲۶) (میرا سینہ تنگ ہو جاتا ہے اور میری زبان جاری نہیں رہتی) نقدِ وقت ہے ـــــ اور وہ اسرار اس قبیل (قسم) میں سے نہیں ہیں کہ بیان میں نہیں آ سکتے بلکہ وہ ایسے ہیں کہ بیان میں لائے ہی نہیں جا سکتے ؎

فریادِ حافظ ایں ہمہ آخر بہرزہ نیست	ہم قصۂ غریب و حدیثِ عجیب ہست
(نہیں بکواس یہ حافظ کی فریاد	وہ البتہ عجیب احوال کی ہے)

---

[1] آپ کے نام سولہ مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۳۲ صفحہ ۱۲۷ پر ملاحظہ ہو۔

یہ دولت جس کے پوشیدہ رکھنے میں ہم کوشش کرتے ہیں انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے "مشکوٰۃِ نبوت" سے اقتباس کی ہوئی ہے، اور ملائکہ ملاءِ اعلیٰ علیٰ نبینا وعلیہم الصلوات والتسلیمات بھی اس دولت میں شریک ہیں، اور انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی متابعت کرنے والوں میں سے جس کو اس دولت سے مشرف فرمائیں وہ بھی اس دولت میں شریک ہے ـــــ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دو قسم کے علم سیکھے ہیں، ان دو علموں میں سے ایک یہ ہے جو میں نے تمہارے درمیان پھیلادیا اور بیان کیا، اور دوسرا علم وہ ہے کہ اگر میں تم پر ظاہر کردوں تو میرا گلا کاٹ دیا جائے اور وہ علم "علمِ اسرار" ہے کہ ہر شخص کی فہم وہاں تک رسائی حاصل نہیں کرسکتی: ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ

(جمعہ آیہ ۴) (یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے)۔

دوسری عرض یہ ہے کہ وہ مکتوب (۲۶۹) جو حضرات خواجہ زادوں کے نام تحریر کیا ہے آپ کی نظر سے بھی گذرا ہوگا ـــــ میرے مخدوم ومکرم! طریقت میں بھی کوئی نئی بات نکالنا اس فقیر کے نزدیک اس بدعت سے کم نہیں ہے جو دین میں پیدا کی جائے۔ "برکاتِ طریقت" اسی وقت تک جاری وساری رہتے ہیں جبتک کہ طریقت میں کوئی نئی بات پیدا نہ کی جائے، اور جب کوئی نئی بات طریقت میں پیدا ہوجائے تو اس طریقے کے فیوض وبرکات کی راہ بند ہوجاتی ہے ـــــ لہٰذا طریقت کی محافظت انتہائی ضروری ہوئی، اور طریقت کی مخالفت سے پرہیز کرنا بھی ضروریات میں سے ہوگیا۔ پس آپ جس جگہ بھی ہوں اور جس سے بھی اپنے طریقے کی مخالفت دیکھیں تو نہایت سختی اور سرزنش کے ساتھ اس کو روکیں اور اس طریقت کی ترویج وتقویت میں کوشش کریں۔ والسلام والاکرام۔
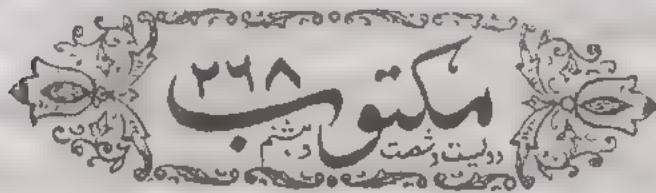
مکتوب ۲۶۸

دو صد و شصت و ہشتم

عبدالرحیم خان خاناں[1] کی طرف صادر فرمایا ـــــ اس بیان میں کہ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی وراثت کا علم کونسا ہے؟ اور وہ حدیث علماء امتی کانبیاءِ بنی اسرائیل کون سے علماء مراد ہیں؟ اور اس بیان میں کہ "علمِ اسرار" جو انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی وراثت سے باقی رہ گیا ہے وہ

---

[1] آپ کے نام تیرہ مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۲۳ صفحہ ۹۶ پر ملاحظہ ہو۔

علمِ توحیدِ وجودی کے ان اسرار کے علاوہ ہے جن کے بارے میں اولیائے امت نے کلام کیا ہے، اور احاطہ و سریان اور قرب و معیت اور ان کے مناسب بیان میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) ——— اس علاقہ کے فقراء کے احوال و اطوار شکر کے لائق ہیں ——— وَالْمَسْئُوْلُ مِنَ اللّٰہِ سُبْحَانَہٗ سَلَامَتُکُمْ وَعَافِیَتُکُمْ وَثَبَاتُکُمْ وَاسْتِقَامَتُکُمْ (اور ہم آپ کی سلامتی عافیت، ثابت قدمی اور استقامت کے لئے اللہ سبحانہٗ سے دعا کرتے ہیں)۔

چونکہ "علمِ وراثت" کی بحث درمیان میں آگئی ہے اس لئے چند کلمے وقتی ضرورت کی بنا پر تحریر کئے جاتے ہیں: ——— حدیث شریف میں وارد ہے اَلْعُلَمَاءُ وَرَثَۃُ الْاَنْبِیَاءِ[1] (علماء انبیاء کے وارث ہیں) ——— واضح ہو کہ جو علم انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات سے باقی و جاری ہے دو قسم کا ہے: (ایک) علمِ احکام (دوسرا) علمِ اسرار ——— اور (انبیاء کی) وراثت کا عالم (کہلانے کا مستحق) وہی شخص ہو سکتا ہے جو دونوں قسم کے علم سے بہرہ ور ہو، نہ یہ کہ صرف ایک قسم کا علم حاصل ہو اور دوسری قسم سے محروم ہو ——— یہ بات وراثت کے منافی ہے، کیونکہ وارث کو مورث کے ہر قسم کے ترکہ میں سے حصہ ملتا ہے، نہ کہ بعض میں حصہ ہو اور بعض میں نہ ہو۔ اور وہ شخص جس کا حصہ کسی خاص معین تک محدود ہو وہ (وارث نہیں بلکہ) غرما (قرض خواہ) میں داخل ہے جس کا حصہ اس کے حق کی جنس سے متعلق ہے، اسی طرح آنحضرت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے: عُلَمَاءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَاءِ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ (میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کے مانند ہیں)۔

اور علماء سے مراد علمائے وارث ہیں نہ کہ غرما کہ جنھوں نے ترکہ کا بعض حصہ لیا ——— کیونکہ وارث کو قرب و جنسیت کی وجہ سے بھی مورث کے مانند کہہ سکتے ہیں بخلاف غریم کے کہ وہ اس تعلق سے خالی ہے، لہٰذا جو شخص وارث نہیں ہے وہ عالم بھی نہیں ہے، مگر یہ کہ اس کے علم کو ایک نوع کے ساتھ مقید کر دیا جائے اور مثال کے طور پر یوں کہیں کہ وہ علمِ احکام کا عالم ہے۔ اور عالم مطلق وہ ہے جو وارث ہو اور اس کو دونوں قسم کے علوم سے وافر حصہ حاصل ہو ——— اکثر لوگوں کا یہ گمان ہے کہ علمِ اسرار سے مراد علمِ توحید وجودی ہے اور کثرت میں شہودِ وحدت اور وحدت میں کثرت کا

---

[1] اس حدیث کو احمد ترمذی ابی داؤد ابن ماجہ نے حضرت ابو درداء سے روایت کیا۔ مشکوٰۃ

مشاہدہ ہے۔ اور احاطہ وسریان کے معارف اور اس تعالیٰ کی قرب و معیت سے کنایہ ہے جس طرح کہ ارباب احوال کے نزدیک مکشوف و مشہود ہے حاشا و کلا ثم حاشا و کلا (ہرگز نہیں پھر ہرگز نہیں) کہ اس قسم کے علوم و معارف "علم اسرار" سے ہوں اور "مرتبہ نبوت" کے لائق ہوں، کیونکہ ان معارف کی بنیاد وقتی سکر اور غلبۂ حال پر ہے جو صحو (ہوش) کے منافی ہے، اور انبیاء علیہم الصلوات والتحیات کا علم، خواہ وہ علمِ احکام ہو یا علمِ اسرار سب کا سب صحو در صحو (اعلیٰ درجہ کا ہوش) ہے، کہ سکر کا ایک شمہ بھی اس میں نہیں ملا ہے بلکہ یہ معارف اس مقامِ ولایت کے مناسب ہیں جو سکر میں قدم راسخ رکھتا ہے ——— لہٰذا یہ علوم "اسرارِ ولایت" سے متعلق ہیں نہ کہ "اسرارِ نبوتِ انبیاء" علیہم الصلوات والتسلیمات سے۔ اگرچہ (نبی سے) ولایت بھی ثابت ہے لیکن اس کے احکام مغلوب ہیں اور نبوت کے احکام کے مقابلہ میں مضمحل و بے حقیقت ہیں ؎

بلے ہرجا شود مہر آشکارا سُہا را جز نہاں بودن چہ یارا

(یقیناً ہر جگہ سورج عیاں ہے سُہا اس واسطے ہوتا نہاں ہے)

فقیر نے اپنی کتابوں اور رسالوں میں لکھا ہے اور تحقیق کی ہے کہ "کمالاتِ نبوت" دریائے محیط کا حکم رکھتے ہیں اور "کمالاتِ ولایت" ان کے مقابلے میں ایک حقیر قطرہ کے مانند ہیں لیکن کیا کریں جن لوگوں کو "کمالاتِ نبوت" تک رسائی نہیں ہے انھوں نے کہا اَلْوِلَایَۃُ اَفْضَلُ مِنَ النُّبُوَّۃِ (ولایت نبوت سے افضل ہے) ——— اور ایک جماعت نے اس کی توجیہ میں کہا ہے کہ نبی کی ولایت اس کی نبوت سے افضل ہے ——— ان دونوں گروہوں نے نبوت کی حقیقت کو نہ سمجھا اور غائب پر حکم کیا ہے۔ صحو پر سکر کو ترجیح دینے کا حکم بھی اسی حکم کی طرح ہے، اگر صحو کی حقیقت کو جان لیتے تو ہرگز سکر کو صحو کے ساتھ نسبت نہ دیتے۔ ع

چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک (کہاں خاک اور کہاں عالمِ پاک)

شاید ان لوگوں نے خواص کے صحو کو عوام کے صحو کی مانند سمجھ کر سکر کو اس پر ترجیح دی ہے کاش کہ خواص کے سکر کو بھی عوام کے سکر کی طرح سمجھتے اور اس حکم کی جرأت نہ کرتے، کیونکہ علماء کے نزدیک یہ بات ثابت و مقرر ہے کہ صحو سکر سے بہتر ہے ——— اگر صحو و سکر مجازی ہے تو بھی یہ حکم ثابت ہے اور اگر حقیقی ہے تب بھی یہ حکم ثابت ہے ——— ولایت کو نبوت سے افضل کہنے اور سُکر کو

صحو پر ترجیح دینے کا حکم ایسا ہی ہے جیسے کوئی کفر کو اسلام پر ترجیح دے اور جہل کو علم سے بہتر جانے، کیونکہ کفر و جہل مقام ولایت کے مناسب ہے، اور اسلام و معرفت "مرتبۂ نبوت" کے مناسب ہے۔ منصورؒ کہتا ہے شعر

كَفَرْتُ بِدِيْنِ اللهِ وَالْكُفْرُ وَاجِبٌ لَدَيَّ وَعِنْدَ الْمُسْلِمِيْنَ قَبِيْحٌ

(دین کو چھوڑا کفر واقع ہو گیا اور مسلماں اس کو کہتے ہیں قبیح)

اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کفر سے پناہ مانگتے ہیں۔[1] قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ (بنی اسرائیل آیت ۸۴) (آپ کہد یجئے کہ ہر شخص اپنے طریقے پر کام کر رہا ہے) ـــــ چنانچہ جس طرح عالم مجاز میں اسلام کفر سے بہتر ہے اسی طرح حقیقت میں بھی اسلام کو کفر سے بہتر جاننا چاہیئے۔ فَاِنَّ الْمَجَازَ قَنْطَرَةُ الْحَقِيْقَةِ (تحقیق مجاز حقیقت کا پل ہے)۔

اگر کہا جائے کہ مقام ولایت میں جس طرح کہ مرتبۂ جمع میں کفر، سکر اور جہل ثابت ہے اسی طرح مرتبۂ فرق بعد الجمع میں اسلام، صحو اور معرفت بھی متحقق و ثابت ہے، لہذا کفر و سکر و جہل کو ولایت کے مقام کے مناسب کہنے کے کیا معنی ہوں گے؟ ـــــ ہم کہتے ہیں کہ صحو وغیرہ کو مرتبۂ فرق میں ثابت کرنا مرتبۂ جمع کی نسبت سے ہے جو سراسر سکر و استتار (پوشیدہ) ہے ورنہ اس مرتبہ میں صحو بھی سکر کے ساتھ ملا ہوا ہے اور اس کا اسلام کفر سے خلط ملط ہے اور اس کی معرفت جہل کے ساتھ ملی ہوئی ہے۔ اگر فقیر کتابت میں گنجائش سمجھتا تو مرتبۂ فرق کے احوال و معارف کو تفصیل سے ذکر کرتا، اور اس مرتبہ میں سکر وغیرہ کے اختلاط اور اس کے مانند کو بیان کرتا۔ سمجھدار لوگ شاید اپنی فراست کی بنا پر اس معانی کی باریکی کو سمجھ لیں۔ اَلْعَجَبُ كُلُّ الْعَجَبِ (تعجب ہی تعجب ہے)۔

پس اس قدر سمجھ لینا کافی ہے کہ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کو یہ تمام بزرگی اور بڑائی نبوت کی وجہ سے حاصل ہے نہ کہ ولایت کی وجہ سے۔ اور ولایت نبوت کے لئے ایک خادم سے زیادہ نہیں ہے، اگر ولایت کو نبوت پر فضیلت حاصل ہوتی تو ملائکہ ملاءِ اعلیٰ جن کی ولایت تمام ولایات سے اکمل درجہ کی ہے تمام انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات سے افضل ہوتے ـــــ اور (صوفیہ کی) جماعت میں سے ایک گروہ نے جب ولایت کو نبوت سے افضل جان کر ملاءِ اعلیٰ کی ولایت کو انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی ولایت سے اکمل خیال کیا تو لازماً ملائکہ علیین کو انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات سے افضل قرار دے دیا اور جمہور اہل سنت سے علیحدہ ہو گئے۔ یہ سب کچھ ان سے نبوت کی

[1] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے بعد دعا کرتے تھے: اللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْكُفْرِ وَالْفَقْرِ وَعَذَابِ الْقَبْرِ (رواہ النسائی)

حقیقت پر عدم واقفیت کی وجہ سے ہے ——— اور چونکہ لوگوں کی نظر میں عہدِ نبوت کی دوری کی وجہ سے کمالاتِ نبوت، ولایت کے کمالات کے سامنے حقیر (کم درجہ) معلوم ہوتے ہیں اس لئے (اس غلط فہمی کو دور کرنے کے لئے فقیر نے) مجبوراً گفتگو کو طول دیا اور حقیقتِ معاملہ کو تھوڑا سا ظاہر کر دیا۔

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِیْٓ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَی الْقَوْمِ الْکٰفِرِیْنَ (آلِ عمران آیت ۱۴۷)[3] (اے پروردگار ہمارے گناہ بخش دے اور ہمارے کاموں میں جو ہم سے زیادتیاں ہوئی ہیں ان کو بھی بخش دے اور ہم کو ثابت قدم رکھ اور کافروں پر ہماری مدد فرما) ——— اخوی ارشدی میاں شیخ داؤد چونکہ اس طرف چلنے والے تھے اس لئے وہی اس تکلیف (عریضہ پہنچانے) کے باعث ہوئے ہیں۔ والسلام

مکتوب ۲۶۹

دو صد و شصت و نہم

(شیخ فرید)[1] مرتضیٰ خاں کی طرف صادر فرمایا ——— دین کے دشمنوں کی اہانت کرنے اور ان بیوقوفوں اور بدبختوں کے جھوٹے خداؤں کی توہین و تخریب پر ترغیب دینے اور اس عظیم القدر کام کی تمنا ظاہر کرنے میں اور اس کے مناسب بیان میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) ——— ہر شخص کے دل میں کسی نہ کسی امر کی تمنا ہوا کرتی ہے (اسی طرح) اس فقیر کی بہت زیادہ تمنا یہی ہے کہ خدائے عزوجل کے دشمنوں اور اس کے پیغمبر علیہ و علیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کے دشمنوں کے ساتھ سختی کی جائے اور ان بدنصیبوں کو رسوا کیا جائے اور ان کے باطل معبودوں کو ذلیل و خوار کیا جائے ——— اور (یہ فقیر) یقین کے ساتھ جانتا ہے کہ حق جل و علا کے نزدیک اس عمل سے زیادہ پسندیدہ عمل کوئی نہیں ہے اسی وجہ سے آپ کو اس پسندیدہ عمل کے لئے بار بار ترغیب دیتا ہے اور اس عمل کی بجا آوری کو اسلام کے اہم ترین امور میں سے جانتا ہے۔ چونکہ آپ بذاتِ خود وہاں تشریف لے گئے ہیں اور اس گندے مقام اور وہاں کے رہنے والوں کی تحقیر اور اہانت کے لئے متعین ہوئے ہیں اس لئے سب سے پہلے اس نعمت کا شکر بجا لانا چاہئے کیونکہ بکثرت لوگ اس جگہ کی اور وہاں کے باشندوں کی

---

[1] آپ کے نام بائیس ۲۲ مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۴۳ صفحہ ۱۵۵ پر ملاحظہ ہو۔

تعظیم و توقیر کے لئے جاتے ہیں۔ لِلّٰہِ سُبْحَانَہٗ الْحَمْدُ وَالْمِنَّۃُ (اللہ سبحانہ کی حمد اور اس کا احسان ہے) کہ حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے ہم کو اس بلا میں مبتلا نہیں کیا۔ اس نعمتِ عظمیٰ کا شکر ادا کرنے کے بعد ان بدنصیبوں کی اور ان کے جھوٹے معبودوں کی تحقیر و توہین میں سعی بلیغ کرنی چاہیے اور ہر ممکن ذریعے سے خواہ پوشیدہ (طور پر) ہو یا ظاہر (ہر طرح) ان لوگوں کی تخریب میں کوشش کرنی چاہیے۔ اور ان (ہاتھوں سے بنائے ہوئے) بت تراشیدہ ناتراشیدہ گستاخ و بے ادب کی اہانت کرنی چاہیے امید ہے کہ بعض غفلتیں جو آپ سے وقوع میں آئی ہیں اس عمل کی وجہ سے ان کی تلافی اور کفارہ ہو جائے گا ——— جسمانی کمزوری اور سردی کی شدت مانع ہے ورنہ (یہ فقیر) خود آپ کی خدمت میں پہنچ کر اس کام کو بجا لانے کی ترغیب دیتا۔ اور اس تقریب سے اس پتھر پر تھوکتا اور اس کو اپنی سعادت کا سرمایہ سمجھتا۔ اور اس سے زیادہ کیا مبالغہ کیا جائے۔ والسلام

شیخ نور محمد[1] کی طرف صادر فرمایا ——— اس بیان میں کہ بعض صحبتیں گوشہ نشینی پر ترجیح رکھتی ہیں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) ——— میرے بھائی شیخ نور محمد! آپ نے (ہم) دور پڑے ہوؤں کو اس طرح بھلا دیا ہے کہ سلام و پیام سے بھی یاد نہیں کرتے ——— آپ کو گوشہ نشینی و یکسوئی کی بڑی خواہش تھی سو میسر ہو گئی۔ لیکن بعض ایسی صحبتیں ہیں جو گوشہ نشینی اور تنہائی پر فضیلت رکھتی ہیں۔ (مثلاً) حضرت اویس قرنیؒ کے حال پر قیاس کریں کہ چونکہ آپ نے گوشہ نشینی اختیار کی لہذا حضرت خیر البشر علیہ و علی آلہ الصلوات والتسلیمات کی صحبت حاصل نہ کر سکے اور اسی لئے وہ صحبت کے کمالات سے بہرہ ور نہ ہوئے اور تابعین میں سے ہو گئے اور اول درجہ کی فضیلت سے محروم ہو کر دوسرے درجہ میں رہ گئے۔ ——— اللہ سبحانہٗ کی عنایت سے (یہاں) ہر روز کی صحبت نئی طرز پر ہے: مَنِ اسْتَوٰی یَوْمَاہُ فَھُوَ مَغْبُوْنٌ (جس کے دو دن برابر ہوں وہ نقصان میں ہے)۔ اور سلام ہو آپ پر اور ان سب پر جو ہدایت کے راستے پر چلے اور حضرت محمد مصطفیٰ علیہ و علی آلہ الصلوات والتسلیمات کی متابعت کو لازم پکڑیں۔

---

[1] آپ کے نام چھ مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ مکتوب ۱۷۰ دفتر اول صفحہ ۳۷۶ پر ملاحظہ ہو۔

شیخ حسن برکی[۱] کی طرف صادر فرمایا — ایک واقعہ کے استفسار کے حل میں جو انھوں نے دیکھا تھا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) — میرے عزیز بھائی شیخ حسن کا مکتوب شریف موصول ہوا، اللہ تعالیٰ اس کے (یعنی آپ کے) حال کو اچھا کرے اور اپنے کمال تک پہنچائے) — جو واقعہ آپ پر ظاہر ہوا اور آپ نے تحریر کیا تھا اس کا حال واضح ہوا، آپ (اس کے) امیدوار رہیں، اور جو کچھ (ذکر) آپ کو امر کیا گیا ہے اس کی بجا آوری میں پوری تن دہی سے کوشش کریں اور احکامِ شرعیہ کو بجا لانے میں بال برابر بھی تجاوز نہ کریں اور اہلِ سنت و جماعت کے عقائدِ حقہ کے ساتھ اپنے آپ کو آراستہ رکھیں۔

ع کار این است وغیر ایں ہمہ ہیچ (کام بس یہ ہے اور باقی ہیچ)

اگر آپ کے والدین اور بھائی بھی راضی ہوں تو ہندوستان کی سیر کو غنیمت شمار کریں۔ والسلام

میر سید محب اللہ مانکپوری[۲] کی طرف صادر فرمایا — ایمان بالغیب اور ایمانِ شہودی کے بیان میں اور ان میں سے ہر ایک کے اصحاب کے بیان میں جو ایمان بالغیب کو ایمانِ شہادت پر فضیلت دیتے ہیں

---

[۱] آپ کے نام تین مکتوبات ہیں، دفتر اول مکتوب ۲۷۱ دفتر دوم مکتوب ۳۳ دفتر سوم مکتوب ۱۰۵۔ آپ شیخ احمد برکی کے شاگرد ہیں حضرت مجددؒ کی تعریف سن کر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور صحبتِ بابرکت سے فیضیاب ہو کر خلافت پائی اور وطن واپس ہو گئے اور شیخ احمد برکی کے انتقال کے بعد حضرت مجددؒ نے آپ کو ان کا جانشین مقرر فرمایا۔

[۲] آپ کے نام دس مکتوبات ہیں دفتر اول مکتوب ۲۷۲، ۲۹۸،۲۹۵، ۳۰۵ دفتر دوم مکتوب ۱۹، ۸۹ دفتر سوم مکتوب ۳، ۷، ۱۳، ۲۹ آپ کی ماہ صفر ۹۹۶ھ صوبہ اودھ میں ولادت ہوئی ظاہری علوم حاصل کرنے کے بعد شیخ فضل اللہ برہانپوری سے خلافت پائی۔ پھر حضرت مجددؒ کی خدمت میں سرہند حاضر ہوئے اور خلافت سے سرفراز ہو کر وطن واپس چلے گئے لیکن تلون مزاجی کی وجہ سے حضرت مجددؒ کے انتقال کے بعد گنگوہ پہنچے اور حضرت ابو سعیدؒ سے بیعت ہو کر خلافت حاصل کی۔ شاہجہاں اور دارا شکوہ کو آپ سے عقیدت تھی لیکن عالمگیر آپ کے موافق نہ تھے۔ ۹ رجب ۱۰۵۸ھ کو الہ آباد میں وفات پائی۔

اور توحیدِ شہودی و توحیدِ وجودی کے بیان میں، اور اس بیان میں کہ "فنا" کے حاصل ہونے میں توحیدِ شہودی درکار ہے توحیدِ وجودی درکار نہیں، اور اس بیان میں کہ اول شخص جس نے توحیدِ وجودی کا اظہار کیا اور اس کو صراحت سے بیان کیا وہ "صاحبِ فتوحاتِ مکیہ" ہیں، اگرچہ گذشتہ مشائخ کی عبارات بھی توحید و اتحاد کی خبر دیتی ہیں لیکن وہ توحیدِ شہودی پر محمول ہیں، اور اس کے مناسب بیان میں۔

حمد و صلوٰۃ کے بعد سیادت پناہ برادرِ عزیز میر محب اللہ کو واضح ہو کہ واجب الوجود تعالیٰ کی ذات پاک اور اس کی تمام صفات کے ساتھ غیب پر ایمان لانا انبیا علیہم الصلوات والتسلیمات اور ان کے اصحاب اور وہ اولیا جو بتمام و کمال رجوع رکھتے ہیں ان کا حصہ ہے۔ اور ان کی نسبت اصحابؓ کی سی ہے، اگرچہ بقلیل ہیں بلکہ اقل ہیں، اور وہ علما اور عامۂ مومنین کا حصہ ہے۔ اور ایمانِ شہودی عامۂ صوفیہ کے نصیب ہے، خواہ وہ اربابِ عزلت (گوشہ نشین) ہوں یا اربابِ عشرت (لوگوں کے ساتھ رہنے والے)۔ کیونکہ اربابِ عشرت خواہ کتنے ہی مرجوع (رجوع کرنے والے) ہوں لیکن انھوں نے کامل طور پر رجوع نہیں کیا ہے لہذا ان کا باطن اسی طرح فوق کی طرف نگراں ہے یعنی ظاہر میں وہ مخلوق کے ساتھ ہیں اور باطن میں حق جل سلطانہٗ کے ساتھ۔ لہذا ہر وقت ایمانِ شہودی ان کی شان ہے ـــــ اور انبیا علیہم الصلوات والتسلیمات چونکہ پورے طور پر مرجوع ہیں لہذا وہ ظاہر اور باطن میں مخلوق کو حق جل و علا کی طرف دعوت دینے میں متوجہ ہیں اس لئے ایمان بالغیب ان کے شایانِ شان ہے ـــــ اور اس فقیر نے اپنے بعض رسائل میں (اس بات کی) تحقیق کی ہے کہ باوجود رجوع کے فوق کا نگراں رہنا نقصان رہ اور انجام کار تک نہ پہنچنے کی علامت ہے۔ اور کلی طور پر رجوع کرنا نہایت النہایت تک پہنچنے کی علامت ہے، اور صوفیہ نے کمال کو "جمع بین التوجہین" یعنی دونوں توجہات کو جمع ہونے میں جانا ہے اور تشبیہ و تنزیہ کے جامع کو کاملین میں سے شمار کیا ہے۔ ع

آں ایشاں اند و من چنینم یا رب (وہ تو ایسے ہیں اور میں ایسا ہوں)

اور انبیا علیہم الصلوات والتسلیمات جب مقامِ دعوت سے فارغ ہو جاتے ہیں اور عالمِ بقا کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور رجوع کی مصلحت تکمیل کو پہنچ جاتی ہے تو وہ بڑے اشتیاق کے ساتھ الرَّفِیْقُ الْاَعْلیٰ (بلند درجے والے ساتھی) کی ندا لگا کر کلی طور پر حق جل شانہٗ کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں اور مراتبِ قرب میں فرحاں و شاداں ہوتے ہیں ـــ

ؔ هَنِيْئًا لِاَرْبَابِ النَّعِيْمِ نَعِيْمُهَا ۔۔۔ وَلِلْعَاشِقِ الْمِسْكِيْنِ مَا يَتَجَرَّعُ
(مبارک منعموں کو ان کی نعمت ۔۔۔ مبارک عاشقِ مسکیں کو کلفت)

فقیر کے نزدیک کمال یہ ہے کہ عروج کے وقت میں کثرت بالکلیہ طور پر نظر سے اٹھ جائے یہانتک کہ اسماء اور صفات بھی ملحوظ نہ رہیں اور احدیتِ مجردہ کے علاوہ کچھ بھی مشاہدہ میں نہ رہے، ثُمَّ عُوْمِلَ مَعَهُ مَا عُوْمِلَ مَعَهُ (پھر اس کے ساتھ معاملہ کیا جائیگا جو کچھ بھی کیا جائیگا ۔ اور رجوع کے وقت میں مکمل طور پر نظر کثرت پر پڑے اور عام مومنین کی طرح مخلوق کے علاوہ کوئی اور امر مشاہدہ میں نہ رہے، اور اطاعت کی ادائیگی اور مخلوق کو حق جل وعلا کی طرف دعوت دینے کے علاوہ کوئی اور کام اس سے سرزد نہ ہو، اور جب دعوت کا کام پورا کرے اور اس فانی دنیا کو رخصت کردے تو کلی طور پر جنابِ قدس کی طرف متوجہ ہو جائے اور اپنے سامان کو غیب سے شہادت کی طرف لے جائے اور معاملہ کو گوش سے آغوش میں لے آئے : ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ (جمعہ آیت ۴)

(یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ بہت بڑے فضل والا ہے)۔

کوئی ناقص کلی طور پر رجوع کرنے کو نقص خیال نہ کرے اور باطن کی توجہ کو جو حق جل سلطانہٗ کی طرف ہوتی ہے مخلوق کی طرف توجہ سے جو ان کی دعوت و تکمیل کے لئے ہے بہتر نہ جانے، کیونکہ صاحبِ رجوع اپنے اختیار سے رجوع کے مقام میں نہیں آیا ہے بلکہ حق جل سلطانہٗ کے ارادہ سے اعلیٰ سے اسفل کی طرف نزول کیا ہے اور وصل سے ہجر کے ساتھ قرار پکڑا ہے لہذا صاحبِ رجوع حق جل شانہٗ کے ارادہ سے قائم اور اپنے ارادہ سے فانی ہے، اور صاحبِ توجہ وصل اور شہود سے محظوظ اور قربِ معیت سے شاداں ہے، ؎

ہجرے کہ بود مرادِ محبوب ۔۔۔ از وصل ہزار بار خوشتر
(وہ ہجر جو ہے مرادِ دلبر ۔۔۔ ہے وصل سے ہزار بار بہتر)

لِاَنَّ فِي الْوِصَالِ عُبَيْدُ نَفْسِيْ ۔۔۔ وَفِي الْهِجْرَانِ مَوْلٰى لِلْمَوَالِيْ
وَشُغْلِيْ بِالْحَبِيْبِ بِكُلِّ حَالٍ ۔۔۔ اَحَبُّ اِلَيَّ مِنْ شُغْلِيْ بِحَالِيْ
(ہے وصل میں نفس کی غلامی ۔۔۔ ہے ہجر میں غلامیِ گرامی
ہے ہجر ہمیشہ یار کی یاد ۔۔۔ ہر حال سے پیاری ہے یہی یاد)

اور رجوع کے فضائل و کمالات بہت زیادہ ہیں صاحبِ توجہ کو صاحبِ رجوع کے ساتھ وہی نسبت ہے

جو قطرہ کو دریائے محیط کے ساتھ ہے کیونکہ یہ رجوع نبوت کے فضائل میں سے ہے اور وہ توجہ ولایت کے آثار میں سے، شَتَّانَ مَا بَیْنَھُمَا (ان دونوں کے درمیان بہت بڑا فرق ہے) ــــــ لیکن ہر شخص کی فہم اس کمال تک نہیں پہنچ سکتی: ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ (ترجمہ آیت) (یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے)۔

تنزیہ اور تشبیہ کو جمع کرنے والوں میں سے بعض کہتے ہیں کہ "تمام مومنین کو تنزیہ کے ساتھ ایمان حاصل ہے، عارف وہ ہے جو ایمانِ تشبیہ کو بھی اس کے ساتھ جمع کرے اور مخلوق کو خالق کا ظہور دیکھے اور کثرت کو وحدت کا لباس سمجھے اور مصنوع میں صانع کا مطالعہ کرے" ــــــ مختصر یہ کہ صرف تنزیہ کی طرف توجہ کا رہنا ان کے نزدیک نقص ہے اور کثرت کے ملاحظہ کے بغیر وحدت کا مشاہدہ کرنا ان کے نزدیک عیب ہے، یہ جماعت احدیتِ صرف کی طرف متوجہ ہونے والوں کو ناقص شمار کرتی ہے اور کثرت کے مطالعہ کے بغیر وحدت کے ملاحظہ کو محدود و مقید خیال کرتی ہے ــــــ ــــــ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ ۔ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی دعوت تنزیہ صرف ہے اور تمام آسمانی کتابیں اسی ایمانِ تنزیہی کی ناطق ہیں ــــــ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات آفاقی و انفسی باطل خداؤں کی نفی کرتے ہیں اور ان کے باطل ہونے کا اعلان کرتے ہیں، اور اس واجب الوجود کی وحدت کی طرف جو بیچون و بے چگون ہے رہنمائی کرتے ہیں، یہ کبھی کسی نے نہیں سنا کہ کسی پیغمبر نے ایمانِ تشبیہی (مظاہر و مناظر میں خدا کو ثابت کرنا) کی طرف دعوت دی ہو اور مخلوق کو خالق کا ظہور کہا ہو، تمام پیغمبر علیہم الصلوات والتسلیمات واجب الوجود تعالیٰ و تقدس کی توحید کے کلمہ میں متفق ہیں، اور حق تعالیٰ کے سوا تمام ارباب (باطل خداؤں) کی نفی کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔ قُلْ یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۭ بَیْنَنَا وَ بَیْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَ لَا نُشْرِكَ بِهٖ شَیْــٴًـا وَّ لَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ۝ (آل عمران آیت ۶۳) (اے رسول!) آپ کہہ دیجئے کہ اے اہل کتاب آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں (مشترک) ہے یہ کہ ہم اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کی عبادت نہ کریں اور نہ ہی کسی کو اس کا شریک ٹھہرائیں، اور اللہ تعالیٰ کے سوا ہم میں سے کوئی کسی کو اپنا رب نہ قرار دے، پھر اگر وہ (اس بات کو) نہ مانیں تو آپ کہہ دیں کہ تم گواہ رہو کہ ہم (اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار) مسلمان ہیں)۔

یہ لوگ بے شمار (باطل معبود) ارباب ثابت کرتے ہیں اور سب کو رب الارباب کے ظہورات خیال کرتے ہیں اور کتاب و سنت کو اپنے مطلب کی شہادت میں پیش کرتے ہیں :-

مثلاً الکتاب (قرآن مجید میں ہے) هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ (الحدید آیت ۳[57]) (وہی اول ہے وہی آخر، وہی ظاہر ہے وہی باطن (مخفی) ـــــ (نیز) وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى (انفال آیت ۱۷) اور آپ نے (خاک کی مٹھی) نہیں پھینکی جب پھینکی، لیکن اللہ تعالیٰ نے پھینکی۔ ـــــ (نیز) اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ، يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ (الفتح آیت ۱۰[48]) (تحقیق جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ ہی سے بیعت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے)۔

اور السنۃ (یعنی احادیث شریفہ میں ہے) : اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الْاَوَّلُ فَلَيْسَ قَبْلَكَ شَيْءٌ وَّ اَنْتَ الْاٰخِرُ فَلَيْسَ بَعْدَكَ شَيْءٌ وَّ اَنْتَ الظَّاهِرُ فَلَيْسَ فَوْقَكَ شَيْءٌ وَّ اَنْتَ الْبَاطِنُ فَلَيْسَ دُوْنَكَ شَيْءٌ (یا اللہ تو ہی اول ہے اور تجھ سے پہلے کوئی شے نہیں، اور تو ہی آخر ہے جس کے بعد کوئی شے نہیں اور تو ہی ظاہر ہے اور تجھ سے زیادہ کوئی چیز ظاہر نہیں، اور تو ہی باطن ہے اور تجھ سے زیادہ کوئی چیز پوشیدہ نہیں)۔

اِن (مندرجہ بالا آیات و احادیث) میں کوئی شہادت نہیں ہے کیونکہ یہ عبارتیں بلیغ انداز میں ماسوی اللہ کے کمال وجود کی نفی کیلئے بطور حصر ہیں نہ کہ اصل وجود کی نفی پر، جیسا کہ (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :- لَا صَلٰوةَ اِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ (سورۂ فاتحہ کے بغیر نماز کامل نہیں ہوتی) ـــــ اور فرمایا لَا اِيْمَانَ لِمَنْ لَّا اَمَانَةَ لَهٗ (جو شخص امانتدار نہیں اس میں ایمان کامل نہیں)۔

کتاب و سنت میں اس قسم کی مثالیں بکثرت موجود ہیں، یہ توجیہ نصوص (قرآن واحادیث) کی تاویل نہیں ہے جیسا کہ ان لوگوں نے خیال کیا ہے بلکہ نصوص کو کمالِ بلاغت ـــــ پر محمول کیا ہے۔ اور چونکہ عرف (محاوراتِ عامہ) میں جب کسی شخص کے امرِ رسالت (سفارت) کا اہتمام کرتا ہوتا ہے تو اس کے لئے کہا جاتا ہے کہ اس کا ہاتھ میرا ہاتھ ہے (جیسا کہ ید اللہ فوق ایدیھم) اس سے مقصود حقیقت نہیں ہے بلکہ مجاز ہے جو حقیقت سے بھی زیادہ بلیغ ہے اور جب فاعل سے جو کامل قدرت والے مالک کا غلام اور بندہ ہے اس کی قدرت کے اندازہ سے بڑھ کر کوئی فعل صادر ہو اور اس فعل میں اس مالکِ قادر کی التفات و توجہ مدنظر ہو تو اس وقت مالک کو یہ بات سزاوار ہے کہ یہ کہدے کہ "یہ کام میں نے کیا ہے نہ کہ تو نے" ـــــ یہ بات اتحاد فعل پر اور

اتحادِ ذات پر کچھ بھی دلالت نہیں کرتی۔ حَاشَا وَ کَلّا (ہرگز ایسا نہیں ہے) کہ بندہ غلام کا فعل عین مالک مقتدر کا فعل ہو، یا اس کی ذات بندہ غلام کی ذات کا عین بن جائے۔

اس جماعت نے شاید انبیا علیہم الصلوات والتسلیمات کے مذاق کو نہیں سمجھا کیونکہ ان کی دعوت کا مدار اثنینیت (دوئی) پر ہے اور غیر کے وجود و غیریت پر ہے، ان کی عبارتوں کو توحید و اتحاد پر لانا بیہودہ تکلف ہے۔ اگر فی الحقیقت ایک ہی موجود ہوتا اور اس کے سوا اس کے تمام ظہورات ہوتے اور اس کے ماسوا کی عبادت اسی کی عبادت ہوتی، جیسا کہ اس جماعت نے گمان کیا ہے تو پھر انبیا علیہم الصلوات والسلام اسقدر تاکید و مبالغہ کے ساتھ (اس کی پرستش سے) کیوں منع کرتے اور ان کی پرستش پر دائمی عذاب کیوں مرتب کرتے، اور ان کی پرستش کرنے والوں کو خدا کا دشمن کیوں قرار دیتے ان لوگوں کو ان کی غلطی پر اطلاع کیوں نہ دیتے، اور ان کی "دید غیریت" کو جو جہالت کی وجہ سے ان میں پیدا ہو گئی تھی کیوں دور نہ کرتے، اور ان کی عبادت کو عین حق جل وعلا کی عبادت کیوں نہ بتاتے۔

ان لوگوں میں سے بعض یہ کہتے ہیں کہ حضرات پیغمبر علیہم الصلوات والتسلیمات نے عوام کے "قصورِ فہم" کو مدِنظر رکھتے ہوئے توحیدِ وجودی کے اسرار کو پوشیدہ رکھا ہے اور اپنی دعوت کی بنا غیر و غیریت پر رکھی ہے اور وحدت کو چھپا کر کثرت پر دلالت کی ہے ——— یہ بات شیعوں کے تقیہ کے مانند سننے کے قابل نہیں ہے۔ حضرات پیغمبر علیہم الصلوات والتسلیمات جو کچھ کہ نفس الامر (حقیقتِ کار) ہے اس کی تبلیغ کے زیادہ مستحق اور سزاوار ہیں، اور جب نفس الامر میں ایک ہی (ذات) موجود ہے اور اس کے غیر کا کوئی وجود نہیں ہے تو وہ اس کو پوشیدہ رکھ کر کیوں نفس الامر کے خلاف اظہار کریں۔ بالخصوص وہ احکام جو واجب الوجود تعالیٰ و تقدس کی ذات و صفات اور افعال سے تعلق رکھتے ہیں، ان کے اظہار و اعلان کے وہ زیادہ حقدار ہیں، اگرچہ کوتاہ نظر ان کے سمجھنے میں قاصر ہوں۔

کیا تم نہیں دیکھتے کہ قرآن کریم کی آیاتِ متشابہات اور احادیث شریفہ کے متشابہات جن کے سمجھنے سے عوام کیا خواص بھی عاجز ہیں، اس کے باوجود (انبیائے کرام حق تعالیٰ کی طرف سے) ان کے اظہار کرنے سے منع نہیں ہوئے اور نہ ہی عوام کی غلطی اور کوتاہ فہمی ان کے اظہار کی مانع ہوئی۔ یہ ——— جماعت اس شخص کو جو دو وجود کا قائل ہے اور اس تعالیٰ کے ماسوا کی عبادت سے پرہیز کرتا ہے اس کو مشرک کہتی ہے، اور اس شخص کو جو ایک وجود کا قائل ہے اس کو موحّد کہتی ہے اگرچہ وہ

ہزار بتوں کی عبادت کرتا ہو اس خیال سے کہ یہ (بُت) حق سبحانہ کے ظہورات ہیں اور ان کی عبادت حق تعالیٰ شانہ ہی کی عبادت ہے۔ انصاف سے کام لینا چاہئے کہ ان دونوں میں سے کون مشرک ہے اور کون موحد؟۔

انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات نے وحدتِ وجود کی دعوت نہیں دی اور نہ ہی دو وجود کہنے والے کو مشرک کہا ہے بلکہ ان کی دعوت ایک معبود جل شانہ کی وحدت پر ہے، اور ماسوا کی عبادت کو شرک کہتے ہیں ــــــــ اگرچہ صوفیہ وجودیہ ماسوا (غیر حق) کو غیریت کے عنوان سے نہ جانیں تو بھی شرک دفع نہیں کرسکتے، ماسوا ماسوا ہی ہے خواہ جانیں یا نہ جانیں۔ ان میں سے بعض متاخرین عالم (خلق) کو حق جل سلطانہٗ کا عین نہیں کہتے اور عینیت سے پرہیز کرتے ہیں، اور عینیت کے ماننے والوں کو طعن و تشنیع کرتے ہیں، اسی وجہ سے شیخ محی الدین (ابن العربی) اور ان کے تبعین کے ساتھ انکار سے پیش آتے ہیں اور ان کو بُری طرح سے یاد کرتے ہیں ــــــــ اسی طرح یہ جماعت عالم کو حق تعالےٰ جل سلطانہٗ کا غیر بھی نہیں کہتے بلکہ نہ تو حق تعالیٰ کا عین جانتے ہیں اور نہ ہی حق جل وعلا کا غیر سمجھتے ہیں یہ بات بھی صواب سے دور ہے (صحیح نہیں ہے)، کیونکہ اَلْاِثْنَانِ مُتَغَایِرَانِ (دو چیزیں ایک دوسرے کی غیر ہوتی ہیں) قاعدہ کلیہ ہے اثنینیت (دوئی) کا منکر بداہتِ عقل کا مکابر ہے، (یعنی وہ الف، بت سے بھی واقف نہیں ہے)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ متکلمین نے صفاتِ واجبی جل سلطانہٗ کے بارے میں لَا ھُوَ وَلَا غَیْرُہٗ (نہ وہ عینِ ذات ہے اور نہ وہ غیرِ ذات) کہا ہے اور غیر سے غیر اصطلاحی مراد لے کر اس امر کو مدنظر رکھا ہے کہ دو متغائر چیزوں کا باہم انفکاک (علیحدہ) ہونا جائز ہے کیونکہ صفاتِ واجبی جل سلطانہٗ حضرت ذات تعالیٰ و تقدس سے جدا نہیں ہیں اور نہ ہی اس تعالیٰ و تقدس کی صفاتِ قدیمہ اور ذات کے درمیان جدائی کا جواز متصور ہوسکتا ہے لہٰذا لَا ھُوَ وَلَا غَیْرُہٗ صفاتِ قدیمہ میں صادق ہے، برخلاف عالَم (مخلوق) کے کہ اس میں یہ نسبت مفقود ہے کیونکہ کَانَ اللّٰہُ وَلَمْ یَکُنْ مَعَہٗ شَیْءٌ (کیونکہ اللہ تعالیٰ موجود تھا اور کوئی شے اس کے ساتھ موجود نہ تھی)، لہٰذا عالَم سے غیریت کی نفی کرنا بھی لغت اور اصطلاح دونوں صدق سے دور ہے ــــــــ اس جماعت نے حقیقتِ حال تک اپنی نارسائی کی وجہ سے عالَم (مخلوق) کو صفاتِ قدیمہ کے مانند خیال کیا ہے اور اس (عالَم) کے لئے ایک مخصوص حکم کا اطلاق کیا ہے

اور چونکہ یہ جماعت عینیتِ عالم کی نفی کی قائل ہو گئی ہے اس لئے عالم کی غیریت کا قائل ہونا ان پر لازم ہو گیا ہے اور وہ توحیدِ وجودی والے گروہ سے نکل آئی اور عالم کے متعدد وجودوں کی قائل ہو گئی کیونکہ توحیدِ وجودی میں عین کہنے کے بغیر چارہ نہیں، جیسا کہ شیخ محی الدینؒ اور ان کے متبعین نے کہا ہے، اور ان کا عین کہنا اس معنی میں نہیں ہے کہ عالم اپنے صانع کے ساتھ متحد ہے حاشا وکلا (ہرگز ایسا نہیں ہے) بلکہ اس معنی میں ہے کہ عالم معدوم ہے اور واجب الوجود تعالیٰ وتقدس موجود ہے جیسا کہ اس فقیر نے اپنے بعض رسائل میں اس معنی کی تحقیق کی ہے۔

سوال: صوفیۂ وجودیہ دُو وجود کے کہنے والے کو مشرک کہتے ہیں اور وہ اس اعتبار سے ہے کہ وہ دُو بین (دُو دیکھنے والا) ہے اور دُو دیکھنے والا طریقت کا مشرک ہے۔

جواب: دو بینی (دُو دیکھنا) جو کہ طریقت میں شرک ہے وہ توحیدِ شہودی سے دفع ہو جاتا ہے اور اس مقام میں توحیدِ وجودی کا کچھ کام نہیں چاہیئے کہ سالک کا مشہود و ملحوظ ایک ذاتِ مقدس کے علاوہ کوئی دوسرا امر نہ ہو تاکہ فنا متحقق ہو کر طریقت کا شرک دُور ہو جائے۔ (جیسا کہ) دن میں آفتاب کو تنہا دیکھتے ہیں اور ستاروں کو نہیں دیکھ سکتے (اسی طرح) دُو کا دیکھنا دور ہو گیا ہے، اگرچہ ہزاروں ستارے دن میں بھی موجود ہیں ــــــ مقصود یہ ہے کہ ایک آفتاب مشہود ہے خواہ ستارے معدوم ہوں یا موجود۔ بلکہ ہم کہتے ہیں کہ کمالِ فنا اس صورت میں ہے کہ اشیا موجود ہوں لیکن سالک مطلوبِ حقیقی کے ساتھ کمال تعلق کی وجہ سے کسی چیز کی طرف التفات نہ کرے بلکہ کسی چیز کو دیکھے بھی نہیں اور کوئی چیز اس کی دیدۂ بصیرت" میں بھی نہ آئے۔ اور اگر چیزیں موجود نہ ہوں تو فنا کس چیز سے متحقق ہو گی اور فانی کس چیز سے ہو گا اور کس چیز کو فراموش کرے گا۔

سب سے پہلے جس شخص نے توحیدِ وجودی کی تصریح کی ہے وہ شیخ محی الدین ابن العربیؒ ہیں، اس سے پہلے کے مشائخ کی عبارتیں اگرچہ توحید و اتحاد کی خبر دیتی ہیں لیکن توحیدِ شہودی پر حمل کرنے کے قابل ہیں کیونکہ جب وہ حق جل شانہ کے غیر کو نہیں دیکھتے تو بعض کہتے ہیں، لَیْسَ فِی جُبَّتِیْ سِوَی اللّٰہِ (میرے جبہ میں اللہ تعالیٰ کے سوا اور کچھ نہیں)۔ اور بعض سُبْحَانِیْ (میں پاک ہوں) پکار اُٹھتے ہیں ـــ اور بعض لَیْسَ فِی الدَّارِ غَیْرُہٗ دَیَّارٌ (گھر میں اس کے سوا کوئی رہنے والا نہیں ہے) کی آواز لگاتے ہیں۔

یہ سب پھول ایک ہی "پائیک بینی" کی شاخ سے کھلے ہیں، ان عبارتوں میں سے کوئی عبارت بھی وحدتِ وجود پر دلالت نہیں کرتی ——— اور جس شخص نے مسئلہ وحدتِ وجود کو ابواب و فصول میں لکھا ہے اور صرف و نحو کی مانند اس کو تالیف کیا ہے وہ شیخ محی الدینؒ ہی ہیں، اور اس مسئلہ کے بعض دقیق معارف کو اپنی طرف منسوب کیا ہے حتیٰ کہ انھوں نے کہا کہ "خاتم النبوت" بعض علوم و معارف کو "خاتم الولایت" سے اخذ کرتا ہے۔ اور "خاتم ولایت محمدی" اپنے آپ کو جانتے ہیں۔ ان کے شارحین نے اس کی توجیہ میں کہا ہے کہ اگر بادشاہ اپنے خزانچی سے کوئی چیز لے لے تو کیا نقصان ہے۔

غرض فنا و بقا اور ولایتِ صغریٰ و کبریٰ کے کمالات حاصل کرنے کے لئے توحیدِ وجودی بالکل درکار نہیں ہے توحیدِ شہودی حاصل ہونی چاہیئے تاکہ فنا متحقق ہو جائے اور ماسوی اللہ کا نسیان بھی حاصل ہو جائے ——— ہو سکتا ہے کہ کسی سالک کو ابتدا سے انتہا تک سیر میسر ہو جائے اور توحیدِ وجودی کے علوم و معارف میں سے کچھ بھی اس پر ظاہر نہ ہو۔ بلکہ قریب ہے کہ ان علوم کا انکار کر دے ——— فقیر کے نزدیک وہ راستہ جو ان معارف کے ظہور کے بغیر سلوک کے ساتھ میسر ہو جائے وہ اس راستے سے زیادہ قریب ہے جو اس ظہور پر مشتمل ہے اور نیز اس راہ (توحیدِ شہودی) کے سالکوں میں سے اکثر مطلوب تک پہنچتے ہیں اور اُس راہ (توحیدِ وجودی) کے چلنے والے اکثر راستہ ہی میں رہ جاتے ہیں اور دریا کے ایک قطرہ کے ساتھ سیراب ہو جاتے ہیں، اور ظل و اصل کے باہمی اتحاد کے وہم میں پڑ کر ظل میں گرفتار رہتے ہیں اور اصل سے محروم ہو جاتے ہیں۔ اس حقیقت کو (۳۱) فقیر نے) تجربات ہی سے معلوم کیا ہے۔ وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ الْمُلْهِمُ لِلصَّوَابِ (اور اللہ سبحانہٗ صحیح بات دل میں ڈالنے والا ہے)۔

اور نیز اس فقیر کو، اگرچہ راہِ ثانی (یعنی توحیدِ وجودی کی راہ) سے سیر و سلوک میسر ہوا ہے اور توحیدِ وجودی کے علوم و معارف کے ظہورات سے کافی حصہ حاصل ہوا ہے لیکن چونکہ خداوند جل سلطانہٗ کی عنایت اس فقیر کے شاملِ حال تھی اور فقیر کی سیر محبوبی تھی اس لئے راستے کے جنگلوں اور صحراؤں کو فضل و عنایت کی امداد سے طے کرا دیا اور کمال مہربانی کے ساتھ ظلال سے گزار کر اصل تک پہنچا دیا اور جب معاملہ مریدوں تک پہنچا تو معلوم ہوا کہ دوسرا راستہ (یعنی توحیدِ شہودی کی راہ) وصول سے زیادہ قریب اور حصول کے لئے زیادہ آسان ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ هَدٰنَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْلَآ اَنْ

هَدٰنَا اللّٰهُ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے جس نے ہم کو ہدایت دی اگر وہ ہم کو ہدایت نہ دیتا تو ہم کبھی ہدایت نہ پاتے بیشک ہمارے رب کے رسول حق بات لائے ہیں (اعراف آیت ۴۳)۔

تنبیہ: سابقہ تحقیق سے معلوم ہو گیا کہ اگرچہ موجودات متعدد ہوں اور حق جل و علا کا ماسوا بھی موجود ہو پھر بھی یہ بات روا ہے کہ فنا اور بقا متحقق ہو جائے اور ولایت صغریٰ و کبریٰ بھی حاصل ہو جائے، کیونکہ ماسویٰ کا نسیان فنا ہے نہ یہ کہ ماسوا کا نیست و نابود کرنا، اور چاہیے کہ ماسویٰ کی دید مفقود ہو جائے نہ یہ کہ ماسویٰ معدوم و ناچیز ہو جائے۔ یہ بات ظاہر ہونے کے باوجود اکثر خواص پر بھی پوشیدہ رہی ہے تو عوام کے بارے میں کیا کہا جائے ـــــ ان لوگوں نے توحید شہودی کو توحید وجودی کا عین خیال کر کے وحدت وجود کی معرفت کو اس راہ کی شرائط میں سے جانا ہے، اور دو وجود کہنے والے کو ضالّ و مضل (گمراہ اور گمراہ کرنے والا) خیال کیا ہے یہاں تک کہ ان میں سے اکثر نے حق جل سلطانہٗ کی معرفت کو توحید وجودی کے معارف میں منحصر خیال کیا ہے، اور شہود وحدت کو کثرت کے آئینے میں انجام کار تصور کیا ہے ـــــــــ ان میں سے بعض نے یہاں تک تصریح کی ہے کہ ہمارے حضرت پیغمبر علیہ و علیٰ جمیع اخوانہ من الصلوات افضلہا و من التسلیمات اکملہا کمالاتِ نبوت کے حصول کے بعد شہود وحدت در کثرت کے مقام میں رہے ہیں، اور آیت کریمہ اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ (کوثر آیت ۱) (بیشک ہم نے آپ کو کوثر (خیر کثیر) عطا کی) سے اس مقام کی طرف اشارہ کرتے ہیں، اور اس آیت کریمہ کا ترجمہ اس عبارت سے کرتے ہیں "تحقیق کہ ہم نے آپ کو کثرت میں وحدت کا مشاہدہ عطا کیا۔" ـــــ ـــــ معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے کوثر کے "و" کے درمیان آنے سے جو حروف کثر کے درمیان ہے اس سے اس اشارہ کو سمجھا ہے۔ حاشا و کلا (ہرگز ایسا نہیں ہے) کہ اس قسم کے معارف مقامِ نبوت کے شایاں ہوں۔ کیونکہ انبیاء علیہم الصلوات والتحیات خدائے بے چون جل سلطانہٗ کی طرف دعوت دیتے رہے ہیں، اور جو چیز چون کے آئینے میں گنجائش رکھتی ہے وہ بے چونی سے بے نصیب ہے اور چونی و چندی کے داغ سے داغدار ہے، حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ ان کو انصاف دے۔ شاید یہ لوگ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کو اپنے کمالات کی ترازو میں تولنا چاہتے ہیں اور ان کے کمالات کو اپنے کمالات کی مانند جانتے ہیں، كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ (کہف آیت ۵) (کتنی بھاری بات ہے جو ان کے منہ سے نکلی ہے) ؎

چوں آں کرمے کہ در سنگے نہاں است — زمین و آسمان او ہماں است

(وہ کیڑا جو کہ پتھر میں نہاں ہے — زمین و آسماں اس کا وہاں ہے)

(حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی) امت کا یہ کمینہ (خود حضرت مجددؒ) اس قسم کی معرفت سے جو شروع میں اس کو حاصل ہوئی تھی ندامت و استغفار کرتا ہے اور ایسا شہود جو نصاریٰ (عیسائیوں) کے حلول کے (عقیدہ کے) مانند ہے اس پاک بارگاہ سے اس کی نفی کرتا ہے۔

حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ "جو کچھ دیکھا گیا، سنا گیا اور سمجھا گیا وہ سب اس کا غیر ہے کلمۂ لَا کی حقیقت سے اس کی نفی کرنی چاہئے۔ لہٰذا کثرت میں وحدت کا مشاہدہ بھی نفی کے لائق ہے اور جو کچھ نفی کے لائق ہے وہ بھی اس جنابِ قدس سے منتفی اور دور ہے ——— حضرت خواجہ قدس سرہٗ کے اس کلام نے مجھ کو اس شہود سے نکالا اور مشاہدہ و معائنہ کی گرفتاریوں سے نجات بخشی اور میرے اسباب (ہستی) کو علم سے جہل کی طرف اور معرفت سے حیرت کی طرف لے گیا۔ جَزَاهُ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ عَنِّیْ خَیْرَ الْجَزَاءِ (اللہ سبحانہٗ ان کو میری طرف سے جزائے خیر دے) ——— میں صرف اسی ایک بات سے حضرت خواجہؒ کا مرید اور ان کا حلقہ بگوش مطیع ہوں، اور سچ بات تو یہ ہے کہ اولیا میں سے شاید ہی کسی نے اس کلام کی مانند بات کہی ہو اور تمام مشاہدات و معائنات کی اس طریقے سے نفی کی ہو ——— اس مقام میں ان کے اس کلام کی حقیقت کو ڈھونڈنا چاہئے جو کہ آپ نے فرمایا ہے "معرفتِ خدا بر بہاء الدین حرام اگر ابتدائے او انتہائے بایزید نباشد" (یعنی بہاء الدین پر خدا کی معرفت حرام ہو گر اس کی ابتدا بایزید کی انتہا نہ ہو) ——— کیونکہ حضرت بایزیدؒ اس بزرگی کے باوجود شہود و مشاہدہ سے آگے نہیں بڑھے اور سُبْحَانِیْ مَا اَعْظَمَ شَانِیْ (میں پاک ہوں اور میری شان بڑی ہے) کے تنگ کوچہ سے قدم باہر نہیں نکالا بخلاف ہمارے حضرت خواجہؒ کے کہ انھوں نے ایک ہی کلمۂ لَا سے ان کے تمام مشاہدات کی نفی فرما دی ہے اور سب کو غیر حق جل سلطانہٗ قرار دے دیا۔ ان (بایزیدؒ) کا تنزیہ حضرت خواجہؒ کے نزدیک تشبیہ ہے اور اُن کا بے چون (ان کے نزدیک) چون ہے اور اُن کا کمال (ان کے نزدیک) نقص ہے۔ لہٰذا لازمی طور پر اُن (بایزیدؒ) کی انتہا تشبیہ سے آگے نہیں گزری ہے جو ہمارے خواجہؒ کی ابتدا ہو گئی کیونکہ ابتدا تشبیہ سے ہے اور انتہا تنزیہ کے ساتھ۔ شاید کہ آخری حال میں حضرت بایزیدؒ کو اس نقص کی اطلاع بخش دی گئی ہو، کیونکہ موت کے وقت

وہ کہتے تھے کہ مَا ذَكَرْتُكَ إِلَّا عَنْ غَفْلَةٍ وَمَا خَدَمْتُكَ إِلَّا عَنْ فَتْرَةٍ (میں نے تجھ کو یاد نہیں کیا مگر غفلت سے اور میں نے تیری خدمت (عبادت) نہیں کی مگر سستی سے)۔ انھوں نے اپنے پہلے حضور (مشاہدہ) کو غفلت سمجھا کیونکہ وہ حضور اللہ تعالیٰ کا حضور نہ تھا بلکہ ظلال میں سے ایک ظل کا حضور اور اس کے ظہورات میں سے ایک ظہور تھا، لہذا لازمی طور پر وہ حضرت جل سلطانہٗ سے غافل ہوئے۔

چونکہ وہ بلند و بزرگ ذات وراء الوراء ہے، تمام ظلال اور ظہورات اس کے مبادی و مقدمات ہیں، اور اس کے معارج (زینے) اور معدّات (اسباب و ذرائع) ہیں۔ اور جو کچھ کہ حضرت خواجہؒ نے فرمایا ہے "ما نہایت را در ہدایت درج می کنیم" (ہم نہایت (انتہا) کو ہدایت (ابتدا) میں درج کرتے ہیں) عین واقعہ کے مطابق ہے .... اس طریقۂ عالیہ کے ہدایت یافتہ مبتدی کو یہ دولت اپنے شیخ مقتدا سے جو اس کمال کے ساتھ مشرف ہوتا ہے انعکاسی طور پر حاصل ہو جاتی ہے خواہ وہ اس کو جانیں یا نہ جانیں۔ لہذا لازمی طور پر کاملوں کی نہایت ان بزرگواروں کی ہدایت میں درج ہو گی۔

حاصل کلام یہ ہے کہ اگر احدیت کی توجہ ان میں غلبہ پیدا کرے اور ظاہر کو بھی باطن کے رنگ میں رنگ دے تو سالک سفلی مشاہدات سے جو ممکنات کے آئینوں میں ظاہر ہوتے رہتے ہیں آزاد ہو جاتا ہے اور معارفِ تشبیہی سے چھٹکارا پا جاتا ہے۔ اور اگر توجہ کا یہ غلبہ پیدا نہ ہو سکے اور صرف باطن پر ہی محدود رہے تو اکثر اوقات ایسا ہوتا ہے کہ بظاہر کثرت میں وحدت کے مشاہدہ کی لذت پاتا ہے اور توحید و اتحاد سے محظوظ ہوتا ہے۔ لیکن یہ شہود اُن کے حق میں ظاہر پر ہی محدود رہتا ہے اور باطن میں کچھ بھی سرایت نہیں کرتا اور ان کا باطن احدیتِ صرف کی طرف متوجہ رہتا ہے اور ان کا ظاہر کثرت میں وحدت کا مشاہدہ کرتا ہے، بہت ممکن ہے کہ ظاہری نسبت کے غلبہ کی وجہ سے باطنی توجہ معلوم نہ ہو اور شہودِ ظاہر کے علاوہ کوئی اور امر مفہوم نہ ہو ——— جیسا کہ ابتدا میں ان سطور کے لکھنے والے (حضرت مجددؒ) کا حال تھا کہ ظاہری نسبت کے غلبہ کی وجہ سے باطنی توجہ جو احدیتِ صرف کی طرف تھی آگاہی نہیں رکھتا تھا اور کلی طور پر اپنے آپ کو کثرت میں وحدتِ شہود کی طرف متوجہ پاتا تھا ——— ایک مدت کے بعد حضرت حق سبحانہٗ نے باطن کی توجہ پر اطلاع بخشی اور باطن کو ظاہر پر تصرف دی اور معاملہ یہاں تک پہنچا دیا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ سُبْحَانَهٗ عَلٰی ذٰلِكَ۔

کیونکہ ابتدا ہی سے ان (حضرت خواجہؒ) کی توجہ احدیتِ صرف کی طرف ہے اور اسم و صفت سے سوائے ذات تعالیٰ کے اور کچھ نہیں چاہیے۔

وہ معارفِ توحیدی اور مشاہداتِ سفلی جو اس بزرگ خاندان (نقشبندیہ) کے بعض خلفاء سے ظاہر ہوئے ہیں وہ بھی اسی قسم سے ہیں نہ یہ کہ یہ حضرات ظاہر و باطن میں شہود کی طرف متوجہ اور اسی معرفت میں گرفتار رہے ہیں بخلاف دوسرے (بزرگوں) کے جو ظاہر و باطن میں اسی شہود کے گرفتار رہتے ہیں اور اس شہود کو جامع تنزیہ و تشبیہ جان کر اسی کو کمال سمجھ بیٹھے ہیں ——— اس جماعت کا اگرچہ باطن بھی تنزیہ صرف کے ساتھ ایمان رکھتا ہے لیکن ان کی گرفتاری دوسری چیز ہے اور ایمان کچھ اور، اور حال بھی اور ہے اور علم بھی کچھ اور ——— اور وہ جماعت جو تنزیہ صرف کے ساتھ ایمان نہیں رکھتی اور اور مشاہدۂ سفلی کے سوا دوسری کسی چیز پر اعتقاد نہیں رکھتی وہ ملحدوں (بے دینوں) میں سے ہے جو اس بحث سے خارج ہے۔

فقیر کے نزدیک ممکنات کے آئینوں میں حق جل و علا کا وہ شہود جس کو صوفیہ کی ایک جماعت کمال جانتی ہے اور تشبیہ و تنزیہ کے درمیان جمع ہونا خیال کرتی ہے وہ درحقیقت حق جل و علا کا شہود نہیں ہے، ان آئینوں میں اس کا مشہود اُن کے خیالی اور من گھڑت (تصور) کے سوا اور کچھ نہیں ہے کیونکہ جو کچھ وہ ممکن میں دیکھتے ہیں وہ واجب تعالیٰ و تقدس نہیں ہے اور جو کچھ وہ حادث میں پاتے ہیں وہ قدیم نہیں ہے، اور جو کچھ (ان کو) تشبیہ میں ظاہر ہوتا ہے وہ تنزیہ نہیں ہے، ہرگز ہرگز صوفیہ کی اس قسم کی ترہات (یعنی باطل خلافِ شرع باتوں) پر فریفتہ نہ ہونا چاہئے اور حق جل سلطانہٗ کے غیر کو حق نہ جاننا چاہئے ——— ——— اگرچہ یہ لوگ غلبۂ حال کی وجہ سے معذور ہیں، اور خطا کار مجتہد کی طرح مواخذہ سے بری ہیں لیکن ان کے مقلدوں کے ساتھ (قیامت کے روز) معلوم نہیں کہ کس طرح معاملہ کریں گے۔ کاش کہ مجتہد مخطی کے مقلدوں کی طرح ہی ہوتے، اور اگر ان کے ساتھ ایسا معاملہ نہ کیا گیا تو پھر ان کے لئے بہت مشکل ہے ——— قیاس و اجتہاد اصولِ شرعیہ میں سے ایک اصل ہے جس کی تقلید پر ہم کو مامور کیا گیا ہے بخلاف کشف و الہام کے کہ اس کی تقلید کا ہم کو امر نہیں فرمایا گیا اور الہام دوسروں پر حجت نہیں ہے لیکن اجتہاد مقلد پر حجت ہے پس علمائے مجتہدین کی تقلید کرنی چاہئے، اور دین کے اصول کو اُن کی رائے کے موافق ڈھونڈنا چاہئے، اور صوفیہ جو کچھ علمائے مجتہدین کی آراء کے خلاف کہیں یا کریں ان کی تقلید نہیں کرنی چاہئے اور ان پر حُسنِ ظن رکھتے ہوئے ان کے طعن سے اپنے منھ کو بند رکھنا چاہئے اور ان کی اس قسم کی باتوں کو شطحیات میں سے شمار

کرنا چاہیئے اور ظاہر کی طرف سے مصروف و بچرا ہوا خیال کرنا چاہیئے۔

بڑے تعجب کی بات ہے کہ ان میں سے بعض صوفیہ عام لوگوں کو اپنے کشفیہ اور الہامیہ امور مثلاً وحدت الوجود پر ایمان لانے کی رہنمائی کرتے ہیں اور ان کی تقلید پر ترغیب دیتے ہیں اور ان کے عدم (یعنی ایسا عقیدہ نہ رکھنے) پر سرزنش کرتے ہیں۔ کاش یہ لوگ ان امور کے عدم انکار پر دلالت کرتے اور ان کے منکر پر تہدید اور تنبیہ فرماتے کیونکہ ایمان اور چیز ہے اور عدم انکار اور چیز۔ ان امور کے ساتھ ایمان لانا لازمی نہیں ہے، ہاں ان امور کے انکار سے بچنا چاہیئے ایسا نہ ہو کہ ان امور کا انکار ان امور والوں کے انکار تک پہنچا دے اور حق جل وعلا کے اولیاء کے ساتھ بغض و عداوت پیدا کر دے۔ علماء اہل حق کی آراء کے موافق عمل کرنا چاہیئے اور صوفیہ کی کشفی باتوں سے حسن ظن کے ساتھ سکوت اختیار کرنا چاہیئے اور لَا و نَعَمْ پر جرأت نہ کرنی چاہیئے: هٰذَا هُوَ الْحَقُّ الْمُتَوَسِّطُ بَيْنَ الْإِفْرَاطِ وَالتَّفْرِيْطِ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ الْمُلْهِمُ لِلصَّوَابِ (یہی وہ حق ہے جو افراط و تفریط کے درمیان ہے اور اللہ تعالیٰ بہتری کی طرف الہام کرنے والا ہے)۔

عجیب کاروبار ہے کہ ان لوگوں میں سے بہت سے اس راہ کے مدعی اس شہود و مشاہدہ پر بھی قناعت نہیں کرتے بلکہ اس شہود کو تنزل خیال کر کے اس جہان میں رویت بصری کے بھی قائل ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم واجب الوجود جل سلطانہ کی ذات بیچون کو دیکھتے ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ وہ دولت جو ہمارے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو شب معراج میں ایک دفعہ حاصل ہوئی تھی ہم کو ہر روز میسر ہے اور وہ نور جو ان کے دیکھنے میں آتا ہے اس کو صبح کی سفیدی سے تشبیہ دیتے ہیں اور اس نور کو مرتبہ بے کیفی خیال کرتے ہیں، اور مراتب عروج کی نہایت اس نور کے ظہور تک تصور کرتے ہیں: تَعَالَى اللّٰهُ سُبْحَانَهُ عَمَّا يَقُوْلُ الظّٰلِمُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا (اللہ تعالیٰ سبحانہ اس بات سے جو ظالم کہتے ہیں بہت بڑا ہے) ـــــــ

ـــــــ اور نیز حضرت حق جل شانہ کے ساتھ اپنا کلام و مکالمہ کرنا ثابت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے ایسا ایسا فرمایا ہے، کبھی اپنے دشمنوں کے حق میں حضرت عز سبحانہ کی طرف سے کئی کئی قسم کی وعیدیں (یعنی بہت سے عذاب) نقل کرتے ہیں، اور کبھی اپنے دوستوں کو بشارتیں دیتے ہیں اور ان میں سے بعض اس طرح کہتے ہیں کہ رات کے تہائی یا چوتھائی حصہ سے لیکر صبح کی نماز تک میں حق سبحانہ و تعالیٰ کے ساتھ کلام کرتا رہا اور ہر طرح کی باتیں پوچھتا رہا اور جواب لیتا رہا۔ ـــــــ

لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا فِیْٓ اَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْ عُتُوًّا كَبِيْرًا (الفرقان آیت ۲۱) (ان لوگوں نے اپنے آپ میں تکبر کیا اور بڑی سرکشی کی)۔ ان لوگوں کی باتوں سے مفہوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ اس نور مرئی[1] کو عین حق جل سلطانہٗ سمجھتے ہیں اور اس نور کو حق تعالیٰ کی ذات تصور کرتے ہیں، نہ یہ کہ اس کے ظہورات میں سے کوئی ظہور یا اس کے ظلال میں سے کوئی ظل جانتے ہوں ——— اس میں کچھ شک نہیں کہ اس نور کو حق جل سلطانہٗ کی ذات کہنا محض افترا، صرف الحاد اور خالص زندقہ ہے، یہ اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کا نہایت ہی حلم و تحمل ہے کہ اس قسم کے مفتریوں کے لئے طرح طرح کے عذابوں میں جلدی نہیں کرتا اور ان کی بیخ کنی نہیں فرماتا۔ سُبْحَانَكَ عَلٰی حِلْمِكَ بَعْدَ عِلْمِكَ سُبْحَانَكَ عَلٰی عَفْوِكَ بَعْدَ قُدْرَتِكَ (یا اللہ تو پاک ہے اور ہماری برائیوں کو جاننے کے باوجود حلم فرماتا ہے اور یا اللہ تو پاک ہے اور قدرت کے باوجود معاف کرتا ہے)۔

اور حضرت موسیٰ علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قوم صرف رویت کی طلب ہی کی وجہ سے ہلاک ہو گئی اور حضرت موسیٰ علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام نے طلبِ رویت کے بعد لَنْ تَرٰىنِیْ[2] کا زخم کھایا اور بیہوش ہو کر گر پڑے اور اس طلب سے تائب ہوئے۔ اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم جو محبوب رب العالمین اور تمام اولین و آخرین موجودات میں سے بہترین ہیں باوجودیکہ معراج بدنی سے مشرف ہوئے اور عرش و کرسی سے گذر کر مکان و زمان سے بھی بالا چلے گئے، باوجود قرآنی اشاروں کے آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رویت میں بھی علماء کا اختلاف ہے اور اکثر علماء آنحضرت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی عدم رویت کے قائل ہیں ——— چنانچہ حضرت امام غزالیؒ فرماتے ہیں: وَالْاَصَحُّ اَنَّهٗ عَلَيْهِ وَعَلٰٓى اٰلِهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ مَا رَاٰى رَبَّهٗ سُبْحَانَهٗ لَيْلَةَ الْمِعْرَاجِ (صحیح یہی ہے کہ آنحضرت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے معراج کی شب میں اپنے رب کو نہیں دیکھا) ——— ——— (لیکن) یہ بے سروسامان اپنے خیالِ باطل میں ہر روز خدائے جل شانہٗ کو دیکھتے ہیں جبکہ حال یہ ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کے ایک مرتبہ کے دیدار میں بھی علماء قیل و قال کر رہے ہیں۔ فَضَحَهُمُ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ مَا اَجْهَلَهُمْ (اللہ تعالیٰ ان کو خوار کرے، یہ کیا غضب کے جاہل ہیں)

اور اسی طرح اس جماعت کی باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کلام جس کو یہ سنتے ہیں اس کی نسبت حق سبحانہٗ سے ایسی جانتے ہیں جیسی کلام کی نسبت متکلم سے، یہ عین الحاد ہے۔

[1] وہ نور جو نظر آئے۔ [2] ترجمہ (تم مجھے ہرگز نہ دیکھ سکو گے) سورۂ اعراف آیت ۱۴۳

حَاشَا وَکَلَّا (ہرگز ایسا نہیں ہے) کہ حضرت حق سبحانہٗ سے تکلم کے انداز میں کوئی ایسا کلام صادر ہو جس میں تقدیم و تاخیر کی ترتیب ہو کہ وہ حادث (فنا ہونے والا) کلام کی علامت ہے ——— شاید مشائخ کبار کی باتوں نے ان کو غلطی میں ڈال دیا ہے، کیونکہ مشائخ نے بھی حضرت جل سلطانہ کے ساتھ کلام اور مکالمہ ثابت کیا ہے۔ لیکن یہ بات جاننی چاہئے کہ مشائخ کے کلام کی نسبت جو وہ حضرت حق سبحانہٗ سے کرتے ہیں ایسی نہیں ہے جو کلام کو اپنے متکلم کے ساتھ ہوتی ہے بلکہ وہ وہی نسبت ثابت کرتے ہیں جو مخلوق کو اپنے خالق کے ساتھ ہے اور اس میں کوئی محظور (رکاوٹ) اور قباحت نہیں ہے ——— حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو شجرۂ مبارکہ سے حق جل شانہٗ کا کلام سنا تو اس کلام کو حق جل سلطانہٗ کے ساتھ وہی نسبت تھی جو مخلوق کو اپنے خالق کے ساتھ ہوتی ہے نہ یہ کہ وہ نسبت جو کلام کو اپنے متکلم کے ساتھ ہوتی ہے، اور اسی طرح وہ کلام جو حضرت جبرئیل علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے (اللہ تعالیٰ) سے سنا اس کلام کی بھی وہی نسبت تھی جو مخلوق کو اپنے خالق کے ساتھ ہے ———

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ وہ کلام بھی کلامِ حق جل سلطانہٗ ہے اور اس کا منکر کافر و زندیق ہے، گویا کلامِ حق مشترک ہے کلامِ نفسی اور کلامِ لفظی کے درمیان، جس کو بلا واسطہ کسی امر کے حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ ایجاد فرماتا ہے۔ لہذا کلامِ لفظی بھی حقیقت میں کلامِ حق جل وعلا ہوا۔ ناچار اس کا منکر بھی کافر ہوگا۔ فَافْهَمْ فَإِنَّ هٰذَا التَّحْقِيقَ يَنْفَعُكَ فِي كَثِيرٍ مِّنَ الْمَوَاضِعِ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ الْمُوَفِّقُ (پس سمجھ لیں کہ یہ تحقیق آپ کو بہت سے مقامات پر نفع دیگی اور اللہ سبحانہٗ ہی توفیق دینے والا ہے)۔

جاننا چاہیے کہ وہ وجود جس کو ہم ممکنات کے لئے ثابت کرتے ہیں وہ ایسا غیر مستقل اور ضعیف وجود ہے جو ممکن کے تمام صفات کی طرح ہے، ممکن کے علم کی (حقیقت) واجب تعالیٰ کے علم کے مقابلے میں کیا حقیقت ہے اور قدرتِ قدیمہ کے مقابلے میں قدرتِ حادثہ کیا اعتبار رکھتی ہے، اسی طرح ممکن کا وجود، واجب تعالیٰ کے وجود کے مقابلے میں محض لاشئے ہے ——— کیونکہ واقعہ یہ ہے کہ دیکھنے والا ان دونوں وجودوں کے فرقِ مراتب کے باعث شک میں پڑ جاتا ہے کہ آیا وجود کا اطلاق ان دونوں فردوں پر حقیقت کی وجہ سے ہے، یا ایک فرد پر بطریقِ حقیقت ہے اور دوسرے پر بطریقِ مجاز۔

کیا تم نہیں دیکھتے کہ صوفیہ کا ایک بہت بڑا گروہ شقِ ثانی (طریق مجاز) پر یقین رکھتا ہے، اور وجود کے اطلاق کو ممکن کے وجود پر بطریق مجاز سمجھتا ہے اور ممکنات کے وجود کو ثابت نہیں کرتا مگر عوام یا اخص خواص جن سے مراد انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہیں اور ان کے بعض وہ امتی جو ان کی ولایتِ اصلیہ سے مشرف ہوئے ہیں اور دائرہ ظلال کو کلی طور پر طے کر چکے ہیں، عوام جو ظاہر کے دیکھنے والے ہیں وہ واجب تعالیٰ کے وجود اور ممکن کے وجود کو مطلق وجود کے اقسام سے جانتے ہیں، اور دونوں کو موجود تصور کرتے ہیں، اور اخصِ خواص دور بین اور تیز نظر والے ہیں جو ہر دو وجود کو مطلق وجود کے افراد سے جانتے ہیں اور افراد وجود کے مراتب کے فرق کو وجود کی صفات و اعتبارات کی طرف راجع کرتے ہیں نہ کہ وجود کی حقیقت اور ذات کی طرف تاکہ ایک حقیقت ہو اور دوسرا مجاز۔

اور ایک متوسط جماعت جو عوام سے ایک قدم آگے رکھتی ہے اور اخصِ خواص کے کمالات تک نہیں پہنچی اس کے لئے مشکل ہے کہ وہ ممکنات کے وجود کی قائل ہو جائے اور ممکن کے وجود پر حقیقت کے طریق سے وجود کا اطلاق کرے۔ اسی وجہ سے (متوسطین) کہتے ہیں کہ ممکن کو موجود اس تعلق کی وجہ سے کہتے ہیں کہ اس کی نسبت وجود کے ساتھ ہے، جیسے کہتے ہیں مَاءٌ مُشَمَّسٌ (آفتاب کی حرارت سے گرم شدہ پانی) اس لئے نہیں کہ اس کا وجود اس (آفتاب) کے ساتھ قائم ہے تاکہ حقیقت کے طریقے پر موجود ہو —— اس جماعت کے بعض لوگ وجودِ ممکن کے بارے میں خاموش ہیں اور نفی و اثبات کے ساتھ اس کی تصریح نہیں کرتے، اور بعض دوسرے ممکن سے وجود کی نفی کرتے ہیں اور واجب تعالیٰ کے علاوہ اور کسی کو موجود نہیں جانتے —— اور ان میں سے ایک گروہ ممکن کے وجود کو جس طرح واجب تعالیٰ کے وجود کا عین نہیں جانتے اسی طرح واجب تعالیٰ کے وجود کا غیر بھی نہیں جانتے —— اور ان میں سے ایک گروہ نے اس کی تصریح کی ہے کہ جس وجود کے ساتھ واجب تعالیٰ کا وجود موجود ہے اور ممکن بھی اسی وجود کے ساتھ موجود ہے، اور یہ عبارت بھی وجودِ ممکن کی نفی کرتی ہے —— مختصر یہ کہ ممکن کا وجود ثابت کرنے کے لئے تیز بینی کی ضرورت ہے تاکہ وجودِ واجب تعالیٰ کے انوار کی روشنی میں اس کو دیکھا جا سکے، تیز نظر والے دن میں بھی آفتاب کی تیز روشنی کے باوجود ستاروں کو دیکھ لیتے ہیں اور جو تیز بیں نہیں ہیں وہ نہیں دیکھ سکتے لہٰذا ممکنات کا وجود دن میں ستاروں کے وجود کے مانند ہے کہ جو تیز بیں ہیں وہ دیکھ سکتے ہیں اور ضعیف البصر اس دید سے محروم ہیں۔

اگر کوئی پوچھے کہ عوام ضعفِ بصر اور کورئ بصیرت کے باوجود ممکنات کے وجود کو کس طرح دیکھ سکتے ہیں حالانکہ وجودِ واجب تعالیٰ کے انوار کی روشنی اس کی دید کے لئے مانع ہے ــــــ اس کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ عوام اربابِ علم سے تعلق رکھتے ہیں نہ کہ اربابِ دید سے، اور ہماری گفتگو اربابِ دید کی نسبت ہے نہ کہ اربابِ علم کی، کیونکہ اربابِ علم اس بحث سے خارج ہیں، لہٰذا وجودِ واجب تعالیٰ کے انوار کا ظہور اُن کے حق میں مفقود ہے، پس ممکنات کے وجود کی دید کے لئے مانع نہ ہوگی۔ ــــــ یا ہم کہتے ہیں کہ انوار کا ظہور وجودِ ممکنات کے شہود کا مانع ہے نہ کہ وجودِ ممکنات کے علم کا مانع ہے۔ کیونکہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ چیزوں کا علم سننے اور پیروی سے بھی حاصل ہو جاتا ہے اور نظر و استدلال سے بھی متصور ہو سکتا ہے، چنانچہ آفتاب کی روشنی کے ظہور کے باوجود دن میں ستاروں کے وجود کا علم ضعیف نظر والوں کو بھی حاصل ہے، اسی طرح عوام کو ممکنات کے وجود کا علم ہے نہ کہ وجودِ ممکنات کا شہود، کیونکہ شہود بصیرت کی صفات سے ہے اور ان کی بصیرت اندھی ہے مشہود خواہ مُلک (فرشتہ) ہو یا ملکوت جبروت ہو یا لاہوت۔

اے عزیز! جس طرح عوام اس بحث میں اخصِ خواص کے ساتھ شریک ہیں، اسی طرح دوسری باتوں میں بھی ان کے درمیان شرکت حاصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات بہت سے احکام میں عوام کے مانند زندگی بسر کرتے تھے اور معاشرتی زندگی میں مخلوق اور اہل وعیال کے ساتھ عوام کی مانند معاملہ فرماتے تھے اور اپنے اہل وعیال کے ساتھ حسنِ معاشرت سے متعلق حضرت خیر البشر علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کی بہت سی احادیث مشہور ہیں ــــــ چنانچہ منقول ہے کہ ایک روز حضرت سید البشر علیہ وعلی آلہ الصلوۃ والسلام، ابنین (یعنی حضرت امام حسن و حسینؓ) کی پیشانی کا بوسہ لے رہے تھے اور بہت خوشی و انبساط کے ساتھ ان سے گھُل مل رہے تھے۔ حاضرین میں سے ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرے گیارہ لڑکے ہیں اور میں نے ان میں سے کسی کا بوسہ نہیں لیا۔ حضرت پیغمبر علیہ وعلی آلہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے جو وہ اپنے رحیم (مہربان) بندوں کو عطا فرماتا ہے ــــــ اور چونکہ اخصِ خواص بھی بعض اوصاف میں عوام کے ساتھ شریک ہیں اگرچہ وہ شرکت ظاہری صورت کے اعتبار سے ہو، اس لئے عوام اپنی نارسائی اور قصورِ فہم کی وجہ سے ان (اخص خواص) کے کمالات سے بہت کم حصہ رکھتے ہیں اور ان کو

اپنی مثل خیال کرتے ہیں، اور جو شخص ان کے اوصاف و شمائل میں ان سے مختلف ہو، اس کے گرد ہی گھومتے رہتے ہیں اور اس کو بزرگ خیال کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اولیا کے ان اوصاف و اخلاق کو جو ان عوام کے اوصاف سے مختلف ہیں ان کو بہتر سمجھتے ہیں جو ان کے اخلاق و اوصاف کے مشابہ ہیں اگرچہ وہ اخلاق انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات میں موجود ہوں۔

(اے عزیز!) سنو! مخدوم شیخ فریدؒ[1] شکر گنج سے نقل کیا گیا ہے کہ جب ان کے لڑکوں میں سے ایک لڑکے کا انتقال ہو گیا اور اس کی موت کی خبر آپ کو پہنچائی گئی تو آپ پر (رنج و غم سے متعلق) کچھ تغیر نہ ہوا اور فرمایا سگ بچہ مر گیا ہے اس کو باہر پھینک دو ——— اور جب حضرت سید البشر علیہ و علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کے صاحبزادے حضرت ابراہیمؓ کا انتقال ہوا تو حضرت پیغمبر علیہ و علی آلہ الصلوٰۃ والسلام اسقدر غمگین ہوئے کہ آنسو نکل آئے اور فرمایا: إِنَّا بِفِرَاقِكَ يَا إِبْرَاهِيمُ لَمَحْزُونُونَ (اے ابراہیم! ہم تیری جدائی کی وجہ سے بہت غمگین ہیں) اور بڑے مبالغہ اور تاکید کے ساتھ غم و اندوہ کا اظہار فرمایا ——— (فرمائیں) کہ حضرت شکر گنجؒ بہتر ہیں یا حضرت سید البشرؐ؟ ——— عوام کالانعام کے نزدیک پہلا معاملہ بہتر ہے اور اس کو بے تعلق جانتے ہیں اور دوسرے کو عین تعلق اور (اولاد سے) لگاؤ خیال کرتے ہیں: أَعَاذَنَا اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ عَنْ مُعْتَقِدَاتِهِمُ السُّوْءِ (اللہ تعالیٰ ہم کو ان کے برے اعتقادات سے اپنی پناہ میں رکھے) ——— اور چونکہ یہ جہان آزمائش و امتحان کی جگہ ہے عوام کو شبہ میں ڈالنا اور مشتبہ کرنا عین حکمت و مصلحت ہے: اَللّٰهُمَّ أَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّارْزُقْنَا اتِّبَاعَهٗ وَأَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَّارْزُقْنَا اجْتِنَابَهٗ بِحُرْمَةِ سَيِّدِ الْبَشَرِ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ مِنَ الصَّلَوَاتِ أَفْضَلُهَا وَمِنَ التَّسْلِيْمَاتِ أَكْمَلُهَا (اے اللہ! حضرت سید البشر علیہ و علی آلہ الصلوات والتسلیمات کے طفیل ہم کو حق دکھا اور حق کی تابعداری نصیب فرما اور باطل کو باطل کر کے دکھا اور اس سے ہم کو بچا)۔

اب ہم اصل بات بیان کرتے ہیں کہ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کا ایمان اور ان ——— کے اصحاب کا ایمان اور ان کے اولیاء کا ایمان جو کہ اصحاب کے ساتھ ملحق ہیں شہود کے بعد (دعوت خلق) کی طرف رجوع کرنے کی وجہ سے غیبت کے ساتھ قرار پایا ہوا ہوتا ہے؛ جس طرح کہ کوئی شخص سورج کو

---

[1] شیخ فرید شکر گنجؒ کے والد شیخ جمال الدین فاروقی سلطان شہاب الدین غوری کے زمانے میں کابل سے لاہور تشریف لائے کھتی وال ضلع ملتان ۵۸۹ھ میں حضرت بابا شکر گنجؒ کی ولادت ہوئی۔ ملتان میں زیر تعلیم تھے کہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ تشریف لے آئے، آپ فوراً حضرت سے بیعت ہو گئے اور تکمیل سلوک کے بعد خلافت پائی، ۹۵ سال کی عمر میں ہفتہ کے دن ۵ محرم ۶۶۴ھ کو پاک

دن میں دیکھتا ہے تو آفتاب کے وجود کے ساتھ ایمانِ شہودی پیدا ہو جاتا ہے اور جب رات ہو جاتی ہے تو اس کا ایمانِ شہودی' ایمانِ غیب میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ اور علماء کا ایمان اگرچہ غیب کے ساتھ ہے لیکن ان کا غیب انبیاء علیہم الصلوات والتحیات کی متابعت کے نور کے واسطے سے حکمِ حدس (یعنی ذہن کا معلومات کے ساتھ برابری سے مطالبہ کی طرف منتقل ہو جانے) کا حکم پیدا کر لیتا ہے اور استدلالیت سے نکل جاتا ہے۔ اس جگہ علماء سے مراد علماءِ آخرت ہیں نہ کہ علماءِ دنیا۔ کیونکہ علماءِ دنیا عام مومنین کے زمرے میں داخل ہیں، اور ایمان بالغیب جو عامۂ مومنین کے ساتھ منسوب ہے ان کے اقسام میں سے بہترین قسم وہ ایمان ہے جو انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی تقلید کے ساتھ وابستہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی کتاب اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت سے ملا ہوا ہے۔

سوال: علماء نے فرمایا ہے کہ ایمان استدلالی ایمان تقلیدی سے بہتر ہے یہانتک کہ بہت سے علماء استدلال کو ایمان کی شرط قرار دیتے ہیں اور ایمانِ تقلیدی کو معتبر نہیں جانتے، اور تم نے ایمانِ تقلیدی کو بہتر کہا ہے؟

جواب: وہ ایمان جو انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی تقلید سے حاصل ہوتا ہے دراصل ایمانِ استدلالی ہے کیونکہ صاحبِ تقلید دلیل کے ساتھ جانتا ہے کہ انبیاء علیہم الصلوات والتحیات تبلیغِ رسالت میں صادق ہیں کیونکہ وہ شخص جس کی (رسالت کی) تصدیق حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے معجزات کے ذریعے کی ہے یقیناً وہ سچا ہے لہٰذا تمام انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات جن کی تائید معجزات سے ہوئی ہے وہ سب کے سب سچے ہیں ـــــــ غیر معتبر تقلید وہ ہے کہ ایمان میں اپنے آباء و اجداد کی تقلید کرے اور انبیاء علیہم الصلوات والتحیات کی صداقت اور ان کی تبلیغ کی حقیقت اور راستی کو منظور نہ رکھے، ایسا ایمان بہت سے علماء کے نزدیک معتبر نہیں ہے ـــــــ باقی رہا (ایمانِ) استدلالی جو اربابِ نظر (منطقی) اپنے مقدمات کے ذریعے حاصل کرتے ہیں اور صغریٰ وکبریٰ کی ترتیب سے نتیجہ نکال کر ایمان حاصل کرتے ہیں وہ (ایمانِ) استدلالی ایک ایسا امر ہے جو امکان سے نزدیک اور وقوع سے دور ہے، کیونکہ استدلال کے مقام میں واجب تعالیٰ کے اثبات کے لئے اربابِ نظر میں سے مولانا جلال الدین[1] دوانی جیسا معلوم نہیں کہ کوئی اور گزرا ہو کیونکہ وہ محقق بھی ہے اور متاخرین میں سے ہے اور اس نے اس عالی مطلب کے ثابت کرنے میں بہت کوشش کی ہے، اس کے باوجود کوئی مقدمہ اس کے استدلالات سے کے

---

[1] یعنی محمد بن اسعد الصدیقی شارح عقائد عضدیہ المتوفی سنہ ۹۸۰ھ

مقدمات میں سے ایسا نہیں ہے جس میں اس کے رسالوں کے حاشیہ نگاروں نے منع یا نقض کے ساتھ پیش نہ کیا ہو اور معتبر اعتراضات نہ کئے ہوں ـــــــ اس صاحب استدلال پر بہت افسوس ہے جو ایمان کو محض استدلال ہی سے حاصل کرتا ہے اور انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی تقلید اس کی دستگیری اور مدد نہیں کرتی۔ رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ○

(آل عمران آیت ۵۳) (اے رب ہمارے ہم اس پر ایمان لائے جو تو نے نازل فرمایا اور ہم نے رسول کی اتباع کی پس تو ہم کو گواہوں کے ساتھ لکھ لے)۔

مکتوب ۲۷۳

دو صد و ہفتاد و سوم

مرزا حسام الدین احمد[1] کی طرف صادر فرمایا ـــــــ اس بیان میں کہ سالک کو چاہئے کہ اپنے شیخ کے طریقے کو لازم جانے اور دوسرے مشائخ کے طریقے کی طرف التفات نہ کرے اور اگر واقعات اس کے خلاف ظاہر ہوں تو ان کا کچھ اعتبار نہ کرے کیونکہ شیطان زبردست دشمن ہے اور اس کے مکر و فریب سے غافل نہیں ہونا چاہئے اور اس کے مناسب بیان میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدٰىنَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ عَلَيْهِمْ مِنَ الصَّلَوَاتِ اَتَمُّهَا وَمِنَ التَّحِيَّاتِ اَكْمَلُهَا (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے جس نے ہم کو ہدایت دی اور ہم ہرگز ہدایت نہ پاتے اگر اللہ تعالیٰ ہم کو ہدایت نہ دیتا بیشک ہمارے رب کے رسول حق بات لیکر آئے ہیں، (اعراف آیت ۴۳) اللہ تعالیٰ اُن (رسولوں) پر پوری صلوات اور کامل تحیات نازل فرمائے) ـــــــ آپ کا التفات نامہ جو آپ نے مہربانی فرما کر اس حقیر کے نام لکھا تھا وصول ہو کر خوشی اور مسرت کا باعث ہوا، اللہ تعالیٰ آپ کو اس کی جزائے خیر عطا فرمائے۔

آپ نے گرامی نامہ میں لکھا ہوا تھا کہ "اگر سماع کے منع ہونے کا مبالغہ ایسے مولود کے منع ہونے کو بھی شامل ہے جو نعتیہ قصیدوں اور غیر نعتیہ اشعار کے پڑھنے سے مراد ہے (جیسا کہ آپ کہتے ہیں) تو برادر عزیز میر محمد نعمان اور اس جگہ کے بعض دوستوں کے لئے جنھوں نے واقعہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا ہے کہ اس مجلس مولود سے بہت خوش ہیں، یہی وجہ ہے کہ مولود کے سننے کو ترک کرنا ان کے لئے بہت مشکل ہے۔

---

[1] آپ کے نام ۱۶ مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۳۲ پر ملاحظہ فرمائیں۔

میرے مخدوم! اگر وقائع کا کچھ اعتبار ہوتا اور خوابوں پر بھروسہ ہوتا تو مریدوں کو پیروں کی کچھ ضرورت نہ رہتی اور طریقوں میں سے کسی ایک طریقے کو اپنے اوپر لازم کرنا لغو اور بے فائدہ ہوتا کیونکہ ہر ایک مرید اپنے واقعات کے موافق عمل کر لیتا اور اپنے خوابوں کے مطابق زندگی بسر کرتا، خواہ وہ واقعات اور منامات پیر کے طریقے کے موافق ہوں یا نہ ہوں اور خواہ پیر کو پسند ہوں یا نہ ہوں۔ اس طریقے پر سلسلۂ پیری و مریدی درہم و برہم ہو جاتا اور ہر بوالہوس اپنی وضع و طریقے پر مضبوطی سے قائم ہو جاتا۔ —— حالانکہ مرید صادق ہزارہا واقعات کو پیر کی موجودگی میں آدھے جو کے عوض بھی نہیں خریدتا اور طالبِ رشید پیر کی حضوری (موجودگی) کی بدولت خوابوں کو پریشان و جھوٹے خواب جانتا اور ان کی طرف کچھ التفات نہیں کرتا۔ شیطان لعین ایک طاقتور دشمن ہے، جب منتہی حضرات اس کے فریب سے امن میں نہیں ہیں اور اس کے مکر سے لرزاں و ترساں ہیں تو پھر مبتدیوں اور متوسطوں کا کیا ذکر ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ منتہی شیطان کے غلبہ سے محفوظ و مصئون ہیں بخلاف مبتدیوں اور متوسطوں کے پس ان کے واقعات اعتماد کے لائق نہیں ہیں اور نہ ہی دشمن کے مکر سے محفوظ ہیں۔

سوال: وہ واقعہ کہ جس واقعہ میں حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ کو دیکھیں اور زیارت ہو وہ سچ ہے اور (یہ بات) شیطان کے مکر و فریب سے محفوظ ہے: فَإِنَّ الشَّيْطَانَ لَا يَتَمَثَّلُ بِصُوْرَتِهٖ كَمَا وَرَدَ[1] (کیونکہ شیطان ان (حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی صورت میں نہیں آ سکتا جیسا کہ (حدیث میں) وارد ہے۔ پس وہ وقائع جن کا ہم ذکر کر رہے ہیں سچے ہیں اور شیطان کے مکر و فریب سے محفوظ ہیں۔

جواب: صاحب فتوحاتِ مکیہ (شیخ ابن العربیؒ) فرماتے ہیں کہ آں سرور علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی اس صورتِ خاصہ کے ساتھ جو کہ مدینۂ منورہ میں (گنبدِ خضرا کے اندر) مدفون و آرام فرما ہیں شیطان متمثل نہیں ہو سکتا (لیکن) اس مخصوص صورت کے علاوہ جس صورت کے ساتھ بھی آپ کو دیکھا جائے شیطان کے عدم متمثل ہونے کا حکم تجویز نہیں کرتے۔ (یعنی شیخ اکبرؒ کے نزدیک اس صورتِ خاص (شبیہ مبارک) کے علاوہ اور جس صورت میں بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھیں شیطان متمثل ہو سکتا ہے اور امام ابنِ سیرینؒ بھی اسی طرف گئے ہیں)۔ اور اس میں کچھ شک نہیں کہ

---

[1] جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں من رآنی فی المنام فقد رآنی فان الشیطان لا یتمثل فی صورتی (بخاری و مسلم) یعنی جس نے مجھے خواب میں دیکھا تو بیشک اس نے مجھے ہی دیکھا کیونکہ شیطان میری صورت میں متمثل نہیں ہو سکتا۔

کہ آنحضرت علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی اس صورتِ خاص (شبیہ مبارک) کی تمیز و تشخص خصوصاً خوابوں میں بہت مشکل اور دشوار ہے، پھر یہ بات کس طرح اعتماد کے لائق ہوگی۔ اور اگر شیطان کے متمثل نہ ہونے کو آں سرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی اس صورتِ خاصہ کے ساتھ مخصوص نہ کریں اور جس صورت میں بھی لوگ آں سرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے دیدار سے مشرف ہوں اس صورت میں شیطان کے متمثل نہ ہونے کو تجویز کریں جیسا کہ بہت سے علما اس طرف گئے ہیں تو یہ بات بھی آں سرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی رفعتِ شان کے نہایت مناسب ہے ——

میں کہتا ہوں کہ اس صورت سے (جو خواب میں دیکھی ہے) احکام کا اخذ کرنا اور آنحضرتؐ کی مرضی و نامرضی کا معلوم کرنا بہت مشکل ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ دشمنِ لعین (شیطان) درمیان میں واسطہ بن گیا ہو اور خلافِ واقعہ کو واقعہ کی صورت میں ظاہر کیا ہو اور دیکھنے والے کو شک و شبہ میں ڈال دیا ہو اور اپنی عبارت و اشارت کو آں سرور علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی اس صورت کی عبارتؐ اشارتؐ کرکے دکھایا ہو۔ —— چنانچہ مروی ہے کہ ایک دن حضرت سید البشر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ مجلس میں تشریف رکھتے تھے اور قریش کے بڑے بڑے سردار اور اہلِ کفر کے رئیس بھی اس مجلس میں حاضر تھے اور بہت سے صحابۂ کرامؓ بھی وہاں موجود تھے حضرت سید البشر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے اُن کے سامنے سورۃ والنجم کی تلاوت شروع کی اور جب ان کے باطل معبودوں کے ذکر پر پہنچے تو شیطانِ لعین نے اس وقت چند فقرے ان کے بتوں کی تعریف میں آں سرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے کلام کے ساتھ اس طرح شامل کر دیئے کہ حاضرین نے اس کو آں سرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کا کلام سمجھا اور اس میں کچھ تمیز نہ کر سکے (اس پر) جو کافر وہاں موجود تھے (انھوں نے خوش ہو کر) شور مچا دیا اور کہنے لگے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ہمارے ساتھ صلح کر لی اور ہمارے بتوں کی تعریف کی۔ حاضرینِ اہلِ اسلام بھی اس کلام سے حیرت میں پڑ گئے (لیکن) آنسرور صلی اللہ علیہ وسلم اس لعین کے کلام سے مطلع نہ ہو سکے آپؐ نے فرمایا کیا بات ہے؟ (یہ کافر کیوں خوش ہو رہے ہیں) صحابۂ کرامؓ نے عرض کیا کہ اثنائے کلام میں آپ سے اس قسم کے فقرے ظاہر ہوئے۔ آں سرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام (یہ بات سن کر) متفکر اور مغموم ہو گئے —— اسی اثنا میں جبرئیل امین علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام وحی لے کر حاضر ہوئے کہ وہ کلام شیطان کا القا کیا ہوا تھا، اور کوئی نبی یا رسول ایسا نہیں گذرا کہ جس کے

کلام میں شیطان نے القاء کیا ہو، جس کے بعد حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے اس کو رد کر کے اپنے کلام کو محکم بنایا ہے[1]۔

پس جب آں سرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی حیاتِ مبارکہ بیداری کے وقت صحابۂ کرامؓ کی مجلس میں شیطانِ لعین نے اپنے باطل کلام کو آں سرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے کلام میں القا کر دیا (ملا دیا) اور (حاضرینِ صحابہؓ میں سے) کسی نے تمیز نہ کی تو آں سرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد خواب کی حالت میں جو کہ حواس کے معطل اور بیکار ہونے کا محل اور شک وشبہ کا مقام ہے دیکھنے والے کی تنہائی کے باوجود کہاں سے معلوم ہو سکتا ہے کہ یہ واقعہ شیطان کے تصرف اور مکر و فریب سے محفوظ و مامون ہے ـــــــ اس کے باوجود میں کہتا ہوں کہ جب نعتیہ قصیدوں کے پڑھنے اور سننے والوں کے ذہن میں یہ بات بیٹھ چکی تھی کہ آنسرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام اس عمل سے راضی ہیں جیسا کہ ممدوح لوگ اپنی مدح کرنے والوں سے راضی ہوتے ہیں اور یہ حقیقت ان کی قوتِ متخیلہ میں منقش ہو گئی ہو تو ہو سکتا ہے کہ واقعہ میں اسی اپنی متخیلہ صورت کو دیکھا ہو، قطع نظر اس کے کہ اس واقعہ کی کوئی حقیقت بھی ہے یا صرف تمثیلِ شیطانی ہی ہے ـــــــ

ـــــــ اور نیز واقعات اور رویائے صادقہ کبھی ظاہر پر محمول ہوتے ہیں اور ان کی حقیقت وہی ہوتی ہے جو دیکھنے والے نے دیکھی ہے، مثلاً زید کی صورت کو خواب میں دیکھا ہے اور اس سے مراد زید کی وہی حقیقت ہے۔ اور کبھی واقعات اور رویائے صادقہ ظاہر سے پھرے ہوئے اور تعبیر پر محمول ہوتے ہیں، مثلاً زید کی صورت کو خواب میں دیکھا اور اس سے مراد عمرو کو رکھا گیا اس مناسبت کے لحاظ سے جو زید و عمرو کے درمیان ہے ـــــــ لہٰذا کس طرح معلوم ہو سکتا ہے کہ احباب کے یہ واقعات ظاہر پر محمول ہیں اور ظاہر سے پھرے ہوئے نہیں ہیں۔ کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ ان واقعات سے مراد ان کی تعبیریں ہوں اور وہ واقعات دوسرے امور سے کنایہ ہوں، بغیر اس کے کہ تمثیلِ شیطانی کی گنجائش ہو۔ غرضکہ وقائع کا کچھ اعتبار نہیں کرنا چاہئے ـــــــ اشیاء خارج میں موجود ہیں کوشش کرنی چاہئے کہ ان اشیاء کو بیداری میں دیکھیں جو کہ اعتبار کے لائق ہے اور اس میں تعبیر کی بھی گنجائش نہیں ـــ

---

[1] جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ ۚ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ (حج آیت ۵۲) اور ہم نے آپ سے قبل کوئی رسول اور کوئی نبی ایسا نہیں بھیجا جس کو یہ قصہ پیش نہ آیا ہو کہ جب اس نے کچھ پڑھا شیطان نے اس کے پڑھنے میں ملا دیا، پھر اللہ تعالیٰ شیطان کے ڈالے ہوئے شبہات کو نیست و نابود کر دیتا ہے پھر اللہ تعالیٰ اپنی آیات کو محکم کر دیتا ہے)۔

"آنچہ در خواب وخیال دیدہ شود خواب وخیال است" جو کچھ خواب وخیال میں دیکھا جائے وہ خواب و خیال ہی ہے"۔ ——— وہاں کے احباب ایک عرصے سے اپنی وضع کے مطابق زندگی بسر کر رہے ہیں اُن کے اختیار کی لگام ان کے اپنے ہاتھ میں ہے لیکن میر محمد نعمان کو فقیر کے حکم کی تعمیل کے سوا چارہ نہیں، عِیَاذًا بِاللّٰہِ سُبْحَانَہٗ (اللہ سبحانہٗ کی پناہ) کہ منع کرنے کے بعد ایک لمحہ بھی توقف کرے، اگر بالفرض توقف کرے بھی تو کس کا نقصان ہوگا ۔ ——— اس منع کرنے میں فقیر کا مبالغہ اپنی طریقت کی مخالفت کی وجہ سے ہے، وہ مخالفت خواہ بطریق سماع و رقص ہو یا بطریق مولود و شعر خوانی۔ ہر سلسلہ کے لئے مطلبِ خاص کے ساتھ ایک وصول ہے، اور اس طریق میں مطلبِ خاص کا وصول ان امور کے ترک کرنے پر وابستہ ہے، جس شخص کو اس طریقے کے مطلبِ (خاص تک پہنچنے) کی طلب ہو اس کو چاہئے کہ طریق کی مخالفت سے پرہیز کرے اور دوسرے طریقوں کے مطالب سے منظورِ نظر نہ ہوں۔

(رقص و سماع اور مولود سے ممانعت)

اور حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہٗ نے فرمایا ہے کہ "ما نہ این کار می کنیم و نہ انکار می کنیم" ہم یہ کام خود نہیں کرتے اور نہ اس کا انکار کرتے ہیں۔ یعنی یہ کام ہمارے خاص طریقے کے خلاف ہے اس لئے نہیں کرتے اور چونکہ اس کو دوسرے مشائخ کرتے ہیں اس لئے منع بھی نہیں کرتے۔ وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا (بقرہ آیت ۱۴۸) (اور ہر شخص کے واسطے ایک جہت (قبلہ) ہے کہ وہ اس کی طرف منہ کرتا ہے)۔

فیروزآباد (نواحِ دہلی کی ایک بستی) جو ہم فقراء کا ملجا و ماویٰ ہے اور ہمارے پیروں اور پیشواؤں کا مرکز ہے، اور جب وہاں اس طرح کی کوئی بات ہوتی ہے جو اس طریقۂ عالیہ کے خلاف ہے تو ہم فقراء کے لئے نہایت اضطراب و بیقراری کا مقام ہے ——— حضرات مخدوم زادے اپنے والد بزرگوار کے طریقے کی حفاظت کے زیادہ مستحق اور حقدار ہیں ——— حضرت خواجہ احرار قدس سرہٗ کے فرزندوں نے اپنے والد بزرگوار کے طریقے کے تبدیل ہو جانے کے بعد اصل طریقے کی حفاظت کی اور تغیر کرنے والوں کے ساتھ جھگڑا کیا۔ چنانچہ آپ کے مبارک کانوں میں بھی یہ بات پہنچی ہوگی۔

نیز آپ نے ہمارے حضرت خواجہ (باقی باللہؒ) کے مشربِ قوی الجذب (نہایت خوشگوار طریقہ) کے متعلق لکھا تھا۔ ہاں ہاں ابتدائی احوال میں بعض امور کے اندر ملامتیہ مذہب کی رعایت کی وجہ سے آسانی اور نرمی برتتے تھے اور ملامت کو ترجیح دے کر بعض چیزوں میں عزیمت کو ترک کر دیا کرتے تھے، لیکن آخر میں ان امور سے بھی پرہیز اختیار کر لیا تھا اور ملامت و ملامتیہ کا ذکر تک نہیں کرتے تھے ———

اگر آپ انصاف کی نظر سے دیکھیں کہ بالفرض حضرت ایشاں (خواجہ باقی باللہ) اگر اس وقت دنیا میں بقیدِ حیات ہوتے اور ایسی مجلس و اجتماع کا انعقاد اُن کی موجودگی میں ہوتا تو وہ اس امر سے راضی ہوتے اور اس اجتماع کو پسند کرتے یا ناپسند کرتے ـــــــ فقیر کو اس کا یقین ہے کہ وہ اس کو ہرگز جائز نہیں سمجھتے بلکہ اس کا انکار کرتے ـــــــ فقیر کا مقصد تبلیغ کرنا ہے قبول کریں یا نہ کریں کوئی مضائقہ نہیں اور نہ جھگڑے کی کوئی گنجائش ہے۔ اگر مخدوم زادے اور ان کے احباب اسی حال پر قائم رہیں (اور اپنی حالت کو نہ بدلیں) تو ہم فقیروں کو ان کی صحبت سے سوائے مایوسی اور دُور رہنے کے کوئی چارہ نہیں ہے اس سے زیادہ کیا تکلیف دی جائے۔ والسلام اولاً و آخراً۔

شیخ یوسف برکی[1] کی طرف صادر فرمایا ـــــــ بلند ہمتی کی ترغیب میں اور سفلی مشاہدات جو کثرت کے آئینوں سے تعلق رکھتے ہیں ان کی طرف التفات نہ کرنے اور اس کے مناسب بیان میں۔

حمد و صلوٰۃ اور تبلیغ دعوات کے بعد واضح ہو کہ تینوں مکتوب جو آپ نے ارسال کئے تھے موصول ہوئے اور وہ وقائع، احوال اور کرامات جو اُن میں درج تھے سب واضح طور پر معلوم ہوئے۔ وہ حال جو آپ نے کثرت میں شہود وحدت کے آخر حال میں لکھا ہے اور اس عبارت کے ساتھ ادا کیا ہے کہ (ایمان کی) انتہا یہ ہے کہ اول حال کی طرح حال ہو جائے اور گم ہونے کا (خیال) بھی گم ہو جائے، یعنی (یہ حال ہو جائے کہ) میں بندہ ہوں، مخلوق ہوں اور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں ہوں۔ یہ حال اصلی ہے اور مذکورہ احوال سے بلند و بالا ہے، لیکن انتہا دوسری چیز ہے، اور نہایت اس سے کئی منزلیں دُور ہے ؎

هنوز ایوان استغنا بلند است | مرا فکرِ رسیدن ناپسند است

(قصرِ استغنا تو اونچا ہے ہنوز | سخت مشکل واں پہنچنا ہے ہنوز)

کلمہ طیبہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے تکرار کا مقصود جو فقیر نے اپنے سابقہ مکتوب میں آپ کو لکھا تھا کہ

---

[1] آپ کے نام چار مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۲۳۰ پر گذر چکا ہے۔

اس شہود کی بھی نفی ہو جائے جو کثرت کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ لِلّٰہِ سُبْحَانَہٗ الْحَمْدُ وَالْمِنَّۃُ (اللہ سبحانہ کی حمد اور اس کا احسان ہے) کہ اس کلمۂ طیبہ کی برکت سے یہ شہود آپ سے زائل ہو گیا، آپ بلند ہمت رکھیں اور اس راہ کی جوز و مویز (معمولی چیزوں) پر اکتفا نہ کریں۔ اِنَّ اللّٰہَ سُبْحَانَہٗ یُحِبُّ مَعَالِیَ الْھِمَمِ (اللہ سبحانہ بلند ہمت والوں کو دوست رکھتا ہے) ——— آپ توحیدِ (وجودی) کے تنگ کوچے سے نکل کر (توحیدِ شہودی کی) شاہراہ پر آگئے ہیں کتنی بڑی نعمت ہے، اگر آپ پہلے احوال کا ذکر نہ کریں اور کثرت آمیز شہود کی لذتوں کی یاد نہ کریں اور عمر بھر استقامت کے ساتھ اس راہ کی تگ و دو میں مشغول رہیں (تو بہت اچھا ہے)۔ (کیونکہ) بہت سے شہودِ کثرت کے پوستیوں کو ہم نے دیکھا ہے کہ انھوں نے اپنے اس کام کی غلطی پر اطلاع پاکر پوست پینا چھوڑ دیا۔ اتفاقاً ایک مدت کے بعد جب کبھی پوست پینے کا خیال اور اس کی لذت یاد آئی تو پھر اپنی قدیم حالت کی طرف لوٹ آئے (اور پینا شروع کر دیا) ——— میرے مخدوم! وہ شہود جو کثرت کے آئینوں سے تعلق رکھتا ہے بہت لذت بخش ہے اور شہود تنزیہی کہ جس کا تعلق جہل (حیرت) سے ہے وہ لذت سے دور ہے۔ شیخ مقتدا کی مدد کے بغیر اس راہ پر چلنا مشکل ہے۔

برادرِ عزیز مولانا احمد برکی[1] جس کو عام لوگ علمائے ظاہر سے جانتے ہیں اور وہ خود بھی اپنے احوال اور اپنے دوستوں کے احوال کی خبر نہیں رکھتا اس کا راز یہ ہے کہ اس کا باطن شہودِ تنزیہی کی طرف متوجہ ہے جو جہل کا مقام ہے اور اس کا ایمان علماء کی طرح ایمان بغیب ہے، اس کے باطن نے بلند فطرت ہونے کی وجہ سے کثرت آمیز شہود کی طرف التفات نہیں کی ہے اور اس کا ظاہر ترہاتِ صوفیہ (وہ کلمات جو بظاہر شریعت کے خلاف ہوں) کے ساتھ فریفتہ اور مغرور نہیں ہوا، اس کا وجودِ مبارک ان اطراف میں غنیمت ہے۔ یہ حالت جس کے حاصل ہونے کی آپ نے خبر دی ہے مولانا مذکور مدت سے اس حالت کے ساتھ متحقق ہے خواہ اس کو اس کا علم ہو یا نہ ہو۔ فقیر کے نزدیک اس جگہ (کی اصلاح) کا مدار مولانا کے وجود پر ہے ——— بڑے تعجب کی بات ہے کہ یہ امر اُن اطراف کے صاحبانِ کشف پر کس طرح مخفی رہا ہے (حالانکہ) فقیر کے علم میں مولانا (کی شرافت و بزرگی) وجودِ آفتاب کی طرح ظاہر و باہر ہے زیادہ کیا تکلیف دی جائے۔ دعا و فاتحہ کی التماس ہے۔ والسلام

[1] آپ حضرت مجددؒ کے خلفاء میں سے تھے آپ کے نام پانچ مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۲۳۹ پر گذر چکا ہے۔

ملا احمد برکی کی طرف صادر فرمایا ــــــ ایک سوال کے جواب میں جو انھوں نے اپنی قبولیت کے بارے میں کیا تھا، اور اپنے دوستوں میں سے ایک دوست کے احوال میں تحریر کیا تھا اور علوم شرعیہ کی تعلیم اور احکامِ فقہیہ کی نشر و اشاعت کی ترغیب دینے اور اس کے مناسب بیان میں۔

حمد و صلوٰۃ اور تبلیغ دعوات کے بعد واضح ہو کہ دو مکتوب جو آپ نے شیخ حسن وغیرہ کے ہمراہ روانہ کئے تھے موصول ہو کر بہت زیادہ خوشی کا باعث ہوئے ــــــ ایک خط خواجہ اویسؒ (قرنی) کے احوال سے متعلق تھا۔ اور دوسرے مکتوب میں اپنی قبولیت کی نسبت استفسار تھا ــــــ اسی اثنا میں آپ کے حال پر توجہ کی گئی تو دیکھا کہ اُس گرد و نواح کے سب لوگ آپ کی طرف دوڑے چلے آرہے ہیں اور آپ سے التجا کر رہے ہیں۔ (پھر معلوم ہوا کہ آپ کو اس علاقہ کا (قطب) مدار بنا دیا گیا ہے اور ان حدود و اطراف کے لوگوں کو آپ کے ساتھ وابستہ کیا گیا ہے۔ لِلّٰهِ سُبْحَانَهٗ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ عَلٰی ذٰلِكَ (اس امر پر اللہ سبحانہ کی حمد اور احسان ہے) ــــــ اس معاملے کے ظہور کو واقعات (خواب) میں سے خیال نہ کریں کیونکہ واقعات میں شک و شبہ کا گمان ہوتا ہے بلکہ مشاہدات اور محسوسات میں ہی شمار کریں۔

اس دولت کے حاصل کرنے کا سب سے عمدہ ذریعہ علومِ شرعیہ کی تعلیم دینا ہے اور احکامِ فقہیہ کی نشر و اشاعت کرنا ہے (خصوصاً) اس مقام میں جہاں جہالت متمکن (جگہ پکڑے ہوئے) ہو اور بدعت نے اپنا اثر و رسوخ پیدا کر لیا ہو، پھر اس محبت و اخلاص کے ساتھ جو کہ اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے آپ کو اپنے دوستوں کے لئے عطا فرمایا ہے (آپ کوشاں ہیں) فَعَلَيْكُمْ بِتَعْلِيْمِ الْعُلُوْمِ الدِّيْنِيَّةِ وَنَشْرِ الْاَحْكَامِ الْفِقْهِيَّةِ مَا اسْتَطَعْتُمْ فَاِنَّهُمَا مِلَاكُ الْاَمْرِ وَمَنَاطُ الْاِرْتِقَاءِ وَمَدَارُ النَّجَاةِ (لہذا آپ پر لازم ہے کہ علومِ دینیہ کی تعلیم دیں اور اپنی استطاعت کے مطابق احکامِ فقہیہ کی نشر و اشاعت میں مشغول رہیں کیونکہ اسی کام پر ترقی اور نجات کا دار و مدار ہے) ــــــ اور اپنی کمر ہمت کو مضبوط باندھ کر خود کو علماء کے زمرہ میں شامل رکھیں اور امر معروف و نہی عن المنکر کے ذریعہ مخلوق کو حق جل سلطانہ کے راستے کی رہنمائی فرمائیں، جیسا کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ فَمَنْ

شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰی رَبِّہٖ سَبِيْلًا (مزمل آیت ۱۹) یہ (قرآن) وعظ و نصیحت ہے پس جو شخص چاہے (اس کے ذریعے) (اپنے رب کی طرف راستہ اختیار کرے)۔

ذکرِ قلبی بھی کہ جس کی آپ کو اجازت دی گئی ہے وہ احکامِ شرعیہ کے بجا لانے میں اور نفسِ امارہ کی سرکشی کو دور کرنے میں معاون و مددگار ہے، اس طریقے کو بھی جاری رکھیں اور اپنے احوال اور اپنے دوستوں کے احوال کے مطلع نہ ہونے پر آزردہ نہ ہوں اور اس بات کو اپنی بے حاصلی کی دلیل نہ سمجھیں، دوستوں کے احوال آپ کے کمالات کی آئینہ داری میں کافی ہیں، یہ بھی آپ ہی کے احوال ہیں جو دوستوں میں منعکس ہو کر ظاہر ہو رہے ہیں ——— شیخ حسن بھی آپ کے ارکانِ دولت میں سے ہے، آپ کے معاملہ کا مدد و معاون ہے اگر بالفرض آپ کو ماوراء النہر یا ہندوستان کی سیر کی خواہش پیدا ہو جائے تو وہاں آپ کو قائم مقام شیخ حسن ہے۔ اس کے حق میں اپنی التفات و توجہ فرماتے رہیں اور بہت کوشش فرمائیں کہ وہ علومِ دینی کی ضروری تحصیل سے جلد سے جلد فارغ ہو جائے۔ ہندوستان کی سیر کے لئے آنا اس کے حق میں بھی غنیمت ہوا اور آپ کے حق میں بھی: رَزَقَنَا اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَاِیَّاکُمُ الْاِسْتِقَامَۃَ عَلٰی مِلَّۃِ الْاِسْلَامِ عَلٰی صَاحِبِہَا الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ وَالتَّحِیَّۃُ (اللہ سبحانہ ہم کو اور آپ کو آنحضرت علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کی ملت اسلام پر استقامت عطا فرمائے)۔

آپ نے لکھا تھا کہ چھ ماہ ہو گئے ہیں کہ اس دوست کی ترقی واقع ہو گئی ہے، جو کچھ اس کو غیبت اور بے شعوری کی حالت میں ارواحِ طیبات دکھائی دیتی تھیں وہ اب ہوش میں دیکھ رہا ہے۔ میرے مخدوم! یہ دیکھنا ترقی کی کوئی دلیل نہیں خواہ (حالتِ) شعور میں دیکھیں یا بے شعوری میں۔ کیونکہ پہلا قدم اس راہ میں یہ ہے کہ حق سبحانہ کے علاوہ کچھ نہ دیکھے اور اس سبحانہ کے علاوہ اس کے اندیشہ خیال میں کچھ نہ رہے، اس معنی میں نہیں کہ چیزوں کو اس بزرگ ہستی کا غیر نہ دیکھے اور ماسوا کے عنوان سے نہ جانے۔ کیونکہ یہ بات بجائے خود کثرت سے دیکھنا ہے بلکہ اس سبحانہ کے علاوہ غیر کو ہرگز نہ دیکھے اور نہ جانے۔ اس حالت کو فنا سے تعبیر کرتے ہیں اور اس راہ کی منزلوں میں سے پہلی منزل ہے۔ وَبِدُوْنِہٖ خَرْطُ الْقَتَادِ (اس کے علاوہ کانٹوں میں ہاتھ ڈالنا ہے) ؎

ہیچ کس را تا نگردد او فنا | نیست رہ در بارگاہِ کبریا
(جب تک انساں کرنے خود کو فنا | کیسے پائے بارگاہ کبریا)

وہ مکتوبات جو ان ایام میں لکھے گئے ہیں بہت زیادہ عزیز الوجود اور نادر ہیں اور ان میں بہت عجیب و غریب فوائد درج ہوئے ہیں ان کی نقل شیخ حسن (اپنے ہمراہ) لے گئے ہیں، ان کو بہت غور سے ملاحظہ فرمائیں ـــــــ آپ نے اپنی والدۂ مرحومہ کی مغفرت کے لئے دعا کی التماس کی تھی وہ عرض قبول ہو گئی ہے ـــــــ اس اطراف کے باقی احوال شیخ حسن تفصیل کے ساتھ بیان کریں گے ـــــــ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ مِنَ الصَّلَوَاتِ اَفْضَلُهَا وَمِنَ التَّحِیَّاتِ اَکْمَلُهَا (اور سلام ہو اس پر جس نے ہدایت کی پیروی کی اور حضرت محمد مصطفیٰ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات افضلہا ومن التحیات اکملہا کی متابعت کو اپنے اوپر لازم جانا)

فقیر اور فقیرزادے سلامتیٔ خاتمہ کے لئے دعا کی التماس کرتے ہیں۔ والسلام
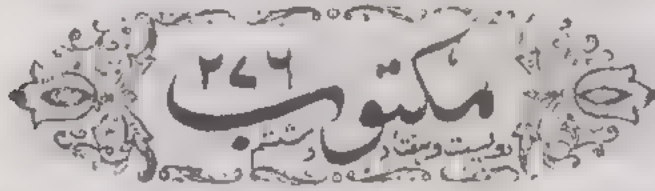
میاں شیخ بدیع الدین کی طرف صادر فرمایا ـــــــ قرآن کریم کی آیاتِ محکمات و متشابہات کا بیان اور علمائے راسخین اور ان کے کمالات اور ان کے مناسب بیان میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَعَلَیْهِمْ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهِ الطَّیِّبِیْنَ الطَّاهِرِیْنَ اَجْمَعِیْنَ جَعَلَنَا اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَاِیَّاکُمْ مِنَ الرَّاسِخِیْنَ فِی الْعِلْمِ (سب تعریف اللہ تعالیٰ رب العالمین کے لئے ہے اور صلوٰۃ و سلام ہو حضرت سید المرسلین علیہم وعلیٰ آلہ واصحابہ الطیبین الطاہرین اجمعین پر۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اور آپ کو راسخین فی العلم میں سے بنائے (آمین)۔

اے بھائی! حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے اپنی کتاب (قرآن) مجید (کی آیاتِ مقدسہ) کو دو قسموں پر نازل فرمایا ہے (ایک) محکمات (دوسری) متشابہات ـــــــ قسمِ اول (محکمات) علمِ شرائع و احکام کا منشا و مبدا ہے، اور قسمِ ثانی (متشابہات) حقائق و اسرار کے علم کا خزانہ ہے۔ ـــــــ قرآن مجید اور احادیثِ شریفہ میں (حق تعالیٰ کے لئے جو الفاظ) یَدٌ (ہاتھ) وَجْه قَدَم (پاؤں) سَاق (پنڈلی) اَصَابِع (انگلیاں) اور اَنَامِل (پورے) آئے ہیں، سب متشابہات میں سے ہیں ـــــــ اور اسی طرح حروفِ مقطعات، جو قرآن مجید کی سورتوں کے شروع میں آئے ہیں

سلہ آپ کے نام دس مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفترِ اول مکتوب ۱۷۲ پر گذر چکا ہے۔

وہ بھی متشابہات میں سے ہیں کہ جن کی تاویل پر علماءِ راسخین کے علاوہ کسی کو اطلاع نہیں دی گئی۔ یہ خیال نہ کریں کہ تاویل مراد قدرت ہے۔ جس کی تعبیر ید سے کی ہے یا مراد ذات سے ہے جس کو وَجْہ (چہرہ) سے تعبیر کیا ہے بلکہ ان کی تاویل اُن گہرے اور پوشیدہ رازوں میں سے ہے جو اخصِ خواص پر ظاہر کئے گئے ہیں ۔——— (یہ فقیر) حروفِ مقطعاتِ قرآنی کے بارے میں کیا تحریر کرے کیونکہ ان حروف میں سے ہر ایک حرف عاشق و معشوق کے (درمیان) پوشیدہ رازوں کا بحر مواج (موجیں مارتا ہوا سمندر) ہے اور محب و محبوب کے دقیق اور پوشیدہ رموز میں سے ایک رمز ہے[۲]۔

اور محکمات اگرچہ کتاب کی امہات (یعنی اصلِ اصول) ہیں، لیکن ان کے نتائج و ثمرات جو متشابہات ہیں اور کتاب کے اصل مقاصد میں سے ہیں، امہات کی حیثیت نتائج حاصل کرنے کے لئے وسائل و ذرائع سے زیادہ نہیں ہے لہٰذا کتاب کا لُب یعنی مغز متشابہات ہیں اور محکمات اس کا قشر یعنی پوست ہیں۔ یہ متشابہات ہی ہیں جو رمز و اشارہ کے ساتھ اصل بیان کو ظاہر کرتے ہیں اور بخلاف محکمات کے، مرتبہ کی حقیقتِ معاملہ کی نشاندہی کرتے ہیں۔ متشابہات گویا حقائق ہیں اور محکمات متشابہات کی نسبت ان حقائق کی صورتیں ہیں۔ عالمِ راسخ وہ شخص ہے جو لُب یعنی مغز کو قشر کے ساتھ جمع کرسکے اور حقیقت کو ظاہری شکل و صورت میں لاسکے۔——— علمائے قشریہ قشر کے ساتھ خوش ہیں اور صرف محکمات پر ہی اکتفا کر لیتے ہیں، اور علمائے راسخین محکمات کے علم کو حاصل کر کے متشابہات کی تاویل سے بھی حظِ وافر (پورا پورا حصہ) حاصل کر لیتے ہیں اور صورت و حقیقت کو بھی جو محکم و متشابہ ہیں جمع کر لیتے ہیں، لیکن وہ شخص جو محکمات کے علم کے بغیر اور ان کے موافق عمل کے بغیر متشابہات کی تاویل تلاش کرے اور صورت کو چھوڑ کر حقیقت کی طرف دوڑے وہ ایسا نادان ہے کہ جس کو اپنی نادانی کی بھی خبر نہیں ہے اور ایسا گمراہ ہے جو اپنی گمراہی کا بھی شعور نہیں رکھتا۔ وہ یہ نہیں سمجھتا کہ یہ دنیا صورت اور حقیقت سے مرکب ہے جب تک یہ دنیا فانی ہے کوئی حقیقت اپنی صورت سے جُدا نہیں ہو سکتی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ (حجر آیت ۹۹) اَيِ الْمَوْتُ كَمَا قَالَ الْمُفَسِّرُوْنَ (اپنے رب کی عبادت کر یہاں تک کہ تجھ کو یقین (یعنی موت) آجائے۔ جیسا کہ مفسرین نے کہا ہے)۔ کہ (اللہ تعالیٰ نے) عبادت کو موت کے وقت تک منتہی کر دیا جو دنیا کا بھی منتہا ہے۔ لِاَنَّ مَنْ مَاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِيَامَتُهٗ[۱] (جو شخص مر گیا اس پر قیامت قائم ہو گئی)۔

---

[۱] اس حدیث کو دیلمی نے حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے۔ [۲] ان اسرار کی تھوڑی سی جھلک دفتر اول مکتوب ۳۱۱ میں ہے۔

اور نشاءِ اُخروی (آخرت کی نشوونما) میں جو حقائق کے ظہور کی جگہ ہے وہاں حقائق سے صورتوں کا جدا ہونا حاصل ہو جاتا ہے۔ لہٰذا ہر جہان کا حکم جداگانہ ہے، ایک کو دوسرے کے ساتھ سوائے جاہل یا زندیق (بے دین) کے جس کا مقصد احکامِ شرعیہ کا جھٹلانا ہو کوئی خلط ملط نہیں کرتا، کیونکہ شریعت کا ہر حکم جو مبتدی کے لئے ہے وہی منتہی کے لئے ہے (نیز) عام مؤمنین اور اخص خواص عارفین بھی اس معاملہ میں برابر ہیں ——— اور اکثر متصوفینِ خام (کچے صوفیہ) اور بے سروسامان ملحد اس امر کے درپے ہیں کہ اپنی گردنوں کو شریعت کی اطاعت سے نکال لیں اور احکامِ شرعیہ کو عوام کے لئے ہی مخصوص رکھیں۔ یہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ صرف خواص معرفتِ الٰہی کے مکلف ہیں اور بس، جیسا کہ اپنی جہالت کے باعث امیروں اور بادشاہوں کو عدل و انصاف کے سوا اور کسی چیز کا مکلف نہیں جانتے اور کہتے ہیں کہ شریعت کے احکام بجا لانے سے مقصود یہ ہے کہ معرفت حاصل ہو جائے اور جب معرفت حاصل ہو گئی تو پھر شرعی تکلیفات بھی ساقط ہو گئیں۔ اور شہادت کے طور پر اس آیت کو پیش کرتے ہیں: وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَأْتِيَكَ الْيَقِيْنُ (حجر آیت ۹۹) (اپنے رب کی عبادت کر حتی کہ تجھے یقین حاصل ہو جائے) ——— اور یقین کے معنی اللہ کرتے ہیں (یعنی اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہو جائے) جیسا کہ سہل تستریؒ[1] نے کہا ہے۔ یعنی عبادت کی انتہا حق تعالیٰ کی معرفت حاصل ہونے تک ہی ہے۔ بظاہر جس شخص نے یقین کے معنی اللہ سبحانہٗ کے کئے ہیں اس سے اس کی مراد یہ ہوگی کہ عبادت کی تکلیف کی انتہا حق جل وعلا کی معرفت حاصل ہو جانے تک ہے نہ کہ نفسِ عبادت کی انتہا، کیونکہ یہ امر الحاد و زندقہ تک پہنچانے والا ہے، اور یہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ عارفوں کی عبادت ریائی (دکھاوے کی) ہے یعنی عارف اس لئے عبادت کرتے ہیں کہ ان کے مقتدی اور پیرو ان کی اقتدا کریں نہ یہ کہ عارف عبادت کے محتاج ہیں۔ اور اس قول کی تائید میں مشائخ کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا ہے کہ جب تک پیر منافق اور مُرائی (ریاکار) نہ ہو مرید اس سے نفع حاصل نہیں کر سکتے: خَذَلَهُمُ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ مَا اَجْهَلَهُمْ (اللہ سبحانہٗ ان کو ذلیل و خوار کرے یہ لوگ کیسے جاہل ہیں)۔

عارفوں کو جس قدر عبادت کی ضرورت (اور احتیاج) ہے اس کا دسواں حصہ بھی مبتدیوں کو حاصل نہیں ہے

[1] سہل بن عبد اللہ تستریؒ کی کنیت ابو محمد ہے، اکابرینِ صوفیہ میں سے ہیں اور انوار معرفت کے علماء میں آپ کا شمار ہے۔ حضرت ذوالنون مصریؒ کے شاگرد اور سید الطائفہ حضرت جنید بغدادیؒ کے ہمعصر تھے۔ محرم الحرام ۲۸۳ھ میں انتقال ہوا۔

کیونکہ ان کے عروج عبادت پر ہی وابستہ ہیں اور ان کی ترقیاں شرائع اور احکام کے بجالانے پر ہی منحصر ہیں۔ عبادات کے ثمرات اور فائدے جن کی توقع عوام کو کل قیامت کے دن ہے وہ ثمرات عارفوں کو آج ہی حاصل ہیں اس لئے یہ عبادت کے زیادہ مستحق ہیں اور ان کو شریعت کی زیادہ حاجت ہے۔

جاننا چاہئے کہ شریعت سے مراد صورت اور حقیقت کا مجموعہ ہے، جس میں صورت ظاہری شریعت ہے اور اس کی حقیقت باطن شریعت ہے۔ لہذا پوست اور مغز دونوں شریعت کے اجزا ہیں اور محکم و متشابہ دونوں اس کے افراد ہیں ——— علماء ظاہر نے صرف اس کے پوست پر ہی اکتفا کیا ہے اور علماء راسخین نے پوست اور مغز دونوں کو جمع کر کے صورت اور حقیقت کے مجموعہ سے پورا پورا فائدہ حاصل کیا ہے، لہذا شریعت کو ایک ایسے شخص کے مانند تصور کرنا چاہئے جو صورت و حقیقت دونوں سے مرکب ہے۔ ایک جماعت نے صرف اس کی ظاہری صورت کے ساتھ تعلق پیدا کر لیا ہے اور اس کی حقیقت کا انکار کر بیٹھی ہے اور ھدایہ[1] و بزدوی[2] کے سوا اپنا پیر مقتدی کسی کو نہیں سمجھتی۔ یہ گروہ علماء قشر (پوست) ہیں اور دوسرا گروہ اس کی حقیقت میں گرفتار ہو گئے، مگر اس حقیقت کو شریعت کی حقیقت نہیں جانتے بلکہ شریعت کو ظاہر صورت پر محدود سمجھتے ہیں اور صرف پوست ہی پوست خیال کرتے ہیں اور مغز کو اس کے سوا تصور کرتے ہیں۔ اسی طرح احکام شریعت کی بجا آوری میں بھی سرمو باز نہیں رہتے اور صورت کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتے، اور احکام شریعت میں سے کسی ایک حکم کے ترک کرنے والے کو جھوٹا اور گمراہ سمجھتے ہیں۔ یہی لوگ اللہ جل سلطانہ کے دوست ہیں جنھوں نے اس سبحانہ و تعالیٰ کی محبت میں اس کے ماسوا سے قطع تعلق کر لیا ہے ——— اور ایک گروہ وہ ہے جو شریعت کو صورت و حقیقت کا مرکب جانتے ہیں اور پوست و مغز کا مجموعہ یقین کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک شریعت کی صورت کا حاصل کرنا اس کی حقیقت کے حاصل ہوئے بغیر اعتبار کے معیار سے ساقط ہے اور اس کی حقیقت کا حاصل ہونا اثبات صورت کے بغیر ناتمام و ناقص ہے بلکہ ظاہری صورت کو حاصل کرنے کے لئے حقیقت کے ثبوت کے بغیر بھی اسلام ہی سے جانتے ہیں اور اس کو نجات بخشنے والا تصور کرتے ہیں جیسا کہ علمائے ظاہر اور عام مؤمنین کا حال ہے، اور ثبوت صورت کے بغیر حقیقت کے حصول کو محالات میں سے تصور کرتے ہیں اور اس کے قائل کو بے دین اور گمراہ سمجھتے ہیں۔

---

[1] ہدایہ فقہ حنفی کی مشہور و مستند کتاب ہے جو شیخ الاسلام برہان الدین علی بن ابی بکر مرغینانی المتوفی ۵۹۳ھ کی تصنیف ہے۔

[2] علم اصول فقہ میں فخر الاسلام علی بن محمد بزدوی حنفی المتوفی ۴۸۲ھ کی تصنیف ہے۔

مختصر یہ کہ ظاہری اور باطنی کمالات ان بزرگواروں کے نزدیک کمالاتِ شرعیہ پر منحصر ہیں اور علوم و معارفِ الٰہیہ کا انحصار اہلِ سنت کی رائے اور ان کے عقائد کلامیہ (علمِ کلام) کے ثبوت سے پیوستہ ہیں، اور ہزاروں شہود و مشاہدات کو صرف حق جل و علا کی بے چونی و بے چگونی کے ایک مسئلہ کے برابر نہیں سمجھتے جو کہ مسئلہ کلامیہ میں سے ہے، اور ان احوال و مواجید اور تجلیات و ظہورات کو جو شرعی احکام کے کسی حکم کے خلاف ظاہر ہوں ان کو نیم جو سے بھی نہیں خریدتے اور اس قسم کے ظہورات کو استدراج گمان کرتے ہیں۔ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ (انعام آیت ۹۰) (یہ وہ لوگ تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی تھی بس آپ بھی ان کے طریقے پر چلیں) ——— یہ لوگ علماءِ راسخین ہیں کہ جن کو حقیقتِ معاملہ کی اطلاع بخشی گئی ہے، اور آدابِ شریعت کی برکت سے ان کو حقیقتِ شریعت تک پہنچا دیا گیا ہے بخلاف دوسرے گروہ کے کہ وہ بھی اگرچہ حقیقت کی طرف متوجہ ہیں اور اس کے ساتھ گرفتار ہیں نیز حتی الامکان (شریعت کی بجاآوری میں) سرِمو تجاوز نہیں کرتے لیکن چونکہ وہ اس حقیقت کو شریعت سے الگ سمجھ بیٹھے ہیں اور شریعت کو اس حقیقت کا پوست تصور کر لیا ہے اس لئے لازمی طور پر حقیقت کے ظلالوں میں سے کسی ایک ظل میں رہ گئے ہیں اور حقیقتِ معاملہ سے اصلِ حقیقت تک پہنچنے کی نہیں پائی، لہٰذا لازمی طور پر ان کی ولایت ظلی ہو گئی، اور ان کا قرب صفاتی ہو گیا۔ بخلاف علماءِ راسخین کی ولایت کے کہ وہ اصل ہے اور انھوں نے اصل تک پہنچنے کی راہ کو حاصل کر لیا ہے اور ظلال کے تمام پردوں سے گذر گئے ہیں، پس لازمی طور پر ان کی ولایت انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی ولایت ہے اور ان اولیا کی ولایت ولایتِ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات والتحیات کا ظل ہے۔

ایک مدت تک یہ فقیر متشابہات کی تاویل کو صرف حضرت حق سبحانہٗ کے علم میں جانتا تھا اور علمائے راسخین کو متشابہات کے ساتھ ایمان رکھنے کے سوا بہرہ ور نہیں پاتا تھا، اور ان تاویلوں کو جو علمائے صوفیہ نے بیان کی ہیں ان متشابہات کی شان کے لائق نہیں سمجھتا تھا اور وہ اسرار جو پوشیدہ رکھنے کے قابل ہیں ان کی تاویلات کا تصور نہیں کرتا تھا جیسا کہ عین القضاۃ[1] نے بعض متشابہات کی تاویل میں کہا ہے، مثلاً الف، لام، میم سے اَلَم مراد لی ہے جس کے معنی درد کے ہیں جو کہ عشق و محبت کے لوازمات میں سے ہے وغیرہ۔ آخرکار جب حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے متشابہات کی

---

[1] عین القضاۃ ہمدانیؒ کی کنیت اور نام ابوالفضائل عبداللہ بن محمد المیانجی ہے، آپ شیخ محمد بن حمویہؒ اور امام غزالیؒ کے صحبت یافتہ تھے۔ صوری و معنوی کمالات و فضائل کے جامع تھے۔

تاویل کا تھوڑا سا حصہ اس فقیر پر ظاہر کیا اور اس دریائے محیط میں سے ایک چھوٹی سی نہر اس مسکین کی استعداد کی زمین پر کھول دی تب معلوم ہوا کہ علمائے راسخین کو بھی متشابہات کی تاویلات سے بہت بڑا حصہ حاصل ہے: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰنَا لِهٰذَا وَمَا کُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰنَا اللّٰهُ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ (اعراف آیہ ۴۳) (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے جس نے ہم کو ہدایت دی اگر وہ ہم کو ہدایت نہ دیتا تو ہم کبھی راہ نہ پاتے بیشک ہمارے رب کے رسول حق بات لائے ہیں)۔

واقعاتِ مسطورہ کی تعبیر جو آپ نے طلب کی تھی اس کو حضور و ملاقات پر منحصر رکھا گیا ہے اسی لئے اس کی نسبت کچھ نہیں لکھا گیا۔ کیا کیا جائے قلم دوسرے معارف کی طرف چل پڑا اور دیگر معاملہ سامنے آگیا، امید ہے کہ معذور فرمائیں گے: وَالسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَعَلٰی سَائِرِ مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَعَلٰی اِخْوَانِهِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ الْعُلٰی (اور سلام ہو آپ پر اور ان پر جو ہدایت کی راہ پر چلے اور حضرت محمد مصطفےٰ علیہ وعلیٰ آلہ وعلیٰ اخوانہ الصلوات والتسلیمات العلیٰ کی متابعت کو لازم جانا)۔
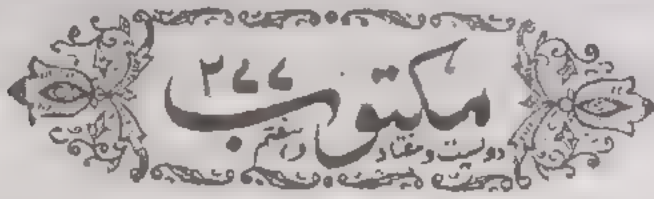
ملا عبد الحی[1] کی طرف صادر فرمایا ـــــ علم الیقین، عین الیقین اور حق الیقین کے بیان میں۔

یہ علوم ان علوم سابقہ میں سے ہیں جو آپ نے توسطِ حال میں تحریر کئے تھے، اس معرفت میں شہود کی انتہا شہودِ انفسی ہے۔ اور وہ جو آپ نے اخیر میں لکھے تھے ان میں شہودِ انفسی کو شہودِ آفاقی کے مانند بے فائدہ سمجھ کر انفس و آفاق سے شہود کو بالاتر ثابت کیا تھا بلکہ نفسِ شہود کو وصول کا دروازہ سمجھ کر اس سے بالاتر ہو کر ان علوم و معارف کو تحریر کیا تھا، جیسا کہ آپ کی کتابوں اور رسالوں سے یہ معنی واضح ہیں۔

اَرْشَدَكَ اللّٰهُ تَعَالٰی (اللہ تعالیٰ آپ کو ہدایت دے) جان لیں کہ حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ

---

[1] آپ کے نام پانچ مکتوبات ہیں یعنی دفتر اول مکتوب ۲۷۷-۲۹۱-۳۰۴-دفتر دوم مکتوب ۳۷-۷ ـــــ شیخ عبد الحی بن خواجہ چاکر حنفیؒ حصار شادمان (علاقہ اصفہان) کے اکابر علماء میں سے تھے حضرت مجدد الف ثانیؒ کی خدمت میں سالہا سال گذارے اور خلافت حاصل کی۔ مکتوبات شریفہ کو دفتر دوم جس کا تاریخی نام "نور الخلائق" ۱۰۲۸ھ ہے آپ ہی نے جمع فرمایا۔ سنہ ۱۰۵۰ھ حج و زیارتِ حرمین شریفین سے مشرف ہوئے اور سنہ ۱۰۷۳ھ میں وفات پائی۔

کی ذات میں علم الیقین ان آیات و نشانات کے شہود سے مراد ہے جو اس تعالیٰ و تقدس کی قدرت پر دلالت کرتے ہیں، ان آیات کے شہود کو سیر آفاقی کہتے ہیں، لیکن ذاتی شہود و حضور سیرِ انفسی کے علاوہ متصور نہیں ہوتا اور وہ سوائے سالک کے نفس کے اور کہیں متصور نہیں ہوتا ؎

ذرہ گر بس نیک و ربس بد بود گرچہ عمرے تگ زند در خود بود

(ذرہ ذرہ ہی رہے گا عمر بھر لاکھ دوڑے کم زیادہ ہو اگر)

اور جو کچھ (سالک) اپنے سے باہر مشاہدہ کرتا ہے وہ سب اس تعالیٰ کی ذات پر دلائل و آثار کے مشاہدہ کی قسم سے ہے نہ کہ عز سلطانہ، کی ذات کا مشاہدہ ـــــ قطب المحققین سید العارفین ناصر الدین خواجہ عبید اللہ قدس سرہ الاقدس نے فرمایا ہے کہ "سیر دو قسم کی ہے" ایک سیرِ مستطیل اور دوسری سیرِ مستدیر۔ سیرِ مستطیل دُور سے دُور تر ہے اور سیرِ مستدیر قریب سے قریب تر ہے، سیرِ مستطیل یہ ہے کہ مقصود کو اپنے دائرے کے باہر تلاش کیا جائے، اور سیرِ مستدیر یہ ہے کہ اپنے دل کے گرد چکر لگاتے ہوئے اپنے مقصود کو اپنے اندر ہی تلاش کریں ــــــــ لہذا وہ تجلیات جو حسی اور مثالی صورتوں میں اور اسی طرح انوار کے پردوں میں ہوں خواہ کوئی بھی صورت ہو، اور کوئی بھی نور ظاہر ہو، خواہ وہ نور رنگین ہو یا بے رنگ ہو، اور متناہی ہو یا غیر متناہی، اور کائنات کو محیط کئے ہوئے ہو یا (محیط کئے ہوئے) نہ ہو سب علم الیقین میں داخل ہیں ــــــ حضرت مخدومی مولوی عبد الرحمٰن جامی قدس سرہ السامی شرح لمعات میں اس بیت کی شرح میں فرماتے ہیں ؎

اے دوست ترا بہر مکان می جستم ہردم خبرت ازین و آں می جستم

(تجھے میں ڈھونڈتا پھرتا تھا اے دوست ٹھکانا پوچھتا ہر جا تھا اے دوست)

(یعنی اس شعر میں بھی) مشاہدہ آفاقی کی طرف اشارہ ہے جو علم الیقین کے لئے مفید ہے اور یہ شہود چونکہ سوائے اشارات و استدلال کے مقصود کی خبر نہیں دیتا اور اس کا حضور نہیں بخشتا اس لئے یہ شہود کے رنگ میں دھوئیں اور حرارت کے مانند آگ کی موجودگی پر دلالت کرتا ہے۔ لہذا یہ شہود دائرہ علم سے باہر نہیں آتا اور سوائے علم الیقین کے کچھ مفید نہیں ہوتا اور نہ ہی سالک کا وجود اس سے فانی ہو سکتا ہے۔

عین الیقین سے مراد حق سبحانہ کا شہود ہے، علم الیقین کے طریقے پر معلوم ہو جانے کے بعد

اس کا شہود سالک کی فنا کو لازم ہے، اور اس شہود کے غلبہ میں سالک کے وجود کا تعین بالکل گم ہو جاتا ہے اور اس کے دیدۂ شہود میں اس کا کوئی اثر باقی نہیں رہتا، اور سالک خود اپنے شہود میں فانی و مستہلک ہو جاتا ہے، اور یہ شہود اس بزرگ جماعت قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے نزدیک ادراکِ بسیط سے تعبیر کیا گیا ہے اور اسی کو معرفت بھی کہتے ہیں، اور اس ادراک میں عوام و خواص دونوں شریک ہیں لیکن ان دونوں کے درمیان فرق یہ ہے کہ خواص کو مخلوق کا شہود حق جل وعلا کے شہود سے مزاحم نہیں ہوتا بلکہ ان (خواص) کے شہود کی آنکھ میں سوائے حق جل وعلا کے شہود کے اور کچھ نہیں ہوتا ——

اور عوام کے لئے یہ (شہود) مزاحم ہے اسی لئے عوام اس شہود سے غافل اور اس ادراک سے بے خبر رہتے ہیں، اور ایسا عین الیقین، علم الیقین کے لئے حجاب ہے۔ جیسا کہ کہا گیا ہے اِنَّ عِلْمَ الْيَقِيْنِ حِجَابُهٗ (بیشک علم الیقین (عین الیقین کا) حجاب ہے)۔ اس شہود کی تحقیق کے وقت سوائے حیرت و نادانی کے اور کچھ نہیں ہے۔ علم کو اس مقام میں ہرگز گنجائش نہیں —— بعض بزرگ قدس اللہ تعالیٰ سرہ نے فرمایا ہے کہ "علم الیقین عین الیقین کا حجاب ہے، اور عین الیقین علم الیقین کا حجاب" ——

اور نیز بعض نے فرمایا ہے کہ اس شخص کی علامت جس نے اس (حق تعالیٰ) کو پہچان لیا جیسا کہ اس کے پہچاننے کا حق ہے یہ ہے کہ اس کے سر سے واقف و مطلع ہو جاتا ہے لیکن اس کو اس کا علم نہیں ہو سکتا۔ ایسا شخص اس معرفت میں کامل ہے جس کے علاوہ کوئی اور معرفت بلند نہیں ہے —— ——

اور نیز بعض قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم العلیا نے فرمایا ہے کہ سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کا عارف وہ شخص ہے جو اس میں سب سے زیادہ حیرت زدہ ہے۔

اور حق الیقین سے مراد اُس سبحانہٗ کا ایسا شہود ہے کہ جس کے بعد طالب کا تعین اور اضمحلال ختم ہو جائے۔ لیکن (عارف کے لئے) حق سبحانہٗ کا یہ شہود حق تعالیٰ کے ساتھ ہوتا ہے نہ کہ (عارف کے) اپنے ساتھ کیونکہ وَلَا يَحْمِلُ عَطَايَا الْمَلِكِ اِلَّا مَطَايَاهُ (بادشاہ کے عطیات کو اس کی سواریاں ہی اٹھا سکتی ہیں) ——

اور یہ شہود بقا باللہ میں جو "بِيْ يَسْمَعُ وَبِيْ يُبْصِرُ"[1] کا مقام ہے حاصل ہو جاتا ہے، جہاں سالک کو فنائے مطلق کی تحقیق کے بعد جو ذات و صفات کی فنا ہے حق سبحانہٗ و تعالیٰ محض اپنی عنایت سے اپنی طرف سے ایک وجود عطا فرماتا ہے اور سکرِ حال اور بیخودی سے صحو و افاقت (ہوشیاری) میں لاتا ہے اور اس وجود کو "وجودِ موہوبِ حقانی" کہتے ہیں (یعنی حق تعالیٰ کا عطا کردہ وجود)۔ اس مقام میں

[1] یعنی وہ میرے ہی ذریعے سنتا ہے اور میرے ہی ذریعے وہ دیکھتا ہے۔

علم اور عین ایک دوسرے کا حجاب نہیں ہوتے بلکہ (عارف) عین شہود میں عالم ہے اور عین علم میں مشاہد ہوتا ہے اور یہ تعین بھی عارف کا اپنا ہے نہ عارف اس مقام میں اپنے آپ کو عین عز شانہ پاتا ہے نہ کہ تعین کونی، کیونکہ اس کا کوئی اثر عارف کے شہود کی آنکھ میں باقی نہیں رہتا اور تجلیات صوریہ میں جو خود اپنی تعینات اور صورتوں کو حق تعالیٰ شانہ پاتے ہیں وہ تعینات کونیہ ہیں کہ حق کی طرف ان سے راہ نہیں پائی ہے: فَبَيْنَ اَحَدُهُمَا عَنِ الْاٰخَرِ (ان دونوں کے درمیان بہت بڑا فرق ہے) مَا لِلتُّرَابِ وَرَبِّ الْاَرْبَابِ (کہاں مٹی اور کہاں اس کے پالنے والوں کا پالنے والا) (چہ نسبت خاک را بعالم پاک)

اگرچہ عوام کے نزدیک ظاہری عبارت میں تجلی صوری (جس میں اپنے آپ کو حق پاتے ہیں) اور حق الیقین (کہ اس مقام میں بھی اپنے آپ کو حق پاتا ہے) کے درمیان کوئی فرق معلوم نہیں ہوتا، لیکن تجلی صوری میں آنا صورت اختیار کر لیتی ہے اور حق الیقین میں حقیقت پر۔ اور نیز تجلی صوری میں حق کو خود اپنے ساتھ دیکھتا ہے اور اس مقام میں حق کو حق تعالیٰ ساتھ دیکھتا ہے اور ظاہر ہے کہ حق کو اپنے آپ سے نہیں دیکھ سکتے، لہٰذا تجلی صوری میں شہود کا اطلاق مجاز کے طریق پر ہے کیونکہ حق کو حق کے سوا نہیں دیکھ سکتے۔ اور وہ مرتبہ حق الیقین ہی ہے کہ جس میں شہود کی حقیقت متحقق ہو جاتی ہے۔

اور زمانے کے بعض مشائخ کو جب اس فرق کی اطلاع نہیں ہو سکی اور تعین کونی کے علاوہ اس تعین کا علم نہ ہو سکا تو انھوں نے ان اکابر قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم پر زبان طعن دراز کی جنھوں نے حق الیقین کی اس طرح تفسیر و تشریح فرمائی ہے جس طرح کہ مقرر و ثابت ہو چکی ہے اور دعویٰ کیا ہے کہ یہ تعین، تجلی صوری میں بھی حاصل ہو جاتا ہے جو راہِ سلوک کا قدمِ اول ہے، حالانکہ اس تعین کی ان بزرگواروں نے حق الیقین کے ساتھ تفسیر و تشریح کی ہے جو سلوک میں انتہائی قدم ہے، ان کا یہ خیال کس طرح درست ہو سکتا ہے۔ بلکہ بعض مشائخ نے یہاں تک فرما دیا کہ وہ حق الیقین جو ان بزرگواروں کو نہایت میں حاصل ہوتا ہے وہ ہم کو تجلی صوری میں حاصل ہو جاتا ہے جو ہمارا اول قدم ہے ———— وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (بقرہ آیت ۲۱۳) (اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے سیدھے راستے کی ہدایت دیتا ہے)

والسلام

ملا عبد الکریم سنامی[1] کے نام صادر فرمایا ــــــ اس بیان میں کہ ہر شخص اپنے عقائد کو درست کرنے اور شریعتِ غرا کے تقاضوں کے مطابق عمل کرنے کے بعد اپنے قلب کو ماسوائے جل وعلا سے سلامت رکھے جس کو نسیانِ ماسوا کہتے ہیں۔ اور طریقۂ عالیہ نقشبندیہ کی تعریف اور مُردوں کی امداد و اعانت کی ترغیب میں اور اس کے مناسب بیان میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) ــــــ برادرِ عزیز کا مکتوب مرغوب موصول ہو کر فرحت کا باعث ہوا۔ وہ نصیحت جو دوستوں کو کی جاتی ہے یہ ہے کہ اہلِ سنت و جماعت شکر اللہ تعالیٰ سعیہم (اللہ تعالیٰ ان کی کوششوں کو مشکور فرمائے) کی عقائد کی کتابوں کے موافق اپنے عقائد کی تصحیح کے بعد اور احکامِ فقہیہ کی ادائیگی یعنی فرض، واجب، سنت، مندوب (مستحب) حلال و حرام، مکروہ و مشتبہ، امتثالاً و انتہاءً (اوامر و نواہی) کا لحاظ رکھنے کے بعد اپنے قلب کو ماسوائے حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی گرفتاری سے سلامت رکھیں، اور یہ بات اس وقت میسر ہوتی ہے جب دل میں ماسوائے حق جل وعلا کسی کا گذر نہ رہے اگر بالفرض ہزار سال تک زندگی وفا کرے تب بھی دل میں حق سبحانہٗ و تعالیٰ کے غیر کا گذر نہ ہو، اس معنی میں نہیں کہ دل میں اشیاء کا گذر ہو اور ان کو غیرِ حق جل سلطانہٗ نہ سمجھیں کیونکہ یہ معنی تو ابتداءً توحید کے مراقبہ کرنے والوں کو بھی میسر ہو جاتی ہے بلکہ اس معنی میں کہ اشیاء ہرگز دل میں نہ آنے پائیں، اور یہ (اشیاء کے نہ گذرنے کی کیفیت نسیانِ قلب پر مبنی ہے کہ حق سبحانہٗ و تعالیٰ کے ماسوا کو اس طرح بھول جائیں کہ اگر کسی شئے کو تکلف کے ساتھ بھی یاد میں لانا چاہیں تو اس کو یاد نہ آئے۔ یہ دولت "فناءِ قلب" سے تعبیر کی جاتی ہے اور اس راہ میں یہ پہلا قدم ہے، اور باقی ولایت کے تمام کمالات اسی دولت کی فرع ہیں ؎

ہیچ کس را تا نہ گردد او فنا نیست رہ در بارگاہِ کبریا
(جب تک انساں کرنہ لے خود کو فنا کیسے پائے بارگاہِ کبریا)

---

[1] آپ کے نام صرف یہی ایک مکتوب ہے۔ ملا عبد الکریم سنامی بن درویزہ الحنفی پشاوری عالم اور فقیہ تھے۔ شیخ علی خواص ترمذی سے طریقہ اخذ کیا "مخزن الاسلام" تصنیف کی۔ علاقہ یوسف زئی، افغانستان میں ۱۰۴۲ھ میں وفات پائی۔

اور اس دولتِ عظمیٰ کے حاصل کرنے کے لئے قریب ترین راستہ طریقۂ عالیہ نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم ہے، کیونکہ ان بزرگواروں نے اپنے سیر کی ابتدا عالمِ امر سے کی ہے اور قلب سے مقلب قلب (قلب کے پھیرنے والے) کی طرف لے گئے ہیں اور انھوں نے دوسروں کی ریاضتوں اور مجاہدوں کی بجائے سنت کو لازم پکڑا ہے اور بدعت سے پرہیز کیا ہے ــــــــ حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہٗ فرماتے ہیں "طریقِ ما اقربِ طرق است اما التزامِ سنت کارِ مشکل است" یعنی ہمارا طریقہ سب طریقوں سے قریب ترین ہے لیکن سنت کا التزام کرنا بہت مشکل کام ہے ــــــــ فَطُوْبیٰ لِمَنْ تَوَسَّلَ بِھِمْ وَاقْتَدٰی بِھَدْیِھِمْ (مبارک ہیں وہ لوگ جنھوں نے ان کا وسیلہ حاصل کر کے ان کی ہدایت کی پیروی کی)

مولانا جامیؒ فرماتے ہیں:۔

نقشبندیہ عجب قافلہ سالار انند — کہ برند از رہِ پنہاں بحرم قافلہ را
از دلِ سالکِ رہ جاذبۂ صحبتِ شاں — مے برد وسوسۂ خلوت و فکرِ چلّہ را
قاصرے گر کند ایں طائفہ را طعنِ قصور — حاشاللہ کہ برآرم بزباں ایں گلہ را
ہمہ شیرانِ جہاں بستۂ ایں سلسلہ اند — روبہ از حیلہ چساں بگسلد ایں سلسلہ را

(نقشبندی عجیب رہبر ہیں — لے کے جائیں حرم وہ پوشیدہ
ان کی صحبت سے سالکوں کے لئے — ہے ضروری نہ خلوت و چلّہ
کوئی کوتہ نظر جو طعن کرے — نہیں لاؤں زباں پہ کوئی گلہ
شیر اس سلسلے میں آتے ہیں — لومڑی کیا کرے گی کچھ حیلہ)

دوسری التماس یہ ہے کہ قاضی محمد شریف کا محبت بھرا گرامی نامہ موصول ہوا، کیونکہ وہ فقراء کی محبت کی زیادتی پر مبنی تھا اس لئے بہت خوشی کا موجب ہوا۔ فقیر کی طرف سے دعا و سلام ان کو پہنچا دیں۔

تیسرے یہ کہ برادر شیخ حبیب اللہ کا مکتوب مرغوب موصول ہوا، انھوں نے اپنے والد مرحوم کی وفات کے متعلق لکھا تھا، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۔ فقیر کی طرف سے دعا پہنچا کر تعزیت کر دیں اور کہہ دیں کہ دعا، فاتحہ، صدقہ اور استغفار سے اپنے والد مرحوم کی امداد و اعانت کریں: فَاِنَّ الْمَیِّتَ کَالْغَرِیْقِ یَنْتَظِرُ دَعْوَۃً تَلْحَقُہٗ مِنْ اَبٍ اَوْ اُمٍّ اَوْ اَخٍ اَوْ صَدِیْقٍ (پس بیشک میت ڈوبنے والے کے مانند ہوتی ہے اور اس دعا کی منتظر رہتی ہے جو اسے باپ یا ماں یا بھائی یا دوست کی طرف سے پہنچتی ہے) (بیہقی)

چونکہ یہ واضح ہو کہ شیخ احمدان بزرگواروں کا طریقہ اخذ کر کے بہت متاثر ہوا ہے، حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ اس کو استقامت با کرامت فرمائے ـــــــ منارۂ ابہ چونکہ نیا نیا اسلام میں داخل ہوا ہے (یعنی نو مسلم ہے) اس لئے اس کو عقائد کلامیہ جو فارسی کتابوں میں مذکور ہیں سکھائیں اور احکامِ فقہیہ کی بھی تعلیم دیں تاکہ اس کو فرض، واجب سنن مستحب، حلال و حرام اور مکروہ و مشتبہ کی پہچان ہو جائے اور ان تقاضوں کے مطابق زندگی بسر کرے۔ اس کے لئے گلستان و بوستاں کا پڑھنا پڑھانا بیکار کاموں میں سے ہے۔ والسلام

مکتوب ۲۷۹

دوست و ہمدم
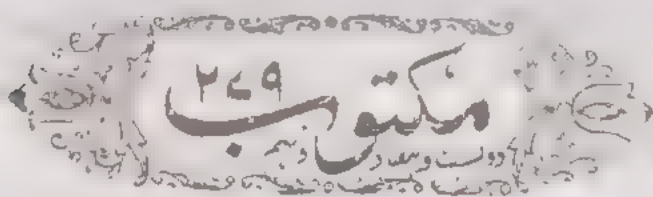
ملا حسن کشمیری کی طرف صادر فرمایا ـــــــ ان کے اس احسان کے شکریہ کی ادائیگی میں کہ انھوں نے طریقۂ عالیہ نقشبندیہ کی طرف رہنمائی فرمائی اور حضرت ایشاں (خواجہ باقی باللہ) قدس سرہ الاقدس کی خدمت و صحبت کی ترغیب دی اور اس کے ضمن میں خداوند جل سلطانہ کی ان نعمتوں کا اظہار کیا جو ان کے توسط سے حاصل ہوئی تھیں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) ـــــــ وہ گرامی نامہ جو آپ نے از روئے کرم و التفات اس فقیر کے نام لکھا تھا جناب مولانا حیدر علی کے ذریعے موصول ہو کر بہت زیادہ خوشی کا باعث ہوا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو سلامت رکھے ـــــــ آپ نے شیخ محی الدین ابن عربی قدس سرہٗ کی اس عبارت کے بارے میں دریافت کیا تھا: سَبَبُ تَرْتِیْبِ خِلَافَتِہِمْ مُدَّۃُ اَعْمَارِہِمْ (ان کی خلافت کی ترتیب کا سبب ان کی عمروں کی مدت ہے)۔ یہ عبارت شیخ موصوف کی مصنفات میں سے کس کتاب میں واقع ہے؟

میرے مخدوم! فقیر نے اس عبارت کو عرصہ ہوا کہ فتوحاتِ مکیہ میں دیکھا تھا، ہر چند تلاش کیا لیکن وہ مقام نہ مل سکا۔ اگر پھر نظر میں آ گیا تو ان شاء اللہ تعالیٰ مطلع کروں گا۔

دوسرے یہ کہ فقیر آپ کی نعمت کا شکریہ ادا کرنے اور آپ کے اس احسان کا بدلہ دینے میں قصور اور عاجزی کا اعتراف کرتا ہے، یہ سب کاروبار اسی نعمت پر مبنی ہے، اور یہ سب دید و داد اسی احسان پر

سلہ آپ کے نام پانچ مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۹۹ پر گذر چکا ہے۔

وابستہ ہے۔ آپ کے حسنِ توسط اور وسیلہ سے فقیر کو وہ کچھ دیا گیا ہے جو کسی نے کم ہی دیکھا ہے اور آپ کے توسل کی یمن و برکت سے وہ کچھ بخشا گیا ہے کہ جس کا مزہ کسی نے کم ہی چکھا ہے، خاص خاص عطیے اس قدر عطا فرمائے گئے ہیں کہ اکثر لوگوں کو اس قسم کے عام عطیے بھی حاصل نہیں ہوئے۔ احوال و مقامات، اذواق و مواجید، علوم و معارف اور تجلیات و ظہورات سب کو راہِ عروج کے زینے بنا کر فقیر کو قرب کے درجوں اور وصول کی منزلوں تک پہنچا دیا گیا ——— قرب و وصول کا لفظ مجبوراً عبارت کی تنگی کے باعث اختیار کیا ہے ورنہ وہاں نہ قرب ہے نہ وصول، نہ عبارت ہے نہ اشارہ، نہ شہود ہے نہ حلول، نہ اتحاد ہے نہ کیف، نہ این و آں، نہ زمان نہ مکان، نہ احاطہ نہ سریان، نہ علم نہ معرفت، نہ جہل نہ حیرت ؎

چہ گویم با تو از مرغِ نشانہ — کہ با عنقا بود ہم آشیانہ

زعنقا ہست نامے پیش مردم — زمرغِ من بود آں نام ہم گم

(بتاؤں کیا تجھے اس مرغ کا حال — وہ عنقا کا ہوا ہم آشیانہ

سبھی کہتے ہیں عنقا، گو ہے معدوم — مگر اس کا نہیں کچھ نام معلوم)

چونکہ خداوند جل سلطانہ کے ان احسانوں کے اس اظہار میں جس کا ظہور عالم اسباب میں آپ کی اسی نعمت پر مترتب ہوا ہے لہذا آپ کی نعمت کا شکریہ بھی شامل تھا اس لئے چند فقروں میں درج کر کے تحریر کیا گیا تاکہ آپ کی نعمت کا تھوڑا سا شکریہ ادا ہو جائے۔ وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَعَلٰى سَائِرِ مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰى عَلَيْهِ وَعَلَيْهِمُ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِيْمَاتُ (سلام ہو آپ پر اور ان تمام لوگوں پر جو ہدایت کی پیروی کرے اور حضرت محمد مصطفےٰ علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کی متابعت کو لازم پکڑے)
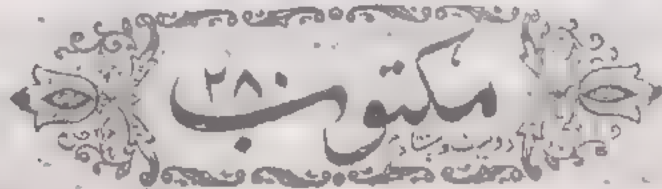
حافظ محمود[1] کی طرف صادر فرمایا ——— اس بیان میں کہ اس جماعت کی محبت سعادتوں کا سرمایہ ہے اور جس کو اس نعمت سے مشرف فرماتے ہیں اور استقامت بخشتے ہیں اس کو سب کچھ دیدیتے ہیں۔

حمد و صلوٰۃ اور تبلیغِ دعوات کے بعد واضح ہو کہ آپ کا مکتوب شریف جو جناب مولانا ہمدی علی کے

---

[1] آپ کے نام تین مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۱۴۴ پر گذر چکا ہے۔

ہمراہ ارسال کیا تھا پہنچا اور بہت خوشی کا باعث ہوا، اللہ سبحانہٗ کی حمد ہے کہ فقرا کی محبت جو دنیا و آخرت کا سرمایہ ہے آپ کے اندر کامل طور پر قائم ہو چکی ہے اور مفارقت کی مدت دراز نے اس میں کچھ اثر نہیں کیا۔

______ دو چیزوں کی محافظت کرنا لازم و ضروری ہے: ایک صاحبِ شریعت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت اور دوسرے شیخِ مقتدا کی محبت و اخلاص ____ ان دو چیزوں کے ساتھ اور جو کچھ دیں سب ہی نعمت ہے۔ اور اگر کچھ بھی نہ دیں لیکن یہ دو چیزیں راسخ اور مضبوط ہوں تو پھر کچھ غم نہیں، آخر کار دیدیں گے اور اگر نعوذ باللہ ان دو چیزوں میں سے کسی ایک میں خلل پڑ جائے اور اس کے باوجود احوال اور اذواق بدستور اپنے حال پر رہیں تو ان کو استدراج جاننا چاہئے اور اپنی خرابی و بربادی خیال کرنا چاہئے، استقامت کا یہی طریقہ ہے وَاللہُ سُبْحَانَہُ الْمُوَفِّقُ۔ والسلام
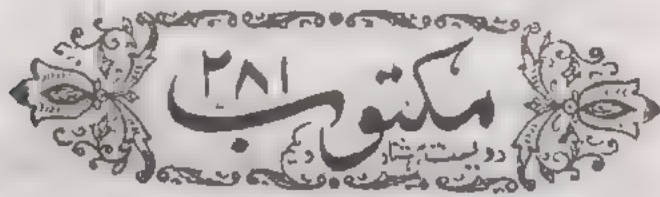
سیادت مآب میر محمد نعمانؒ کی طرف صادر فرمایا ____ سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ کی نسبت حاصل کرنے کی نعمت کے شکریہ میں، اور یہ کہ اس طریق میں تبعیت اور وراثت کے طریقے پر کمالاتِ نبوت کی طرف راستہ کھول دیتے ہیں، اور جو شخص اس طریقے میں اپنے خوابوں اور واقعات پر اعتماد کرے اور نئے نئے امور پیدا کرے اور اس کے آدابِ طریقت کی رعایت نہ کرے وہ زیاں کار اور ناامید رہتا ہے اور اس کے مناسب بیان میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) ______ اس نعمتِ عظمیٰ کا شکر کس زبان سے ادا کیا جائے کہ حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے ہم فقیروں کو اہلِ سنت و جماعت شکر اللہ تعالیٰ سعیہم کی صائب رائے کے مطابق اپنے عقائد کی درستگی کے بعد طریقۂ عالیہ نقشبندیہ کے سلوک سے مشرف فرمایا اور اس بزرگ خاندان کے مریدوں اور نسبت رکھنے والوں میں شامل فرمایا ______ اس فقیر کے نزدیک اس طریق میں ایک قدم رکھنا دوسرے سلسلوں کے سات قدموں سے بہتر ہے، یہ ایک ایسی راہ ہے جس میں تبعیت و وراثت کے طور پر کمالاتِ نبوت کی طرف راستہ کھل جاتا ہے جو اس طریقۂ عالیہ کے ساتھ مخصوص ہے۔ دوسرے طریقوں کی انتہا صرف کمالاتِ ولایت کی نہایت تک ہے اس سے آگے کمالاتِ نبوت کی طرف کوئی

سلہ آپ کے نام ۳۴ مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۱۱۹ پر گذر چکا ہے۔

راہ نہیں کھلتی ـــــــ یہی وجہ ہے کہ اس فقیر نے اپنی کتابوں اور رسالوں میں تحریر کیا ہے کہ ان (نقشبندیہ) بزرگواروں کا طریقہ اصحابِ کرام علیہم الرضوان کا طریقہ ہے، چنانچہ اصحاب کرام وراثت کے طور پر کمالاتِ نبوت سے حظِ وافر رکھتے ہیں، اور اس طریقے کے منتہی بھی تبعیت کے طور پر ان کمالات سے کافی حصہ پالیتے ہیں ـــــــ وہ مبتدی اور متوسط جنھوں نے اس طریق کو (اپنے اوپر) لازم کرلیا ہے اور اس طریقے کے منتہیوں کے ساتھ کامل محبت رکھتے ہیں وہ بھی امیدوار ہیں (جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے) اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ (آدمی اسی کے ساتھ ہے جس سے وہ محبت رکھتا ہے) دور پڑے ہوئے لوگوں کے لئے یہ ایک بشارت ہے ـــــــ اس طریقے میں مایوس اور خسارہ والا وہ شخص ہے جو اس طریق میں داخل ہوکر بھی اس طریقے کے آداب کو مدنظر نہ رکھے اور نئے نئے امور اس طریق میں پیدا کرلے اور اس طریقہ کے برخلاف اپنے واقعات اور خوابوں پر اعتماد کرے، اس صورت میں طریقے کا گناہ کیا ہے۔ وہ اپنے خوابوں اور واقعات کی راہ پر چلتا ہے اور اپنے اختیار سے کعبۂ معظمہ کے راستے سے منہ پھیر کر ترکستان کی طرف جاتا ہے سہ

ترسم نرسی بہ کعبہ اے اعرابی   ایں راہ کہ تو می روی بترکستان است

(کہاں کعبہ کو پہنچے گا تو انجان؟   کہ ترکی کی طرف تو جا رہا ہے)

یہ بات اچھی نہیں معلوم ہوتی کہ دوستوں کی جمعیت اور اس طریقے کے طالبوں کی سرگرمیوں کے باوجود آپ کو جگہ سے بے جگہ کروں۔ اس سے پیشتر بھی (اس فقیر نے) ان حدود کی سیر کے لئے اشارہ کیا تھا اور وہ شرائط کے ساتھ مشروط تھا اور اب بھی وہ انھیں شرائط کے ساتھ مشروط ہے۔ ـــــــ بار بار استخارہ کرنے اور انشراح قلب کے بعد بغیر کسی شبہ اور تردد کے اپنی جگہ کسی شخص کو مقرر کریں تاکہ سابق وضع میں وہاں کسی قسم کی کوئی سستی یا کوتاہی واقع نہ ہوسکے پھر اگر آپ ان حدود کی طرف متوجہ ہوں تو گنجائش ہوسکتی ہے۔ اور ان شرائط کے بغیر وہاں کے معاملہ کو درہم برہم نہ کریں اور طالبوں کی جمعیت کے اندر فتور نہ ڈالیں۔ اس سے زیادہ کیا مبالغہ کیا جائے۔

والسلام

میاں شیخ بدیع الدینؒ کی طرف صادر فرمایا ——— حضرت الیاس اور حضرت خضر علی نبینا و علیہما الصلوٰۃ والسلام کی ملاقات اور ان کے کچھ احوال کے بیان میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) ——— مدت سے بعض احباب حضرت خضر علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے احوال کے بارے میں دریافت کرتے رہتے تھے۔ چونکہ فقیر کو ان کے احوال پر پوری طرح اطلاع نہیں دی گئی تھی اس لئے جواب میں توقف کر رہا تھا ——— اتفاقاً آج صبح کے حلقہ میں دیکھا کہ حضرت الیاس اور حضرت خضر علی نبینا وعلیہما الصلوات والتسلیمات روحانیوں کی صورت میں تشریف فرما ہیں۔ اور روحانی ملاقات میں حضرت خضرؑ نے فرمایا کہ ہم عالمِ ارواح میں سے ہیں اور حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے ہماری ارواح کو ایسی قدرتِ کاملہ عطا فرمائی ہے کہ عالمِ اجسام کی صورت میں متمثل ہو کر وہ کام انجام دیں جو عالمِ اجسام سے وقوع میں آتے ہیں، یعنی حرکات و سکناتِ جسمانی اور طاعات و عباداتِ بدنی ہماری ارواح سے صادر ہوتی ہیں ——— اسی اثنا میں (ان سے) دریافت کیا گیا کہ کیا آپ امام شافعیؒ کے مذہب کے مطابق نماز ادا کرتے ہیں؟ - (انھوں نے) جواب دیا کہ ہم احکامِ شرعیہ کے مکلف نہیں ہیں لیکن چونکہ قطبِ مدار کے اہم کاموں کو ہمارے ساتھ مربوط کیا گیا ہے اور قطبِ مدار امام شافعیؒ کے مذہب پر ہے (اس لئے) ہم بھی اس کے پیچھے شافعی مذہب کے مطابق نماز ادا کرتے ہیں۔"

اس وقت یہ معلوم ہوا کہ ان کی اطاعت پر کوئی جزا مترتب نہیں ہے، صرف طاعت کی ادائگی میں اہلِ طاعت کے ساتھ موافقت کرتے ہیں اور عبادت کی صورت کی رعایت مدِ نظر رکھتے ہیں ——— اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ولایت کے کمالات فقہ شافعی کے ساتھ موافقت رکھتے ہیں، اور نبوت کے کمالات کو فقہ حنفی کے ساتھ مناسبت ہے ——— (یعنی) اگر بالفرض اس امت میں کوئی پیغمبر مبعوث ہوتا تو وہ فقہ حنفی کے موافق عمل کرتا ——— اور اس وقت حضرت خواجہ محمد پارسا قدس سرہٗ کی اس بات کی حقیقت بھی معلوم ہو گئی جو انھوں نے "فصول ستہ" میں نقل کی ہے کہ حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام ———

فقہ حنفی کی برتری

لہ آپ کے نام دس مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۱۷۲ پر گذر چکا ہے

نزول کے بعد امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذہب پر عمل کریں گے ——— اس وقت دل نے چاہا کہ ان دونوں بزرگواروں سے کچھ سوال کرے (لیکن انھوں نے) فرمایا کہ خداوند جل شانہٗ کی عنایت اگر کسی شخص کے شاملِ حال ہو تو اس میں ہمارا کیا دخل ہے۔ گویا انھوں نے اپنے آپ کو درمیان سے نکال لیا ——— اور حضرت الیاس علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ و السلام نے اس گفتگو کے دوران کوئی بات نہیں کی۔ والسلام

صوفی درویش بیگ[1] کی طرف صادر فرمایا ——— اس بیان میں کہ شبِ معراج میں حضرت رسالت خاتمیت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کی رویت (عالم) دنیا میں واقع نہیں ہوئی بلکہ وہ (عالمِ) آخرت میں واقع ہوئی ہے۔

آپ نے دریافت کیا تھا کہ اہلِ سنت و جماعت کا (اس پر) اجماع ہے کہ (حق تعالیٰ کی) رویت دنیا میں واقع نہیں ہے حتیٰ کہ اکثر علماءِ اہلِ سنت نے حضرت رسالت خاتمیت علیہ و علیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کی رویت کا شبِ معراج میں بھی انکار کیا ہے ——— حجۃ الاسلام (امام غزالی) نے فرمایا ہے کہ صحیح یہی ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے شبِ معراج میں اپنے رب کو نہیں دیکھا ——— اور تم نے (یعنی حضرت مجددؒ نے) اپنے رسائل میں شبِ معراج میں آنسرور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رویت کے دنیا میں واقع ہونے کا اعتراف کیا ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟

اس کے جواب میں ہم یہ کہتے ہیں کہ شبِ معراج میں آں سرور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو رویت (باری تعالیٰ) دنیا میں واقع نہیں ہوئی بلکہ آخرت میں واقع ہوئی ہے کیونکہ آں سرور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس رات جب مکان و زمان کے دائرے سے باہر پہنچ گئے اور تنگیٔ مکان سے نکل گئے تو ازل و ابد کو آنِ واحد پایا اور بدایت (ابتدا) و نہایت (انتہا) کو ایک نقطہ میں متحد دیکھا، اہلِ بہشت کو جو ہزارہا سال کے بعد بہشت میں جائیں گے دیکھ لیا۔ عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو جو کہ فقرائے صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے ——— پانچ سو سال کے بعد بہشت میں جائیں گے دیکھا کہ اس مدت کے گذرنے کے بعد

شبِ معراج میں رویتِ باری تعالیٰ کا وقوع

[1] آپ کے نام دو مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۱۱۴ پر گذر چکا ہے۔

بہشت میں آ گئے ہیں اور (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے) ان سے اس توقف کی وجہ دریافت کی —— پس وہ رویت جو اس مقام میں واقع ہوئی وہ آخرت کی رویت ہے اور اس اجماع کے منافی نہیں ہے جو (دنیا میں) رویت کے عدم وقوع پر ہوا ہے اور اس کو رویتِ دنیوی کہنا مجاز کے طور پر ہے اور ظاہر پر مبنی ہے: وَاللّٰهُ سُبْحَانَهٗ اَعْلَمُ بِحَقَائِقِ الْاُمُوْرِ كُلِّهَا (اور اللہ سبحانہٗ تمام کاموں کی حقیقتوں کو جانتا ہے)۔

ملا عبد القادر انبالوی[1] کی طرف صادر فرمایا —— اس بیان میں کہ احوال و مواجید عالمِ امر کا حصہ ہیں اور ان کے احوال کا علم عالمِ خلق کے احوال سے متعلق ہے۔ یہ معرفت (حضرت مجددؒ کی) سابقہ معرفت سے متعلق ہے بحقیقت معاملہ وہی ہے جو حضرت مخدوم زادہ کلاں (خواجہ محمد صادق علیہ الرحمۃ کے مکتوب ۲۶۰ میں طریقت کے بیان میں تحریر ہوا۔

جاننا چاہیئے کہ انسان مرکب ہے عالمِ خلق سے جو اس کا ظاہر ہے اور عالمِ امر سے جو اس کا باطن ہے۔ احوال و مواجید اور مشاہدات و تجلیات جو ابتدا اور وسط میں ظاہر ہوتے ہیں، انسان کے عالمِ امر کا حصہ ہیں، اور اسی طرح حیرت و نادانی اور عجز و یاس جو انتہا میں حاصل ہوتے ہیں وہ بھی عالمِ امر ہی کا حصہ ہیں جو کہ انسان کا باطن ہے اور ظاہر کے لئے (اس مصرع کے مصداق) حکم ہے مصراع

وَلِلْاَرْضِ مِنْ كَاْسِ الْكِرَامِ نَصِيْبٌ

حالاتِ واردہ کے قوی ہونے کے وقت اس ماجرے سے حصہ ملتا ہے، اگرچہ اس میں ثبات و استقامت نہیں ہے لیکن تھوڑا سا اس کا رنگ آ جاتا ہے اور اصل معاملہ کہ جس کا تعلق ظاہر سے ہے ان احوال کا علم ہے کیونکہ باطن کو احوال حاصل ہوتے ہیں لیکن ان احوال کا علم نہیں ہوتا۔ اگر ظاہر نہ ہوتا تو عقلِ تمیز کی راہ نہ کھلتی۔ مثالیہ صورتیں اور معارج و مقامات کا ظہور، ظاہری ادراک کے لئے ہے،

---

[1] آپ کے نام چار مکتوب ہیں، دفتر اول مکتوب ۲۸۴، دفتر دوم مکتوب ۵۶، ۹۴ - دفتر سوم مکتوب ۱۱۸ - مولانا عبد القادر انبالوی بن محمود پانی پتی ثم اجینی۔ آپ نے شیخ عبد الملک بن عبد الغفور پانی پتی سے جو آپ کے بنی اعمام میں سے تھے علم حاصل کیا پھر شیخ عبد الرزاق جھنجھانوی کے مرید ہوئے بعد ازاں حج و زیارت حرمین سے مشرف ہوئے صاحب تصانیف تھے سنہ ۱۰۱۱ھ اجین میں وفات پائی (نزہۃ الخواطر ج ۵ ص ۲۳۶) (یا کوئی اور صاحب ہیں)

لہذا احال باطن کے لئے ہے اور اس حال کا علم ظاہر کے لئے ـــــــــ اس بیان سے معلوم ہوا کہ وہ اولیاء جو صاحب علم ہیں اور وہ (اولیاء) جو علم سے بے بہرہ ہیں نفسِ حصولِ احوال میں کچھ بھی فرق نہیں رکھتے، اگر کچھ فرق ہے تو علم کی راہ سے اس کے احوال میں ہے اور (دوسرا گروہ احوال کا) علم نہ ہونے سے متعلق ہے ـــــــــ مثلاً ایک شخص جس پر بھوک کی حالت طاری ہے اور (بھوک کی وجہ سے) بے قرار و بے آرام ہے (اور ساتھ ہی وہ یہ بھی) جانتا ہے کہ اس حالت کو جوع (بھوک) کہتے ہیں۔ اور اسی طرح ایک دوسرا شخص ہے کہ اس پر بھی وہی حالت طاری ہے لیکن وہ اس حال کو نہیں جانتا کہ اس کو جوع سے تعبیر کرتے ہیں لہذا یہ دونوں شخص اس حالت کے حصول میں برابر ہیں مگر صرف علم اور عدم علم (جاننے اور نہ جاننے) میں فرق ہے۔

جاننا چاہئے کہ وہ جماعت جو علم نہیں رکھتی وہ ۲ دو قسم ہے، ایک وہ گروہ جو احوال کے نفسِ حصول کا بھی علم نہیں رکھتے اور نہ ہی ان کی تلوینات سے واقف ہیں، اور دوسرا گروہ وہ ہے جو احوال کی گوناگوں حالتوں کی خبر رکھتے ہیں لیکن وہ احوال کی تشخیص نہیں کر سکتے۔ یہ جماعت اگرچہ احوال کی تشخیص نہیں کر سکتی لیکن اربابِ علم کے زمرہ میں داخل ہے اور شیخت کے شایاں ہے، (یعنی شیخ بننے کے لائق ہے) ـــــــــ اور احوال کی تشخیص کرنا ہر شیخ کا کام نہیں بلکہ یہ دولت صدیوں گذر جانے کے بعد ظہور پذیر ہوتی ہے یہانتک کہ کسی ایک کو اس دولت سے نواز دیا جاتا ہے اور دوسروں کو اس کے علم کے حوالہ کر کے اس کا طفیلی بنا دیا جاتا ہے۔ (جس طرح کہ) انبیاء اولوا العزم صلوات اللہ تعالیٰ و تسلیماتہ علیہم بہت عرصہ گذر جانے کے بعد مبعوث ہوتے تھے اور ان میں سے ہر ایک اپنے اپنے مقامِ متمیزہ کے ساتھ مخصوص ہوتا تھا۔ اور دوسرے انبیاء علیہم الصلوات والتحیات ان کی پیروی کے ساتھ مامور ہوتے تھے اور دین کی دعوت میں انہی کے احکام پر اکتفا کرتے تھے۔ مصراع

خاص کند بندۂ مصلحتِ عام را

(عام کے فائدے کو خاص آیا)

والسلام

میر سید محب اللہ[1] مانکپوری کی طرف صادر فرمایا ـــــ سماع اور وجد و رقص کے احکام اور بعض ان معارف کے بیان میں جو روح سے تعلق رکھتے ہیں۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (شروع اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) ـــــ اللہ تعالیٰ تم کو سیدھے راستہ کی ہدایت دے اور ہدایت کے راستے پر چلائے ـــــ

جان لو کہ سماع اور وجد اس جماعت کے لئے مفید ہے جو تقلبِ احوال (جن کے احوال بدلتے رہتے ہیں) متصف ہیں اور وہ تبدیلیٔ اوقات کے ساتھ داغدار ہیں جو ایک وقت میں حاضر اور دوسرے وقت میں غائب ہو جاتے ہیں، یہ لوگ کبھی واجد (اپنے مقصود کو پانے والے) ہوتے ہیں اور کبھی فاقد (گم کرنے والے)، یہ لوگ "اربابِ قلوب" ہیں کہ تجلیاتِ صفاتیہ کے مقام میں ایک صفت سے دوسری صفت کی طرف اور ایک اسم سے دوسرے اسم کی طرف منتقل اور متحول (متبدل) ہوتے رہتے ہیں، تلوّنِ احوال ان کے وقت کی اصلی دولت ہے اور امیدوں کی پراگندگی ان کے مقام کا حاصل ہے، اور دوامِ حال ان کے حق میں محال ہے اور استمرارِ وقت (وقت کا ایک ہی کیفیت پر قائم رہنا) ان کے شایانِ شان نہیں، وہ ایک وقت حالتِ قبض میں ہوتے ہیں اور دوسرے وقت حالتِ بسط میں یعنی یہ لوگ ابن الوقت (وقت کے بیٹے) اور وقت کے مغلوب ہیں، کبھی عروج کرتے ہیں اور کبھی ہبوط (نیچے آجاتے ہیں)۔

(لیکن ان کے برعکس) "اربابِ تجلیاتِ ذاتیہ" جو مقامِ قلب سے کُلّی طور پر باہر آکر مقلبِ قلب (حق تعالیٰ) کے ساتھ وابستہ ہو گئے ہیں اور کلیتہً احوال کی غلامی سے نکل کر محولِ احوال (احوال کو تبدیل کرنے والے یعنی حق تعالیٰ) کی بارگاہ میں پہنچ گئے ہیں، یہ سماع و وجد کے محتاج نہیں ہیں، کیونکہ ان کا وقت دائمی ہے اور ان کا حال سرمدی ہے، نہیں، بلکہ ان کے لئے نہ وقت ہے اور نہ حال یہ لوگ ابو الوقت (وقت کے باپ) ہیں اور اصحابِ تمکین (اطمینان والے) ہیں اور یہ ایسے واصل ہیں جو رجوع سے قطعاً محفوظ ہیں اور نہ فقد ہے (یعنی ان سے ان کا مقصود گم نہیں ہو سکتا) لہٰذا جن کے لئے

[1] آپ کے نام دس مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ مکتوب ۲۷۲ پر گذر چکا ہے۔

فقد نہیں ان کے لئے وجد بھی نہیں ——— ہاں منتہیوں کی ایک قسم ایسی بھی ہے کہ باوجود استمرارِ وقت ان کے لئے سماع مفید ہے اس کا تفصیلی بیان انشاء اللہ تعالیٰ اس بحث کے آخر میں تحریر کیا جائے گا۔

اگر سوال کریں کہ حضرت رسالت خاتمیت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والتحیۃ نے فرمایا ہے: لِي مَعَ اللّٰهِ وَقْتٌ لَا يَسَعُنِي فِيهِ مَلَكٌ مُقَرَّبٌ وَلَا نَبِيٌّ مُرْسَلٌ[1] (میرے لئے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک ایسا وقت بھی ہے جس میں کوئی مقرب فرشتہ یا نبی مرسل کو دخل نہیں ہے) ——— اس حدیث سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ وقت دائمی نہیں ہوتا ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ اس حدیث کو اگر صحیح مان لیا جائے تو بعض مشائخ نے اس وقت سے مراد وقتِ مستمرہ لیا ہے یعنی لِي مَعَ اللّٰهِ وَقْتٌ مُسْتَمِرٌّ (مجھے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہمیشہ ایک ایسا وقت نصیب ہے) پس اس میں کوئی اشکال باقی نہیں رہا ——— دوسرا جواب یہ ہے کہ وقتِ مستمر میں کبھی کوئی کیفیتِ خاصہ حاصل ہو جاتی ہے تو ممکن ہے کہ وقت سے مراد وہ وقتِ نادر مراد ہو اور اس کیفیت کو نادرہ مراد لیں۔ اس صورت میں بھی اشکال زائل ہو جاتا ہے۔

اگر سوال کریں کہ ہو سکتا ہے کہ خوش آوازی اس کیفیتِ نادرہ کے حاصل کرنے میں دخل رکھتی ہو، لہٰذا منتہی بھی اس کیفیت کے حاصل کرنے کے لئے سماع کا محتاج ہو ——— تو اس کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ اس کیفیت کی حقیقت غالباً ادائے نماز کے دوران ہے اور اگر اتفاقاً نماز کے علاوہ بھی وہ کیفیت حاصل ہو جائے تو وہ بھی نماز کے ثمرات و نتائج میں سے ہے۔ ممکن ہے کہ حدیث شریف قُرَّةُ عَيْنِي فِي الصَّلٰوةِ[2] (میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں ہے) میں اسی کیفیتِ نادرہ کی طرف اشارہ ہو ——— ایک دوسری حدیث شریف میں وارد ہے: اَقْرَبُ مَا يَكُونُ الْعَبْدُ مِنَ الرَّبِّ فِي الصَّلٰوةِ[3] (بندہ کو اللہ تعالیٰ کا سب سے زیادہ قرب نماز میں حاصل ہوتا ہے) ——— اور اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے: وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ (علق ۹۶ آیت ۱۹) (اور سجدہ کر اور قریب ہو جا) ——— اس میں شک نہیں وہ تمام اوقات جن میں قربِ الٰہی جل شانہٗ زیادہ ہوتا ہے ان اوقات میں غیرِ حق کی گنجائش کی نفی بھی زیادہ ہوگی۔ جیسا کہ اس حدیث شریف اور آیتِ کریمہ سے بھی مفہوم ہوتا ہے کہ وہ وقت نماز میں ہے اور وقت کے استمرار اور وصل کے دوام پر مشائخ کا اتفاق ہے ——— ———

---

[1] یہ حدیث مکتوب ۹۹ دفترِ اول صفحہ ۲۷۵ پر گزر چکی ہے۔ [2] و [3] کی تحقیق و تخریج مکتوب ۲۶۰ و ۲۶۱ کے حاشیہ پر ملاحظہ ہو۔

(چنانچہ) حضرت ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں "جو شخص بھی واپس لوٹا وہ راستہ ہی سے واپس لوٹا اور جس کو وصل حاصل ہو گیا وہ واپس نہیں لوٹا" (آنرا کہ خبر شد خبرش باز نیامد)۔

اور "یادداشت" سے مراد جنابِ قدسِ خداوندی جل سلطانہٗ کے ساتھ دوامِ حضور ہے۔ طریقۂ حضرات خواجگانِ (نقشبندیہ) قدس اللہ تعالیٰ ارواحہم میں یہ امر مقرر ہے ــــــ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ دوامِ وقت سے انکار کرنا نارسائی کی علامت ہے۔ مشائخ کرامؒ کی ایک چھوٹی سی جماعت جیسے ابنِ عطا وغیرہ جو اس بات کے قائل ہیں کہ واصل کے لئے صفاتِ بشریت کی طرف رجوع کرنا جائز ہے۔ ان کی اس بات سے وقت کا دائمی نہ ہونا مفہوم ہوتا ہے۔ وہ جوازِ رجوع میں تو اختلاف رکھتے ہیں لیکن اس کے وقوع میں وہ بھی اختلاف نہیں کرتے، کیونکہ واصل کے لئے رجوع کا وقوع ممکن نہیں، جیسا کہ اربابِ طریقت پر مخفی نہیں ہے۔ لہٰذا مشائخِ کرامؒ کا واصل کے لئے عدمِ رجوع پر اجماع ثابت ہو گیا اور یہ بھی ثابت ہو گیا کہ بعض کا اختلاف صرف رجوع کے جواز میں ہے (نہ کہ اس کے وقوع میں) اس مضمون کو ذہن نشین کر لیں۔

منتہی حضرات میں سے ایک جماعت ایسی ہے کہ کمال کے درجات میں سے ایک درجے تک پہنچے اور جمالِ لایزال کے مشاہدہ حاصل ہونے کے بعد برودتِ قویہ (شدید سردی یعنی کامل تسکین) حاصل ہو جاتی ہے بلکہ پورے طور پر طمانیت حاصل ہو جاتی ہے جو ان کو منازلِ وصول تک عروج کرنے سے باز رکھتی ہے کیونکہ وصول کے منازل ابھی درپیش ہیں اور قرب کے مدارج کی انتہا ابھی منقطع نہیں ہوئی، لیکن اس ٹھنڈک اور طمانیت کے باوجود عروج کی رغبت رکھتے ہیں اور مطلوب کے کمالِ قرب کی جس کی آرزو رکھتے ہیں، ایسی حالت میں ان کے لئے سماع مفید اور حرارت بخش ہوتا ہے اور ایسے حضرات کو ہر وقت سماع کی مدد سے منازلِ قرب تک عروج میسر ہو جاتا ہے۔ اور تسکین حاصل ہونے کے بعد ان منازل سے نیچے آجاتے ہیں لیکن عروج کے مقامات کا رنگ ساتھ لاتے ہیں اور اس رنگ کے ساتھ رنگین ہو جاتے ہیں اور یہ وجد (پانا) فقد (نہ پانے) کے بعد نہیں ہے کیونکہ فقدان کے حق میں مفقود ہے بلکہ دوامِ وصل کے باوجود یہ وجد وصول کی منازل کی ترقی کے لئے ہے۔ منتہی اور واصلوں کے لئے سماع اور وجد اسی قسم کا ہے ــــــ ہاں فنا و بقا کے بعد ان کو اگرچہ جذبہ عطا ہوتا ہے لیکن چونکہ ٹھنڈک غالب ہو جاتی ہے اور صرف جذبہ منازلِ عروج کی ترقی حاصل کرنے میں کافی نہیں ہوتا اس لئے سماع کے محتاج ہو جاتے ہیں۔

اور مشائخ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم میں سے ایک اور گروہ ہے جن کے نفوس درجۂ ولایت کے وصول کے بعد مقامِ عبدیت میں نیچے اُتر آتے ہیں اور ان کی ارواح ان کے نفوس کی مزاحمت کے بغیر اپنے اصلی مقام میں جنابِ قدس کی طرف متوجہ رہتی ہیں اور ان کو ہر وقت نفسِ مطمئنہ کے مقام سے جو کہ مقامِ بندگی میں متمکن اور راسخ ہو چکا ہے ان کی روح کو مدد پہنچتی رہتی ہے اور روح کو اس امداد کی وجہ سے مطلوب کے ساتھ ایک خاص مناسبت پیدا ہو جاتی ہے۔ — ان بزرگواروں کا آرام و چین عبادات میں ہے اور ان کی تسکین بندگی و طاعات کے حقوق کی ادائیگی میں ہے، ان کی طبیعت میں عروج کا میلان کم ہے اور صعود (بلندی کی طرف چڑھنے) کا شوق بھی ان کے باطنوں میں قلیل ہے ابھی تک ان کی جبین شریعت کی متابعت کی وجہ سے روشن ہے اور سنت کی پیروی کے سرمہ سے ان کی بصیرت کی آنکھ سرگیں ہے، اسی لئے یہ حضرات حدید البصر (تیز نگاہ والے) ہوتے ہیں، یہ دُور سے وہ کچھ دیکھ لیتے ہیں جس کو نزدیک والے دیکھنے سے عاجز ہیں۔ اگرچہ ان لوگوں کا عروج کم ہے لیکن وہ نورانی ہیں جو اصل نور سے منور ہیں، اور اپنے مقام میں شانِ عظیم رکھتے ہیں اور جلیل القدر ہیں، ان کو سماع و وجد کی کچھ حاجت نہیں، ان کی عبادات ان کے لئے سماع کا کام کرتی ہیں اور اصل کی نورانیت عروج سے کفایت کرتی ہے۔ — اہلِ سماع و وجد کے مقلدوں کا ایک گروہ جو ان بزرگواروں کی عظیم شان سے واقف نہیں ہے وہ اپنے آپ کو عشاق میں سے سمجھتے ہیں اور ان کو زاہدوں میں سے جانتے ہیں، گویا یہ لوگ عشق و محبت کو رقص و وجد میں منحصر سمجھتے ہیں۔

اور منتہی حضرات میں سے ایک گروہ وہ ہے جو سیر الی اللہ کے راستوں کو طے کرنے اور بقا باللہ کے متحقق ہو جانے کے بعد جب ان کو جذبِ قوی عنایت فرما دیا جاتا ہے تو جذب و انجذاب کی رسی سے کشاں کشاں لے جاتے ہیں۔ ان لوگوں میں ٹھنڈک سرایت نہیں کر سکتی اور ان کی تسکین مقامِ عروج میں محال ہے اور یہ حضرات عروج میں عجیب و غریب امور کے محتاج نہیں ہوتے اور سماع و رقص کو ان کے خلوت خانہ کے تنگ کوچہ میں دخل نہیں ہے اور وجد و تواجد کا ان کے ساتھ کوئی سروکار نہیں۔ — یہ حضرات انجذابی عروج کے ساتھ ممکن الوصول مرتبہ کی آخری انتہا تک پہنچ جاتے ہیں اور آں سرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات والتحیات کی متابعت کی وجہ سے اس مقام سے جو کہ آں سرور علیہ الصلوٰۃ والتحیہ کے مقام کے ساتھ مخصوص ہے کچھ حصہ پا لیتے ہیں۔ اس قسم کا

وصول طائفۂ افراد کے ساتھ ہی مخصوص ہے، اقطاب کو بھی اس مقام سے کوئی حصہ حاصل نہیں ہے۔
اگر محض فضل ایزدی جل سلطانہٗ سے نہایت النہایت تک پہنچنے والے اس قسم کے واصل کو عالم
(دنیا) کی طرف واپس لوٹادیں اور طالبانِ حق کی تربیت اس کے حوالہ کردیں تو اس کا نفس بندگی کے
مقام میں نیچے آجاتا ہے اور اس کی روح نفس کی آمیزش کے بغیر جناب مقدس کی طرف متوجہ رہتی ہے
ایسا شخص کمالاتِ فردیت کا جامع اور تکمیلاتِ قطبیت کا حاوی (احاطہ کئے ہوئے) ہوتا ہے۔

اور یہاں قطب سے ہماری مراد قطبِ ارشاد ہے نہ کہ قطبِ اوتاد۔ اس کو مقاماتِ ظلّی کے علوم
اور مدارجِ اصلی کے معارف میسر ہیں، بلکہ اس مقام پر جہاں وہ ہوتا ہے وہاں نہ ظل ہے نہ اصل کیونکہ
اس کو ظل اور اصل سے بھی گذار دیا گیا ہے، ایسا (شخص) کامل و مکمل نہایت عزیز الوجود ہے، اگر بہت سے
زمانوں کے بعد بھی اس کا ظہور ہو جائے تب بھی غنیمت ہے، اس سے پورا جہان منور ہو جاتا ہے اور اس
کی نظر قلبی امراض کے لئے شفا بخش ہے اور اس کی توجہ سے ناپسندیدہ اور ردی اخلاق دُور ہو جاتے
ہیں، یہی وہ ہستی ہے جو عروج کے مدارج کو طے کر کے مقامِ بندگی میں اُتر آئی ہے اور عبادات کے ذریعہ
آرام و انس حاصل کر لیا ہے اور مقامِ عبدیت ہیں کہ جس سے بلند مقاماتِ ولایت میں سے کوئی اور مقام
نہیں ہے، اس طائفہ میں سے کسی ایک شخص کو منتخب کر کے مشرف کر دیتے ہیں اور منصبِ محبوبیت
کی قابلیت بھی اس کے لئے مسلم ہوتی ہے، ایسا شخص مرتبۂ ولایت کے تمام کمالات کا جامع ہوتا ہے
اور درجۂ دعوتِ (دینی) کے تمام مقامات سے جو کہ ولایتِ خاصہ اور کمالاتِ نبوت ہیں بہرہ مند ہوتا ہے۔
مختصر یہ کہ اس کی شان میں یہ مصرع صادق آتا ہے:۔

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری (تجھ میں تنہا ہیں سبھی کی خوبیاں)

اس بات کو ذہن نشین کر لو کہ مبتدی کے لئے سماع و وجد مضر (نقصان دہ) ہے اگرچہ
شرائط کے موافق ہی کیوں نہ ہو، اور اس کے عروج کے منافی ہے ——— سماع کی شرائط کا کچھ
حال انشاء اللہ تعالیٰ اس مکتوب کے آخر میں تحریر کیا جائے گا۔

اس (مبتدی) کا وجد علت کی وجہ سے ہے لہٰذا اس کا حال وبال ہے، اس کی حرکت طبعی ہے
اور اس کا تحرک ہوائے نفسانی سے مخلوط ہے۔ اور مبتدی سے میری مراد وہ شخص ہے جو اربابِ قلوب
میں سے نہیں ہے۔ اور "اربابِ قلوب" وہ حضرات ہیں جو مبتدی اور منتہی کے درمیانی مقام (متوسطان)

بس ہوتے ہیں۔ اور منتہی وہ ہے جو فانی فی اللہ اور باقی باللہ ہے اور وہی واصل کامل ہوتا ہے ــــ اور انتہا کے درجات بہت ہیں جو ایک دوسرے پر فوقیت رکھتے ہیں اور وصول کے مراتب بھی اسقدر ہیں کہ ان کا طے کرنا ابد الآباد تک ممکن نہیں ــــ مختصر یہ کہ سماع متوسطین (درمیانی درجہ) کے سالکوں کے لئے مفید ہے اور ایک قسم کے منتہیوں کے لئے بھی نافع ہے، جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے۔

لیکن جاننا چاہیئے کہ "ارباب قلوب" (متوسط حضرات) کے لئے بھی سماع کی مطلقاً حاجت نہیں ہے بلکہ (سماع) ان لوگوں کے لئے ہے جو جذب کی دولت سے مشرف نہیں ہوئے اور سخت مجاہدات و ریاضت کے ذریعے راہِ سلوک طے کرنا چاہتے ہیں، اس صورت میں اس جماعت کے لئے سماع و وجد ممد و معاون ہے، اور اگر اربابِ قلوب مجذوبوں میں سے ہیں تو ان کے سیر کی مسافت جذبے کی مدد سے طے ہو جاتی ہے لہٰذا وہ بھی سماع کے محتاج نہیں ہیں ـــــــــ اور نیز یہ بھی جاننا چاہیئے کہ غیر مجذوب اربابِ قلوب کے لئے بھی سماع مطلقاً طور پر نافع نہیں ہے بلکہ اس سے بہرہ مند ہونا شرائط کے ساتھ مشروط ہے وَبِدُوْنِهَا خَرْطُ الْقَتَادِ (اس کے علاوہ بے فائدہ رنج اٹھانا ہے) ـــ ـــ ـــــــ اور منجملہ ان شرائط کے ایک شرط یہ ہے کہ وہ اپنے کامل ہونے کا اعتقاد نہ رکھے اور اگر وہ اپنی کاملیت کا معتقد ہے تو اس کی ترقی محبوس (مقید) ہو گئی ــــــ ہاں سماع اس شخص کو بھی ایک قسم کا عروج بخشتا ہے لیکن تسکین کے بعد پھر اس مقام سے نیچے آجاتا ہے ــــــ اور باقی دوسری شرائط مستقیم الاحوال اکابرین کی کتابوں مثلاً "عوارف المعارف" وغیرہ میں واضح طور پر درج ہیں جن میں سے اکثر (شرائط) اس زمانے کے سماع سننے والوں میں مفقود ہیں، بلکہ اس قسم کا سماع و رقص جو اس زمانے میں رائج ہے اور اس قسم کے اجتماعات جو آجکل متعارف و مشہور ہیں بلاشبہ مضر محض اور منافی صرف (بالکل ممنوع) ہیں۔ سماع و رقص کے ذریعے عروج کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا اور روحانی ترقی بھی اس صورت میں متصور نہیں۔ سماع سے یہاں امداد و اعانت حاصل کرنا مفقود و معدوم ہے بلکہ نقصان اور منافات اس میں موجود ہیں۔

تنبیہ: اگرچہ بعض منتہی حضرات کے لئے بھی سماع و رقص درکار ہے لیکن چونکہ ان حضرات کو بھی عروج کے مراتب طے کرتے باقی ہیں لہٰذا وہ بھی متوسطین میں سے ہیں اور جب تک عروج کے تمام ممکن الحصول مراتب طے نہ کر لیں انتہا کی حقیقت ان سے مفقود ہے ــ اس کو نہایت کہنا سیر الی اللہ کی نہایت کے اعتبار سے ہے، اور اس سیر کی انتہا اس اسم تک ہے جو اس سالک کا مظہر ہے، اس کے بعد

اس اسم اور اس کے متعلقات میں سیر ہوتی ہے۔ اور جب اس اسم سے اور اس کے تمام متعلقات سے جیسے
اربابِ اسم پر منکشف ہوتے ہیں گزر کر حقیقی مسمیٰ کی طرف پہنچ جاتا ہے اور وہاں فنا و بقا پیدا کر لیتا ہے
تو اس وقت وہ منتہی حقیقی ہوتا ہے۔ اور فی الحقیقت سیر الی اللہ کی نہایت اسی صورت میں متحقق ہوتی ہے۔
——— (صوفیہ نے) نہایتِ اول کو بھی جس کی نہایت اسم تک ہی ہے اس کو سیر الی اللہ کی نہایت
سے اعتبار کیا ہے، اور اس فنا و بقا کے اعتبار سے جو اس مرتبہ میں حاصل ہوتی ہے ولایت کے اسم کا اس پر
اطلاق کیا ہے ——— اور یہ جو بعض کہتے ہیں کہ سیر فی اللہ کی کوئی نہایت نہیں ہے تو یہ (بات)
سیر بقا کے وقت میں ہے، عروج کے منازل طے کرنے کے بعد اس سیر (فی اللہ) کی بے نہایتی کے یہ معنی ہیں
کہ اگر سالک کی سیر اس اسم میں واقع ہو جائے اور وہ اس اسم کے مندرجہ شیونات کے ساتھ مفصل طور پر
متصف ہو جائے پھر بھی ہرگز اس کی نہایت تک نہیں پہنچ سکتا کیونکہ ہر اسم بے انتہا شیوناتِ مندرجہ پر مشتمل ہے۔
لیکن عروج کے وقت میں (کارکنانِ قضا و قدر) اگر چاہیں کہ اس کو اس اسم سے گذار دیں تو یہ ممکن ہے
کہ ایک ہی قدم میں (سالک) اس اسم کو طے کر لے اور نہایت النہایت تک پہنچ جائے اور اگر اسی جگہ مستہلک
(فنا) ہو جائے تو زہے شرافت، اور اگر مخلوق کی تربیت کے لئے اس کو واپس کر دیں تو زہے فضیلت

آپ یہ گمان نہ کریں کہ اس اسم کے ساتھ وصول ایک آسان کام ہے، (نہیں) جان جوکھوں میں
ڈالنی پڑتی ہے تب کہیں اس دولت سے مشرف فرماتے ہیں (دیکھیں) کس صاحبِ نصیب کو اس نعمتِ عظمیٰ
سے سرفراز کرتے ہیں ——— اور جس کو آپ تنزیہ و تقدیس خیال کرتے ہیں بہت ممکن ہے کہ وہ عینِ
تنقیص ہو ، بلکہ بہت سے مراتب جن کو آپ تنزیہ خیال کرتے ہیں وہ تو مقامِ روح سے بھی بہت نیچے
ہیں اور وہ تنزیہ بھی جس کو آپ عرش سے بھی بالاتر خیال کرتے ہیں، وہ بھی تشبیہ کے دائرے میں داخل ہے
اور وہ مکشوفِ منزہ، عالمِ ارواح میں سے ہے کیونکہ عرش تمام جہات کو محدد (گھیرے ہوئے) اور منتہائے ابعاد
(دوری کی انتہا) ہے۔ اور عالمِ ارواح، عالمِ جہات و ابعاد سے ماوراء ہے کیونکہ روح لامکانی ہے وہ مکان
میں نہیں سما سکتی۔ اور روح کو عرش کے اوپر ثابت کرنا اس وہم میں نہ ڈال دے کہ روح تجھ سے دور ہے
اور آپ کے اور روح کے درمیان دور دراز کی مسافت ہے، ایسا نہیں ہے بلکہ روح کو لامکانیت کے باوجود
تمام جگہوں کے ساتھ برابر کی نسبت ہے۔ ماوراءِ عرش کہنے کے دوسرے معنی ہیں اور جب تک
آپ وہاں تک نہ پہنچیں اس معنی کو نہیں سمجھ سکتے۔

صوفیہ کا ایک گروہ جو تنزیہِ روحی تک پہنچ چکے ہیں اور اس کو فوق العرش پایا ہے، انھوں نے اس کو تنزیہِ الٰہی جل شانہٗ تصور کرلیا ہے اور اس مقام کے علوم و معارف کو دقیق علوم میں سے کہا ہے، اور استوٰی کے سِرّ کو اس مقام میں حل کیا ہے، اور حق یہی ہے کہ وہ نور روح کا نور ہے ـــــــ اس فقیر کو بھی اس مقام کے حصول کے وقت اسی قسم کا شبہ پیدا ہوا تھا لیکن چونکہ عنایتِ خداوندی جل سلطانہ نے اس گرداب سے نکال دیا تو معلوم ہوا کہ وہ نور روح کا نور تھا نہ کہ جل سلطانہٗ کا نور۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰىنَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْلَاۤ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ (اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے ہم کو ہدایت عطا فرمائی اور اگر وہ ہم کو ہدایت نہ دیتا تو ہم کبھی ہدایت نہ پا سکتے) (اعراف آیت ۴۳) ـــــــ اور چونکہ روح لامکانی ہے اور بے چونی و بے چگونی کی صورت میں مخلوق ہے تو لازمی طور پر یہ بات شبہ میں ڈالتی ہے: وَاللّٰهُ يُحِقُّ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِی السَّبِيْلَ (اللہ تعالیٰ ہی حق کو ثابت کرتا ہے اور وہی سیدھے راستے کی طرف ہدایت دیتا ہے)۔

اور (صوفیوں کا) ایک گروہ جو فوق العرش سے "نورِ روح" کے ساتھ نیچے آتے ہیں اور اس کے ساتھ بقا پیدا کرلیتے ہیں وہ اپنے آپ کو تشبیہ و تنزیہ کے مابین جامع سمجھتے ہیں، اور اگر اس نور کو اپنے آپ سے جدا پاتے ہیں تو اس کو "فرق بعد الجمع" کا مقام تصور کرتے ہیں ـــــــ صوفیوں کے مغالطوں کی ایسی بہت سی مثالیں ہیں ـــ اللہ سبحانہٗ ہی ان مغالطوں اور دھوکوں سے بچانے والا ہے۔

جاننا چاہیے کہ روح اگرچہ عالمِ بے چون کی طرف نسبت رکھتی ہے لیکن بیچونِ حقیقی (حق جل وعلا) کی نسبت سے چون کے دائرہ میں داخل ہے گویا کہ وہ عالمِ چون اور جنابِ قدس بیچونِ حقیقی کے درمیان برزخ ہے، لہٰذا یہ دونوں طرف کے رنگ سے رنگین ہے اور اس میں دونوں اعتبار صحیح ہیں بخلاف بے چونِ حقیقی کے کہ اس کو چون کی خوشبو ہرگز نہیں پہنچ سکتی ـــــــ پس جب تک وہ (سالک) تمام مقاماتِ روح سے عروج نہ کرلے اس اسم تک نہیں پہنچ سکتا۔ لہٰذا اول تمام آسمانوں کے طبقات حتیٰ کہ عرش سے بھی گذر جانا چاہیے اور لوازمِ مکان سے مکمل طور پر باہر نکلنا چاہیے بعد ازاں عالمِ ارواح کی لامکانیت کے مراتب کو بھی طے کرنا چاہیے تب (سالک) اس اسم تک پہنچتا ہے ؎

خواجہ پندارد کہ مرد واصل است حاصلِ خواجہ بجز پندار نیست

(لوگ خود کو واصلِ حق جانتے وہ نہیں پندار کو پہچانتے)

پس وہ سبحانہٗ تعالیٰ وراء الوراء ہے ـــــــ اس عالمِ خلق کے اوپر عالمِ امر ہے اور عالمِ امر کے اوپر

اسماء و شیونات کے ظلی، اصلی، اجمالی اور تفصیلی مراتب ہیں، اور ان مراتبِ ظلی، اصلی، کوئی اجمالی اور تفصیلی کے مطلوبِ حقیقی کو تلاش کرنا چاہیئے۔ دیکھئے کس خوش نصیب کو اس جستجو سے نوازتے ہیں اور کس صاحبِ دولت کو اس سعادت سے مشرف فرماتے ہیں: ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ (جمعہ آیت ۴) (یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ بہت بڑے فضل والا ہے) ——— ہمت کو بلند رکھنا چاہیئے اور جو کچھ حاصل ہو جائے اس پر قناعت نہیں کرنی چاہیئے، اور اس (معبودِ حقیقی) کو وراء الوراء میں تلاش کرنا چاہیئے ؎

كَيْفَ الْوُصُوْلُ اِلٰى سُعَادَ وَدُوْنَهَا ... قُلَلُ الْجِبَالِ وَدُوْنَهُنَّ حُيُوْفُ

(ہائے پہنچوں کس طرح میں کوئے یار ... راہ میں ہیں پُرخطر کوہ اور غار)

تنبیہ آخر: دوامِ وصل اور استمرارِ وقت اس شخص کے لئے مسلّم ہے جو فنائے مطلق سے متحقق ہونے کے بعد بقا باللہ کے ساتھ مشرف ہو چکا ہو، اور اس کا علمِ حصولی علمِ حضوری میں تبدیل ہو گیا ہو۔ ہم اس بحث کو مندرجہ ذیل بیان سے واضح و لائح (روشن) کرتے ہیں:-

جاننا چاہیئے کہ ہر وہ علم جو عالم کو اپنی ذات کے ماسوی سے حاصل ہوتا ہے اس کے حصول کا طریقہ عالم کے ذہن میں معلوم کی صورت کا حاصل ہونا ہے، اس کو علمِ حصولی کہتے ہیں۔ اور جو علم صورت کے حصول کا محتاج نہیں ہوتا وہ عالم کی اپنی ذات کا علم ہے، یہ علمِ حضوری ہے، کیونکہ اس میں ذات بنفسہٖ عالم کے نزدیک حاضر ہے۔ اور علمِ حصولی میں جب تک معلوم کی صورت (ذہن میں) حاصل رہتی ہے تب تک عالم معلوم کی طرف متوجہ رہتا ہے اور جب وہ صورت ذہن سے زائل ہو گئی تو ذہن کی وہ توجہ بھی ختم ہو گئی، لہٰذا علمِ حصولی میں دوامِ توجہ از روئے عادت محال ہے بخلاف علمِ حضوری کے کہ اس میں معلوم سے غفلت غیر متصور ہے، کیونکہ اس علم کے تحقق کا منشا عالم کی ذات کا حضور ہے اور چونکہ یہ حضور دائمی ہے اس لئے ذات کا علم بھی دائمی ہوگا، لہٰذا اپنی ذات سے توجہ کا زوال ممکن نہیں، اور بقا باللہ میں علمِ حضوری ہے جس کا زوال متصور نہیں ہے ——— ایسا گمان نہ کریں کہ بقا باللہ سے مراد یہ ہے کہ اپنے آپ کو عینِ حق جانے جیسا کہ صوفیوں کے بعض گروہ نے اس کی تعبیر حق الیقین سے کی ہے۔ ایسا نہیں ہے بلکہ بقا باللہ جو فنائے مطلق کے بعد حاصل ہوتی ہے اس قسم کے علوم سے کوئی نسبت نہیں رکھتی ——— اور یہ حق الیقین جو کہ بعض (صوفیہ) نے کہا ہے اس بقا کے مناسب ہے جو حالتِ جذب میں

حاصل ہوتا ہے، (لیکن) وہ بقا جو ہمارا مقصود ہے وہ دوسری چیز ہے۔ ع

ذوقِ ایں مے نشناسی بخدا تا نچشی (جب تک نہیں پیوگے مزہ ہی نہ آئے گا)

لہٰذا استمرارِ توجہ اور دوامِ حضور بقا باللہ کی صورت میں ثابت ہوا، بقا باللہ کے ساتھ تحقق ہونے سے پہلے دوامِ حضور ممکن نہیں ہے، اگرچہ بہت سے صوفیا کو اس مقام پر پہنچنے سے پہلے ہی اس مقام کو حاصل کرنے کا وہم ہو جاتا ہے بالخصوص طریقۂ عالیہ نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم میں۔ لیکن حق بات وہی ہے جس کی میں نے تحقیق کی ہے اور درست وہی ہے جس کا مجھے الہام ہوا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے اور سب کی بازگشت اسی کی طرف ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ اَوَّلًا وَّاٰخِرًا وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ دَائِمًا وَّسَرْمَدًا۔

مکتوب ۲۸۶

دو صد و ہشتاد و ششم
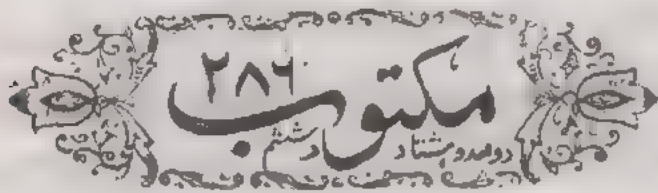
مولانا امان اللہ فقیہ[1] کی طرف صادر فرمایا ——— صحیح اعتقاد کے بارے میں جو اہلِ سنت و جماعت کی صائب رائے کے موافق کتاب و سنت سے ماخوذ ہے، اور اس جماعت کے رد میں جس نے اہلِ سنت و جماعت کے معتقدات کے خلاف سمجھا ہے یا اہلِ حق کے خلاف کشف سے معلوم کیا ہے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اَرْشَدَکَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَاَلْھَمَکَ سَوَاءَ الصِّرَاطِ (اللہ تعالیٰ آپ کو سیدھا راستہ دکھائے اور سیدھے راستے پر چلنے کی توفیق بخشے) ——— جاننا چاہئے کہ طریقِ سالک کی جملہ ضروریات میں سے ایک (چیز) "اعتقادِ صحیح" ہے، جس کو علمائے اہلِ سنت و جماعت نے کتاب و سنت اور آثارِ سلف (اقوال) سے استنباط فرمایا ہے اور کتاب و سنت کو ان معانی پر محمول رکھنا بھی ضروری ہے جن معانی کو تمام علمائے اہلِ حق یعنی اہلِ سنت و جماعت نے اس کو کتاب و سنت سے سمجھا ہے۔ اور اگر بالفرض کشف و الہام کے ساتھ ان معانی مفہومہ کے برخلاف کوئی امر ظاہر ہو تو اس کا کوئی اعتبار نہیں اور اس سے پناہ مانگنی چاہئے ——— مثلاً وہ آیات و احادیث جن کے ظاہر (الفاظ) سے توحیدِ وجودی کا

---

[1] آپ کے نام تین مکتوبات ہیں دفتر اول مکتوب ۲۸۶، ۳۰۱ دفتر سوم مکتوب ۲۰ — آپ حضرت مجددؒ کے خلفائے اجل میں سے ہیں۔ سنہ ۱۰۳۱ھ میں حج کا شوق ہوا تو پاپیادہ بغیر توشہ و زادِ راہ کے روانہ ہو گئے اور اسی بے سروسامانی کے ساتھ حجاز پہنچ گئے، حج کے بعد مدینہ منورہ تشریف لے گئے پھر مصر و شام گئے اور وہیں آپ کا انتقال ہو گیا۔

مفہوم سمجھا جاتا ہے، اسی طرح (جن آیات و احادیث سے) احاطہ و سریان اور قرب معیت ذاتیہ معلوم ہوتے ہیں جبکہ علمائے اہلِ حق نے ان آیات و احادیث سے یہ معنی نہیں سمجھے، تو اگر اثنائے راہ میں سالک پر یہ معانی منکشف ہو جائیں اور وہ سوائے ایک کے کسی کو موجود نہ پائے اور اس کو محیط بالذات جانے اور ازروئے ذات کے قریب جانے، اگرچہ وہ اس وقت غلبۂ حال اور سکرِ وقت کے باعث معذور ہے لیکن اس کو چاہئے کہ ہمیشہ حق تعالیٰ کی بارگاہ میں التجا و زاری کرتا رہے تاکہ اُس کو اس بھنور سے نکال کر جو امور کہ علمائے اہل حق کی آرائے صائبہ کے مطابق ہیں اس پر منکشف کرے اور ان کے معتقداتِ حقہ کے برخلاف سرِ مو ظاہر نہ کرے ——— غرض علمائے اہل حق کے معانی مفہومہ کو اپنے کشف کا مصداق اور اپنے الہام کی کسوٹی بنانا چاہئے کیونکہ وہ معانی جو ان کے مفہومہ معانی کے خلاف ہیں محلِ اعتبار سے ساقط ہیں اس لئے کہ ہر مبتدع (بدعتی) اور ضال (گمراہ) اپنے معتقدات کا مقتدا کتاب و سنت ہی کو جانتا ہے اور اپنی ناقص فہم کے موافق اسی (کتاب و سنت) سے معانی غیر مطابقہ سمجھ لیتا ہے یُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّيَهْدِىْ بِهٖ كَثِيْرًا (بقرہ آیت ۲۶) (اللہ تعالیٰ اس سے اکثر کو ہدایت دیتا ہے اور اکثر کو گمراہ کرتا ہے) ——— اور یہ جو میں نے کہا ہے کہ علمائے اہلِ حق کے معانی مفہومہ معتبر ہیں اور ان کے خلاف معتبر نہیں ہیں، وہ اس سبب سے کہا ہے کہ انھوں نے (یعنی علمائے حق نے) ان معانی کو آثارِ صحابہ و سلفِ صالحین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے تتبع اور اتباع سے اخذ کیا ہے، اور ان کے نجومِ ہدایت کے انوار سے اقتباس فرمایا ہے، اسی لئے نجاتِ ابدی (اخروی) انہی کے لئے مخصوص ہو گئی ہے اور فلاحِ سرمدی انہی کو نصیب ہوئی ہے، اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (مجادلہ آیت ۲۲) (یہ لوگ اللہ تعالیٰ کا گروہ ہیں خبردار! اللہ تعالیٰ کا گروہ ہی فلاح پانے والا ہے) ———

——— اور اگر بعض علما اپنے صحیح اعتقاد کے باوجود فرعیات (اعمال) میں سستی برتیں اور اعمال میں تقصیرات کے مرتکب ہوں تو اس بات سے مطلق علماء کا انکار کرنا اور سب (علماء) کو مطعون کرنا محض بے انصافی اور صرف مکابرہ (ہٹ دھرمی) ہے، بلکہ اس میں دین کی اکثر ضروریات کا انکار ہے، کیونکہ ان ضروریات کے ناقل اور ان کے کھوٹے کھرے کو پہچاننے والے یہی لوگ ہیں۔ اگر ان لوگوں کا نورِ ہدایت ہم تک نہ پہنچتا تو ہم کبھی ہدایت نہ پاتے، اور اگر یہ لوگ صواب کو خطا سے الگ نہ کر دیتے تو ہم گمراہ رہتے، یہی لوگ ہیں جنھوں نے اپنی ساری کوشش کو دینِ قویم کا کلمہ بلند کرنے میں صرف کر دی اور بکثرت لوگوں کو

صراطِ مستقیم پر چلایا، جس نے ان کی متابعت کی وہ بچ گیا اور نجات پا گیا، اور جس نے ان کی مخالفت کی وہ خود بھی گمراہ ہوا اور اس نے دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔

جاننا چاہئے کہ صوفیہ کے اعتقادات آخر کار تمام سلوک کے منازل طے کرنے اور ولایت کے اعلیٰ درجات حاصل کرنے کے بعد وہی اعتقادات ہوتے ہیں جو علمائے اہلِ حق کے ہیں۔ خلاصۂ کلام یہ کہ علماء کو ان (معتقدات کا حصول) نقل یا استدلال سے ہے اور صوفیہ کو کشف والہام کے ذریعہ۔ اگرچہ بعض صوفیہ کو اثناءِ راہِ سلوک میں وقتی سکر اور غلبۂ حال کی وجہ سے ان اعتقادات کے خلاف بعض امور ظاہر ہوتے ہیں، اگر ان کو ان مقامات سے گذار کر منزلِ مقصود تک پہنچا دیا جائے تو ان کی مخالفت ھَبَاءً مَّنْثُوْرًا (غبار کی طرح منتشر) ہو جاتی ہے۔ اور اگر اس کے باوجود کچھ مخالفت باقی رہ جائے تو بھی امید ہے کہ اس مخالفت پر گرفت نہیں کریں گے بلکہ اس کے لئے "مجتہد مخطی" کا حکم ہوگا، کیونکہ مجتہد نے استنباط میں غلطی کی اور صوفی نے کشف میں ——— اس گروہ کی بعض مخالفتوں میں سے ایک وحدتِ وجود اور احاطۂ قرب ومعیتِ ذاتی کا حکم ہے جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے۔

اور اسی طرح صفاتِ سبعہ یا ثمانیہ[1] کے وجود سے ان کا انکار ہے جو خارج میں ذات عز سلطانہٗ کے وجود پر زائد جانتے ہیں، حالانکہ علمائے اہلِ سنت (وجماعت) صفات کو موجود جانتے ہیں، اور خارج میں وجود ذات تعالیٰ پر ان کا زائد وجود تسلیم کرتے ہیں، یہ انکار اس وجہ سے پیدا ہوا کہ اس وقت ان کو صفات کے آئینہ میں ذات تعالیٰ وتقدس مشہود ہوتا ہے، اور یہ بات سب کو معلوم ہے کہ آئینہ دیکھنے والے کی نظر سے پوشیدہ ہوتا ہے لہٰذا اس پوشیدگی کے باعث خارج میں ان (صفات) کے عدم وجود کا حکم دیتے ہیں اور یہ گمان کرتے ہیں کہ اگر (صفات) موجود ہوتے تو مشہود بھی ہوتے، فَحَیْثُ لَاشُھُوْدَ لَاوُجُوْدَ (چونکہ شہود نہیں اس لئے وجود بھی نہیں) ——— اور علماء پر اس وجہ سے کہ انھوں نے صفات کے وجود کا حکم کیا ہے طعن کرتے ہیں بلکہ کفر اور دوئی تک کا حکم کرتے ہیں۔ اَعَاذَنَا اللہُ سُبْحَانَہٗ عَنِ الْجُرْأَتِ فِی الطَّعْنِ (اللہ سبحانہٗ کی پناہ ان کی اس جراءت طعن سے)۔

اور اگر ان (بعض صوفیہ) کو اس مقام سے ترقی ہو جاتی اور ان کا شہود اس پردہ سے باہر آ جاتا اور مرآتیت (آئینہ داری) کا حکم زائل ہو جاتا تو وہ صفات کو جدا دیکھتے اور ان کے انکار کا حکم نہ کرتے اور ان اکابر علماء کی طعن وتشنیع تک نوبت نہ پہنچتی ——— اور ان کی جملہ مخالفتوں میں سے ایک یہ ہے کہ

[1] وہ صفات یہ ہیں علم، قدرت، سمع، بصر، ارادہ، حیوٰۃ، کلام اور تکوین۔ البتہ تکوین میں اختلاف ہے اسی وجہ سے "صفاتِ سبعہ یا ثمانیہ" کہا گیا۔

یہ لوگ بعض ایسے امور کا حکم کرتے ہیں جو واجب تعالیٰ و تقدس کے ایجاب کو مستلزم ہیں، اگرچہ یہ لوگ (حق تعالیٰ پر) لفظ ایجاب کا اطلاق نہیں کرتے اور ارادہ کا اثبات ظاہر کرتے ہیں لیکن فی الحقیقت ارادہ کی نفی کرنے والے ہیں اور اس حکم میں تمام اہلِ ملل کے مخالف ہیں ـــــــ ان کے جملہ امور میں سے ایک حکم یہ ہے کہ حق سبحانہٗ و تعالیٰ اپنی قدرت کے ساتھ قادر ہے اس معنی میں کہ اِنْ شَاءَ فَعَلَ وَاِنْ لَّمْ یَشَاءْ لَمْ یَفْعَلْ (اگر چاہے تو کرے اور اگر نہ چاہے تو نہ کرے) ـــــ لیکن پہلی شرط کو وہ واجب الصدق (ضرور ایسا کرے گا) جانتے ہیں اور دوسری (شرط) کو ممتنع الصدق (یعنی ہرگز ایسا نہیں کریگا) اور یہ قول ایجاب سے متعلق ہے، بلکہ یہ قدرت کے اس معنی کا انکار ہے جو اہلِ ملل کے نزدیک مقرر و ثابت ہے۔ کیونکہ ان کے نزدیک قدرت کے معنی صحتِ فعل اور ترک (فعل) کے ہیں، اور ان کے قول کے مطابق وجوبِ فعل اور امتناعِ ترک (ترک کا منع کرنا) لازم آتا ہے، لہذا اس میں بہت فرق ہے کہاں یہ اور کہاں وہ۔

ـــــــ اس مسئلہ میں بعض صوفیہ کا مذہب حکماء کے مذہب کے عین مطابق ہے اور قضیۂ اولیٰ کو واجب الصدق (یعنی اللہ تعالیٰ ضرور کرے گا) اور دوسرے کو ممتنع الصدق (ہرگز ایسا نہیں کریگا) تسلیم کرتے ہوئے ارادہ کا اثبات کرنا اور اس اثبات کے ساتھ خود کو حکماء و فلاسفہ سے جدا کرنا کچھ مفید نہیں کیونکہ ارادہ کے معنی دو متساوی چیزوں میں سے ایک کی تخصیص کرنے کا نام ہے، پس جہاں تساوی اور مساوات نہیں ہے وہاں ارادہ بھی نہیں ہے۔ اور اس جگہ وجوب و امتناع کے درمیان تساوی و مساوات معدوم ہے۔ فافہم (پس جان لو)۔

اور ان جملہ امور (یعنی بعض صوفیہ کی مخالف باتوں) میں سے یہ ہے کہ یہ مسئلہ قضا و قدر کی تحقیق میں ایسی روش اختیار کرتے ہیں جو بظاہر ایجاب ہے اور اس بحث پر ان کی جملہ عبارتوں میں سے ایک عبارت یہ ہے کہ اَلْحَاکِمُ مَحْکُوْمٌ وَالْمَحْکُوْمُ حَاکِمٌ (یعنی حاکم محکوم ہے اور محکوم حاکم ہے) ایجاب سے قطع نظر کرکے حق سبحانہٗ و تعالیٰ کو کسی کا محکوم بنانا اور کسی کو اس پر حاکم مقرر کرنا بہت بڑی برائی ہے وَاِنَّهُمْ لَيَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا (مجادلہ آیت ۲) (اور وہ لوگ بلاشبہ ایک نامعقول اور جھوٹ بات کہتے ہیں) ـــــــ ان (صوفیہ) کی اس طرح کی مخالف باتوں کی اور بھی بہت مثالیں موجود ہیں۔ جیساکہ "بعَدَمِ اِمْكَانِ رُؤْيَةِ الْحَقِّ سُبْحَانَهٗ اِلَّا بِتَجَلِّيٍ صُوْرِيٍّ" (حق سبحانہٗ کی رویت کا امکان نہیں مگر تجلی صوری کی صورت میں) ـــــ اس قول سے بھی حق سبحانہٗ کی

رویت کا انکار لازم آتا ہے، کیونکہ وہ رویت جو تجلی صوری کی صورت میں انھوں نے تجویز کی ہے وہ حقیقت میں حق سبحانہٗ کی رویت نہیں ہے بلکہ شبہ و مثال کی قسم سے ہے ؎

یَرَاهُ الْمُؤْمِنُوْنَ بِغَیْرِ کَیْفٍ ۔۔۔ وَاِدْرَاکٍ وَّضَرْبٍ مِّنْ مِّثَالٍ

(جنتی کو دیدِ حق کی ہوگی سیر ۔۔۔ کیف و ادراک اور مثالوں کے بغیر)

اور ان کا یہ قول کہ "کاملین کی ارواح ازلی اور قدیم ہیں"۔ یہ قول بھی اہلِ اسلام کے مخالف ہے کیونکہ اہلِ اسلام کے نزدیک تمام عالم مع اپنے تمام اجزا کے حادث ہے، اور ارواح بھی جملہ عالم میں سے ہیں کیونکہ "عالم" تمام ماسوی اللہ کا نام ہے فافہم ــــــــــ لہذا سالک کو چاہئے کہ حقیقتِ کار حاصل ہونے سے پہلے اپنے تمام کشف و الہام کی مخالفت کے باوجود علمائے اہلِ حق کی تقلید کو اپنے اوپر لازم جانے اور علماء کو محق (حق بجانب) اور خود کو مخطی (خطا کرنے والا) جانے۔ کیونکہ علماء کی مستند (دلیل) انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی تقلید ہے جو وحی قطعی کے ساتھ مؤید ہے اور خطا و غلطی سے معصوم ہے اور (سالک کا) کشف و الہام وحی سے ثابت شدہ احکامِ الٰہی کی مخالفت کی وجہ سے سراسر خطا و غلط ہے۔ لہذا اپنے کشف کو علماء کے قول پر مقدم جاننا درحقیقت احکامِ قطعیہ منزلہ پر اپنے کشف و الہام کو مقدم جاننا ہے اور یہ عین گمراہی اور سراسر خسارہ ہے۔

اور جس طرح کتاب و سنت کے مطابق اعتقاد رکھنا ضروری ہے اسی طرح عمل بھی انہی تقاضوں کے مطابق کرنا چاہئے جو کہ ائمہ مجتہدین نے کتاب و سنت سے استنباط کرکے احکامِ شرعیہ حلال و حرام، فرض و واجب، سنت و مستحب اور مکروہ و مشتبہ کے احکام کا استخراج کیا ہے۔ ان احکام کا علم بھی ضروری ہے ــــــــــ اور مقلد کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ مجتہد کی رائے کے خلاف کتاب و سنت سے احکام اخذ کرے اور ان پر عمل کرے۔ (اس کو چاہئے کہ) عمل میں اس مجتہد کے مذہب سے جس کی وہ اتباع کرتا ہے قولِ مختار کو اختیار کرے اور رخصت سے پرہیز کرکے عزیمت پر عمل کرے اور جہاں تک ممکن ہو سکے مجتہدین کے اقوال کے جمع کرنے میں سعیٔ بلیغ کرے تاکہ متفق علیہ کے قول پر عمل واقع ہو ــــ مثلاً امام شافعیؒ وضو میں نیت کرنا فرض قرار دیتے ہیں تو چاہئے کہ بے نیت وضو نہ کرے ــــ اور اسی طرح (امام شافعیؒ وضو میں) اعضا کے دھونے میں ترتیب اور پے در پے (بغیر وقفہ کے) دھونے کو لازم جانتے ہیں، لہذا ترتیب و تواتر[1] کی رعایت کرنی چاہئے۔

---

[1] اس سلسلہ میں حضرت مجدد رح کا مکتوب ۳۱۲ دفتر اول ملاحظہ فرمائیں۔

(اسی طرح) امام مالکؒ اعضاء کے دھونے میں ملنے کو فرض قرار دیتے ہیں لہذا اعضاء کو ملنا بھی چاہئے ــــــــ اسی طرح وہ لمسِ نساء (عورتوں کو چھونا) اور مسِ ذکر کو وضو کا توڑنے والا کہتے ہیں، لہذا لمسِ نساء اور مسِ ذکر کے واقع ہونے کی صورت میں وضو کی تجدید (نئے سرے سے وضو) کرے علیٰ ہٰذا القیاس۔

ان اعتقادی (اعتقادِ صحیح) اور عملی (عمل صالح) کے دو بازو حاصل ہونے کے بعد قربِ ایزدی جل شانہٗ کے درجات کے عروج کی طرف متوجہ ہونا چاہئے، اور ظلمانی منازل کے قطع کرنے کا طالب اور مسالکِ نورانی کا سالک ہونا چاہئے۔

لیکن جاننا چاہئے کہ یہ منازل طے کرنا اور درجات کا عروج ایسے شیخ کامل کی توجہ سے وابستہ ہیں جو مکمل طور پر راہ دان (راستے کا جاننے والا) اور راہ بیں (راہ کا دیکھنے والا) اور راہ نما ہو، اس کی نظر قلبی امراض کے لئے شافی اور اس کی توجہ خراب و ناپسندیدہ اخلاق دفع کرنے والی ہے لہذا (طالب) سب سے پہلے شیخ (کامل) تلاش کرے، اگر محض فضلِ خداوندی جل شانہٗ سے شیخ تک پہنچ جائے تو شیخ کی معرفت و حصول کو نعمتِ عظمیٰ تصور کر کے اپنے آپ کو اس کا ملازم و خدمت گار بنالے اور مکمل طور پر اس کا مطیع ہو جائے ــــــــ شیخ الاسلام[1] ہروی فرماتے ہیں :ــــ

"الٰہی یہ کیا عجیب ماجرا ہے جو تو نے اپنے دوستوں کے ساتھ کیا ہوا ہے کہ جس نے ان کو پہچان لیا تجھ کو پالیا اور جب تک تجھ کو نہ پایا ان کو نہ پہچانا" ــــــــ اور اپنے اختیارات کو کلی طور پر شیخ کے اختیار میں گم کر دے اور اپنے آپ کو تمام مرادوں سے خالی کر کے اپنی ہمت کو اس کی خدمت میں صرف کرے، اور شیخ جو کچھ اس کو حکم فرمائے اس کو اپنی سعادت کا سرمایہ جان کر اس کی بجا آوری میں پوری کوشش کرے۔ شیخ مقتدا اگر اس کی قابلیت کے مطابق کوئی ذکر مناسب سمجھے گا تو اس کا حکم دے گا اور اگر توجہ و مراقبہ اس کے حال کے مناسب دیکھے گا تو اس کا اشارہ کرے گا، اور اگر صرف صحبت ہی میں رہنا کافی سمجھے گا تو اس کا حکم کرے گا ــــــــ مختصر یہ کہ شیخ کی صحبت حاصل ہونے کی صورت میں اس راہ کی شرائط میں سے کسی شرط کے تحت ذکر کرنے کی حاجت نہیں، شیخ جو کچھ بھی طالب کے حال کے مناسب سمجھے گا اس کا حکم کرے گا۔ اور اگر راہِ سلوک کی بعض شرائط میں سے کسی امر میں کوئی تقصیر یا کوتاہی واقع ہو جائے تو شیخ کی صحبت اس کمی کو پورا کر دے گی اور اس کی توجہ اس نقصان کی تلافی کر دے گی۔

---

[1] آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۱۰۶ کے حاشیہ پر گزر چکا ہے۔

اور اگر کوئی ایسے شیخ مقتدا کی شرفِ صحبت سے مشرف نہ ہو تو پھر اگر وہ (حق تعالیٰ کی) مرادوں میں سے ہے تو (کارکنانِ قضا و قدر) اس کو جذب کریں گے اور محض عنایتِ بے غایت سے اس کے کام کو پورا کر دیں گے، اور ہر وہ شرط و ادب جو اس کام میں درکار ہو گا اس (کو) خبردار کر دیں گے اور منازلِ سلوک کے قطع کرنے میں بعض اکابرین کی روحانیات کو اس کی راہ کا وسیلہ بنا دیں گے، کیونکہ عادت اللہ سبحانہٗ اسی طرح جاری و ساری ہے کہ راہِ سلوک کے طے کرنے میں مشائخ کی روحانیت کا واسطہ درکار ہوتا ہے ——— اور اگر وہ مریدوں میں سے ہے تو اس کا کام شیخ مقتدا کے وسیلہ کے بغیر خطرہ میں ہے جبتک کہ شیخ (کامل) نہ مل جائے اس کو چاہیئے کہ وہ ہمیشہ حق سبحانہ کی بارگاہ میں التجا و تضرع اور زاری کرتا رہے تاکہ اس کو شیخ مقتدا تک پہنچا دیں ——— نیز اس کو چاہیئے کہ راہِ سلوک کی شرائط کی رعایت کو اپنے اوپر لازم جانے۔ ان شرائط کا ذکر مشائخ کی کتابوں میں تفصیل سے موجود ہے وہاں ملاحظہ کر کے اس کی پوری پوری رعایت کریں۔

اس راہ کی سب سے عظیم ترین شرط نفس کی مخالفت ہے اور وہ مقامِ ورع و تقوی کی رعایت پر موقوف ہے جس سے مراد حرام چیزوں سے بچنا ہے۔ اور حرام چیزوں سے اس وقت تک نہیں بچ سکتے جبتک کہ ضرورت سے زیادہ مباحات سے پرہیز نہ کرے، کیونکہ مباحات کے ارتکاب میں (نفس کی لگام ڈھیلی رکھنا) مشکوک اشیاء تک پہنچا دیتا ہے، اور مشتبہ حرام کے نزدیک ہے (اس لئے) حرام میں مبتلا ہونے کا قوی احتمال ہے (حدیث شریف میں ہے) وَمَنْ حَامَ حَوْلَ الْحِمٰی یُوْشِكُ اَنْ یَّقَعَ فِیْهِ[1] (جو شخص چراگاہ کے ارد گرد پھرتا ہے اس کا اس میں داخل ہونے کا احتمال ہے) ——— لہذا محرمات (حرام چیزوں) سے اجتناب کرنا فضول مباحات سے بچنے پر موقوف ہوا۔ پس ورع و تقوی کے (حصول کے) لئے فضول مباحات سے بچنا بھی لازم ہوا، اور ترقی و عروج ورع (تقویٰ) پر وابستہ ہے۔

اس کا بیان یہ ہے کہ ہر اعمال کے دو جزو ہیں ایک امتثالِ امر (احکام کا بجا لانا) اور دوسرے انتہا از مناہی (منع کی ہوئی چیزوں سے پرہیز) ——— اوامر کی بجا آوری میں تو قدسیاں (فرشتے) بھی (انسان کے ساتھ) شریک ہیں، اگر صرف اوامر کی بجا آوری ہی سے ترقی واقع ہوتی تو قدسیوں (فرشتوں کے درجات میں) بھی ترقی واقع ہوتی (لیکن ان کے درجات میں ترقی نہیں ہوتی۔ اس سے معلوم ہوا کہ انسان کو

---

[1] بخاری و مسلم بروایت نعمان بن بشیر والحدیث طویل و ہذا لفظہ ۱۲ منہ

بھی صرف اوامر کی بجاآوری سے ترقی نہ ہوگی جبتک کہ وہ مناہی سے باز نہ رہے) اور فرشتوں کے لئے مناہی سے بچنے کا سوال ہی نہیں کیونکہ وہ فطرۃً (گناہوں سے) معصوم ہیں مخالفت کی مجال نہیں رکھتے کہ جس سے انھیں روکنے کی ضرورت پیش آئے ——— لہذا اس بات سے لازم آیا کہ ترقی سی جزو (دوم) پر وابستہ ہے اور یہ اجتناب سراسر نفس کی مخالفت ہے کیونکہ شریعت خواہش نفس کو دور کرنے اور ظلمانی رسومات کو دفع کرنے کے لئے وارد ہوئی ہے، کیونکہ نفس کی طبیعت کا تقاضا یا تو حرام کا ارتکاب ہے یا ایسے فضول کاموں کا اختیار کرنا ہے جو حرام تک پہنچادیتا ہے لہذا حرام اور فضول سے اجتناب عین مخالفت نفس ہے۔

اگر سوال کریں کہ اوامر کی بجاآوری میں بھی نفس کی مخالفت ہے کیونکہ نفس نہیں چاہتا کہ عبادات میں مشغول ہو، لہذا اوامر کی بجاآوری پر بھی ترقی ہونا لازم ہوا۔ اور چونکہ فرشتوں میں امتثال اوامر (احکام کی بجاآوری) کی مخالفت مفقود ہے اس لئے وہ ان کی ترقی کا سبب بھی نہیں۔ فالقیاس مع الفارق (لہذا یہ غلط بات پر قیاس کرنا ہے) ——— اس کا جواب یہ ہے کہ عبادات کی ادائیگی میں نفس کا راضی نہ ہونا اس وجہ سے ہے کہ وہ اپنی فراغت و آرام کا خواہاں ہے، وہ نہیں چاہتا کہ اپنے آپ کو کسی چیز سے مقید کرے اور یہ فراغت اور عدم تقید (پابندی قبول نہ کرنا) بھی حرام یا فضول کاموں میں داخل ہے۔ لہذا اوامر کے بجالانے میں بھی نفس امارہ کی مخالفت اس حرام یا فضول سے اجتناب کی وجہ سے ہے نہ کہ محض اوامر کی ادائیگی کی بنا پر، کیونکہ یہ چیز ملائکہ کو بھی حاصل ہے۔ پس یہ قیاس صحیح ہے — لہذا ہر وہ طریقہ جس میں نفس کی مخالفت زیادہ ہو وہ (حق تعالیٰ تک پہنچاتے ہیں) سب طریقوں سے اقرب (زیادہ قریب) ہے ——— اور اس میں کچھ شک نہیں کہ نفس کی مخالفت کی رعایت تمام طریقوں سے زیادہ سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ میں ہے کیونکہ ان (نقشبندیہ) بزرگوں نے عزیمت پر عمل کیا ہے اور رخصت سے اجتناب کرتے ہیں۔ اور یہ بات معلوم ہے کہ عزیمت میں ہر دو جزو یعنی حرام اور فضول کے پرہیز کی رعایت کی گئی ہے بخلاف رخصت کے جس میں صرف حرام سے اجتناب کیا گیا ہے۔

اور اگر یہ کہا جائے کہ ہوسکتا ہے کہ باقی دوسرے طریقوں نے بھی عزیمت کو اختیار کیا ہو — تو اس کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ اکثر طریقوں میں سماع و رقص (جائز) ہے، جس میں بڑے حیلے اور تکلف کے بعد صرف رخصت تک نوبت پہنچتی ہے اس میں عزیمت کی کیا مجال ہے۔ ———

اور اسی طرح ذکرِ جہر ہے کہ اس میں بھی رخصت سے زیادہ کوئی چیز تصور نہیں کی جا سکتی ۔

——— اور اسی طرح دوسرے مشائخ کے سلاسل نے بھی اپنے اپنے طریقوں میں نیک نیتی کے ساتھ امورِ محدثہ (نئے نئے کام) پیدا کئے ہیں کہ جن کی درستگی کی انتہا صرف رخصت تک ہے، بخلاف اس سلسلۂ عالیہ کے اکابرین کے انھوں نے بال برابر بھی سنت کی مخالفت تجویز نہیں کی، اور ابداع و احداث (اپنی طرف سے نئی چیز لانا اور پیدا کرنا) روا نہیں رکھا ——— لہذا اس طریقے میں نفس کی مخالفت بدرجۂ اتم موجود ہے اور یہ طریقہ سب طریقوں سے قریب ترین ہے، اس لئے طالب کو اس طریقے کا اختیار کرنا اولیٰ و انسب ہے کیونکہ یہ راستہ نہایت ہی قریب کا ہے، اور ان بزرگوں کا مطلب کمال رفعت میں ہے اور ان کے خلفائے متاخرین کی ایک جماعت نے ان بزرگوں کے اوضاع و اطوار کو ترک کر کے بعض ایسے نئے نئے امور جیسے سماع و رقص اور (ذکر) جہر اختیار کر لئے ہیں، اس کی وجہ عدمِ وصول ہے، یہ لوگ اس بزرگ خاندان کے اکابرین کی نیتوں کی حقیقت تک نہیں پہنچے اور خیال کر بیٹھے ہیں کہ ان محدثات و بدعات (نئی نئی باتوں اور بدعتوں) سے اس طریقے کی تکمیل و تتمیم کر رہے ہیں، اور یہ نہیں سمجھتے کہ اس طرح سے وہ (طریقہ کو) خراب اور ضائع کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ وَاللّٰہُ یُحِقُّ الْحَقَّ وَھُوَ یَھْدِی السَّبِیْلَ (اللہ تعالیٰ ہی حق کو ثابت کرتا ہے اور وہی سیدھے راستے کی طرف ہدایت دیتا ہے)۔
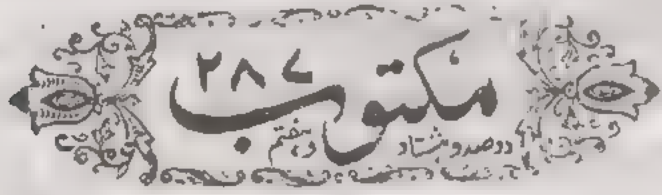
حقائق آگاہ حضرت مجددؒ کے برادرِ حقیقی میاں غلام محمدؐ[1] کی طرف صادر فرمایا ——— جذبہ و سلوک اور ان معارف کے بیان میں جو ان دونوں مقاموں کے مناسب ہیں۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ ھَدٰنَا لِھٰذَا وَمَا کُنَّا لِنَھْتَدِیَ لَوْلَآ اَنْ ھَدٰنَا اللّٰہُ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ وَخَتَمَھُمْ بِاَفْضَلِھِمْ وَاَکْمَلِھِمْ مُحَمَّدِنِ الَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ صَلَوَاتُ اللّٰہِ سُبْحَانَہٗ وَبَرَکَاتُہٗ وَتَحِیَّاتُہٗ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَعَلَیْھِمْ وَعَلٰی مَنْ تَابَعَھُمْ

---

[1] آپ حضرت مجدد صاحبؒ کے چھوٹے بھائی ہیں، آپ کے نام دو مکتوبات ہیں ایک تو یہی اور دوسرا دفتر دوم مکتوب ۱۲، آپ کے حالات تو معلوم نہ ہو سکے البتہ مکتوبات سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ بھی حضرت مجددؒ کے خلفا یا مریدوں میں سے تھے۔

اَجْمَعِیْنَ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ اٰمِیْن (تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے ہمیں ہدایت دی اگر وہ ہم کو ہدایت نہ دیتا تو ہم کبھی ہدایت نہ پاتے، بیشک ہمارے رب کے رسول حق بات لے کر آئے اور ان میں کے افضل و اکمل حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جو صدق کے ساتھ تشریف لائے سلسلۂ رسالت کو ختم کیا، اور اللہ سبحانہٗ کی صلوات و برکات اور تحیات آپ پر اور آپ کی آل اور ان سب پر جو آپ کی اتباع کریں۔ آمین)۔

جیسا کہ دیکھا گیا ہے کہ طالبانِ طریقت اپنی کم ہمتی، پست فطرتی اور شیخ کامل و مکمل کی نایابی کی وجہ سے (راہِ سلوک کا) طویل راستہ اور بلند مطلب کو مختصر راستے اور پست مقصد میں پڑ کر نیچے لے آئے ہیں اور ان کو اس راہ میں جو کچھ بھی حقیر اور معمولی چیز میسر آئی اسی پر اکتفا کر لی اور اسی کو اپنا مقصد سمجھ بیٹھے اور اس کے حاصل ہو جانے پر خود کو کامل اور منتہی خیال کر لیا، اور وہ احوال جو منتہیانِ راہ اور واصلانِ درگاہ نے اپنے انجامِ کار اور نہایتِ روزگار کی وجہ سے بیان فرمائے ہیں یہ پست فطرت جماعت اپنی قوتِ متخیلہ کے غلبہ کی وجہ سے ان کے کامل احوال کو اپنے ناقص احوال پر ڈھالنے کی کوشش کرتے ہیں، یہ تو ایسا قصہ ہے جیسے ع

بخواب اندر مگر موشے شتر شد (خواب میں چوہا بنا ہے اونٹ کیا)

انھوں نے بحرِ عمیق سے ایک قطرہ بلکہ قطرہ کے مانند دریائے عمان سے ایک بوند یا اس بوند کی صورت پر قناعت کر لی ہے اور چون کو بے چون تصور کر کے بے چون سے ہٹ کر چون پر آرام و اکتفا کر بیٹھے ہیں، اور مانند کو بے مانند (یعنی مثل کو بے مثل) خیال کر کے بے مانند سے ہٹ کر مانند پر فریفتہ ہو گئے ہیں (بخلاف) اس جماعت کے جس کا حال یہ ہے کہ تقلید کی وجہ سے بے مانند (بے چون) ذات پر ایمان لائے ہیں اور بے مانند (بے مثل) ذات کے گرویدہ ہو گئے ہیں۔ وہ ان ناتمام طالبانِ سلوک کے احوال سے اور سراب کے ساتھ آرام حاصل کرنے والوں کے حالات سے مرتبہ میں کئی درجے بہتر ہیں۔ محق اور مُبطِل (حق اور باطل) اور مُصیب اور مُخطی (صحیح اور خطاکار) کے درمیان بہت بڑا فرق ہے ——

—— اور ان طالبوں پر جو ابھی مطلب و مقصد تک نہیں پہنچے اور جو حادث کو قدیم جانتے ہیں اور چون کو بے چون خیال کرتے ہیں اگر ان کے کشفِ غیر صحیح (غلط) پر معذور نہ رکھا گیا اور ان کی اس خطا و غلطی پر مؤاخذہ کیا گیا تو ان کے حال پر بہت افسوس ہے۔ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِیْنَا اَوْ اَخْطَأْنَا (بقرہ پ ۲۸۶) (اے ہمارے رب تو ہماری بھول اور خطا پر مؤاخذہ نہ کرنا)۔

مثلاً ایک شخص (طالب نارسیدہ) کعبۂ (معظمہ) کا طالب ہوا اور شوق کے ساتھ اس تک پہنچنے کے لئے روانہ ہوا۔ اتفاقاً سفر کے دوران خانۂ کعبہ جیسا ایک مکان اس کو نظر آیا کیونکہ وہ (مکان) صرف صورت میں (خانۂ کعبہ کے) مشابہ تھا اس لئے اس شخص نے خیال کیا کہ یہی کعبہ ہے لہٰذا اسی جگہ معتکف ہو گیا ——— ایک اور دوسرے شخص نے کعبہ کی خصوصیات کو واصلانِ کعبہ (کعبۂ معظمہ کی زیارت سے مشرف شدہ حضرات) سے دریافت کرکے کعبہ کی تحقیق و تصدیق کی۔ اس شخص نے اگرچہ کعبہ کے راستے کی طلب میں ایک قدم بھی نہیں اٹھایا لیکن اس نے غیر کعبہ کو کعبہ نہیں سمجھا یہ شخص اپنی تصدیق میں سچا ہے۔ اس کا حال اس خطا کار مذکورہ طالب سے بہتر ہے ——— ہاں اس طالب کا حال جو ابھی مطلب تک نہیں پہنچا لیکن غیر مطلب کو مطلب نہیں سمجھا (یعنی اصل مقصد کو نہیں چھوڑا) اس مقلدِ محق کے حال سے جس نے مطلب کے راستے میں ایک قدم بھی نہیں اٹھایا بہتر ہے، کیونکہ اس نے مطلوب کی صحیح تصدیق کے باوجود مطلوب کی طرف کچھ نہ کچھ حصہ بھی قطع کر لیا ہے لہٰذا زیادتی (فضیلت) اس کے لئے متحقق و ثابت ہو گئی ——— اور ان میں سے ایک گروہ نے اس خیالی کمال اور وہمی وصال کی بنیاد پر اپنے آپ کو پیری کی مسند اور مخلوق کی پیشوائی کے لئے منتخب کیا ہے اور اپنے نقصان کی وجہ سے بہت سے کمالات کی استعداد رکھنے والے لوگوں کی استعداد کو ضائع کر دیا ہے، اور اپنی صحبت کی ٹھنڈک کی بدقسمتی کی وجہ سے طالبوں کی طلب کی گرمی ضائع کر رہے ہیں: ضَلُّوْا فَاَضَلُّوْا ضَاعُوْا فَاَضَاعُوْا (خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا، خود بھی ضائع ہوئے اور دوسروں کو بھی ضائع کیا)۔

——— کمال کا یہ تخیل اور وصال کا یہ وہم سالکانِ بجذبِ نارسیدہ کی نسبت مجذوبانِ سلوک ناکردہ میں زیادہ ہوتا ہے کیونکہ مبتدی اور منتہی جذب کی صورت میں ایک دوسرے کے شریک ہیں اور بظاہر عشق و محبت میں مساوی ہیں، اگرچہ حقیقت میں وہ ایک دوسرے سے کچھ بھی مناسبت نہیں رکھتے اور ان کے احوال بھی ایک دوسرے سے جدا ہیں۔ ع

چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک (کہاں خاک اور کہاں ہے عالمِ پاک)

ابتدا میں جو کچھ ہے وہ معلول ہے (یعنی علت اور نقص سے خالی نہیں) اور غرض پر محمول ہے اور انتہا میں چونکہ وہ حق کے ساتھ ہوتا ہے اس لئے سب کچھ حق کے لئے ہوتا ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ اس بیان کی تفصیل عنقریب ذکر کی جائے گی ——— یہ صوری مشابہت اور یہ ظاہری مناسبت اسی خیال کی وجہ ہوتی ہے۔

اور چونکہ طریقہ عالیہ نقشبندیہ میں جذبہ، سلوک پر مقدم ہے اس لئے اس طریقے کے مجذوبوں کو جو سلوک کی دولت سے مشرف نہیں ہوئے ان کو اس قسم کا خیال اور اس طرح کا وہم بہت زیادہ لاحق ہوتا ہے ـــــ اور ان میں سے ایک جماعت جس کو مقامِ جذبہ میں منقلب احوال حاصل ہو جاتے ہیں اور ایک حال سے دوسرے حال کی طرف چلے جاتے ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ سلوک کی منازل قطع ہو گئیں اور سیر الی اللہ کے راستے طے ہو چکے ہیں۔ اور ان تبدیلیوں سے وہ اپنے آپ کو مجذوب سالک خیال کر بیٹھے ہیں اس لئے خاطر فاتر (فتور والے دل) میں آیا کہ جذبہ وسلوک کی حقیقت کے بیان میں اور ان دونوں مقاموں کے فرق کے بیان میں چند فقرے لکھے جائیں۔ نیز وہ خاصیتیں بھی لکھی جائیں جو ایک کو دوسرے سے ممتاز کرتی ہیں اور جذبِ بتدی اور جذبِ منتہی کے درمیان فرق اور مقامِ تکمیل وارشاد کی حقیقت اور دوسرے علوم جو اس مقام کے مناسب ہیں بیان کئے جائیں: لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُونَ (انفال آیت) (تاکہ حق کا حق ہونا اور باطل کا باطل ہونا ثابت کر دے اگرچہ مجرم ناراض ہوں) ـــــ اب میں حق سبحانہٗ کی حسنِ توفیق سے اس بیان کو شروع کرتا ہوں اور وہی سبحانہٗ سیدھے راستے کی ہدایت دیتا ہے اور وہی سب سے اچھا کارساز ہے اور سب سے اچھا وکیل ہے)۔

یہ مکتوب دو مقاصد اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے: مقصدِ اول میں ان معارف کا بیان ہے جو مقامِ جذبہ سے متعلق ہیں اور مقصدِ ثانی میں ان معارف کا بیان ہے جن کا مقامِ سلوک سے تعلق ہے اور خاتمہ میں ان بعض متفرق علوم ومعارف کا ذکر ہے جن کا جاننا طالبوں کے لئے کثیر المنفعت ہے۔

مقصدِ اول:۔ جاننا چاہئے کہ وہ مجذوب جنھوں نے سلوک کو مکمل طور پر طے نہیں کیا اگرچہ جذبِ قوی رکھتے ہوں اور خواہ کسی راہ سے بھی منجذب (جذب حاصل کئے ہوئے) ہوں وہ اربابِ قلوب کے گروہ میں داخل ہیں کیونکہ بغیر سلوک اور تزکیۂ نفس کے وہ مقامِ قلب سے آگے نہیں گذر سکتے اور مقلبِ قلب (یعنی حق تعالیٰ) تک نہیں پہنچ سکتے، ان کا جذب انجذابِ قلبی ہے اور ان کی محبت عرضی ہے ذاتی نہیں، عرضی ہے اصلی نہیں۔ کیونکہ نفس اس مقام میں روح کے ساتھ ملا ہوا ہے اور ظلمت اور نور اس معاملہ میں مخلوط ہیں، اور جب تک روح مطلوب کی طرف توجہ کرنے کے لئے نفس سے مجرد اور آزاد نہ ہو جائے اور نفس روح سے جدا ہو کر بندگی کے مقام میں نیچے نہ آجائے اس وقت تک مقامِ قلب کی تنگی سے مکمل طور پر نہیں نکل سکتے اور مقلبِ قلب تک نہیں پہنچ سکتے،

اور مطلوب کی طرف روحی انجذاب حاصل نہیں کر سکتے۔ کیونکہ جبتک یہ دونوں (نفس و روح) حقیقت میں جمع ہیں، حقیقتِ جامعۂ قلبیہ محکم اور غالب ہے، خالص روح کا انجذاب متصور نہیں اور روح کا نفس سے خلاصی پانا سلوک کی منازل کو طے کرنے اور سیر الی اللہ کے راستے طے کرنے اور سیر فی اللہ سے متحقق ہونے کے بعد بلکہ فرق بعد الجمع کا مقام حاصل ہونے کے بعد جس کا تعلق سیر عن اللہ باللہ سے ہے صورت پذیر نہیں ہوتا (یعنی روح نفس سے آزادی حاصل نہیں کر سکتی) ؎

ہر گدائے مرد میداں کے شود　　پشۂ آخر سلیماں کے شود

(ہر گدا کب مردِ میداں ہو سکے　　کوئی مچھر کب سلیماںؑ ہو سکے؟)

پس اس بیان سے جذبِ منتہی اور جذبِ مبتدی کے درمیان فرق ظاہر ہو گیا۔

ان ارباب قلوب مجذوبوں کا شہود کثرت کے پردے میں ہے، خواہ وہ اس معنی (باطنی کیفیت) کو معلوم کریں یا نہ کریں، اور ان کا مشہود اس عالم کثرت میں نہیں مگر عالم ارواح میں جو لطافت احاطہ اور سریان میں اپنے موجد (یعنی حق جل وعلا) کے ساتھ صورتاً مشابہت رکھتا ہے: اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ (بیشک اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا) ——— اور اس مناسبت کے ساتھ روح کے شہود کو حق تعالیٰ و تقدس کا شہود جانتے ہیں، اور احاطہ و سریان اور قرب و معیت بھی اسی قیاس پر ہیں، کیونکہ سالک کی نظر صرف مقامِ فوق تک عبور کر سکتی ہے مقامِ فوقِ فوق تک نہیں جا سکتی، اور ان کا مقامِ فوق مقامِ روح ہے، لہذا ان کی نظر مقامِ روح سے بالا نہیں جا سکتی اور ان کا مشہود سوائے روح کے کوئی اور امر نہیں ہوتا، نظر کا فوقِ روح تک جانا مقامِ روح تک پہنچنے پر موقوف ہے ——— اور محبت و انجذاب بھی اسی شہود کی طرح ہیں، حق سبحانہ کا شہود بلکہ جناب قدسِ خداوندی کی محبت و انجذاب کا پیدا ہونا فنا کے حصول کے ساتھ وابستہ ہے جس کو سیر الی اللہ کی نہایت سے تعبیر کرتے ہیں ؎

ہیچ کس را تا نہ گردد او فنا　　نیست رہ در بارگاہ کبریا

(جب تک انساں کر نہ لے خود کو فنا　　کیسے پائے بارگاہِ کبریا)

اس مقام میں شہود کا اطلاق میدانِ عبارت کی تنگی کے باعث ہے ورنہ ان بزرگوں کا کارخانہ شہود کے وراء الوراء ہے متعارف و مشہور ہے جیسا کہ ان کا مقصد بے چون و بے چگونہ ہے اور ان کا

اتصال بھی اس پاک سبحانہٗ کے ساتھ بے چون و بے چگونہ ہے کیونکہ چون کو بے چون کی طرف کوئی راہ نہیں۔
لَا یَحْمِلُ عَطَایَا الْمَلِکِ اِلَّا مَطَایَاہُ (بادشاہوں کے عطیات کو بادشاہوں کی سواریاں ہی اٹھا سکتی ہیں)۔

اتصالے بے تکیف بے قیاس هست رب الناس را باجانِ ناس
(ربِّ انساں سے اتّصالِ بشر کیفیت اس کی کیا ہے؟ کس کو خبر؟)

محققین اربابِ سلوک کے نزدیک جو نہایت کار تک پہنچ چکے ہیں حق سبحانہٗ کا احاطہ و سریان اور قرب و معیت ایک علمی ہے جیسا کہ علمائے اہلِ حق شکر اللہ تعالیٰ سعیہم کا مسلک ہے، قربِ ذاتی اور اسی طرح کی دوسری باتوں کا حکم کرنا ان کے نزدیک بے حاصلی اور دوری کے مترادف ہے، نزدیک والے حضرات قربِ ذاتی کا حکم نہیں کرتے ———— ایک بزرگ فرماتے ہیں" جو یہ کہتا ہے کہ میں (حق تعالیٰ کے) نزدیک ہوں حقیقت میں وہ دور ہے اور جو اپنے آپ کو دور سمجھتا ہے وہ نزدیک ہے، تصوف یہی ہے"———— اور وہ علم جو توحیدِ وجودی کے ساتھ متعلق ہے اس کا مقصد انجذاب اور محبتِ قلبی پیدا کرنا ہے۔ اربابِ قلوب جنھوں نے جذبہ پیدا نہیں کیا اور سلوک کے راستے سے منازل قطع کر رہے ہوں ان کے لئے یہ علم مناسبت نہیں رکھتا ———— اور اسی طرح وہ مجذوب جو سلوک کے ساتھ اپنے قلب کی تمام توجہ مقلبِ قلب (حق تعالیٰ) کی طرف کئے ہوئے ہیں وہ بھی ان علوم سے برائت کا اظہار کرتے اور استغفار کرتے ہیں ————
بعض مجذوب ایسے بھی ہوتے ہیں جو اگرچہ سلوک کے راستے سے آتے ہیں اور منازل طے کرتے ہیں لیکن ان کی نظر مقامِ مالوف (مانوس مقام) سے جدا نہیں ہوتی اور وہ فوق کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ اس قسم کے علوم ان کے دامن کو نہیں چھوڑتے اور وہ اس گرداب (بھنور) سے باہر نہیں آسکتے، لہٰذا مدارجِ قرب پر عروج کرنے اور معارجِ قدس میں صعود کرنے میں قاصر اور لنگڑے رہتے ہیں ———
رَبَّنَا اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا (نساء آیت ۷۵) (اے رب ہم کو اس بستی سے نکال جس کے رہنے والے ظالم ہیں اور ہمارے لئے اپنے پاس سے کوئی ولی مقرر کر اور ہمارے لئے اپنے پاس سے مددگار بھیج)۔

(سالک کا) ان علوم سے تبرّی (بیزار ہونا) مطلب کی نہایت کے وصول ہونے کی علامت ہے کیونکہ جس قدر تنزیہ و تزکیہ کے ساتھ زیادہ مناسبت پیدا ہوگی عالم کی اپنے صانع کے ساتھ

بے مناسبتی زیادہ ہوتی جائے گی۔ اس حالت میں عالم کو صانع کا عین جاننا یا صانع کو عالم کا محیط بالذات خیال کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ مَالِلتُّرَابِ وَرَبِّ الْاَرْبَابِ (چہ نسبت خاک را با عالم پاک)۔

معرفت: حضرت خواجہ نقشبند قدس اللہ تعالیٰ سرہ الاقدس فرماتے ہیں "ما نہایت را در بدایت درج می کنیم" (ہم نہایت کو بدایت میں درج کرتے ہیں) اس عبارت کے معنی یہ ہیں کہ وہ انجذاب و محبت جو منتہی کو انتہا میں میسر ہوتا ہے وہ انجذاب و محبت اس طریقۂ عالیہ میں ابتدا ہی سے پیدا ہو جاتا ہے، کیونکہ منتہی کا انجذاب روح کا انجذاب ہے اور مبتدی کا جذب، جذبِ قلبی ہے، اور چونکہ قلب، روح اور نفس کے درمیان برزخ ہے اس لئے جذبِ قلبی کے ضمن میں جذبِ روحی بھی حاصل ہو جاتا ہے۔ اور اس اندراج کی تخصیص اس طریقۂ عالیہ کے ساتھ کرنا اگرچہ یہ بات تمام مذاہب میں حاصل ہے اس وجہ سے ہے کہ اس طریقۂ عالیہ کے بزرگوں نے اس مطلب کے حاصل کرنے کے لئے ایک خاص طریقہ وضع کر لیا ہے اور اس مطلب کے حصول کے لئے ایک راہ متعین کر لی ہے، اور دوسرے (طریقوں کے) حضرات کو یہ مطلب (وصول الی اللہ) اتفاقاً حاصل ہو جاتا ہے ان کے ہاں کوئی خاص ضابطہ مقرر نہیں ہے ——— اور اس طریقۂ عالیہ کے بزرگوں کو جذبہ کے مقام میں ایک خاص شان حاصل ہے جو دوسروں کو میسر نہیں، اور اگر ہے تو شاذ و نادر ہے۔ اسی بنا پر ان میں سے بعض حضرات کو اس مقام میں بغیر منازلِ سلوک طے کرنے کے اربابِ سلوک کی فنا و بقا کے مشابہ ایک طرح کی فنا و بقا حاصل ہو جاتی ہے اور مقامِ تکمیل کا کچھ حصہ بھی جو مقامِ سیر عن اللہ باللہ کے مشابہ ہے حاصل ہو جاتا ہے کہ جس کے ساتھ یہ لوگ مستعد لوگوں کی تربیت کرتے ہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ اس بحث کی تحقیق عنقریب تحریر کی جائے گی۔

اس جگہ ایک نکتہ ہے جس کا جاننا ضروری ہے وہ یہ کہ روح کو بدن کے ساتھ تعلق ہونے سے پہلے اپنے مقصود کی طرف ایک قسم کی توجہ حاصل تھی، اور جب (روح) بدن کے ساتھ متعلق ہو گئی تو وہ توجہ بھی زائل ہو گئی ——— اس سلسلۂ عالیہ کے اکابرین نے اس سابقہ توجہ کے ظہور کے لئے ایک طریقہ وضع کیا ہے لیکن چونکہ روح کا تعلق بدن سے ہے اس لئے توجہ قلبی موجود رہتی ہے جو نفس و روح دونوں کی توجہ کی جامع ہے۔ اور اس میں شک نہیں کہ توجہ روحی توجہ قلبی میں مندرج ہے لیکن وہ توجہ روحی جو منتہیوں کو روح کی فنا کے بعد حاصل ہوتی ہے اور اس کی بقا حقانی وجود کے ساتھ ہے

جس کو ہم بقا باللہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور توجہ روحی جو قلبی توجہ کے ضمن میں ہے بلکہ روح کی توجہ جو بدن کے ساتھ متعلق ہونے سے پہلے تھی وہ ایسی توجہ ہے جو باوجود ہستی روح ہونے کے فنا نے اس کی طرف راہ نہیں پائی اور روح کی ہستی کے وجود کے ساتھ روح کی توجہ کے درمیان، اور روح کی فنا کے ساتھ روح کی توجہ کے درمیان بہت بڑا فرق ہے ــــــ لہذا اس توجہ روحی مندرجہ کو نہایت کہنا اس اعتبار سے ہے کہ وہ روح ہی کی توجہ ہے کیونکہ نہایت میں صرف یہی توجہ باقی رہ جاتی ہے اور بس۔ لہذا بدایت میں نہایت کے اندراج سے مراد یہ ہے کہ نہایت کی صورت بدایت میں مندرج ہے نہ کہ نہایت کی حقیقت، کیونکہ اس کا بدایت میں اندراج محال ہے۔ ہو سکتا ہے کہ لفظ "صورت" اس لئے نہ لائے ہوں کہ اس راہ کے طالبوں میں ترغیب اور شوق پیدا ہو۔ اور حقیقت یہی ہے جو میں نے اللہ تعالیٰ کی توفیق سے تحقیق کی۔

اور وہ سابقین (سبقت کرنے والے) جن کا انجذاب بے تمحل وبے کسب (یعنی بغیر عملی تکلیف اور بغیر ظاہری کسب کے) ہے بلکہ وہ توجہ و حضور کے ذریعے آئے ہیں ان کا انجذاب بھی قلبی ہے اور روح کی توجہ اس سابقہ توجہ کا اثر ہے جس کا تعلق بدن سے بالکلیہ زائل نہیں ہوا ہے (بلکہ باقی ہے) لہذا سابق توجہ (روحی) کے ظہور کے لئے کسب و عمل کی ضرورت اس جماعت کے لئے ہے جس نے بدنی تعلق کی وجہ سے اس سابقہ توجہ کو فراموش کر دیا ہے۔ گویا کہ کسب توجہِ سابق کے لئے ایک تنبیہ ہے، اور اس گم شدہ دولت کے لئے یاد دہانی ہے لیکن سابق توجہ کے فراموش کرنے والے سابقانِ مذکورہ سے زیادہ لطیف استعداد رکھنے والے ہیں، کیونکہ توجہِ سابق کو بالکلیہ فراموش کر دینا متوجہ الیہ کی طرف بالفعل توجہ کے ساتھ گم ہونے کی خبر دیتا ہے اور توجہ کا عدم نسیان ایسا نہیں ہے ــــــ غایۃ ما فی الباب ــــــ

(خلاصہ کلام یہ ہے) کہ سابقین میں وہ توجہ شمول (عموم) اور سریان (سرایت کر جانا) پیدا کر لیتی ہے اور ان کا بدن بھی روح کی شان کا حکم پیدا کر لیتا ہے جیسا کہ محبوبین اور مرادین کی شان ہے۔ لیکن شمولِ محبوبان (محبوبوں کی سرایت) اور شمولِ سابقان کے درمیان ایسا ہی فرق ہے جیسا کہ حقیقتِ شے اور صورتِ شے میں ہوتا ہے جس طرح کہ اس کے جاننے والوں پر ظاہر ہے ــــــ ہاں محبانِ واصل اور مریدانِ کامل کو بھی اس قسم کی شمول کا تحقق حاصل ہو جاتا ہے لیکن وہ کالبرق (بجلی کی مانند) ہے دائمی نہیں ہے۔ شمولِ دائمی محبوبوں کا خاصہ ہے۔

معرفت: مجذوبانِ اربابِ قلوب جب مقامِ قلب میں متمکن ہوکر رسوخ (ثبات) پیدا کر لیتے ہیں اور ایک قسم کی معرفت وصحو (عقل و ہوش) جو اس مقام کے مناسب ہے ان کو میسر ہو جاتا ہے تو وہ بھی طالبوں کو فائدہ پہنچا سکتے ہیں اور ان کی صحبت میں طالبوں کو انجذاب و محبت قلبی حاصل ہو جاتی ہے لیکن کمال تک نہیں پہنچ سکتے کیونکہ وہ خود بھی حد کمال تک نہیں پہنچ سکے ہیں اس لئے دوسروں کے کمال حاصل کرنے کا ذریعہ نہیں بن سکتے۔ مشہور ہے کہ ناقص کے ذریعہ کوئی بھی کامل نہیں بن سکتا۔ البتہ ان کی فیض رسانی جس قدر بھی ہو اربابِ سلوک کے افادہ سے زیادہ ہوتی ہے، وہ کتنا ہی سلوک کی انتہا کو پہنچ جائیں اور منتہیوں والا جذب پیدا کر لیں لیکن وہ مقامِ قلب میں سیر عن اللہ باللہ کے طریق سے نیچے نہیں آئیں گے، کیونکہ وہ منتہی جس نے ابھی عالَم (مخلوق) کی طرف رجوع نہیں کیا وہ تکمیل و افادہ کا مرتبہ نہیں رکھتا کیونکہ عالم کے ساتھ اس کی کوئی مناسبت اور توجہ نہیں ہوتی جس کے ذریعے وہ فائدہ پہنچا سکے۔

شیخِ مقتدا کو برزخ کہنا اس اعتبار سے ہے کہ وہ مقامِ برزخیت میں جس کو مقامِ قلب کہتے ہیں نیچے اُتر آیا ہے اور روح اور نفس دونوں کی جہت سے اس نے حصۂ وافر حاصل کر لیا ہے۔ روح کی جہت سے وہ اپنے فوق سے فائدہ حاصل کرتا ہے اور نفس کی جہت سے وہ اپنے ماتحت کو فائدہ پہنچاتا ہے کیونکہ اس کے لئے حق سبحانہٗ کی توجہ مخلوق کی توجہ کے ساتھ جمع ہو گئی ہے پس (ان دونوں توجہوں میں) کسی قسم کا کوئی حجاب نہیں ہے لہذا ایک ہی وقت میں اس کو افادہ اور استفادہ (دونوں) حاصل ہوتے ہیں ———— بعض مشائخ اس برزخیت کو برزخیت بین الخلق والحق (مخلوق اور حق کے درمیان برزخیت) کہتے ہیں اور شیخ برزخ کو جامع بین التشبیہ والتنزیہ قرار دیتے ہیں۔

پوشیدہ نہ رہے کہ اس قسم کی برزخیت جس کی بنیاد سکر پر ہو شیخی کے مقام کے لائق نہیں ہے کیونکہ اس کی بنیاد صحو پر ہے اس لئے کہ ان کا نفس اس مقام میں روح کے انوار کے غلبوں میں مندرج ہوتا ہے اور یہی اندراج سکر کا پیدا کرنے والا ہے۔ اور قلب کی برزخیت کے مقام میں نفس اور روح ایک دوسرے سے جدا رہتے ہیں لہذا لازمی طور پر وہاں سکر کی گنجائش نہیں رہتی بلکہ وہاں سب صحو ہی صحو ہے جو مقامِ دعوت کے مناسب ہے۔ یہ بات ذہن نشین رہے ———— اور جب شیخِ کامل کو مقامِ قلب میں نیچے لاتے ہیں تو اس کو برزخیت کی وجہ سے عالَم (دنیا) کے ساتھ مناسبت پیدا

ہوجاتی ہے اور وہ مستعد طالبوں کے لئے حصولِ کمالات کا ذریعہ بن جاتا ہے، اور مجذوبِ متمکن چونکہ مقامِ قلب میں ہوتا ہے اس لئے وہ بھی عالم (مخلوق) کے ساتھ مناسبت رکھتا ہے اور اپنی توجہ کو ان سے باز نہیں رکھتا اور انجذاب و محبت سے اگرچہ قلبی ہی ہو اس میں اس کو حصہ حاصل ہوتا ہے، لہذا لازمی طور پر فیض پہنچانے کا دروازہ اس کے لئے کشادہ ہوجاتا ہے ——
بلکہ ہم کہتے ہیں کہ مجذوبِ متمکن (مقامِ قلب میں قرار پذیر مجذوب) کی نسبت فائدہ و فیض مقدار کے لحاظ سے منتہی مرجوع سے زیادہ ہوتا ہے، منتہی کے فائدے کی کیفیت اور حالت مجذوب کے افادہ کی کیفیت سے زیادہ ہے کیونکہ منتہی مرجوع کو بھی اگرچہ عالم کے ساتھ مناسبت پیدا ہوگئی ہے لیکن وہ ظاہری صورت ہے ورنہ حقیقت میں (وہ منتہی عالم سے) جدا ہے اور اصل رنگ میں رنگا ہوا ہے اور اس کے ساتھ بقا حاصل کرچکا ہے —— اور اس مجذوب کو حقیقتاً اس عالم کے ساتھ مناسبت ہے اور جملہ افرادِ عالم میں سے ایک ہے اور اس بقا کے ساتھ وہ باقی ہے جس کے ساتھ عالم باقی ہے۔ پس ناچار طالبین مناسبتِ حقیقی کے باعث مجذوب سے زیادہ فائدہ حاصل کرلیتے ہیں اور منتہی مرجوع سے فائدہ کم ہوتا ہے، لیکن کمالاتِ ولایت کے مراتب کا فائدہ منتہی کے ساتھ مخصوص ہے، لہذا فائدہ پہنچانے کی کیفیت میں منتہی کا پہلو راجح اور غالب ہے ——
اور اسی طرح منتہی کو حقیقت میں ہمت اور توجہ نہیں ہوتی لیکن مجذوب صاحبِ ہمت و توجہ ہوتا ہے اور اپنی ہمت اور توجہ سے طالب کے کام کو ترقی دے کر آگے بڑھاتا ہے اگرچہ وہ حدِ کمال تک نہیں پہنچا سکتا —— اور اسی طرح طالبوں کو مجذوبوں سے جو نہایت توجہ حاصل ہوتی ہے وہ روح کی وہی سابقہ توجہ ہے جو انھوں نے فراموش کردی تھی اور ان مجذوبوں کی صحبت میں پھر ان کو یاد آگئی، اور اندراج کے طریقے پر توجہ قلبی حاصل ہوگئی بخلاف اس توجہ کے جو منتہیوں کی صحبت میں حاصل ہوتی ہے کیونکہ وہ توجہ حادث (نئی) ہے جو اس سے پہلے ان میں ہرگز موجود نہ تھی اور وہ روح کی فنا بلکہ اس کے وجودِ حقانی کے ساتھ بقا پر موقوف تھی لہذا لازمی طور پر پہلی توجہ اسہل الحصول (یعنی حاصل ہونے میں زیادہ آسان) ہے اور توجہ ثانی متعسر الوجود (یعنی جس کا وجود دشوار ہے) جو چیز کہ آسان ہوتی ہے وہ زیادہ ہوتی ہے اور جو چیز دشوار ہوتی ہے وہ کم سے کم ہوتی ہے ——
—— اسی لئے کہا گیا ہے کہ جہتِ جذبہ حاصل کرنے میں شیخ مقتدا کا واسطہ نہیں ہے کیونکہ

وہ نسبت طالب کو پہلے حاصل ہو چکی تھی وہ صرف نسیان کے باعث تنبیہ اور تعلیم کا محتاج ہو گیا ہے لہذا ایسے شیخ کو "شیخِ تعلیم" کہتے ہیں نہ کہ "شیخِ تربیت"۔ اور جہت سلوک میں سلوک کی منازل طے کرنے کے لیے "شیخِ مقتدا" درکار ہے اور اس کی تربیت ضروری ہے ——

—— شیخِ مقتدا کو چاہیئے کہ اس قسم کے مجذوب متمکن کو افادۂ عام کی اجازت نہ دے اور اس کو تکمیل و پیری کے مقام پر نہ بٹھائے کیونکہ طالبوں میں بعض ایسے ہوتے ہیں جن کی استعداد بلند ہوتی ہے اور وہ کمال و تکمیل کی قابلیت اپنے اندر بدرجہ اتم رکھتے ہیں۔ اس مجذوب کی صحبت میں اگر آجائیں تو احتمال ہے کہ ان کی استعداد ضائع ہو جائے اور قابلیت بھی ختم ہو جائے ——

—— مثلاً وہ زمین جس میں گندم کی کاشت کی عمدہ قابلیت ہے اگر اس میں گندم کا اچھا بیج ڈالا جائے تو بیج کی استعداد کے اندازہ کے مطابق پیداوار اچھی ہوگی اور اگر اس زمین میں خراب گندم یا چنے کا بیج ڈالدیا جائے تو اچھی کاشت تو کجا اس کی پیداوار کی استعداد بھی مسلوب و ضائع ہو جائیگی۔

اور اگر بالفرض شیخِ مقتدا اس کو اجازت دینے میں کوئی بہتری و مصلحت دیکھے اور اس میں فائدہ پہنچانے کی کوئی معقولیت پائے تو اس کے افادہ کو بعض شرائط و قیود کے ساتھ مقید کر دے، مثلاً افادہ کے طریق پر طالب کی مناسبت کا ظاہر ہونا اور اس کی صحبت میں طالب کی استعداد کا ضائع نہ ہونا، اور اس اقتدا و ریاست میں اس کے نفس کا سرکش نہ ہونا، کیونکہ تزکیۂ نفس نہ ہونے کی وجہ سے اس سے ہوائے نفسانی زائل نہیں ہوئی ہے۔ اور جب (اس مجذوب متمکن کو) معلوم ہو جائے کہ طالب اس سے انتہائی فائدہ حاصل کر چکا ہے اور اس طالب کی استعداد میں ابھی ترقی کی قابلیت موجود ہے تو اس کو چاہیئے کہ اس پر اس معنی کو ظاہر کر کے رخصت کر دے تاکہ وہ اپنا کام کسی دوسرے شیخ سے مکمل اور پورا کر لے، اور اپنے آپ کو منتہی نہ جانے اور اس حیلہ و بہانہ سے لوگوں کی رہزنی نہ کرے، اور اسی طرح کی اور شرائط جو اس کے وقت اور حال کے مناسب ہوں اس کے سامنے بیان کر دے اور ان باتوں کی وصیت کر کے اس کو اجازت دیدے —— —— لیکن منتہی مرجوع (الی الخلق) فائدہ اور تکمیل میں ان قیود و شرائط کا محتاج نہیں ہے کیونکہ اس کو جامعیت کی وجہ سے تمام طریقوں کی استعداد اور مناسبت حاصل ہے، لہذا ہر شخص اس سے اپنی استعداد اور مناسبت کے لحاظ سے فائدہ اٹھا سکتا ہے اگرچہ شیوخ اور مقتداؤں کی صحبت میں مناسبت کے قوی یا ضعیف ہونے کے

اعتبار سے جلدی یا دیر میں (فیضیاب ہونے میں) فرق ہے لیکن اصل فائدہ پہنچانے میں جملہ مشائخ مساوی الاقدام (برابر) ہیں ـــــــ شیخ مقتدر کے لئے لازم ہے کہ طالب کو فائدہ پہنچانے کے وقت میں حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی بارگاہ میں التجا کرتا رہے اور اس کی حبلِ متین (مضبوط رسی) کو پکڑے رہے اور اس شہرت کے ضمن میں (جس میں مکر واستدراج پوشیدہ ہو) حضرت حق سبحانہٗ کے خوف سے پناہ مانگے، اور یہ التجا نہ صرف اس معاملہ میں بلکہ تمام معاملات میں اور تمام اوقات میں حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے اس کو عطا فرمادی ہے جو اوقات میں سے کسی وقت میں اور افعال میں سے کسی فعل میں اس سے جدا نہیں ہوتی: ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ (جمعہ آیت ۴) (یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہے عطا فرمائے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے)۔

مقصدِ ثانی ان معارف کے بیان میں جو سلوک سے تعلق رکھتے ہیں۔

جاننا چاہیے کہ جب کوئی طالب طریقہ سلوک میں فوق کی طرف متوجہ ہوتا ہے اگر وہ اس اسم تک جو اس کا رب ہے پہنچ جائے اور اس میں فانی ومستہلک ہو جائے تو اس پر فنا کا اطلاق درست ہو جاتا ہے، پھر اس اسم کے ساتھ بقا حاصل ہونے کے بعد بقا کا اطلاق اس پر مسلم ہو جاتا ہے، اور اس فنا وبقا کے حصول کے بعد ولایت کے مرتبۂ اولیٰ (پہلے مرتبہ) کے ساتھ مشرف ہو جاتا ہے لیکن یہاں تفصیل ہے جس کو بسط کے ساتھ بیان کرنا ضروری ہے۔

تمہید: وہ فیض جو ذات تعالیٰ وتقدس کی طرف سے پہنچتا ہے دو (۲) قسم کا ہے ـــــــ ایک قسم وہ ہے جس کا تعلق ایجاد، ابقا، تخلیق، ترزیق، احیا اور امانت (یعنی موجود کرنا، باقی رکھنا، پیدا کرنا، رزق دینا، زندہ کرنا اور مارنا) سے ہے، اسی طرح کی اور بہت مثالیں ہیں ـــــــ اور دوسری قسم وہ ہے جو ایمان، معرفت اور مراتبِ ولایت ونبوت کے جملہ کمالات سے متعلق ہے ـــــــ پہلی قسم: صفات کے ذریعے فیض رسانی ہے اور بس۔ دوسری قسم: بعض کو (فیض) صفات کے ذریعے اور بعض کو شیونات کے توسط سے پہنچتا ہے۔ اور صفات وشیونات کے درمیان بہت باریک فرق ہے جو محمدی المشرب اولیاء کے علاوہ کسی پر ظاہر نہیں ہوا اور نہ ہی کسی اور نے اس کی نسبت کلام کیا ـــــــ مختصر یہ کہ "صفات" ذات تعالیٰ وتقدس پر زائد وجود کے ساتھ خارج میں موجود ہیں۔ اور "شیونات" عزسلطانہٗ کی ذات میں صرف اعتبارات کے درجے میں ہیں۔

یہ بحث ایک مثال سے واضح و روشن ہو جاتی ہے۔ مثلاً پانی طبعی طور پر اوپر سے نیچے کو آتا ہے اس کا یہ فعلِ طبعی اس کے اندر حیات، علم، قدرت اور ارادہ کا اعتبار پیدا کرتا ہے، کیونکہ اربابِ علم اپنے ثقل کے واسطے سے اور اپنے علم کے تقاضے کے مطابق اوپر سے نیچے آتے ہیں اور فوق کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ اور علم حیات کا تابع ہے اور ارادہ علم کا تابع، اس طرح قدرت بھی ثابت ہو گئی کیونکہ ارادہ کا استعمال احد المقدورین (دو مقدوروں میں سے ایک کو اختیار کرنا) کی خصوصیت ہے ——— یہ اعتبارات پانی کی ذات میں بمنزلہ شیونات ہیں اگر ان اعتبارات کے باوجود پانی کی ذات میں زائد صفات ثابت ہو جائیں تو وہ وجودِ زائد کے ساتھ صفاتِ موجودہ کی طرح ہوں گے۔ پانی کو اعتباراتِ اولی کی بنیاد پر حی، عالم، قادر اور مرید نہیں کہہ سکتے۔ ان ناموں کے ثابت کرنے کے لئے صفاتِ زائدہ کا ثابت ہونا درکار ہے۔ لہٰذا جو کچھ بعض مشائخ کی عبارت میں پانی کے متعلق مندرجہ بالا اسموں کے ثبوت میں واقع ہوا ہے ان کی بنیاد شیون و صفات میں فرق نہ کرنے کی وجہ سے ہے۔ اور اسی طرح صفات کے وجود کی نفی کا حکم بھی اس فرق کے معلوم نہ ہونے پر محمول ہے ——— اور شیون و صفات کے درمیان دوسرا فرق یہ ہے کہ مقامِ شیون صاحبِ شان کے روبرو ہے اور مقامِ صفات ایسا نہیں ہے ——— حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم اور وہ اولیاء رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین جو آپ کے مبارک نقشِ قدم پر ہیں ان کو فیضِ ثانی کا وصول شیونات کے توسط سے ہے اور باقی تمام انبیاء صلوات اللہ تعالیٰ و برکاتہ علی نبینا و علیہم و علی جمیع اتباعہم اور وہ جماعت جو ان کے نقشِ قدم پر ہے ان کے لئے اس فیض کا حاصل کرنا بلکہ فیضِ اول کا ان کو پہنچنا بھی صفات کے توسط سے ہے ——— لہٰذا ہم کہتے ہیں کہ وہ اسم جو آں سرور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا رب ہے اور فیضِ دوم کے وصول کا واسطہ ہے وہ شان العلم کا ظل ہے اور یہ شان تمام اجمالی و تفصیلی شیون کی جامع ہے اور وہ ظلِ شانِ علم کے لئے ذات تعالیٰ و تقدس کی قابلیت بلکہ تمام اجمالی و تفصیلی شیون کی قابلیت کے لئے ہے لیکن شانِ علم کے شمول کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے۔

جاننا چاہیئے کہ یہ قابلیت اگرچہ ذات عز شانہ اور شان العلم کے درمیان برزخ کا درجہ رکھتی ہے لیکن چونکہ اس کی ایک جہت بے رنگ ہے اور وہ ذات تعالیٰ شانہٗ کی جہت ہے برزخ میں بھی اس کا کوئی رنگ پیدا نہیں ہوتا، لہٰذا وہ برزخ بھی دوسری جہت کے رنگ میں ہے

جو شان العلم کے رنگ سے رنگین ہے پس لازمی طور پر اس کو اس شان کا ظل کہا گیا ہے۔ اور اسی طرح ظلِ شے مرتبۂ دوم میں ظہورِ شے سے عبارت ہے اگرچہ وہ شبہ و مثال ہی کی صورت میں ہو ــــــ اور چونکہ برزخ کا حصول طرفین کے حصول کے بعد ہے یقیناً یہ برزخ مکاشفہ کے وقت میں اس شان کے تحت منکشف ہوتا ہے، لہٰذا اس ظہور کے اعتبار سے آخر تک ظلیت کا اطلاق مناسب معلوم ہوتا ہے ــــــ اور اولیاء اللہ کا ایک وہ گروہ جو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہم وسلم وبارک کے مبارک قدم پر ہے اور وہ اسماء جو ان کے فیضِ ثانی کے وصول میں ان کے ارباب ہیں اس جامع قابلیت کے ظلال ہیں اور اس ظلِ مجمل کے لئے تفصیل کی مانند ہیں اور باقی تمام انبیاء صلوات اللہ تعالیٰ وتسلیماتہٗ علی نبینا وعلیہم کے ارباب اور ان کے لئے فیضِ اول و ثانی کے وصول کا واسطہ اتصافِ ذات عز سلطانہٗ کی وہ قابلیتیں ہیں جو صفاتِ زائدہ کے ساتھ موجود ہیں ــــــ اور وہ گروہ جو ان کے نقشِ قدم پر ہے ان کے ارباب وہ صفات ہیں جو ان کے لئے فیضِ اول و ثانی کے وصول کے حق میں ہیں، اور آں سرور علیہ وعلی آلہ الصلوات والتسلیمات کے لئے فیضِ اول کے وصول کا واسطہ و بذریعہ تمام صفات کے ساتھ اتصافِ ذات تعالیٰ وتقدس کی قابلیت ہے۔ گویا کہ وہ تمام قابلیتیں جو انبیاء صلوات اللہ وبرکاتہٗ علی نبینا وعلیہم کے لئے فیوض کے وسائل ہیں وہ اس قابلیتِ جامع کے ظلال ہیں اور اس جامع مجمل کے لئے تفصیلات کی مانند ہیں ــــــ اور وہ گروہ جو آنسرور علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والتحیۃ کے مبارک قدم پر ہے ان کے لئے بھی فیضِ اول کے پہنچنے کے لئے ذرائع علیحدہ ہیں کیونکہ وہ صفات ہیں۔ لہٰذا محمدیوں (محمدی المشرب حضرات) کے لئے فیضِ اول کے وسائل و ذرائع فیضِ ثانی کے وصول کے ذرائع سے جدا ہیں بخلاف دوسروں کے کہ ان کے لئے ایک (ہی) ذریعہ یعنی صفات) ہے۔

بعض مشائخ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم نے آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والتحیۃ کے رب کو قابلیتِ اتصاف میں منحصر کیا ہے، اس کی وجہ شیون اور صفات کے درمیان فرق نہ ہونا ہے بلکہ مقامِ شیون کا عدمِ علم ہے: وَاللّٰهُ يُحِقُّ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيْلَ (اور اللہ تعالیٰ ہی حق کو ظاہر کرتا ہے اور وہی سیدھے راستے کی ہدایت دیتا ہے) ــــــ لہٰذا (یہ بات) تحقیق ہوگئی کہ آں سرور علیہ الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کا رب مقامِ شیون میں اور خانۂ صفات میں بھی رب الارباب ہے،

اور سرور دو فیض کے وصول کا واسطہ ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مراتبِ ولایت کے کمالات کا فیض پہنچنا (حق تعالیٰ کی) ذات سے امر زائد (اضافی حکم) کے توسط کے بغیر ہے، کیونکہ شیون عین ذاتِ (حق تعالیٰ) ہیں اور ان میں زیادتی کا اعتبار کرنا عقل کے منتزعات (اعتبارات) سے ہے۔ لہذا تجلّیٔ ذاتی آپؐ کے لئے مخصوص ہو گئی، اور آپ کے کامل تابعدار چونکہ آپؐ کی راہ سے فیض حاصل کرتے ہیں اس لئے وہ بھی اس مقام سے بہرہ مند ہوتے ہیں اور دوسروں کے لئے چونکہ صفاتی واسطے درمیان میں ہیں اور صفات وجودِ زائد کے ساتھ موجود ہیں لہذا ایک بڑا مضبوط حجاب درمیان میں آ گیا اور تجلّیٔ صفاتی ان کے نامزد ہو گئی۔

جاننا چاہئے کہ "قابلیتِ اتصاف" (صفت سے متصف ہونے کی قابلیت) اگرچہ ایک اعتبار ہے لیکن اس کا کوئی وجودِ زائد نہیں اور چونکہ صفات موجود ہیں نہ کہ ان کی قابلیت، لیکن چونکہ قابلیتیں ذات و صفات بلکہ شیون و صفات کے درمیان برزخ ہیں اور برزخ اپنی دونوں طرف کا رنگ رکھتا ہے اس لئے قابلیتوں نے بھی صفات کا رنگ حاصل کر کے حائلیت (حائل یا مانع ہونا) کی حیثیت اختیار کر لی ہے ؎

فراقِ دوست اگر اندک است اندک نیست ۔۔۔ درونِ دیدہ اگر نیم موست بسیار است

(فراقِ یار اگر کم ہے کم نہیں سمجھو ۔۔۔ اگر ہے آنکھ میں کچھ بال، کم نہیں جانو)

اس بیان سے واضح ہو گیا کہ ذات تعالیٰ و تقدس کا بے پردہ ظہور تجلّیٔ شہودی کے منافی نہیں ہے لیکن تجلّیٔ وجودی کے منافی ہے لہذا آں سرور علیہ الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کے لئے کمالاتِ ولایت کے فیضِ (ثانی یعنی شہودی فیض) پہنچنے کی جانب میں کوئی حجاب حائل نہیں ہوا اور فیضِ (اول) وجودی کے حاصل کرنے کی جانب میں حجاب درمیان میں آ گیا جو "قابلیتِ اتصاف" سے ظاہر ہے جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے ــــــــــ ایسا نہ کہا جائے کہ جب شیون اور ان کی قابلیتیں عقل کے اعتبار سے ہوں تو ان کا وجودِ ذہنی ثابت ہوا اور اسی وجہ سے "حجابِ علمی" لازم ہو گیا ــــــــــ خلاصۂ کلام یہ کہ صفاتی حجابات خارجی ہیں اور شیون کے حجابات علمی۔ کیونکہ ہم کہتے ہیں کہ موجودِ ذہنی دو موجود خارجی کے درمیان پردہ نہیں ہو سکتا بلکہ موجود خارجی کے لئے صرف موجود خارجی ہی پردہ ہو سکتا ہے۔ اور اگر اس کو تسلیم بھی کر لیں تو بعض معارف کے حاصل ہونے سے علمی حجابات کا درمیان سے

اُٹھ جانا ممکن ہے بخلاف خارجی کے کہ اس کا زائل ہونا ممکن نہیں۔

جب یہ مقدمات معلوم ہوگئے تو جاننا چاہئے کہ (سالک) اگر محمدی (المشرب) ہے تو اس کے سیر کی انتہا جو سیر الی اللہ سے موسوم ہے اس شان کے ظل تک ہے جو اس کا اسم ہے اور اس اسم میں فنا ہونے کے بعد فنا فی اللہ سے مشرف ہوجاتا ہے اور اگر اس کو اس اسم کے ساتھ بقا حاصل ہوگئی تو اس کو بقا باللہ بھی میسر ہوجاتی ہے اور وہ اس فنا و بقا کے ساتھ ولایتِ خاصہ محمدیہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام والتحیہ کے مرتبۂ اولیٰ میں داخل ہوجاتا ہے۔ اور اگر محمدی مشرب نہیں ہے تو صرف صفت کی قابلیت کے ساتھ یا نفسِ صفت تک پہنچتا ہے جو اس کا رب ہے۔ اور اگر وہ اس اسم میں فانی ہوجائے تو اس پر فانی فی اللہ کا اطلاق نہیں کرنا چاہئے ـــــــــــ اور اسی طرح اس اسم کے ساتھ بقا کی صورت میں وہ باقی باللہ بھی نہیں ہے کیونکہ اسم "اللہ" اس مرتبہ سے مراد ہے جو تمام شیون و صفات کا جامع ہے اور چونکہ شیون کی جہت میں زیادتی صرف اعتباری ہے اس لئے وہ عین ذات ہیں اور ایک دوسرے کا بھی عین ہیں (یعنی وہ امر اعتباری عقلی ہے نہ کہ موجود وجود خارجی)۔ لہذا ایک اعتبار میں فنا ہونا تمام اعتبارات میں بلکہ ذات تعالیٰ و تقدس میں فنا ہوتا ہے، اسی طرح ایک اعتبار میں بقا ہونا تمام اعتبارات میں بقا ہوتا ہے۔ پس اس صورت میں فانی فی اللہ اور باقی باللہ کہنا درست ہوجاتا ہے بخلاف صفات کی جانب کے جو ذات (تعالیٰ) پر وجود زائدہ کے ساتھ موجود ہیں۔ ان کی مغایرت ذات عز سلطانہ کے ساتھ اور (آپس میں) ایک دوسرے کے ساتھ تحقیقی ہے نہ کہ اعتباری۔ لہذا ایک صفت میں فانی ہونا تمام صفات میں فانی ہونے کو مستلزم نہیں ہے اور اسی طرح بقا کا حال ہے۔ لہذا مجبوراً اس فانی کو فانی فی اللہ اور باقی کو باقی باللہ نہیں کہنا چاہئے بلکہ مطلق فانی اور باقی کہہ سکتے ہیں، یا کسی ایک صفت کے ساتھ مقید کر کے کہہ سکتے ہیں (جیسے) علم کی صفت میں فانی ہے یا صفتِ علم کے ساتھ باقی ہے۔ لہذا ناچار محمدیوں (محمدی مشرب) کی فنا سب سے اتم اور ان کی بقا سب سے اکمل ہے۔

اسی طرح محمدی (مشرب) کا عروج چونکہ شیون کی جانب ہے اور شیون کو عالم کے ساتھ کچھ بھی مناسبت نہیں ہے کیونکہ عالم صفات کا ظل ہے نہ کہ شیون کا ظل، لہذا سالک کا ایک شان میں فنا ہونا اس کی فنائے مطلق کو مستلزم ہوگیا اس طرح پر کہ سالک کے وجود کی بقا اور اس کا کچھ اثر باقی نہ رہے گا۔ اور اسی طرح بقا کی صورت میں کامل طور پر اس شان کے ساتھ باقی ہوجاتا ہے

بخلاف فانی فی الصفات کے کہ جو مکمل طور پر اپنے سے باہر نہیں آتا اور اس کا اثر زائل نہیں ہوتا کیونکہ کیونکہ سالک کا وجود اسی صفت کا اثر ہے اور اسی کا ظل ہے، لہذا اصل کا ظہور ظل کے وجود کو مکمل طور پر محو کرنے والا (نیست و نابود کرنے والا) نہیں ہوتا اور بقا بھی فنا کے اندازہ کے مطابق ہوتی ہے لہذا محمدی (مشرب) بشری صفات کی طرف لوٹ آنے سے مامون و محفوظ ہوتا ہے اور رد کے خوف سے محفوظ ہو جاتا ہے کیونکہ وہ کُلّی طور پر اپنے آپ سے نکل کر حق سبحانہ کے ساتھ بقا حاصل کر چکا ہے ـــــــ اس مقام میں عَود (رجوع کرنا) محال ہے بخلاف فنائے صفاتی کی صورت کے کیونکہ اس جگہ وجودِ سالک کا اثر باقی رہنے کی وجہ سے عَود کرنا ممکن ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ مشائخ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے درمیان (صفاتِ بشری کی طرف) واصل کے رجوع کرنے کے جواز یا عدم جواز میں جو اختلاف ہے وہ اسی سبب سے ہو، لیکن حق یہ ہے کہ اگر وہ محمدی (مشرب) ہے تو عود سے محفوظ ہے ورنہ معاملہ خطرہ میں ہے ـــــــ اور اسی طرح وہ اختلاف جو (مشائخ کے درمیان) سالک کی فنا کے بعد وجودِ سالک کے اثر کے زوال پذیر ہونے میں ہے۔ بعض (مشائخ) زوالِ عین و اثر کے قائل ہیں (یعنی وہ ذات و صفات کے زوال کے قائل ہیں) اور بعض نے اثر کے زوال کو جائز قرار نہیں دیا۔ اس معاملے میں بھی (حق بات جاننے کے لئے) تفصیل کی ضرورت ہے ـــــــ اگر (وہ شخص) محمدی (مشرب) ہے تو عین و اثر دونوں کو گم کر دیتا ہے اور اگر وہ غیر (محمدی مشرب) ہے تو اس (کے وجود) کا اثر زائل نہیں ہوتا کیونکہ وہ صفت جو اس کی اصل ہے وہ باقی ہے لہذا اس کے ظل کا بالکلیہ زوال ممکن نہیں۔

یہاں ایک نازک نکتہ ہے ـــــ جاننا چاہئے کہ عین و اثر کے زوال سے مراد زوالِ شہودی ہے نہ کہ وجودی۔ کیونکہ زوالِ وجودی کا قول الحاد و زندقہ (بے دینی) کو لازم آتا ہے۔ اور اس گروہ کی ایک جماعت نے زوالِ وجودی تصور کیا ہے اور ممکن کے اثر کے زوال سے اعراض کیا ہے اور اس کو الحاد و زندقہ سمجھ لیا ہے لیکن حق بات وہی ہے جس کو میں نے حق سبحانہ کے اطلاع دینے پر تحقیق کیا ہے۔

تعجب ہے کہ (یہ لوگ) زوالِ وجودی کے قائل ہونے کے باوجود زوالِ عین کے بھی قائل ہو گئے ہیں کیونکہ عینِ وجود کے زوال کا حکم کرنا اثر کے زوال کے رنگ میں مستلزم الحاد و زندقہ ہے۔ ـــــــ مختصر یہ کہ زوالِ وجودی عین و اثر میں محال ہے اور زوالِ شہودی ہر دو میں ممکن بلکہ

واقع ہے لیکن (یہ زوال) محمدی مشرب والوں کے لئے مخصوص ہے، کیونکہ محمدی (مشرب والے) کُلّی طور پر قلب سے نکل کر مقلبِ قلب (حق تعالیٰ) تک پہنچ جاتے ہیں اور احوال کے بدلنے سے محفوظ ہیں اور غیرِ حق کی غلامی سے مکمل طور پر آزاد ہیں، اور دوسروں کو چونکہ وجودِ آثار دامنگیر ہے نیز احوال کی تبدیلی ان کا نقدِ وقت ہے، اس لئے مقامِ قلب سے خلاصی نہیں پا سکتے، کیونکہ ان کا وجود آثار اور تبدیلیٔ احوال حقیقتِ جامعہ قلبیہ کے نور کی شاخوں میں سے ہے۔ لہذا دوسروں کا شہود ہمیشہ پردہ میں ہوگا کیونکہ جسقدر بھی سالک کے وجود کا بقیہ حصہ ثابت ہے مطلوب کا پردہ بھی اسی قدر ہے اور جب اثر باقی ہے تو وہی اثر پردہ ہے۔

معرفت: اگر سالک غیر متعارف سلوک کے راستے سے مراتبِ فوق کے اسم میں سے کسی مرتبہ میں پہنچے جو اس کا رب ہے، اور بغیر اس کے کہ اس اسم میں پہنچے اس مرتبہ میں (پہنچنے سے پہلے ہی) فانی اور مستہلک ہوجائے تو ایسی حالت میں بھی فنائے فی اللہ کہنا درست ہے اور یہی حال اس مرتبہ میں بقا کا ہے۔ لہذا اس اسم کے ساتھ فنا فی اللہ کی تحقیق اس اعتبار سے ہے کہ تمام فناؤں کے مراتب میں سے یہ پہلا مرتبہ ہے۔

معرفت: سلوک کی کئی قسمیں ہیں: بعضؔ کا سلوک جذبہ پر مقدم ہے، اور بعضؔ کا جذبہ سلوک پر مقدم ہے۔ اور ایکؔ جماعت کو سلوک کی منزلیں طے کرنے کے دوران جذبہ حاصل ہوجاتا ہے، اور ایک جماعت کو سلوک کی منازل کا طے کرنا تو میسر ہوجاتا ہے لیکن وہ جذبہ کی حد تک نہیں پہنچتے۔ جذبہ کا (سلوک پر) مقدم ہونا صرف محبوبوں کے لئے ہے اور باقی قسمیں محبین سے تعلق رکھتی ہیں ـــــــ محبوں کے راہِ سلوک طے کرنے سے مراد دس مشہور مقامات کو ترتیب و تفصیل کے ساتھ طے کرنا ہے، اور محبوبوں کے سلوک میں دس مقامات کا خلاصہ حاصل ہوجاتا ہے ان کو ترتیب و تفصیل سے کوئی سروکار نہیں ـــــــ وحدتِ وجود اور اس کے مانند احاطہ و سریان اور معیتِ ذاتیہ کا علم جذبۂ مقدم یا متوسط کے ساتھ وابستہ ہے، لیکن سلوکِ خالص اور منتہی حضرات کے جذبہ کو اس قسم کے علوم سے کوئی مناسبت نہیں ہے جیساکہ اوپر بیان کیا گیا۔ اور منتہی حضرات کے حق الیقین کو بھی توحیدِ وجودی کے ساتھ مناسبت رکھنے والے علوم سے کوئی مناسبت نہیں ہے۔ جس جگہ بھی اربابِ توحیدِ وجودی کے مقام کے مناسب حق الیقین کا بیان کیا گیا ہے

وہ مجذوبانِ مبتدی یا متوسط کا حق الیقین ہے (نہ کہ منتہی حضرات کا حق الیقین)۔

معرفت: بعض مشائخ نے فرمایا ہے کہ جب طالب کا کام جذبہ تک پہنچ جاتا ہے تو پھر جذبہ ہی اس کا رہبر بن جاتا ہے اور بس۔ یعنی اس کو کسی دوسرے رہبر کے توسط کی ضرورت نہیں بلکہ وہی جذبہ اس کے لئے کافی ہے۔ اگر اس جذبہ سے سیر فی اللہ کا جذبہ مراد ہے تو بس یہ کافی ہے لیکن لفظ "رہبر" اس ارادہ کے منافی ہے کیونکہ سیر فی اللہ کے بعد کوئی مسافت (سیر) نہیں ہے کہ جس کے طے کرنے کے لئے وہ رہبر کا محتاج ہو۔ اور اسی طرح جذبۂ متقدم بھی مراد نہیں ہے جیسا کہ عبارت سے متبادر (بظاہر) مفہوم ہوتا ہے (یعنی جذبۂ متقدم مطلقاً انجام کار سلوک کی طرف لے جائے یا نہ لے جائے وہ جذبہ ہے) لہٰذا ناچار جذبۂ متوسط ہی مراد ہوگا لیکن وہ مطلوب کے وصول کی پوری کفالت کرتا ہوا معلوم نہیں ہوتا۔ کیونکہ بہت سے متوسط اس جذبہ کے حصول کے وقت فوق کی طرف عروج کرنے سے رہ جاتے ہیں اور اسی جذبہ کو جذبۂ نہایت سمجھ لیتے ہیں، اگر یہ (جذبہ) کافی ہوتا تو (ان کو) راستہ میں نہ چھوڑ دیتا۔ ہاں چونکہ جذبۂ مقدم کا تعلق محبوبوں سے ہے اگر کافی حاصل ہو جائے تو بھی گنجائش رکھتا ہے کیونکہ محبوبوں کو محض عنایت کے قلابہ (حلقہ) سے اپنی طرف کھینچ لیتے ہیں اور راستہ میں نہیں چھوڑتے، لیکن یہ کفایت تمام متقدم جذبات کے حق میں بھی ممنوع ہے صرف وہ جذبہ جو انجام کار سلوک کی طرف کھینچ لے وہی کافی ہے۔ اور اگر وہ سلوک تک نہیں آیا تو یہ مجذوب ابتر (بے نصیب) ہے اور محبوبوں میں سے نہیں ہے۔

خاتمہ

مشائخ کرام قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے ایک گروہ نے کہا ہے کہ تجلی ذاتی شعور کو زائل کرنے والی اور حواسِ ظاہرہ کو معطل کرنے والی ہے، انؒ میں سے بعض نے اپنے حال کی نسبت ایسا کہا ہے کہ اس تجلی ذاتی کے ظہور کے وقت ایک عرصہ تک وہ بے حس و حرکت پڑے رہے اور لوگوں نے ان کو مُردہ خیال کر لیا۔ اور بعض دوسروں نے تجلی ذات میں کلام کرنے اور اس کے سوا سے منع کیا ہے ——— اس بات کی حقیقت یہ ہے کہ تجلی ذات اسماء میں سے ایک اسم کے پردہ میں ہے، اور پردہ کا باقی رہنا صاحبِ تجلی کے وجود کے اثر کی بقا کے باعث ہے اور وہ بے شعوری اس بقیہ (اثر کی) واسطہ سے ہے اگر وہ کلی طور پر فانی ہو جاتا اور بقا باللہ سے مشرف ہو جاتا تو وہ تجلی اس کو ہرگز بے شعور نہ کرتی ~~~

يُحْرَقُ بِالنَّارِ مَنْ يَمَسُّ بِهَا وَمَنْ هُوَ النَّارُ كَيْفَ يُحْرَقُ

(جو چھوئے آگ وہ جلادے گی جو ہو خود آگ اُسے جلائے کون؟)

(اس شعر میں) پہلا شخص جو آگ کو چھونے والا ہے اس لئے آگ اس کو چھوتے ہی جلادے گی اور لاشے (نیست و نابود) کردے گی۔ اور دوسرا وہ شخص ہے جو عین آگ ہے اس لئے آگ آگ کو کیسے جلائے گی ـــ بلکہ ہم کہتے ہیں کہ جو تجلی کسی پردے میں ہوتی ہے وہ تجلی ذات نہیں ہے بلکہ تجلی صفات میں داخل ہے، کیونکہ تجلی ذات جو آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کے لئے مخصوص ہے وہ تجلی بے پردہ ہے۔ اور پردہ کی علامت بے شعوری ہے اور بے شعوری دُوری کی وجہ سے ہے اور بے پردگی کی دلیل شعور ہے اور شعور کمالِ حضور کی شان ہے ـــــــــ ایک بزرگ علیہ الغفران (اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے) اس تجلی بالاصالت والاستقلال (جو اصالت اور استقلال کے ساتھ ہے) کے بارے میں اس طرح خبر دی ہے اور کہا ہے ؎

موسیٰؑ زہوش رفت بیک پرتوِ صفات تو عینِ ذات می نگری در تبسمی

(اک پرتوِ صفات سے موسیٰؑ نے کھوئے ہوش اور آپؐ عینِ ذات بھی دیکھیں تو مسکرائیں)

اور یہی تجلی ذاتی جو بے پردہ ہے محبوبوں کو دائمی طور پر حاصل ہے اور محبوں کے لئے برقی (کیفیت رکھتی) ہے، کیونکہ محبوبوں کے ابدان (اجسام) نے ان کی ارواح کا رنگ اختیار کرلیا ہے اور وہ نسبت کلی طور پر ان میں سرایت کرگئی ہے اور محبوں میں یہ سرایت کہیں کہیں ہے (ہر کسی کو میسر نہیں)۔ ـــــــ اور جو کچھ کہ حدیثِ نبوی علیہ من الصلوٰۃ انہاہا ومن التحیات اکملہا میں واقع ہوا ہے لِيْ مَعَ اللّٰهِ وَقْتٌ[1] (مجھ کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک خاص وقت حاصل ہے) اس (حدیث) میں وقت سے مراد یہ برقی تجلی نہیں ہے کیونکہ یہ تجلی آں سرور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حق میں جو تمام مرادوں اور محبوبوں کے بادشاہ ہیں دائمی ہے بلکہ "وقت" سے اس دائمی تجلی کی ایک خاص قسم کی خصوصیت مراد ہے جو بر سبیلِ قلت (بہت کم) حاصل ہوتی تھی، جیسا کہ ارباب (طریقت) پر پوشیدہ نہیں ہے۔

معرفت: مشائخ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے اس حدیث لِيْ مَعَ اللّٰهِ وَقْتٌ لَا يَسَعُنِيْ فِيْهِ مَلَكٌ مُقَرَّبٌ وَّلَا نَبِيٌّ مُرْسَلٌ[1] (مجھ کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک ایسا وقت حاصل ہے کہ جس میں

---

[1] اس حدیث کی تخریج سے متعلق دفتر اول مکتوب ۹۹ میں گذر چکی ہے۔

کسی مقرب فرشتہ اور نبی مرسل کی گنجائش نہیں) کی وضاحت میں دو گروہ ہیں۔ ایک گروہ نے "وقت" سے دائمی وقت مراد لیا ہے اور دوسرا گروہ ندرتِ وقت (شاذ و نادر) کا قائل ہے۔ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ استمرارِ وقت (دائمی حضور) کے باوجود شاذ و نادر وقت بھی متحقق ہے۔ جیسا کہ پیشتر) اس کی طرف اشارہ کیا جا چکا ہے ——— اور اس حقیر کے نزدیک اس "نادر وقت" کی تحقیق نماز ادا کرنے کے وقت میں ہے۔ شاید کہ آں سرور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حدیث شریف قُرَّةُ عَيْنِي فِي الصَّلٰوةِ[1] (میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں ہے) میں اسی کی طرف اشارہ فرمایا ہے ———

نیز اسی طرح آں سرور علیہ الصلوٰۃ والسلام والتحیہ نے فرمایا: اَقْرَبُ مَا يَكُوْنُ الْعَبْدُ مِنَ الرَّبِّ فِي الصَّلٰوةِ[2] (سب سے زیادہ قرب بندہ کو اپنے رب سے نماز میں ہوتا ہے) ——— اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ (علق ۹۶ آیت ۱۹) (سجدہ کر اور قرب حاصل کر) ——— لہٰذا اس وقت میں کہ جب قربِ الٰہی جل شانہٗ زیادہ حاصل ہوتا ہے اس وقت میں غیر کی گنجائش ہرگز نہیں ہوگی ——— اور جو کچھ کہ بعض مشائخ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم نے فرمایا ہے اور اپنے حال کی قوت اور اس کے دائمی ہونے کی اس طرح خبر دی ہے: "یعنی میرا حال نماز میں بھی ویسا ہی ہوتا ہے جیسا کہ نماز سے قبل ہوتا ہے"۔ پس احادیث مذکورہ بلکہ نص مذکورہ مساوات اور استمرار کی نفی کرتی ہیں۔

جاننا چاہیے کہ استمرارِ وقت تحقق شدہ ہے۔ بات صرف یہ ہے کہ استمرار کے باوجود حالتِ نادرہ بھی واقع ہوئی ہے یا نہیں۔ ایک جماعت جس کو ندرتِ وقت کی اطلاع نہیں دی گئی وہ اس کی نفی کے قائل ہو گئے اور دوسری جماعت جس کو اس مقام سے بہرہ ور کیا گیا انھوں نے اس نادر وقت کا اقرار کر لیا ——— اور سچی بات یہ ہے کہ جس شخص کو آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کے طفیل نماز میں جمعیت عطا کی گئی ہو اور اس قرب کی دولت میں سے تھوڑا سا حصہ عطا کیا گیا ہو وہ بہت ہی کم ہیں۔ رَزَقَنَا اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ بِكَمَالِ كَرَمِهٖ نَصِيْبًا مِّنْ هٰذَا الْمَقَامِ بِحُرْمَةِ مُحَمَّدٍ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهِ الصَّلٰوةُ وَالتَّحِيَّةُ وَالسَّلَامُ (اللہ سبحانہٗ اپنے کمال کرم سے حضرت محمد رسول اللہ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والتحیۃ والسلام کے طفیل ہم کو بھی اس مقام سے حصہ عطا فرمائے (آمین)۔

---

[1] رواہ النسائی والحاکم [2] رواہ المسلم عن ابی ہریرہؓ

معرفت: صفات کے منتہی حضرات، علوم و معارف میں مجذوبوں سے نزدیک ہیں اور شہود کی دولت میں بھی دونوں کی شان یکساں رنگ ہے، کیونکہ دونوں ارباب قلوب میں سے ہیں، البتہ اتنا فرق ہے کہ ارباب صفات تفاصیل سے مطلع ہیں بخلاف مجذوبوں کے (کہ وہ تفاصیل سے مطلع نہیں) ــــــ اور اسی طرح ارباب صفات سلوک اور فوق کی طرف عروج کرنے کی وجہ سے ان مجذوبوں کی نسبت جنھوں نے عروج نہیں کیا زیادہ قرب رکھتے ہیں لیکن اصل کی محبت ان (مجذوبوں) کی دامنگیر ہے اگرچہ حجاب درمیان میں ہے۔ کیا عجب ہے اگر اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ (آدمی اسی کے ساتھ ہے جس سے وہ محبت کرتا ہے) کے تحت مجذوبوں میں بھی اصلی قرب و معیت کا اعتبار کیا جائے کیونکہ مجذوب بھی محبت میں محبوبوں کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں، اگرچہ محبت ذاتی میں حجابات حائل ہیں لیکن مجذوبوں میں بھی محبت پائی جاتی ہے۔

معرفت: اس گروہ (صوفیا) کے بعض لوگوں کی عبارت میں واقع ہے کہ اقطاب کے لئے تجلی صفات ہے اور افراد کے لئے تجلی ذات۔ یہ بات غور طلب ہے کیونکہ قطب محمدی مشرب ہوتا ہے اور محمدیوں کے لئے تجلی ذات ہے۔ ہاں اس (تجلی ذات) میں بھی بہت فرق ہے۔ وہ قرب جو افراد کو حاصل ہے اقطاب کو نہیں ہے لیکن دونوں کو تجلی ذات سے حصہ حاصل ہے (ہاں اگر ہم یہ کہیں کہ قطب سے مراد قطب ابدال ہے جو کہ حضرت اسرافیلؑ کے قدم پر ہوتا ہے نہ کہ حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قدم مبارک پر (تو پھر یہ بات درست ہے)۔

معرفت: اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ (بیشک اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو اپنی صورت پر پیدا فرمایا) ــ اللہ تعالیٰ بے چون و بے چگونہ (بے مثل و بے کیف) ہے، اس نے آدم (علیہ السلام) کی روح کو بھی جو آدم کا خلاصہ ہے بے چون و بے چگون کی صورت پر پیدا کیا۔ لہٰذا جس طرح کہ حق سبحانہٗ تعالیٰ لامکانی ہے روح بھی لامکانی ہوئی، اور روح کو بدن کے ساتھ وہی نسبت ہے جو حق تعالیٰ و تقدس کو عالم کے ساتھ ہے کہ نہ عالم میں داخل ہے نہ خارج ہے نہ متصل ہے نہ منفصل۔ اور قیومیت (یعنی تدبیر و تصرف کی نسبت) سے زیادہ اور کوئی نسبت مفہوم نہیں ہوتی۔ روح بدن کے ذرات میں سے ہر ذرہ کی منتظم اور درست رکھنے والی ہے جس طرح کہ اللہ تعالیٰ "قیوم عالم" ہے یعنی مدبر و متصرف ہے، بدن کے لئے اللہ تعالیٰ کی قیومیت، روح کی قیومیت کے واسطے سے ہے۔ جو فیض بھی حق تعالیٰ کی طرف سے

وارد ہوتا ہے اس فیض کا محل ورود اولاً وابتداءً روح ہے پھر روح کے واسطے سے وہ فیض بدن کو پہنچتا ہے اور جبکہ روح بے چونی و بے چگونگی کی صورت پر پیدا کی گئی ہے تو لازمی طور پر بے چون و بے چگون حقیقی کی اس میں گنجائش ہوگئی۔ (جیسا کہ اس حدیث شریف سے ثابت ہے) لَا یَسَعُنِیْ اَرْضِیْ وَلَا سَمَائِیْ وَلٰکِنْ یَسَعُنِیْ قَلْبُ عَبْدِیَ الْمُؤْمِنُ (میری گنجائش نہ میری زمین رکھتی ہے اور نہ میرا آسمان، البتہ میری گنجائش میرے مومن بندہ کا قلب ہے) ——— کیونکہ آسمان و زمین اسقدر وسعت و فراخی کے باوجود دائرہ مکان میں داخل ہیں اور چونی و چگونی کے داغ سے داغدار ہیں اس لئے لامکانی کی جو چندی و چونی (کمیت و کیفیت اور مقدار) سے مقدس اور پاک ہے گنجائش نہیں رکھتے، کیونکہ لامکانی مکان میں سمانے کی گنجائش نہیں رکھتی، اور بے چون، چون میں آرام حاصل نہیں کرسکتا، تو لامحالہ عبدِ مومن کے قلب میں جو لامکانی اور چندی و چونی سے پاک و مبرا ہے گنجائش متحقق ہوگئی ——— مومن بندے کے قلب کی خصوصیت اسی بنا پر ہے کہ غیر مومن کامل کا قلب لامکانی کی بلندی سے نیچے آچکا ہے اور چندی و چونی میں گرفتار ہو کر اس کا حکم اختیار کرچکا ہے لہذا اس نزول اور گرفتاری کی وجہ سے دائرہ مکانی میں داخل ہوگیا ہے اور چونی پیدا کرکے اس قابلیت کو ضائع کردیا ہے: اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ (اعراف آیت ۱۷۹) (یہ لوگ چوپایوں کی مانند ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ گئے گذرے) ——— جن مشائخ نے اپنے وسعتِ قلب کی نسبت خبر دی ہے تو ان کی مراد قلب کی لامکانیت ہوگی کیونکہ مکان خواہ کتنا ہی فراخ اور وسیع ہو پھر بھی تنگ ہی ہے۔ عرش اپنی عظمت و فراخی کے باوجود چونکہ مکانی ہے اس لئے لامکانی (روح) کے مقابلے میں رائی کے دانے کا حکم رکھتا ہے بلکہ اس سے بھی کم تر ——— بلکہ ہم کہتے ہیں کہ یہ قلب چونکہ انوارِ قدم (ازل) کی تجلی کا محل بن چکا ہے اور قدیم (یعنی حق تعالیٰ) کے ساتھ بقا حاصل کرچکا ہے اس لئے عرش اور جو کچھ اس میں ہے اگر اس میں ڈال دیئے جائیں تو محو اور لاشے ہوجائیں اور ان کا کوئی اثر باقی نہ رہے جیسا کہ سید الطائفہ (جنید بغدادیؒ) نے اس مقام پر فرمایا ہے کہ "جب مُحْدَث (فانی) قدیم کے ساتھ مل جائے تو اس کا کوئی اثر باقی نہیں رہتا۔"

یہ ایک ایسا یکتا لباس ہے جو خاص روح کے قد پر سیا گیا ہے۔ ملائکہ کو بھی یہ خصوصیت حاصل نہیں ہے کیونکہ وہ بھی دائرہ مکان میں داخل ہیں اور چون سے متصف ہیں اسی لئے انسان

خلیفۂ رحمٰن جل سلطانہٗ قرار پایا۔ ہاں صورتِ شئے ہی خلیفۂ شئے ہوتی ہے، جبتک شئے (اصل) کی صورت پر مخلوق (پیدا) نہ کی گئی ہو (اس وقت تک) اصل شئے کی خلافت کے شایاں نہیں ہو سکتی اور جبتک خلافت کے لائق نہ ہو اصل کی امانت کا بوجھ نہیں اٹھا سکتی۔ لَا یَحْمِلُ عَطَایَا الْمَلِكِ اِلَّا مَطَایَاہُ (بادشاہوں کے عطیات اس کی سواریاں ہی اُٹھا سکتی ہیں)۔

اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا (احزاب آیت ۳۳-۲۷) (بیشک ہم نے امانت کو آسمانوں، زمین اور پہاڑوں پر پیش کیا تو انھوں نے اس کے اُٹھانے سے انکار کر دیا اور ڈر گئے (لیکن) انسان نے اس کو اٹھا لیا بیشک وہ بڑا ظالم اور جاہل ہے) ——— (یعنی انسان) اپنے نفس پر اس حیثیت سے بہت ظلم کرنے والا ہے کہ اپنے وجود اور توابعِ وجود کا کوئی اثر اور حکم باقی نہیں چھوڑتا اور زیادہ نادان اور جاہل اس اعتبار سے ہے کہ اس کو اپنے مقصود سے متعلق کچھ ادراک نہیں اور نہ ہی اس کو اتنا علم ہے کہ اپنے مطلوب کی نسبت معلوم کر سکے، بلکہ اس مقام میں ادراک سے عاجز ہونا ہی ادراک ہے اور جہالت کا اعتراف ہی معرفت ہے البتہ جس کو اللہ تعالیٰ کی معرفت زیادہ ہو گی وہ سب سے زیادہ حیرت میں ہو گا۔

تنبیہ: اگر بعض عبارات میں کوئی ایسا لفظ واقع ہو جائے جس سے حق تعالیٰ و تقدس کی شان میں ظرفیت و مظروفیت ہونے کا وہم ہوتا ہو تو اس کو میدانِ عبارت کی تنگی پر محمول کرنا چاہئے اور کلام کی مراد کو علمائے اہلِ سنت کی آراء کے مطابق سمجھنا چاہئے۔

معرفت: عالَم خواہ صغیر (انسان) ہو یا کبیر (مجموعۂ کائنات) سب اسماء اور صفاتِ الٰہیہ تعالیٰ شانہٗ کے مظاہر ہیں اور اس سبحانہٗ و تعالیٰ کے شیون و کمالاتِ ذاتیہ کے آئینے ہیں، اور وہ سبحانہٗ و تعالیٰ ایک مخفی خزانہ تھا اور ایک پوشیدہ راز تھا اس نے چاہا کہ پوشیدگی سے ظہور میں جلوہ گر ہو اور اپنے آپ کو اجمال سے تفصیل میں لائے (چنانچہ اس نے) عالم کو پیدا کیا تاکہ اپنی اصل پر دلالت کرے اور اپنی حقیقت پر علامت ہو۔ لہٰذا عالم کو اپنے صانعِ بے چون کے ساتھ اس کے سوا کوئی نسبت نہیں کہ عالم (دنیا) اس کی مخلوق ہے، اور اس تعالیٰ و تقدس کے پوشیدہ کمالات پر دلیل ہے۔ اور اس نسبت کے علاوہ ہر حکم اتحاد و عینیت اور احاطہ و معیت وغیرہ

سب سُکرِ وقت اور غلبۂ حال کی قسم سے ہیں ـــــــ مستقیم الاحوال اکابر جنھوں نے ان کے صحو (ہوش) کے جام سے ایک گھونٹ پی لیا ہے وہ بھی ان علوم سے بیزار اور استغفار کرتے ہیں، اگرچہ ان میں سے بعض کو راہِ سلوک کے دوران یہ علوم بھی حاصل ہو جاتے ہیں لیکن آخر کار ان علوم سے گذار دیتے ہیں اور علومِ شریعت کے مطابق ان پر علوم لَدُنّی وارد فرماتے ہیں۔

اس بحث کی تحقیق کے لئے ہم ایک مثال بیان کرتے ہیں: ایک نہایت ہوشیار عالم صاحبِ فنون جب چاہتا ہے کہ اپنے پوشیدہ کمالات کے خزانے کو ظہور کے میدان میں لائے اور اپنے پوشیدہ فنون کو برملا ظاہر کرے تو وہ حروف و اصوات (آواز) کو ایجاد کرتا ہے تاکہ ان حروف و آواز کے پردوں میں ان کمالات کے جلووں کو ظاہر کر کے اپنے فنون کا اظہار کرے۔ لہذا ایسی صورت میں یہ حروف و اصوات اس کے پوشیدہ معانوں پر دلالت کرنے والے ہوں گے۔ لیکن اس عالم موجد کے ساتھ ان کو اس کے علاوہ کوئی نسبت نہیں کہ وہ عالم ان کا موجد ہے اور یہ سب اس کے پوشیدہ کمالات پر دلالت کرنے والے ہیں۔ اور حروف و اصوات کو اس عالم موجد کا عین یا ان معانی کا عین کہنا کوئی معنی نہیں رکھتا ـــــ اور اسی طرح احاطہ و معیت کا حکم کرنا بھی اس واقعہ میں غیر متحقق ہے۔ معانی اپنی اسی پوشیدہ سادگی میں ہیں۔ ہاں جس طرح معانی اور صاحبِ معانی اور حروف و اصوات کے درمیان دال اور مدلول ہونے کی نسبت موجود اور متحقق ہے، اسی لئے بعض معانی زائدہ غیر واقع تخیل میں آجاتے ہیں ـــــــ حقیقت میں وہ عالم اور اس کے پوشیدہ معانی اس نسبتِ زائدہ سے منزہ و مبرا ہیں اور یہ حروف و اصوات خارج میں موجود ہیں نہ یہ کہ وہ عالم اور معانی موجود ہیں اور وہ حروف و اصوات محض اوہام و خیالات ہیں۔ پس عالم (جو ما سوا اللہ سے مراد ہے وجودِ ظلی اور کونِ تبعی کے ساتھ خارج میں موجود ہے نہ کہ عالم اوہام و خیالات ہے ـــــ ـــــ یہ مذہب بعینہٖ سوفسطائی مذہب کے مطابق ہے جو عالم کو اوہام و خیالات جانتا ہے اور کہتا ہے کہ عالم میں حقیقت کو ثابت کرنا عالم کو اوہام و خیالات سے نہیں نکالتا، اور اس صورت میں حقیقت موجود ہوگی نہ کہ عالم۔ کیونکہ عالم اس حقیقتِ مفروضہ کے علاوہ ہے۔

تنبیہ: عالم کا اس تعالیٰ کے اسماء و صفات کا مظہریت اور مراتیت (ظاہر ہونا اور آئینہ ہونے) سے مراد یہ ہے کہ وہ اسماء و صفات کی صورتوں کا مظہر اور آئینہ ہے نہ کہ اسماء و صفات کے آئینے۔

کیونکہ اسم بھی مسمیٰ کے مانند کسی آئینے میں محدود نہیں ہو سکتا، اور صفت بھی (اپنے بے مثل) موصوف کی طرح کسی مظہر میں مقید نہیں ہو سکتی ؎

در تنگنائے صورت معنی چگونہ گنجد — در کلبۂ گدایاں سلطاں چہ کار دارد

(صورت کے تنگ گھر میں معنی کہاں سمائے — منگتے کی جھونپڑی کیوں بادشاہ جائے)

معرفت: آں سرور علیہ الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کی کامل تابعداری کرنے والے اگرچہ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کی اتباع کی برکت سے اس تجلیٔ ذات سے جو بالاصالت آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خاصہ ہے بہرہ مند ہیں اور باقی تمام انبیاء علیٰ نبینا وعلیہم الصلوات والتحیات والتسلیمات کے لئے تجلیاتِ صفات ہیں، اور تجلیٔ ذات تجلیٔ صفات سے اشرف ہے۔ لیکن جاننا چاہئے کہ انبیاء علیٰ نبینا وعلیہم الصلوات والتحیات کو تجلیاتِ صفات میں قُرب کے وہ مراتب حاصل ہیں جو اس امت کے کامل تابعداروں کو بطریقِ تبعیت تجلی ذاتی حاصل ہونے کے باوجود حاصل نہیں ہیں۔ ——— مثلاً کوئی شخص "جمالِ آفتاب" کی محبت میں عروج کے مدارج طے کرتا ہوا سورج تک پہنچ جائے اور سورج اور اس کے درمیان سوائے ایک باریک پردے کے کچھ بھی حائل نہ رہے۔ اور ایک دوسرا شخص جو "ذاتِ آفتاب" کی محبت کے باوجود ان مراتب تک عروج کرنے سے عاجز ہو اگرچہ اس شخص کے اور آفتاب کے درمیان کوئی پردہ حائل نہ ہو تو اس میں کوئی شک نہیں کہ پہلا شخص آفتاب سے زیادہ نزدیک ہے اور اس کے کمالات دقیقہ کو زیادہ جاننے والا ہے۔ پس جس کو قرب زیادہ حاصل ہے وہ معرفت میں بھی زیادہ فاضل تر ہے ——— لہٰذا اس امت کے اولیاء میں سے جو کہ "خیر الامم" ہے کوئی ولی اپنے پیغمبر کی افضلیت کے باوجود انبیاء میں سے کسی نبی کے مرتبہ تک نہیں پہنچ سکتا، اگرچہ اس (ولی) کو اپنے پیغمبر کی متابعت کی وجہ سے اس مقام سے جس کے ساتھ اس کو افضلیت حاصل ہے بہرہ مند ہو چکا ہو، کیونکہ کُلّی فضیلت صرف انبیاء کرام کو حاصل ہے اور اولیاء ان کے طفیلی ہیں ——— ہم اسی مضمون پر اپنے کلام کو ختم کرتے ہیں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ سُبْحَانَہٗ عَلٰی ذٰلِکَ وَعَلٰی جَمِیْعِ نَعْمَائِہٖ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی اَفْضَلِ اَنْبِیَائِہٖ وَعَلٰی جَمِیْعِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ وَالْمَلٰئِکَۃِ الْمُقَرَّبِیْنَ وَعَلَی الصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَاءِ وَالصّٰلِحِیْنَ (اس نعمت اور تمام نعمتوں پر اللہ سبحانہٗ کی حمد ہے اور انبیاء میں سے افضل نبی اور تمام انبیاء و مرسلین و ملائکۃ المقربین، صدیقین شہداء اور صالحین پر صلوٰۃ و سلام ہو)۔

سید انبیا سارنگپوری[1] کی طرف صادر فرمایا ــــــ عاشورا، شب قدر اور شب برأت وغیرہ میں نوافل (نماز) کو باجماعت ادا کرنے سے منع کرنے اور اس کے مناسب بیان میں۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ شَرَّفَنَا بِمُتَابَعَۃِ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَجَنَّبَنَا عَنِ ارْتِکَابِ الْمُبْتَدَعَاتِ فِی الدِّیْنِ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ قَمَعَ بُنْیَانَ الضَّلَالَۃِ وَرَفَعَ اَعْلَامَ الْھِدَایَۃِ وَعَلٰی اٰلِہِ الْاَبْرَارِ وَصَحْبِہِ الْاَخْیَارِ (شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان اور بڑا رحم والا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی حمد ہے کہ اس نے ہم کو سید المرسلین (صلی اللہ علیہ وسلم) کی متابعت سے مشرف فرمایا۔ اور دین میں بدعات کے ارتکاب سے بچایا اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جنھوں نے گمراہیوں کی بنیادوں کا قلع قمع کیا اور ہدایت کے جھنڈوں کو بلند کیا، اور آپ کی آل ابرار اور اصحاب اخیار پر صلوۃ وسلام ہو) ــــــ جاننا چاہئے کہ اس زمانے میں اکثر خواص وعوام نوافل کے ادا کرنے میں تو بہت زیادہ اہتمام کرتے ہیں اور فرض نماز (ادا کرنے) میں سستی کرتے ہیں اور ان (فرائض) میں سنن ومستحبات کی رعایت بھی بہت کم کرتے ہیں۔ نوافل کو عزیز جانتے ہیں اور فرائض کو ذلیل وخوار۔ بہت کم لوگ ایسے ہیں جو فرائض کو مستحب وقتوں میں ادا کرتے ہوں۔ جماعت مسنونہ کی تکثیر (کثرت) میں بلکہ نفسِ جماعت کی بھی کوئی پابندی نہیں کرتے، اور نفسِ فرائض کو غفلت و سستی کے ساتھ ادا کرنے کو غنیمت جانتے ہیں لیکن عاشورا (دسویں محرم) کے دن اور شب برأت اور ماہِ رجب کی ستائیسویں شب اور ماہِ مذکور (رجب) کے اول جمعہ کی شب کو جس کا نام انھوں نے لیلۃ الرغائب (ماہِ رجب کی پہلی شبِ جمعہ) رکھا ہے نہایت اہتمام کرکے نوافل کو بہت بڑی جمعیت کے ساتھ باجماعت ادا کرتے ہیں اور اس کو نیک و مستحسن خیال کرتے ہیں اور نہیں جانتے کہ یہ (نوافل کو اہتمام کے ساتھ باجماعت ادا کرنا) شیطان کا مکر وفریب ہے جو کہ سیئات کو حسنات کی صورت میں ظاہر کرتا ہے۔ (جیسا کہ) ــــــ

(حاشیہ: نوافل باجماعت ادا کرنے کی ممانعت)

ــــــ (۱) شیخ الاسلام مولانا عصام الدین ہروی شرح وقایہ کے حاشیہ میں فرماتے ہیں کہ نوافل کو باجماعت

[1] آپ کے نام دو مکتوبات ہیں دفتر اول مکتوب ۲۲۵-۲۸۸ باقی حالات معلوم نہ ہو سکے۔ مولانا نسیم احمد فریدی نے آپ کا نام سید غلام انبیا لکھا ہے

ادا کرنا اور فرضوں کی جماعت کو ترک کرنا شیطان کا مکر و فریب ہے ــــــــ (۲) جاننا چاہئے کہ نوافل کو کامل جمعیت اور جماعت کے ساتھ ادا کرنا مذموم و مکروہ بدعتوں میں سے ہے اور ان (بدعتوں) میں سے ہے جن کے متعلق حضرت رسالت خاتمیت علیہ من الصلوٰۃ افضلہا ومن التسلیمات اکملہا نے فرمایا ہے مَنْ اَحْدَثَ فِیْ دِیْنِنَا هٰذَا فَهُوَ رَدٌّ[1] (جس کسی نے ہمارے اس دین میں نئی بات نکالی وہ رد (مردود) ہے) ــــ

ــــــــ (۳) جاننا چاہئے کہ نوافل کو جماعت کے ساتھ ادا کرنا بعض فقہی روایتوں کی رو سے مطلق طور پر مکروہ ہے اور دوسری روایات میں کراہت تداعی وتجمیع (یعنی اعلان واجتماع) کے ساتھ مشروط کہا گیا ہے۔ اگر تداعی کے بغیر ایک دو آدمی مسجد کے گوشہ میں نفل (نماز) جماعت سے ادا کریں تو یہ بغیر کراہت کے جائز ہے، تین آدمیوں (کی جماعت) میں مشائخ کا اختلاف ہے اور بعض روایات میں چار آدمیوں کی جماعت بالاتفاق مکروہ ہے اور بعض دوسری روایات میں اصح یہ ہے کہ مکروہ ہے ــــــــ

(۴) فتاویٰ سراجیہ[2] میں ہے کہ "تراویح اور کسوف (سورج گرہن) کی نماز کے علاوہ دیگر نوافل کو باجماعت ادا کرنا مکروہ ہے" ــــــــ (۵) اور فتاویٰ غیاثیہ میں شیخ الامام سرخسی[3] رحمۃ اللہ سبحانہ نے فرمایا کہ رمضان کے علاوہ نماز نوافل کو جماعت سے ادا کرنا جبکہ تداعی (اعلان) کے طریق پر ہو مکروہ ہے لیکن جب ایک یا دو آدمی اقتدا کریں تو مکروہ نہیں اور تین میں اختلاف ہے اور چار میں بلا خلاف مکروہ ہے ــــــــ (۶) اور (فقہ کی مشہور کتاب) خلاصہ میں ہے کہ نفلوں کی جماعت جب تداعی کے طریق پر ہو تو مکروہ ہے لیکن اگر اذان واقامت کے بغیر گوشہ مسجد میں ادا کی جائے تو مکروہ نہیں ــــ

ــــــــ (۷) اور شمس الائمہ حلوانی[4] نے کہا ہے کہ جب امام کے علاوہ تین آدمی ہوں تو بالاتفاق

---

[1] بخاری ومسلم بروایت حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔

[2] از تصنیف سراج الدین اوشی بن عثمان بن محمدؒ۔ مصنف نے فتاویٰ سراجیہ میں بعض ایسے نادر مسائل بیان کئے ہیں جن سے اکثر کتب خالی ہیں فتاوی مذکور کی تکمیل بمقام اوش ماہ محرم ۹۶۵ھ میں ہوئی۔

[3] آپ کا نام محمد بن احمد بن سہل ابوبکر شمس الائمہ سرخسیؒ ہے، آپ امام، علامہ، حجت الاسلام، متکلم، مناظر اور علم اصول کے ماہر اور مسائل میں مجتہد تھے ایک مدت تک شمس الائمہ حلوانی کی خدمت میں رہے ۴۹۰ھ یا ۵۰۰ھ میں وفات پائی۔ بادشاہ وقت خاقان کو شکی کی تلقین کی پاداش میں قید کر دیا چنانچہ اوزجند کی جیل میں مبسوط کی پندرہ جلدیں تصنیف فرمائیں۔ سرخس خراسان میں ہے۔

[4] آپ کا نام عبدالعزیز بن احمد بن نصر بن صالح بخاری حنفی حلوانی ہے۔ آپ کے والد حلوے کی تجارت کرتے تھے اور فقراء کو بغیر قیمت حلوا دیتے تھے اور ان فقراء سے فرماتے کہ میرے بیٹے کے لئے دعا کرو۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے شمس الائمہ کو بہت اونچا مقام عطا فرمایا۔ اگر حلوانی شہر کی نسبت ہو تو یہ لفظ حلوانی کی بجائے حلوانی ہوگا۔ ۴۴۸ھ یا ۴۴۹ھ میں وفات پائی۔

مکروہ نہیں اور چار میں اختلاف ہے اور اصح یہی ہے کہ مکروہ ہے ——— اور فتاویٰ شافیہ میں ہے کہ ماہِ رمضان کے علاوہ نوافل کو جماعت سے ادا نہ کریں اور نوافل کو تداعی کے طور پر یعنی اذان اور اقامت کے ساتھ ادا کرنا مکروہ ہے لیکن ایک یا دو آدمی اقتدا کر لیں جو تداعی کے طور پر نہ ہوں تو مکروہ نہیں، اور اگر تین اقتدا کریں تو اس میں مشائخ رحمہم اللہ تعالیٰ کا اختلاف ہے اور اگر چار آدمی اقتدا کریں تو بالاتفاق مکروہ ہے۔

اس قسم کی اور بھی بہت سی روایتیں ہیں اور فقہ کی کتابیں ان سے بھری ہوئی ہیں، اور اگر کوئی ایسی روایت مل جائے جس میں عدد کا ذکر نہ ہو اور اس سے مطلق طور پر نفل نماز کو جماعت سے ادا کرنا جائز ثابت ہوتا ہو تو اس کو مقید پر محمول کرنا چاہیئے جو دوسری روایات میں واقع ہے اور مطلق سے مقید مراد لینا چاہیئے اور جواز کو دو یا تین پر منحصر کرنا چاہیئے کیونکہ علمائے حنفیہ اگرچہ اصول میں مطلق کو اپنے اطلاق پر ہی رکھنے کے قائل ہیں اور مقید پر حمل نہیں کرتے لیکن روایات میں مطلق کو مقید پر حمل کرنا جائز بلکہ لازم جانتے ہیں ——— اور اگر ہم بفرضِ محال حمل نہ بھی کریں اور اطلاق پر ہی رہنے دیں جبکہ یہ مطلق قوتِ (ثبوت) میں مقید کے برابر ہو تو وہ اس مقید کا معارض ہو گا حالانکہ قوت میں مساوات ممنوع ہے کیونکہ کراہت کی روایتیں باوجود کثرت کے مختار اور مفتیٰ بہا ہیں، برخلاف اباحت کی روایتوں کے۔ اور اگر دونوں کی مساوات تسلیم کر لی جائے تو ہم کہتے ہیں کہ کراہت و اباحت کے دلائل باہم متعارض ہونے کی صورت میں کراہت ہی کو ترجیح ہے کیونکہ احتیاط کی رعایت اسی میں ہے جیسا کہ اصولِ فقہ کے جاننے والوں کے نزدیک مقرر ہے ——— پس وہ لوگ جو روزِ عاشورا و شبِ برات اور لیلۃ الرغائب (ماہِ رجب کی پہلی شبِ جمعہ) میں نمازِ نوافل کو باجماعت ادا کرتے ہیں اور دو دو سو یا تین تین سو یا اس سے کم و بیش آدمی مساجد میں جمع ہوتے ہیں اور اس نماز و اجتماع اور جماعت کو مستحسن خیال کرتے ہیں، ایسے لوگ باتفاقِ فقہاء امرِ مکروہ کے مرتکب ہیں ——— اور مکروہ کو مستحسن جاننا بڑے گناہوں میں سے ہے کیونکہ حرام کو مباح جاننا کفر تک پہنچا دیتا ہے اور مکروہ کو حَسَن، نیک اور بہتر سمجھنا ایک درجہ اس سے کم ہے۔ اس فعل کی برائی کو اچھی طرح ملاحظہ کرنا چاہیئے ———

اور کراہت کے رفع کرنے کے بارے میں ان کے پاس سند عدمِ تداعی ہے، ہاں عدمِ تداعی بعض روایات کے مطابق کراہت کو دفع کرتی ہے لیکن ایک یا دو (مقتدیوں) کے ساتھ مخصوص ہے اور وہ بھی اس شرط پر کہ

گوشۂ مسجد میں ہو۔ وَبِهٖ وُرُبِّمَا خَرَطُ الْقَتَادِ (اس کے علاوہ بے فائدہ رنج اٹھانا ہے)۔

تداعی سے مراد نفل نماز کے ادا کرنے کے لئے ایک دوسرے کو خبر دینا ہے، اور یہ معنی ان جماعتوں میں متحقق ہیں جو عاشورا وغیرہ کے دن قبیلہ قبیلہ ایک دوسرے کو خبر کرتے اور بلاتے ہیں کہ فلاں شیخ یا فلاں عالم کی مسجد میں جانا چاہئے اور نفل نماز جماعت سے ادا کرنی چاہئے، اور اس فعل کو بطریق عادت ادا کرتے ہیں۔ اس قسم کی اطلاع دینا اذان واقامت سے بھی ابلغ (زیادہ بڑھ کر) ہے، پس تداعی بھی ثابت ہو گئی۔ اگر تداعی کو اذان واقامت پر ہی مخصوص رکھیں جیسا کہ بعض روایات میں واقع ہوا ہے، اور اس سے اذان واقامت کی حقیقت مراد لیں تو پھر بھی جواب وہی ہے جو اوپر گزر چکا کہ (ایسی نماز) ایک یا دو (مقتدی) کے ساتھ مخصوص ہے وہ بھی دوسری شرط کے ساتھ جو اوپر مذکور ہو چکی ہے (یعنی مسجد کے گوشہ میں ہو)

جاننا چاہئے کہ چونکہ ادائے نوافل کی بنیاد اخفا وستر (پوشیدگی) پر ہے اس لئے نوافل میں ریاو سمعہ کا گمان ہو سکتا ہے، اور جماعت اخفا کے منافی ہے اور فرائض کے ادا کرنے میں اظہار واعلان مطلوب ہے کیونکہ یہ ریاوسمعہ کی آمیزش سے پاک ہے پس ان کا جماعت کے ساتھ ادا کرنا مناسب ہے۔

علاوہ بریں ہم یہ کہتے ہیں کہ کثرت اجتماع فتنہ پیدا ہونے کا محل ہے یہی وجہ ہے کہ نماز جمعہ ادا کرنے کے لئے سلطان یا اس کے نائب کا حاضر ہونا شرط قرار دیا گیا ہے تاکہ فتنہ پیدا ہونے سے امن رہے۔ اور ان مکروہ جماعتوں میں بھی فتنہ پیدا ہونے کا قوی احتمال ہے پس یہ اجتماع بھی مشروع نہ ہو گا بلکہ منکر اور ممنوع ہو گا۔ حدیث نبوی علیہ من الصلوات افضلہا ومن التسلیمات اکملہا اَلْفِتْنَةُ نَائِمَةٌ لَعَنَ اللّٰهُ مَنْ اَيْقَظَهَا[1] (فتنہ سویا ہوتا ہے جو اس کو جگاتا ہے اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہوتی ہے)۔

پس اسلام کے والیوں، قاضیوں اور محتسبوں پر لازم ہے کہ اس طرح کے اجتماع سے (لوگوں کو) منع کریں اور اس بارے میں بہت ہی زجر وتنبیہ کریں تاکہ یہ بدعت جس سے فتنہ برپا ہونے کا اندیشہ ہے جڑ سے اکھڑ جائے۔ وَاللّٰهُ يُحِقُّ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيْلَ (اور اللہ تعالیٰ ہی حق کو ثابت کرتا ہے اور وہی سیدھے راستے کی ہدایت دیتا ہے)۔

---

[1] علامہ محمد مراد مکیؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو امام رافعیؒ نے حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کیا ہے۔

مولانا بدر الدین[1] کی طرف صادر فرمایا ـــــ قضا و قدر کے اسرار اور اس کے مناسب بیان میں۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں کہ جس نے قضا و قدر کے اسرار کو اپنے خاص بندوں پر منکشف فرمایا اور عوام کی نظر سے اس راز کو اس لئے پوشیدہ رکھا تاکہ وہ راہِ راست اور میانہ روی سے بھٹک نہ جائیں۔ اور صلوٰۃ و سلام ہو اس ذاتِ عالی پر کہ جس کے توسط سے حق تعالیٰ نے اپنی حجتِ بالغہ کو کامل و مکمل کر دیا اور ان کی وجہ سے نافرمانوں اور ہلاک ہونے والوں کے جھوٹے حیلے ٹوٹ گئے اور ان کے نیکوکار آل و اصحاب اور ان پرہیزگاروں پر بھی جو قدر پر ایمان لائے اور قضا پر راضی ہوئے۔

قضا و قدر کے اسرار

اس (حمد و صلوٰۃ) کے بعد واضح ہو کہ مسئلہ قضا و قدر (کی تحقیق) میں اکثر لوگ حیرت اور گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں، اور اکثر ناظرین پر اس مسئلہ کے وہم و خیال غالب رہتے ہیں حتیٰ کہ جو کچھ افعال بندہ سے اختیار کے ساتھ صادر ہوتے ہیں ان کے بارے میں بعض (یعنی جبریہ) نے کہا ہے کہ یہ محض جبر ہے اور بعض (یعنی قدریہ) بندہ کے افعال کو خدائے واحد و قہار کی طرف منسوب نہیں کرتے۔ ان دونوں گروہوں (یعنی جبریہ و قدریہ) میں سے ہر ایک نے اعتقاد میں جو کہ صراطِ مستقیم اور راہِ راست ہے (اعتدال اور میانہ روی کو چھوڑ کر) افراط و تفریط کو اختیار کر لیا ہے۔ اور اس اعتدال و میانہ روی کے راستے سے فرقۂ ناجیہ نے موافقت کی ہے جو کہ اہل سنت و جماعت رضی اللہ تعالیٰ عنہم وعن اسلافہم واخلافہم ہیں، لہذا ان حضرات نے افراط و تفریط کو چھوڑ کر اعتدال و میانہ روی کو اختیار کیا ہے۔

حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے حضرت امام جعفر صادق بن محمد (باقر) رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے دریافت کیا کہ اے فرزند رسول اللہ! کیا اللہ تعالیٰ نے کوئی امر (معاملہ) اپنے بندوں کے سپرد کر دیا ہے؟ انھوں نے جواب میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس بات سے عظیم اور برتر ہے، کہ اپنی ربوبیت کو اپنے بندوں کے سپرد کر دے ـــ پھر (امام ابو حنیفہؒ نے) عرض کیا کہ کیا اللہ تعالیٰ نے اس پر

---

[1] آپ کے نام چار مکتوبات ہیں دفتر اول مکتوب ۲۸۹-۲۹۷ دفتر دوم مکتوب ۴۲ دفتر سوم مکتوب ۳۱۔ مولانا بدر الدین سرہندی حضرت مجددؒ کے ہم وطن اور اجل خلفا میں سے تھے۔ پندرہ سال کی عمر میں حضرت مجددؒ سے بیعت کی اور سترہ سال خدمت میں رہے اور تکمیل سلوک کے بعد خلافت پائی۔ آپ کی کئی تصانیف ہیں ان میں سے حضرات القدس بہت مشہور و مقبول ہے۔ تاریخ ولادت و وفات معلوم نہ ہو سکے۔

بندوں کو مجبور پیدا کیا ہے؟۔ (امام جعفر صادقؒ نے) فرمایا کہ یہ بات بھی اللہ تعالیٰ کی شانِ عدالت سے بعید ہے کہ بندوں کو پہلے کسی بات پر مجبور کردے پھر اُن کو اس پر عذاب دے۔ پھر عرض کیا کہ اس معاملہ کی اصل حقیقت کیا ہے؟ (امام جعفر صادقؒ نے) فرمایا کہ (حقیقتِ معاملہ) اس کے بین بین ہے، نہ بالکل جبر ہے نہ تفویض (بالکل مختار) اور نہ اکراہ (مجبور کرنا) ہے نہ تسلیط (کسی حکم کا مُسلّط کردینا)۔۔۔۔ (حضرت مجدد صاحبؒ فرماتے ہیں) اسی لئے اہلِ سنت نے فرمایا کہ بندوں کے اختیاری افعال خلق و ایجاد کی حیثیت سے حق تعالیٰ کی قدرت کی طرف منسوب ہیں اور دوسری حیثیت یعنی کسب و اکتساب کی رو سے بندوں کی قدرت کی طرف منسوب ہیں۔ لہذا بندوں کی حرکت کو حق تعالیٰ کی قدرت کی طرف نسبت کے اعتبار سے مخلوق اور ایجاد کہتے ہیں اور بندہ کی قدرت کے ساتھ ربط اور تعلق کے اعتبار سے کسب و اکتساب کہتے ہیں۔

(لیکن اہلِ سنت میں سے امام ابو الحسن) اشعریؒ کا رجحان اس طرف ہے کہ بندوں کے اختیار کو ان کے افعال میں کچھ دخل نہیں ہے لیکن تحقیق یہ ہے کہ حق سبحانہٗ بطریق جری العادت (یعنی عادت اللہ اسی طرح جاری ہے) کہ ان (بندوں) کے اختیار کے بعد ان کے افعال کو وجود میں لے آتا ہے۔ اسی لئے ان (امام ابو الحسن اشعریؒ) کے نزدیک قدرتِ حادثہ (بندے کا اختیار) کوئی تاثیر نہیں رکھتی۔ اور یہ مذہب جبر کی طرف مائل ہے اسی لئے اس کو "جبر المتوسط" کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔۔۔۔ اور استاذ ابو اسحاق اسفرائنیؒ نے فرمایا ہے کہ اصل فعل اور حصولِ فعل میں قدرتِ حادثہ کی تاثیر کو دخل ہے اور (بندے کا فعل) دونوں قدرتوں (یعنی اللہ تعالیٰ کی قدرت اور بندے کی قدرت) کے مجموعے سے وجود میں آتا ہے۔ اور انھوں نے اثرِ واحد کے لئے دو مختلف جہتوں کے لحاظ سے دو مؤثروں کا جمع ہونا جائز قرار دیا ہے۔

۔۔۔۔ اور قاضی ابوبکر الباقلانیؒ وصفِ فعل میں قدرتِ حادثہ (بندے کی قدرت) کی تاثیر کے بایں طور قائل ہیں جبکہ فعل کو طاعت و معصیت (دونوں) کے ساتھ موصوف کردیا جائے۔

اور اس بندۂ ضعیف کے نزدیک مختار یہ ہے کہ اصلِ فعل اور وصفِ فعل دونوں میں (بیک وقت) قدرتِ حادثہ کی تاثیر کو دخل ہے، کیونکہ قدرتِ حادثہ کی تاثیر کے بغیر وصف میں تاثیر کے کوئی معنی نہیں۔ کیونکہ وصف کا اثر اصل پر متفرع ہوتا ہے۔ لیکن وہ اصل فعل کی تاثیر پر ایک زائد تاثیر کا محتاج ہے، کیونکہ وصف کا وجود اصل کے وجود پر زائد ہے، اور بندے کی قدرت کی تاثیر کے قول میں کوئی محذور گناہ نہیں ہے۔۔۔ اگرچہ یہ بات اشعری پر گراں ہوگی، کیونکہ قدرتِ حادثہ میں تاثیر کا وصف بھی اللہ سبحانہٗ

کی ایجاد سے ہے جیسا کہ "نفسِ قدرت" بھی اس بزرگ تعالیٰ کی ایجاد سے ہے اور قدرتِ حادثہ کی تاثیر کا قول وہی ہے جو صواب کے نزدیک ہے ——— اور اشعری کا مذہب فی الحقیقت دائرۂ جبر میں داخل ہے کیونکہ ان کے نزدیک بندے کا حقیقت میں کوئی اختیار نہیں ہے اور نہ ہی اس کی قدرتِ حادثہ میں کوئی تاثیر ہے مگر یہ کہ جبریہ کے نزدیک فعلِ اختیاری کو بھی فاعل کی طرف حقیقی طور پر منسوب نہیں کیا جاتا بلکہ مجازی طور پر نسبت کرتے ہیں۔ لیکن اشعری کے نزدیک فاعل (یعنی بندہ) کے ساتھ حقیقتاً نسبت کی جاتی ہے، اگرچہ اس کے لئے خاص طور پر کوئی اختیار ثابت نہیں۔ کیونکہ فعل حقیقی طور پر بندے کی قدرت کی طرف منسوب ہوتا ہے خواہ یہ قدرت کسی درجہ میں مؤثر ہو۔ جیسا کہ اشعری کے علاوہ اہلِ سنت کا مذہب ہے، یا مدارِ محض ہو جیسا کہ اس (اشعری) کا مذہب ہے۔ اور اسی فرق کے اعتبار سے اہلِ حق کا مذہب اہلِ باطل کے مذہب سے ممتاز ہو جاتا ہے۔ لیکن فعل کا فاعل سے حقیقی طور پر نفی کرنا اور مجازی طور پر اس کا اثبات کرنا جیسا کہ جبریہ کا مذہب ہے کفرِ محض اور بدیہی امر کا انکار ہے۔

صاحب تمہید[1] نے فرمایا ہے کہ جبریہ میں سے بعض اس بات کے قائل ہیں کہ بندے سے کسی فعل کا صادر ہونا ظاہری اور مجازی طور پر ہے حقیقتاً اس کو کوئی استطاعت وطاقت حاصل نہیں ہے بلکہ بندہ ایک درخت کی مانند ہے کہ جب ہوا اس کو حرکت دیتی ہے تو وہ متحرک ہو جاتا ہے۔ اسی طرح بندہ بھی درخت کی طرح مجبورِ محض ہے اور یہ قول کفر ہے اور جس نے ایسا اعتقاد رکھا وہ کافر ہو گیا ——— ——— اور نیز (صاحب تمہید نے) یہ بھی فرمایا کہ جبریہ میں ان کے قول کے مطابق بندوں کے اپنے افعال میں سے کوئی فعل حقیقتاً نہ خیر ہے نہ شر اور (بندے) جو کچھ کرتے ہیں ان کا فاعل وہی حق سبحانہٗ ہے یہ بھی کفر ہے۔

اگر کوئی سوال کرے کہ جب بندہ کی قدرت کے لئے افعال میں کوئی تاثیر نہیں اور نہ حقیقتاً اس کو کوئی اختیار ہے تو پھر اشعری کے نزدیک بندہ کی طرف حقیقتاً افعال کی نسبت کرنے کے کیا معنی ہیں؟ ——— ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ اگرچہ بندے کی قدرت افعال کے صدور میں کوئی تاثیر نہیں ہے لیکن حق سبحانہٗ نے اس کو وجودِ افعال کا مدار بنا دیا ہے اس طریقہ پر کہ حق تعالیٰ اپنی عادتِ جاریہ کے مطابق بندوں کو افعال کی طرف ان کے اپنے اختیار اور قدرت صرف کر دینے کے فوراً بعد افعال کو پیدا

---

[1] یعنی ابو المعین میمون بن محمد النسفی الحنفی المتوفی ۵۰۸ھ (کشف الظنون)۔

اور بندہ کی قدرت وجود افعال کے لئے علّتِ عادیہ بن جاتی ہے۔ لہٰذا اس طرح عادت کے طور پر افعال کے صادر ہونے میں قدرت کا خاص دخل ثابت ہے کیونکہ افعال بندے کی قدرت کے بغیر عادۃً وجود میں نہیں آسکتے اگرچہ افعال کے صادر ہونے میں اس کی کوئی تاثیر ثابت نہیں ہے، لہٰذا علّتِ عادیہ کے اعتبار سے بندوں کے افعال کو حقیقتاً ان کی طرف نسبت کی جاتی ہے اور مذہبِ اشعری کی تصحیح میں کلام کی نہایت یہی ہے۔ لیکن اب بھی یہ کلام محلِ تامّل ہے۔

جاننا چاہئے کہ اہلِ سنت قدر (تقدیر) پر ایمان رکھتے ہیں اور اس امر کے قائل ہیں کہ قدر خواہ خیر ہو یا شر، شیریں ہو یا تلخ، سب اللہ سبحانہٗ کی طرف سے ہے کیونکہ قدر و تقدیر کے معنی احداث اور ایجاد کے ہیں اور معلوم ہے کہ سب امور کا محدث اور موجد اللہ سبحانہٗ ہے اور اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے۔ ﴿لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ فَاعْبُدُوْہُ﴾ (انعام آیت ۱۰۲) نہیں کوئی معبود مگر وہ جو ہر چیز کا خالق ہے پس اسی کی عبادت کرو)

——— اور معتزلہ اور قدریہ نے قضا و قدر کا انکار کیا اور انھوں نے دعویٰ کیا ہے کہ بندوں کے افعال محض بندے کی قدرت کی وجہ سے وجود میں آتے ہیں۔ اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ اگر اللہ سبحانہٗ شر کا فیصلہ کرے اور پھر اس پر عذاب دے تو یہ بات اس ذاتِ عالی کی طرف سے جور و ستم ہے اور یہ قول ان کی جہالت کا باعث ہے کیونکہ حق سبحانہٗ کی قضا بندے سے قدرت اور اختیار کو سلب نہیں کرتی بلکہ اس طرح قضا فرمائی ہے کہ بندہ اپنے اختیار کے ساتھ اس کو کرے یا نہ کرے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ ایسی قضا بندے کے اختیار کو لازم اور واجب قرار دیتی ہے اور اس کے اختیار کو ثابت کرتی ہے وہ ہرگز اس کے منافی نہیں ہے[ص] کیونکہ قضا کے اعتبار سے حق سبحانہٗ و تعالیٰ کے افعال یا تو واجب ہیں یا ممتنع۔ کیونکہ اگر قضا وجود سے متعلق ہے تو واجب ہے اور اگر عدم وجود سے ہے تو ممتنع ہے۔ لہٰذا اگر اختیار کے ساتھ فعل کا واجب ہونا اختیار کے منافی ہوتا تو باری تعالیٰ اپنے افعال میں خود مختار نہ رہے گا۔ اور یہ بات کفر ہے ——— ——— اور یہ بات کسی پر پوشیدہ نہیں ہے کہ اس بات کا قائل ہونا کہ بندے نے کمالِ ضعف کے باوجود اپنے افعال کی ایجاد میں مستقل طور پر قدرت تسلیم کرنا نہایت بے وقوفی ہے اور کمال نادانی اس کا منشا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ ماوراء النہر کے مشائخ شکر اللہ تعالیٰ سعیہم نے اس مسئلہ میں ان (معتزلہ و قدریہ) کی تضلیل (گمراہی) کے بارے میں بہت مبالغہ کیا ہے اور یہاں تک کہہ دیا کہ مجوس کا حال ان کے حال سے بہتر ہے، کیونکہ مجوس نے ایک شریک کے

ص اور (معتزلہ) کا قول: حق تعالیٰ کے افعال کے بھی خلاف ہے۔

علاوہ دوسرے کا اثبات نہیں کیا اور معتزلہ نے بے شمار شریک ثابت کر دیئے ہیں ——— اور جبریہ نے دعویٰ کیا ہے کہ بندہ کا ہرگز اس کا اپنا کوئی فعل نہیں ہے، نہ قدرت، نہ ارادہ اور نہ اختیار، اس کی حرکات جمادات کی طرح ہیں، اور کہا ہے کہ بندے کو نہ تو اس کے اچھے کام پر کوئی ثواب دیا جائے گا اور نہ بُرے کام پر کوئی عذاب کیا جائے گا اور کفار اور گنہگار لوگ معذور ہیں اس لئے ان سے کوئی باز پرس نہ ہوگی کیونکہ تمام افعال اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں اور بندہ اس میں مجبورِ محض ہے، اور یہ قول بھی کفر ہے۔ اور یہ گروہ مرجیہ ملعون ہے کیونکہ یہی ہیں جو کہتے ہیں کہ معصیت کوئی ضرر نہیں پہنچاتی اور عاصی کو کوئی سزا نہیں ہوگی۔

اور حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: لُعِنَتِ الْمُرْجِئَةُ عَلٰی لِسَانِ سَبْعِيْنَ نَبِيًّا[1] (مرجیہ ستر انبیاء کی زبان سے لعنت کئے گئے ہیں) ——— اور ان کا مذہب ظاہر طور پر باطل ہے اس لئے کہ "حرکتِ بطش" (اپنے اختیار سے حرکت دینے) اور "حرکتِ ارتعاش" (مرضِ رعشہ سے حرکت پیدا ہونے) میں فرق ظاہر ہے۔ اور ہم یہ بات قطعی طور پر جانتے ہیں کہ پہلی حرکت اختیاری ہے اور دوسری غیر اختیاری ——— نصوصِ قطعیہ بھی اس مذہب کی نفی کرتی ہے جیسا کہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے: جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (واقعہ ۵۶ آیت ۲۴) (یہ ان اعمال کی جزا ہے جو وہ کرتے تھے) اور نیز حق تعالیٰ نے فرمایا: فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ (کہف ۱۸ آیت ۲۹) (جو شخص چاہے مومن بن جائے اور جو چاہے کافر بن جائے) وغیرہ۔

اور جاننا چاہیئے کہ اکثر لوگ اپنی کم ہمتی اور ناقص نیتوں کی وجہ سے حیلے اور عذر تلاش کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اپنے نفس سے آخرت کے سوال و جواب کو نکال دیں اور باز پرس سے بچ جائیں۔ لہٰذا وہ اشعری کے مذہب بلکہ جبریہ کے مذہب کی طرف مائل ہیں۔ اور کبھی وہ اس بات کا دعویٰ کرتے ہیں کہ بندے کو حقیقتاً کوئی اختیار حاصل نہیں اور فعل کی نسبت بھی اس کی طرف مجازاً ہے۔ اور کبھی بندے کے ضعفِ اختیار کے قائل ہوتے ہیں جس سے جبر لازم آتا ہے ——— اور اسی طرح اس مقام میں بعض صوفیہ کے کلام کو سنتے ہیں (کہ وہ کہتے ہیں) کہ تمام کاموں کا فاعل ایک ہی ہے اور بس، اور بندے کی قدرت کو اس کے اپنے افعال و حرکات میں کوئی دخل نہیں ہے، اور اس کی حرکات جمادات کی حرکات کی مانند ہیں، بلکہ بندے کا وجود ذات و صفت کی رو سے سراب کی مانند ہے جیسے پیاسا آدمی

[1] اس حدیث کو امام مناویؒ نے کنوز الحقائق میں اور امام سیوطیؒ نے تاریخ میں بحوالہ حاکم حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے اور اسی مضمون کی ایک حدیث امام ترمذیؒ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی ہے۔

ہموار و چمکدار زمین کو (دور سے) پانی گمان کرتا ہے، یہانتک کہ جب وہ اس کے نزدیک پہنچتا ہے تو وہاں کوئی چیز نہیں پاتا البتہ اپنے نزدیک اللہ تعالیٰ کی ذات کو پاتا ہے' (صوفیہ کی) اس قسم کی باتوں نے ان کو اپنے قول و فعل میں مداہنت و سستی پر دلیر کر دیا ہے۔ ——— لہذا ہم اس مقام میں تحقیق کے طور پر کہتے ہیں کہ اللہ سبحانہ' ہی حقیقت حال سے خوب واقف ہے ——— اگر حقیقتاً بندہ کے لئے اختیار ثابت نہ ہوتا جیسا کہ اشعری کا مذہب ہے تو اللہ تعالیٰ ظلم کی نسبت بندوں کی طرف نہ کرتا۔ کیونکہ اشعری کے نزدیک نہ ہی بندوں کو کچھ اختیار حاصل ہے اور نہ ہی ان کی قدرت کے لئے کچھ تاثیر ہے بلکہ ان کی قدرت و تاثیر ان کے نزدیک مدار محض ہے، حالانکہ اللہ سبحانہ نے اپنی کتاب مجید میں متعدد مقامات[1] پر ظلم کو بندوں کی طرف منسوب کیا ہے' اور تاثیر کے بغیر قدرت کا محض مدار ہوتا اگرچہ فی الجملہ ہی ہو ظلم کا ذمہ دار نہیں بنایا۔ ہاں حق تعالیٰ کا بندوں کو تکلیف یا عذاب دینا بغیر اس امر کے کہ ان کے لئے اختیار ثابت ہو ہرگز ظلم نہیں ہے کیونکہ وہ سبحانہ' مالک علی الاطلاق (مطلق طور پر مالک) ہے اور جس طرح چاہتا ہے اپنی مطلق ملک میں تصرف کرتا ہے۔ لیکن ان (بندوں) کے ساتھ ظلم کی نسبت سے ان کے اختیار کا ثبوت لازم آتا ہے۔ اور اس مسئلہ میں مجاز کا احتمال متبادر (فوراً ذہن میں آنے والا) کے خلاف ہے۔ لہذا بلا ضرورت اس کا ارتکاب نہیں کرنا چاہئے، لیکن ضعفِ اختیار کا قائل ہونا دو حال سے خالی نہیں۔ اگر ضعف سے مراد یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے اختیار کی نسبت بندہ کا اختیار ضعیف ہے تو یہ بات مسلم ہے اور اس میں کوئی جھگڑا نہیں۔ اور اگر ضعف کے یہ معنیٰ ہیں کہ افعال کے صدور میں بندہ کا استقلال نہیں' تو یہ بھی تسلیم ہے' لیکن ضعف کے یہ معنیٰ مسلم نہیں کہ صدورِ افعال میں بندہ کے اختیار کو کچھ دخل نہیں' اور یہ اول مسئلہ ہے (جس میں تنازع ہے) اور منع کی سند تفصیلی طور پر پہلے گزر چکی ہے۔

اس بات کو جاننا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو ان کی طاقت کے اندازے اور استطاعت کے مطابق تکلیف دی ہے اور اس تکلیف میں بھی رعایت رکھی ہے کیونکہ انسان کی خلقت ضعیف ہے جیسا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے: یُرِیۡدُ اللّٰہُ اَنۡ یُّخَفِّفَ عَنۡکُمۡ وَ خُلِقَ الۡاِنۡسَانُ ضَعِیۡفًا۔ (نساء آیت ۲۸) (اللہ تعالیٰ تمہارے لئے آسانی چاہتا ہے اور انسان کو ضعیف (کمزور) پیدا کیا گیا ہے)۔ تخفیف کیوں کرے

---

[1] مثلاً حق تعالیٰ کا ارشاد ہے، وَلٰکِنۡ کَانُوۡۤا اَنۡفُسَہُمۡ یَظۡلِمُوۡنَ ۔ فَبِظُلۡمٍ مِّنَ الَّذِیۡنَ ہَادُوۡا ۔ اِنَّکُمۡ ظَلَمۡتُمۡ اَنۡفُسَکُمۡ ۔ وَاللّٰہُ عَلِیۡمٌۢ بِالظّٰلِمِیۡنَ ۔

جبکہ وہ سبحانہٗ حکیم (حکمت والا) رؤف (مہربانی کرنے والا) اور رحیم (بڑا مہربان) ہے لہٰذا اس کے لئے سزاوار نہیں کہ وہ اپنے بندے کو ایسی تکلیف دے جو اس کی استطاعت سے باہر ہو، چنانچہ اس نے اپنے بندے کو بڑے بھاری پتھر اٹھانے کا حکم نہیں دیا جس کو وہ اٹھا نہ سکے، بلکہ ایسی چیزوں کا مکلّف کیا ہے جس کو بندہ آسانی سے انجام دے سکتا ہے، جیسے "نماز" جس میں قیام، رکوع، سجود اور قرأتِ میسرہ (آسان قرأت) شامل ہیں اور یہ سب نہایت ہی آسان ہیں۔ اور اسی طرح "روزہ" اس میں بھی بہت سہولت ہے۔ اور "زکوٰۃ" کا بھی یہی حال ہے جس کا چالیسواں حصہ (سال گذرنے پر) مقرر ہے، سارا یا نصف مال دینا نہیں کیا جو بندہ پر دشوار ہو ـــــــ اور یہ بھی اس کی کمال رافت و مہربانی ہے کہ اس نے عذر کی موجودگی میں مامور بہ (فرض و واجب) کا بدل و عوض بھی مقرر فرما دیا چنانچہ وضو کا بدل تیمم کو مشروع کر دیا اور اسی طرح حکم دیا کہ اگر کوئی کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو وہ بیٹھ کر ادا کرے اور جو کوئی بیٹھنے کی بھی طاقت نہ رکھتا ہو وہ پہلو پر لیٹ کر نماز ادا کرے اور جو شخص رکوع و سجود کی قدرت نہ رکھتا ہو وہ اشارے سے ادا کرے وغیرہ۔ اور اس کے علاوہ بھی بہت سہولتیں ہیں جو اس شخص پر پوشیدہ نہیں جو احکامِ شرعیہ کو اعتبار کی نظر سے دیکھنے والا ہے ـ غرض ان تمام تکلیفات شرعیہ میں بہت زیادہ آسانی اور سہولت ہے اور تکلیفات والے اوراق میں حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی اپنے بندوں پر کمال درجہ رافت ظاہر ہوتی ہے۔ ان تکلیفاتِ شرعیہ کے آسان ہونے کی تصدیق اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ عوام ور زیادہ تکلیفاتِ شرعیہ کی آرزو کرتے ہیں یعنی چاہتے ہیں کہ فرض روزے ماموراتِ شرعیہ سے زیادہ ہوتے یا فرض نمازیں زیادہ ہوتیں علیٰ ہذا القیاس۔ اور اس قسم کی تمنا و آرزو کی وجہ صرف یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کمال مہربانی سے رعایت و تخفیف فرمائی ہے اور ان احکامِ شرعیہ کی بجاآوری میں آسانی پیدا کی ہے ـــــــ اور بعض لوگوں کو ان احکام میں آسانی محسوس نہ ہونے کی وجہ ان کے نفسِ امارہ کی خواہشات اور "نفسانی ظلمتیں" اور "طبعی کدورتیں" ہیں جو اللہ سبحانہٗ کی نعمتی میں کھڑی رہتی ہیں، جیسا کہ اللہ سبحانہٗ کا ارشاد ہے: کَبُرَ عَلَی الْمُشْرِکِیْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَیْهِ (سورہ شوریٰ آیت ۱۳)[۴۲] (مشرکین پر وہ بات بہت گراں ہے جس کی طرف تم ان کو بلاتے ہو) ـــــــ نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاِنَّهَا لَکَبِیْرَةٌ اِلَّا عَلَی الْخٰشِعِیْنَ (بقرہ آیت ۴۵)[۲] (اور بیشک وہ (نماز) سب پر گراں ہے مگر جن کے اندر خشوع ہو) ـــــــ لہٰذا جس طرح ظاہری مرض میں فرائض کی ادائیگی مشکل کا سبب بنتی ہے

اسی طرح باطنی مرض بھی دشواری کا باعث ہو جاتا ہے۔ حالانکہ روشن شریعت نفسِ امارہ کی انہی رسومات اور خواہشات کے ازالہ کے لئے وارد ہوئی ہے۔ لہذا ہوائے نفس اور متابعتِ شریعت دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں، پس لازمی طور پر اس دشواری کا وجود ہوائے نفس کے وجود پر دلالت کرتا ہے۔ لہٰذا (اتباعِ شریعت میں جسقدر دشواری محسوس ہو گی اسی اندازے کے مطابق ہوائے نفس کی موجودگی جاننا چاہیئے، اور جب ہوائے نفس پورے طور پر ختم ہو جائے گی تو احکامِ شرع میں بھی کوئی تنگی باقی نہ رہے گی۔

______ لیکن بعض صوفیہ کے کلام سے جو اختیار کی نفی ہیں یا اس کے ضعف میں پہلے بیان ہو چکا ہے اس کے متعلق جاننا چاہیئے کہ اگر ان (صوفیہ) کا کلام شریعت کے مطابق نہیں ہے تو اس کا ہرگز اعتبار نہیں ہے، لہذا وہ نہ حجت ہے اور نہ تقلید کے قابل، کیونکہ حجت اور تقلید کے لائق تو علمائے اہل سنت کے اقوال ہیں۔ لہذا صوفیوں کے جو اقوال ان (علمائے اہلِ سنت) کے اقوال کے مطابق ہوں وہ قابلِ قبول ہیں اور جو ان کے اقوال کے مخالف ہیں وہ غیر مقبول ہیں۔

اسی طرح ہم کہتے ہیں کہ مستقیم الاحوال صوفیہ شریعت سے تجاوز نہیں کرتے، نہ احوال میں نہ اعمال میں، نہ اقوال میں اور نہ علوم و معارف میں۔ وہ جانتے ہیں کہ شریعت سے تھوڑی سی مخالفت کا باقی رہنا بھی حال کی خرابی اور دل کے خلل کی وجہ سے ہوتا ہے، اگر حال درست و صادق ہوتا تو شریعتِ حقہ کی ہرگز مخالفت نہ ہوتی۔

مختصر یہ کہ شریعت کے خلاف ہونا بے دینی کی دلیل اور الحاد کی علامت ہے اور خلاصۂ کلام یہ ہے کہ اگر کسی صوفی سے غلبۂ حال میں اپنے کشف اور سکرِ وقت کی وجہ سے کوئی ایسا کلام صادر ہوا ہو جو شریعت کے مخالف ہو تو اس میں وہ معذور ہے اور اس کا کشف صحیح نہیں ہے، لہذا وہ تقلید کے قابل بھی نہیں ہے بلکہ مناسب یہ ہے کہ اس کے کلام کو ظاہری معنوں سے پھیر کر صحیح معنوں کی طرف لوٹا دیا جائے کیونکہ اہل سکر کا کلام ظاہری معنوں سے پھرا ہوا ہوتا ہے۔

هٰذَا مَا تَيَسَّرَ لِي فِي هٰذَا الْمَقَامِ بِعَوْنِ اللّٰهِ سُبْحَانَهٗ وَحُسْنِ تَوْفِيْقِهٖ تَعَالٰى (یہ ہے جو اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کی مدد سے اور اس کی حُسنِ توفیق سے اس مقام میں مجھے میسر ہوا ہے)۔

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى (تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں، اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو)۔

ملا محمد ہاشم[1] کی جانب صادر فرمایا ــــــــ اس طریقے کے بیان میں کہ حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے حضرت مجددؒ کو ابتدائے حال ہی میں اس کے ساتھ مخصوص فرما دیا تھا اور طالبوں کو اس طریقے پر چلانے کی توفیق بخشی تھی اور طریقۂ عالیہ نقشبندیہ اور اندراجِ نہایت در بدایت کے بیان میں جو اس طریقے کے لوازم میں سے ہے اور اس حضوری کے بیان میں جو اس طریقے کے بزرگوں کے نزدیک معتبر ہے جس کو نسبتِ نقشبندیہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور بعض احوال، اذواق اور علوم و معارف وغیرہ کے بیان میں جو طریقۂ نقشبندیہ میں حاصل ہوتے ہیں اور ان بزرگوں کے جذبات کا بیان اور ان کے مناسب بیان میں۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہِ الطَّیِّبِیْنَ الطَّاھِرِیْنَ۔ (سب تعریف اللہ رب العالمین کے لیے ہے اور حضرت سید المرسلین اور آپ کی آل و اصحاب طیبین و طاہرین پر صلوٰۃ و سلام ہو) ــــــــ جاننا چاہئے کہ وہ طریقہ جو اَقرب (بہت قریب والا)، اَسبق (جلد پہنچانے والا)، اَوفق (کتاب و سنت کے زیادہ موافق)، اَوثق (زیادہ معتبر و مضبوط) اسلم (تسلیم شدہ) اَحکم (سب پر غالب)، اَصدق (زیادہ سچا)، اَدل (زیادہ رہنمائی والا) اَعلیٰ (سب سے بلند)، اَجل (زیادہ بزرگی والا)، اَرفع (زیادہ بلند)، اکمل (زیادہ کامل و مکمل) ہے وہ طریقہ عالیہ نقشبندیہ ہے، قَدَّسَ اللّٰہُ تَعَالٰی اَرْوَاحَ اَھَالِیْھَا وَاَسْرَارَ مَوَالِیْھَا (اللہ تعالیٰ ان کی ارواح کو پاک کرے اور ان کے اسرار کی حفاظت فرمائے) ــــــــ اس طریقے کی یہ تمام بزرگی اور

---

[1] آپ کے نام تیرہ[13] مکتوبات ہیں دفتر اول مکتوب ۲۹۰-۳۱۰-۳۱۳- دفتر دوم مکتوب ۴۳-۷۴-۹۳-۹۷- دفتر سوم مکتوب ۴۲-۵۲-۶۸-۷۵-۹۰-۹۲-۹۶- حضرت خواجہ محمد ہاشم بن محمد قاسم کی موضع کشم علاقہ بدخشاں میں ولادت ہوئی۔ ابتدائی تعلیم کے بعد آپ ہندوستان تشریف لائے اتفاقاً برہان پور پہنچے تو حضرت خواجہ میر نعمانؒ سے ملاقات ہو گئی اور آپ ان سے بیعت ہو گئے۔ بعد ازاں میر صاحب کی دامادی کا شرف بھی حاصل ہو گیا۔ اسی دوران حضرت مجدد الف ثانیؒ سے خط و کتابت کا سلسلہ شروع ہوا اور آپ سنہ ۱۰۳۱ھ میں پہلی بار حضرت مجدد صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دو سال تک سفر و حضر، خلوت و جلوت میں حضرت کی خدمت میں رہے چنانچہ حضرت مجدد صاحبؒ کے اجل خلفا میں آپ کا شمار ہے۔ آپ کو انشا پردازی اور شاعری میں بھی کمال حاصل تھا۔ آپ کی تصانیف میں "زبدۃ المقامات" بہت مشہور ہے اس کے فارسی اور اردو تراجم شائع ہو چکے ہیں اور حال ہی میں دوسری تصنیف "نسمات القدس" کا اردو ترجمہ بھی شائع ہو گیا ہے۔ ولادت سنہ ۹۸۹ھ اور وفات سنہ ۱۰۵۴ھ برہان پور میں ہوئی۔

اس سلسلے کے بزرگوں کی یہ علوِ شان روشن سنت علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیہ کی متابعت کو لازم جاننے اور ناپسندیدہ بدعتوں سے پرہیز کرنے کی وجہ سے ہے ؛ یہی (نقشبندی بزرگ) ہیں کہ اصحابِ کرام علیہم الرضوان من الملک المنّان کی طرح ان کے کام کی ابتدا ہی میں انتہا مندرج ہوگئی ہے اور ان کے حضور و آگاہی نے دوام پیدا کر کے درجۂ کمال تک پہنچنے کے بعد ان کی آگاہی دوسروں کی آگہی پر فوقیت لے گئی ہے۔

حضرت مجدد صاحب کے ابتدائی سلوک طے کرنے کی کیفیات

اے بھائی! اللہ تعالیٰ تم کو سیدھے راستے پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اس درویش کو جب اس راہ کی ہوس و خواہش پیدا ہوئی تو حق جل وعلا کی عنایت ہادیٔ راہ بن کر اس کو ولایت پناہ حقیقت آگاہ اندراج النہایت فی البدایت کے طریقے کی ہدایت کرنے والے اور درجاتِ ولایت تک پہنچانے والے راستے کے والی اور پسندیدہ دین کی تائید کرنے والے، ہمارے شیخ، آقا اور امام خواجہ محمد باقی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ کی خدمت میں پہنچایا جو سلسلۂ حضراتِ نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے ایک بہت بڑے خلیفہ تھے انھوں نے اس درویش کو اسمِ ذات جل سلطانہٗ کا ذکر تعلیم فرمایا، اور اپنے مقررہ طریق پر ایسی توجہ فرمائی کہ مجھے کمال درجہ لذت حاصل ہوئی اور کمالِ شوق سے گریہ شروع ہو گیا ——— پھر ایک روز کے بعد بے خودی کی کیفیت جو ان بزرگوں کے نزدیک معتبر ہے اور غَیبت کے نام سے موسوم ہے مجھ پر طاری ہوئی۔ اس بے خودی کی حالت میں میں نے دیکھا کہ ایک محیط سمندر ہے جس میں تمام عالم کی صورتیں اور شکلیں اس طرح نمایاں ہیں جیسے پانی میں چیزوں کے عکس نظر آتے ہیں۔ یہ بیخودی آہستہ آہستہ غالب آتی گئی اور دیر تک رہنے لگی، کبھی ایک پہر اور کبھی دو پہر تک اور بعض مرتبہ رات بھر یہی حالت رہتی۔

بے خودی

——— جب میں نے یہ حالت حضرت پیر و مرشد خواجہ صاحبؒ کی خدمت میں عرض کی تو آپ نے فرمایا "تم کو فنا کی ایک قسم حاصل ہوگئی ہے"۔ پھر آپ نے مجھے ذکر کرنے سے منع فرما دیا اور اس آگاہی کی نگہداشت کا حکم دیا ——— دو دن کے بعد مجھے "فنائے مصطلح" حاصل ہوگئی۔ جب میں نے اس کی کیفیت حضرت خواجہؒ کی خدمت میں عرض کی تو آپ نے فرمایا "اپنے کام میں لگے رہو۔

——— بعد ازاں "فنائے فنا" حاصل ہوئی۔ پھر عرض کیا تو آپ نے فرمایا "کیا تم تمام عالم کو ایک (واحد ذات) واحد کے ساتھ متصل پاتے ہو" میں نے عرض کیا حضور ایسا ہی محسوس ہوتا ہے۔ حضرت خواجہؒ نے فرمایا "فنائے فنا میں قابلِ اعتبار یہ بات ہے کہ اس اتصال کے دیکھنے کے باوجود

فنائے فنا

بے شعوری حاصل ہوئی۔ چنانچہ اسی شب اس قسم کی "فنائے فنا" حاصل ہوگئی ـــــــــــ میں نے حضرت خواجہؒ کی خدمت میں اس کی کیفیت عرض کردی کہ میں اپنے علم کو حق سبحانہٗ کی نسبت علمِ حضوری پاتا ہوں (یعنی علمِ حصولی پا لینے کے بعد بلا توسط حصول صورت علمِ حضوری پاتا ہوں) اور جو اوصاف میری طرف منسوب تھے حق سبحانہٗ کی طرف منسوب پاتا ہوں ـــــــــــ پھر ایک سیاہ رنگ کا نور ظاہر ہوا جو تمام اشیائے عالم کو گھیرے ہوئے تھا میں سمجھا کہ حق جل وعلا یہی ہے۔ جب میں نے عرض کیا تو حضرت خواجہؒ نے فرمایا "حق جل سلطانہٗ مشہود ہے لیکن نور کے پردے میں ہے" نیز یہ بھی فرمایا کہ "یہ انبساط اور پھیلاؤ جو اس نور میں دکھائی دیتا ہے (دراصل) "علم" میں ہے کیونکہ ذاتِ حق جل شانہٗ کا تعلق متعدد اشیا کے ساتھ ہے جو کہ اوپر نیچے واقع ہوئی ہیں اس لئے منبسط اور پھیلا ہوا دکھائی دیتا ہے اس انبساط کی بھی نفی کرنی چاہئے ـــــــــــ اس کے بعد وہ پھیلا ہوا سیاہ نور سکڑنے اور کم ہونے لگا حتیٰ کہ ایک نقطہ سا رہ گیا۔ حضرتؒ نے فرمایا "اس نقطے کی بھی نفی کرنی چاہئے اور مقامِ حیرت میں آجانا چاہئے" ـــــــــــ میں نے ایسا ہی کیا۔ چنانچہ وہ نقطۂ موہوم بھی درمیان سے زائل ہوگیا اور میں مقامِ حیرت تک پہنچ گیا کہ جس میں حق تعالیٰ کا شہود (پردۂ نور کے بغیر) خود بخود ہے۔ جب میں نے حضرت خواجہؒ کی خدمت میں یہ کیفیت عرض کی تو فرمایا "یہی حضور، حضراتِ نقشبندیہ کا حضور ہے اور نسبتِ نقشبندیہ اسی حضور کو کہتے ہیں اور اس حضور کو حضورِ بے غیبت بھی کہتے ہیں اور اندراج نہایت در بدایت (بدایت میں نہایت کا مندرج ہونا) اسی مقام میں حاصل ہوتا ہے۔ اور اس طریقہ میں طالب کو اس نسبت کا حاصل ہونا ایسا ہی ہے جیسا کہ دوسرے سلسلوں میں طالب کا اپنے پیر سے اذکار اور اوراد اخذ کرنا تاکہ طالب ان پر عمل کرکے اپنے مقصود تک پہنچے۔ ع

قیاس کن زگلستانِ من بہارِ مرا　　(مری بہار کا اندازہ گلستاں سے کر)

اس درویش کو یہ عزیز الوجود نسبت ذکر کی تعلیم کی ابتدا سے دو ماہ اور چند روز بعد حاصل ہوگئی تھی۔ اور اس فنا کے حاصل ہونے کے بعد ایک اور فنا حاصل ہوئی جس کو "فنائے حقیقی" کہتے ہیں اور دل کو اس قدر وسعت حاصل ہوئی کہ عرش سے لے کر مرکزِ زمین تک تمام عالم (موجودات) کو اس وسعت کے مقابلے میں رائی کے ایک دانے کی مقدار کے برابر بھی قدر حاصل نہ تھی ـــــــــــ بعد ازاں میں اپنے آپ کو اور عالم کے ہر فرد کو بلکہ ہر ذرّے کو دیکھتا تھا کہ یہ سب حق تعالیٰ ہے، اس کے بعد عالم کے

ہر ذرّے کو الگ الگ اپنا عین دیکھا اور اپنے آپ کو ان سب کا عین پایا، یہاں تک کہ تمام عالم کو ایک ذرّے میں گم پایا۔ اس کے بعد اپنے آپ کو بلکہ ہر ذرے کو اسقدر منبسط اور وسیع دیکھا کہ تمام عالم بلکہ اس سے کئی گنا اور عالم کی اس میں گنجائش ہے۔ بلکہ اپنے آپ کو اور ہر ذرے کو ایسا پھیلا ہوا نور پایا جو ہر ذرّے میں سرایت کئے ہوئے ہے اور عالم کی صورتیں اور شکلیں اس نور میں گھل مل گئیں اور فنا ہو گئی ہیں۔

ترقی از حق الیقین بدرجۂ اعلیٰ

——— بعدازاں میں نے اپنے آپ کو بلکہ ہر ذرّے کو تمام عالم کا قائم رکھنے والا پایا۔ جب یہ کیفیت حضرت خواجہؒ کی خدمت میں عرض کی تو آپ نے فرمایا "توحید میں" حق الیقین" کا مرتبہ یہی ہے اور" جمع الجمع" بھی اسی مقام کو کہتے ہیں ——— بعد ازاں عالم کی تمام صورتیں اور شکلیں جن کو میں پہلے حق تعالیٰ پاتا تھا اب وہ وہمی اور خیالی دکھائی دینے لگیں۔ پہلے ہر ذرّے کو بغیر کسی فرق و تمیز کے حق تعالیٰ پاتا تھا اور اب اسی ذرّے کو موہوم پایا، اس امر سے نہایت حیرت ہوئی۔ اور اس اثنا میں فصوص الحکم کی وہ عبارت جو میں نے اپنے والد بزرگوار علیہ الرحمہ سے سنی تھی یاد آئی کہ صاحب فصوص نے فرمایا ہے:

إِنْ شِئْتَ قُلْتَ إِنَّهُ أَيِ الْعَالَمَ حَقٌّ وَإِنْ شِئْتَ قُلْتَ إِنَّهُ خَلْقٌ وَإِنْ شِئْتَ قُلْتَ إِنَّهُ حَقٌّ مِّنْ وَجْهٍ وَخَلْقٌ مِّنْ وَجْهٍ وَّإِنْ شِئْتَ قُلْتَ بِالْحَيْرَةِ لِعَدَمِ التَّمْيِيْزِ بَيْنَهُمَا (یعنی اگر تو چاہے تو کہہ سکتا ہے کہ عالم حق سبحانہٗ ہے اور اگر چاہے تو یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ عالم مخلوق ہے اور اگر چاہے تو اس طرح بھی کہہ سکتا ہے کہ وہ ایک اعتبار سے حق ہے اور ایک اعتبار سے مخلوق ہے اور اگر تو چاہے تو ان دونوں میں تمیز نہ ہونے کی وجہ سے حیرت کا اظہار کرے یعنی یہ سب بجا ہے)۔ اس عبارت سے اس اضطراب میں کسی قدر تسکین ہو گئی ——— اس کے بعد میں نے حضرت خواجہؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی حالت عرض کی تو آپ نے ارشاد فرمایا "ابھی تمہارا حضور صاف نہیں ہوا، اپنے کام میں مشغول رہو حتیٰ کہ موجود اور موہوم میں تمیز واضح ہو جائے"۔ میں نے فصوص کی وہ عبارت عرض کی جس سے عدم تمیز ظاہر ہوتی تھی۔ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ "شیخ (ابنِ عربیؒ) نے اس عبارت میں کامل شخص کا حال بیان نہیں کیا؟ عدم تمیز بھی بعض اشخاص کی نسبت ثابت ہے"۔ حسب الامر میں اپنے کام میں مشغول ہو گیا ———

——— حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے محض حضرت ایشاں (خواجہ صاحبؒ) کی توجہ شریفہ سے دو روز کے بعد موجود اور موہوم کے درمیان تمیز ظاہر فرما دی، یہاں تک کہ میں نے موجود حقیقی کو موہوم خیالی سے ممتاز پایا اور وہ صفات و افعال اور آثار جو موہوم محض دکھائی دیتے تھے میں نے

حق سبحانہٗ سے دیکھا اور ان صفات و افعال کو بھی موہومِ محض پایا اور خارج میں بجز ایک ذات کے کچھ موجود نہ دیکھا۔ جب میں نے یہ حالت حضرت خواجہؒ کی خدمت میں عرض کی تو ارشاد فرمایا کہ "مرتبۂ فرق بعد الجمع" یہی ہے اور سعی و کوشش کی انتہا یہیں تک ہے، اس سے زیادہ جو کچھ کسی کی فطرت و استعداد میں مقدر کیا گیا ہے ظاہر ہو جاتا ہے اور اس مرتبہ کو مشائخ طریقت مقامِ تکمیل کہتے ہیں۔

مرتبۂ فرق بعد الجمع

جاننا چاہئے کہ اس درویش کو جب پہلی مرتبہ سکر سے صحو میں لائے اور فنا سے بقا کے ساتھ مشرف فرمایا تو میں جب اپنے وجود کے ذرات میں سے ہر ذرّے میں نظر کرتا تھا تو حق تعالیٰ کے سوا کچھ نہ پاتا تھا اور ہر ذرّے کو اس تعالیٰ کے شہود کا آئینہ پاتا تھا۔ اس مقام سے مجھے پھر حیرت میں لے گئے۔ پھر جب ہوش میں لائے تو میں نے حق سبحانہٗ کو اپنے وجود کے ذرات میں سے ہر ذرّے کے ساتھ پایا نہ کہ ہر ذرّے میں۔ اور پہلا مقام اس دوسرے مقام کی نسبت بہت نیچے نظر آیا ــــــــــ پھر حیرت میں لے گئے جب ہوش میں لائے تو اس مرتبہ میں حق سبحانہٗ کو میں نے نہ عالم کے متصل پایا نہ اس سے منفصل اور نہ عالم میں داخل پایا اور نہ اس سے خارج میں معلوم کیا۔ معیت و احاطہ اور سریان کی نسبت جس طرح کہ اول میں پاتا تھا بالکل منتفی ہو گئی، اس کے باوجود اسی کیفیت کے ساتھ مشاہدہ کرایا گیا بلکہ اس طرح گویا کہ محسوس کرا دیا گیا اور عالم بھی اس وقت مشہود تھا لیکن حق سبحانہٗ کے ساتھ اس نسبتِ مذکورہ سے کچھ نسبت نہ رکھتا تھا ــــــــــ پھر مجھے حیرت میں لے گئے جب صحو میں لائے تو معلوم ہوا کہ حق سبحانہٗ و تعالیٰ کو عالم کے ساتھ اس نسبتِ مذکورہ کے علاوہ ایک اور نسبت ہے اور وہ نسبت مجہول الکیفیت ہے یعنی وہ تعالیٰ مجہول الکیفیت نسبت سے مشہود ہوا ہے ــــــــــ پھر مجھے حیرت میں لے گئے اور اس مرتبہ میں ایک قسم کا قبض طاری ہو گیا۔ پھر جب ہوش میں لائے تو حق تعالیٰ اس مجہول الکیفیت نسبت کے بغیر اس طرح مشہود ہوا کہ اس کو عالم کے ساتھ کوئی بھی نسبت نہیں رکھتا نہ ہی معلوم الکیفیت اور نہ مجہول الکیفیت، اور عالم اس وقت بھی اسی خصوصیت کے ساتھ مشہود تھا۔ ــــــــــ اس وقت مجھے ایک خاص علم عنایت ہوا جس کے باعث ہر دو شہود کے حاصل ہونے کے باوجود مخلوق اور حق تعالیٰ کے درمیان کوئی مناسبت نہ رہی۔ اس وقت مجھے بتایا گیا کہ اس صفت و تنزیہ کا مشہود ذاتِ حق سبحانہٗ و تعالیٰ نہیں ہے وہ تعالیٰ اس سے بلند و برتر ہے بلکہ یہ مشہود اس کے تکوین کے تعلق کی مثالی صورت ہے کیونکہ حق تعالیٰ تعلقاتِ کونی سے بالاتر ہے خواہ وہ تعلق

معلوم الکیفیت اور مجہول الکیفیت

معلوم الکیفیت ہو یا مجہول الکیفیت۔ ھَیْہَاتَ ھَیْہَاتَ (ہرگز نہیں یہ بعید از قیاس ہے) شعر

کَیْفَ الْوُصُوْلُ اِلٰی سُعَادَ وَدُوْنَھَا ۔۔۔ قُلَلُ الْجِبَالِ وَدُوْنَھُنَّ حُیُوْفٌ

(ہائے پہنچوں کس طرح میں کوئے یار ۔۔۔ راہ میں ہیں پُرخطر کوہ اور غار)

اے عزیز! اگر قلم کو تفصیلِ احوال اور معارف کے بیان میں جاری رکھوں تو معاملہ بہت طویل ہو جائے گا، بالخصوص توحیدِ وجودی کے معارف اور اشیاء کی ظلیت کے علوم اگر بیان کئے جائیں تو وہ جماعت جس نے توحیدِ وجودی میں اپنی ساری عمر گذار دی ہے ان کو معلوم ہو جائے گا کہ اس بحرِ بیکراں سے ایک قطرہ بھی انھوں نے حاصل نہیں کیا۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ وہی جماعت اس درویش کو اربابِ توحیدِ وجودی میں شامل نہیں کرتی بلکہ توحیدِ وجودی کے منکرین علما میں سے شمار کرتی ہے اور اپنی کوتاہ نظری کی وجہ سے یہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ توحیدِ وجودی کے معارف پر اصرار کرنا ہی کمال ہے اور اس مقام سے ترقی کرنا نقص میں داخل ہے ؎

بے خردے چند ز خود بے خبر ۔۔۔ عیب پسندند بزعمِ ہنر

(جو خود اپنی خبر نہیں رکھتے ۔۔۔ عیب کو جانتے ہیں اپنا ہنر)

اس امر میں اس جماعت کی دلیل پہلے مشائخ کے وہ اقوال ہیں جو توحیدِ وجودی کے بارے میں واقع ہوئے ہیں۔ حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ ان حضرات کو انصاف کی توفیق عطا فرمائے کہ انھوں نے کیسے جان لیا کہ ان مشائخ کو اس مقام (وحدت الوجود) سے آگے ترقی واقع نہیں ہوئی اور وہ اسی مقام میں محدود ہو گئے ہیں ۔۔۔۔۔۔ بات معارفِ توحیدی کے نفسِ حصول کے بارے میں نہیں ہے کیونکہ وہ تو اس راہ میں یقینی طور پر واقع ہے بلکہ بات دراصل اس مقام سے آگے ترقی کے بارے میں ہے اگر ترقی کرنے والے حضرات کو توحیدِ وجودی کا منکر کہیں اور ان پر یہ اصطلاح لگا دیں تو کیا جھگڑا ہے۔

اب ہم اصل بات کی طرف آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جس طرح قلیل (چیز) کثرت پر دلالت کرتی ہے اور قطرہ بحرِ غدیر (بحرِ بے کراں) کی طرف اشارہ کرتا ہے اسی طرح میں نے بھی مختصر کلام اور قطرے پر اکتفا کیا ہے۔

اے برادر! جب حضرت خواجہؒ نے مجھ کو کامل و مکمل جان کر تعلیم طریقہ کی اجازت عطا فرمائی اور طالبوں کی ایک جماعت کو میرے حوالے کیا تو اس وقت مجھ کو اپنے کمال و تکمیل میں تردد تھا لیکن آپ نے فرمایا کہ تردد کا کوئی مقام نہیں ہے کیونکہ مشائخ عظام نے ان ہی مقامات کو کمال و تکمیل کا

مقام فرمایا ہے اگر اس مقام میں تردد کریں تو مشائخ کی کاملیت میں تردد لازم آتا ہے ـــــــــ
حسب الحکم طریقت کی تعلیم دینی شروع کردی، اور طالبوں کے کام میں توجہات کو مد نظر رکھا چنانچہ
طالبوں میں اس کا بڑا اثر محسوس ہوا، یہانتک کہ سالکوں کا سالوں کا کام گھڑیوں میں ہونے لگا۔ کچھ
مدت تک اس کام کو بڑی سرگرمی اور مستعدی سے کرتا رہا ـــــــــ آخر کار پھر مجھے اپنے
نقص کا علم پیدا ہوا اور مجھ پر ظاہر کیا گیا کہ تجلیٔ ذاتی برقی جس کو مشائخ کبار نے "نہایت" کہا ہے اس راہ
میں کچھ بھی ظاہر نہیں ہوئی اور یہ بھی معلوم نہیں ہوسکا کہ "سیر الی اللہ اور سیر فی اللہ" کیا ہے۔ لہٰذا اس قسم کے
کمالات کا حاصل کرنا ضروری ہے۔ اس وقت اپنے نقص کا علم پختہ ہوگیا اور وہ طالب جو میرے گرد جمع
تھے سب کو اکٹھا کرکے ان کے سامنے اپنا نقص بیان کیا اور سب کو رخصت کرنا چاہا لیکن طالبوں نے
میری اس بات کو کسر نفسی پر محمول کرتے ہوئے اپنے عقیدے سے نہ پھرے۔ پھر کچھ مدت کے بعد حق سبحانہٗ و تعالیٰ
نے اپنے حبیب علیہ و آلہ الصلوات والتسلیمات کے طفیل احوالِ منتظرہ (یعنی تجلیٔ ذاتی برقی و معنیٔ سیر الی اللہ و
فی اللہ) بھی عطا فرما دیئے۔

سیر الی اللہ اور سیر فی اللہ

فصل: جاننا چاہیئے کہ حضرات خواجگان (نقشبندیہ) قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے
طریقے کا حاصل اور خلاصہ اہل سنت و جماعت کے عقائد کے مطابق اعتقاد رکھنا ہے اور سنت سنیہ مصطفویہ
علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کی اتباع، اور بدعت اور ہوائے نفسانیہ سے اجتناب کرنا ہے
اور جہانتک ممکن ہوسکے اہم امور میں عزیمت پر عمل اور رخصت پر عمل کرنے سے احتراز (بچنا) ہے۔
بعد ازاں جہتِ جذبہ میں اولاً استہلاک و اضمحلال ہے اور اس استہلاک کو عدم (فنا) سے تعبیر کرتے
ہیں اور وہ بقا جو اس جہت میں اس استہلاک (فنا) کے متحقق ہونے کے بعد پیدا ہوتی ہے اس کو
وجودِ عدم سے تعبیر کرتے ہیں یعنی وہ وجود اور بقا جو عدم (فنا) پر مترتب ہوتا ہے وہ استہلاک ہے اور
اس استہلاک اور اضمحلال سے یہ مراد نہیں کہ حس بھی غائب ہوجائے بلکہ بعض کو اس استہلاک یعنی
فنا کے بعد اتفاقاً حس سے غیبت (بے خبری) ہوجاتی ہے اور بعض کو نہیں ہوتی۔

اور اس بقا والے کے لئے ممکن ہے کہ صفاتِ بشریت کی طرف رجوع کرے اور اخلاقِ نفسانیہ
کی طرف لوٹ آئے، بخلاف اس بقا کے جو فنا پر مرتب ہوتی ہے کہ اس سے عود کرنا جائز نہیں ہے۔ اور ممکن ہے
کہ حضرت خواجۂ بزرگ (نقشبند) قدس اللہ تعالیٰ سرہ الاقدس نے اسی معنی کے لحاظ سے فرمایا ہو کہ

"وجودِ عدم وجودِ بشریت کی طرف لوٹ آتا ہے، لیکن وجودِ فنا وجودِ بشریت کی طرف ہرگز عود نہیں کر سکتا کیونکہ بقائے اول (وجودِ عدم کے ساتھ) ابھی راہ میں باقی ہے اور راستے میں سے رجوع کرنا ممکن ہے۔ اور دوسرا (وجودِ فنا) واصل اور منتہی ہو چکا ہے اور واصل کے لئے رجوع نہیں ہوتا" ——— ایک بزرگ فرماتے ہیں "جو کوئی واپس لوٹا وہ راستے ہی میں تھا اور جو واصل ہو گیا وہ واپس نہیں لوٹا"۔

جاننا چاہیئے کہ صاحبِ وجودِ عدم اگرچہ راستے ہی میں ہے لیکن "اندراج النہایت فی البدایت" کے تحت اپنے کام کی انتہا سے بھی آگاہ ہے، اور جو کچھ کہ منتہی کو آخر میں میسر ہوتا ہے اس کا خلاصہ اس کو اس جہت میں مجمل طور پر حاصل ہو جاتا ہے اور چونکہ اس نسبت نے منتہی کے ساتھ شمول و عموم پیدا کر لیا ہے اور اس نسبت کی سرایت و انتشار عام طور پر اس کی روحانیت و جسمانیت کو حاصل ہو چکی ہے اور وجودِ عدم کی یہ نسبت (بندہ کے) خلاصۂ قلب پر موقوف ہے اگرچہ فی الجملہ اور اجمال ہی کے طور پر ہے ——— اسی وجہ سے منتہی تفصیل کا حامل ہوتا ہے اور اس کا صفاتِ جسمانیہ کی طرف رجوع کرنا ممتنع ہے کیونکہ اس نسبت نے اس کے مراتبِ جسمانیہ میں سرایت کر کے ان صفات سے اس کو باہر نکال کر فانی کر دیا ہے، اور یہ فنا محض عطیہ ہے اور عطیۂ خداوندی سے رجوع کرنا جنابِ قدس تعالیٰ و تقدس کی بارگاہ کے لائق نہیں ہے، بخلاف صاحبِ وجودِ عدم کے کہ یہ سرایت اس کے حق میں معدوم مفقود ہے ——— خلاصہ کلام یہ ہے، چونکہ یہ تمام مراتب قلب کے تابع ہیں اور وہ نسبت تبعیت کے طور پر ان میں جاری و ساری ہے اور ان کو غلبہ سے باز رکھ کر مغلوب کر چکی ہے لیکن فنا و زوال تک نہیں پہنچا سکی، اسی وجہ سے اس سے رجوع کرنا ممکن ہے کیونکہ مغلوب کبھی بعض عوارض کے پیش آنےص کی بنا پر غالب ہو جاتا ہے اور زائل شدہ چیز کا واپس آنا ممکن نہیں جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔

ص اور بعض موانع کے زائل ہو جانے

جاننا چاہیئے کہ اس سلسلۂ عالیہ کے بعض مشائخ قدس اللہ تعالیٰ ارواحہم نے استہلاک و اضمحلالِ مذکورہ کو اور اس بقا کو جو اس پر مترتب ہوتی ہے فنا و بقا کا اطلاق کیا ہے اور تجلیٔ ذاتی اور شہودِ ذاتی کا بھی اس مرتبہ میں اثبات کیا ہے اور اس باقی (رہنے والے) کو "واصل" کہا ہے اور "یادداشت" کو بھی جو جنابِ قدس حق سبحانہٗ کی بارگاہ کی دوامِ آگاہی سے عبارت ہے اسی مقام میں متحقق جانتے ہیں، اور یہ سب کچھ "اندراج النہایت فی البدایت" یعنی ابتدا میں انتہا کے درج ہونے کے اعتبار سے ہے ورنہ فنا اور بقا منتہی اور واصل کے علاوہ اور کسی کو حاصل نہیں ہوتی اور تجلیٔ ذاتی بھی اسی کے ساتھ

مخصوص ہے اور اللہ سبحانہٗ کے ساتھ دوامِ حضور بھی منتہی واصل کے لئے ہے کیونکہ اس کے لئے رجوع ہرگز نہیں ہے۔ لیکن پہلا اطلاق بھی مذکورہ اعتبار سے صحیح ہے اور ایک عمدہ وجہ پر مبنی ہے ——— ——— اور فنا و بقا، تجلیٔ ذاتی و شہودِ ذاتی، اور وصل و یادداشت جو حضرت خواجہ احرار قدس اللہ تعالیٰ سرہ الاقدس کی کتاب "فقرات" میں واقع ہے (وہ بھی) اسی قسم سے ہے ——— ایک بزرگ فرمایا کرتے تھے کہ اس کتاب کے مکتوبات و رسائل میں جو کچھ تحریر ہے اس کی اصل حضرت ایشاں (خواجہ احرار) کے بعض مخلصین کی عقل و دانش اور معرفت کے مطابق ہے۔ تَکَلَّمُوا النَّاسَ عَلٰی قَدْرِ عُقُوْلِھِمْ (لوگوں سے ان کے اندازۂ عقل کے مطابق کلام کرو) کے مقولے کی اس میں خاص رعایت رکھی گئی ہے ——— ——— اور رسالہ "سلسلۃ الاحرار" ہے جو حضرت خواجہ احرار کے کلام کے طریقے کے مطابق واقع ہوا ہے ——— اور "شرح رباعیات" جو کہ ہمارے خواجہ مؤید الدین الرضی شیخنا و مولانا محمد ن الباقی سلمہ اللہ تعالیٰ نے لکھی ہے، اسی قسم سے ہیں ——— اور اس بقا کو بلکہ ہر وہ بقا جو اس جذبہ کے تحت پیدا ہو، اس کا رُخ "توحیدِ وجودی" کی طرف ہے۔ لہٰذا بعض مشائخ نے حق الیقین کو اس طرح بیان کیا ہے کہ آخر کار وہ "توحیدِ وجودی" پر منتج ہوتا ہے۔ اور اسی بیان نے بعض لوگوں کو شبہ میں ڈال دیا ہے کہ ان کے حق الیقین سے مراد تجلیٔ صوری ہے جس کا نتیجہ طعن و تشنیع ہوا ——— ——— اور حق بات یہ ہے کہ ان کا حق الیقین اسی جذبہ کی جہت سے پیدا ہوا ہے اور یہ معرفت اس مقام کے مناسب ہے۔ تجلیٔ صوری دوسری چیز ہے۔ جیسا کہ اربابِ طریقت پر مخفی نہیں ہے، اور کثرت کے آئینے میں وحدت کا شہود اس طرح مشاہدہ کرنا کہ آئینہ بالکل پوشیدہ ہو جائے اور (ذات) باقی کے علاوہ کچھ بھی مشہود نہ رہے۔ اس مقام کو "یادداشت" کے مناسب جان کر اس مرتبہ پر "یادداشت" کا اطلاق کیا ہے اور اس کو تجلیٔ ذاتی و شہودِ ذاتی بھی کہتے ہیں اور اس مقام کو "مقامِ احسان" (یعنی اخلاص) بھی فرمایا گیا ہے، اور اسی گم ہونے کو "وصل" سے تعبیر کرتے ہیں۔ ع

تو درو گم شو وصال این ست و بس (اس میں کھو جا وصال بس یہی ہے)

اور یہ اصطلاح حضرت ناصر الدین خواجہ عبید اللہ (احرار) کے ساتھ مخصوص ہے اس سلسلہ کے مشائخ متقدمین میں سے کسی نے بھی اس اصطلاح کا ذکر نہیں فرمایا۔ ع

ہرچہ خوباں کنند خوب آید (جو بھی اچھے کریں وہ اچھا ہے)

آپ ہی کے کلماتِ قدسی صفات میں سے ہے کہ "ہماری زبان دل کا آئینہ ہے، اور دل روح کا آئینہ اور روح حقیقتِ انسانی کا آئینہ، اور حقیقتِ انسانی حق سبحانہٗ وتعالیٰ کا آئینہ ہے اور حقائقِ غیبیہ غیبی ذات سے دور دراز کی مسافتیں طے کر کے زبان پر آتے ہیں اور اس جگہ لفظوں کی صورت اختیار کر کے حقائق کی استعداد رکھنے والوں کے کانوں تک پہنچتے ہیں" —— اور (حضرت خواجہ احرارؒ نے) یہ بھی فرمایا کہ بعض اکابرین نے جن کی میں نے خدمت اختیار کی، انھوں نے دو چیزیں مجھے عطا فرمائیں: ان میں سے ایک یہ کہ "جو کچھ میں لکھوں وہ جدید ہو قدیم نہ ہو" دوسرے یہ کہ "جو کچھ میں کہوں وہ (حق تعالیٰ کے نزدیک) مقبول ہو مردود نہ ہو"۔ ان کلماتِ قدسیہ سے آپ کی بزرگی اور آپ کے معارف کی بلندیٔ شان مفہوم ہوتی ہے، اور واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ وہ (خواجہ احرارؒ) ان باتوں کے درمیان نہیں ہیں اور آئینہ سے زیادہ نہیں ہیں۔ وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ اَعْلَمُ بِحَقِیْقَۃِ حَالِہٖ وَمَا عِنْدَہٗ مِنْ عُلُوِّ دَرَجَتِہٖ وَ مَنْزِلَتِہٖ لِکَمَالِہٖ (اور اللہ سبحانہٗ ہی حقیقتِ حال سے واقف ہے اور ان کے بلند درجات اور منزلِ کمال کو بھی وہی جانتا ہے) —— آپ مثنوی کے ان اشعار کو جو آپ کے حال کے مناسب ہیں اکثر پڑھا کرتے تھے۔ مثنوی:

ہر کسے از ظنِ خود شد یارِ من	از درونِ من نجُست اسرارِ من
سرِّ من از نالۂ من دُور نیست	لیک گوش و چشم را این نور نیست
(لوگ اپنے ظن سے میرے یار ہیں	گو کہ بس ناواقفِ اسرار ہیں
راز میرا ہے نہیں نالہ سے دُور	کانوں آنکھوں میں نہیں لیکن یہ نور)

یہ حقیر اپنی ناقص فہم کے مطابق اس مکتوب کے آخر میں ان علوم و معارف کی حقیقت کا مختصر بیان تحریر کرے گا۔ وَالْاَمْرُ عِنْدَ اللّٰہِ سُبْحَانَہٗ (اور اصل حکم اللہ سبحانہٗ ہی کا ہے)۔

اگر حق سبحانہٗ اپنی کمال عنایت سے ان میں سے بعض کو اس جذبے کے حصول اور اس کی تمام جہت کے بعد سلوک کی دولت سے مشرف فرمائے تو جذبہ کی مدد سے دور دراز کی مسافت کو جس کا اندازہ پچاس ہزار سال ہے، آیت کریمہ کے مطابق تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِکَۃُ وَالرُّوْحُ اِلَیْہِ فِیْ یَوْمٍ کَانَ مِقْدَارُہٗ خَمْسِیْنَ اَلْفَ سَنَۃٍ (معارج آیۃ۴) (فرشتے اور روح اس کی طرف چڑھتے ہیں ایسے دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے) اسی اندازہ کی طرف اشارہ ہے۔ تھوڑی سی مدت میں اس کو طے کیا جاسکتا ہے اور فنا فی اللہ اور بقا باللہ کی حقیقت تک پہنچ سکتا ہے

سلوک کی منتہا سیر الی اللہ کی انتہا تک ہے کہ جس کو فنائے مطلق سے تعبیر کرتے ہیں اور اس کے بعد مقام جذبہ ہے جس کو سیر فی اللہ اور بقا باللہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ سیر الی اللہ سے مراد اس اسم کی سیر ہے کہ جس کا مظہر سالک ہے اور سیر فی اللہ بھی اسی اسم کی سیر ہے، کیونکہ ہر اسم بے انتہا اسماء کا جامع ہے لہٰذا اس سیر کی بھی کوئی انتہا نہ ہوگی ــــــــ اس درویش کو اس مقام میں خاص معرفت حاصل ہے اور اس کا ذکر بھی انشاء اللہ تعالیٰ جلد ہی کیا جائے گا ــــــــ عروج کے مراتب میں یہ اسم عینِ ثابتہ کے اوپر ہے کیونکہ سالک کا عینِ ثابتہ اسی اسم کا ظل اور اسی کی صورتِ علمیہ ہے اور وہ جماعت جو حق جل شانہٗ کے فضل کے ساتھ مخصوص ہے وہ اس اسم سے بھی آگے عروج کر جاتی ہے اور بے نہایت جہاں تک اللہ تعالیٰ چاہے ترقیات حاصل کرتی ہے۔ شعر

وَمِنْ بَعْدِ هٰذَا مَا يَدِقُّ صِفَاتُهٗ ۔۔۔ وَمَا كَتْمُهٗ اَحْظٰى لَدَيْهِ وَاَجْمَلُ

(بعد اس کے جو بھی ہے محجوب ہے ۔۔۔ اس کا پوشیدہ ہی رہنا خوب ہے)

اگرچہ تمام دوسرے سلسلوں کے اربابِ سلوک جہتِ ثانی میں ان (نقشبندیہ) حضرات کے ساتھ شریک ہیں اور فنا فی اللہ و بقا باللہ کے ساتھ متحقق ہیں، لیکن وہ مسافت جو اربابِ سلوک، ریاضات اور مجاہدات کی بنا پر طے کرتے ہیں اور ایک طویل زمانے کے بعد اس کی انتہا کو پہنچتے ہیں۔ اس عالی خاندان کے بزرگ شہود کی دولت کی لذت اور مقصود کے ذوقِ یافت کی وجہ سے اس طویل مسافت کو تھوڑے عرصے میں طے کر لیتے ہیں اور اپنے کعبۂ مطلوب تک پہنچ جاتے ہیں اور مقصود تک پہنچنے کے بعد بے انتہا ترقی کرتے ہیں کہ (دوسرے) اربابِ سلوک کے منتہی اس ترقی اور قرب میں بہت کم حصہ پاتے ہیں، کیونکہ جذبے کا سلوک پر مقدم ہونا ایک قسم کی محبوبیت کے معنی چاہتا ہے، جب تک طالب "مراد" نہ بن جائے (اس کو) جذب نہیں کرتے، اور جب (اپنی طرف) کھینچتے ہیں تو معاملہ نزدیک تر ہو جاتا ہے اور بہت زیادہ قرب پیدا کر لیتا ہے۔ جس کو طلب کیا گیا ہو (یعنی مطلوب و مراد ہو) اور جو طلب کرنے والا ہو (یعنی طالب و مرید) ان دونوں میں بہت فرق ہے۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ (جمعہ آیت ۴) (یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ بہت بڑے فضل والا ہے)۔

مثنوی

عشقِ معشوقاں نہان است و ستیر — عشقِ عاشق بادو صد طبل و نفیر
لیک عشقِ عاشقاں تن زہ کند — عشقِ معشوقاں خوش و فربہ کند

(عشقِ معشوقاں نہاں ہر وقت ہے — عشقِ عاشق بس عیاں ہر وقت ہے
عشق، عاشق کو مگر لاغر کرے — عشق، معشوقوں کو فربہ تر کرے)

اور اگر یہ کہا جائے کہ دوسرے سلاسل کے "مراد والے" (اربابِ طریقت ہم) اس ترقی اور قرب میں شریک ہیں کیونکہ جذبہ ان کے سلوک پر بھی مقدم ہے لہذا اس طریقہ (نقشبندیہ) کی دوسرے طریقوں پر فضیلت کیوں کر ہوئی اور اس کو قریب ترین طریقہ کس وجہ سے کہا گیا ہے؟ —— اس کا جواب یہ ہے کہ دوسرے طریقے اس معنی کے حصول کے لئے وضع نہیں کئے گئے بلکہ (حقیقت یہ ہے کہ) ان میں سے بعض کو یہ دولت اتفاقاً ہاتھ آجاتی ہے، اور یہ طریقہ (نقشبندیہ) اس دولت کے حصول کے لئے ہی وضع کیا گیا ہے —— اور "یادداشت" جو اس سلسلۂ عالیہ کے اکابرین کی عبارت میں واقع ہے وہ جذبہ و سلوک کی دونوں جہتوں کے متحقق ہونے کے بعد متصور ہوتی ہے اور اس کو نہایت کہنا شہود و آگاہی کے مراتب کی انتہا کے اعتبار سے ہے، ورنہ "نہایتِ مطلق" وراء الوراء ہے —— اس کی تفصیل یہ ہے کہ شہود یا تو صورت کے آئینہ میں ہے یا معنی کے آئینہ میں، یا صورت و معنی سے وراء ہے، جس کو "شہودِ بے پردہ برقی" کہتے ہیں، یعنی اس شہود کا حصول برق کی مانند ہے پھر پردہ میں ہو جاتا ہے۔ یہی شہود اگر فضلِ ایزدی جل سلطانہ سے دوام اختیار کرلے اور مکمل طور پر پردوں کی تنگی سے باہر نکل آئے تو اسے "یادداشت" کے نام سے تعبیر کرتے ہیں اور یہی حضورِ بے غیبت ہے لہذا جب بھی شہود پردہ میں ہوگا غیبت متحقق ہوگی، جب تک دائمی طور پر بے پردگی پیدا نہ ہو جائے اس پر "یادداشت" کے نام کا اطلاق نہیں ہوتا۔

یہاں ایک نکتہ ہے جس کا جاننا ضروری ہے کہ ہر واصل کے سِرّ (باطن) کو رجوع نہیں ہوتا اور اس کی آگاہی دائمی ہوتی ہے لیکن اس نسبت کا سَرَیان ان کے کُلیہ میں برق کی مانند ہے، بخلاف محبوبوں کے کہ جن کا جذبہ ان کے سلوک پر مقدم ہے، ان کے حق میں یہ سَرَیان دائمی ہے اور ان کے کلیہ نے سِرّ کا حکم اختیار کر لیا ہے اور وہ سِرّ کا کام انجام دیتا ہے جیسا کہ اس کے متعلق اشارہ کیا گیا ہے۔

چنانچہ ان کے جسم ان کی روحوں کے مانند نرم ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ ان کے ظاہر ان کے باطن کی طرح اور ان کے باطن ان کے ظاہر کی طرح ہو جاتے ہیں۔

پس لازمی طور پر ان کی آگاہی میں غیبت کی گنجائش نہیں لہذا یہ نسبت تمام نسبتوں سے بالاتر ہے، اور یہی معنی ان حضرات (نقشبندیہ) کی کتب و رسائل سے ظاہر و شائع ہوتے ہیں۔ کیونکہ نسبت سے مراد آگاہی ہے اور آگاہی کے مراتب کی انتہا یہی ہے کہ بے پردہ میسر ہو اور دوام اختیار کر لے۔ اور اس طریقے کے مشائخ اس نسبت کو اپنے طریقے کے ساتھ مخصوص جانتے ہیں اس دولت (حضور آگاہی) کے حصول کے لئے اس طریق کے وضع کے اعتبار سے، جیسا کہ گزر چکا اور اگر دوسرے بعض سلاسل کے اکابرین کو بھی یہ دولت میسر ہو جائے تو جائز ہے اور روا قع ہے۔

اکابر اہل اللہ کے پیشوا شیخ ابو سعید ابو الخیر قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ اس آگاہی کا ایک رمز بیان کرتے ہیں اور اپنے استاد[1] سے اس کی تحقیق فرماتے ہیں اور دریافت کرتے ہیں کہ کیا یہ حدیث (کیفیت) دائمی ہوتی ہے؟۔ استاد جواب میں فرماتے ہیں "نہیں"۔ شیخ دوبارہ اس سوال کا تکرار کرتے ہیں اور وہی جواب پاتے ہیں۔ پھر جب تیسری مرتبہ اسی سوال کو عرض کیا تو (استاد نے) جواب میں فرمایا "اگر ایسا ہو تو شاذ و نادر ہوتا ہے"۔ یہ سن کر شیخ (ابو سعیدؒ) حالتِ وجد میں آ گئے اور فرمایا کہ یہ بھی انہی نوادرات میں سے ہے۔ اور جو کچھ کہ میں نے کہا تھا کہ "نہایتِ مطلق وراء الوراء ہے"۔ اس کی وضاحت یہ ہے کہ اس آگاہی کے حاصل ہونے کے بعد اگر عروج واقع ہو تو وہ حیرت کے بھنور میں پڑ جاتا ہے اور اس آگاہی کو تمام عروج کے مراتب کی طرح پیچھے چھوڑ جاتا ہے۔ اور یہی وہ حیرت ہے جس کو "حیرتِ کبریٰ" کے نام سے موسوم کرتے ہیں اور جو اکابر الاکابر کے ساتھ مخصوص ہے، جیسا کہ ان بزرگوں کی کتابوں میں واقع ہے۔

ایک بزرگ اس مقام میں فرماتے ہیں ؎

حُسنِ تو مرا کرد چناں زیر و زبر — کز خال و خط و زلفِ توام نیست خبر
(حُسن نے تیرے کر دیا ہے نڈھال — خال و خط کا بھی کچھ رہا نہ خیال)

ایک اور بزرگ فرماتے ہیں ؎

عشق بالائے کفر و دیں دیدم — برتر از شک و از یقیں دیدم
کفر و دین و یقین و شک ہر چار — ہمہ با عقل ہم نشیں دیدم
چوں گذشتم ز عقلِ صد عالم — چوں بگویم کہ کفر و دیں دیدم
ہر چہ ہستند سدِّ راہ تواند — سدِّ اسکندری ہمیں دیدم

[1] شیخ ابو علی دقاق قدس سرہٗ نیشاپوری، وفات ماہ ذیقعدہ ۴۰۵ھ

(ترجمہ) (عشق اونچا ہے کفر و دیں سے بھی — شک سے افضل ہے اور یقیں سے بھی

کفر و دین و یقین و شک جو ہیں — عقل تک ہے رسائی ان سب کی

جب میں دنیا کی عقل سے گزرا — کفر و دیں کی حقیقت اب جانی

سامنے جو ہے سب رکاوٹ ہے — سدِ اسکندری یہی ہے بنی)

ایک دوسرے بزرگ فرماتے ہیں ؎

لَا و هُوْ زاں سرائے روز بہی — باز گشتند جیب و کیسہ تہی

(۱) لا کی اور (۲) ھُوْ کی منزلیں بھی ختم — در گہِ حق سے واپسی ناکام)

اس حیرت کے حاصل ہونے کے بعد "مقامِ معرفت" ہے۔ دیکھئے کس کو اس دولت سے مشرف فرماتے ہیں۔ اور "کفرِ حقیقی" کے بعد "ایمانِ حقیقی" کے حصول کے ساتھ جو کہ "مقامِ حیرت" ہے نوازتے ہیں ——— محققین کے مطلوب کی انتہا اسی ایمان میں ہے، اور مقامِ دعوت اور کمالِ متابعت حضرت صاحب شریعت علیہ الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ . . . . . أَدْعُوْا إِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ (یوسف آیت ۱۰۸[12]) (میں اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتا ہوں اور میں اور میرے پیروکار کامل بصیرت پر ہیں) اسی مقام میں ہے ——— اور آں سرورِ دین و دنیا علیہ الصلوٰۃ والسلام اسی ایمان کے طلبگار ہیں۔ اور فرماتے ہیں: اَللّٰهُمَّ أَعْطِنِيْ إِيْمَانًا صَادِقًا وَّيَقِيْنًا لَيْسَ بَعْدَهٗ كُفْرٌ[1] (اے اللہ تو مجھے ایمانِ صادق عطا فرما اور ایسا یقین نصیب فرما جس کے بعد کفر نہ ہو) ——— اور آپ "کفرِ حقیقی" سے جو کہ "مقامِ حیرت" ہے پناہ مانگتے تھے اور فرماتے ہیں: أَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْفَقْرِ وَالْكُفْرِ[2] (اے اللہ میں فقر اور کفر سے تیری پناہ مانگتا ہوں)۔ یہ مرتبہ حق الیقین کے مرتبوں کی انتہا ہے۔ اور اس مقام پر "علم" اور "عین" ایک دوسرے کے لئے حجاب نہیں ہیں شعر

هَنِيْئًا لِأَرْبَابِ النَّعِيْمِ نَعِيْمُهَا — وَلِلْعَاشِقِ الْمِسْكِيْنِ مَا يَتَجَرَّعُ

(مبارک منعموں کو ان کی نعمت — مبارک عاشقِ مسکیں کو کلفت)

اس نکتہ کو ذہن نشین کرلو۔

اللہ تعالیٰ تم کو ہدایت دے، جان لو کہ ان بزرگوں کا جذبہ دو قسم کا ہے۔ اول قسم:

---

[1] ترمذی، طبرانی، بیہقی اور محمد بن نصر المروزی نے کتاب الدعوات میں بیان کیا ہے [2] بیہقی اور حاکم نے اس حدیث کو حضرت انسؓ سے روایت کیا۔

جو حضرت صدیق اکبرؓ سے پہنچا ہے، اس اعتبار سے ان (مشائخ نقشبندیہ) کا طریقہ حضرت (صدیق اکبر) رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف منسوب ہے، اور اس کا حاصل کرنا ایک خاص توجہ پر موقوف ہے جو جملہ موجودات کی قیوم ہے اور اس میں استہلاک و اضمحلال (یعنی فنا و استغراق) نصیب ہوتا ہے ——— اور دوسری قسم وہ ہے جس کے ظہور کا مبدأ اس طریقے میں حضرت خواجہ نقشبندؒ ہیں۔ اور وہ (جذبہ) معیتِ ذاتیہ کی راہ سے پیدا ہوتا ہے، اور وہ جذبہ حضرت خواجہ سے پہلے ان کے خلیفۂ اول خواجہ علاؤ الدین کو پہنچا ہے۔ اور چونکہ وہ اپنے وقت کے قطبِ ارشادؒ تھے، اس لئے آپ نے اس قسم کے جذبے کے حصول کے لئے ایک طریقہ بھی وضع فرمادیا، اور وہ طریقہ آپ کے خاندان کے خلفا میں "طریقۂ علائیہ" کے نام سے مشہور ہے اور ان کی تحریر میں درج ہے کہ سب سے اقرب اور نزدیک تر طریقوں میں "طریقۂ علائیہ" ہے۔ اگرچہ اس جذبہ کی بنیاد حضرت خواجہ نقشبندؒ سے ہے لیکن اس جذبہ کو حاصل کرنے کے لئے طریقے کا وضع کرنا خواجہ علاء الدین قدس اللہ تعالیٰ اسرارہما کے ساتھ مخصوص ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ یہ طریقہ کثیر البرکت ہے، اس طریقے کا تھوڑا سا حصہ بھی دوسرے طریقوں کے مقابلے میں زیادہ نفع بخش ہے، اس وقت تک علائیہ و احراریہ خاندانوں کے مشائخ اس دولتِ عظمیٰ سے بہرہ مند ہیں اور طالبوں کی تربیت اسی طریقے سے فرمارہے ہیں۔ حضرت خواجہ (عبید اللہ) احرارؒ کو یہ دولتِ عظمیٰ مولانا یعقوب چرخی علیہما الرضوان سے جو حضرت خواجہ علاء الدینؒ کے خلفا میں سے ہیں پہنچی ہے۔

اول قسم کا جذبہ جو حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف منسوب ہے اس کے حصول کے لئے ایک علیحدہ طریقہ موضوع ہے اور وہ "طریقۂ وقوفِ عددی" ہے اور وہ سلوک بھی جو اس جذبے کے حاصل ہونے کے بعد متحقق ہوتا ہے دو قسم پر مشتمل ہے بلکہ اس کی کئی قسمیں ہیں۔ ایک قسم وہ ہے کہ حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس طریقے کے ساتھ پیوستہ ہیں (یعنی مقصود تک پہنچے ہیں) اور حضرت رسالت خاتمیت علی صاحبہا الصلوۃ والتحیۃ بھی اسی خانۂ جذبہ اور اسی طریقے سے (مقصود تک پہنچے ہیں۔ ——— اور حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے کمالِ اخلاص کے باعث جو کہ آپ آں سرور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے رکھتے تھے اور اُن (کی محبت) میں فانی تھے اسی وجہ سے تمام اصحابِ کرام رضوان اللہ تعالیٰ و تقدس علیہم اجمعین کے درمیان اس طریقے کی خصوصیت کے ساتھ مخصوص ہوئے ہیں۔ ——— اور اسی جذبہ و سلوک کی نسبت امام جعفر صادقؓ کو بھی اسی خصوصیت کے ساتھ پہنچی ہے۔

اور چونکہ حضرت امام (جعفر صادقؓ) کی والدہ ماجدہ حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد میں سے تھیں اسی بنا پر امام (جعفر صادقؓ) نے ان دونوں جہتوں کے اعتبار کی وجہ سے فرمایا وَلَدَنِي أَبُوْبَكْرٍ مَرَّتَيْنِ (مجھے حضرت ابو بکرؓ سے نجیب الطرفین ہونے کا شرف حاصل ہے) اور چونکہ حضرت امام (جعفر صادقؓ) کو اپنے آبائے کرام سے جدا نسبت حاصل ہے اس لئے وہ ان دونوں طریقوں کے جامع ہیں اور اس جذبہ کو آپ نے ان کے سلوک کے ساتھ جمع کر دیا ہے اور اس سلوک کے ذریعے مقصود تک پہنچے ہیں ———

اور ان دونوں سلوک کے درمیان فرق یہ ہے کہ حضرت امیر (یعنی حضرت علیؓ) کا سلوک سیرِ آفاقی سے قطع ہوتا ہے اور حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سلوک (حضرت امیرؓ کے) سیر آفاقی سے کوئی خاص تعلق نہیں رکھتا۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے خانۂ جذبہ سے نقب لگا کر مطلوب تک پہنچا دیا جائے ——— سلوکِ اول (حضرت علی والے سلوک) میں معارف کا حصول ہے، اور دوسرے (یعنی حضرت صدیقؓ والے سلوک) میں غلبۂ محبت ہے۔ پس لازمی طور پر حضرت امیرؓ "بابِ مدینۂ علم"[1] قرار پائے، اور حضرت صدیقؓ نے آں سرور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خُلّت (دوستی) کی قابلیت حاصل کر لی (جیسا کہ) آں حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: لَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا أَحَدًا خَلِيْلًا لَاتَّخَذْتُ أَبَا بَكْرٍ خَلِيْلًا (اگر میں کسی کو اپنا خلیل (دوست) بناتا تو ابو بکرؓ کو بناتا) ——— لہٰذا حضرت امام (جعفر صادقؓ) نے جہتِ جذبہ کی جامعیت کے اعتبار سے کہ جس کی بنیاد محبت پر ہے اور سلوکِ آفاقی کی جہت سے کہ جس کا منشاء علوم و معارف ہے، محبت و معرفت (دونوں) سے وافر حصہ حاصل کیا ——— بعد ازاں حضرت امام (جعفر صادقؓ) نے اس "نسبتِ مرکبہ" کو ودیعت کے طریق پر (بطورِ امانت) سلطان العارفین (بایزید بسطامی) قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ کے سپرد کر دیا، گویا اس بارِ امانت کو آپ نے اُن کی پُشت پر رکھا، تاکہ بتدریج (وہ امانت) اس کے اہل تک پہنچ جائے ——— اور ان کی توجہ کا رُخ اس امانت کے اٹھانے سے پیشتر دوسری جانب تھا کیونکہ ان کی نسبت اس امانت کے تحمل سے کوئی مناسبت نہیں رکھتی تھی اور اس تحمل میں بھی بہت سی حکمتیں ہیں، اگرچہ اس نسبت کے اٹھانے والے حضرات نے اس نسبت سے بہت کم حصہ پایا ہے، لیکن اس نسبت کو ان بزرگوں کے انوار سے بہت بڑا حصہ ملا ہے ———

[1] یہ قول اس حدیث کی طرف اشارہ ہے جو حضرت علیؓ سے مروی ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا أنا دار الحكمة وعلي بابها اور یہ حدیث أنا مدينة العلم وعلي بابها سے بھی مشہور ہے۔ اور علماء نے کہا ہے کہ یہ حدیث۔ شریک کے علاوہ ثقہ راویوں میں سے کسی ایک سے بھی مروی نہیں ہے۔ (ترمذی)

مثلاً سُکر کی وہ قسم جو اس نسبت سے ملی ہوئی ہے وہ سلطان العارفین (بایزید بسطامیؒ) کے انوار کے آثار میں سے ہے، وہ سُکر بیتدیوں کو حِس سے بیگانہ بنا دیتی ہے اور ہوش غائب کر دیتی ہے۔ اس کے بعد رفتہ رفتہ یہ سُکر پوشیدہ ہوتا جاتا ہے اور صحو کے غلبہ کے اعتبار سے وہ نسبت صحو کے مراتب میں گھُل مِل جاتی ہے یعنی ظاہر میں صحو اور باطن میں سُکر ہوتا ہے۔ اور یہ بیت ان کے حال کے مناسب ہے ؎

از دروں شو آشنا و از بروں بیگانہ وش — ایں چنیں زیبا روش کم مے بود اندر جہاں

(آشنا باطن میں، بیگانہ ہو ظاہر میں کوئی — یہ روش کیا خوب ہے لیکن نہیں اس کا سُراغ)

علیٰ ہذا القیاس، اسی طرح وہ نسبت ہر بزرگ سے نور حاصل کرتی ہوئی اپنے اہل تک پہنچ گئی، اور وہ عارف ربانی حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانی قدس اللہ تعالیٰ و تبارک اسرارہم ہیں جو حضراتِ خواجگان کے سلسلے کے سرِ حلقہ ہیں جن کے زمانے میں یہ نسبتِ عالیہ از سرِ نو تازگی حاصل کر کے ظہور کے میدان میں آ گئی ——— ان کے بعد اس سلسلہ میں سلوکِ آفاقی کی یہ نسبت پھر پوشیدہ ہو گئی، اور جذبہ حاصل ہونے کے بعد (مشائخ کرام) دوسرے راستوں سے سلوک حاصل کر کے عروج کو پہنچے، یہاں تک کہ حضرت خواجہ نقشبند قدس اللہ تعالیٰ سرہ الاقدس عالم میں ظہور پذیر ہوئے اور وہ نسبت اسی جذبے اور سلوکِ آفاقی کے ساتھ دوبارہ نمودار ہوئی۔ اور ان دونوں جہتوں کی وجہ سے "معرفت و محبت" کے کمال کی جامع ہو گئی، اور اس (جامعیت) کے باوجود جذبے کی ایک دوسری قسم جو معیت کی راہ سے پیدا ہوتی ہے وہ بھی آپ کو عطا فرمائی گئی، جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ——— ——— اور آپ (خواجہ نقشبندؒ) کے کمالات سے بہت بڑا حصہ آپ کے نائب مناب حضرت خواجہ علاء الحق والدینؒ کو حاصل ہوا، اور آپ ان ہر دو جذبے اور سلوکِ آفاقی کی دولت سے مشرف ہوئے اور قطبِ ارشاد کے مقام تک پہنچے ——— اور اسی طرح حضرت خواجہ محمد پارساؒ نے بھی ان کے کمالات سے پورا پورا حصہ حاصل کیا اور حضرت خواجۂ بزرگ (خواجہ بہاء الدین نقشبندؒ) اپنی عمر کے آخری ایام میں آپ (خواجہ پارساؒ) کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ "جس کو میری ملاقات کی آرزو ہو وہ محمد پارساؒ سے ملاقات کر لے۔" اور یہ بھی اُن حضرت (خواجۂ بزرگ) سے منقول ہے کہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ بہاء الدین (یعنی میرے) وجود کا مقصود محمد (پارسا) کا ظہور ہے۔ اور حضرت خواجہ پارسا کو ان کمالات کے باوجود مولانا عارف ریوگری کی فردیت کی نسبت بھی حاصل تھی جو انھوں نے اپنی عمر کے آخری ایام میں آپ کو عطا

فرمائی تھی، اور اسی نسبت کے غلبہ کی وجہ سے آپ کو شیخی (کی مسند) پر بیٹھنے اور طالبوں کی تکمیل کرانے سے تامل تھا۔ ورنہ آپ کو کمال و تکمیل میں بہت بلند درجہ حاصل تھا ——— حضرت خواجہ نقشبندؒ آپ (خواجہ محمد پارساؒ) کی نسبت فرمایا کرتے تھے کہ "اگر وہ شیخی (یعنی پیری) اختیار کرے تو تمام عالم ان سے منور ہو جائے"۔ اور مولانا عارفؒ نے فردیت کی اس نسبت کو مولانا بہاء الدینؒ[1] (قشلاقی) سے جوان کے دادا تھے حاصل کیا تھا۔

جاننا چاہئے کہ نسبتِ فردیت کی توجہ مکمل طور پر حق سبحانہٗ کی طرف ہوتی ہے اور اس کا تعلق شیخی و تکمیل اور دعوت سے بالکل نہیں ہے اور اگر وہ نسبت قطبِ ارشاد کی نسبت کے ساتھ کہ جس کا تعلق مقامِ دعوت و تکمیلِ خلق سے ہے جمع ہو جائے تو پھر دیکھنا چاہئے کہ اگر فردیت کی نسبت غالب ہے تو ارشاد و تکمیل کا پلّہ اس صورت میں مغلوب ہو جائے گا ورنہ ان دو نسبتوں والا حدِ اعتدال میں ہوگا یعنی اس کا ظاہر مکمل طور پر مخلوق کے ساتھ ہے اور اس کا باطن بالکلیہ حق تعالیٰ و تقدس کے ساتھ۔ مخلوق کو خالق کی طرف دعوت دینے کے مقام میں ان دو نسبتوں والا بڑا درجہ رکھتا ہے۔ اگرچہ قطبِ ارشاد کی نسبت والا تنہا بھی مقامِ دعوت میں کافی ہے لیکن ان بزرگوں کو اس مقام میں ایک اور ہی درجہ حاصل ہے، ان کی نظر امراضِ قلبی کو شفا بخشتی ہے اور ان کی صحبت بُرے اور ناپسندیدہ اخلاق کو دُور کر دیتی ہے ——— ——— سید الطائفہ جنید بغدادیؒ اس دولتِ عظمیٰ کی سعادت سے بہرہ مند تھے اور اس مرتبہ سے شرف حاصل کئے ہوئے تھے ان کو قطبیت کی نسبت حضرت شیخ سری سقطی سے حاصل ہوئی تھی اور فردیت کی نسبت شیخ محمد قصاب (آملی) سے تھی۔ ان کے پاکیزہ کلمات میں سے ایک یہ ہے کہ "لوگ خیال کرتے ہیں کہ میں سری سقطیؒ کا مرید ہوں، نہیں، میں تو محمد قصاب کا مرید ہوں"۔ گویا نسبتِ فردیت کو غالب کر کے آپ نے قطبیت کی نسبت کو فراموش کر دیا اور اس کو (نسبت فردیت) کے مقابلہ میں معدوم سمجھا۔

حضرت خواجہ نقشبند کے خلفا کے بعد اس بزرگ خاندان کے چراغ حضرت خواجہ احرارؒ تھے جو خواجگان کے جذبہ کو مکمل طور پر طے کرنے کے بعد سیرِ آفاقی کی طرف متوجہ ہوئے اور جب تک سیر کو اسم تک نہیں پہنچایا اس وقت تک بغیر اس کے کہ اس اسم میں آکر اپنے آپ کو فنائیت اور استہلاک پیدا کریں پھر خانۂ جذبہ میں آگئے

[1] مولانا بہاء الدین قشلاقی اپنے دور کے مقتدا، و صاحب کرامات بزرگ تھے ان کی ولادت قشلاق میں ہوئی جو بخارا کے مضافات میں بارہ فرسنگ کی مسافت پر ہے۔ آپ حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ کے شیخ صحبت اور استادِ حدیث تھے اور مولانا عارف ریگ گری کے والد تھے، مولانا عارف، حضرت میر کلالؒ سے بیعت کرنے سے پہلے ان کے مرید تھے۔

اور اسی جہت میں آپ نے خاص اضمحلال اور استہلاک پیدا کیا پھر اسی جہت میں ایک طرح کی بقا بھی حاصل کی مختصر یہ کہ آپ اس جہت میں عظیم شان رکھتے تھے، اور علوم و معارف جو فنا و بقا کے ذریعے حاصل ہوتے ہیں آپ کو اسی مقام میں حاصل ہو گئے۔ اگرچہ دونوں جہتوں کے تغایر (فرق) ہونے کے اعتبار سے علوم میں تفاوت ظاہر ہے اور ان تفاوت میں سے ایک توحیدِ وجودی کا اثبات اور عدم اثبات ہے، اور اسی طرح ان امور کا اثبات کرنا ہے جو توحیدِ وجودی کے مناسب ہیں۔ مثلاً احاطہ و سریان اور معیتِ ذاتیہ اور کثرت میں وحدت کا اس طرح مشاہدہ کرنا کہ کثرت بالکل پوشیدہ ہو جائے کہ سالک کی زبان پر کلمہ "انا" ہرگز نہ آئے وغیرہ۔ بخلاف ان علوم کے جو فنائے مطلق کے بعد بقا پر مترتب ہوتے ہیں کیونکہ وہ اس طرح سے نہیں ہیں بلکہ ان کے علوم شریعتِ حقہ کے علوم سے مطابقت رکھتے ہیں اور اس قسم کے حیلے بہانے اور تکلفات اور سوال و جواب کے محتاج نہیں ہیں۔

مختصر یہ کہ وہ بقا جو جذبہ کی جہت میں ہے وہ جذبہ خواہ کسی قسم کا ہو سکر سے نہیں نکالتی اور صحو میں نہیں لاتا، اسی وجہ سے (اس کلمہ) انا کی بقا کے باوجود باقی پر رجوع نہیں کرتی اور نہ ہی اس کی جانب اشارہ کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ جذبہ میں محبت کا غلبہ ہے اور محبت کے غلبہ کے لئے سکر لازم ہے لہذا کسی بھی وجہ سے وہ سکر سے جدا نہیں ہوتا اس لئے اس کے علوم میں بھی سکر کی آمیزش ہوتی ہے۔ مثلاً وحدتِ وجود کا قائل ہونا سکر اور غلبہ محبت پر مبنی ہے اس حیثیت سے کہ اس کی نظر میں سوائے محبوب کے اور کوئی چیز باقی نہیں رہتی اس لئے وہ محبوب کے علاوہ سب کی نفی کا حکم دیتا ہے اور اگر وہ صحو میں آتا تو محبوب کا شہود اس کے لئے ماسوا کے شہود سے مانع نہ ہوتا اور وحدتِ وجود کا حکم نہ کرتا۔

—— اور وہ بقا جو فنائے مطلق کے بعد ہے اور سلوک کی انتہا ہے اس کا منشاء صحو اور معرفت کا مبدأ ہے۔ سکر کو اس مقام میں کوئی دخل نہیں ہے، سالک کے جو علوم و معارف فنا کی حالت میں گم ہو جاتے ہیں وہ سب رجوع کر آتے ہیں لیکن اصل کے رنگ میں رنگین ہوتے ہیں، اور یہی معنی بقا باللہ کے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے علوم میں سکر کی مجال نہیں ہوتی۔ لہذا ان کے علوم حضرات انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات والتحیات والبرکات الیٰ یوم الدین کے علوم کے مطابق ہوتے ہیں۔

اور اسی طرح میں نے ایک بزرگ سے سنا ہے کہ حضرت خواجہ (احرارؒ) نے اپنی والدہ کے آبا و اجداد سے بھی جو عجیب و غریب احوال والے تھے اور قوی جذبہ رکھتے تھے ایک نسبت حاصل کی تھی اور بارہ اقطاب کے

مقام سے جن کے ساتھ دین کی تائید وابستہ ہے اور جو صحبت میں بھی عظیم شان رکھتے ہیں حضرت خواجہ (احرارؒ) کو اُن سے بھی بہت بڑا حصہ حاصل تھا اور شریعت کی تائید اور دین کی نصرت آپ کو وہیں سے میسر ہوئی تھی۔ ان (خواجہ احرارؒ) کے بلند حالات میں سے کچھ حصہ اوپر گذر چکا ہے ——— بعد ازاں ان بزرگوں کے طریقے کا احیاء اور ان عزیزوں کے آداب کی اشاعت سے بالخصوص ممالکِ ہندوستان جہاں کے باشندے ان کے کمالات سے بے بہرہ تھے ارشاد پناہی معارف آگاہی مؤید الدین الرضی شیخنا و مولانا محمد الباقی سلمہ اللہ تعالیٰ کے ظہور کی برکت سے متحقق ہو گئی ——— یہ فقیر چاہتا تھا کہ حضرت موصوف کے کمالات سے بھی کچھ اس مکتوب میں درج کرے لیکن حضرت کی رضا اس بارے میں مفہوم نہ ہوئی لہٰذا اس باب میں جرأت نہ کی۔

مولانا عبدالحیؒ[1] کی طرف صادر فرمایا ——— توحید وجودی و شہودی کے مراتب اور ان کے متعلقہ معارف کے بیان میں۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ——— اللہ تعالیٰ آپ کو رشد و ہدایت عطا فرمائے۔ اس بات کو جان لیں کہ ایک جماعت کے لئے توحید وجودی کا منشا مراقبات کی کثرت سے مشق کرنا اور کلمۂ طیبہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے معنی کو لَا مَوْجُوْدَ اِلَّا اللّٰہ کے ساتھ سمجھنا ہے۔ اس قسم کی توحید حیلہ سازی اور تامل و تخیل کے بعد سلطانِ خیال کے غلبہ و ذریعے سے ظاہر ہوتی ہے کیونکہ توحید کے معنی کی کثرتِ مزاولت کی وجہ سے اس کی معرفت کا نقش قوتِ متخیلہ میں بن جاتا ہے ——— چونکہ اس قسم کی توحید اس صاحبِ توحید کی اپنی بنائی ہوئی ہوتی ہے اس لئے وہ علت سے خالی نہیں ہے۔ یہ توحید والا شخص اربابِ احوال میں سے نہیں ہے کیونکہ اربابِ احوال اربابِ قلوب ہوتے ہیں اور اس توحید والے کو ابھی مقامِ قلب کی بھی کچھ خبر نہیں) اس لئے کہ یہ توحید محض علمی ہے اس سے زیادہ کچھ نہیں (یعنی حالی والی نہیں ہے) لیکن علم کے بھی کئی درجے ہیں بعض کا درجہ بعض سے اوپر ہے۔

توحید وجودی و شہودی کے مراتب

---

[1] آپ کے نام پانچ مکتوبات ہیں اور دفتر اول مکتوب ۲۷۷ پر آپ کا مختصر تذکرہ درج ہے۔

اور دوسری جماعت کے لئے "توحیدِ وجودی" کا منشا انجذاب اور محبتِ قلبی ہے کیونکہ وہ لوگ ابتدا میں اُن اذکار و مراقبات میں مشغول ہوتے ہیں جو توحید کے معنی کے تخیل سے خالی ہوتے ہیں اور پھر اپنی محنت و کوشش سے یا صرف عنایتِ ازلی سے مقامِ قلب تک پہنچتے ہیں اور ایک طرح کا جذب پیدا کر لیتے ہیں، اگر اس مقام میں ان پر توحیدِ وجودی کا حال ظاہر ہو جائے تو اس کا سبب محبوب کی محبت کا غلبہ ہوگا کہ جس نے محبوب کے ماسویٰ کو ان کی نظر سے مخفی و پوشیدہ کر دیا ہے اور چونکہ وہ ماسوائے محبوب کسی کو نہیں دیکھتے اور نہ ہی پاتے ہیں اس لئے محبوب کے علاوہ کسی کو موجود نہیں جانتے۔ توحید کی یہ قسم احوال سے ہے اور تخیل کی علت اور توہم کی آمیزش سے پاک و مبرا ہے۔ ——

اور اگر اربابِ قلوب کی اس جماعت کو اس مقام سے عالم کی طرف واپس لے آئیں تو وہ لوگ اپنے محبوب کو ذراتِ عالم میں سے ہر ذرہ میں مشاہدہ کرتے ہیں اور موجودات کو اپنے محبوب کے حسن و جمال کے آئینے اور مظاہر سمجھتے ہیں، اور اگر محض فضل خداوندی جل شانہ سے یہ اربابِ قلوب، مقامِ قلب سے نکل کر مقلبِ قلب، (حق جل و علا) کی بارگاہ کی طرف متوجہ ہو جائیں تو یہ توحیدی معرفت جو ان کو مقامِ قلب میں پیدا ہوئی تھی زائل ہونے لگتی ہے اور جس قدر وہ عروج کی بلندیوں میں ترقی کرتے جاتے ہیں اپنے آپ کو اس معرفت کے ساتھ اسی قدر زیادہ نامناسب پاتے ہیں حتیٰ کہ ان میں سے بعض اس معرفت والوں کے طعن و انکار کی حد تک پہنچ جاتے ہیں مثل رکن الدین ابو المکارم شیخ علاء الدولہ سمنانیؒ کے اور بعض دوسرے حضرات کے لئے اس معرفت کے زائل ہونے کے بعد اس کی نفی کرنے یا ثابت کرنے سے کچھ کام نہیں رہتا —— ان سطور کا کاتب اس معرفت والوں کے انکار سے اجتناب کرتا ہے اور ان کو طعن کرنے سے اپنے آپ کو دور رکھتا ہے۔ انکار و طعن کی مجال اس وقت ہوتی ہے جبکہ اس حال کے ظہور میں اس حال والوں کا اپنا قصد و اختیار ہو، ان کے ارادہ کے بغیر یہ معنی ان سے ظاہر ہو رہے ہیں، وہ اس حال میں مغلوب ہیں اس لئے معذور ہیں، اور معذور و مضطر پر کوئی ردّ و طعن کی گنجائش نہیں ہے، لیکن (اس کے باوجود یہ فقیر) اس قدر جانتا ہے کہ اس معرفت کے اوپر بھی ایک اور معرفت ہے، اور اس حال سے آگے بھی ایک دوسری حالت ثابت ہے۔ اس مقام پر رکے ہوئے حضرات بہت سے کمالات سے رکے ہوئے ہیں اور بے شمار مقامات سے محروم رہتے ہیں۔

یہ بے سر و سامان حقیر (یعنی حضرت مجدد) بغیر اس بات کے کہ معنیٔ توحید میں مشق کرے، اور

مراقبات واذکار کے ضمن میں ان کے لئے محنت وکوشش کرے محض فضلِ ایزدی سے اور ہدایت وافاضت پناہی، حقائق ومعارف آگاہی مؤید الدین الرضی شیخنا ومولانا محمد الباقی قدس اللہ تعالیٰ سرہ الاقدس کی صحبت میں ذکر کی تعلیم کے بعد اور ان کی التفاتِ توجہ سے قلب کے مقام میں اُلراس معرفت کا دروازہ کھول دیا اور اس مقام کے علوم ومعارف بہت عطا فرمائے، اور ان معارف کے دقائق منکشف کرکے ایک مدت تک اسی مقام میں رکھا۔ آخرالامر کمال بندہ نوازی سے مقامِ قلب سے نکال لائے اور اس اثنا میں وہ (توحید وجودی کی) معرفت زوال پذیر ہوکر رفتہ رفتہ پورے طور پر معدوم ہوگئی۔

اپنے احوال کے اظہار کا مقصد یہ ہے کہ معلوم ہوجائے کہ اس مضمون کا لکھنے والا اپنے کشف اور ذوق کی وجہ سے اس بات کو تحریر میں لایا ہے نہ کہ ظن وتقلید کی بنیاد پر —— اور وہ معارفِ توحیدی جو بعض اولیاء اللہ سے ظاہر ہوئے ہیں اور چونکہ ابتدائے حال میں اور مقام قلب پر صادر ہوئے ہیں اس لئے ان کو اس راہ سے کوئی نقصان نہیں ہوتا —— اس حقیر نے بھی اُس وقت (زمانے میں) معارفِ توحیدی پر کئی رسائل لکھے ہیں، اور چونکہ بعض دوستوں نے ان تحریروں کو منتشر کردیا اس لئے ان کا جمع کرنا دشوار ہوگیا اور ان رسائل کو ان کے حال پر چھوڑ دیا، نقص اس وقت لازم آتا جبکہ اس مقام سے اوپر نہ لے جائیں۔

اربابِ توحید میں سے ایک گروہ کے لوگ وہ ہیں جو اپنے مشہود میں استہلاک (نیستی) واضمحلال (فنائیت) کامل طور پر پیدا کرلیتے ہیں اور ان کا ارادہ یہ ہوتا ہے کہ اپنے مشہود میں ہمیشہ مضمحل ومعدوم رہیں اور ان کے وجود سے کوئی اثر ظاہر نہ ہو، یہ لوگ کلمۂ "اَنَا" کے رجوع کو اپنے لئے کفر جانتے ہیں اور ان کے نزدیک کام کی انتہا فنا ونیستی ہے۔ مشاہدہ (عالم میں مشہودِ حق) کو بھی گرفتاری جانتے ہیں۔ ان میں سے بعض فرماتے ہیں اَشْتَهِیْ عَدَمًا لَّا اَعُوْدُ اَبَدًا (میں ایسا عدم چاہتا ہوں کہ جس کا وجود ہرگز کبھی نہ ہو)۔ یہی لوگ محبت کے مقتول ہیں —— اور حدیثِ قدسی مَنْ قَتَلْتُهٗ فَاَنَا دِيَتُهٗ (جس کو میں قتل کرتا ہوں اس کا خون بہا بھی میں خود ہوتا ہوں) انہی کی شان میں ثابت ہے۔ یہ لوگ ہمیشہ وجود کے زیر بار رہتے ہیں اور ایک لمحہ بھی آرام نہیں پاتے کیونکہ آرام غفلت میں ہوتا ہے، دائمی فنائیت کے ہوتے ہوئے غفلت کی گنجائش نہیں ہے —— شیخ الاسلام ہرویؒ فرماتے ہیں کہ "جو شخص مجھ کو ایک ساعت کے لئے حق تعالیٰ سے غافل کردے امید ہے کہ اس کے گناہ بخش دیئے جائیں۔ —— اور وجودِ بشریت کے لئے

غفلت درکار ہے۔ حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے اپنے کمالِ کرم ان میں سے ہر ایک کے ظاہر کو ان کی استعداد کے موافق ان امور میں جو غفلت کو مستلزم ہیں مشغول کر دیا ہے تاکہ وہ بارِ وجود کسی قدر ان سے ہلکا ہو جائے چنانچہ ایک جماعت کو سماع و رقص کی الفت دیدی، اور ایک گروہ کو کتابوں کی تصنیف اور علوم و معارف تحریر کرنا شعار بنا دیا گیا، اور ایک گروہ کو بعض مباح امور میں مشغول کر دیا ہے —— (جیسا کہ) عبد اللہ اصطخری سگ بانوں (کتّوں والوں) کے ہمراہ جنگل میں چلے جایا کرتے تھے۔ کسی شخص نے ایک بزرگ سے اس کا راز دریافت کیا تو اُن بزرگ نے فرمایا یہ اس لئے تاکہ ان کا نفس کچھ وقت کے لئے بارِ وجود سے خلاصی حاصل کر لے —— اور بعض کو توحید وجودی کے علوم اور وحدت میں کثرت کے مشاہدے سے آرام دیا تاکہ اس بار سے ایک ساعت کے لئے آرام پالیں۔

اور وہ توحید جو مشائخ نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے بعض اکابر بزرگوں سے ظاہر ہوئی ہے اسی قسم سے ہے۔ ان بزرگوں کی نسبت تنزیہ صرف کی طرف لے جاتی ہے وہ عالم اور شہود در عالم سے کچھ واسطہ نہیں رکھتے —— اور وہ معارف جو ارشاد پناہی حقائق و معارف دستگاہی ناصر الدین خواجہ عبید اللہؒ نے توحید وجودی اور کثرت میں وحدت کے شہود کے مناسب تحریر فرمائے ہیں توحید کی اسی آخر قسم سے ہیں۔ ان کی کتاب "فقرات" جو بعض علوم توحید وغیرہ پر مشتمل ہے اس کتاب کا منشا اور ان معارف کا مقصود ان کا عالم کے ساتھ انس و الفت پیدا کرنا ہے ——۔ اور ہمارے خواجہ (باقی باللہؒ) کے معارف جو آپ نے بعض رسالوں میں کتاب "فقرات" کے کلام کے مطابق تحریر فرمائے ہیں اسی قسم سے ہیں۔ ان علومِ توحید کا منشا نہ جذبہ ہے اور نہ غلبۂ محبت، اور ان کے مشہود کو عالم کے ساتھ کچھ بھی نسبت نہیں ہے، ان کو جو کچھ عالم میں دکھاتے ہیں ان کے مشہود حقیقی کا شبہ و مثال ہے۔

مثلاً ایک شخص آفتاب کے جمال میں گرفتار ہے اور اپنی کمالِ محبت کی وجہ سے آفتاب میں گُم ہو گیا ہے اور اپنا نام و نشان بھی کچھ نہ چھوڑا۔ اس گم شدہ کو اگر چاہیں کہ دوبارہ (آفتاب کی گرفتاری محبت سے) واپس لے آئیں اور اس میں آفتاب کے علاوہ کسی دوسرے کی الفت و محبت پیدا کر دیں تاکہ ایک لمحہ آفتاب کے انوار کے غلبہ سے اپنا سانس درست کر کے تھوڑی دیر آرام کر لے۔ تو اسی آفتاب کو اس عالم کے آئینوں میں جلوہ نما کرتے ہیں اور اس آمیزش یا تعلق کے ساتھ اس کو اس عالم سے ایک انس و التفات پیدا کراتے ہیں اور اس کو یہ باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں کہ یہ عالم عین آفتاب ہے اور سوائے آفتاب کے

اور کوئی چیز موجود نہیں ہے اور کبھی ذراتِ عالم کے آئینوں میں اس کو جمالِ آفتاب کی رونمائی کراتے ہیں۔

اس جگہ کوئی یہ سوال نہ کرے کہ چونکہ نفس الامر میں عالم عین آفتاب نہیں لہٰذا اس کو آفتاب بتانا خلافِ واقع ہوگا ——— اس کے جواب میں ہم یہ کہتے ہیں کہ عالم کے افراد بعض امور میں ایک دوسرے سے اشتراک رکھتے ہیں اور دوسرے معاملات میں امتیاز (فرق)۔ حق سبحانہ وتعالیٰ اپنی کمالِ قدرت سے بعض امور کو جو امتیاز کا باعث ہیں بعض حکمتوں اور مصلحتوں کی بنا پر ان کی نظروں سے پوشیدہ کر دیتا ہے اور صرف اجزائے مشترکہ کو ظاہر فرما دیتا ہے، لہٰذا لازمی طور پر ایک دوسرے کے ساتھ اتحاد کے حکم میں آجاتے ہیں، پس اسی طرح وہ شخص آفتاب کو بھی اسی تعلق سے عالم کا عین پاتا ہے۔ اور اسی طرح حق سبحانہٗ کو اگرچہ عالم کے ساتھ حقیقت میں کچھ بھی مناسبت نہیں لیکن مشابہتِ اسمی اس اتحاد کو صحیح و درست کر دیتی ہے ——— مثلاً حق سبحانہٗ وتعالیٰ موجود ہے اور عالم بھی موجود ہے لیکن حقیقت میں ان دونوں وجودوں کے درمیان کوئی مناسبت نہیں ہے ——— اسی طرح حق تعالیٰ سمیع، بصیر، حی، قادر اور مرید ہے، اور عالم کے بعض افراد بھی انہی صفات سے متصف ہیں اگرچہ ایک دوسرے کی صفات (یعنی واجب تعالیٰ کی صفات اور ممکن کی صفات) ایک دوسرے سے جدا ہیں لیکن چونکہ وجودِ امکانی کی خصوصیت اور صفاتِ محدثات کے نقائص ان کی نظروں سے (حکمت کی بنا پر) پوشیدہ کر دیئے گئے ہیں، اس لئے اگر ان (واجب و ممکن) کے درمیان اتحاد کا حکم کر دیا جائے تو گنجائش ہے۔

توحید کی یہ آخری قسم اقسامِ توحید میں سب سے اعلیٰ قسم ہے۔ بلکہ حقیقت میں اس معرفت والے حضرات اس وارد (حال) کے مغلوب نہیں ہیں اور ان کا سکر اس معرفت کی وجہ سے نہیں ہوا ہے بلکہ اس حال کو اُن پر کسی مصلحت کی بنا پر طاری کر دیا گیا ہے اور یہ بات ملحوظ ہے کہ اس معرفت کے وسیلے سے ان کو سکر سے صحو میں لائیں اور تسلی دیں جیسا کہ بعض کو سماع و رقص سے اور بعض کو بعض امورِ مباحہ کے ساتھ مشغول کر کے تسلی دی گئی ہے ——— جاننا چاہئے کہ ان (مذکورہ) گروہوں میں سے بعض حضرات ان بعض امور کے متعلق جو ان کے مشہود کے مغائر (غیر) میں سے ہیں وہ ان میں مشغول رہتے ہیں اور تسلی حاصل کرتے ہیں بخلاف ان بزرگوں کے جو ان کے مشہود کے مغائر کی طرف التفات نہیں کرتے اور نہ ان کے تابع ہوتے ہیں۔ لہٰذا لازمی طور پر عالم کو ان کے مشہود کا عین ظاہر

کرتے ہیں، یا عالم کے آئینے میں اس کو جلوہ گر کرتے ہیں تاکہ ایک ساعت کے لئے اس بارِ گراں سے تخفیف حاصل کریں ——— اس آخری قسم کی توحید کا منشا اس حقیر کو کشف اور ذوق کے طریقے سے معلوم نہیں تھا، صرف پہلی دو قسموں کو ہی جانتا تھا، البتہ اس (تیسری) قسم کا صرف ظن و گمان رکھتا تھا اسی وجہ سے رسائل و مکتوبات میں انہی دو وجوہات بلکہ وجہ دوم کو لکھا ہے اور توحیدِ وجودی کو اسی پر منحصر کیا ہے ——— لیکن جب ارشاد پناہی قبلہ گاہی (خواجہ باقی باللہؒ) کی رحلت کے بعد آپ کے مزار شریف کی تقریب زیارت کے لئے محفوظ شہر دہلی جانے کا اتفاق ہوا، اور عید کے روز مزار شریف پر حاضری دی تو مزار مبارک پر توجہ کرنے کے دوران آپ کی روحانیتِ مقدسہ پورے التفات کے ساتھ ظاہر ہوئی، اور کمال درجہ غریب نوازی کی بنا پر اپنی نسبتِ خاصہ جو حضرت خواجہ احرارؒ سے منسوب ہے آپ نے مرحمت فرمائی جب فقیر نے اس نسبت کو اپنے اندر پایا تو ان علوم و معارف کی حقیقت کو بطریق ذوق حاصل کیا اور معلوم ہوا کہ آپ کے اندر توحیدِ وجودی کا منشا انجذابِ قلبی اور غلبۂ محبت نہیں ہے بلکہ اس معرفت سے مقصود اس غلبہ کی تخفیف ہے ——— ایک مدت تک اس معنی کے اظہار کو مناسب نہیں سمجھا لیکن چونکہ بعض رسائل میں ان دو وجوہ کا ذکر پہلے ہو چکا تھا جن کی وجہ سے کم فہم لوگ وہم میں پڑ گئے تھے، کیونکہ اس بیان سے دو بزرگوں (یعنی خواجہ احرارؒ اور خواجہ باقی باللہؒ) کی تنقیص لازم آتی ہے کیونکہ ان کا طریقہ اربابِ توحید کا طریقہ ہے۔ لہٰذا لوگوں نے اس ذریعے سے (اس فقیر کے حق میں) فتنہ انگیزی کی زبان درازی کی، یہاں تک کہ بعض کم ارادت طالبوں کے احوال کے فتور کا باعث ہو گیا۔ اس لئے ضرورت و مصلحت کی بنا پر توحید کی اس (تیسری) قسم کا اظہار کرنا مناسب سمجھا اور اس واقعہ (یعنی حضرت خواجہ باقی باللہؒ کی زیارتِ قبر) کو بطورِ دلیل تحریر میں لایا۔

ہمارے خواجہ صاحبؒ کے مخلصوں میں سے ایک درویش نے نقل کیا کہ (خواجہ صاحب) فرمایا کرتے تھے کہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ ہم اربابِ توحید کی کتابوں کے مطالعہ سے نسبت حاصل کرتے ہیں، ایسا نہیں ہے بلکہ (مطالعۂ کتب سے) مقصود یہ ہے کہ ایک ساعت کے لئے اپنے آپ کو غافل کر لیں۔ یہ بات سابق کلام کی تائید کرتی ہے۔

فضیلت پناہی شیخ عبدالحق (محدث دہلویؒ) جو کہ ہمارے خواجہ صاحبؒ کے مخلصوں میں سے ہیں

نقل کرتے ہیں کہ حضرت خواجہؒ رحلت کے آخری ایام میں فرمایا کرتے تھے کہ ہم کو مکمل طور پر یقین حاصل ہو گیا کہ توحید (وجودی) ایک تنگ کوچہ ہے اور شاہراہ دوسری ہے۔ اگرچہ پہلے بھی ہم یہی جانتے تھے لیکن اس قسم کا یقین اب ظہور پذیر ہوا ہے ـــــــ اس بات سے یہ بھی مفہوم ہوتا ہے کہ آخر کار آپؒ کا مشرب بھی توحیدِ وجودی سے مناسبت نہ رکھتا تھا۔ البتہ ابتدائے حال میں اگر اس قسم کی توحید ظاہر ہوئی ہو تو کوئی ڈر کی بات نہیں ہے، بلکہ اکثر مشائخ کو ابتدا میں اسی قسم کی توحید ظہور پذیر ہوئی ہے اور آخر کار وہ اس سے نکل آئے ہیں۔

اور اسی طرح جذبۂ نقشبندیہ کے مقام میں پہنچنے کے بعد حضرت خواجہ نقشبندؒ اور حضرت خواجہ احرارؒ کے طریقے ایک دوسرے سے جدا ہو جاتے ہیں اور علوم و معارف بھی ایک دوسرے سے جدا ہیں۔ بعد ازاں حضرت خواجہ احرارؒ کی توجہ کا غلبہ اپنے مادری آبا و اجداد کی نسبتِ باطنی کے اعتبار سے ہے جو پشت در پشت سے بزرگ ہوتے چلے آئے ہیں اور یہ فنا و نیستی جو اوپر مذکور ہو چکی ہے انہی بزرگوں کی نسبت کے لوازمات میں سے ہے ـــــــ اس حقیر نے اپنے ہم عصر لوگوں کی مصلحت کو مدِ نظر رکھ کر طالبوں کی تربیت کے لئے حضرت خواجہ نقشبندؒ کا طریقہ اختیار کیا ہے، چونکہ آپ کے علوم و معارف ظاہری شریعت کے علوم و معارف سے بہت زیادہ مناسبت رکھتے ہیں اور اس فاسد زمانہ میں جبکہ ارکانِ شریعت کی ادائیگی میں لوگ بہت سست ہو گئے ہیں ان کو ظاہر کرنا مناسب دیکھتے ہوئے طالبوں کے فائدے کی غرض سے اس طریقے کا تعین کیا۔ اگر حق سبحانہٗ اس حقیر کے ذریعے سے طریقۂ احراریہ کو رواج دینا چاہتا تو عالم کو اس کے نور سے منور کر دیتا۔ کیونکہ دونوں بزرگوں کے انوار بطریقِ کمال اس فقیر کو عطا فرمائے گئے ہیں، اور دونوں بزرگوں کے طریقوں کی تکمیل (مجھ پر) ظاہر کر دی گئی ہے۔ اِنَّ الْفَضْلَ بِیَدِ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰہُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ (حدید آیت ۲۹) (بیشک فضل اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہے جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ بہت بڑے فضل والا ہے) سے

بادشاہے ست کز عنایتِ خویش	ہر دو عالم بیک گدا بخشد
(عجیب بادشہ ہے کہ چاہے اگر	دو عالم گداہی کو وہ بخش دے)
اگر بادشہ بر درِ پیر زن	بیاید تو اے خواجہ سبلت مکن
(اگر بادشہ آئے بڑھیا کے گھر	تو اے خواجہ، ہرگز تعجب نہ کر)

اور بحکم وَ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ (ضحی آیت ۱۱) (تم اپنے رب کی نعمت کا اظہار کرو) کے تحت (یہ حقیر) بعض پوشیدہ اسرار کو معرضِ ظہور میں لایا ہے۔ حق سبحانہ و تعالیٰ طالبانِ حق کو ان سے بہرہ مند فرمائے۔ اگرچہ (یہ فقیر) جانتا ہے کہ منکروں کو انکار کی زیادتی کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا لیکن مقصود طالبوں کو فائدہ پہنچانا ہے اور منکر اس بحث سے خارج ہیں اور مطمحِ نظر (مقصد) سے باہر ہیں۔ يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا وَّيَهْدِيْ بِهِ كَثِيرًا (بقرہ آیت ۲۶) (اس سے بہت لوگ گمراہ ہوتے ہیں اور بہت لوگ ہدایت پاتے ہیں)۔

اربابِ بصیرت پر یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ مصلحت کی بنا پر ایک طریقے کو اختیار کرنے سے دوسرے طریقے پر اس کی افضلیت لازم نہیں آتی اور نہ دوسرے طریقے کا نقص ظاہر ہوتا ہے ؎

دروازۂ شہر را تواں بست — نتواں دہنِ مخالفاں بست

(شہر کا دروازہ ہو سکتا ہے بند — دشمنوں کا بند منہ ہو کس طرح)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ذِي الْاِنْعَامِ وَالْمِنَّةِ اَوَّلًا وَّاٰخِرًا وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ وَالتَّحِيَّةُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ سَرْمَدًا وَّعَلٰى اٰلِهِ الْاَخْيَارِ وَاَصْحَابِهِ الْاَبْرَارِ (اول و آخر تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو بڑے انعام و احسان والا ہے اور صلوٰۃ و سلام اور تحیہ ہو اس کے رسول پر اور آپ کی بزرگ اولاد اور نیک اصحاب پر)۔

مکتوب ۲۹۲

دو صد و نود و دوم
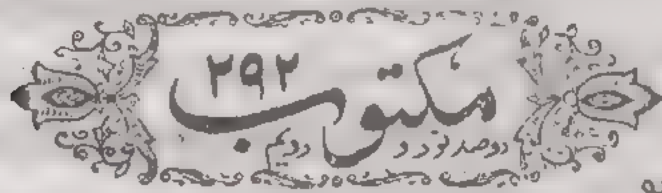
شیخ عبدالحمید بنگالی[1] کی طرف صادر فرمایا ——— مریدوں کے لئے ضروری آداب کے بیان میں اور ان کے بعض شبہات دور کرنے اور اس کے مناسب بیان میں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَدَّبَنَا بِالْاٰدَابِ النَّبَوِيَّةِ وَهَدَانَا بِالْاَخْلَاقِ الْمُصْطَفَوِيَّةِ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِيْمَاتُ اَتَمُّهَا وَاَكْمَلُهَا شروع اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے ہم کو آدابِ نبوی کے ساتھ مؤدب کیا اور اخلاقِ مصطفویہ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والتسلیمات اتمہا واکملہا کی جانب ہم کو ہدایت فرمائی)۔

جاننا چاہئے کہ اس راہ کے سالک دو حال سے خالی نہیں ہیں: یا تو وہ مرید ہیں یا مراد ہیں۔

---

[1] آپ کے نام پانچ مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دتفصیل دفتر اول مکتوب ۱۵۸ پر ملاحظہ فرمائیں۔

اگر مراد ہیں تو اُن کے لئے مبارک بادی ہے، کیونکہ (کارکنانِ قضاوقدر) ان کو انجذاب و محبت کی راہ سے کشاں کشاں لے جائیں گے اور مطلبِ اعلیٰ پر پہنچا دیں گے۔ اور ہر ادب جو بھی درکار ہوگا وہ توسط یا بلا توسط ان کو سکھا دیں گے۔ اور اگر کوئی لغزش واقع ہو گئی تو جلد ان کو آگاہ کر دیا جائے گا، اور اس کا مواخذہ نہیں کیا جائے گا، اور اگر ظاہری پیر کی ضرورت ہو گی تو بغیر کسی کوشش کے ان کو اس دولت (مرشد کامل) کی طرف رہنمائی فرما دیں گے ــــ مختصر یہ کہ عنایتِ ازلی جل سلطانہٗ ان بزرگوں کے حال کی متکفل ہوتی ہے، (حق تعالیٰ کسی ذریعے سے) سبب اور بلا سبب ان کے کام کی کفایت فرماتا ہے: اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ (شوریٰ آیت ۱۳ پ ۲۵) (اللہ تعالیٰ اپنے لئے منتخب کر لیتا ہے جس کو چاہتا ہے)۔

اور اگر مریدوں میں سے ہیں تو ان کا کام پیرِ کامل و مکمل کے توسط کے بغیر دشوار ہے، بلکہ (ان کے لئے) ایسا پیر ہونا چاہیے جو "دولتِ جذبہ و سلوک" سے مشرف کیا گیا ہو، اور "فنا و بقا" کی سعادت سے بھی بہرہ مند ہو چکا ہو، نیز "سیر الی اللہ، سیر فی اللہ، سیر عن اللہ باللہ اور سیر فی الاشیا باللہ" کے تمام مرحلوں کو طے کر چکا ہو، اگر اس کا جذبہ اس کے سلوک پر مقدم ہے اور وہ مراد (والے حضرت) کی تربیت کا پروردہ ہے تو وہ (مرشد) کبریتِ احمر (سرخ گندھک یعنی اکسیر) کی مانند ہے۔ اس کا کلام دوا ہے، اور اس کی نظر شفا ہے، مُردہ دلوں کو زندہ کرنا اس کی توجہ شریف پر وابستہ ہے اور پژمُردہ جانوں کی تازگی اس کے التفاتِ لطیف سے مربوط ہے۔ اگر اس قسم کا "صاحبِ دولت شیخ" میسر نہ ہو تو سالک مجذوب بھی غنیمت ہے، اس سے بھی ناقصوں کی تربیت ہو جاتی ہے اور اس کے توسط سے فنا و بقا کی دولت تک پہنچ جاتے ہیں ؎

آسماں نسبت بعرشش آمد فرود ورنہ بس عالی ست پیشِ خاکِ تود

(عرش سے نیچے ہے بیشک آسماں پھر بھی اونچا ہے زمیں سے وہ مکاں)

اگر خداوند جل سلطانہ کی عنایت سے کسی طالب کو ایسے پیر کامل و مکمل کی طرف رہنمائی نصیب ہو جائے تو اس کے وجود شریف کو غنیمت جانے اور پورے طور پر اپنے آپ کو اس کے سپرد کر دے اور اس کی مرضیات میں اپنی سعادت سمجھے اور اس کی خلافِ مرضیات کو اپنی شقاوت و بدنصیبی جانے ــــ خلاصہ یہ کہ اپنی خواہش اس کی رضا کے تابع کر دے۔

حدیثِ نبوی علیہ وعلی آلہ الصلوات والتسلیمات اتمہا واکملہا میں ہے: لَنْ یُّؤْمِنَ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یَکُوْنَ هَوَاهُ تَبَعًا لِّمَا جِئْتُ بِهٖ[1] (تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنی خواہش کو اس امر کے تابع نہ کردے جس کو میں لایا ہوں)۔

پیر کی صحبت کے لئے ضروری آداب و شرائط

جاننا چاہیے کہ صحبتِ (شیخ) کے آداب کی رعایت اور شرائط کو مدِ نظر رکھنا اس راہ کی ضروریات میں سے ہے تاکہ افادہ اور استفادہ کا راستہ کھل جائے، ورنہ (آداب کی رعایت کے بغیر) صحبت سے کوئی نتیجہ پیدا نہ ہوگا اور اس کی مجلس سے کوئی فائدہ حاصل نہ ہوگا (اس لئے) بعض ضروری آداب و شرائط لکھے جاتے ہیں، گوشِ ہوش سے سننے چاہئیں:-

جان لیں کہ طالب کو چاہیئے کہ اپنے "چہرۂ دل" کو تمام اطراف و جوانب سے ہٹا کر اپنے مرشد کی طرف متوجہ کرے اور پیر کی خدمت میں رہتے ہوئے اس کی اجازت کے بغیر نوافل و اذکار میں بھی مشغول نہ ہو اور نہ ہی اس کے حضور میں اس کے علاوہ کسی اور کی طرف التفات کرے، اور پوری طرح اسی کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھا رہے۔ حتی کہ جب تک وہ حکم نہ کرے ذکر میں بھی مشغول نہ ہو۔ اور اس کی خدمت میں رہتے ہوئے نمازِ فرض و سنت کے علاوہ کچھ ادا نہ کرے۔

سلطانِ ایں وقت (جہانگیر) کا واقعہ منقول ہے کہ اس کا وزیر اس کے سامنے کھڑا تھا اسی اثناء میں اتفاقاً وزیر کی نظر اس کے اپنے کپڑے پر پڑی اور وہ اس کے بند کو اپنے ہاتھ سے درست کرنے لگا۔ اسی حال میں تھا کہ اچانک بادشاہ کی نظر وزیر پر پڑ گئی کہ وہ اس کے غیر (یعنی اپنے کپڑے) کی طرف متوجہ ہے، تو بادشاہ نے نہایت عتاب آمیز لہجہ میں کہا کہ "میں اس بات کو برداشت نہیں کر سکتا کہ میرا وزیر میرے حضور میں اپنے کپڑے کے بند کی طرف توجہ کرے" ——— سوچنا چاہئے کہ جب کمینی دنیا کے وسائل (مثلاً بادشاہ) کے لئے چھوٹے چھوٹے آداب ضروری ہیں تو وصول الی اللہ کے وسائل (مثلاً پیر) کے لئے ان آداب کی کامل درجہ رعایت نہایت ہی ضروری ہوگی ——— لہذا جہاں تک ممکن ہو سکے ایسی جگہ کھڑا نہ ہو کہ اس کا سایہ پیر کے کپڑوں یا سایہ پر پڑے اور اس کے مصلے پر پاؤں نہ رکھے اور اس کے وضو کی جگہ پر وضو نہ کرے اور اس کے خاص برتنوں کو استعمال نہ کرے اور اس کے حضور میں پانی نہ پئے، کھانا نہ کھائے اور نہ کسی سے گفتگو کرے بلکہ کسی دوسرے کی طرف متوجہ بھی نہ ہو۔ اور پیر کی غیبت (غیر موجودگی) میں جہاں پیر رہتا ہے اس جگہ کی طرف پاؤں نہ پھیلائے اور نہ اس کی طرف

---

[1] رواہ فی شرح السنۃ۔ وقال النووی ہذا حدیث صحیح قالہ فی المشکوٰۃ

سمجھے، اور جو کچھ پیر سے صادر ہو اس کو صواب (درست) جانے اگرچہ بظاہر درست معلوم نہ ہو، وہ جو کچھ کرتا ہے الہام سے کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے اذن سے کرتا ہے لہٰذا اس صورت میں اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں ہے، اگرچہ بعض صورتوں میں اس کے الہام میں خطا کا ہونا ممکن ہے لیکن "خطائے الہامی" "خطائے اجتہادی" کے مانند ہے اس پر ملامت و اعتراض جائز نہیں ——— اور نیز چونکہ اس مرید کو اپنے پیر سے محبت پیدا ہو چکی ہے اس لئے جو کچھ محبوب (پیر) سے صادر ہوتا ہے مُحِب (مرید) کی نظر میں محبوب دکھائی دیتا ہے لہٰذا اعتراض کی گنجائش نہیں ہے۔ کھانے پینے، پہننے سونے اور طاعت کرنے کے ہر چھوٹے بڑے کاموں میں پیر ہی کی اقتدا کرنی چاہئے، نماز کو بھی اسی کی طرز پر ادا کرنا چاہئے اور فقہ کو بھی اسی کے عمل سے اخذ کرنا چاہئے۔ ؎

آں را کہ در سرائے نگار یست فارغ است   از باغ و بوستان و تماشائے لالہ زار

(جو شخص ہو نگار کے گھر سب ہے اس کے پاس   باغ اور لالہ زار کی حاجت نہیں اُسے)

اور اس (پیر) کی حرکات و سکنات پر کسی قسم کے اعتراض کو دخل نہ دے اگرچہ وہ اعتراض رائی کے دانے کی برابر ہو، کیونکہ اعتراض سے سوائے محرومی کے کچھ حاصل نہیں ہوتا اور تمام مخلوقات میں سب سے زیادہ بدبخت وہ شخص ہے جو اس بزرگ گروہ کا عیب بیں ہے (عیب دیکھنے والا)۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اس بلائے عظیم سے بچائے ——— اور اپنے پیر سے خوارق و کرامات طلب نہ کرے اگرچہ وہ طلب خطراتِ (قلبی) اور وساوس کے طریق پر ہوں۔ کیا آپ نے سُنا ہے کہ کسی مومن نے اپنے پیغمبر سے معجزہ طلب کیا ہے (یعنی ایسا کبھی نہیں ہوا) معجزہ طلب کرنے والے کافر اور منکر لوگ ہوتے ہیں ؎

معجزات از بہرِ قہرِ دشمن است   بوئے جنسیت پئے دل بُردن است

موجبِ ایماں نباشد معجزات   بوئے جنسیت کند جذبِ صفات

(معجزہ ہے عجزِ دشمن کے لئے   اپنے اپنایت سے ہیں اپنے بنے

موجبِ ایماں نہیں ہیں معجزات   بلکہ اپنایت سے ہے جذبِ صفات)

گر دل میں کسی قسم کا شبہ پیدا ہو تو اس کو بلا توقف (پیر کی خدمت میں) عرض کر دے، (پھر بھی) اگر حل نہ ہو تو اپنی تقصیر سمجھے اور پیر کی طرف کسی قسم کی کوتاہی یا عیب و نقص منسوب نہ کرے، اور جو واقعہ بھی ظاہر ہو پیر سے پوشیدہ نہ رکھے، اور واقعات کی تعبیر اسی سے دریافت کرے اور جو تعبیر خود طالب پر

منکشف ہو وہ بھی عرض کر دے، اور صواب و خطا کو اسی سے طلب کرے۔ اور اپنے کشفوں پر ہرگز بھروسہ نہ کرے کیونکہ اس دارِ (فانی) میں حق باطل کے ساتھ ملا ہوا ہے اور خطا صواب کے ساتھ ملی جُلی ہوئی ہے اور بے ضرورت اور بلا اجازت اس سے جدا نہ ہو، کیونکہ اس کے غیر کو اس کے اوپر اختیار کرنا ارادت کے منافی ہے اور اپنی آواز کو اس کی آواز سے بلند نہ کرے اور بلند آواز سے اس کے ساتھ گفتگو نہ کرے کہ بے ادبی میں داخل ہے، اور (ظاہر و باطن میں) جو فیض و فتوح اس کو پہنچے اس کو اپنے پیر ہی کے ذریعے سمجھے، اور گر واقعہ میں دیکھے کہ فیض دوسرے مشائخ سے پہنچا ہے اس کو بھی اپنے پیر ہی سے جانے اور یہ سمجھے کہ چونکہ پیر تمام کمالات و فیوض کا جامع ہے اس لئے پیر کا خاص فیض مرید کی خاص استعداد کے مناسب اس شیخ کے کمال کے موافق جس سے بصورت افاضہ ظاہر ہوئی ہے مرید کو پہنچا ہے، اور وہ پیر کے لطائف میں سے ایک لطیفہ ہے جو اس فیض سے مناسبت رکھتا ہے اور اس شیخ کی صورت میں ظاہر ہوا ہے۔ ابتلا و آزمائش کی وجہ سے مرید نے اس کو دوسرا شیخ خیال کیا ہے اور فیض کو اس کی طرف سے جانا ہے یہ بڑا بھاری مغالطہ ہے۔ حق سبحانہٗ اس لغزش سے محفوظ رکھے اور سید البشر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات و التسلیمات کے طفیل پیر کے ساتھ حسنِ اعتقاد اور اس کی محبت پر ثابت قدم رکھے (آمین)۔

غرض اَلطَّرِیْقُ کُلُّہٗ اَدَبٌ (طریقت سراپا ادب ہے) مثل مشہور ہے کوئی بے ادب خدا تک نہیں پہنچا۔ اور اگر مرید بعض آداب کے بجا لانے میں اپنے آپ کو عاجز جانے اور ان کو کما حقہ ادا نہ کر سکے اور کوشش کرنے کے بعد بھی اس سے عہدہ برآ نہ ہو سکے تو قابلِ معافی ہے لیکن اس کو اپنے قصور کا اقرار ضروری ہے اور اگر اعاذنا اللہ سبحانہٗ آداب کی رعایت بھی نہ کرے اور اپنے آپ کو قصوروار بھی نہ جانے تو وہ ان بزرگوں کی برکات سے محروم رہتا ہے ؎

هر که را روئے به بهبود نه بود دیدنِ روئے نبی سود نه بود
(جس کی قسمت میں نہ وہ بہبود تھی دیدِ پیغمبرؐ اُسے بے سود تھی)

ہاں اگر کوئی مرید اپنے پیر کی توجہ کی برکت سے فنا و بقا کے مرتبہ پر پہنچ جائے اور اس پر الہام و فراست کا طریقہ کُھل جائے اور پیر بھی اس کو تسلیم کر لے اور اس کے کمال کی گواہی دے تو اس مرید کے لئے جائز ہے کہ وہ بعض الہامی امور میں اپنے پیر کے خلاف کرے اور اپنے الہام کے تقاضے پر عمل کرے، اگرچہ پیر کے نزدیک اس کے خلاف ہی متحقق ہو چکا ہو، کیونکہ وہ مرید اس وقت پیر کی

تقلید کے حلقہ سے باہر نکل آیا ہے اور اس کے حق میں تقلید کرنا خطا ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ اصحابِ پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات نے بعض اجتہادی امور اور غیر منزلہ احکام میں آں سرور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اختلاف کیا ہے اور بعض اوقات صواب اور صحیح ہونا ان اصحاب کی طرف ظاہر ہوا ہے جیسا کہ اربابِ علم سے پوشیدہ نہیں ہے۔

پس معلوم ہوا کہ مرتبۂ کمال پر پہنچنے کے بعد مرید کو پیر سے اختلاف کرنا جائز ہے اور سوء ادب سے مبرا ہے، بلکہ اس جگہ پر تو یہی ادب ہے ورنہ اصحابِ پیغمبر علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کہ جو کمالِ ادب میں مؤدب تھے سوائے تقلیدِ امر کے اور کوئی کام نہ کرتے ——— (امام) ابو یوسفؒ کے لئے مرتبۂ اجتہاد پر پہنچنے کے بعد (امام) ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی تقلید کرنا خطا ہے بلکہ اپنی رائے کی متابعت میں صواب ہے نہ کہ ابی حنیفہؒ کی رائے میں ——— امام ابو یوسفؒ کا مشہور قول ہے "میں امام ابو حنیفہؒ کے ساتھ مسئلۂ خلقِ قرآن میں چھ مہینے تک جھگڑتا رہا" ——— آپ نے سنا ہوگا کہ "ایک صنعت کی بہت سے افکار کے ملنے سے تکمیل ہوتی ہے"۔ اگر (فن اور علم) ایک ہی فکر پر قائم رہتے تو ان میں کوئی اضافہ نہ ہوتا۔ وہ علمِ نحو جو امام سیبویہ کے زمانے میں تھا آج (نحویوں کی) مختلف آراء اور بہت سے نظائر کے ملنے سے ہزار گنا زیادہ کامل ہو چکا ہے لیکن چونکہ اس کی بنا (امام سیبویہ) نے رکھی ہے اس لئے فضیلت اسی کے لئے ہے (یعنی) فضیلت متقدمین کے لئے ہے لیکن کمال ان (متاخرین) کے لئے۔ ——— مَثَلُ أُمَّتِيْ كَمَثَلِ الْمَطَرِ لَا يُدْرٰى أَوَّلُهُمْ خَيْرٌ أَمْ آخِرُهُمْ (میری امت کی مثال بارش کی مانند ہے نہیں معلوم کہ اس کا اول اچھا ہے یا آخر) حدیث نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے۔

تتمہ: بعض مریدوں کے شبہ دور کرنے کے بیان میں۔

جاننا چاہئے کہ بزرگوں نے کہا ہے کہ "اَلشَّيْخُ يُحْيِيْ وَيُمِيْتُ" (شیخ زندگی بھی دے سکتا ہے اور مار بھی سکتا ہے)۔ (یعنی احیا اور اماتت مقامِ شیخی کے لوازمات میں سے ہے لیکن اس "احیا" سے مراد احیائے روحی ہے نہ کہ جسمی۔ اور اسی طرح "اماتت" سے مراد بھی روحانی موت ہے نہ کہ جسمانی۔ اور حیات و موت سے مراد فنا و بقا ہے جو مقامِ ولایت و کمال کو پہنچاتا ہے۔ اور شیخ مقتدا اللہ سبحانہ کے اذن سے ان دونوں امر کا کفیل و ضامن ہے، لہٰذا شیخ کے لئے اس احیا اور اماتت کے بغیر چارہ نہیں ہے ——— يُحْيِيْ وَيُمِيْتُ کے معنی يُبْقِيْ وَيُفْنِيْ ہیں (یعنی باقی رکھتا اور فنا کرتا)

جسمانی اجساد امانت کو منصبِ شیخی سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ شیخ مقتدا کہربا (مقناطیس) کی طرح ہے، جس کو اس سے مناسبت ہوگی وہ خس وخاشاک کی طرح اس کے پیچھے دوڑتا چلا آتا ہے اور اپنا حصہ اس کے ذریعے حاصل کرلیتا ہے۔ خوارق وکرامات مریدوں کے جذب کرنے کے لئے نہیں ہیں بلکہ باطنی مریدین تو طور پر معنوی مناسبت سے اس کی جانب کھنچے چلے آتے ہیں۔ اور جو شخص ان بزرگوں سے نسبت نہیں رکھتا وہ ان کے کمالات کی دولت سے بھی محروم رہتا ہے، اگرچہ وہ ہزار معجزے اور خوارق وکرامات دیکھے۔ ابوجہل اور ابولہب کا حال اس معنی اور مطلب کے لئے شاہد ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے کفار کے حق میں فرمایا ہے: وَاِنْ یَّرَوْا كُلَّ اٰیَةٍ لَّا یُؤْمِنُوْا بِهَا حَتّٰۤى اِذَا جَآءُوْكَ یُجَادِلُوْنَكَ یَقُوْلُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّاۤ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ ۝ (انعام آیت ۲۵) (یہ لوگ خواہ کتنی ہی نشانیاں اور معجزات دیکھ لیں تو بھی ایمان نہ لائیں گے حتیٰ کہ جب وہ آپ کے پاس آئیں گے تو آپ سے جھگڑا کریں گے اور کافر لوگ کہیں گے کہ یہ تو پہلے لوگوں کے قصے کہانیاں ہیں)۔ والسّلام

مکتوب ۲۹۳

فارسی و عربی

دوصد و نود و سوم
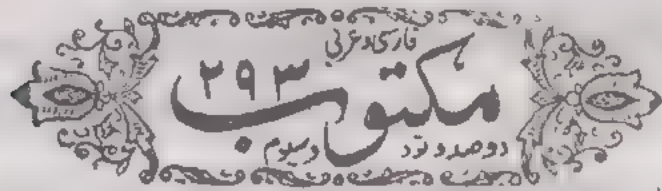
شیخ محمد چتری[1] کی طرف صادر فرمایا۔۔۔ ان کے سوالات کے جواب میں جو کہ انھوں نے دریافت کیے تھے۔

(سوال ۱) لِیْ مَعَ اللّٰهِ وَقْتٌ[2] حدیث نبوی علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام میں آیا ہے۔ اور ابوذر رضؓ غفاری نے بھی اسی طرح کہا ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟۔۔۔ (سوال ۲) اور دریافت کیا تھا قَدَمِیْ هٰذِهٖ عَلٰی رَقَبَةِ كُلِّ وَلِیِّ اللّٰهِ حضرت شیخ عبدالقادرؒ نے فرمایا ہے، اور دوسروں نے بھی ایسا ہی کہا ہے۔ اس معاملہ کی حقیقت کیا ہے؟۔ (سوال ۳) اور دریافت کیا تھا کہ جن اولیاء کی گردن پر آپ کا قدم ہے ان سے مراد آپ کے ہم عصر اولیا ہیں یا مطلقاً تمام اولیاء مراد ہیں؟۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) ۔۔۔۔۔ صحیفۂ گرامی جو آپ نے ارسال کیا تھا موصول ہونے پر مسرت (و ذوق) کا باعث ہوا، یہ کتنی بڑی نعمت ہے کہ حق جل وعلا کے دوست، دور افتادوں کو بھی یاد فرمائیں۔ ۔۔۔

[1] آپ کے نام پانچ مکتوبات ہیں۔ تذکرہ و تفصیل دفتر اول مکتوب ۲۷ پر ملاحظہ ہو۔ [2] تشریح کیلئے ملاحظہ ہو دفتر اول مکتوب ۹۹ کا آخری حصہ

(آپ کے گرامی نامہ میں) تحریر تھا کہ حضرت رسالت پناہ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات نے فرمایا ہے:
لِی مَعَ اللّٰہِ وَقْتٌ (میرے لئے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک وقت ہے)۔ اور حضرت ابوذر غفاریؓ[1] نے بھی ایسا ہی کہا ہے ــــ اور حضرت میران محی الدین (شیخ عبد القادر جیلانیؒ) نے فرمایا ہے "میرا قدم تمام اولیاء کی گردنوں پر ہے"۔ اور دوسروں نے بھی ایسا ہی کہا ہے۔" اکثر اوقات ان دونوں جملوں پر بہت شور و غوغا ہوتا ہے۔ مہربانی فرما کر ان دونوں باتوں کی حقیقتِ حال سے آگاہ فرمائیں کہ ان دونوں کے درمیان کیا فرق ہے؟ اور پوری توجہ فرما کر وضاحت سے تحریر فرمائیں تاکہ اس غریب کے فہم میں آجائے۔

میرے مخدوم! اس فقیر نے اپنے رسائل میں لکھا ہے کہ آں سرور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو باوجود استمرارِ وقت (دائمی حضوری) ایک نادر وقت بھی حاصل تھا اور وہ وقت ادائے نماز کے دوران میسر آتا تھا اَلصَّلٰوۃُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِ (نماز مومن کے لئے معراج ہے) آپ نے سنا ہوگا۔ اور اَرِحْنِیْ یَا بِلَالُ (اے بلالؓ مجھے راحت پہنچا)۔ اس مطلب کے ثبوت کے لئے شاہدِ عدل ہے۔ اور ابوذر غفاریؓ بھی وراثت اور تبعیت کی بنا پر اس دولت سے مشرف ہوئے تھے کیونکہ آں سرور علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کے کامل تابعداروں کے لئے بھی آپ کے تمام کمالات سے وراثت اور تبعیت کے طور پر بہت بڑا حصہ اور حظِ کامل حاصل ہے۔ ۔ ۔ ــــ

ــــ اور جو کچھ کہ حضرت شیخ عبد القادر قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ قَدَمِیْ ھٰذِہٖ عَلٰی رَقَبَۃِ کُلِّ وَلِیِّ اللّٰہِ (میرا قدم تمام اولیاء کی گردنوں پر ہے)۔ صاحبِ عوارف[2] جو مرید اور شیخ ابونجیب سہروردی کے پروردہ ہیں اور

---

[1] مکہ مکرمہ سے جو کاروانی راستہ شام کی طرف جاتا ہے اس "قبیلۂ غفار" آباد تھا۔ آپ جنادہ بن کعب صعیر بن الواقعہ بن سفیان ابن حرام بن غفار کے صاحبزادے ہیں آپ کا نام جندب اور کنیت ابوذر ہے۔ آخر حق سبحانہ وتعالیٰ کا فضل آپ کے شاملِ حال ہوا تو آپ مکہ معظمہ پہنچ گئے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کسی سے دریافت کیا تو غل مچ گیا کہ یہ صابی ہے لہٰذا اہلِ مکہ نے خوب زدوکوب کیا حتیٰ کہ آپ بیہوش ہو گئے۔ حسنِ اتفاق سے حضرت علیؓ سے ملاقات ہو گئی اور آپ ان کے ہمراہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام سے مشرف ہو گئے۔ اسلام لانے کے بعد مسجدِ حرام میں پہنچے اور بلند آواز سے کلمۂ شہادت کا نعرہ بلند کیا۔ یہ سنتے ہی قریش نے مارنا شروع کر دیا۔ اتفاق سے حضرت عباسؓ کا ادھر گزر ہوا تو انھوں نے قریش سے کہا کہ یہ آدمی قبیلۂ غفار کا ہے جہاں سے تمہارے شامی تاجروں کا راستہ ہے۔ تب انھوں نے چھوڑا۔ کچھ عرصہ قیام کے بعد آپ وطن واپس آگئے اور تبلیغِ اسلام میں کوشاں رہے حتیٰ کہ ۵ھ میں قبیلۂ غفار اور قبیلۂ اسلم کو ہمراہ لیکر حاضرِ خدمت ہو گئے اور بقیہ عمر آپؐ کی خدمت میں گزاری۔ آپ کو امارت سے نفرت اور فقر پر فخر تھا۔ ۸ ذی الحجہ ۳۲ھ کو آپ کا انتقال ہوا اور حضرت ابن مسعودؓ نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔ ربذہ کے مقام پر جو مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان واقع ہے مزار جاری ہے۔

[2] حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی کا نسب حضرت ابوبکر صدیقؓ سے ملتا ہے۔ آپ رجب یا شعبان ۵۳۶ھ شہر سہرورد میں پیدا ہوئے اور حصولِ علم کے لئے اپنے چچا شیخ ابونجیب کی خدمت میں بغداد پہنچے۔ شیخ نجیب ہی سے تعلیم کی تکمیل کر کے خلافت حاصل کی۔ اور یکم محرم ۶۳۲ھ بغداد میں وصال ہوا۔ شیخ نجیب کی ولادت ۴۹۰ھ اور وفات ۱۷ جمادی الآخر ۵۶۳ھ میں ہوئی۔

حضرت شیخ عبدالقادرؒ کے مصاحبوں اور رازداروں میں سے ہیں اس کلمہ کو ان کلموں میں سے بتایا ہے جو عُجب اور خود بینی پر مشتمل ہیں، اور جو مشائخ سے احوال کی ابتدا میں سکر کے باقی ماندہ اثرات کی وجہ سے صادر ہوئے ہیں۔ ——— اور "نفحات" میں شیخ حماد دباسؒ[1] نے جو حضرت شیخ (عبدالقادر جیلانی) کے شیوخ میں سے ہیں نقل کیا ہے کہ انھوں نے فراست کے طور پر یہ فرمایا تھا کہ اس عجمی (شیخ عبدالقادرؒ) کا ایسا مبارک قدم ہے کہ اس وقت کے تمام اولیاء کی گردن پر ہوگا اور وہ (اس بات کے کہنے پر) مامور ہوگا کہ قَدَمِیْ هٰذِهٖ عَلٰی رَقَبَةِ كُلِّ وَلِیِّ اللّٰهِ۔ اور جس وقت وہ یہ کہیں گے تو یقیناً تمام اولیا اپنی گردنیں جھکا دیں گے ——— بہر حال حضرت شیخ اس بات (کے اظہار) میں حق بجانب ہیں، اس کلام کو خواہ انھوں نے بقیۂ سکر کی حالت میں کہا ہو اور خواہ وہ اس کلام کے اظہار پر مامور ہوں، بہرصورت ان کا قدم اس وقت کے تمام اولیاء کی گردنوں پر ہوا ہے۔ اور اس وقت کے تمام اولیاء ان کے زیر قدم ہوئے ہیں ——— لیکن جاننا چاہئے کہ یہ حکم اس وقت کے اولیاء کے لئے ہی مخصوص تھا، ان سے پہلے کے اولیا اور بعد کے آنے والے اولیاء اس حکم سے خارج ہیں جیسا کہ شیخ حماد کے کلام سے مفہوم ہوتا ہے کہ ان کا قدم آپ کے اپنے وقت میں تمام اولیاء کی گردن پر ہوگا۔

اور نیز ایک غوث جو اس وقت بغداد میں تھے، حضرت شیخؒ اور ابن سقا جو اللہ ان کی زیارت کے لئے گئے تھے تو غوث نے اپنی فراست کی بنا پر شیخؒ کے حق میں فرمایا تھا کہ میں دیکھتا ہوں تو بغداد میں منبر پر بیٹھا ہوا کہہ رہا ہے قَدَمِیْ هٰذِهٖ عَلٰی رَقَبَةِ كُلِّ وَلِیِّ اللّٰهِ اور میں دیکھتا ہوں کہ تمام اولیاء نے تیرے اجلال واکرام کی وجہ سے اپنی گردنوں کو جھکا لیا ہے ——— اس بزرگ (غوث) کے کلام سے بھی یہی مفہوم ہوتا ہے کہ یہ حکم اس وقت کے اولیا کے ساتھ ہی مخصوص تھا اگر حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ اس وقت بھی کسی کو چشم بینا عطا فرمائے تو وہ بھی دیکھ سکتا ہے جیسا کہ اس غوث نے دیکھا تھا کہ اس وقت کے اولیا کی گردنیں ان کے قدم کے نیچے ہیں اور یہ حکم اس وقت کے اولیا سے تجاوز کر کے کسی اور وقت کے اولیا تک نہیں پہنچا، کیونکہ اولیائے متقدمین کے بارے میں یہ حکم کس طرح جائز ہو سکتا ہے کہ جن میں اصحاب کرامؓ بھی شامل ہیں جو یقیناً حضرت شیخ (عبدالقادرؒ) سے افضل ہیں اور متاخرین میں بھی

---

[1] آپ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے شیوخ میں سے ہیں، آپ اُمّی تھے لیکن آپ پر معارف و اسرار کے دروازے کھل گئے جن کی وجہ سے بڑے بڑے مشائخ کے پیشوا بن گئے۔ ماہ رمضان ۵۲۵ھ میں وفات پائی۔ منقول ہے کہ شیخ حماد نے حضرت شیخ کے متعلق فرمایا تھا کہ ایک وقت آئے گا کہ اس عجمی شخص کے قدم اولیا کی گردن پر ہوں گے۔

یہ حکم کیسے جائز ہو سکتا ہے کہ ان میں حضرت مہدیؒ شامل ہیں جن کی تشریف آوری کی بشارت آں سرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے دی ہے اور امت کو آپ کے وجود کی خوشخبری دی ہے اور ان کو خلیفۃ اللہ فرمایا ہے۔ اور اسی طرح اولوا العزم پیغمبر حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے اصحاب جو کہ سابقین میں سے ہیں اور اس شریعت کی متابعت کی وجہ سے حضرت خاتم الرسل علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کے اصحاب سے ملحق ہیں ——— متاخرین کی اسی بزرگی کے باعث ممکن ہے کہ آں سرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ فرمایا ہو: لَا یُدْرٰی اَوَّلُهُمْ خَیْرٌ اَمْ اٰخِرُهُمْ (ترمذی) (نہیں معلوم کہ (اس امت کے) اول لوگ بہتر ہیں یا آخر کے) ——— مختصر یہ کہ حضرت شیخ عبدالقادرؒ ولایت میں بہت بڑی شان اور بلند درجہ رکھتے ہیں، اور (آپؒ نے) ولایتِ خاصہ محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کو لطیفۂ سر کی راہ سے آخری نقطہ تک پہنچایا ہے اور اس دائرہ کے سرِ حلقہ ہوئے ہیں۔

اس بیان سے کوئی شخص یہ وہم نہ کرلے کہ چونکہ حضرت شیخ ولایتِ محمدیہ کے سرِ حلقہ ہیں اس لئے وہ تمام اولیاء سے افضل ہیں، کیونکہ ولایتِ محمدی علیٰ نبینا وعلیہم الصلوات والتحیات تمام ولایتوں سے بلند ہے، کیونکہ ہم کہتے ہیں کہ وہ ولایتِ محمدیہ کے سرِ حلقہ ہیں جو لطیفۂ سر کی راہ سے حاصل ہوتی ہے، جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے نہ کہ مطلق اس ولایت کے سرِ حلقہ ہیں جس سے ان کی (تمام اولیاء پر) افضلیت لازم آئے ——— یا ہم یہ کہتے ہیں کہ مطلق ولایتِ محمدیہ کے سرِ حلقہ ہونے سے ان کی افضلیت لازم نہیں آتی کیونکہ ہو سکتا ہے کہ کوئی دوسرا بھی کمالاتِ نبوتِ محمدیہ میں تبعیت اور وراثت کے طریق پر پیشقدمی حاصل کئے ہوئے ہو اور ان کمالات کی وجہ سے افضلیت اس کے لئے ثابت ہو۔

حضرت شیخ عبدالقادرؒ کے مریدوں کی ایک جماعت شیخ کے حق میں بہت زیادہ غلو کرتی ہے اور محبت کی وجہ سے افراط کی طرف چلے جاتے ہیں جیسا کہ حضرت امیر (علی) کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کے محبان ان کی محبت میں افراط کرتے ہیں۔ اس جماعت کی گفتگو اور کلام سے مفہوم ہوتا ہے کہ وہ حضرت شیخ کو پہلے اور ان کے بعد کے تمام اولیاء سے افضل جانتے ہیں۔ اور انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے علاوہ معلوم نہیں کہ کسی دوسرے کو حضرت شیخ پر فضیلت دیتے ہوں، یہ حد سے زیادہ محبت کی وجہ ہے ——— ——— اور اگر یہ کہا جائے کہ خوارق وکرامات جسقدر شیخؒ سے وجود میں آئے ہیں کسی دوسرے ولی سے ظہور میں نہیں آئے اس لئے فضیلت انہی کے لئے ہوئی ——— لہذا ہم یہ کہتے ہیں کہ خوارق کے

ظہور کی کثرت افضلیت کی دلیل نہیں ہے ہو سکتا ہے کہ کسی ولی سے کوئی خوارق ظہور میں نہ آئے لیکن وہ اس ولی سے افضل ہو جس سے خوارق و کرامات بکثرت ظاہر ہوئے ہوں۔

شیخ الشیوخ (شہاب الدین سہروردیؒ) عوارف میں مشائخ کے خوارق و کرامات کے ذکر کے بعد فرماتے ہیں کہ "یہ سب کچھ (خوارق و کرامات) اللہ تعالیٰ کی بخشش و عطا ہے جو بعض لوگوں پر (بطور مکاشفہ) ظاہر کرتا ہے اور ان کو عطا فرماتا ہے اور ان کے ساتھ عزت بڑھاتا ہے، اور بعض لوگ ایسے بھی ہیں کہ جو مرتبہ میں ان سے بڑھ کر ہیں لیکن ان کو (خوارق و کرامات سے) کچھ بھی حاصل نہیں، کیونکہ کرامات یقین کی تقویت کا باعث ہیں اور جس کو صرف یقین عطا کیا گیا ہو اس کو ذکرِ قلبی اور ذکرِ ذات کے علاوہ ان کرامات کی کچھ حاجت نہیں" [۱] ـــــ خوارق کے ظہور کی کثرت کو افضلیت کی دلیل قرار دینا ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص حضرت امیر (علیؓ) کے مناقب اور فضائل کی کثرت کی وجہ سے حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہما پر ان کے افضل ہونے کی دلیل بنائے۔ کیونکہ حضرت صدیقؓ سے اس قدر فضائل و مناقب ظہور میں نہیں آئے (جسقدر کہ حضرت علیؓ سے ظہور میں آئے ہیں)۔

اے بھائی! غور سے سنو کہ خوارقِ عادات کی دو [۲] قسمیں ہیں ـــــ قسم اول: وہ علوم و معارفِ الٰہی جل سلطانہٗ ہیں کہ جن کا تعلق ذات و صفات اور افعالِ واجبی جل و علا کے ساتھ ہے اور وہ نظرِ عقل کے دائرے سے ماورا ہیں اور متعارف و معتاد (جانا پہچانا اور عرف و عادات) کے خلاف ہیں۔ لہٰذا (حق تعالیٰ نے) اپنے خاص بندوں کو اُن کے ساتھ ممتاز فرمایا ہے ـــــ اور قسمِ دوم مخلوقات کی صورتوں کا کشف ہونا اور ان غیبی باتوں پر اطلاع پانا اور ان کی خبریں دینا ہے جو اس عالم کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں ـــــ نوع اول کا تعلق اہلِ حق اور اربابِ معرفت کے ساتھ مخصوص ہے اور نوعِ دوم میں محق اور مبطل (سچے اور جھوٹے دونوں طرح کے لوگ) شامل ہیں کیونکہ دوسری قسم اہلِ استدراج کو بھی حاصل ہے ـــــ قسمِ اول خدائے جل و علا کے نزدیک بزرگی اور اعتبار رکھتی ہے اسی وجہ سے اس نے اس کو (قسم اول کو) اپنے اولیاء کے ساتھ مخصوص کر دیا ہے اور اپنے دشمنوں کو اس میں شریک نہیں کیا ـــــ اور دوسری قسم عام خلائق کے نزدیک معتبر ہے اور ان کی نظروں میں معزز و محترم ہے۔ یہی باتیں (یعنی خرقِ عادات) اگرچہ استدراج والوں سے ظاہر ہوتی ہیں لیکن ممکن ہے کہ عام لوگ اپنی نادانی کی وجہ سے ان کی پرستش شروع کر دیں اور جو رطب و یابس (وہ تصنع سے کریں)

[۱] عوارف المعارف باب ۳۲ جلد ثانی

اس کی وجہ سے اس کے مطیع و فرمانبردار بن جائیں۔ بلکہ یہ محجوبان (عام لوگ) قسم اول کو خوارق سے نہیں جانتے اور کرامات میں سے شمار نہیں کرتے، کیونکہ ان کے نزدیک خوارق　　قسم دوم میں منحصر ہے۔ اور کرامات ان ناواقف لوگوں کے خیال میں مخلوقات کی صورتوں کا کشف اور غیب کی خبروں سے متعلق ہے — ان بے وقوفوں پر افسوس ہے جو اتنا بھی نہیں جانتے کہ وہ علم جو حاضر یا غائب مخلوقات کے احوال سے تعلق رکھتا ہے اس میں کونسی شرافت و کرامت پائی جاتی ہے، بلکہ یہ علم تو اس قابل ہے کہ وہ جہالت سے بدل جائے تاکہ مخلوقات سے اور ان کے احوال سے نسیان حاصل ہو جائے۔ وہ تو حق تعالیٰ و تقدس کی معرفت ہی ہے جو شرافت و کرامت کے لائق ہے اور اعزاز و احترام بھی اسی کے شایانِ شان ہے ؎

پری نہفتہ رخ و دیو در کرشمہ و ناز　　بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی ست

(پری چھپی ہے، دکھاتا ہے دیو ناز و ادا　　عجب معاملہ ہے عقل جس سے حیران ہے)

ہم نے جو کچھ ذکر کیا ہے وہ تقریباً وہی ہے جو شیخ الاسلام ہرویؒ اور امام انصاریؒ[1] نے اپنی کتاب "منازل السائرین" میں اور اس کے شارح[2] نے فرمایا ہے کہ میرے نزدیک جو بات تجربہ سے ثابت ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ اہلِ معرفت کی فراست یہ ہے کہ وہ لوگ تمیز کر لیتے ہیں کہ کون شخص حضرتِ حق جل و علا کی بارگاہ کے شایان ہے اور کونسا نہیں۔ اور ان اہلِ استعداد کو بھی پہچان لیتے ہیں جو حق سبحانہٗ کے ساتھ مشغول ہیں اور حضرت حق سبحانہٗ کے حضور میں مقامِ جمع تک پہنچے ہوئے ہیں اور یہی اہلِ معرفت کی فراست ہے۔ لیکن اہلِ ریاضت جن کو بھوک، گوشہ نشینی اور تصفیۂ باطن کے ذریعہ وصول الی الحق کے بغیر فراست حاصل ہوتی ہے ان کی فراست یہ ہے کہ مخلوقات کی تصویروں کے کشف کرتے اور غیب کی خبریں دیتے ہیں جو مخلوقات سے مختص ہیں لہذا یہ لوگ صرف مخلوقات ہی کی خبریں دے سکتے ہیں (اس کا حق تعالیٰ (کی خوشنودی) سے کوئی واسطہ نہیں) کیونکہ وہ حق تعالیٰ سے محجوب (حجاب میں) ہوتے ہیں — اور چونکہ اہلِ معرفت حق تعالیٰ کی طرف مشغول رہتے ہیں اور جو علوم و معرفت ان پر وارد ہوتے ہیں (ان کی روشنی میں وہ جو خبریں دیتے ہیں وہ حق تعالیٰ ہی کی طرف سے دیتے ہیں — اور چونکہ اکثر دنیا داروں کے دل، حق سبحانہٗ و تعالیٰ سے منقطع ہوتے ہیں اور وہ دنیا میں ہمہ تن مشغول ہیں اس لئے ان کے دل اربابِ کشف اور غیب کی خبریں دینے والوں کی طرف مائل ہو جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ لوگ ان کو بزرگ جانتے ہیں اور یہ اعتقاد کر لیتے ہیں کہ یہ لوگ اہل اللہ اور اس کے خاص بندے ہیں۔ اور اہلِ حقیقت

---

[1] الحنبلی الصوفی المتوفی سنہ ۴۸۱ھ　　[2] یعنی الشیخ کمال الدین عبد الرزاق الکاشی المتوفی سنہ ۷۳۰ھ (کشف الظنون)

کشف سے منہ موڑ لیتے ہیں اور وہ (اولیا) جو کچھ حق تعالیٰ سبحانہ کے بارے میں ان کو بتاتے ہیں اس کے سلسلہ ان پر اتہام لگاتے ہیں۔ اور اہلِ دنیا کہتے ہیں کہ اگر یہ لوگ اہلِ حق ہوتے جیسا کہ لوگ گمان کرتے ہیں تو یہ ضرور ہمارے احوال اور مخلوقات کے احوال سے ہم کو خبر دیتے، اور یقیناً جب یہ مخلوقات کے احوال کے کشف پر قدرت نہیں رکھتے تو امورِ اعلیٰ کے کشف پر کس طرح قادر ہو سکتے ہیں۔ ——— اہلِ دنیا اس خام خیالی کی وجہ سے ان کو جھوٹا سمجھتے ہیں اور صحیح خبروں سے ناواقف رہتے ہیں اور یہ نہیں جانتے کہ حق تعالیٰ نے ان کو خلق کے ملاحظہ سے محفوظ کر کے اپنے لئے مخصوص کر لیا ہے اور اپنے ماسوا سے ان کی حمایت پر رشک کرنے کی وجہ سے ان کو دُور کر دیا ہے۔ ——— اگر وہ لوگ مخلوق کی طرف رغبت کرنے والے ہوتے تو وہ حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی شان کے لائق نہ ہوتے۔ اور یقیناً ہم نے اکثر اہلِ حق کو دیکھا ہے کہ جب وہ صورتوں کے کشف کی طرف تھوڑی سی بھی توجہ کرتے ہیں تو وہ کچھ پا لیتے ہیں جو دوسرے ان کی فراست کے ادراک پر کچھ بھی قدرت نہیں رکھتے جیسی کہ اہلِ معرفت رکھتے ہیں۔ اور یہ وہ فراست ہے جو حق سبحانہٗ اور ان چیزوں سے جو اس کے قریب ہیں تعلق رکھتی ہے لیکن اربابِ صفا جو اس خصوصیت سے خارج ہیں اور مخلوق سے متعلق ہیں ان کی فراست نہ تو حضرت حق سبحانہٗ سے تعلق رکھتی ہے اور نہ حق سبحانہٗ سے قرب رکھنے والی چیزوں سے۔ اور اس فراست میں مسلمان، نصاریٰ، یہود اور دوسرے گروہ بھی شامل ہیں کیونکہ اس فراست میں حق سبحانہٗ کے نزدیک کوئی بزرگی نہیں ہے جس سے وہ اپنے خاص بندوں کو مخصوص فرماتا۔

مکتوب ۲۹۴

دو صد و نود و چہارم
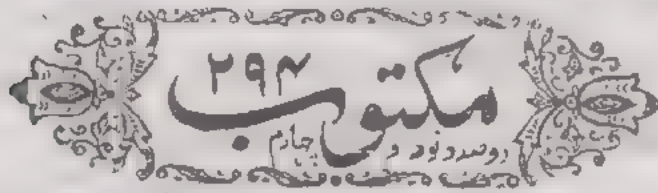
جامع علومِ ظاہرہ و معارف و اسرارِ باطنہ مخدوم زادہ مجد الدین خواجہ محمد معصوم[1] سلمہ اللہ تعالیٰ کی طرف صادر فرمایا۔

——— ان معارف کے بیان میں جو واجب الوجود تعالیٰ و تقدس کی صفاتِ ثمانیہ (آٹھ صفات) کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں، اور انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے مبادی تعینات اور تمام مخلوقات کے مبادی تعینات

---

[1] مکتوبات شریفہ میں آپ کے نام ستائیس[۲۷] مکتوبات ہیں جن میں سے سولہ[۱۶] صرف آپ کے نام ہیں یعنی دفتر اول مکتوب ۲۹۴-۳۰۰-۳۰۲- دفتر دوم ۶-۱۱-۴۲-۷۳ سو دفتر سوم ۵۳-۶۲-۷۴-۷۹-۹۰-۸۰-۹۴-۱۰۹-۱۱۰-۱۱۱- اور نو[۹] مکتوبات آپ کے اور خواجہ محمد سعید کے نام ہیں: دفتر دوم ۵۵-۹۸- دفتر سوم ۲-۳۳-۴۳-۶۳-۷۸-۸۲-۸۵-۱۰۳- نیز بزرگ صاحبزادوں کے نام" ۸۳-۱۰۱- (باقی برصفحہ آئندہ)

کی تحقیق میں، اور اس بیان میں کہ جزئیات اپنے کلی کے ساتھ ملے ہوئے ہوتے ہیں اور ایک کلی کے جزئیات اس سے منتقل ہو کر دوسری کلّی کے ساتھ ملنے کے عدم جواز میں۔ اور انبیاء و اولیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی تجلی اور شہود کے فرق کے بیان میں، نیز انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے توسط کے باوجود ان کے کامل تابعداروں کیلئے وصلِ عریاں کے حصول کے بیان میں، اور مشائخ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کی عبارات میں جو محو واضمحلال کے الفاظ ہیں اس کی تحقیق کے بارے میں اور اس کے مناسب بیان میں۔

صفات ثمانیہ کا بیان

واجب الوجود تعالیٰ وتقدس کی صفاتِ ثمانیہ حقیقیہ (یعنی آٹھ حقیقی صفات) ہیں جن میں اول شان "صفت الحیات" ہے اور آخری شان "صفتِ تکوین" ہے۔ صفاتِ ثمانیہ کی تین قسمیں ہیں: ایک قسم وہ ہے جس کا تعلق عالم کے ساتھ غالب ہے اور اس کی اضافت ونسبت مخلوق کے ساتھ زیادہ تر ہے جیسے تکوین۔ یہی وجہ ہے کہ اہلِ سنت وجماعت کے ایک گروہ نے اس کے وجود کا انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ تکوین صفات اضافیہ میں سے ہے۔ اور حق یہی ہے کہ وہ حقیقی صفات میں سے ہے جس میں اضافت غالب ہے ——— اور دوسری قسم وہ ہے جو (عالم کے ساتھ بھی) اضافت رکھتی ہے لیکن پہلی سے کمتر ہے جیسے کہ علم، قدرت، ارادہ، سمع، بصر اور کلام ——— اور تیسری قسم ان دونوں قسموں سے اعلیٰ ہے جس کو عالم کے ساتھ کسی طرح کا بھی تعلق نہیں ہے اور وہ اضافت کی بُو تک نہیں رکھتی۔ جیسے حیات۔ یہ صفت تمام صفات کی اُمّ (جڑ) ہے اور سب کی اصل ہے اور سب سے اسبق ہے۔ اور اس صفت کے قریب ترین صفتِ علم ہے جو حضرت خاتم الرسل علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات انہا واکملہا کا مبدأ تعین ہے ——— اور دوسری صفات دوسری مخلوقات کے تعینات کی مبادی ہیں۔ اور چونکہ ہر صفت متعدد تعلقات کے اعتبار سے بہت سی جزئیات رکھتی ہے جیسے تکوین کہ اس سے متعدد تعلقات کے اعتبار سے تخلیق (پیدا کرنا)، ترزیق (رزق دینا)، احیاء (زندہ کرنا) اور اماتت

(بقیہ از صفحہ گزشتہ) آپ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے فرزند سوم ہیں، بروز پیر ۱۱ شوال ۱۰۰۷ھ م ۷ مئی ۱۵۹۹ء بستی ملک حیدر میں ولادت ہوئی (جو سرہند شریف سے متصل ہے) تین ماہ میں قرآن شریف حفظ کیا اور کتب درسیہ اپنے بھائی خواجہ محمد صادقؒ، شیخ محمد طاہر لاہوریؒ اور حضرت مجدد الف ثانیؒ سے پڑھیں اور سولہ سال کی عمر میں تحصیل علوم سے فارغ ہوگئے اور تکمیلِ سلوک کے بعد حضرت مجددؒ نے آپ کو مقاماتِ عالیہ قیومیہ کی بشارت دی اور آپ ہی حضرت مجددؒ کے خلیفہ وجانشین ہوئے اور آپ ہی حضرت مجددؒ کے مکتوبات کے شارح ہیں اور سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کی ترویج واشاعت میں آپ کا بڑا حصہ ہے بروز ہفتہ دوپہر کے وقت ۹ ربیع الاول ۱۰۷۹ھ وصال فرمایا۔ آپ کی سیرت پر مفصل اور جامع کتاب "انوارِ معصومیہ" ادارہ مجددیہ سے شائع ہو چکی ہے۔

(مارنا) کی جزئیات پیدا ہوئی ہیں، یہ جزئیات بھی اپنی کلیات کی طرح مخلوقات کے تعینات کی مبادی ہیں، اور جس کا مبدأ تعین کُلّی ہے وہ دوسرے تعینات (کے اشخاص) جن کے مبادی اس کُلّی کے جزئیات ہیں وہ اس شخص کے تابع ہوں گے اور اسی کے زیرِ قدم زندگی بسر کریں گے۔ اسی وجہ سے کہتے ہیں کہ فلاں (شخص) حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے زیرِ قدم ہے اور فلاں حضرت عیسیٰ کے زیرِ قدم اور فلاں حضرت موسیٰ علیہم الصلوات والتحیات والتسلیمات اتمہا واکملہا کے زیرِ قدم ہے۔ ——— اور چونکہ یہ جزئیات سلوک کے طریقے پر ترقی حاصل کرتی ہیں اس لئے اپنی کلیات کے ساتھ ملحق ہو جاتی ہیں اور ان جزئیات کا شہود کلیات کا شہود ہی ہو جاتا ہے، البتہ ان میں صرف اصالت اور تبعیت کا فرق رہ جاتا ہے۔ اور امتیاز صرف توسط اور عدم توسط کی بنا پر ہوگا کیونکہ تابع جو کچھ پاتا ہے اور جو کچھ دیکھتا ہے وہ اصل کے توسط کے بغیر ناممکن ہے، ہاں کبھی ایسا ہوتا ہے کہ تابع اپنی کوتاہی کی وجہ سے اصل کو متوسط نہیں جانتا ——— لیکن حقیقت میں اصل، تابع اور اس کے مشہود کے درمیان حائل ہوتا ہے اور ایسا حائل نہیں ہوتا جو شہود کا مانع ہو بلکہ وہ صاف عینک کے مانند شہود کا باعث ہوتا ہے، اور جائز نہیں ہے کہ ایک کلی کی جزئیات ترقی کر کے اپنی کلی سے باہر نکل کر دوسری کلی کے تحت آجائے اور اُن کا مشہود بن کر دوسری کلی کا مشہود بن جائے۔ ——— مثلاً ایک جماعت جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زیرِ قدم ہے منتقل ہو کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زیرِ قدم آجائے (ایسا نہیں ہو سکتا) لیکن یہ ہو سکتا ہے کہ حضرت محمد علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے زیرِ قدم آجائے بلکہ ہمیشہ آپؐ کے زیرِ قدم ہی ہیں۔ کیونکہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ربّ، ربُّ الارباب ہے اور ان تمام کلیات کی اصل ہے ——— لہٰذا اس (ربِّ محمدؐ) کی نسبت ان تمام (منتقلہ) جزئیات کے لئے اصل الاصل کی ہوگی، اور یہ ترقی گویا اصل الاصل کی طرف ہوگی نہ کہ اصل کے ساتھ، جو کہ ان کی اصل کے مخالف ہے۔ اور ان کی جزئیات وکلیات کے درمیان فرق اس قدر رہ جائے گا کہ جزئی کے لئے دو حائل درمیان میں ہیں ایک (اپنی) اصل جو اس کی کُلّی ہے اور دوسری اصل الاصل حائل ہے اور اس کی کُلّی کے لئے حجاب اصل الاصل ہے اور بس ——— یہاں سے معلوم ہوا کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کا شہود بے پردۂ تعینات ہے اور دوسروں کا شہود تعینات کے پردے میں ہے یا از کم از کم تعینِ محمدیؐ کا پردہ (حائل ہے)۔ اسی وجہ سے کہتے ہیں کہ تجلیٔ ذات

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ وسلم کا خاصہ ہے اور دوسروں کے لئے تجلی پردۂ صفات میں ہے، یا کم از کم رب الارباب کے پردہ میں ہے جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا رب ہے اور جو صفت الحیات کے علاوہ تمام اسماء و صفات سے فوق (وراء الوراء) ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ اس بیان سے لازم آتا ہے کہ تمام انبیاء علی نبینا علیہم الصلوات والتسلیمات کا شہود مبدأ تعینِ محمدیؐ کے پردہ میں ہے جو کہ ان کا رب ہے اور آپ علیہ الصلوۃ والسلام کی امت کے وہ اولیاء جو بالاصالت آپ کے زیرِ قدم ہیں ان کا شہود بھی تمام انبیاء کے شہود کے مانند رب الارباب کے پردہ میں ہوگا لہٰذا تمام انبیاء علی نبینا وعلیہم الصلوات والتحیات کے درمیان اور آپ علیہ الصلوۃ والسلام کی امت کے اولیاء کے درمیان کیا فرق ہوا؟ ——— جواب میں ہم کہتے ہیں کہ انبیاء کے لئے اس شہود کے علاوہ جو حقیقتِ محمدیؐ کے پردہ میں ہے ایک دوسرا شہود بھی حاصل ہے جو ان کے تعیناتِ مبادی کی راہ سے پیدا ہوتا ہے اور اصالتاً اپنی مخصوص عینکوں کو بصیرت کی آنکھوں پر رکھ کر غیب الغیب کا مشاہدہ کرتے ہیں ——— جاننا چاہیئے کہ یہ دو شہود اس معنی میں نہیں ہیں کہ ہر دو بیک وقت متحقق ہوتے ہیں بلکہ اس معنی میں ہیں کہ (سالک) اگر ترقی کرکے اصل الاصل تک پہنچ جائے تو اس کا شہود حقیقتِ محمدی کے پردہ میں ہے جس طرح حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کہ وہ نزول کے بعد اس دولت سے مشرف ہوں گے۔ اور یہ ترقی بہت دشوار ہے اور تقریباً ناممکن الحصول ہے۔ اس کے حصول کے لئے خداوند جل سلطانہٗ کا فضلِ عظیم درکار ہے اور عالمِ اسباب میں محمدی المشرب شیخ کی مہربانی کی ضرورت ہے۔ اور اگر کسی نے اپنی اصل سے ترقی نہ کی اور اپنی حقیقت سے حقیقت الحقائق تک نہ پہنچا تو اس کا شہود اس کی اپنی حقیقتِ مخصوصہ کے پردے میں ہے۔

(اے فرزند!) جان اور آگاہ ہو! جس طرح حقیقت الحقائق سے حضرت ذات تعالیٰ وتقدس کی طرف ایک راستہ ہے جو بہت سے منازل طے کرنے کے بعد اس تک وصول میسر ہوتا ہے اسی طرح تمام حقائق کلیات سے بھی حضرت حق تعالیٰ وتقدس تک ایک راہ ہے جس میں بہت سے مراحل طے کرنے کے بعد وصول حاصل ہوتا ہے ——— خلاصۂ کلام یہ ہے کہ حقیقت الحقائق کی راہ میں وصلِ عریاں ہے، اگرچہ دوسرے طریقوں سے بھی وصلِ ذات حاصل ہو جاتا ہے لیکن اصولِ عالم کے منتہا کا ایک باریک پیراہن یعنی حقیقتِ محمدیؐ درمیان میں حائل ہے اگرچہ وہ حجاب استوار نہیں ہے،

اور مانع وضبوط بھی نہیں ہے بلکہ صرف اسی قدر مانع حجاب ہے کہ تجلی ذات کے اطلاق کا مانع ہے ورنہ عام انبیا کے لئے بھی بالاصالت ذات تعالیٰ سے حصہ نصیب ہے اور ان کی امت کے کاملین کو ان بزرگوں (انبیاء علیہم وعلی اممہم الصلوات والتحیات کی پیروی کے باعث حصہ حاصل ہوتا ہے۔

سوال: جبکہ صفت الحیات صفت العلم سے بالاتر ہے لہذا حقیقت الحقائق کی راہ میں بھی صفت الحیات کا تعین حائل ہوگیا پھر وصل عریاں کس طرح حاصل ہوگا اور اس کو تجلی ذات کیوں کہتے ہیں؟

جواب: وہ تعین لاتعین کے مانند ہے کیونکہ فوق کے مراتب میں وہ تعین (تعین صفت الحیات) نابود و لاشے ہو جاتا ہے اور حضرت ذات تعالیٰ کے مرتبہ میں اس کا کوئی اعتبار نہیں رہتا اگرچہ دوسری صفات کے لئے بھی حضرت ذات تعالیٰ کے مرتبہ میں کچھ اعتبار نہیں ہے لیکن وہ مرتبۂ ذات تک اس طرح نہیں پہنچیں کہ (راستے میں) معدوم ہو جائیں بخلاف صفت الحیات کے کہ جو وہاں تک پہنچ کر لاشے ہو جاتی ہے لہذا حقیقت محمدیؐ کا تعین اور دوسری تمام خلائق کے تعینات دائمی ہوئے اور مراتب کے کسی مرتبہ میں بھی زوال محال ہے۔ ہاں کسی چیز تک پہنچنا اور بات ہے اور اس شے میں فانی ہونا امر دیگر ہے ———— اور بعض مشائخ قدس اللہ تعالیٰ ارواحہم کی عبارت میں جو لفظ "محو و اضمحلال" استعمال ہوتا ہے اس سے مراد محو نظری ہے نہ کہ محو عینی (یعنی حقیقی اور ذاتی نہیں) یعنی سالک کا تعین (اپنا وجود شخصی) اس کی نظر سے مرتفع (زائل) ہو جاتا ہے نہ یہ کہ نفس الامر (فی الواقع) محو ہو جاتا ہے کیونکہ یہ الحاد و زندقہ ہے۔ اس راستہ کے ناقصوں کی ایک جماعت ان وہم میں ڈالنے والے الفاظ سے محو و اضمحلال عینی خیال کر کے زندقہ تک پہنچ گئے ہیں اور آخرت کے عذاب و ثواب کا انکار کر دیا ہے اور انھوں نے خیال کیا ہے کہ جس طرح (آغاز میں) وحدت سے کثرت میں آئے ہیں اسی طرح دوسری مرتبہ (انجام کار) کثرت سے وحدت میں چلے جائیں گے اور یہ کثرت اس وحدت میں مضمحل (نابود) ہو جائے گی ———— اور ان زندیقوں میں سے ایک جماعت نے اس محو ہونے کو قیامت کبریٰ خیال کیا ہے۔ اور حشر و نشر، حساب اور صراط و میزان سے انکار کیا ہے۔ ضَلُّوْا فَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ (یہ لوگ خود بھی گمراہ ہوئے اور بہت سے لوگوں کو بھی گمراہ کیا)

(اس فقیر نے) اس جماعت کے ایک شخص کو دیکھا کہ اپنے مطلب کی وضاحت میں مولانا عبد الرحمن جامی قدس اللہ سرہٗ کے اس شعر کو بطور شہادت پیش کرتا تھا ؎

جامی معاد و مبدأ ما وحدت است و بس | ما در میانہ کثرت موہوم والسلام
(وحدت نہیں ہے جامی مگر مبدأ و معاد | کثرت میں ہم ہیں اور نہیں کچھ ہے والسلام)

یہ (ناقص) لوگ نہیں جانتے کہ مولانا کی اس بیت سے مراد وحدت کی طرف عود و رجوع کرنا نظر و شہود کے اعتبار سے ہے کیونکہ ایک ذات کے علاوہ ان کا کچھ مشہود نہیں ہے اور تمام کی تمام کثرتیں ان کی نظر سے پوشیدہ ہو گئیں لہٰذا اس (بیت) سے رجوعِ عینی و وجودی مراد نہیں ہے ——— یہ لوگ شاید اندھے ہیں، اور دیکھتے نہیں کہ جب کسی کامل سے عجز و نقص اور احتیاج زائل نہیں ہوئے تو پھر وحدت کی طرف رجوعِ وجودی کے کیا معنی ہوئے؟ اور اگر وحدت کی طرف رجوع کرنا موت کے بعد خیال کیا ہے تو کافر زندیق ہیں کہ عذابِ آخرت سے انکار کرتے ہیں اور انبیا علیہم الصلوات والتسلیمات اتمہا و اکملہا کی دعوت کو باطل سمجھتے ہیں۔

سوال (از مکتوب الیہ) آپ نے اپنے بعض رسالوں میں لکھا ہے کہ "لطیفہ" فنائے اخفیٰ ولایتِ محمدیؐ کے ساتھ مخصوص ہے" اس کلام کے کیا معنی ہیں ——— جواب: گزشتہ تحقیق سے معلوم ہو گیا کہ "وصلِ عریاں" صرف "ولایتِ محمدی" کے ساتھ مخصوص ہے اور دوسروں کے لیے بھی اگرچہ حجابات اُٹھ جاتے ہیں لیکن پھر بھی ایک جیلولہ (پردہ) پیراہنِ شعر (بال سے باریک کپڑے) کی مانند جو حقیقتِ محمدیؐ کے توسط کی راہ سے ہوتا ہے درمیان میں حائل رہنے سے چارہ نہیں ہے جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ——— لہٰذا (لطیفۂ) اخفیٰ سے جو کہ انسانی مراتب کی انتہا ہے بلندی میں اس جیلولہ کے اثرات کے مطابق باقی رہتی ہے، پس اس باقی ماندہ کے لحاظ سے فنائے مطلق کا اطلاق جائز نہیں ہوگا۔ اور اس بقیہ کی بقا کو محمدیؐ (مشرب) کے علاوہ کوئی اور معلوم نہیں کر سکتا۔ اگر ہزاروں محمدی المشرب میں سے کسی ایک کو بھی یہ تیز نظر حاصل ہو جائے تو بسا غنیمت ہے ——— مختلف طبقات کے مشائخ میں سے اکثر حضرات نے صرف روح اور سِر کے متعلق گفتگو کی ہے لیکن ایسے بہت ہی کم ہیں جنھوں نے خفی کے راز کو بیان کیا ہو تو پھر وہ اخفیٰ کی کیفیت کس طرح بیان کر سکتے ہیں۔ اور جس شخص نے دریائے اخفیٰ میں غوطہ لگایا ہو اور اس کے ذرات میں سے ہر ذرے تک پہنچ کر اس کی حقیقت پر اطلاع پا چکا ہو وہ کبریتِ احمر کی مانند ہے ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ (جمعہ آیت ۴) (یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ بہت بڑے فضل والا ہے)۔

سوال: آپ اس پر اعتقاد رکھتے ہیں کہ جو کچھ نبی علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کو کمالات حاصل ہوئے ہیں تو آپؐ کے کامل تابعداروں کو بھی (آپؐ کی) پیروی کی بدولت ان کمالات سے حصہ حاصل ہے۔ لہٰذا

لازم ہوگا کہ وصلِ عریاں میں بھی ان کو حصہ حاصل ہو حالانکہ وہی (جیلولہ) نبی درمیان میں حائل ہے؟

جواب :۔ وصلِ عریاں میں "جیلولۂ نبی" کوئی ضرر نہیں رکھتا کیونکہ "وصل تابعداری کی بنیاد پر ہے نہ کہ اصالت کے طور پر، لہذا جیلولۂ نبی تبعیت (اتباع کے مفہوم) کی مزید تاکید کرنا ہے نہ کہ اس کے منافی، کیونکہ تبعیت کے معنی متوسط کا حاصل ہونا ہے نہ کہ اس توسط کا رفع ہونا کہ وہ اصالت کے مقام کے مناسب ہے، لہذا وہ جیلولہ یعنی توسط بھی ہوگا اور وصلِ عریاں بھی جو کہ تبعیت کے طور پر میسر ہوتا ہے۔ بس خوب سمجھ لیں۔

سوال :۔ کیا سبب ہے کہ ہمارے نبی علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کے کامل تابعداروں کے حق میں تو وصلِ عریاں اور تجلیٔ ذات کا اطلاق کرتے ہیں اور دوسرے انبیا صلوات اللہ تعالیٰ و تسلیماتہ علیٰ نبینا وعلیہم کے لئے اس اطلاق کو تجویز نہیں کرتے حالانکہ ہمارے نبی علیہ الصلوۃ والسلام کا جیلولہ (توسط) دونوں کے حق میں ثابت ہے ———— جواب :۔ اس اطلاق کی تجویز مکمل طور پر پیروی کرنے والوں کے حق میں تبعیت (تابعداری) کے اعتبار سے ہے کہ اس کا اطلاق نبی کے توسط کے منافی نہیں ہے، جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے۔ اور دوسرے انبیا علیٰ نبینا وعلیہم الصلوات والتحیات کے حق میں اگر اس اطلاق کو تجویز کیا جائے تو وہ اصالت کے اعتبار سے ہوگا کیونکہ یہ بزرگوار اصالت کے طور پر قطع منازل کر کے حضرت ذات تعالیٰ وتقدس تک پہنچے ہیں۔ اور اس میں کچھ شک نہیں کہ اصالت کی صورت میں توسط کا حصول اس اطلاق کے منافی ہوگا، لہذا فرق واضح ہوگیا۔

جاننا چاہئے کہ گذشتہ انبیائے کرام علیٰ نبینا وعلیہم وعلیٰ اٰلھم الصلوۃ والسلام والتحیہ اور اس امت کے کامل تابعداروں کے درمیان اصالت اور تبعیت کا فرق انبیا علیٰ نبینا وعلیہم الصلوات والتحیات کی افضلیت کے سبب سے ہے، کیونکہ اصل ایک مقصد ہوتا ہے اور تابع اس کے طفیلی ہوتے ہیں۔ اگرچہ پیروی کرنے والوں پر وصلِ عریاں اور تجلیٔ ذات کا اطلاق صحیح ہے اور متبوعان میں یہ اطلاق درست نہیں ہے کیونکہ طفیلی کی کیا حقیقت ہے کہ وہ مقصود کے ساتھ برابری کرے۔ اور (طفیلی کو) یہ برابری کیسے میسر آسکتی ہے کیونکہ وہ (قرب کی) دولت اتم و اکمل طریقہ پر اصل کے لئے ہے اور تابع میں اسم و رسم کے طور پر۔ لیکن اس قدر مناسبت بھی تشبیہ کی تصحیح کرتی ہے اور تابع کو متبوع کی مانند بنا دیتی ہے۔ لہذا خاتم الرسل علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات نے اپنی امت کے علماء کو بنی اسرائیل کے انبیاء کی مانند فرمایا ہے ————

لہذا اس بیان سے یہ بات لازم آتی ہے کہ اس امت کے اولیاء کے لئے تجلیٔ ذات کا حاصل ہونا ان انبیاء پر

جن کو تجلی ذات حاصل نہیں فضیلت کا باعث نہیں ہے۔ اس بات پر غور کرنا چاہیے، کیونکہ یہ مقام لغزش ہے اور انصاف سے کام لینا چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب حضرت محمد علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے طفیل ان علوم کے ساتھ اس ضعیف بندے کو ممتاز فرمایا ہے۔

سوال: یہ بات طے شدہ ہے کہ آفرینش (کائنات کی پیدائش) سے مقصود خاتم الرسل علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات ہیں اور دوسرے سب نفسِ وجود اور حصولِ کمالات میں آپ کے طفیلی ہیں اور آپؐ کی پیروی کی وجہ سے بلند درجات پر پہنچے ہیں، لہذا قیامت کے دن حضرت آدمؑ اور دوسرے تمام (پیغمبران) آپ علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کے جھنڈے کے نیچے ہوں گے[1]۔ اور آپ (یعنی حضرت مجدد) کہتے ہیں کہ تمام انبیاء علیٰ نبینا وعلیہم الصلوات والتسلیمات کو وصول کی دولت بطریقِ اصالت ہے نہ کہ بطریقِ تبعیت اس کی کیا وجہ ہے؟ ———— جواب: جس طرح حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کے لئے اپنی حقیقت کی جہت سے حضرت حق تعالیٰ وتقدس کی طرف ایک راہ ہے اسی طرح دوسرے انبیاء علیٰ نبینا وعلیہم الصلوات والتسلیمات کے لئے بھی اپنی حقیقتوں کی جہت سے حضرت حق تعالیٰ شانہٗ تک راستے ہیں (اس لئے) اس وصول میں تابع ہونے کا معنی ملحوظ نہیں ہے بخلاف امتیوں کے جو انبیاء کی پیروی کی وجہ سے ان کے حقائق کی راہ سے اپنی اپنی استعداد کے مطابق اپنے مطلب تک پہنچتے ہیں ان کے حق میں اصالت مفقود ہے ———— خلاصۂ کلام یہ کہ چونکہ دوسروں کا وصل اگرچہ بالاصالت ہو وصلِ عریانی نہیں ہے اس لئے حضرت خاتم الرسل علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کی حقیقتِ مطلوب کا پیراہن شعر (باریک پردہ کی مانند) حائل ہے، لہذا لازمی طور پر جو فیض بھی پہنچتا ہے وہ آپؐ کی حقیقت کے ساتھ اتصال پاتا ہے۔ اس کے بعد آپؐ کے توسط سے دوسروں تک پہنچتا ہے۔ اور تبعیت کے معنی یہی حصولِ توسط ہے، لہذا وہ اصالت اس تبعیت کے خلاف نہیں ہے۔ اور اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ وہ تبعیت (پیروی) جو امتوں کے حق میں کہی گئی ہے وہ اس تبعیت سے وراء ہے جو اصالت کے منافی ہے جیسا کہ پہلے کئی بار بیان کیا جا چکا ہے۔ پس دونوں کے درمیان فرق ظاہر ہو گیا۔

---

[1] جیسا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ وَلَا فَخْرَ وَبِیَدِیْ لِوَاءُ الْحَمْدِ وَلَا فَخْرَ وَمَا مِنْ نَبِیٍّ یَوْمَئِذٍ اٰدَمُ فَمَنْ سِوَاہُ اِلَّا تَحْتَ لِوَائِیْ۔ (رواہ الترمذی)

(سوال) اگر یہ کہا جائے کہ عروج کے مراتب میں صفت الحیات سے بھی کاملین کو حصہ ملتا ہے یا نہیں؟ تو میں کہتا ہوں کہ ہاں ملتا ہے ۔ ـــــــ اور اگر یہ کہا جائے کہ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ جب یہ صفت (صفت الحیات) اپنی انتہا کو پہنچ کر حضرت ذات تعالیٰ و تقدس کے حضور میں نابود و لاشے ہو جاتی ہے تو مقام محو و لاشے سے کاملین کو کیا نصیب ہوگا؟ اور حالانکہ آپ نے اوپر بیان کیا ہے کہ تعیناتِ حقائق کے لئے اضمحلال عینی نہیں ہے اور اگر ہے تو وہ نظری ہے کیونکہ اضمحلالِ عینی الحاد و زندقہ تک پہنچا دیتا ہے ـــــــ جواب :۔ اضمحلالِ عینی کی کیا ضرورت ہے، اضمحلال نظری ہی کافی ہے اگرچہ اس اضمحلال میں بہت سے مراتب متفاوت ہیں، پس سمجھ لیں ۔ وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ اَعْلَمُ بِحَقِیْقَۃِ الْحَالِ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَۃَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ اَتَمُّھَا وَاَکْمَلُھَا (حقیقت حال اللہ سبحانہٗ ہی جانتا ہے۔ اور سلام ہو اس پر جس نے ہدایت کی پیروی کی اور حضرت محمد مصطفیٰ علیہ وعلی آلہ الصلوات والتسلیمات اتمہا واکملہا کی متابعت کو اپنے اوپر لازم کیا)

حاجی یوسف کشمیری[1] کی طرف صادر فرمایا ـــــــ نظر بر قدم[1]، ہوش در دم[2]، سفر در وطن[3] اور خلوت در انجمن[4] کے بیان میں جو کہ مشائخ طریقہ عالیہ نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے مقررہ اصول ہیں۔

جاننا چاہئے کہ مشائخِ طریقہ نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے مقررہ اصولوں میں سے ایک اصول "نظر بر قدم" ہے۔ نظر بر قدم سے یہ مراد نہیں کہ نظر قدم سے تجاوز نہ کرے اور قدم سے آگے نہ بڑھائے کیونکہ یہ چیز خلافِ واقع ہے، بلکہ (مراد یہ ہے کہ) نظر ہمیشہ قدم سے آگے رہے اور قدم کو اپنے پیچھے رکھے کیونکہ بلند زینوں پر جانے کے لئے پہلے نظر چڑھتی ہے اس کے بعد قدم آگے بڑھتا ہے اور جب قدم نظر کے مرتبہ پر پہنچ گیا تو نظر بھی زینے کے اگلے حصے پر پہنچ جاتی ہے اور قدم اس کی پیروی میں اوپر چلا جاتا ہے اس کے بعد نظر اس مقام سے آگے ترقی کرتی ہے، علیٰ ہذا القیاس ـــــــ اور اگر مراد یہ ہے کہ نظر اس مقام تک ترقی کرے جہاں پر قدم کی گنجائش نہ ہو تو یہ بھی خلافِ واقع ہے، کیونکہ قدم کے تمام

نظر بر قدم کے چار معانی

---

[1] آپ کے نام تین مکتوبات ہیں: دفتر اول مکتوب ۲۹۵-۳۰۳۔ دفتر دوم مکتوب ۳۵۔ مکتوب ۳۰۳ میں آپ کے نام کے ساتھ لفظ "مؤذن" بھی درج ہے۔ باقی حالات معلوم نہ ہو سکے۔

ہونے کے بعد اگر نظر تنہا نہ ہو تو بہت سے کمال کے مراتب فوت ہو جاتے ہیں ـــــــ اس کی وضاح
یہ ہے کہ قدم کی انتہا سالک کی استعداد کے مراتب کی انتہا ہے بلکہ اس نبی کی استعداد کی انتہا تک ہے
جس کے قدم پر وہ سالک ہے، لیکن قدمِ اول اصالت کے ساتھ ہے اور قدمِ ثانی اس نبی کی پیروی پر
اور ان دو استعدادوں کے مرتبوں سے اوپر اس کا قدم نہیں جا سکتا البتہ نظر جا سکتی ہے۔ اور یہ نظر جب
حدت (تیزی) حاصل کر لیتی ہے تو اس کی انتہا اس نبی علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کی نظر کے
مرتبوں کی انتہا ہو جاتی ہے جس کے قدم پر وہ سالک ہے کیونکہ نبی کی کامل پیروی کرنے والوں کو بھی
اس کے جملہ کمالات سے حصہ حاصل ہوتا ہے لیکن مراتبِ استعداد کی انتہا تک جو کہ سالک کی اصالت و
تبعیت پر منحصر ہے قدم اور نظر موافقت رکھتے ہیں اس کے بعد قدم کوتاہی اور نظر تنہا صعود کرتی ہے، او
اس نبی کی نظر کے مراتب کی انتہا تک ترقی کر لیتی ہے ـــــــ لہذا معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم الصلوٰ
والتسلیمات کی نظر بھی ان کے قدموں سے آگے صعود کرتی ہے اور ان بزرگوں یعنی انبیاء کی کامل تابعداری
کرنے والوں کو بھی ان کی نظروں کے مقامات سے حصہ حاصل ہوتا ہے جیسا کہ ان کے قدموں کے مقامات
سے ان کو حصہ ملتا ہے۔ اور خاتم الانبیاء علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کے قدمِ مبارک کے اوپر مقامِ رویت
جس کا وعدہ دوسروں کے لئے آخرت میں ہے۔ اور جو کچھ دوسروں کے لئے ادھار ہے وہ آپؐ کے لئے نقد ہے
اور آپؐ کی کامل تابعداری کرنے والوں کو بھی اس مقام سے حصہ حاصل ہے، اگرچہ رویت نہیں ہے ؎

فریادِ حافظ ایں ہمہ آخر بہرزہ نیست ہم قصۂ غریب و حدیثِ عجیب ہست
(نہیں بکواس یہ حافظ کی فریاد وہ البتہ عجیب احوال کی ہے)

اب ہم اصل بات کی طرف آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر "نظر بر قدم"[1] سے مراد یہ ہو کہ قدم کو چاہئے
کہ نظر سے پیچھے نہ رہے اس طرح پر کہ کسی وقت میں بھی قدم مقامِ نظر تک نہ پہنچے تو یہ
درست ہے، کیونکہ یہ معنی ترقی کو روکتے ہیں[2]۔ اور اسی طرح اگر قدم اور نظر سے ظاہری قدم و نظر مراد
لی جائے تو بھی گنجائش ہے کیونکہ راستہ چلتے وقت نظر پراگندگی پیدا کرتی ہے اور مختلف چیزوں کے
دیکھنے کی وجہ سے انتشار پیدا ہوتا ہے اور اگر نظر کو قدم پر جما لیا جائے[3] تو جمعیت (اطمینان) کے لئے بہت
اقرب ہے اور یہ مراد دوسرے کلمہ کے معنی کے قریب ہے، اور وہ کلمہ "ہوش در دم" ہے۔
خلاصۂ کلام یہ ہے کہ پہلا کلمہ پراگندگی کو دور کرنے کے لئے ہے جو آفاق (بیرونی حالات) سے

[2] یعنی نظر سے قدم کا پیچھے رہ جانا اور مقامِ نظر تک کسی وقت میں نہ پہنچنا مانع ترقی ہے)۔

پیدا ہوتی ہے اور کلمۂ ثانی انفس (اندرون) کی پراگندگی کو دور کرنے کے لئے ہے ——— اور تیسرا کلمہ جو دونوں کلموں کے قریب ہے وہ کلمہ "سفر در وطن" ہے اور اس سے مراد انفس[1] کی سیر ہے کہ اس کا منشا حصول "اندراج النہایت فی البدایت" ہے (یعنی ابتدا میں انتہا کا حاصل ہونا) جو اس طریقۂ عالیہ کے ساتھ مخصوص ہے ——— اگرچہ "سیر انفسی" تمام طریقوں میں ہے لیکن "سیر آفاقی" حاصل ہونے کے بعد ہے اور اس طریقے میں ابتدا ہی اس سیر سے ہوتی ہے اور سیر آفاقی اس سیر کے ضمن میں مندرج ہے۔ اس اعتبار سے اس طریقۂ عالیہ کو "اندراج البدایۃ فی النہایۃ" کہنے کی گنجائش رکھتا ہے ———

اور کلمۂ چہارم جو ان تینوں کلموں کے ساتھ ہے وہ کلمہ "خلوت[2] در انجمن" ہے۔ جب "سفر در وطن" میسر ہو جائے تو انجمن (لوگوں میں رہتے ہوئے) میں بھی خلوت خانۂ وطن میں سفر جاری رہتا ہے اور آفاق کی پراگندگی انفس کے حجرے میں داخل ہونے نہیں پاتی۔ یہ بھی اس وقت ہے جبکہ حجرۂ (نفس) کے دروازے اور سوراخوں کو بند کیا ہوا ہو۔ لہذا انجمن میں متکلم اور مخاطب کا تفرقہ نہ ہونا چاہئے، اور کسی کی طرف بھی متوجہ نہ ہوں ——— اور یہ تمام حیلے اور تکلفات ابتدائے سیر اور اس کے وسط میں اختیار کرنے پڑتے ہیں لیکن سیر کی انتہا میں ان کا کوئی کام نہیں ہے، عین تفرقہ میں بھی جمعیت حاصل ہوتی ہے اور عین غفلت میں حاضر (یعنی حضوری حاصل رہتی ہے) ——— اس جگہ کوئی شخص یہ گمان نہ کرلے کہ منتہی کے حق میں تفرقہ اور عدم تفرقہ مطلقاً برابر ہے، ایسا نہیں ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ تفرقہ اور عدم تفرقہ اس کی باطن کی جمعیت کے لئے برابر ہے۔ اس کے باوجود اگر ظاہر کو باطن کے ساتھ جمع کرلے اور تفرقہ کو ظاہر سے دفع کردے تو یہ اولیٰ و انسب ہوگا۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنے نبی علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام سے فرماتا ہے: وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا[3] (مزمل آیت ۸) (اور اپنے رب کا نام یاد کرتے رہو اور سب سے قطع تعلق کر کے اسی کی طرف متوجہ رہو)۔

جاننا چاہئے کہ بعض اوقات ظاہری تفرقہ کے بغیر چارہ نہیں ہوتا کیونکہ مخلوق کے حقوق بھی ادا کرنے پڑتے ہیں لہذا ظاہری تفرقہ بھی بعض اوقات مستحسن ہوتا ہے لیکن باطنی تفرقہ اوقات میں سے

---

[1] اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے: سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنْفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ۔ (حم سجدہ آیت ۵۳) (عنقریب ہم ان کو اپنی نشانیاں ان کے گرد و نواح میں بھی دکھائیں گے اور خود ان کی ذات میں بھی یہاں تک کہ ان پر ظاہر ہو جائے کہ یہ (قرآن) حق ہے ——— [2] نیز ارشاد ہے رِجَالٌ لَا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ (نور آیت ۳۷) (وہ ایسے مرد ہیں کہ خرید و فروخت کی حالت میں بھی اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل نہیں ہوتے)

کسی وقت بھی مستحسن نہیں ہے کیونکہ وہ (باطن) خالص حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے لئے ہے، لہٰذا بندوں کے (اوقات کے) تین حصے حق جل شانہٗ کے لئے مسلّم ہیں، باطن کل کا کل، اور ظاہر کا نصف حصہ اور ظاہر کا دوسرا نصف حصہ مخلوق کے حقوق کی ادائیگی کے لئے ہے۔ اور ان حقوق کی ادائیگی چونکہ حق سبحانہٗ کے احکام کی فرمانبرداری میں ہے لہٰذا وہ نصف حصہ بھی حق تعالیٰ وتقدس کی طرف راجع ہو گیا ۔۔۔ اِلَیۡہِ یُرۡجَعُ الۡاَمۡرُ کُلُّہٗ فَاعۡبُدۡہُ (ہود آیت ۱۲۳) (تمام کام اسی کی طرف رجوع کرتے ہیں پس تم اسی کی عبادت کرو) والسلام

مکتوب ۲۹۶
دوصد و نود و ششم

حضرت مخدوم زادہ خواجہ محمد سعید[1] سلمہ اللہ تعالیٰ والقاہ کی طرف صادر فرمایا ۔۔۔ حق جل وعلا کی صفات کے بسیط ہونے اور اشیاء کے ساتھ کثرتِ تعلق کی نفی کرنے کے بیان میں۔

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الۡمُرۡسَلِیۡنَ وَاٰلِہِ الطَّاهِرِیۡنَ اَجۡمَعِیۡنَ۔

(اللہ تعالیٰ کی حمد ہے جو پروردگار ہے دونوں جہان کا اور صلوٰۃ وسلام ہو حضرت سید المرسلین اور آپ کی سب پاک اولاد پر)۔

اللہ تعالیٰ تم کو سعادتمند کرے۔ جاننا چاہئے کہ صفاتِ واجبی جل سلطانہٗ اس بلند و برتر ذات کے مانند بے چون و بے چگونہ (بے مثل و بے کیف) ہیں اور حقیقت کی بساطت پر ہیں (اضافی نہیں ہیں) مثلاً ایک ہی انکشاف ایسا بسیط ہے کہ اس سے تمام ازل و ابد کی معلومات منکشف ہو جاتے ہیں، اور ایک ہی قدرتِ کاملہ بسیط ہے کہ اولین و آخرین کے مقدورات اس کے وسیلے سے وجود میں آتے ہیں، اور ایک ہی کلام بسیط ہے کہ جس کے ساتھ ازل سے ابد تک وہی کلام گویا ہے، علیٰ ہذا القیاس اسی طرح باقی تمام صفاتِ حقیقیہ کا حال ہے اور وہ تعدد بھی جو معلومات اور مقدورات کے اعتبار سے پیدا ہوتا ہے وہ سب اس مرتبہ میں مفقود و معدوم ہے تمام اشیاء حق سبحانہٗ کی معلوم و مقدور ہیں، لیکن صفتِ علم اور صفتِ قدرت کو ان اشیاء کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ یہ معرفت عقل کی نظر کے احاطہ سے بالا ہے ۔۔۔۔۔۔ اربابِ معقول (یعنی فلاسفہ) اس طرح کے معنی کو ہرگز جائز نہیں جانتے اور محال خیال کرتے ہیں کہ اشیاء حق تعالیٰ کے علم میں ہوں اور حق تعالیٰ کے علم کا ان سے کوئی تعلق نہ ہو، اور اسی طرح وہ (حق تعالیٰ کے) مقدور ہوں لیکن قدرت ان سے

---

[1] آپ کے نام ۲۴ مکتوبات ہیں اور آپ کا مختصر تذکرہ دفتر اول مکتوب ۲۵۹ پر ملاحظہ ہو۔

متعلق نہ ہو ——— یہ لوگ نہیں دیکھتے کہ اس مرتبہ میں ازل وابد آنِ واحد (بیک وقت) حاضر (موجود) ہیں (یعنی ایک ہی لمحہ میں موجود حاضر اور غیر منقسم ہیں) بلکہ آن کی بھی گنجائش نہیں ہے کہ اقربِ شے اور اس کی ادفق (موافقت) کے سوا اور الفاظ سے تعبیر کیا جا سکے۔ اور ازل وابد کی موجودات اس آنِ حاضر میں حاضر (موجود) ہیں ——— اور (حق تعالیٰ) اسی آنِ حاضر میں زید کو معدوم بھی جانتا ہے اور موجود بھی، اور جنین کو (ماں کے پیٹ میں) بھی جانتا ہے اور صبی (بچپن کی حالت میں) بھی، جوان بھی بوڑھا بھی اور زندہ بھی جانتا ہے اور مردہ بھی، برزخ کی حالت میں بھی جانتا ہے اور حشر و حساب میں بھی۔ اور معلوم ہے کہ اس آن کو اس آن موجودات سے کوئی تعلق نہیں، کیونکہ اگر اس (آن) سے تعلق پیدا کرے تو آنیت سے نکل جائے گا اور اس (آن) کا نام زمانہ ہوگا اور ماضی و مستقبل بن جائے گا، لہذا یہ سب موجودات اس آن واحد میں ثابت بھی ہیں اور ثابت نہیں بھی ——— لہذا اگر ایک انکشاف بسیطِ حقیقی ثابت کیا جائے جس کا معلومات میں سے کسی ایک معلوم سے بھی تعلق نہ ہو اور تمام معلومات اس ایک انکشاف سے معلوم ہو جائیں تو کیا تعجب ہے کیونکہ اس مقام میں ضدین کا جمع ہونا محال نہیں بلکہ ممکن ہے کیونکہ (اجتماعِ ضدین کے محال ہونے کے لئے) اتحادِ زمانہ اتحادِ جہت کے ساتھ مخصوص ہے، اور اس جگہ زمانہ کی گنجائش نہیں ہے اس لئے کہ اس سبحانہ وتعالیٰ پر زمانے کے احکام جاری نہیں ہو سکتے۔ اور اتحادِ جہت بھی مفقود ہے کیونکہ اس میں اجمال و تفصیل کا فرق ہے ——— جس طرح کہ کوئی شخص کلمہ کے مرتبہ میں کہے کہ کلمہ اسم بھی ہے اور فعل و حرف بھی، حالانکہ یہ (تینوں) ایک دوسرے کے مخالف ہیں ان سب کو اس مرتبہ میں آنِ واحد کے اندر متحد دیکھتا ہوں اور منصرف کو عینِ غیر منصرف پاتا ہوں اور مبنی کو عین معرب جانتا ہوں۔ اور وہ شخص یہ بھی کہتا ہے کہ اس جامعیت کے باوجود اس کلمہ کو ان اقسام میں سے کسی ایک قسم سے بھی تعلق نہیں وہ ان سب سے مستغنی ہے تو عقلمندوں میں سے کوئی شخص بھی اس کا انکار نہیں کریگا اور اس کو دور از قیاس نہیں جانے گا، تو پھر ہم اس بات میں جس کو ہم بیان کر رہے ہیں وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى (نحل آیت ۶۰) (اور اعلیٰ مثال اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے) کیوں بعید جانیں اور کیوں توقف کریں ——— اور اگر یہ کہیں کہ کسی شخص نے اس قسم کی بات نہیں کہی ہے تو ہم کہتے ہیں کہ اگر کسی نے نہیں کہی تو کیا ہوا جبکہ یہ بات دوسروں کی بات کے مخالف نہیں ہے اور نہ ہی حق تعالیٰ و تقدس کے مرتبۂ وجوب کے نامناسب ہے۔ ؎ خربوزہ بخور زنر ابفالیز چہ کار (کھالے خربوزہ۔ گزر فالیز سے)

وہ مثال جو اس معرفت کی وضاحت کے لئے مخلوقات میں سے دی جا سکتی ہے اور لوگوں نے بیان کی ہے کہ "علم بعلت مستلزم علم بمعلول است" (علت کا علم معلول کے علم کو مستلزم ہے) ۔ اور اس صورت میں بالاصالۃ قوتِ مدرکہ (انسانی علم) کی طرف متوجہ ہے اور علت کے ساتھ تعلق پیدا کر لیا ہے اور معلول کا علم علت کے علم کے تابع ہے بغیر اس بات کے کہ معلول کے ساتھ کوئی دوسرا تعلق پیدا کرے ــــــ ــــــ لیکن ارباب معقول (یعنی فلاسفہ) اس صورت میں بھی علم کے تعلق کے بغیر دوسرے مرتبہ میں معلول کی معلومیت کو جائز قرار نہیں دیں گے اگرچہ اس کا تعلق بالاصالت نہ ہو۔ لیکن معلوم نہیں کہ اس مثال سے زیادہ قریب ترین کوئی مثال ہو جو بیان کی جائے کیونکہ (مثال سے) مقصود توضیح (بیان) ہے نہ کہ اثبات۔ وَاللّٰہُ تَعَالٰی اَعْلَمُ بِحَقَائِقِ الْاُمُوْرِ کُلِّھَا (اور تمام امور کے حقائق سے اللہ تعالیٰ ہی واقف ہے) وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَۃَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ مِنَ الصَّلَوَاتِ وَالتَّحِیَّاتِ الْمُبَارَکَاتِ اَتَمُّھَا وَاَکْمَلُھَا (اور صلوۃ وسلام ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے اور حضرت محمد مصطفٰے علیہ وعلیٰ آلہ من الصلوات والتحیات المبارکات اتمہا واکملہا کی متابعت کو لازم کرے) ۔

مکتوب ۲۹۷ (عربی)

دو صد و نود و ہفتم

مولانا بدر الدین[1] سرہندی کی طرف صادر فرمایا ــــــ حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے احاطہ وسریان کی تحقیق میں اور مثالوں کے ساتھ اس کی وضاحت (اور وجوبی وامکانی مراتب کے تحفظ کی رعایت میں ۔

جاننا چاہئے کہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ کا احاطہ اشیاء کے ساتھ ایسا ہے جیسا مجمل کا احاطہ مفصل کے ساتھ، اور (اشیاء میں) اس کا سریان ایسا ہے جیسا کہ "کلمہ" جو اپنی تمام اقسام میں جاری وساری ہے خواہ وہ اسم ہو، فعل ہو یا حرف ہو، اور ان کی قسموں میں جیسے ماضی، مضارع، امر ونہی، مصدر، اسم، فاعل، مفعول اور مستثنیٰ، متصل منقطع، حال، تمیز، ثلاثی، رباعی، خماسی، حروف جارہ وناصبہ اور وہ حروف جو افعال کے ساتھ مخصوص ہیں، اور اسماء کے ساتھ مختص حروف اور ان پر داخل ہونے والے حروف، اور دوسری اقسام جو نامتناہی تقسیم سے ظاہر ہوتے ہیں۔ لہٰذا یہ تمام قسمیں کلمہ کے ساتھ مغایرت نہیں رکھتے

---

[1] آپ کے نام چار مکتوبات ہیں اور مختصر تذکرہ دفتر اول مکتوب ۲۸۹ پر ملاحظہ ہو۔

بلکہ یہ سب اعتبارات ہیں جو کلمہ کے تحت مندرج ہیں اور کلمہ سے ان کی تفصیل و تمیز پاتے ہیں اور باہم ایک دوسرے سے متمیز ہونے میں اعتبارِ عقلی کے سوا اور کسی چیز کا اضافہ نہیں ہوا، اور خارج میں کلمہ کے علاوہ اور کچھ موجود نہیں ہے اور اسی وجہ سے یہ حمل صحیح ہے لیکن مراتب میں سے ہر مرتبہ میں (کلمہ کا) ایک الگ نام ہے جس کے ساتھ وہ مخصوص ہے، اور کچھ احکام ایسے ہیں جو اسی مرتبہ کے ساتھ مخصوص ہیں، مثلاً اقترانِ زمانہ کے ساتھ معنیٔ مستقل پر دلالت کرنے والا کلمہ فعل کہلاتا ہے . . . . اور جو بالاستقلال اپنے معنی پر دلالت کرے اور اس میں زمانے کا تعلق نہ ہو تو وہ اسم ہے، اور جو اپنے معنی پر بالاستقلال دلالت نہ کرے اس کو حرف کہتے ہیں، اور اسی طرح جس میں گذشتہ زمانہ پایا جائے اس کو فعل ماضی کہتے ہیں اور جس میں زمانۂ حال و استقبال پایا جائے اس کو مضارع کہتے ہیں اور جس میں نو مشہور علتوں میں سے دو علتیں پائی جائیں اس کو غیر منصرف کہتے ہیں ورنہ منصرف ہے، اور وہ حروف جن کا عمل جر ہو ان کو جارہ کہتے ہیں، اور وہ حروف جن کا عمل نصب ہو ان کو ناصبہ کہتے ہیں، لہذا ایک مرتبہ کے اسم کا اطلاق دوسرے مرتبہ پر کرنا اور ایک کے احکام کو دوسرے پر جاری کرنا ایسا ہے جیسے فعل ماضی کو مضارع پر اور منصرف کو غیر منصرف پر اور جارہ کو ناصبہ پر اطلاق کریں، حالانکہ یہ سب مراتب کے اعتبار سے کلمہ ہی ہیں لیکن ایک کے احکام کو دوسرے پر جاری کرنا سراسر گمراہی اور راہ راست سے خارج ہوتا ہے۔

پس ہم کہتے ہیں کہ اللہ سبحانہٗ ہی بہتر جانتا ہے کہ تنزلِ وجود سبحانہٗ کے مراتب میں سے ہر مرتبہ کے لئے ایک خاص اسم ہے اور ایک خاص حکم ہے جو صرف اسی مرتبہ کے ساتھ خاص ہے اور اس کے علاوہ نہیں پایا جاتا۔ لہذا وجوبِ ذاتی اور استغنائے ذاتی مرتبۂ جمع اور الوہیت کے ساتھ مخصوص ہیں، اور امکانِ ذاتی اور افتقارِ ذاتی (ذاتی احتیاج) مرتبۂ کون و فساد (دنیا جہان) کے ساتھ مخصوص ہیں۔ ــــــ اور مرتبۂ اولیٰ ربوبیت و خالقیت کا مرتبہ ہے اور مرتبۂ ثانیہ عبودیت و مخلوقیت کا مرتبہ ہے پس اگر ایک مرتبہ کے اسماء کا اطلاق دوسرے مرتبہ پر کریں یا ایک مرتبہ کے مخصوص احکام کو دوسرے مرتبہ پر جاری کریں تو وہ خالص زندقہ اور کفر محض ہوگا۔

تعجب ہے کہ بعض بے دین ملحد اور زندیق کس طرح مراتب کو ایک دوسرے کے ساتھ خلط ملط کر دیتے ہیں اور ایک مرتبہ کے احکام دوسرے پر کیسے جاری کرتے ہیں اور ممکن کو واجب کی صفات سے

اور واجب کو ممکن کی صفات کے ساتھ موصوف کرتے ہیں، حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ ممکن جو ایک ہی مرتبہ ہے لیکن اس کے صفات ایک دوسرے سے الگ الگ ہیں اور ان کے احکام میں بھی اختلاف ہے اور وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ مرتبۂ کونیہ میں ان کے اتحاد کے باوجود ان کا باہمی تمائز اور ان کے احکام کا اختلاف ہرگز زائل نہیں ہوتا، کیونکہ وہ بدیہی طور پر جانتے ہیں کہ حرارت اور روشنی آگ کی مخصوص صفات میں سے ہے اس میں سے کوئی صفت بھی پانی میں نہیں پائی جاتی اور پانی کو بھی ان صفات سے موصوف نہیں کیا جا سکتا۔ اور اسی طرح برودت (سردی) جو پانی کے ساتھ مخصوص ہے آگ میں موجود نہیں، اور اسی طرح (یہ لوگ) اپنی بیویوں اور ماؤں میں بھی امتیاز کے قائل ہیں اور دونوں کے احکام جدا جدا ہونے کا حکم کرتے ہیں۔ وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ الْهَادِیْ اِلٰی سَبِیْلِ الرَّشَادِ (اور اللہ سبحانہٗ ہی سیدھے راستے کی ہدایت کرتا ہے)۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی (اور سلام ہو اس پر جو راہِ راست کی پیروی کرے)۔
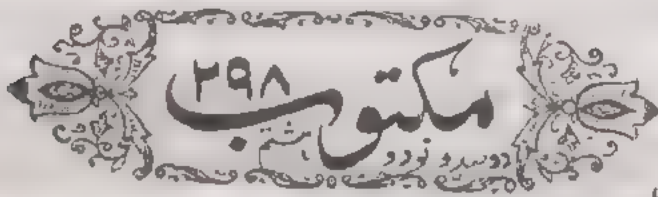
میر سید محب اللہ مانکپوری[1] کے نام صادر فرمایا ــــــ اشاراتِ خفیہ اور عباراتِ لطیفہ کے طریق پر نہایت کار تک پہنچنے کے بیان میں اور اس معما کے راز میں جس کی مخدوم زادہ کلاں (خواجہ محمد صادق علیہ الرحمہ والرضوان) کے علاوہ دوستوں میں سے کسی کو اس کی اطلاع نہیں ہوئی۔

اللہ تعالیٰ تم کو ہدایت دے! جاننا چاہیئے کہ مدت دراز سے (یہ فقیر) ظلال میں سیر کرتا تھا اور ظل کے وصول کو عینِ حصول سمجھتا تھا حالانکہ اصل کے ساتھ وصول میسر ہو چکا ہے بسوائے ظل کے کچھ حصول نہیں رکھتا جس طرح کہ آئینہ جو ایسے شخص کے ہاتھ میں ہو جس کے حصے میں آئینہ آنے والا ہے مگر اس آئینے کو (اس شخص سے) سوائے ظل کے اور کچھ حاصل نہیں۔ پس سمجھ لو کہ ہمارا کلام اشارہ میں ہوتا ہے۔

جاننا چاہیئے کہ طریقے کے بیان کے مناسب جو رموز و اشارات تحریر کئے گئے ہیں اس مقام کے مناسب جان کر وہ عبارت اس مکتوب میں بھی درج کر دی ہے۔ غور کریں:۔

"ذکرِ جاناں ماخوذ از پیرِ راہ دان ملامت بران بازگشت، بفضلِ حضرت رحمٰن وصلِ عریاں باقی ہمہ حسبان"۔

---

[1] آپ کے نام دس مکتوبات ہیں۔ دیکھو آپ کا مختصر تذکرہ دفتر اول مکتوب ۲۷۲ پر ملاحظہ ہو۔

(یعنی ذکرِ قلبی جو شیخِ طریقت سے حاصل کیا ہو اس پر استقامت رکھیں تاکہ بازگشت حاصل ہو، بعد ازاں وصلِ عریاں کا نصیب ہونا حضرتِ رحمٰن کے فضل پر موقوف ہے، باقی سب وہم و گمان ہے) وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ مِنَ الصَّلَوَاتِ اَتَمُّهَا وَمِنَ التَّحِیَّاتِ اَكْمَلُهَا (اور سلام ہو اس پر جو ہدایت پر چلا اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کو اپنے اوپر لازم کیا)

مکتوب ۲۹۹ دو صد و نود و نہم

شیخ فرید رانھوتی[1] کی طرف صادر فرمایا ــــ مصیبت پر صبر و استقامت اور قضا پر صبر و رضا کی تلقین کرنے اور مرضِ طاعون میں موت کی فضیلت میں اور اس بیان میں کہ طاعون کی زمین سے بھاگنا گناہِ کبیرہ ہے جیسا کہ کفار سے جنگ کے دن بھاگنا گناہِ کبیرہ ہے۔

حمد و صلوٰۃ اور تبلیغِ دعوات کے بعد عرض ہے کہ آپ کا مکتوب شریف موصول ہوا۔ آپ نے مصیبتوں کے متعلق لکھا تھا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ (بقرہ[2] آیت ۱۵۶) (ہم اللہ ہی کے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے) پس صبر و تحمل کے ساتھ قضا پر راضی رہنا چاہیے ؎

من از تو روئے نہ پیچم گرم بیازاری | کہ خوش بود ز عزیزاں تحمل و خواری

(ستانا تم کو آتا ہے، منانا ہم کو آتا ہے | تحمل اور خواری عاشقوں کا خاص شیوہ ہے)

اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے: مَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِیْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَیْدِیْكُمْ وَیَعْفُوْا عَنْ كَثِیْرٍ (شوریٰ[42] آیت ۳۰) (جو مصیبت بھی تم کو پہنچتی ہے وہ تمہارے ہی ہاتھوں (کے بُرے اعمال) کا نتیجہ ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ بہت (سے گناہوں سے (معاف) درگذر کرتا ہے) ــــ اور اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے: ظَهَرَ الْفَسَادُ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَیْدِی النَّاسِ (روم[30] آیت ۴۱) (خشکی اور تری میں لوگوں کے ہاتھوں سے پیدا کیا ہوا (بُرے اعمال کے باعث) فساد پھیل گیا) ــــ اس وبا (طاعون) میں ہماری شومئ اعمال (بدبختی) کی وجہ سے سب سے پہلے چوہے ہلاک ہوئے اس لئے کہ وہ ہم سے زیادہ اختلاط رکھتے ہیں، پھر عورتیں، جن کے وجود پر نوعِ انسان کی نسل و بقا کا انحصار ہے مردوں سے زیادہ مر گئیں۔

---

[1] آپ کے نام صرف یہی ایک مکتوب ہے نیز آپ کے حالات بھی معلوم نہ ہو سکے۔

اس وبا (طاعون) میں جو کوئی مرنے سے بھاگا اور سلامت رہ گیا اس کی زندگی پر خاک ہو۔ اور جو نہ بھاگا اور مر گیا اس کے لئے شہادت کی موت کی خوشخبری ہے۔

شیخ الاسلام ابنِ حجرؒ نے اپنی کتاب "بذل الماعون فی فضل الطاعون" میں تحقیق سے لکھا ہے کہ "جو شخص طاعون سے مر جائے اس سے قبر میں کوئی سوال نہیں ہوگا، کیونکہ اس کی مثال جنگ میں قتل ہونے والے کے مانند ہے۔ (اور یہ بھی لکھا ہے کہ) جو شخص طاعون کے زمانے میں (طلبِ ثواب کی نیت سے) صبر سے بیٹھا رہا (اور یہ یقین رکھتا ہو) کہ مجھے وہی پہنچے گا جو میرے نصیب میں لکھا ہوا ہے تو وہ شخص بھی اگر طاعون کے علاوہ کسی اور مرض میں مرا تو اس سے بھی عذاب و سوالِ قبر نہ ہوگا، کیونکہ وہ مرابط یعنی جہاد کے لئے مستعد اور تیار رہنے والے کے مانند ہے ــــــ جیسا کہ شیخ الاجل سیوطیؒ نے اپنی کتاب "شرح الصدور بشرح احوال الموتی والقبور" میں ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ بہت عمدہ توجیہ ہے۔ اسی طرح جو شخص (طاعون سے) نہ بھاگا اور نہ مرا تو وہ غازیوں اور مجاہدوں میں شمار ہوگا، اور صابروں و مصیبت برداشت کرنے والوں کے زمرہ میں ہوگا ــــــ کیونکہ ہر شخص کے لئے ایک وقت مقرر ہے جس میں تقدیم و تاخیر کی کوئی گنجائش نہیں[1]۔ اکثر بھاگنے والے جو سلامت رہ گئے وہ اس لئے کہ ان کی موت کا وقت ابھی نہیں آیا تھا نہ کہ اس لئے کہ ان کا بھاگ جانا موت سے بچنے کا باعث ہو گیا۔ اور اکثر صبر کرنے والے جو ہلاک ہو گئے وہ بھی وقت مقررہ (عمر پوری ہو جانے) کی وجہ سے ہلاک ہے۔ پس نہ تو بھاگ جانا نجات کا باعث ہوا اور نہ بیٹھا رہنا ہلاکت کا سبب ــــــ یہ بھاگنا جہاد کے دن بھاگنے کے مانند اور گناہِ کبیرہ ہے۔ اور یہ خداوند جل سلطانہٗ کی طرف سے خفیہ تدبیر[2] ہے کہ بھاگنے والے سلامت رہ گئے اور صبر کرنے والے ہلاک ہو گئے۔ يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا (بقرہ آیت ۲) (اللہ تعالیٰ اس سے بہت سے لوگوں کو گمراہ کرتا ہے اور بہت سے لوگوں کو ہدایت دیتا ہے)۔

آپ کے صبر و تحمل اور مسلمانوں کے ساتھ آپ کی امداد و اعانت کے بارے میں سنا جاتا ہے اللہ سبحانہٗ آپ کو اس کی جزائے خیر عطا فرمائے۔ بچوں کی تربیت میں اور ان کی ایذا برداشت کرنے میں دل برداشتہ نہ ہوں کیونکہ اس پر بہت بڑے اجر کے مرتب ہونے کی امید ہے۔ زیادہ کیا لکھا جائے۔ والسلام

---

[1] جیسا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ (اعراف آیت ۳۴)
[2] قال تعالیٰ: اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ (اعراف آیت ۹۹)

مکتوب ۳۰۰

مخدوم زادہ جامع علوم عقلی و نقلی محی الدین خواجہ محمد معصوم سلمہ اللہ تعالیٰ[1] کی طرف صادر فرمایا ——————

دقیق اسرار اور نادر معارف کو رمز و اشارہ کی زبان میں اور مقام قاب قوسین او ادنیٰ کو بھی (اشارہ کے طور پر) بیان کیا گیا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) ———— انسانِ کامل جب اسماء و صفات کی تفصیلی سیر کے مراتب طے کر کے جامعیتِ تامّہ پیدا کر لیتا ہے اور اسماء و صفاتِ الٰہی جل سلطانہٗ کے کمالات کا آئینہ بن جاتا ہے اور اس کا عدمِ ذاتی جو ان کمالات کا آئینہ ہے مکمل طور پر پوشیدہ ہو جاتا ہے، اور ان کمالات کے علاوہ اس میں اور کوئی چیز ظاہر نہیں ہوتی، تو اس وقت "فنائے تام" کے حاصل ہونے کے بعد جو اس کے عدم کے پوشیدہ ہونے پر وابستہ تھی ایک بقائے خاص کے ساتھ جو ان کمالات پر موقوف ہے مشرف ہو جاتا ہے اور اس پر ولایت کا اسم صادق آتا ہے۔ اس کے بعد اگر عنایتِ ازلی جل سلطانہٗ اس کے شاملِ حال ہو جائے تو ممکن ہے کہ دوبارہ یہ کمالات جن کے ساتھ اس عارف نے بقا حاصل کی تھی حضرت تعالیٰ و تقدس کی ذات کے آئینہ میں منعکس ہو جائیں اور وہاں ظہور پیدا کر لیں تو اس وقت قَابَ قَوْسَیْنِ کے راز کا ظہور ہوتا ہے۔

جاننا چاہئے کہ اس مقام میں آئینے میں کسی شے کے ظہور سے مراد یہ ہے کہ اس شے کو اس آئینے کے ساتھ نسبتِ مجہولہ حاصل ہو جائے نہ یہ کہ وہاں مرآت (آئینہ) کی حقیقت ہے اور اس میں حصولِ شے ہے۔ وَلِلّٰہِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی (نحل آیت ۶۰) (اعلیٰ صفات اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہیں)۔ اور جب وہ کمالات جن کے ساتھ عارف نے بقا حاصل کی ہے اس جنابِ قدس کے آئینے میں حقیقت و اصالت کے طور پر منعکس ہو جاتے ہیں اور وہاں ظہور پیدا کر لیتے ہیں تو اس کو نسبتِ مجہول الکیفیت حاصل ہو جاتی ہے اس وقت "انا" جس کا تعلق عارف کے ساتھ ہے وہاں اس کا اطلاق ہوتا ہے اور اپنے آپ کو ان کمالاتِ ظاہرہ کا عین دیکھتا ہے۔ قاب قوسین کے مقام میں اس کے عروج کی انتہا یہیں تک ہے۔

---

[1] آپ کے نام ستائیس مکتوبات ہیں اور آپ کا مختصر تذکرہ اور مکتوبات کی تفصیل کے لئے مکتوب ۲۹۴ ملاحظہ ہو۔

اے فرزند! غور سے سن! صورت کا آئینہ جس میں حسن و جمال منعکس ہوتا ہے اگر بالفرض وہ حیات اور علم کا آئینہ بن جائے تو لازمی طور پر اس حسن و جمال کے ظہور سے لذت پانے والا ہوگا اور حظِ وافر حاصل کرلے گا حقیقت کے آئینے میں اگرچہ لذت اور رنج و الم مفقود ہے کیونکہ وہ صفاتِ امکانی میں سے ہے لیکن وہ امر جو اس بلند مرتبہ کے شایانِ شان ہے اور نقص و حدوث کے نشانات سے مبرا ہے وہ کائن ثابت ہے۔ ؎

فریاد حافظ ایں ہمہ آخر بہرزہ نیست　　ہم قصۂ غریب و حدیث عجیب ہست

(نہیں بیکار یہ حافظ کی فریاد　　وہ البتہ عجیب احوال کی ہے)

یہ کمالاتِ ظاہرہ جنھوں نے اس مرتبہ میں مجہول الکیفیت نسبت پیدا کرلی ہے ان کا حکم بعینہٖ ایسا ہے جیسے انسان کے عالمِ خلق کو عالمِ امر کے ساتھ نسبت ہے۔ اس مقام پر مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ (جس نے اپنے آپ کو پہچانا اس نے اپنے رب کو پہچانا) کا راز حاصل ہو جاتا ہے۔ اور جب یہ ظاہرہ کمالات جو حضرتِ ذات تعالیٰ و تقدس کے اجمال کی تفصیل ہیں (انھوں نے) حضرتِ اجمال کے ساتھ مجہول الکیفیت نسبت پیدا کرلی ہے اور بے کیف اتصال حاصل کرکے حضرتِ اجمال کی آئینہ داری کرلی ہے تو لازمی طور پر حضرتِ اجمال میں مجرد اعتبار اور محض توہم سے تفصیل بھی پیدا ہوگئی جو عارف کے اس کے عروج کا باعث ہوئی۔ یہ کمال مقامِ او ادنیٰ سے وابستہ ہے۔　　مصرع

قلم ایں جا رسید و سر بشکست　　(سر قلم ہوگیا قلم کا یہاں)

یہ ہے نہایت النہایت اور غایت الغایت کا بیان، جس کا سمجھنا خواص کے ادراک سے بھی کوسوں دور ہے، پھر عوام کے بارے میں کیا کہا جائے۔ جبکہ اخصّ خواص میں سے بھی اقلِّ قلیل حضرات ایسے ہیں جو اس دولتِ معرفت سے سرفراز ہوئے ہیں۔ ؎

اگر بادشہ بر درِ پیر زن　　بیاید تو اے خواجہ سبلت مکن

(اگر بادشہ آئے بڑھیا کے گھر　　تو اے خواجہ، ہرگز تعجب نہ کر)

یہ نہایت ظہورات و تجلیات کے اعتبار سے ہے کیونکہ اس کے بعد کسی دوسری قسم کی تجلی اور ظہور متصور نہیں۔ ؎

وَمِنْ بَعْدِ هٰذَا مَا يَدِقُّ صِفَاتُهٗ　　وَمَا كَتْمُهٗ اَحْظٰى لَدَيْهِ وَاَجْمَلُ

(بعد اس کے جو بھی ہے محجوب ہے　　اس کا پوشیدہ ہی رہنا خوب ہے)

والسلام علیٰ من اتبع الہدیٰ والتزم متابعۃ المصطفیٰ علیہ و علیٰ آلہ و علیٰ جمیع الانبیاء والمرسلین و علیٰ کل ملائکۃ المقربین الصلوات والتسلیمات والتحیات والبرکات اتمہا واکملہا واولہا واعلیٰہا واوجہا وابقاہا واعمہا واشملہا۔

مولانا امان اللہ[1] کی طرف صادر فرمایا ——— قرب نبوت اور قرب ولایت اور ان راہوں کے بیان میں جو قرب نبوت تک پہنچانے والی ہیں اور اس کے مناسب بیان میں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ حمد و صلوٰۃ کے بعد میرے فرزند مولانا امان اللہ کو معلوم ہو کہ نبوت سے مراد وہ قرب الٰہی ہے جس میں ظلیت کا کچھ بھی شائبہ نہیں۔ اس قرب کا عروج حق جل وعلا کی طرف رُخ رکھتا ہے، اور اس کا نزول مخلوق کی طرف۔ یہ قرب بالاصالت انبیاء علیہم الصلوات و التسلیمات کے نصیب ہے اور یہ منصب انہی بزرگوں علیہم الصلوات والبرکات کے ساتھ مخصوص ہے نیز یہ منصب حضرت سید البشر علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام پر ختم ہو چکا ہے لہٰذا حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والتحیۃ بھی نزول کے بعد حضرت خاتم الرسل علیہا الصلوٰۃ والسلام کی متابعت کریں گے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ (جس طرح) متبعین اور خادموں کو اپنے مالکوں کی دولت اور ان کے پس خوردہ سے حصہ حاصل ہوتا ہے (اسی طرح) انبیاء علیہم الصلوات والتحیات کی دولتِ قرب سے ان کے کامل متبعین کو بھی حصہ حاصل ہوتا ہے نیز اس مقام کے علوم ومعارف اور کمالات سے وراثت کے طریق پر کامل متبعین کو بھی حصہ نصیب ہوتا ہے۔ ع

خاص کند بندۂ مصلحت عام را (عام کے فائدے کو خاص آیا)

پس آنحضرت خاتم الرسل علیہ وعلی آلہ وعلی جمیع الانبیاء والرسل الصلوات والتحیات کی بعثت کے بعد آپ کے متبعین کو تبعیت و وراثت کے طریق پر کمالاتِ نبوت کا حاصل ہونا آپ علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام کی خاتمیت کے منافی نہیں ہے، فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ (بقرہ آیت ۱۴۷) (پس آپ شک کرنے والوں میں سے نہ ہوں)۔

اللہ تعالیٰ آپ کو سعادتمند کرے، آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ کمالاتِ نبوت تک پہنچانے والے دو راستے ہیں: ایک وہ راستہ جو مقام ولایت کے مفصل کمالات طے کرنے پر موقوف ہے اور ان تجلیاتِ ظلیہ اور معارفِ سکریہ کے حصول پر منحصر ہے جو مرتبہ ولایت کے قرب کے مناسب ہیں، ان

---

[1] آپ کے نام تین مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ مکتوب ۲۸۶ پر گذر چکا ہے۔

کمالات کے طے کرنے اور ان تجلیات کے حاصل ہونے کے بعد کمالاتِ نبوت میں قدم رکھا جاتا ہے، اس مقام میں اصل تک وصول ہوتا ہے اور ظلیّت کی طرف التفات کرنا گناہ ہے ـــــــ اور دوسرا راستہ وہ ہے جس میں ولایت کے ان کمالات کے حصول کے بغیر ہی کمالاتِ نبوت تک وصول (پہنچنا) میسر ہو جاتا ہے، اور یہ دوسرا راستہ شاہراہ ہے اور کمالاتِ نبوت تک پہنچنے کا قریب ترین راستہ ہے ـــــــ ـــــــ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور ان کے اصحابِ کرام میں سے جو بھی ان انبیائے کرام علیہم وعلیٰ اصحابہم الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کی تبعیت و وراثت کے طریق پر کمالاتِ نبوت تک پہنچے ہیں الاماشاء اللہ تعالیٰ، وہ اسی راستے سے پہنچے ہیں۔ ـــــــ اور پہلا راستہ بہت دور و دراز والا ہے اور اس کا حاصل ہونا دشوار اور اس کا وصول محال ہے۔

اولیاء کی ایک جماعت جو ولایت کے مقام میں نزول کے شرف سے مشرف ہوئی ہے اس نے مقامِ نزول کے کمالات کو کمالاتِ نبوت خیال کر لیا ہے اور مخلوق کی طرف متوجہ ہونے کو جو مقامِ دعوت کے مناسب ہے مقامِ نبوت کی خصوصیت میں سے سمجھا ہے، ایسا نہیں ہے بلکہ یہ نزول اس کے عروج کے رنگ میں دونوں ولایتوں سے متعلق ہے۔ وہ عروج و نزول دوسری چیز ہے جو مقامِ ولایت سے اوپر ہے اور نبوت سے تعلق رکھتا ہے، اور مخلوق کے ساتھ یہ توجہ مخلوق کی اس توجہ کے ماسوا ہے جو کہ نبوت کے مناسب ہے اور یہ دعوت اس دعوتِ (خلق) کے بغیر ہے جس کو کمالاتِ نبوت سے شمار کیا گیا ہے ـــــــ یہ گمان کرنے والے گویا کہ انھوں نے ولایت کے دائرہ سے باہر قدم ہی نہیں رکھا اور نبوت کے کمالات کی حقیقت کو بھی نہیں سمجھا بلکہ ولایت کے نصف حصہ کو جو اس کے عروج کی جانب ہے کامل ولایت گمان کر لیا ہے اور اس کے دوسرے نصف حصے کو جو نزول کی جانب ہے مقامِ نبوت تصور کر لیا ہے ؎

چو آں کرمے کہ در سنگے نہاں ہست	زمین و آسمانِ او ہماں است
(وہ کیڑا جو کہ پتھر میں نہاں ہے	وہی اس کا زمین و آسماں ہے)

اور ممکن ہے کہ کوئی شخص پہلی راہ سے بھی وصول حاصل کرلے اور ولایت و نبوت کے مفصل کمالات کو جمع کرلے اور ان دونوں مقامات کے کمالات کے درمیان جیسا کہ ان کا حق ہے تمیز حاصل کرلے اور ہر ایک کے عروج و نزول کو جدا کرلے اور اس بات کا حکم کرے کہ نبی کی نبوت اس کی ولایت سے بہتر ہے۔

جاننا چاہئے کہ دوسری راہ سے وصول کے بعد اگرچہ مقام ولایت کے مفصل کمالات حاصل نہیں ہوتے لیکن ولایت کا خلاصہ اور نچوڑ بہت خوبی کے ساتھ میسر آجاتا ہے اس لئے کہا جاسکتا ہے کہ اہلِ ولایت نے کمالاتِ ولایت کا پوست (چھلکا) حاصل کرلیا ہے اور اس واصل نے اس کے مغز کو حاصل کیا ہے — — ہاں بعض علومِ سُکریہ اور ظہوراتِ ظلیّہ کی وجہ سے جو ارباب ولایت کو حاصل ہوتے ہیں وہ واصل ان علوم و ظہورات سے کم بہرہ ور ہوتے ہیں، یہ معنی ان کے لئے برتری یا فضیلت کا باعث نہیں، کیونکہ اس واصل کے لئے یہ علوم و ظہورات موجب ننگ و عار ہیں۔ بلکہ مناسب ہے کہ وہ ان کو اپنے حق میں گناہ اور سوء ادب سمجھے — ہاں اصل کا واصل اس اصل کے ظلال سے بھاگتا اور پناہ مانگتا ہے۔ ظل کے ساتھ گرفتاری اس ظل کے اصل تک نہ پہنچنے کے وقت تک ہے۔ اصل کے ساتھ واصل ہونے کے بعد ظل بے حاصل ہو جاتا ہے اور ظل کی طرف توجہ کرنا بے ادبی ہے۔

اے فرزند! کمالاتِ نبوت کا حصول محض بخشش اور اس کے فضل و کرم پر موقوف ہے، کسب و عمل کو اس دولتِ عظمیٰ کے حصول میں کچھ دخل نہیں — بھلا وہ کسب و عمل کونسا ہے جو اس دولتِ عظمیٰ کے حصول کا نتیجہ ہو اور وہ کونسا ریاضت و مجاہدہ ہے جو اس روشن ترین نعمت (کے حصول) کا ذریعہ ہو۔ بخلاف کمالاتِ ولایت کے کہ جس کی ابتدا اور مقدمات کسبی ہیں اور اس کا حصول ریاضت و مجاہدے پر منحصر ہے۔ اگرچہ یہ بھی جائز ہے کہ بعض کو بغیر کسب و عمل کی محنت کے اس دولت سے نواز دیا جائے اور فنا و بقا کہ جس سے ولایت مراد ہے وہ بھی (حق تعالیٰ کی) بخشش ہے کہ مقدمات کے کسب کے بعد اپنے فضل و کرم سے جس کو چاہے عنایت کردے اور فنا و بقا کی دولت سے مشرف کردے — — اور آں سرور علیہ و علی جمیع الانبیاء والمرسلین وعلی الملائکۃ المقربین وعلی اہل طاعۃ اجمعین الصلوات والتسلیمات کی بعثت سے قبل اور بعثت کے بعد کے ریاضات و مجاہدات اس دولت کے حاصل کرنے کے لئے نہ تھے بلکہ ان سے دوسرے منافع اور فوائد منظور تھے مثلاً حساب کی کمی، بشری لغزشوں کی تلافی، درجات کی بلندی اور مرسل فرشتوں کی صحبت کی رعایت جو کھانے پینے سے پاک ہیں، اور خوارق کے ظہور کی کثرت جو مقامِ نبوت کے مناسب ہے اور اسی طرح کی اور مصلحتیں۔

جاننا چاہئے کہ اس بخشش کا حصول انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے حق میں بلا واسطہ ہے اور انبیاء علیہم الصلوات والتحیات کے اصحاب کے حق میں جو تبعیت و وراثت کے طور پر اس دولت کو

مشرف ہوئے ہیں وہ بھی ان انبیا علیہم الصلوات والبرکات کے توسط سے ہیں ——— انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات اور ان کے اصحاب کے بعد بہت کم حضرات اس دولت سے مشرف ہوتے ہیں۔ اگرچہ جائز ہے کہ کسی دوسرے کو بھی تبعیت ووراثت کے طور پر اس دولت سے سرفراز کیا جائے

؎ فیض روح القدس ار باز مدد فرماید دیگراں ہم بکنند آنچہ مسیحا می کرد

(وحی کا فیض اگر پھر سے میسر آجائے دوسرے بھی وہ کریں جو کہ مسیحا نے کیا)

میں خیال کرتا ہوں کہ اس دولت نے کبار تابعین پر بھی اپنا پر تو ڈالا ہے اور اکابر تبع تابعین پر بھی سایہ فگن ہوئی ہے۔ بعد ازاں یہ دولت پوشیدہ ہو گئی حتیٰ کہ آں سرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کی بعثت سے الفِ ثانی[1] (دوسرے ہزار سال) کی باری آگئی اور اس وقت پھر وہ دولت تبعیت ووراثت کے طور پر منصۂ شہود میں آگئی اور آخر (زمانے) کو اول (زمانے) کے مشابہ بنا دیا ہے ؎

اگر پادشہ بر درِ پیر زن بیاید تو اے خواجہ سبلت مکن

(اگر بادشہ آئے بڑھیا کے گھر تو اے خواجہ ہرگز تعجب نہ کر)

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَيْهِ وَعَلٰی اٰلِهِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِيْمَاتُ اَتَمُّهَا وَاَكْمَلُهَا (اور سلام ہو اس پر جس نے ہدایت کی پیروی کی اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کو اپنے اوپر لازم کیا)

جامع علومِ ظاہری اور اسرار و معارفِ باطنی اعنی مخدوم زادہ مجد الدین خواجہ محمد معصوم[2] سلمہ اللہ تعالیٰ کی طرف صادر فرمایا ——— اس بیان میں کہ ولایت کی تین قسمیں ہیں (۱) ولایتِ اولیا (۲) ولایت انبیا علیہم الصلوات والتسلیمات (۳) اور ولایتِ ملاءِ اعلیٰ علیٰ نبینا وعلیہم الصلوات والتحیات، اور ان کے درمیان فرق کے بیان میں۔ اور اس بیان میں کہ نبوت ولایت سے افضل ہے۔ نیز اُن بعض خاص معارف کے بیان میں جن کا تعلق نبوت سے ہے اور اس کے مناسب بیان میں۔

اللہ تعالیٰ تم کو رشد و ہدایت عنایت فرمائے۔ جان لیں کہ ولایت سے مراد قربِ الٰہی جل سلطانہٗ ہے

---

[1] اس قول میں آپ کے "مجدد الفِ ثانیؒ" کی وجہ تسمیہ کی طرف اشارہ ہے۔

[2] آپ کے نام ستائیس[27] مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۲۹۴ پر ملاحظہ فرمائیں۔

جو ظلیت کی آمیزش کے بغیر ممکن نہیں، اور حجابات کے پردوں کے بغیر حاصل نہیں ——— اگر اولیاء کی ولایت ہے تو وہ ظلیت کے داغ سے داغدار ہے اور انبیا علیہم الصلوات والتسلیمات کی ولایت اگرچہ ظلیت سے نکل چکی ہے لیکن اسماء وصفات کے حجابات کے پردوں کے بغیر متحقق نہیں ہے۔ اور ولایتِ ملاءِ اعلیٰ علی نبینا وعلیہم الصلوات والتسلیمات اگرچہ اسماء وصفات کے حجابات سے بلند وبرتر ہے لیکن شیون و اعتباراتِ ذاتیہ کے حجابات اس میں بھی موجود ہیں ——— یہ صرف نبوت ورسالت ہی ہے کہ جس میں ظلیت کی کوئی آمیزش نہیں ہے اور صفات واعتبارات کے سب حجابات راستے ہی میں رہ جاتے ہیں، لہٰذا لازمی طور پر نبوت ولایت سے افضل ہوئی۔ اور قربِ نبوت ذاتی اور اصلی ہے، اور جو شخص ان دونوں کی حقیقت پر مطلع نہیں ہوا، اس نے اس کے خلاف حکم دیا اور حقیقت کے برعکس یقین کیا ہے۔ لہٰذا وصول مرتبۂ نبوت میں ہے اور حصول مقامِ ولایت میں۔ کیونکہ حصول ملاحظۂ ظلیت کے بغیر صورت پذیر نہیں ہو سکتا بخلاف وصول کے ——— نیز کمالِ حصول میں دوئی زائل ہو جاتی ہے اور کمالِ وصول میں دوئی باقی رہتی ہے، لہٰذا دوئی کا دور ہونا مقامِ ولایت کے مناسب ہے اور دوئی کا باقی رہنا مقامِ نبوت کے مناسب ہے۔ اور جب دوئی کا زوال ہونا مقامِ ولایت کے مناسب ہے تو لازمی طور پر ہمہ وقت سکر (مستی) کا طاری رہنا مقامِ ولایت کے لئے ضروری ہوا، اور نبوت کے مرتبہ میں چونکہ دوئی باقی رہتی ہے لہٰذا صحو (ہشیاری) بھی اس مرتبہ کی خصوصیت میں سے ہے ——— نیز تجلیات کا حصول خواہ صورت وشکل کے لباس میں ہو یا رنگوں اور انوار کے پردوں میں وہ سب مقاماتِ ولایت سے متعلق ہیں اور اس کے مقدمات اور مبادی طے کرنے میں سے ہیں، بخلاف مرتبۂ نبوت کے کہ اس مقام میں اصل کے ساتھ وصول ہے اور ان تجلیات وظہورات سے جو اس اصل کے ظلال ہیں ان سے استغنا حاصل ہوتا ہے اور اسی طرح اس (مرتبۂ نبوت) کے مقدمات ومبادی طے کرنے کے وقت میں ان تجلیات کی ضرورت نہیں بجز اس کے کہ ولایت کے راستے سے عروج واقع ہو لیکن اس وقت بھی ان تجلیات کا حصول ولایت کے واسطے سے ہے نہ کہ وصولِ نبوت کے راستے سے مسافت طے کرنے کے ذریعے۔ مختصر یہ کہ تجلیات وظہورات ظلال کی خبر دیتے ہیں اور وہ شخص جو ظلال کی گرفتاری سے آزاد ہو چکا ہے اور تجلیات سے نجات پائے ہوئے ہے اس کو مَا زَاغَ الْبَصَرُ کا راز طلب وتلاش کرنا چاہئے۔

اے فرزند! عشق کا ولولہ، محبت کا طنطنہ اور شوق انگیز نعرے، درد بھری آہیں، وجد و تواجد، رقص و رقاصی؛ یہ سب ظلال کے مقام ہیں اور ظہورات و تجلیاتِ ظلیہ کے وقت میں یہ سب ہوتے ہیں. اصل کے ساتھ وصول ہونے کے بعد ان امور کا حصول متصور نہیں ہے۔ اس مقام میں محبت کے معنی ارادۂ اطاعت ہے جیسا کہ علماء نے فرمایا ہے نہ کہ اس سے کوئی اور زائد معنی جو کہ ذوق و شوق کا منشا ہیں، جیسا کہ بعض صوفیوں نے بھی ایسا گمان کیا ہے۔

اے فرزند! غور سے سنو، چونکہ مقامِ ولایت میں دوئی کا زوال (دور ہونا) مطلوب ہے اس لئے لازمی طور پر اولیا ارادہ کے زوال میں کوشش کرتے ہیں ——— شیخ (بایزید) بسطام فرماتے ہیں اُرِیْدُ اَنْ لَّا اُرِیْدَ (میرا ارادہ یہ ہے کہ میرا کوئی ارادہ نہ رہے) ——— اور نبوت کے مرتبہ میں چونکہ دوئی کا زوال درکار نہیں ہے اس لئے نفسِ ارادہ کا زوال بھی مطلوب نہیں، اور کیسے (زوال) مطلوب ہو سکتا ہے جبکہ ارادہ فی حدِ ذاتہٖ (اپنی ذات کی حد میں) ایک کامل صفت ہے، اگر کوئی نقص اس کے اندر پایا جاتا ہے تو وہ اس کے متعلق کی ناپاکی اور خبث کی وجہ سے ہے، لہٰذا چاہئے کہ اس کا متعلق کوئی بُرا اور ناپسندیدہ امر نہ ہو بلکہ اس کی تمام مرادیں حق جل وعلا کی مرضی کے موافق ہوں ——— اور اسی طرح مقامِ ولایت میں تمام بشری صفات کی نفی میں کوشش کرتے ہیں اور مرتبۂ نبوت میں ان صفات کے بُرے متعلقات کی نفی کرتے ہیں نہ کہ ان صفات کے اصل کی نفی جو فی حدِ ذاتہٖ (اپنی ذات کی حد میں) کامل ہیں. مثلاً "صفتِ علم" جو اپنی ذات کی حد میں صفاتِ کاملہ میں سے ہے، اگر اس میں کوئی نقص واقع ہو گیا ہے تو وہ اس کے بُرے متعلق کی راہ سے ہے لہٰذا اس صفت کے بُرے متعلق کی نفی ضروری ہے نہ کہ اس صفت کے اصل کی نفی، علیٰ ہذا القیاس ——— پس جو شخص ولایت کے راستے سے مقامِ نبوت میں آیا ہے اس کے لئے اثناءِ راہ میں اصل صفات کی نفی سے چارہ نہیں اور جو شخص اس (مرتبۂ نبوت کے) مقام پر ولایت کی راہ کے توسط کے بغیر پہنچا ہے اس کے لئے اصل صفات کی نفی کوئی ضروری نہیں بلکہ صرف ان صفات کے بُرے متعلقات کی نفی ضروری ہے۔

جاننا چاہئے کہ اس ولایت سے مراد جس کا ابھی ذکر ہوا ہے ولایتِ ظلی ہے جس کو ولایتِ صغریٰ اور ولایتِ اولیا سے تعبیر کرتے ہیں لیکن ولایتِ انبیاء جو ظل سے گذر چکی ہے وہ دوسری ہے وہاں صفاتِ بشریت کے بُرے متعلقات کی نفی ہے نہ کہ ان صفات کے اصل کی نفی۔ اور جب صفات کے

بُرے متعلقات کی نفی حاصل ہو گئی تو گویا انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی ولایت کے حصول سے پیوستہ ہو گیا
اس کے بعد جو عروج واقع ہوگا وہ کمالاتِ نبوت کے متعلق ہوگا۔

اس بیان سے واضح ہو گیا کہ (کمالاتِ) نبوت کے لئے اصل ولایت کا ہونا ضروری ہے کیونکہ
ولایت اس کے مبادی اور مقدمات میں سے ہے، لیکن کمالاتِ نبوت تک پہنچنے میں ولایتِ ظلی کا
حاصل ہونا کوئی ضروری نہیں، بعض کو تو اس کا اتفاق ہو جاتا ہے اور بعض کا ہرگز اس طرف گذر نہیں ہوتا۔
پس خوب سمجھ لو ——— اور اس میں کچھ شک نہیں کہ اصل صفات کی نفی کرنا ان صفات کے بُرے
متعلقات کے دور کرنے کی نسبت بہت دشوار ہے لہذا کمالاتِ نبوت کا حصول، کمالاتِ ولایت کے
حصول کی نسبت آسان اور نزدیک تر ہے۔ اور ہر وہ کام جو اپنی اصل کے ساتھ وصول رکھتا ہے
اس کو آسانی اور قرب کی یہی نسبت ہے بخلاف ان امور کے جو اصل سے جدا ہیں ———
کیا تم نہیں دیکھتے کہ اصل کیمیا آسان عمل کے ساتھ میسر ہوتا ہے اور قریب ترین راستے سے حاصل
ہو جاتا ہے اور جو شخص اس کے اصل (عمل و نسخہ) سے جدا اور دُور ہے وہ محنت و مشقت میں پڑا رہتا ہے
اور اپنی ساری عمر اس کے حاصل کرنے میں ضائع کر دیتا ہے پھر بھی اس کے وقت کی دولت حرمان و
مایوسی ہے، اور وہ چیز جو اس کو محنت شاقہ کے بعد حاصل ہوتی ہے وہ اصل کی شباہت لئے ہوئے ہے
اور بسا اوقات وہ عارضی شباہت بھی اس سے زائل ہو جاتی ہے اور اپنی اصل کی طرف رجوع کر جاتی ہے
اور مکاری و حیلہ سازی تک نوبت پہنچ جاتی ہے بخلاف اصل سے واصل کے جو باوجود عمل کی سہولت
اور راہ کی نزدیکی کے کہ وہ دھوکے اور جھوٹ کے خوف سے امن میں ہے ——— اس
راہ کے سالکوں کی ایک جماعت جو ریاضاتِ شاقہ اور مجاہداتِ شدیدہ کی وجہ سے ظلال میں سے ایک
ظل تک رسائی حاصل کر لیتی ہے اس نے یہ گمان کر لیا ہے کہ مطلب کا وصول ریاضاتِ شاقہ اور
مجاہداتِ شدیدہ پر منحصر ہے اور یہ نہیں جانتے کہ دوسری راہ اس راہ سے زیادہ اقرب ہے جو
نہایت النہایت تک پہنچا دینے والی ہے، اور وہ راستہ اجتباء (برگزیدگی)[۱] کا راستہ ہے جو محض
اس (حق تعالیٰ) کے فضل و کرم پر موقوف ہے۔ اور وہ راہ جو انھوں نے اختیار کی ہے وہ راہِ انابت ہے
مجاہدات سے وابستہ ہے۔ اس راہ کے واصل اقل قلیل (بہت ہی کم) ہیں، مگر راہِ اجتباء (برگزیدگی)
کے واصل جم غفیر (بہت زیادہ) ہیں ——— تمام انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات اسی

[۱] اللہ یجتبی الیہ من یشاء و یھدی الیہ من ینیب (شوریٰ آیت ۱۳)

اجتبار کے راستے سے گئے ہیں اور ان (انبیاء علیہم الصلوات والتحیات) کے اصحاب بھی وراثت و تبعیت کے طور پر اجتبا کی راہ سے واصل ہوئے ہیں ——— ارباب اجتباء کی ریاضتیں وصولِ نعمت کے شکر کی ادائیگی کی وجہ سے ہیں۔ آنحضرت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام سے ایک سائل نے عرض کیا کہ جب آپ کے اول و آخر کے تمام گناہ بخش دیئے گئے ہیں تو پھر آپ یہ ریاضاتِ شاقہ کیوں کرتے ہیں؟ آپ نے جواب میں فرمایا: اَفَلَآ اَکُوْنَ عَبْدًا شَکُوْرًا[1] (کیا میں اللہ تعالیٰ کا شکر گذار بندہ نہ بنوں)۔ اور اہلِ انابت کے مجاہدات وصول کے حاصل کرنے کے لئے ہیں۔ ان دونوں میں بڑا فرق ہے ——— "راہِ اجتبار راہ بردن" (برگزیدہ راہ پر دوسروں کو لے جانے والا) اور "راہِ انابت راہ رفتن" (یعنی خود چل کر راستہ طے کرنے والا)۔ از بردن تا رفتن (یعنی راہ طے کرانا اور خود چلنے) میں بڑا فرق ہے۔ (راہِ اجتباء والے) جلدی جلدی لے جاتے ہیں اور جلدی ہی پہنچا دیتے ہیں اور "راہ رفتن" والے دیر دیر سے چلتے ہیں اور راہ ہی میں رہ جاتے ہیں ——— ———

حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ فرماتے ہیں "ما فضلیانیم" (یعنی ہم فضلی ہیں اور حق جل وعلا کی نسبتِ فضل ہم کو حاصل ہے) ——— بیشک جبتک اس کا فضل شاملِ حال نہ ہو دوسروں کی نہایت ان کی بدایت میں کس طرح مندرج ہو سکتی ہے۔ ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ (جمعہ آیت ۴) (یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے)

اب ہم اصل بات کو بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ عریضے جو اس فقیر نے اپنے پیر بزرگوار قدس سرہٗ کی خدمت میں لکھے ہیں، اس میں لکھا ہے کہ "تمام مرادیں ختم ہو چکی ہیں لیکن نفسِ ارادہ ابھی تک اپنی جگہ پر قائم ہے"۔ پھر ایک مدت کے بعد (خواجہ صاحبؒ کی خدمت میں) تحریر کیا کہ "وہ ارادہ بھی مرادات کی مانند زائل ہو گیا ہے" ——— اور جب حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ نے اس فقیر کو انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی وراثت سے مشرف فرمایا تو اس فقیر نے جانا کہ اصل مقصد اس ارادہ کی برائی کے متعلق کو زائل کرنا ہے نہ کہ نفسِ ارادہ کو ختم کرنا۔ کیونکہ یہ لازم نہیں ہے کہ اصل (نفسِ ارادہ) کے زائل ہونے کے بعد برے متعلق کا رفع ہونا اتم و اکمل طور حاصل ہو جائے۔ بلکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ محض فضل سے وہ کچھ میسر ہو جاتا ہے کہ تعمل و تکلّف (عمل اور محنت) سے اس کا سوواں حصہ بھی حاصل نہیں ہوتا۔

---

[1] شمائل ترمذی بروایت حضرت مغیرہ و ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔

اے فرزند! مقامِ ولایت میں دنیا و آخرت (دونوں) سے ہاتھ دھونے پڑتے ہیں اور آخرت کی گرفتاری کو دنیا کی گرفتاری کے مانند شمار کرنا چاہئے اور آخرت کے درد کو بھی دنیا کے درد کی مانند محمود (اچھا) نہیں سمجھنا چاہئے ——— امام داؤد طائیؒ فرماتے ہیں: "اگر تم سلامتی چاہتے ہو تو دنیا کو سلام کہہ دو اور اگر کرامت کا ارادہ رکھتے ہو تو آخرت پر تکبیر کہہ دو (یعنی ناامید ہو جاؤ) ——— اور اسی گروہ میں سے ایک دوسرے بزرگ کہتے ہیں آیۂ کریمہ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ (آل عمران آیت ۱۵۲) (تم میں سے بعض دنیا چاہتے ہیں اور تم میں سے بعض آخرت چاہتے ہیں) گویا (حق تعالیٰ کو) دونوں فریقوں سے شکایت ہے۔

مختصر یہ کہ "فنا" جس سے مرادِ حق جل و علا کے سوا (ہر شے کو) فراموش کر دینا ہے وہ دنیا و آخرت دونوں کو شامل ہے اور فنا و بقا دونوں ولایت کے اجزا ہیں، لہذا ولایت میں آخرت کی فراموشی سے چارہ نہیں اور کمالاتِ نبوت میں آخرت کی گرفتاری محمود ہے اور آخرت کا درد پسندیدہ و مقبول ہے بلکہ اس مقام میں درد آخرت کا درد ہے اور گرفتاری آخرت کی گرفتاری ہے۔ جیسا کہ آیۂ کریمہ میں ہے: يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا (سجدہ ۳۲ آیت ۱۶) (وہ اپنے رب کو خوف اور طمع (امید) سے پکارتے ہیں) ——— اور آیتِ کریمہ: وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ (رعد ۱۳ آیت ۲۱) (اور وہ اپنے رب سے ڈرتے ہیں) ——— وَيَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ (بنی اسرائیل آیت ۵۷) (اور اس کے عذاب سے خائف ہیں) ——— اور آیۂ کریمہ اَلَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَهُمْ مِّنَ السَّاعَةِ مُشْفِقُوْنَ (انبیا ۲۱ آیت ۴۹) (جو لوگ اپنے رب سے بے دیکھے ڈرتے ہیں اور قیامت کی گھڑی سے بھی ڈرتے رہتے ہیں)۔ (یہ آیتیں) اس مقام والوں کے لئے نقدِ وقت ہیں۔ ——— ان کا گریہ و نالہ آخرت کے احوال یاد کرنے سے ہے اور ان کا درد و الم احوالِ قیامت کے خوف کی وجہ سے ہے، وہ ہمیشہ فتنۂ قبر سے پناہ مانگتے رہتے ہیں اور ہمیشہ آتشِ دوزخ سے بھی پناہ تلاش کرتے ہیں اور گریہ و زاری میں مصروف رہتے ہیں، ان کے نزدیک حق جل و علا کا درد، آخرت کا درد ہے اور ان کا شوق و محبت آخرت کے شوق و محبت کی وجہ سے ہے، کیونکہ اگر لقا (ملاقات) ہے تو اس کا وعدہ بھی آخرت میں ہے، اور اگر رضا ہے تو اس کا کمال بھی آخرت پر موقوف ہے ——— دنیا، حق جل و علا کی مبغوضہ اور آخرت اس بزرگ و برتر کی مرضیہ اور پسندیدہ ہے۔ مبغوضہ کی مرضیہ کے ساتھ کسی امر میں بھی برابری نہیں ہو سکتی۔ لہذا ناپسندیدہ سے منہ پھیر لینا چاہئے اور پسندیدہ کو

(آخرت) کو قبول کرنا اس کے شایاں ہے۔ البتہ پسندیدہ سے روگردانی کرنا عین سکر ہے اور اس تعالیٰ کی مرضی وموعود کے خلاف ہے۔ آیۂ کریمہ: وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ (یونس آیت ۲۵) (اور اللہ تعالیٰ دار السلام (جنت) کی طرف بلاتا ہے) اس معنی پر گواہ ہے ——— حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے (قرآنِ کریم میں جگہ جگہ) مبالغہ اور تاکید کے ساتھ آخرت کی ترغیب دی ہے لہٰذا آخرت سے روگردانی کرنا درحقیقت حق جل وعلا سے مقابلہ کرنا ہے، اور اس بزرگ و برتر کی مرضی کے خلاف کرنا ہے ———

——— امام داؤد طائیؒ نے باوجود اس بزرگی کے کہ ولایت میں قدم راسخ رکھتے تھے اس لئے ترکِ آخرت کو کرامت کہدیا مگر یہ نہیں سمجھا کہ اصحاب کرام علیہم الرضوان سب کے سب آخرت کے درد میں گرفتار اور آخرت کے عذاب سے ترساں ولرزاں رہتے تھے۔

ایک دن حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اونٹ پر سوار ایک گلی سے گذر رہے تھے کہ کسی قاری نے اس آیت کو پڑھا: اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ ۝ مَّا لَهٗ مِنْ دَافِعٍ (طور آیت ۸-۷) (بیشک تیرے رب کا عذاب واقع ہو کر رہے گا اس کو کوئی ٹال نہیں سکتا)۔ اس آیت کے سنتے ہی آپ کے ہوش اُڑ گئے اور آپ بے خود ہو کر اونٹ سے زمین پر گر گئے (لوگوں نے) وہاں سے اٹھا کر گھر پہنچا دیا اور ایک عرصہ تک اس درد کی وجہ سے بیمار رہے اور لوگ آپ کی عیادت کے لئے آتے رہے۔

ہاں بیشک مقامِ فنا میں اور احوال کے توسط میں دنیا و آخرت سے نسیان (فراموشی) میسر ہو جاتی ہے اور (سالک) آخرت کی گرفتاری کو دنیاوی گرفتاری کی طرح جانتا ہے لیکن جب بقا کے شرف سے مشرف ہو کر کام انجام تک پہنچ جاتا ہے اور کمالاتِ نبوت اس پر پرتو ڈالتے ہیں تو اس وقت سارا درد والم آخرت کے لئے ہو جاتا ہے، اور دوزخ سے پناہ مانگنا اور بہشت کی تمنا کرنا یہ سب موجود ہو جاتی ہیں ——— بہشت کے درخت، نہریں اور حور و غلمان دنیاوی چیزوں سے کوئی مناسبت نہیں رکھتے بلکہ یہ دونوں (دنیا کی اشیا اور آخرت کی اشیا) ایک دوسرے کی نقیض (ضد) ہیں جیسے غضب اور رضا ایک دوسرے کی ضد ہیں ——— وہ درخت اور نہریں جو بہشت میں ہیں وہ (بندوں کے) اعمالِ صالحہ کے نتائج و ثمرات ہیں۔ (جیسا کہ) حضرت پیغمبر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ بہشت میں درخت نہیں ہیں وہاں درخت لگاؤ۔ صحابہؓ نے دریافت کیا کہ وہاں کس طرح درخت لگائیں؟۔ آنحضرت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ تسبیح، تحمید، تمجید اور تہلیل کے ذریعے۔ یعنی

سُبْحَانَ اللہ کہو تاکہ بہشت میں ایک پودا لگا دیا جائے ـــــــ لہذا بہشت کے درخت تسبیح کا نتیجہ ہیں ـــــــ جس طرح کمالاتِ تنزیہی اس کلمہ (سُبْحَانَ اللہ) کے اندر حروف و آواز کے لباس میں مندرج ہیں اسی طرح بہشت میں ان کمالات کو درخت کے لباس میں پنہاں کر دیا گیا ہے۔ علی ہذا القیاس جو کچھ بھی بہشت میں ہے وہ عملِ صالح کا نتیجہ ہے اور جو کچھ کہ کمالاتِ وجوبی تعالیٰ و تقدس سے قول و عملِ صالح کے لباس میں اندراج ہوئے ہیں بہشت میں وہی کمالات لذتوں اور نعمتوں کے پردے میں ظہور کریں گے۔ لہذا وہاں کی لذتیں اور نعمتیں (اللہ تعالیٰ) کی پسندیدہ اور مقبول ہیں اور لقاء و وصول (حق تعالیٰ سے ملاقات اور اس تک پہنچنے) کا وسیلہ ہیں۔

رابعہؒ بیچاری اگر اس راز سے واقف ہوتیں تو بہشت کو جلانے کی فکر نہ کرتیں اور اس کی گرفتاری کو حق جل و علا کی گرفتاری کے علاوہ نہ جانتیں۔ بخلاف دنیاوی لذتوں اور نعمتوں کے کہ ان کا منشا خباثت و شرارت ہے جس کا نتیجہ آخرت میں محرومی ہے۔ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ ہم کو اس سے محفوظ رکھے۔ ـــــــ یہ دنیاوی لذتیں اگرچہ شرعی طور پر مباح ہیں لیکن (آخرت میں) ان کا محاسبہ درپیش ہے اگر رحمتِ حق دستگیری نہ فرمائے تو افسوس صد افسوس۔ اور اگر وہ (لذت) مباح شرعی نہیں ہے تو پھر موردِ وعید ہے: رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ (اعراف آیت ۲۳) (اے رب ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اگر تو ہم کو نہ بخشے اور رحم نہ فرمائے تو ہم خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے)۔

لہذا اس لذت کو اس لذت سے کوئی نسبت نہیں اور یہ (دنیاوی) لذت زہرِ قاتل ہے اور وہ (اُخروی) لذت تریاقِ نافع ہے۔ پس آخرت کا درد یا تو عام مومنین کو نصیب ہے یا اخصِ خواص کا حصہ ہے خواص اس درد سے پرہیز کرتے ہیں اور کرامت و بزرگی اس کے خلاف میں سمجھتے ہیں۔ ع

آں ایشانند من چنینم یارب　　　(وہ ایسے ہیں میں ایسا ہوں خدایا)

۱؎ آپ بصرہ کی رہنے والی تھیں۔ اپنے زمانے کی بلند درجہ خاتون گذری ہیں۔ حضرت سفیان ثوریؒ آپ سے مسائل دریافت کیا کرتے تھے۔ آپ کے متعلق مشہور ہے کہ ایک مرتبہ آپ ایک ہاتھ میں پانی اور دوسرے ہاتھ میں آگ لئے ہوئے جا رہی تھیں کسی نے دریافت کیا کہ کہاں تشریف لے جا رہی ہیں۔ آپ نے جواب میں فرمایا کہ پانی سے دوزخ کو بجھانے اور آگ سے جنت کو جلانے جا رہی ہوں کیونکہ لوگ جنت کے لالچ میں اور دوزخ کے ڈر سے عبادت کرتے ہیں۔ حضرت مجدد صاحبؒ نے اسی واقعہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ ۱۸۵ھ میں انتقال ہوا اور بصرہ میں مزار پر انوار ہے۔

حاجی یوسف مؤذن کے نام ـــــ کلماتِ اذان کے معانی کے بیان میں صادر فرمایا۔

حمد و صلوٰۃ کے بعد جاننا چاہیئے کہ کلماتِ اذان سات ہیں: ـــــ (۱) اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ (اللہ بہت بڑا ہے) یعنی اللہ تعالیٰ کی شان اس سے بہت بلند ہے کہ اس کو کسی عبادت کی حاجت ہو۔ اس مہتم بالشان معنی کی تاکید کے لئے اس کلمہ کو چار بار دہرایا گیا ہے ـــــ (۲) اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ (میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے) نیز وہ اپنی صفت کبریائی کے ساتھ ساتھ ہر عبادت گذار کی عبادت سے مستغنی ہے ـــــ (۳) اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ (میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں) اور اس تعالیٰ کی طرف سے عبادت کا طریقہ ہم تک پہنچانے والے ہیں، اور حق تعالیٰ کی پاک بارگاہ کے لائق وہی عبادت ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام کی تبلیغ و رسالت کے ذریعہ حاصل ہوئی ـــــ (۴) حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ (آؤ نماز کی طرف) ـــــ (۵) حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ (آؤ فلاح و بہبود کی طرف) یہ دو کلمے وہ ہیں جن کے ذریعے نمازی کو فلاح و بہبود اور کامیابی کی طرف لے جانے والی فرض نماز کی ادائیگی کی طرف بلایا جاتا ہے ـــــ (۶) اَللّٰهُ اَكْبَرُ (اللہ تعالیٰ بہت بڑا ہے) یعنی کسی کی بھی عبادت اس پاک بارگاہ کے لائق نہیں (نیز اس کلمہ مقدسہ کی عظمت و بزرگی ملاحظہ ہو کہ اس کو بطور تاکید چھ مرتبہ اذان میں لایا گیا ہے) ـــــ (۷) لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ (نہیں ہے کوئی معبود مگر اللہ تعالیٰ) یعنی صرف اللہ تعالیٰ ہی عبادت کا مستحق ہے اگرچہ کسی سے بھی اس کی بارگاہِ قدس کے لائق عبادت ہو ہی نہیں سکتی ـــــ (ان کلمات کی بزرگی سے جو نماز کے اعلان کے لئے (شارع علیہ السلام نے) مقرر فرمائے ہیں نماز کی بزرگی شان سمجھنی چاہیئے۔ ع

سالے کہ نکوست از بہارش پیداست (سال اچھا ہے گر بہار اچھی ہے)

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ الْمُفْلِحِيْنَ بِحُرْمَةِ سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ عَلَيْهِ وَعَلَيْهِمُ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِيْمَاتُ اَتَمُّهَا وَاَكْمَلُهَا (یا اللہ مجھے ان نمازیوں میں سے بنا دے جو فلاح پا گئے ہیں بحرمۃ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم)

---

[1] آپ کے نام تین مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ مکتوب ۲۹۵ پر گذر چکا ہے۔

مکتوب ۳۰۴

صد و چہارم

مولانا عبد الحی[1] کی طرف صادر فرمایا ہے ــــــ ان اعمالِ صالحہ کے بیان میں جن پر حق تعالیٰ و تقدس نے اکثر آیاتِ قرآنی میں دخولِ بہشت کا وعدہ وابستہ فرمایا ہے نیز شکر ادا کرنے اور نماز کے جملہ معانی و اسرار کے بیان میں۔

اللہ تعالیٰ آپ کو سعادت مند کرے، حمد و صلوٰۃ کے بعد واضح ہو کہ (یہ فقیر) مدت تک اس تردد میں رہا کہ اعمالِ صالحہ سے مراد (وہ کون سے اعمال ہیں جن پر حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے قرآن مجید کی اکثر آیات میں دخولِ بہشت کے وعدہ کو موقوف فرمایا ہے) آیا تمام اعمالِ صالحہ ہیں یا ان میں کے بعض ہیں۔ اور اگر تمام ہیں تو یہ امر بہت مشکل ہے کیونکہ تمام اعمالِ صالحہ کے بجالانے کی توفیق شاید ہی کسی کو حاصل ہو۔ اور اگر بعض مراد ہیں تو یہ بات مجہول اور غیر معین ہے ــــــ آخر محض فضلِ خداوندی جل سلطانہٗ سے یہ بات دل میں آئی کہ اعمالِ صالحہ سے مراد شاید اسلام کے پانچ ارکان (کلمہ شہادت و رسالت[1]، نماز[2]، روزہ[3]، زکوٰۃ[4] اور حج[5]) ہیں جن پر اسلام کی بنیاد ہے۔ اگر اسلام کے یہ اصولِ پنجگانہ کامل طور پر ادا ہو جائیں تو امید ہے کہ فلاح و نجات حاصل ہو جائے گی کیونکہ یہ اپنی ذاتی حدود میں اعمالِ صالحہ ہیں اور تمام برائیوں اور منکرات سے روکنے والے ہیں (مثلاً نماز کے متعلق حق تعالیٰ کا ارشاد ہے) اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْکَرِ (عنکبوت ۲۹ آیت ۴۵) (بیشک نماز تمام بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے) ۔ (یہ آیت) اس معنی پر شاہد ہے ــــــ اور جب اسلام کے ان پنجگانہ ارکان کا بجالانا میسر ہو جائے تو امید ہے کہ (حق تعالیٰ کا) شکر بھی ادا ہو گیا، اور جب شکر ادا ہو گیا تو عذاب سے بھی نجات حاصل ہو گئی (کیونکہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے) مَا یَفْعَلُ اللّٰہُ بِعَذَابِکُمْ اِنْ شَکَرْتُمْ وَ اٰمَنْتُمْ (نساء ۴ آیت ۱۴۷) (اگر تم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو اور اس پر ایمان لے آؤ تو وہ تمہیں کیوں عذاب دے گا) ــــــ پس ان پنجگانہ ارکان کی ادائیگی میں دل و جان سے کوشش کرنی چاہئے۔ خاص طور پر نماز کے قائم کرنے میں جو دین کا ستون ہے جہاں تک ہو سکے اس کے آداب میں سے کسی ادب کے ترک کرنے پر راضی نہ ہونا چاہئے (اور فرض، سنت مستحب میں سے کسی کو بھی ترک نہیں کرنا چاہئے)۔ اگر نماز کو

[1] آپ کے نام پانچ مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ مکتوب ۲۷۷ پر گزر چکا ہے۔

کامل طور پر ادا کرلیا تو گویا اسلام کی اصلِ عظیم حاصل ہوگئی اور نجات کے لئے حبلِ متین یعنی مضبوط رسی مل گئی۔ وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ الْمُوَفِّقُ (اور اللہ تعالیٰ ہی اس کی توفیق دینے والا ہے)۔

اسرار الصلوٰۃ

جاننا چاہئے کہ نماز میں تکبیرِ اولیٰ سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ حق تعالیٰ و تقدس عابدوں کی عبادت اور نمازیوں کی نماز سے مستغنی و برتر ہے اور وہ تکبیریں جو ہر رکنِ نماز کے بعد ہیں وہ اس امر کے رموز و اشارات ہیں کہ یہ رکن جو ادا ہوا ہے وہ اس قابل نہیں ہے کہ اس کو حق تعالیٰ کی بارگاہِ قدس کی عبادت کے لائق کہا جاسکے ——— رکوع کی تسبیح (سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْمِ پاک ہے میرا پروردگار جو بڑی عظمت والا ہے) اس میں چونکہ تکبیر کے معنی ملحوظ ہیں اس لئے رکوع کے آخر میں تکبیر کہنے کا حکم نہیں فرمایا گیا (بلکہ سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ (اللہ تعالیٰ نے اس بندے کی (بات) سن لی جس نے اس کی تعریف کی) برخلاف دونوں سجدوں کے کہ ان میں بھی اگرچہ تسبیحات ہیں پھر بھی اول و آخر تکبیر (اَللّٰہُ اَکْبَرُ) کہنے کا حکم فرمایا ہے تاکہ کسی کو یہ وہم نہ ہو کہ سجود میں چونکہ نہایت عاجزی و پستی اور نہایت ذلت و انکساری ہے اس لئے حقِ عبادت ادا ہو جاتا ہے، لہٰذا اس وہم کو دور کرنے کے لئے سجود کی تسبیح (سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی (پاک ہے میرا پروردگار جو اعلیٰ شان والا ہے) میں لفظِ اعلیٰ اختیار کیا ہے اور تکبیر کی تکرار بھی مسنون ہوئی ———

اور چونکہ نماز مومن کی معراج ہے اس لئے نماز کے آخر میں ان کلمات کے پڑھنے کا حکم صادر فرمایا جن کے ساتھ آں سرور علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام شبِ معراج میں مشرف ہوئے تھے۔ لہٰذا نمازی کو چاہئے کہ اپنی نماز کو اپنے لئے معراج بنائے اور نماز ہی میں انتہائی قربِ خداوندی ڈھونڈے ———

آں سرور علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے: اَقْرَبُ مَا یَکُوْنُ الْعَبْدُ مِنَ الرَّبِّ فِی الصَّلٰوۃِ[1] (بندہ کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ سب سے زیادہ قرب نماز میں حاصل ہوتا ہے) اور چونکہ نمازی اللہ تعالیٰ عز شانہ سے مناجات کرنے والا اور نماز کے ادا کرتے وقت حق تعالیٰ کی عظمت و جلال کا مشاہدہ کرنے والا ہوتا ہے اور حق تعالیٰ کا رعب و ہیبت اس پر چھا جاتا ہے اس لئے اس کی تسلی کے واسطے نماز کو دو سلاموں پر ختم کرنے کا امر فرمایا ——— اور یہ جو حدیثِ نبوی[2] علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام میں ہر فرض نماز کے بعد سو مرتبہ تسبیح و تحمید، تکبیر اور تہلیل کا حکم ہے فقیر کے علم میں اس کا راز یہ ہے کہ نماز کی ادائیگی میں جو قصور و کوتاہی واقع ہوئی ہو اس کی تلافی تسبیح و تکبیر کے ساتھ کی جائے تاکہ اپنی عبادت کے ناتمام و ناقابل ہونے کا اقرار ہوسکے، اور چونکہ حق تعالیٰ کی توفیق سے عبادت کا ادا کرنا میسر ہوا ہے تو اس نعمت کا

---

[1] اس روایت کو ابوداؤد اور نسائی نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کیا۔ [2] بر صفحۂ آئندہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہہ کر شکر بجالانا چاہئے اور حق تعالیٰ کے سوا اور کسی کو عبادت کا مستحق نہ بنانا چاہئے۔ امید ہے کہ جب نماز اس طرح ان شرائط و آداب کے ساتھ ادا کی جائے گی اور اس کے بعد ندیٔ دل سے ان کلماتِ طیبہ کے ساتھ تقصیر و کوتاہی کی تلافی کر لی جائے اور توفیقِ عبادت کی نعمت کا شکر ادا کیا جائے اور حق تعالیٰ کے سوا کسی غیر کے مستحقِ عبادت ہونے کی نفی کر لی جائے تو امید ہے کہ وہ نماز حق تعالیٰ جل شانہٗ کی بارگاہ میں قبولیت کے لائق ہو جائے گی اور ایسی نماز ادا کرنے والا فلاح پانے والا ہو جائے گا۔ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنَ الْمُصَلِّیْنَ الْمُفْلِحِیْنَ بِحُرْمَةِ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ عَلَیْہِ وَعَلَیْھِمْ وَعَلٰی اٰلِہٖ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ

(اے اللہ ہم کو سید المرسلین علیہ و علیہم و علیٰ آلہ الصلوات التسلیمات ہم کو فلاح پانے والے نمازیوں میں سے بنا دے)۔

میر محب اللہ[1] کی طرف صادر فرمایا ——— نماز کے اسرار کے بیان میں، اور مبتدی اور عامی کی نماز اور منتہی کی نماز کے درمیان فرق اور اس کے مناسب بیان میں۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) ——— اللہ تعالیٰ تم کو ہدایت دے! واضح ہو کہ نماز کو کامل طور پر ادا کرنے اور اس میں کمال حاصل ہونے سے مراد فقیر کے نزدیک یہ ہے کہ نماز کے فرائض و واجبات اور سنن و مستحبات جن کا بیان کتبِ فقہ میں تفصیل کے ساتھ آچکا ہے (سب کو احتیاط سے ادا کرنا چاہئے) ان چاروں امور کے علاوہ اور کوئی امر ایسا نہیں ہے جس کو نماز کے کامل کرنے میں دخل ہو، نماز کا خشوع و خضوع بھی ان ہی (چاروں) پر وابستہ ہے۔ بعض لوگ ان امور کے جان لینے کو کافی سمجھتے ہیں اور عمل کرنے میں سستی و کاہلی کرتے ہیں اس لئے لازمی طور پر نماز کے کمالات سے بے نصیب رہتے ہیں ———

اور بعض لوگ حق سبحانہٗ کے ساتھ حضورِ قلب میں بڑا اہتمام کرتے ہیں لیکن اعمالِ ادبیہ جوارح

(بقیہ حاشیہ از صفحہ گذشتہ) [3] حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص ہر نماز کے بعد سُبْحَانَ اللّٰہِ ۳۳ مرتبہ، اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ۳۳ مرتبہ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ ۳۳ مرتبہ اور ایک مرتبہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ پڑھے (جو مجموعی طور پر سو مرتبہ ہوئیں) تو اس کی خطائیں بخش دی جاتی ہیں اگرچہ گناہ سمندر کے جھاگ کے برابر ہوں۔ (مشکوٰۃ بحوالہ مسلم)

(حاشیہ صفحہ ہذا) [1] آپ کے نام دس مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ مکتوب ۲۷۲ پر گذر چکا ہے۔

(یعنی ظاہری اعضاء سے تعلق رکھنے والے مستحبات) کی طرف کم توجہ کرتے ہیں، صرف فرائض اور سنتوں پہ کفایت کرتے ہیں، یہ لوگ بھی نماز کی حقیقت سے واقف نہیں ہیں اور کمالِ نماز کو غیر نماز سے ڈھونڈھتے ہیں کیونکہ حضورِ قلب کو نماز کے احکام سے نہیں جانتے ——— اور یہ جو حدیث میں آیا؟ لَا صَلٰوۃَ اِلَّا بِحُضُوْرِ الْقَلْبِ (نماز حضورِ قلب کے بغیر کامل نہیں ہوتی) ممکن ہے کہ اس میں حضورِ قلب سے مراد یہ ہو کہ ان امورِ اربعہ کے ادا کرنے میں دل کو حاضر رکھا جائے تاکہ ان امور میں سے کسی امر کے بجا لانے میں کچھ فتور واقع نہ ہو۔ اس حضورِ قلب کے علاوہ اور کوئی حضور فی الحال اس فقیر کی سمجھ میں نہیں آتا۔

سوال :- جب نماز کی تکمیل اور اس کا کمال ان چار امور کے بجا لانے پر وابستہ ہوا اور کوئی دوسرا امر کمالِ نماز کے لئے ملحوظ نہ رہا تو منتہی، بتدی بلکہ عامی کی نماز میں کیا فرق ہوا، جو ان چاروں امور کے بجالانے پر مشروط ہے؟

جواب :- (مبتدی و منتہی کی نماز میں) فرق عمل کرنے والے کی طرف سے ہے، نہ کہ عمل کی رو سے ایک ہی عمل کا ثواب عمل کرنے والوں کے تفاوت سے مختلف ہوتا ہے۔ مثلاً وہ عمل جو کسی مقبول و محبوب عامل سے وقوع میں آئے اس کا اجر اس کے اجر سے کئی گنا زیادہ ہوگا جو اس عامل کے سوا کسی غیر کے اسی عمل پر مرتب ہو، کیونکہ عامل جتنا عظیم القدر ہوتا ہے اسی قدر اس کے عمل کا اجر بھی عظیم تر ہوگا۔ اسی وجہ سے کہتے ہیں کہ عارف کا ناخالص عمل مرید کے اخلاص والے عمل سے بہتر ہوتا ہے۔ پھر کس طرح بہتر نہ ہو جبکہ عارف کا عمل سراسر اخلاص سے لبریز ہوتا ہے ——— یہی وجہ ہے کہ حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت پیغمبر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے سہو کو اپنے صواب سے بہتر جانتے ہوئے حضور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کے سہو کی آرزو کرتے تھے جیسا کہ (حضرت صدیقؓ) فرماتے ہیں: یَا لَیْتَنِیْ کُنْتُ سَہْوَ مُحَمَّدٍ (اے کاش میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا سہو ہو جاتا)۔ گویا ان کی آرزو یہی تھی کہ کلی طور پر آں سرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کا سہو ہو جائیں۔ لہٰذا اپنے تمام اعمال و احوال کو آں سرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کے عمل سہو سے کم جانتے ہیں اور پوری آرزو کے ساتھ سوال کرتے ہیں کہ ان کی تمام نیکیاں آں سرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے سہو کے برابر ہی ہو جائیں ——— اور آنحضرت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے سہو کی مثال یہ ہے کہ ایک مرتبہ آں سرور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے چار رکعت والی فرض

نماز میں سہو کی وجہ سے دو رکعت پر سلام پھیر دیا جیسا کہ مروی ہے[1] ــــــ پس منتہی کی نماز پر دنیاوی نتائج اور ثمرات کے باوجود آخرت کا بڑا بھاری اجر بھی مرتب ہوتا ہے بخلاف مبتدی اور عامی کی نماز کے۔ ع

چہ نسبت خاک را با عالم پاک (کہاں خاک اور کہاں ہے عالم پاک)

منتہی کی نماز کی چند خصوصیات بیان کی جاتی ہیں ان سے قیاس کر لیں ــــ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ منتہی نماز میں قراءتِ قرآن کے وقت اور تسبیحات و تکبیرات کے اوقات میں اپنی زبان کو شجرۂ موسوی کی مانند پاتا ہے اور اپنے قویٰ و اعضا کو آلات و وسائط سے زیادہ نہیں جانتا، اور کبھی ایسا محسوس کرتا ہے کہ ادائیگی نماز کے وقت اس کے باطن و حقیقت نے (اس کی) ظاہر و صورت سے اپنا تعلق منقطع کر لیا ہے اور وہ عالم غیب سے ملحق ہو گیا ہے اور غیب کے ساتھ مجہول الکیفیت نسبت پیدا کر لی ہے ــــ اور جب نماز سے فارغ ہوتا ہے تو پھر اس عالم کی طرف رجوع کرتا ہے ــــــ با اصل سوال کے جواب میں کہتا ہوں کہ یہ مذکورہ چاروں اعمال (فرض، واجب، سنت اور مستحب) کا بتمام و کمال بجا لانا منتہی کے نصیب ہے، مبتدی اور عامی ان امور کو بہ تمام و کمال ادا کرنے کی توفیق سے دور ہیں، اگرچہ (ان کے لئے بھی) ممکن اور جائز ہے (لیکن ایسا کم ہوتا ہے) کیونکہ (حق تعالیٰ کا ارشاد ہے) وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ (بقرہ آیت ۴۵) (خاشعین کے علاوہ دوسروں پر (نماز) بہت گراں ہے) وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى (اور سلام ہو اس پر جس نے ہدایت کی پیروی کی)۔

مکتوب ۳۰۶

سہ صد و ششم

مولانا صالح کی طرف صادر فرمایا[2] ــــــ حقائق آگاہ، معارف دستگاہ مخدوم زادہ کلاں خواجہ محمد صادق علیہ الرحمۃ والغفران اور دونوں چھوٹے مخدوم زادوں مرحوم و مغفور محمد فرخ و محمد عیسیٰ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے بعض مناقب و کمالات میں، اور اس مکتوب کے آخر میں ارباب ولایت کی فنا کا بیان ہے اور اس بیان میں کہ یہ فنا قرب نبوت میں کچھ درکار نہیں اور اس کے مناسب بیان میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى (تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو)

---

[1] یہ واقعہ بخاری اور مسلم میں بروایت حضرت ابوہریرہؓ مذکور ہے (مشکوٰۃ)
[2] آپ کے نام دس مکتوبات ہیں اور دفتر اول مکتوب ۱۶۱ پر آپ کا تذکرہ ہو چکا ہے۔

میرے بھائی ملا صالح کو اہلِ سرہند کے حالات معلوم ہو گئے ہوں گے اور یہ کہ میرے فرزند کلاں (محمد صادق) رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مع اپنے دو چھوٹے بھائیوں محمد فرخ و محمد عیسیٰ کے سفرِ آخرت اختیار کیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ـــــــ اللہ تعالیٰ سبحانہٗ کی حمد ہے کہ اس نے پہلے تو باقی ماندہ (لوگوں) کو صبر کی طاقت عطا فرمائی، پھر اس بلا و مصیبت کو سرد کر کے ختم کر دیا کسی نے کیا خوب کہا ہے؎

من از نو روئے نہ پیچم گرم بیازاری ۔۔۔ کہ خوش بود ز عزیزاں تحمل و خواری

(ستانا تم کو آتا ہے منانا ہم کو آتا ہے ۔۔۔ تحمل اور خواری عاشقوں کا خاص شیوہ ہے)

مرحوم فرزندوں کے محاسن

میرا فرزند مرحوم (خواجہ محمد صادق) حق جل و علا کی آیات میں سے ایک آیت (نشانی) اور رب العالمین کی رحمتوں میں سے ایک رحمت تھا جو بتیس[۳۲] برس کی عمر میں اس نے وہ کچھ پایا کہ شاید ہی کسی کو نصیب ہوا ہو پایۂ مولویت اور علومِ عقلیہ و نقلیہ کی تدریس کو حدِ کمال تک پہنچایا تھا حتیٰ کہ اس کے شاگرد بیضاوی اور شرح مواقف وغیرہ کے پڑھانے میں اعلیٰ درجے کا ملکہ رکھتے ہیں، اس کی معرفت و عرفان کی حکایات اور شہود و کشف کے قصے بیان سے باہر ہیں۔ آپ کو معلوم ہے کہ آٹھ سال کی عمر میں وہ ایسا مغلوب الحال ہو جاتا تھا کہ ہمارے حضرت خواجہ (باقی باللہ) قدس سرہٗ اس کے حال کی تسکین اور معالجہ کے طور پر بازار کا مشکوک و مشتبہ کھانے سے علاج کرتے تھے۔ اور فرمایا کرتے تھے کہ "جسقدر مجھ کو محمد صادق سے محبت ہے کسی اور سے نہیں، اور اسی طرح جسقدر محبت اُس کو ہمارے ساتھ ہے اور کسی کے ساتھ نہیں"۔ اس کلام سے اس کی بزرگی کا اندازہ کرنا چاہیے ـــــ ولایتِ موسوی کو اس نے نقطۂ آخر تک پہنچایا تھا اور اُس ولایتِ علیہ کے عجائب و غرائب بیان کیا کرتا تھا، ہمیشہ خاشع، خاضع، ملتجی اور متضرع متذلل اور منکسر رہتا تھا، اور کہا کرتا تھا کہ ہر ایک ولی نے حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ سے کسی ایک چیز کی درخواست کی ہے اور میں نے التجا و تضرع چاہی ہے۔

اور محمد فرخ کی نسبت کیا لکھوں وہ گیارہ سال کی عمر میں طالب علم اور کافیہ خواں ہو گیا تھا اور بڑی سمجھ سے سبق پڑھا کرتا تھا اور ہمیشہ آخرت کے عذاب سے ڈرتا اور کانپتا رہتا تھا اور دعا کیا کرتا تھا کہ بچپن ہی میں دنیائے کمینی کو وداع کر دے تاکہ عذابِ آخرت سے نجات پائے۔ مرضِ موت میں جو احباب اس کی بیمار پرسی کو آتے تھے وہ عجائب و غرائب حالات اس سے مشاہدہ کرتے تھے۔

اور محمد عیسیٰ سے آٹھ سال کی عمر میں لوگوں نے اسقدر کرامات و خوارق دیکھے کہ بیان سے باہر ہیں

غرض (تینوں فرزند) جواہر نفیسہ تھے جو امانت کے طور پر ہمارے سپرد کئے ہوئے تھے، اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کا احسان ہے کہ بلا جبر و اکراہ امانت والوں کی امانت ادا کر دی گئی۔ اَللّٰھُمَّ لَا تَحْرِمْنَا اَجْرَھُمْ وَلَا تَفْتِنَّا بَعْدَھُمْ بِحُرْمَةِ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ عَلَیْهِ وَعَلَیْهِمُ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ (یا اللہ تو ان کے اجر سے ہم کو محروم نہ کیجیو اور ان کے بعد فتنے میں نہ ڈالیو بحرمۃ سید المرسلین علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات)۔ ع

از ہر چہ می رود سخنِ دوست خوشتر است (جس طرح بات اس کی ہو گی خوب ہے)

جاننا چاہئے کہ "فنا" سے مقصود جس سے حق سبحانہٗ کے ماسوا کا نسیان مراد ہے، یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے علاوہ (ہر چیز) کی محبت و گرفتاری (دل سے) دور ہو جائے۔ کیونکہ جب اشیاء کی ذوات و صفات اور افعال دید و دانش سے زائل ہو جاتے ہیں تو لازمی طور پر اُن سے محبت و گرفتاری بھی دُور زوال ہو جاتی ہے اور ولایت کی راہ میں حق جل و علا کے علاوہ کی گرفتاری کے زوال کے بغیر چارہ نہیں ——— اور قربِ نبوت کے مدارج میں اشیاء کی گرفتاری کے زوال کے لئے اشیا کا نسیان بالکل درکار نہیں ہے، کیونکہ قربِ نبوت میں اصل کے ساتھ گرفتاری بذاتِ خود حسین و جمیل ہے، وہ اس قابل نہیں چھوڑتی کہ اشیاء کے ساتھ گرفتاری جو اپنی ذات میں نہایت قبیح اور غیر مستحسن ہے اس کا نام و نشان بھی باقی رہے خواہ اشیاء سے فراموشی ہو یا نہ ہو، اس لئے کہ اشیاء کے علم نے ان کی گرفتاری کی وجہ سے اور حق تعالیٰ کی بارگاہ سے روگردانی مستلزم ہونے کی وجہ سے برائی کی صفت پیدا کر لی ہے، اور جب اشیا کی گرفتاری زائل ہو گئی تو علمِ اشیا بھی مذموم نہ رہا۔ علم اشیاء کیسے مذموم ہو سکتا ہے جبکہ تمام اشیاء کا علم حق جل سلطانہٗ کے علم میں ہے اور ان سب اشیاء کا علم صفاتِ کاملہ میں سے ہے۔

(سوال) اگر یہ کہا جائے کہ جب حق جل و علا کے سوا کا علم زائل نہیں ہوتا تو حق جل و علا کا علم ماسوائے حق جل شانہٗ کے علم کے ساتھ ایک وقت میں کیسے جمع ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا اس تعالیٰ شانہٗ کے ماسوا کے نسیان کے بغیر چارہ نہیں ہے ——— (جواب میں) ہم کہتے ہیں کہ وہ علم جس کا تعلق اشیاء سے ہے وہ علمِ حصولی کی قسم سے ہے اور وہ علم جو حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ سے تعلق پیدا کرتا ہے وہ علمِ حضوری کے مشابہ ہے۔ لہٰذا یہ دونوں علم ایک ہی وقت میں جمع ہو سکتے ہیں اور کوئی محذور و محال لازم نہیں آئے گا۔ محال اس وقت لازم آتا ہے جبکہ دونوں علم حصولی ہوں۔ ——— اور جو کچھ ہم نے کہا ہے کہ ایک علم، علمِ حصولی کی قسم سے ہے اور دوسرا علمِ حضوری کے

مشابہ ہے کیونکہ وہاں نہ تو حقیقتِ حصول ہے اور نہ گنجائشِ حضور ـــــ اور حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ کا وہ علم جو اشیاء سے تعلق رکھتا ہے حصولی نہیں ہے کیونکہ ممکنات کو حق تعالیٰ کی ذات وصفات میں کوئی حلول (سرایت) اور کوئی حصول نہیں ہے اور عارف کا علم اسی علمِ اعلیٰ کا پرتو ہے ـــــ اور وہ علم جو حضرتِ حق سبحانہٗ سے متعلق ہے اس کو حضوری بھی نہیں کہہ سکتے کیونکہ وہ تعالیٰ مدرک کے ادراک سے بھی زیادہ نزدیک ہے۔ علمِ حضوری کو اس علم کے ساتھ وہی نسبت ہے جو علمِ حصولی کو علمِ حضوری کے ساتھ ہے۔ یہ معرفت عقل وفکر کے طور سے وراء (بالاتر) ہے۔ مَنْ لَّمْ یَذُقْ لَمْ یَدْرِ (جس نے چکھا ہی نہیں وہ اس کے مزہ کو کیا جانے) ـــــ لہذا یہ بات ثابت ہو گئی کہ علمِ اشیا حق جل وعلا کے علم کے منافی نہیں ہے لہذا اشیاء کا نسیان کچھ ضروری نہیں بخلاف ولایت کے طریقے کے کہ وہاں اشیا کی گرفتاری کے زوال کے بغیر اشیاء کی فراموشی متصور نہیں ہے کیونکہ ولایت میں گرفتاریٔ ظلال ہوتی ہے البتہ گرفتاریٔ ظلال کو اس قدر قوت حاصل نہیں ہے کہ علمِ اشیا کے باوجود اشیاء کی گرفتاری کو زائل کر سکے، لہذا پہلے اشیاء کا نسیان ہونا ضروری ہے تاکہ گرفتاری زائل ہو جائے ـــــ یہ ایک ایسی معرفت ہے جو اس درویش کے ساتھ مخصوص ہے اور کسی دوسرے نے اس کی نسبت کلام نہیں کیا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ ھَدٰنَا لِھٰذَا وَمَا کُنَّا لِنَھْتَدِیَ لَوْلَآ اَنْ ھَدٰنَا اللّٰہُ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ (اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے ہم کو ہدایت دی اگر وہ ہدایت نہ دیتا تو ہم ہدایت نہ پاتے بیشک ہمارے رب کی طرف سے رسول حق بات لے کر آئے) (اعراف آیت ۴۳)

مکتوب ۳۰۷ (سہ صد و ہفتم)

مولانا عبد الواحد لاہوری[1] کی طرف صادر فرمایا ـــــ کلمۂ طیبہ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ کے معنی اور اس کے مناسب بیان میں۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ حمد وصلوٰۃ کے بعد واضح ہو کہ (حق تعالیٰ کی عبادت کرنے والا عبادت کی ادائیگی کے دوران جو کچھ حسن وکمال کی قسم سے اپنی عبادت میں پاتا ہے وہ سب توفیقِ خداوند جل سلطانہٗ کی طرف راجع ہے اور اسی تعالیٰ ہی کی حُسنِ تربیت اور احسان سے ہے اور جو کچھ

---

[1] آپ کے نام متعدد مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۱۱۶ پر گزر چکا ہے۔

کوتاہی و ناتمامی کی قسم سے اپنی عبادت میں پاتا ہے وہ سب اس کے اپنے نفس کی طرف راجع ہے اور اس کی جبلی شرارت کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے ورنہ اس بزرگ و برتر کی بارگاہ میں نقص و قصور کی قسم سے کوئی چیز راجع نہیں ہے وہاں تو سب خیر و کمال ہی ہے۔ اور اسی طرح جو کچھ اس جہان میں واقع ہوتا ہے اس کا حسن و کمال بھی حق تعالیٰ کی پاک بارگاہ کی طرف راجع ہے (لیکن) اس عالم کا شر و نقص ممکنات کے دائرے کی طرف عود کرتا ہے جو نیستی میں قدم راسخ رکھتا ہے اور عدم ہر شر و نقص کے پیدا ہونے کی جگہ ہے۔

سبحان اللہ وبحمدہ کے فضائل

کلمۂ طیبہ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ (اللہ تعالیٰ پاک ہے اور اسی کے لئے حمد و شکر ہے) پوری بلاغت کے ساتھ ان دو چیزوں کو بیان فرماتا ہے ــــ اس کلمہ کا جزو اول (سُبْحَانَ اللّٰہِ) حق تعالیٰ کی کمال درجہ تنزیہ و تقدیس ظاہر کرتا ہے اور ان تمام شرور و نقائص سے جو اس تعالیٰ کی پاک بارگاہ کے شایاں نہیں ہیں پاکی بیان کرتا ہے ــــ اور (جزو ثانی وَبِحَمْدِہٖ) حمد کے ساتھ ساتھ شکر کی ادائیگی سے عبارت ہے اور ہر شکر کی اصل ہے، حق تعالیٰ کی صفات و افعالِ جمیلہ اور انعامات و احسانات جزیلہ پر شکر ادا کرتا ہے جیسا کہ حدیثِ نبوی علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات میں آیا ہے کہ جو شخص اس کلمہ (سبحان اللہ وبحمدہ) کو دن یا رات میں سو بار پڑھے تو کوئی شخص بھی اس دن رات میں اس کی برابری نہیں کر سکتا مگر وہ شخص جو اس کلمۂ طیبہ کو پڑھے، اور کیسے برابری کر سکتا ہے جبکہ اس کا ہر عمل اور اس کی ہر عبارت خداوند جل سلطانہ کے شکر میں سے ایک شکر کی ادائیگی ہے جو اس کلمۂ طیبہ کے دوسرے جزو (بحمدہ) سے ادا ہوتا ہے۔ اور اس کا دوسرا جزو (سبحان اللہ) جس میں حق تعالیٰ کی تنزیہ و تقدیس کا بیان ہے علیحدہ ہے لہٰذا آپ اس کلمہ طیبہ کو رات دن میں سو مرتبہ پڑھنا اپنے اوپر لازم کر لیں۔ اللہ تعالیٰ توفیق دینے والا ہے۔

سوال: ۔ حدیثِ نبوی علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات میں وارد ہے: سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ عَدَدَ خَلْقِہٖ وَرِضَا نَفْسِہٖ وَزِنَۃَ عَرْشِہٖ وَمِدَادَ کَلِمَاتِہٖ[1] (اللہ تعالیٰ پاک ہے اور اسی کے لئے سب تعریفیں ہیں اس کی مخلوق کی مقدار میں، اور ایسی عمدہ تسبیح جو اس کی رضا کے مطابق ہو اور عرش کے وزن کے جتنی برابر ہو اور اس کے کلمات کی مقدار کے برابر ہو) ــــ اور (حدیث شریف میں) یہ بھی آیا ہے: سُبْحَانَ اللّٰہِ مِلْأُ الْمِیْزَانِ (اللہ تعالیٰ کی ایسی تسبیح جو میزان کو بھر دے) ــــ اور یہ بھی آیا ہے: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اَضْعَافَ مَا حَمِدَہٗ جَمِیْعُ خَلْقِہٖ (اللہ تعالیٰ ہی کے لئے تمام تعریفیں ہیں اس سے کئی گنا زیادہ جو اس کی تمام مخلوق نے کی ہیں) ــــ حالانکہ کہنے والے نے (ان کلمات کو) ایک مرتبہ

[1] مشکوٰۃ بحوالہ مسلم شریف۔

زیادہ نہیں کہا اور ایک دفعہ سے زیادہ واقع نہیں ہوا پھر اس کو عَدَدَ خَلْقِہٖ کس اعتبار سے کہتے ہیں اور رِضَا نَفْسِہٖ کس معنی کے لحاظ سے کہیں اور زِنَۃَ عَرْشِہٖ کس طرح ہوگا اور مِدَادَ کَلِمَاتِہٖ کیسے درست ہوگا اور میزان کو کیسے بھر دے گا اور اَضْعَافَ مَا حَمِدَہٗ جَمِیْعُ خَلْقِہٖ کس معنی کے لحاظ سے کہا جائے گا؟

(جواب میں) ہم کہتے ہیں کہ "انسان" عالمِ خلق اور عالمِ امر کا جامع ہے اور جو کچھ خلق اور امر میں ہے وہ انسان میں زائد شے کے ساتھ موجود ہے اور وہ اس کی ہیئتِ وحدانی ہے جو خلق و امر کی ترکیب سے پیدا ہوئی ہے اور یہ ہیئتِ وحدانی انسان کے علاوہ کسی اور کو میسر نہیں ہوئی اور یہ ہیئت ایک غریب عجوبہ اور عجیب نمونہ ہے۔ لہذا وہ حمد جو انسان سے وقوع میں آتی ہے وہ تمام خلائق کی حمد سے کئی گنا زیادہ ہے۔ اسی قیاس پر تمام سوالات کا حل سمجھ لیں ——— پس تمام مخلوق سے انسان کے علاوہ مراد لینی چاہئے اور اگر انسان کو بھی اس میں شامل کر لیں تو ہم کہتے ہیں کہ جس طرح انسانِ کامل تمام افرادِ عالم کو اپنے اجزا پاتا ہے اسی طرح افرادِ انسان کو بھی اپنے اجزا پاتا ہے اور اپنے آپ کو سب کا کُل جانتا ہے۔ اس صورت میں اپنی حمد کو تمام عالم کی حمد سے کئی گنا زیادہ معلوم کرتا ہے اور تمام افرادِ انسانی کی حمد سے بھی اپنی حمد کو کئی گنا زیادہ پائے گا ——— وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَۃَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ مِنَ الصَّلَوَاتِ اَتَمُّھَا وَمِنَ التَّحِیَّاتِ اَکْمَلُھَا (اور سلام ہو اس شخص پر جو ہدایت کی پیروی کرے اور حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کو اپنے اوپر لازم کرے)۔

مولانا فیض اللہ پانی پتی[1] کی طرف صادر فرمایا ——— حدیث نبوی علی صاحبہا الصلوۃ والسلام کَلِمَتَانِ خَفِیْفَتَانِ عَلَی اللِّسَانِ ثَقِیْلَتَانِ فِی الْمِیْزَانِ حَبِیْبَتَانِ اِلَی الرَّحْمٰنِ "سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ" کے معنی کے بیان میں۔

اللہ تعالیٰ آپ کو ہدایت فرمائے: جاننا چاہئے کہ آنحضرت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا[2] کہ دو کلمے ایسے ہیں جو زبان پر ہلکے اور میزان میں بھاری ہیں اور رحمٰن کے نزدیک بہت پسندیدہ ہیں (وہ یہ ہیں)

[1] آپ کے نام صرف یہی ایک مکتوب ہے اور حالات معلوم نہ ہو سکے۔

سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ (اللہ تعالیٰ پاک و منزہ ہے اور اسی کے لئے تمام حمد اور شکر ہے، اللہ تعالیٰ پاک ہے اور بہت عظیم ہے) ـــــ ان دونوں کلموں کا زبان پر ہلکا ہونا قلتِ حروف کی وجہ سے تو ظاہر ہی ہے لیکن میزان میں ان کا بھاری ہونا اور رحمٰن کے نزدیک پسندیدہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ پہلے کلمہ کا جزوِ اول (سبحان اللہ) ظاہر کرتا ہے کہ حق تعالیٰ ان تمام باتوں سے جو اس کی جنابِ قدس عزوجل کے لائق نہیں ہیں منزہ اور پاک ہے، نیز اس کی بارگاہ کبریا کا تمام نقائص اور حدوث و زوال کے نشانات سے پاک و منزہ ہونا ظاہر کرتا ہے ـــــ اور اس کلمہ کا دوسرا جزو (وبحمدہٖ) اللہ تعالیٰ کی صفاتِ کمال اور شیوناتِ جمال کا ثبوت بہم پہنچاتا ہے، خواہ وہ صفات و شیونات فضائل میں سے ہوں یا فواضل میں سے، دونوں چیزوں میں اضافت استغراق کے لئے ہے تاکہ تمام تنزیہات و تقدیسات اور کمال و جمال کے تمام صفات حق تعالیٰ ہی کے اثبات کا فائدہ دیں پس کلمۂ اولیٰ (سبحان اللہ وبحمدہ) کے دونوں اجزا کا حاصل اور خلاصہ یہ ہے کہ تمام تنزیہات و تقدیسات حق تعالیٰ ہی کی طرف راجع ہیں اور تمام صفات کمال و جمال بھی اسی ذات عزوجل کے لئے ثابت ہیں۔ ـــــ اور کلمۂ ثانیہ (سبحان اللہ العظیم) کا حاصل یہ ہے کہ تمام تنزیہات و تقدیسات اسی ذات عزوجل کے لئے ہیں اور عظمت و کبریائی کا اثبات بھی اسی کے لئے ہے، اور ان کلمات میں اس امر کی طرف بھی اشارہ ہے کہ تمام نقائص حق تعالیٰ سے اس کی عظمت و کبریائی کے باعث مسلوب ہیں۔ اسی وجہ سے یہ دونوں کلمے میزان میں بھاری اور خدائے رحمٰن کے نزدیک محبوب ہیں۔

اور نیز تسبیح "توبہ" کی کنجی بلکہ توبہ کا خلاصہ ہے جیسا کہ بعض مکاتیب میں اس کی تحقیق کر چکا ہوں لہٰذا تسبیح گناہوں کے محو کرنے اور خطاؤں کے معاف ہونے کا وسیلہ ہے، اس وجہ سے بھی یہ کلمے میزان میں بھاری اور نیکیوں کے پلے کو جھکانے والے اور رحمٰن کو پیارے ہیں کیونکہ حق تعالیٰ عفو کو پسند فرماتا ہے۔ اور اسی طرح تسبیح اور حمد کرنے والا جب حق تعالیٰ کی پاک بارگاہ کو اس کی شان کے خلاف چیزوں سے پاک اور منزہ ظاہر کرتا ہے اور اس بلند و برتر ذات کے لئے صفاتِ کمال و جمال کا اثبات کرتا ہے تو حق جل شانہٗ کریم و وہاب سے بھی امید ہے کہ وہ تسبیح کرنے والے کو نیز سب باتوں سے پاک کر دے گا اور حمد کرنے والے میں صفاتِ کمال پیدا کر دے گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ (رحمٰن آیت ۶۰) (نیکی کا بدلہ نیکی کے سوا کچھ نہیں ہے) ـــــ لہٰذا لازمی طور پر یہ دونوں کلمے میزان میں بھاری ہیں کیونکہ ان کے تکرار کی وجہ سے گناہ محو ہو جاتے ہیں اور چونکہ خدائے رحمٰن کو پسندیدہ ہیں اس لئے اس کے واسطے سے اچھے اخلاق پیدا ہوتے ہیں۔ والسلام

مولانا حاجی محمد فرکتی کی طرف صادر فرمایا[1] ــــــ دن رات کے محاسبہ کے بارے میں جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے: حَاسِبُوْا قَبْلَ اَنْ تُحَاسَبُوْا (اپنا محاسبہ کرو قبل اس کے کہ تمہارا محاسبہ ہو)۔

حمد و صلوٰۃ اور تبلیغ دعوات کے بعد واضح ہو کہ مشائخ کرام قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کی ایک جماعت نے محاسبہ کا طریقہ (اس طرح) اختیار کیا ہے کہ وہ رات کو سونے سے پہلے اپنے دن بھر کے اقوال و افعال اور حرکات و سکنات کے دفتر کو ملاحظہ کرتے ہیں اور ہر ایک عمل کی حقیقت کا تفصیلی جائزہ لیتے ہیں اور اپنے قصوروں اور گناہوں کا توبہ و استغفار اور التجا و تضرع کے ذریعہ تدارک کرتے ہیں، اور اپنے نیک اعمال و افعال کو حق تعالیٰ کی توفیق کی طرف منسوب کر کے حق جل و علا کی حمد اور اس کا شکر بجا لاتے ہیں ــــــ صاحبِ فتوحات مکیہ (شیخ ابن عربی) قدس سرہ جو کہ محاسبہ کرنے والوں میں سے ہیں فرماتے ہیں کہ "میں اپنے محاسبہ میں دوسرے مشائخ سے بڑھ گیا ہوں اور میں اپنے (قلبی) خطروں اور نیتوں کا بھی محاسبہ کرتا ہوں ــــــ اور اس فقیر کے نزدیک سونے سے پہلے سو سو مرتبہ تسبیح، تحمید اور تکبیر (سبحان اللہ، الحمد للہ اور اللہ اکبر) کا پڑھنا جس طرح کہ مخبر صادق علیہ و علیٰ آلہ الصلوات و التسلیمات سے ثابت ہے محاسبہ کا حکم رکھتا ہے اور محاسبہ کا کام دیتا ہے۔ گویا ان کلمات کا پڑھنے والا کلمہ تسبیح کے تکرار سے جو کہ توبہ کی کنجی ہے اپنی تقصیرات اور برائیوں سے عذر خواہی کرتا ہے اور حق تعالیٰ کی مقدس بارگاہ کو ان امور سے جن کے باعث وہ ان برائیوں کا مرتکب ہوا ہے منزہ اور مبرا ظاہر کرتا ہے کیونکہ برائیوں کے مرتکب کو اگر امر و نہی کے احکام صادر کرنے والی ذات تعالیٰ و تقدس کی عظمت و کبریائی ملحوظ و منظور ہوتی تو وہ حق تعالیٰ کے حکم کے بجا لانے میں ہرگز سبقت و دلیری نہ کرتا، اور جب اس نے حکم نہ ماننے پر دلیری کی تو معلوم ہوا کہ اس مرتکب کے نزدیک حق تعالیٰ کے امر و نہی کا کچھ اعتبار و شمار نہیں تھا اَعَاذَنَا اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ مِنْ ذٰلِکَ (اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے بچائے) پس وہ اس کلمہ تنزیہ کے تکرار سے اس کوتاہی کی تلافی کرتا ہے۔

---

[1] آپ کے نام چار مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۲۳۵ پر گذر چکا ہے۔

نیز جاننا چاہیے کہ استغفار کرنے میں گناہوں کے ڈھانپنے کی طلب ہے اور کلمۂ تنزیہ کے تکرار میں گناہ کے بیخ کنی کی طلب ہے۔ یہ (دونوں کلمے سبحان اللہ اور استغفار) کس طرح برابر ہو سکتے ہیں۔ سبحان اللہ ایک ایسا عجیب کلمہ ہے کہ اس کے الفاظ بہت کم ہیں لیکن اس کے معانی و منافع بہت زیادہ ہیں، اور کلمۂ تحمید (الحمد للہ) کی تکرار سے حق تعالیٰ کی توفیق اور اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرنا ہے، اور کلمۂ تکبیر (اللہ اکبر) کی تکرار میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس کی پاک بارگاہ اس سے بہت ہی بلند ہے کہ یہ عذر خواہی اور شکر گذاری اس ذات جل شانہٗ کے لائق ہو، کیونکہ اس کی عذر خواہی اور استغفار بہت سی عذر خواہیوں اور استغفارات کی محتاج ہے اور اس (بندہ) کا حمد کرنا اس کے اپنے نفس کی طرف راجع ہے (نہ کہ حق تعالیٰ کی طرف)۔ سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ ۝ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ ۝ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ (صٰفٰت ۳ آیت ۱۸۰ تا ۱۸۲) (پاک ہے تمہارا رب عزت والا ان باتوں سے جو یہ بیان کرتے ہیں اور سلام ہو تمام رسولوں پر اور تمام تعریف اللہ رب العالمین کے لئے ہے)۔

محاسبہ کرنے والے شکر اور استغفار پر اکتفا کرتے ہیں لیکن ان کلماتِ قدسیہ کے ساتھ استغفار کا کام بھی ہو جاتا ہے اور شکر بھی ادا ہو جاتا ہے، اور نیز استغفار اور شکر کے نقص کا اظہار کرنے کی طرف بھی اشارہ ہو جاتا ہے۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ (بقرہ ۲ آیت ۱۲۷) (اے رب ہماری یہ دعا قبول فرما) وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ سیدنا محمد وعلیٰ آلہ وصحبہ الطاہرین وسلم وبارک علیہ وعلیہم اجمعین۔
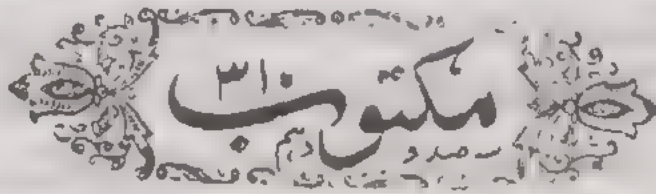
مولانا محمد ہاشمؒ[1] کی طرف صادر فرمایا ـــــــ انسان کی جامعیت اور بعض ان پوشیدہ اسرار کے بارے میں جو اس مقام سے تعلق رکھتے ہیں اور اس کے مناسب بیان میں۔

حمد و صلوٰۃ کے بعد واضح ہو کہ انسان میں جو کچھ کمالات ہیں وہ سب مرتبۂ وجوب تعالت و تقدست سے مستفاد ہیں، اگر علم ہے تو وہ بھی اس مرتبہ کے علم سے مستفاد ہے اور اگر قدرت ہے تو وہ بھی اسی مرتبہ کی قدرت سے ماخوذ ہے، علیٰ ہذا القیاس۔ لیکن ہر مرتبہ کا کمال اس مرتبہ کے اندازے کے موافق ہے۔ انسان کے

---

[1] آپ کے نام تیرہ ۱۳ مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۲۹ پر گذر چکا ہے۔

علم کو واجب تعالیٰ کے علم کے سامنے وہ نسبت ہے جو مُردے کا حکم رکھتا ہے اور لاشئے محض ہے اس کو اس زندہ کے ساتھ نسبت ہے جس نے حیاتِ ابدی سے زندگی پائی ہو۔ اسی طرح انسان کی قدرت کو واجب تعالیٰ کی قدرت کے سامنے وہ نسبت ہے جو عنکبوت (مکڑی) کو جو (اپنے لعاب سے) اپنا گھر بناتی ہے اس شخص کے ساتھ نسبت ہے جس کی ایک پھونک سے زمین و آسمان اور پہاڑ و دریا ریزہ ریزہ ہو کر گرد و غبار کی طرح اُڑ جائیں دوسرے کمالات کی نسبت کو بھی اسی پر قیاس کرنا چاہئے۔ یہ فرق بھی میدانِ عبارت کی تنگی کے باعث بیان کیا گیا ہے ورنہ ؎ چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک (کہاں خاک اور کہاں ہے عالمِ پاک)

پس انسان کے کمالات مرتبۂ وجوب تعالیٰ و تقدس کے کمالات کی صورت کی طرح ہوئے لیکن ان کمالات نے اس مرتبہ کے کمالات سے مشارکتِ اسمی کے سوا اور کچھ حاصل نہیں کیا، اسی لئے فرمایا ہے إِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ (بیشک اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی (صفاتی) صورت پر پیدا کیا) اور مَنْ عَرَفَ نَفْسَہٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّہٗ (جس نے اپنی حقیقتِ نفس کی پہچان لیا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا) کے معنی اس بیان سے بھی واضح ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ جو کچھ نفسِ (انسانی) میں ہے وہ اس کی (ظاہری) صورت ہے اور اس کی اصل و حقیقت وہ ہے جو مرتبۂ وجوب تعالیٰ و تقدس کے مرتبہ میں حاصل ہے۔ اس بیان سے انسان کی خلافت کے راز کو سمجھنا چاہئے، کیونکہ شئے کی صورت ہی شئے کا خلیفہ ہوتی ہے۔

اس مقام میں زندیقوں اور فرقۂ مجسمہ نے (وہ لوگ جو حق تعالیٰ کے لئے جسم کے قائل ہیں) گمان کیا ہے کہ حق تعالیٰ عزوجل سلطانہٗ انسان کی صورت پر ہے، اور اپنی بے وقوفی کی وجہ سے انسانی قویٰ اور اعضا کو حضرت جل سلطانہٗ کے لئے اثبات کیا ہے، ضَلُّوْا فَاَضَلُّوْا (خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا) اور یہ نہ جانا کہ اس کی صورت اور مثل کا اطلاق حق جل و علا میں تشبیہ و تمثیل کی قسم سے ہے (یعنی استعارہ اور مجاز کے طور پر ہے) نہ کہ تحقیق اور ثبوت کے طور پر کیونکہ اس صورت کی حقیقت ترکیب چاہتی ہے اور تبعض و تجزی (ٹکڑے ٹکڑے اور اجزا) کی خواہاں ہے جو وجوب کے منافی اور قِدم کے مانع ہے۔ متشابہاتِ قرآنی بھی ظاہری معنوں پر نہیں بلکہ تاویل پر محمول ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَمَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَہٗٓ اِلَّا اللّٰہُ (آل عمران آیت ۳) (اس کی تاویل اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا)۔ یعنی اس متشابہ کی تاویل (اصل مراد) کو اللہ عزوجل کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ حق جل و علا کے نزدیک متشابہ بھی تاویل پر محمول اور ظاہر سے مصروف ہیں۔ (یعنی ظاہری

معنی پر محمول نہیں) ——— اور علمائے راسخین کو بھی اس تاویل کے علم سے ایک حصہ عطا فرمایا ہے۔ چنانچہ علمِ غیب جو اس سبحانہٗ ہی کے لئے مخصوص ہے اپنے خاص رسولوں کو اس سے اطلاع بخشتا ہے۔ اس تاویل کے متعلق یہ خیال نہ کریں کہ جس طرح "ید" کی تاویل قدرت سے اور "وجہ" کی تاویل ذات سے کرتے ہیں، ہرگز ایسا نہیں ہے بلکہ وہ تاویل ان اسرار میں سے ہے جس کا علم اخص خواص کو عطا فرماتا ہے۔

جاننا چاہئے کہ صاحبِ فتوحاتِ مکیہ (شیخ ابنِ عربیؒ) اور ان کے متبعین کہتے ہیں کہ جس طرح واجب تعالیٰ وتقدس کی صفات اس کی ذات کا عین ہیں اسی طرح یہ صفات بھی ایک دوسرے کے عین ہیں، مثلاً علم جس طرح اس کی ذات کا عین ہے اس کی قدرت کا بھی عین ہے اور اسی طرح عین ارادہ، عین سمع اور عین بصر بھی ہے علیٰ ہذا القیاس اسی طرح تمام صفات۔

یہ بات فقیر کے نزدیک صواب سے دُور ہے کیونکہ یہ بات صفاتِ زائدہ کے وجود کی نفی پر مبنی ہے جو اہلِ سنت وجماعت کے مذہب کے خلاف ہے کیونکہ صفاتِ ثمانیہ (آٹھ صفات) یا سبع (سات) ان بزرگوں کی آراء کے موافق خارج میں موجود ہیں۔ شاید کہ ذات وصفاتِ واجبی تعالیٰ وتقدس کی عینیت (اتحاد) کا وہم ان (شیخ ابنِ عربیؒ وغیرہ) کو اس وجہ سے پیدا ہوا ہے کہ انھوں نے (ذات وصفاتِ واجبی) کے تغایر وتباین (غیر اور جُدا ہونے) کو اس مقام (یعنی ذات وصفاتِ ممکنات) کے تغایر وتباین کے رنگ میں خیال کیا ہے، اور جب ان کو اس مقام میں جو کہ ہمارے ذات وصفات کے تغایر وتباین کے رنگ میں ہے نہ پایا اور ان کے تمایز (ممتاز کرنے والی کیفیت) کو ان تمایز کے مشابہ نہ دیکھا تو لازمی طور پر انھوں نے تغایر وتمایز کی نفی کا حکم کردیا اور ایک دوسرے کی عینیت کے قائل ہوگئے ——— انھوں نے یہ نہ سمجھا کہ اس مقام کے تمایز وتباین ذات وصفاتِ واجبی تعالیٰ کے مانند بیچون وبے چگونہ (بے مثل وبے کیف) ہیں اور ان تمایز کو ان تمایز کے ساتھ سوائے ظاہری صورت اور نام کے کوئی نسبت نہیں۔ لہٰذا اس مقام میں تباین وتمایز متحقق ہیں لیکن ہم اس کے ادراک سے عاجز ہیں، نہ یہ کہ جس چیز کا ہم ادراک نہیں کرسکتے اس کی نفی کردیں اور اہلِ حق کے مخالف ہوجائیں۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهٗ الْمُلْهِمُ لِلصَّوَابِ (اور اللہ تعالیٰ سبحانہٗ ہی صحیح بات کا الہام کرنے والا ہے)۔
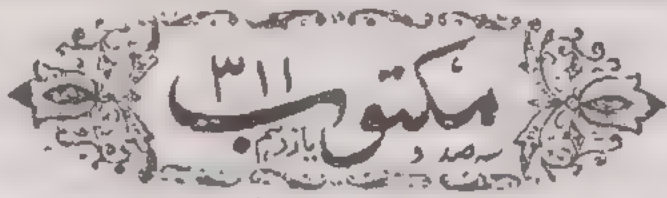
مظہر فیضِ الٰہی و منظر اسرار نامتناہی مخدوم زادہ خواجہ محمد سعیدؒ سلمہ اللہ تعالیٰ کی طرف صادر فرمایا۔

—— رموز و اشارہ کے طور پر دقیق اسرار اور نادر حقائق کے بیان میں۔

یہ اسرار "حروفِ مقطعات" سے متعلق ہیں جو قرآنی آیاتِ متشابہات" میں سے ہیں، اور جن کی تاویل سے علمائے راسخین کو اطلاع دی گئی ہے۔ (مثلاً اَلٰمٓ (سے متعلق بیت ملاحظہ ہو) ؎

ھائے دو چشمی است مربّیِ ما	ہمچو الف ربِّ حبیبِ خدا
لام مربّی خلیل اللہ است	میم ز تدبیر کلیم آگہ است
(ہائے دو چشمی ہے مُربّی مرا	جیسے الف ربِّ حبیبِ خدا
لام مربی ہے براہیمؑ کا	موسیٰؑ تدبیر ہے بسر میم کا)

حضرت کلیم علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کاروبار کی ابتدا "حقیقتِ الف" ہے اور اس حقیر کے معاملہ کا مبدا بھی نسبت و وراثت کے طور پر یہی "حقیقتِ الف" ہے لیکن حضرت کلیم علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بازگشت "حقیقتِ میم" کی طرف ہے اور اس حقیر کی بازگشت "حقیقتِ ہائے دو چشمی" کی طرف ہے۔ ابھی تک میرا مرجع وماویٰ (جائے پناہ) یہی "ھا" کی حقیقت ہے۔ اور یہ حقیقت وہی ہے جس کو "غیبِ ہُویت" سے تعبیر کرتے ہیں، اور یہ حقیقت "گنجینۂ رحمت" (رحمت کا خزانہ) ہے۔ ایک رحمت تو اس دنیا میں پھیلادی گئی اور ننانوے رحمتیں جو آخرت کے لئے بطور ذخیرہ ہیں ان سب کی مستقر و مستودع (جائے قرار و امانت گاہ) یہی حقیقت ہے، گویا کہ اس کا ایک چشمہ دنیا کی رحمت کا مخزن ہے اور دوسرا آخرت کا گنجینۂ رحمت ہے۔ ارحم الراحمین کی صفت اسی حقیقت سے ظہور پذیر ہوتی ہے ——

—— اس مقام (آخرت) میں "جمالِ صرف" کا ظہور ہے کہ اس میں جلال کی ذرہ برابر بھی آمیزش نہیں۔ دوستوں کو جو کچھ دنیا میں محنت و مشقت دی جاتی ہے وہ "تربیتِ جمال" ہے جو "جلال" کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے، اور دشمنوں کو دنیا میں جو نعمتیں اور خوشی دی جاتی ہ

ل آپ کے نام ۲۴ مکتوبات ہیں جن کی تفصیل اور تذکرہ مکتوب ۲۵۹ پر گذر چکا ہے۔

وہ جلال کا ظہور ہے جو جمال کی صورت میں ظاہر ہوا ہے، یہ اللہ جل سلطانہ کی خفیہ تدبیر ہے :-
يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّ يَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا (بقرہ آیۃ ۲۶) (اللہ تعالیٰ) گمراہ کرتا ہے اس سے بہت لوگوں کو اور ہدایت دیتا ہے اس سے بہت لوگوں کو۔

اور حضرت خاتم الرسل علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کے کاروبار کی ابتدا ایسی حقیقت سے ہے جو "حقیقتِ الف" سے فوق ہے اور اسی طرح حضرت خلیل علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا مبدأ بھی "حقیقتِ فوقانی" ہے ——— خلاصۂ کلام یہ ہے کہ حضرت خاتم الرسلؐ کے مبدأ کی حقیقت اس حقیقت کا اجمال ہے اور حضرت خلیلؑ کے مبدأ کی حقیقت اس حقیقت کی تفصیل ہے علیہم الصلوات والتسلیمات اتمہا واکملہا ——— اور حضرت خاتم الرسل علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کی بازگشت "حقیقتِ الف" ہے، اور حضرت خلیل علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی بازگشت "حقیقتِ لام" ہے۔ ہاں اجمال کو وحدت کے ساتھ زیادہ مناسبت ہے اس وجہ سے الف کی طرف مراجعت میسر ہوئی جو وحدت کے قریب ہے۔ اور تفصیل کو چونکہ کثرت کے ساتھ زیادہ مناسبت ہے اس لئے اس کو لام کی طرف بازگشت حاصل ہوئی جو کثرت کے نزدیک ہے۔ لہذا حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام مبدأ میں بھی کثیر البرکت ہیں اور معاد و مرجع میں بھی ——— یہی وجہ ہے کہ حضرت سید البشر علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام کی صلوٰۃ و برکت حضرت خلیل علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی صلوٰۃ و برکت کی مانند و مماثل ہیں (جیسا کہ اللہ تعالیٰ سے ہم اس کا سوال کرتے ہیں)، اور اللہ تعالیٰ کے اسماء میں ان کا مرتبہ صفات کے مرتبہ سے بلند و بالا ہے ——
حضرت خاتم الرسل علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کے رب کا اسم مبارک "اللہ" ہے تعالیٰ شانہ۔ اور اس حقیر کے رب کا اسم مبارک "الرحمن" ہے جل وعلا۔ اور چونکہ اس حقیر کو مبدأ کے لحاظ سے حضرت کلیم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ زیادہ مناسبت ہے، لہذا لازمی طور پر آں حضرت (کلیم) سے بہت زیادہ برکات اس حقیر کو پہنچی ہیں اگرچہ اس حقیر کی ولایت، ولایتِ موسوی نہیں ہے لیکن اس ولایت کی برکات بہت پہنچی ہیں اور بہت زیادہ ترقی اس راستے سے حاصل کی ہیں۔
اور اس حقیر نے اس ولایت سے جو استفادہ کیا ہے وہ اس ولایت کے اجمال کی راہ سے کیا ہے ——— اور میرے فرزند اعظم (خواجہ محمد صادق) نے اس ولایت سے تفصیلاً استفادہ کیا ہے ——— اس فقیر کی ولایت جو ولایت موسوی سے مستفاد ہے اس مومن آدمی[1] کی ولایت کے مانند ہے جو آل فرعون سے تھا اور میرے فرزند علیہ الرحمہ کی ولایت فرعون کے جادوگروں کی ولایت کے مشابہ ہے جو ایمان لے آئے تھے۔ والسلام

---

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو سورہ مومن[1] آیت ۲۸۔

میر محمد نعمانؒ کی طرف صادر فرمایا ـــــ ان سوالات کے جواب میں جو اشارہ سبابہ کی تحقیق میں دریافت کئے تھے اور اس بارے میں علمائے حنفیہ کا مختار مذہب کیا ہے؟

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَعَلٰی اِخْوَانِہٖ مِنَ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ وَالْمَلٰئِکَۃِ الْمُقَرَّبِیْنَ وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصّٰلِحِیْنَ اَجْمَعِیْنَ (تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام عالموں کا پروردگار ہے اور حضرت سید المرسلین اور آپ کے تمام بھائیوں انبیاء و المرسلین اور ملائکہ مقربین اور اللہ تعالیٰ کے بندوں پر صلوٰۃ و سلام ہو) ـــــ مکتوب شریف جو آپ نے ملا محمود کے ہمراہ ارسال کیا تھا موصول ہو کر بہت خوشی کا باعث ہوا ـــــ آپ نے دریافت کیا تھا کہ علما کہتے ہیں کہ مدینہ منورہ میں روضہ متبرکہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کی زمین مکہ معظمہ سے بزرگ تر ہے۔ حالانکہ صورت و حقیقتِ کعبہ معظمہ، صورت و حقیقتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کی مسجود الیہ ہے تو پھر روضہ متبرکہ کی زمین کس لحاظ سے بزرگ تر ہوگی؟ ـــــ میرے مخدوم! جو کچھ اس فقیر کے نزدیک ثابت ہوا ہے وہ یہ ہے کہ کعبہ معظمہ بہترین جگہوں میں سے ہے، اس کے بعد روضہ مقدسہ مدینہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ ہے، اس کے بعد زمینِ حرم مکہ حَرَسَہَا اللّٰہُ تَعَالٰی عَنِ الْاٰفَاتِ (اللہ تعالیٰ اس کو آفات سے محفوظ رکھے)۔ اگر علماء نے روضہ متبرکہ (کی زمین) کو مکہ معظمہ (کی زمین) سے بہتر کہا ہے تو اس سے مراد مکہ معظمہ کی زمین کعبہ مقدسہ کے علاوہ ہوگی۔

اسی طرح آپ نے اشارہ سبابہ[2] کے جائز ہونے کے بارے میں دریافت کیا تھا اور مولانا علم اللہ مرحوم کا لکھا ہوا رسالہ بھیجا ہے کہ اس باب میں آپ کا کیا حکم ہے؟ ـــــ میرے مخدوم! حدیثِ نبوی علیٰ مصدرہا الصلوٰۃ والسلام اشارہ سبابہ کے جائز ہونے کے بارے میں بہت زیادہ وارد ہوئی ہیں اور فقہ حنفیہ کی بعض روایات بھی اس بارے میں آئی ہیں جیسا کہ مولانا (علم اللہ) نے اپنے رسالے میں لکھا ہے لیکن جب فقہ حنفیہ کی کتابوں کو بغور ملاحظہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اشارہ کے جائز ہونے کی روایات

---

[1] آپ کے نام ۳۳ مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۱۱۹ پر گذر چکا ہے۔ [2] رفع سبابہ سے متعلق کچھ تفصیل کتاب "حضرت مجدد الف ثانیؒ" کے باب "اولاد امجاد" تذکرہ حضرت خواجہ محمد یحییٰ میں درج ہے وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

اصولِ روایات کے خلاف اور ظاہر مذہب کے بھی خلاف ہیں ـــــ اور یہ جو امام محمد شیبانیؒ نے کہا ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم اشارہ کرتے تھے اور اسی طرح ہم بھی اشارہ کرتے ہیں جس طرح نبی علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کرتے تھے" ـــــ پھر انھوں (امام محمدؒ) نے کہا کہ "یہی میرا قول ہے اور یہی ابی حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول ہے" یہ نادر روایات میں سے ہے نہ کہ روایاتِ اصول میں ہے ـــــ جیسا کہ فتاویٰ غرائب میں ہے کہ محیط میں لکھا ہے "کیا نمازی اپنے دائیں ہاتھ کی انگشتِ سبابہ سے اشارہ کرے؟" (لیکن) امام محمدؒ نے اصل (مبسوط) میں اس مسئلہ کا ذکر نہیں کیا ـــ البتہ مشائخ نے اس میں اختلاف کیا ہے، ان میں سے بعض نے کہا اشارہ نہ کرے اور بعض نے کہا اشارہ کرے ـــــ پھر امام محمدؒ نے روایتِ اصول کے علاوہ ایک حدیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آپؐ اشارہ کرتے تھے۔ پھر امام محمدؒ نے کہا کہ "یہی میرا اور ابی حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول ہے" ـــــ اور بعض نے کہا کہ یہ سنت ہے اور بعض نے کہا کہ مستحب ہے۔ پھر کہا کہ یہ وہ ہے جو (فتاویٰ غرائب میں) علماء نے لکھا ہے اور صحیح یہ ہے کہ اشارہ حرام ہے ـــــ اور سراجیہ میں ہے کہ نماز میں اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہتے وقت سبابہ کا اشارہ مکروہ ہے کیونکہ یہی مختار مذہب ہے اور کبریٰ میں بھی یہی ہے، اور اسی پر فتویٰ ہے۔ کیونکہ نماز کی بنا سکون و وقار پر ہے۔ ـــــ اور فتاویٰ غیاثیہ میں ہے کہ تشہد کے وقت انگشت سبابہ سے اشارہ نہ کریں، یہی مختار ہے اور اسی پر فتویٰ ہے ـــــ اور جامع الرموز میں ہے کہ "نہ اشارہ کریں اور نہ عقد کریں" اور ہمارے اصحاب کا یہی ظاہر اصول ہے، جیسا کہ زاہدی میں ہے اور اسی پر فتویٰ ہے جیسا کہ مضمرات اور ولوالجی اور خلاصہ وغیرہ میں ہے ـــــ اور ہمارے اصحاب سے منقول ہے کہ یہ سنت ہے جیسا کہ خزانۃ الروایات میں تاتارخانیہ سے مذکور ہے کہ جب تشہد پر پہنچے اور لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہے تو کیا دائیں ہاتھ کی انگشت سبابہ سے اشارہ کرے؟ لیکن امام محمد نے اصل (مبسوط) میں اس کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ البتہ مشائخ کا اس میں اختلاف ہے۔ بعض نے کہا کہ اشارہ نہ کریں۔ اور اسی طرح کبریٰ میں ہے اور اسی پر فتویٰ ہے اور بعض نے اس بارے میں کہا کہ اشارہ کریں ـــــ اور غیاثیہ میں ہے کہ تشہد کے وقت انگشت سبابہ سے اشارہ نہ کریں، یہی مختار ہے

جب معتبر روایات میں اشارہ کی حرمت واقع ہوئی ہے اور اس کی کراہت پر فتویٰ دیدیا گیا ہے

اور اشارہ و عقد کو منع کیا ہے اور اس کو اصحاب کا ظاہر اصول کہتے ہیں تو پھر ہم مقلدوں کو مناسب نہیں ہے کہ احادیث کے تقاضوں کے مطابق عمل کر کے اشارۂ (سبابہ) کرنے کی جرأت کریں اور اسقدر علمائے مجتہدین کے فتووں کے باوجود ایک امر حرام، مکروہ اور منہی کے مرتکب ہوں۔

حنفیہ میں سے اس امر (اشارۂ سبابہ) کا ارتکاب کرنے والا دو حال سے خالی نہیں، یا تو وہ ان علمائے مجتہدین (کے متعلق خیال کرتا ہے کہ ان) کو اشارہ کے اثبات کے جواز میں ان معروف احادیث کا علم نہیں تھا، یا یہ کہ اُن کو ان احادیث کا عالم تو جانتا ہے لیکن ان بزرگوں کے حق میں ان احادیث پر عمل کرنا جائز تسلیم نہیں کرتا، اور یہ خیال کرتا ہے کہ انھوں نے احادیث کے خلاف اپنی آراء کے موافق حرمت یا کراہت کا حکم کیا ہے، اور یہ دونوں شقیں فاسد ہیں ان کو سوائے بیوقوف اور دشمن کے اور کوئی جائز نہیں سمجھتا ــــــــ اور جیسا کہ ترغیب الصلوٰۃ میں ہے کہ تشہد میں انگشتِ شہادت کا اٹھانا علمائے متقدمین کی سنت ہے لیکن علمائے متاخرین نے اس کا انکار کیا ہے جیسا کہ رافضیوں نے اس میں مبالغہ سے کام لیا ہے اس لئے سنیوں نے ترک کر دیا ہے۔ سُنی سے رافضی کی تہمت کا دور کرنا روایاتِ کتبِ معتبرہ کے مخالف ہے کیونکہ ہمارے اصحاب کا ظاہر اصول عدم اشارہ اور عدم عقد پر ہے۔ لہذا عدم اشارہ علمائے متقدمین کی سنت ہے اور ترک کی وجہ تہمت کی نفی کا باعث نہیں ہے ــــــــ ان اکابرین کے ساتھ ہمارا حسنِ ظن یہ ہے کہ جبتک اس بارے میں حرمت یا کراہت کی دلیل ان پر ظاہر نہیں ہوئی انھوں نے حرمت یا کراہت کا حکم نہیں کیا۔ کیونکہ وہ اشارہ کی سنت و استحباب کا ذکر کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ یہ فقہا نے ذکر کیا ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ اشارہ حرام ہے ــــــــ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان بزرگوں کے نزدیک اشارہ کے سنت و استحباب کے دلائل صحت کو نہیں پہنچے بلکہ ان کی صحت کے خلاف پہنچے ہیں۔

حاصل کلام یہ ہے کہ ہم کو اس دلیل کا علم نہیں ہے اور یہ معنی اکابرین کے حق میں کسی عیب کو مستلزم نہیں ہیں ــــــــ اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ ہمارے پاس اس دلیل کے خلاف علم ہے تو ہم کہتے ہیں کہ مقلد کا علم اس کے حلال و حرام ہونے کے ثبوت میں معتبر نہیں بلکہ اس بارے میں مجتہد کا گمان معتبر ہے۔ سب سے پہلے مجتہدین کے دلائل کو مکڑی کے گھر (جالے) سے بھی زیادہ کمزور کہنا بڑی جرأت کی بات ہے، اپنے علم کو ان اکابرین کے علم پر ترجیح دینا اور اصحابِ حنفیہ کے

ظاہر اصول کو باطل بتانا اور مفتیٰ بہا معتبر روایات کو درہم برہم کرنا اور شاذ و نادر کہنا ہے۔ یہ اکابر احادیث کو عہدِ (نبویؐ) کے قرب اور علم کی زیادتی اور ورع و تقویٰ حاصل ہونے کی وجہ سے ہم دور افتادوں سے بہتر جانتے تھے، اور اس کی صحت و سقم اور نسخ و عدم نسخ کو ہم سے زیادہ جانتے تھے اور ان احادیث علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے موافق عمل کو ترک کرنے میں کوئی نہ کوئی وجہ موجہ (معتبر دلیل) ضرور رکھتے ہوں گے ——— ہم ناقص فہم والے صرف اسقدر جانتے ہیں کہ احادیث کے راوی اشارہ و عقد کی کیفیت میں بہت زیادہ اختلاف رکھتے ہیں اور ان کے کثرتِ اختلاف نے نفسِ اشارہ میں بھی اضطراب پیدا کر دیا ہے، چنانچہ بعض روایات سے مفہوم ہوتا ہے کہ آپؐ نے بغیر عقد کے اشارہ فرمایا ہے، اور جو حضرات عقد کے ساتھ کہتے ہیں انھوں نے ترپن[۵۳] کے عدد جیسا عقد روایت کیا ہے اور بعض دوسری روایات میں تیئیس[۲۳] کا عدد جیسا عقد ہے، اور بعض نے خنصر (چھنگلیا) اور بنصر (اس کے ساتھ والی انگلی) کے ساتھ قبضہ (بند) کرنے اور حلقہ ابہام باوسطی (انگوٹھے کا درمیانی انگلی کے ساتھ حلقہ بناکر) اشارہٗ سبابہ کی روایت کی ہے۔ اور ایک روایت میں صرف انگوٹھے کو درمیانی انگلی پر رکھ دینے کو ہی اشارہ قرار دیا ہے، اور ایک روایت میں اس طرح بھی آیا ہے کہ دائیں ہاتھ کو بائیں ران پر رکھ کر اور بائیں ہاتھ کو دائیں پاؤں پر رکھ کر اشارہ کرتے تھے۔ اور دوسری روایت میں ہے کہ دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ کی پشت پر اور پہنچے کو پہنچے پر اور کہنی کو کہنی پر رکھ کر اشارہ کرتے تھے۔ اور بعض روایات میں آیا ہے کہ تمام انگلیوں کو بند کر کے اشارہ فرماتے تھے اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ سبابہ کی تحریک کے بغیر اشارہ کرتے تھے اور بعض حرکت کا ثبوت ظاہر کرتے ہیں۔ اور اسی طرح بعض روایات میں واقع ہے کہ تشہد کے پڑھتے وقت کسی کلمے کے تعین کے بغیر اشارہ فرماتے تھے۔ اور بعض دوسری احادیث میں آیا ہے کہ کلمۂ شہادت کے الفاظ پڑھتے وقت اشارہ فرماتے تھے۔ اور بعض راویوں نے اس کو دعا کے وقت میں مقید کر دیا ہے کہ آپ فرماتے تھے: یَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِیْ عَلٰی دِیْنِکَ (اے دلوں کو پھیرنے والے میرے قلب کو اپنے دین پر ثابت رکھ) ——— اور جب علمائے حنفیہ نے اشارہ کرنے میں راویوں کے عمل کا اضطراب دیکھا تو ایک فعلِ زائد کو نماز میں قیاس کے برخلاف ثابت نہیں کیا کیونکہ نماز کی بنا سکون و وقار پر ہے ——— اور اسی طرح جہاں تک ہو سکے تمام انگلیوں کو قبلہ کی طرف متوجہ رکھنا سنت ہے، جیسا کہ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے: فَلْیُوَجِّهْ مِنْ اَعْضَائِهٖ الْقِبْلَةَ مَا اسْتَطَاعَ (نمازی کو چاہیے جہاں تک ہو سکے اپنے تمام اعضا کو قبلہ کی طرف متوجہ رکھے)۔

(سوال) اگر یہ کہیں کہ اختلاف کی کثرت اس وقت مضطرب کر دیتی ہے جبکہ روایات کے درمیان موافقت ممکن نہ ہو حالانکہ اس بارے میں موافقت ممکن ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ تمام روایات کو (آنحضرتؐ نے) مختلف اوقات میں کیا ہو؟ —— (جواب) تو ہم یہ کہتے ہیں کہ اکثر روایات میں لفظ کَانَ واقع ہوا ہے جو غیر منطقیوں کے نزدیک ادواتِ کلیہ[۱] (آلاتِ کلیہ) میں سے ہے، اس صورت میں موافقت ممکن نہیں۔

اور جو کچھ کہ امام اعظمؒ سے منقول ہے کہ "اگر میرے قول کے خلاف کوئی حدیث مل جائے تو میرے قول کو ترک کر کے حدیث پر عمل کرو"۔ اس سے مراد وہ حدیث ہے جو حضرت امام تک نہیں پہنچی ہے اور اس حدیث کا علم نہ ہونے کی بنا پر اس کے خلاف حکم فرمایا ہے۔ اور اشارہ کی احادیث اس قسم سے نہیں ہیں بلکہ معروف احادیث ہیں جو عدم علم کا احتمال نہیں رکھتیں —— (سوال) اور اگر یہ کہیں کہ علمائے حنفیہ نے اشارہ کے جواز کا بھی فتویٰ دیا ہے لہذا متعارض فتووں میں سے جس کے مطابق بھی عمل کیا جائے جائز ہو گا؟ —— (جواب) ہم یہ کہتے ہیں کہ اگر جواز اور عدم جواز، اور حلت و حرمت میں تعارض (ٹکراؤ) واقع ہو جائے تو عدم جواز اور حرمت کی جانب کو ترجیح ہو گی۔

نیز شیخ ابن ہمامؒ نے رفع یدین کے بارے میں کہا ہے کہ رفع اور عدم رفع کی احادیث متعارض ہیں۔ ہم قیاس کی بنا پر عدم رفع کی احادیث کو ترجیح دیتے ہیں کیونکہ صلوٰۃ کی بنا سکون و خشوع پر ہے جو اجماع کے نزدیک مطلوب و مرغوب ہے —— اور شیخ ابن ہمامؒ پر تعجب ہوتا ہے کہ انھوں نے (کس طرح) کہہ دیا کہ بہت سے مشائخ سے عدم اشارہ مروی ہے جو روایت و درایت کے خلاف ہے۔ اس طرح انھوں نے علمائے مجتہدین پر جہالت کی نسبت قائم کر دی، حالانکہ وہ قیاس سے دلیل لا رہے ہیں جو شرع کا چوتھا اصل ہے اور وہ حنفیہ کے نزدیک ظاہر مذہب اور ظاہر روایت ہے —— اور اسی شیخ نے راویوں کے کثرتِ اختلاف اور اضطراب کی وجہ سے حدیث قلتین (د کو ضعیف قرار دیا ہے —— فرزند ارشد محمد سعید اس بارے میں ایک رسالہ (دو مٹکے) لکھ رہے ہیں تیار ہونے پر انشاء اللہ روانہ کیا جائے گا —— اور نیز آپ نے دریافت کیا تھا کہ آپ کے طالبان طریقہ ہر طرف جمع ہیں اور کسی جگہ بھی دلیری نہیں کی اور نہ ہی کسی سے کہا کہ تم سر حلقہ ہو۔ جو اشارہ ہو اور جس کو اس کا اہل سمجھیں حکم فرمائیں تاکہ اس کو جماعت کا سر حلقہ بنا دیا جائے —— (جواب) یہ حکم آپ کی صوابدید پر موقوف ہے استخارہ اور توجہ کے بعد (جس کو مناسب سمجھیں) حکم کر دیں۔ والسلام علیکم وعلیٰ من لدیکم۔

[۱] فن حدیث کے ماہرین سے یہ بات پوشیدہ نہیں کہ کتب حدیث میں یہ لفظ (ادوات) ہمیشہ کلیہ کے لئے ہی نہیں آتا ورنہ بہت سے مقامات پر تعارض پیدا ہو جائے۔

خواجہ محمد ہاشم[1] کی طرف صادر فرمایا ـــــ ان کے سوالات کے جواب میں جو انہوں نے لکھے تھے۔ سوال اوّل: یہ کہ اصحابِ کرامؓ کے کمالاتِ فنا و بقا اور سلوک و جذبے کے ساتھ وابستہ تھے یا نہیں ہے۔ سوال دوم: یہ کہ طریقہ عالیہ نقشبندیہ میں ریاضتوں سے منع کرتے ہیں اور ان کو مضر جانتے ہیں حالانکہ آں سرور علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ و السلام نے سخت ریاضتیں برداشت کی ہیں۔ سوال سوم یہ کہ یہ طریقہ حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف کیوں منسوب ہوا؟ ـــ سوال چہارم: آپ نے ایک مکتوب میں تحریر فرمایا ہے کہ طالب کو ولایتِ موسوی سے ولایتِ محمدی میں تصرف کے ساتھ نہیں لایا جا سکتا اور دوسرے مکتوب میں تحریر فرمایا ہے کہ تم کو ولایتِ موسوی سے ولایتِ محمدی میں لایا گیا۔ ان دونوں باتوں میں کس طرح موافقت کی جائے؟ ـــ سوال پنجم یہ کہ کرتا پیش چاک پہننا چاہئے یا وہ جس کا گریبان چاک ہو ـــ سوال ششم: نفی و اثبات کی توجہ احدیت کی توجہ کے ساتھ کس طرح جمع ہو سکتی ہے؟ ـــ سوال ہفتم یہ کہ نفی و اثبات کے ذکر کے وقت جو دل سے کیا جاتا ہے تو "لا" کو اوپر کی طرف کیوں لے جاتے ہیں اور "اِلّا اللہ" کو دائیں طرف کیوں لاتے ہیں ـــ اور اس کے آخر میں پیر کے آداب کی رعایتوں کا بیان ہے۔ اور نیز آپ نے فرمایا کہ مکتوبات کے اس دفتر کو اسی مکتوب پر ختم کریں اور تین سو تیرہ ۳۱۳ عدد کی رعایت کریں کیونکہ یہ عدد پیغمبرانِ مرسل علیہم الصلوات و التسلیمات اور اہلِ بدر رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی تعداد کے موافق ہے۔ نیز آپ نے فرمایا کہ اس مکتوب کے خاتمہ پر وہ عرضداشتیں جو حضرت مخدوم زادہ کلاں (خواجہ محمد صادق) علیہم الرحمۃ و الغفران نے آپ کو لکھی تھیں شامل کر دیں تاکہ پڑھنے والے دعا و فاتحہ سے ان کو یاد کریں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ بعد الحمد للہ و الصلوٰۃ و تبلیغ الدعوات میرے بھائی جناب محمد ہاشم پر واضح ہو کہ وہ سوالات جن کا حل میر سید محب اللہ کے مکتوب میں دریافت کیا جو کچھ معلوم تھا ان کے جواب میں لکھ کر بھیج دیا تھا۔

سوال اوّل کا حاصل یہ ہے کہ قربِ الٰہی جل سلطانہٗ کا حصول فنا فی اللہ و بقا باللہ اور تمام مقاماتِ جذبہ و سلوک کے طے کرنے پر موقوف ہے۔ لیکن اصحابِ کرام حضرت خیر الانام علیہ و علیہم الصلوٰۃ و السلام

[1] آپ کے نام تیرہ ۱۳ مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۲۹۰ پر گزر چکا ہے۔

کی ایک ہی صحبت کی وجہ سے تمام اولیائے امت سے افضل ہو گئے۔ آیا یہ تمام سیر و سلوک اور ان کی فنا و بقا اسی ایک صحبت میں میسر ہو گئی، یا وہ ایک ہی صحبت تمام سیر و سلوک سے افضل تھی ——— دوسرے یہ کہ اصحاب کرامؓ کی فنا و بقا آنحضرت علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والتحیۃ کی توجہ و تصرف کی برکت تھی) یا محض اسلام لانے (کی وجہ سے) یا ان کو سلوک و جذبہ کا علم حالاً و مقاماً حاصل تھا یا نہیں۔ اور اگر تھا تو اس کو کس نام سے تعبیر کرتے تھے، اور اگر سلوک و تصرف کا طریقہ نہ تھا تو اس کو بدعتِ حسنہ کہہ سکتے ہیں (یا نہیں) ——— جواب: جاننا چاہئے کہ اس مشکل کا حل صحبت کے ساتھ وابستہ اور خدمت پر موقوف ہے کیونکہ جو بات اس عرصے میں کسی نے نہیں کہی وہ صرف ایک مرتبہ کے لکھنے میں آپ کی سمجھ میں کیسے آ جائے گی۔ لیکن چونکہ آپ نے سوال کیا ہے اس لئے جواب دینے کے بغیر چارہ نہیں لہذا ضرورۃً اجمال کے طور پر اس کا حل لکھا جاتا ہے، غور سے سنیں: وہ قرب جو فنا و بقا اور سلوک و جذبے سے وابستہ ہے وہ قربِ ولایت ہے جس سے اولیائے امت مشرف ہوتے ہیں، اور جو قرب اصحاب کرامؓ کو صحبت خیر الانام علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام میں میسر ہوا وہ قربِ نبوت ہے جو ان کو تبعیت و وراثت کے طور پر حاصل ہوا تھا، اس قرب میں نہ فنا ہے نہ بقا، نہ جذبہ ہے نہ سلوک۔ اور یہ قرب مراتب کے لحاظ سے قربِ ولایت سے بہت اعلیٰ و افضل ہے کیونکہ یہ قرب قربِ اصالت ہے اور وہ قرب، قربِ ظلیت۔ شَتَّانَ مَا بَیْنَھُمَا (ان دونوں میں بہت بڑا فرق ہے) لیکن ہر شخص کی عقل اس معرفت کی بلند (ادراک) تک نہیں پہنچ سکتی۔ ممکن ہے کہ خواص بھی اس معرفت کی فہم میں عوام کے ساتھ شریک ہوں ؎

گر بو علی نوائے قلندر نواختے ۔۔۔ صوفی بُدے ہر آنکہ بعالم قلندر است

(گر بو علی لگاتے صدائے قلندری ۔۔۔ پھر سب قلندرانِ جہاں ہوتے صوفیہ)

ہاں اگر قربِ ولایت کی راہ سے کمالاتِ قربِ نبوت کی طرف عروج واقع ہو تو فنا و بقا اور جذبہ و سلوک کے بغیر چارہ نہیں کیونکہ یہ سب اس قرب کے مبادی (مقدمات) اور معداتّ (اسباب) ہیں اور اگر یہ راستہ نہ اختیار کیا گیا ہو اور قربِ نبوت کی شاہراہ اختیار کی گئی ہو تو فنا و بقا اور جذبہ و سلوک کچھ درکار نہیں۔ چونکہ اصحاب کرامؓ قربِ نبوت کی شاہراہ سے گئے ہیں جہاں جذبہ و سلوک، فنا و بقا کا کوئی کام نہیں ——— اس معرفت کا بیان ایک مکتوب (نمبر ۳۰۱) میں جو بنام مولانا امان اللہ لکھا گیا ہے وہاں سے طلب کریں ——— اس فقیر نے ہر جگہ اپنے مکتوبات اور

رسائل میں لکھا ہے کہ میرا معاملہ سلوک و جذبہ سے ماوراء ہے اور تجلیات و ظہورات سے بھی ماوراء ہے اس سے مراد یہی قرب (قربِ نبوت) ہے ــــــــ میں اپنے حضرت خواجہ (باقی باللہ) قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر تھا کہ اس دولت کا ظہور پیش آیا اور میں نے اس عبارت کو حضرت خواجہؒ کی خدمت میں عرض کیا کہ مجھ پر یہ امر ظاہر ہوا ہے کہ "سیرِ انفسی کو اس امر کے ساتھ وہ نسبت ہے جو سیرِ آفاقی کو سیرِ انفسی کے ساتھ ہے۔" اور میں (اس وقت) اپنے اندر اس سے زیادہ طاقت و قدرت نہ پاتا تھا کہ اس عبارت کے علاوہ کوئی اور اس دولت کی تعبیر کر سکوں۔ سالہا سال کے بعد جب یہ عجیب و غریب معاملہ صاف طور پر واضح ہوا تو مجمل عبارت کے ساتھ تحریر میں لایا گیا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ ھَدٰنَا لِھٰذَا وَمَا کُنَّا لِنَھْتَدِیَ لَوْلَآ اَنْ ھَدٰنَا اللّٰہُ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ (اعراف آیت ۴۳) اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے ہم کو ہدایت دی اگر وہ ہدایت نہ دیتا تو ہم ہرگز ہدایت نہ پاتے بیشک ہمارے رب کے رسول حق بات لے کر آئے) ــــــــ لہٰذا عبارتِ فنا و بقا اور جذبہ و سلوک یہ محدث (نئی پیدا شدہ) اور مشائخ کے مخترعات (ایجادات) میں سے ہیں۔ مولوی جامی علیہ الرحمہ نفحات میں تحریر کرتے ہیں کہ

"پہلا شخص جس نے فنا و بقا کا نام لیا وہ ابو سعید خراز قدس سرہ ہیں۔

سوال دوم کا حاصل یہ ہے کہ طریقۂ عالیہ نقشبندیہ میں سنت کی پیروی لازم ہے۔ حالانکہ آنسرور علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے عجیب و غریب ریاضتیں اور شدید بھوک و پیاس کی تکلیفیں برداشت کی ہیں (لیکن) اس طریق میں ریاضتوں سے منع کرتے ہیں بلکہ صورتوں کے کشف کی وجہ سے ریاضتوں کو مضر جانتے ہیں۔ یہ بات عجیب معلوم ہوتی ہے کہ سنت کی متابعت میں نقصان کا احتمال کیسے متصور ہو سکتا ہے ــــــــ **جواب**: اے محبت کے نشان والے! کس نے کہہ دیا کہ اس طریقہ میں ریاضات منع ہیں اور کہاں سے سُن لیا ہے کہ (یہ حضرات) ریاضتوں کو مضر جانتے ہیں اس لئے کہ اس طریقے میں سنیت کی دائمی حفاظت اور متابعتِ سنت علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کو لازم جاننا، اور اپنے احوال کو پوشیدہ رکھنے کی کوشش کرنا، میانہ روی اختیار کرنا اور کھانے پینے اور لباس وغیرہ میں حدِ اعتدال کی رعایت کرنا (یہ سب) ریاضاتِ شاقہ اور مجاہداتِ شدیدہ میں سے ہیں ــــــــ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ عوام کالانعام (وہ عوام جو چوپاؤں کے مانند ہیں) ان امور کو ریاضات میں شمار نہیں کرتے اور مجاہدات میں سے نہیں جانتے، ان کے نزدیک ریاضات و مجاہدات کا انحصار بھوک

(پیاس) میں منحصر ہے اور بھوکا پیاسا رہنا ان کی نظر میں بہت بڑی بات ہے کیونکہ درندہ صفت لوگوں کے نزدیک کھانا پینا ہی سب سے زیادہ ضروری اور بڑے مقاصد میں سے ہے، لہٰذا اس کا ترک کرنا ان کے نزدیک لازمی طور پر ریاضتِ شاقہ اور مجاہداتِ شدیدہ ہیں بخلاف نسبت کی دائمی حفاظت اور متابعتِ سنت علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ کو لازم رکھنے کے، یہ امور عوام کی نظر میں قابلِ قدر اور شمار کے قابل نہیں تاکہ ان کے ترک کو منکرات سمجھیں اور ان امور (پیروئ سنن) کے حصول کو ریاضتیں شمار کریں۔ لہٰذا اس طریقے کے اکابرین پر لازم ہے کہ احوال کے پوشیدہ رکھنے کی کوشش کریں اور ایسی ریاضتوں کو ترک کر دیں جو عوام کی نظر میں عظیم القدر اور مخلوق میں مقبولیت کا باعث اور شہرت کے لئے لازم ہیں کہ ان میں آفت اور شرارت پوشیدہ ہے۔

آنحضرت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے: بِحَسْبِ امْرِءٍ مِّنَ الشَّرِّ اَنْ یُّشَارَ اِلَیْہِ بِالْاَصَابِعِ فِیْ دِیْنٍ اَوْ دُنْیَا اِلَّا مَنْ عَصَمَہُ اللّٰہُ (مشکوٰۃ) (آدمی کے لئے یہی شر کافی ہے کہ دین و دنیا میں لوگ اس کی طرف انگشت نمائی کریں مگر جس کو اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے)۔

فقیر کے نزدیک ماکولات (کھانے پینے) کی چیزوں میں حدِ اعتدال کی رعایت کو مدِ نظر رکھنے کی نسبت گرسنگیہائے دور دراز (عرصے تک بھوکا پیاسا رہنا) زیادہ سہل ہے اور اس میں آسانی ہی آسانی ہے۔ (یہ فقیر) اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ میانہ روی کی رعایت کی ریاضت کثرتِ جوع کی ریاضت سے زیادہ مفید ہے ——— حضرت والد بزرگوار قدس سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے علمِ سلوک میں ایک رسالہ دیکھا ہے جس میں لکھا ہوا تھا کہ "کھانے پینے میں اعتدال کی رعایت رکھنا اور میانہ روی کی حد پر نگاہ رکھنا وصولِ مطلب کے لئے کافی ہے، اس رعایت کو ملحوظ رکھتے ہوئے ذکر و فکر کی زیادہ حاجت نہیں" ——— اور یہی بات یہ ہے کہ کھانے پینے اور پہننے بلکہ تمام امور میں توسطِ حال اور میانہ روی پر قائم رہنا بہت اچھی بات ہے ؎

نہ چنداں بخور کز دہانت برآید	نہ چنداں کہ از ضعف جانت برآید
(نہ کھا اتنا کہ منھ سے باہر آجائے	نہ کم اتنا کہ کمزوری سے مر جائے)

حضرتِ حق سبحانہ وتعالیٰ نے ہمارے حضرت پیغمبر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کو چالیس مردوں کی قوت عطا فرمائی تھی جس قوت کے سبب آپ شدید بھوک پیاس کو برداشت کر لیتے تھے اور اصحابِ کرام

بھی حضرت خیر البشر علیہ وعلیہم الصلوۃ والسلام والتحیۃ کی صحبت کی برکت سے اس بوجھ کو اٹھا لیتے تھے
اور ان کے اعمال و افعال میں کسی قسم کی سستی اور خلل واقع نہیں ہوتا تھا، بلکہ بھوک کی شدت کے
باوجود دشمنوں کے خلاف جنگ کرنے کی ایسی طاقت وقدرت رکھتے تھے کہ سیر شکموں کو اس کا دسواں حصہ
بھی میسر نہ تھا۔ یہی وجہ تھی کہ صابروں میں سے بیس آدمی دو سو کفار پر غالب آجاتے تھے اور سو آدمیوں کو
ہزار کافروں پر غلبہ حاصل ہو جاتا تھا ——— اور صحابہؓ کے علاوہ دوسرے بھوک پیاس
برداشت کرنے والوں کا تو یہ حال ہے کہ سنتوں کے آداب بجا لانے میں عاجز آجاتے ہیں بلکہ بہت سے
ایسے ہیں کہ اپنے فرائض کی ادائیگی میں مشکل سے عہدہ برآ ہوتے ہیں۔ طاقت کے بغیر اس امر میں اصحاب کرام
کی تقلید کرنا اپنے آپ کو فرائض وسنت کے بجالانے میں عاجز بنانا ہے۔

منقول ہے کہ حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آں سرور علیہ وعلی آلہ الصلوۃ والسلام کی تقلید
میں صوم وصال (یعنی بغیر افطار کے مسلسل کئی دن روزے رکھنا) اختیار کیا، اور ضعف وناتوانی کی
وجہ سے زمین پر گر پڑے تو آنسرور علیہ وعلی آلہ الصلوۃ والسلام نے اعتراض کے طور پر فرمایا کہ "تم میں سے[1]
کون ہے جو میری مانند ہو، میں تو رات کو اپنے پروردگار کے پاس ہوتا ہوں اور وہی مجھ کو کھلاتا پلاتا ہے"
لہٰذا آپؐ بغیر طاقت کے تقلید اختیار کرنے کو مستحسن نہیں سمجھتے تھے ——— اور نیز اصحاب کرام
حضرت خیر الانام علیہ وعلیہم الصلوۃ والسلام کی صحبت کی برکت کی وجہ سے زیادہ بھوک پیاس کے خفیہ
نقصانات سے محفوظ و مامون تھے اور دوسروں کو یہ حفظ و امن میسر نہیں ——— اس کا بیان
یہ ہے کہ کثرت جوع (زیادہ بھوک) اگرچہ صفائی بخش ہے اور ایک جماعت کو صفائے قلب بخشتی ہے
اور دوسری جماعت کو صفائی نفس حاصل ہوتی ہے، صفائی قلب ہدایت افزا اور نور بخش ہے اور صفائی
نفس ضلالت نما اور ظلمت افزا ہے۔

فلاسفۂ یونان اور ہندوستان کے جوگیوں اور برہمن نے بھوک پیاس کی ریاضت سے صفائی
نفس حاصل کرکے ضلالت اور نقصان کی راہ میں پڑ گئے۔ بے عقل افلاطون[2] نے اپنے نفس کی صفائی پر
بھروسہ کرکے اور اپنی خیالی کشفی صورتوں کو اپنا مقتدا بنا کر عُجب ونخوت اختیار کی اور حضرت عیسیٰ روح اللہ

---

[1] روی البخاری عن ابی ہریرۃ فی جملۃ حدیث بلفظ "فقال رجل من المسلمین انک تواصل یا رسول اللہ
قال ایکم مثلی انی أبیت یطعمنی ربی ویسقینی"

[2] مشہور افلاطون کا زمانہ ۴۲۷ قبل مسیح سے ۳۴۷ قبل مسیح تک ہے لہٰذا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے کا افلاطون کوئی غیر معروف طاطون ہے جو بالیونانی ... کما فی المنجد ص ۱۶۸ [illegible]

علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام جو اس وقت حق تعالیٰ کی طرف سے مبعوث ہوئے تھے اس نے ان کی فرمانبرداری اختیار نہیں کی اور کہنے لگا "ہم ہدایت یافتہ قوم ہیں ہم کو کسی ہدایت دینے والے کی ضرورت نہیں"۔۔۔۔ ۔۔۔۔ اگر اس میں یہ ظلمت بڑھانے والی صفائی نہ ہوتی تو یہ خیالی کشفی صورتیں اس کے راستے میں حائل نہ ہوتیں اور وصولِ مطلب کے لئے اس کی مانع نہ ہوتیں۔ اُس نے (افلاطون) اپنی صفائی کے گمان پر اپنے آپ کو نورانی خیال کیا اور یہ نہ جانا کہ یہ صفائی نفسِ امارہ کی باریک کھال سے آگے نہیں بڑھی، اور اس کا (نفسِ) امارہ اسی اپنی پہلی خباثت اور نجاست پر قائم ہے (اس کی حقیقت ایسی ہے جیسے) نجاستِ مغلظہ پر شکر کا باریک غلاف چڑھا دیا گیا ہو۔ ۔۔۔۔ قلب جو اپنی ذات کی حد میں پاکیزہ اور نورانی ہے اس کے چہرے پر نفسِ ظلمانی کی ہمسائگی کی وجہ سے اگر زنگ آجائے تو وہ تھوڑے سے تصفیہ کے بعد اپنی اصلی حالت پر رجوع کر لیتا ہے اور نورانی ہو جاتا ہے بخلاف نفس کے کہ وہ اپنی ذات کی حد میں خبیث ہے اور ظلمت اس کی صفت ہے جب تک قلب کی سیاست بلکہ سنت کی متابعت اور اتباعِ شریعت علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ بلکہ محض فضلِ خداوندی جل سلطانہ سے مزکّی اور مطہرّہ ہو اس وقت تک اس کا ذاتی خبث زائل نہیں ہو سکتا اور اس سے فلاح و بہبود متصور نہیں ہو سکتی ۔۔۔۔ افلاطون نے کمال نادانی کی وجہ سے اپنی صفائی کو جس کا تعلق اس کے (نفسِ) امارہ سے تھا قلبِ عیسوی کی صفات کے مانند خیال کر لیا اور لازمی طور پر اس نے اپنے آپ کو ان کی طرح مہذب اور مطہر خیال کر کے ان (حضرت عیسیٰ) علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی دولتِ متابعت سے محروم رہا۔ اور ابدی خسارہ کے داغ سے داغدار ہو گیا۔ اَعَاذَنَا اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ مِنْ ھٰذَا الْبَلَاءِ (اللہ سبحانہ ہم کو اس بلا سے اپنی پناہ میں رکھے)۔

اور چونکہ یہ ضرر بھوک کی تہ میں پوشیدہ ہے اس لئے طریقہ نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے اکابرین نے بھوک پیاس کی ریاضت کو ترک کر کے کھانے پینے میں اعتدال کی ریاضت اور میانہ روی کے مجاہدے کی راہ اختیار کی اور بھوک پیاس کے نفع کو اس عظیم خطرے کے نقصان کے احتمال کی وجہ سے ترک کر دیا اور دوسرے لوگوں نے بھوک کے فائدوں کو ملاحظہ کر کے اس کے نقصانات سے آنکھیں بند کر لیں اور بھوک کی طرف ترغیب دینے لگے۔ ۔۔۔۔ عقلمندوں کے نزدیک یہ بات مقرر ہے کہ نقصان کے احتمال کی وجہ سے بہت زیادہ منافع کو چھوڑ سکتے ہیں۔ اسی مقولہ کے قریب

وہ امر ہے جو علما شکر اللہ تعالیٰ سعیہم نے فرمایا ہے کہ "اگر کوئی امر سنت اور بدعت کے درمیان دائر ہو تو اس سنت کے بجالانے کی نسبت ترکِ بدعت بہتر ہے" یعنی بدعت میں نقصان کا احتمال اور سنت میں منافع کی توقع ہے تو مضرت کے احتمال کو منافع کی توقع پر ترجیح دے کر بدعت کو ترک کر دینا چاہئے، تاکہ ایسا نہ ہو کہ سنت کے بجالانے میں دوسری راہ سے نقصان پیدا ہو جائے ——

—— اس بات کی حقیقت یہ ہے کہ وہ سنت گویا کہ (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے) زمانے کے ساتھ ملی ہوئی ہے۔ چونکہ ایک جماعت اس کی باریکی اور پوشیدگی کی وجہ معلوم نہ کر سکی اس لئے اس کی تقلید کرنے میں سبقت کی، اور دوسری جماعت نے اس کو موقت (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے ساتھ مخصوص) جان کر اس کی تقلید اختیار نہیں کی۔ وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ اَعْلَمُ بِحَقِیْقَۃِ الْحَالِ۔

سوالِ سوم کا حاصل یہ ہے کہ اس طریقۂ عالیہ کے اکابرین کی کتابوں میں درج ہے کہ ہماری نسبت حضرت صدیق (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے منسوب ہے بخلاف باقی تمام طریقوں کے —— اگر کوئی مدعی یہ کہے کہ اکثر طریقے حضرت امام جعفرؓ تک پہنچتے ہیں اور (خود امام جعفرؓ) حضرت صدیقؓ سے منسوب ہیں لہٰذا دوسرے سلاسل کیوں حضرت صدیقؓ کی طرف منسوب نہیں؟ —— اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت امام (جعفر صادقؓ) حضرت صدیقؓ سے بھی نسبت رکھتے ہیں اور حضرت امیر (علی) رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی۔ اور ان دونوں نسبتوں کے اجتماع کے باوجود حضرت امام جعفرؓ میں ہر نسبت کے کمالات جدا ہیں اور وہ ایک دوسرے سے ممتاز ہیں۔ ایک جماعت نے صدیقی نسبت کے واسطے سے حضرت امام (جعفر) سے "نسبتِ صدیقیہ" اخذ کی اور وہ حضرت صدیقؓ کی طرف منسوب ہو گئے اور دوسری جماعت نے مناسبتِ امیری کے باعث "نسبتِ امیریہ" اخذ کی اور وہ حضرت امیر (علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی طرف منسوب ہو گئی —— یہ فقیر ایک تقریب کے سلسلے میں پرگنہ بنارس گیا ہوا تھا جہاں دریائے گنگا و دریائے جمنا کے پانی باہم ملتے ہیں اور اس اجتماع کے باوجود محسوس ہوتا ہے کہ گنگا کا پانی علیحدہ ہے اور جمنا کا علیحدہ۔ اور ایسا اندازہ ہوتا ہے کہ گویا دونوں کے درمیان کوئی ایسا برزخ حائل ہے کہ ایک کا پانی دوسرے کے ساتھ خلط ملط نہیں ہوتا۔ ایک گروہ جو دریائے گنگا کے پانی کی طرف واقع ہے وہ اس مجتمع پانی کو پیتا ہے اور دوسری جماعت جو دریائے جمنا کی طرف رہتی ہے وہ دریائے جمنا کا پانی پیتی ہے۔

(سوال) اگر یہ کہیں کہ حضرت خواجہ محمد پارسا قدس سرہ نے رسالہ قدسیہ میں تحقیق کی ہے کہ حضرت امیر (علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے جس طرح حضرت رسالت خاتمیت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ سے تربیت حاصل کی ہے اسی طرح حضرت صدیق ؓ نے بھی تربیت حاصل کی ہے لہٰذا حضرت امیرؓ کی نسبت عین حضرت صدیق ؓ کی نسبت ہے۔ پھر ان دونوں میں کیوں فرق ہوا؟ ——— (جواب) ہم کہتے ہیں اتحادِ نسبت کے باوجود محل ومقام کے تعدد کی خصوصیات اپنے حال پر ہیں، کیونکہ ایک ہی پانی متعدد مقامات (سے گذرنے کی) باعث مختلف امتیازی کیفیت پیدا کرلیتا ہے اسی طرح یہ بات بھی جائز ہے کہ خصوصیت کی نظر سے ہر ایک طریقہ اس کی طرف منسوب ہو۔

سوالِ چہارم کا حاصل یہ ہے کہ آپ نے ملا محمد صدیق کے مکتوب میں لکھا ہے کہ "جو شخص ولایتِ موسوی کی استعداد رکھتا ہے معلوم نہیں کہ صاحبِ تصرف اس کو ولایتِ محمدی کی استعداد پر لاسکتا ہو"۔ اور درویش زادہ کلاں (خواجہ محمد صادق) قدس سرہٗ کی طرف تحریر کردہ مکتوب میں لکھا ہے کہ "تم کو ولایتِ موسوی سے ولایتِ محمدی میں لایا گیا"۔ ان دونوں باتوں میں موافقت کس طرح ہوسکتی ہے؟ ——— جواب یہ ہے کہ ملا محمد صدیق کے مکتوب میں جو درج ہے کہ "ولایتِ موسوی سے ولایتِ محمدی میں لے جانا معلوم الوقوع نہیں"۔ اُس وقت اس امر کے واقع ہونے کا علم نہیں تھا اس کے بعد جب اس امر کو معلوم کرا دیا گیا اور تغیر وتبدیلی کی قدرت عطا کی گئی تو تحریر کیا گیا کہ "تم کو اس ولایت سے اُس ولایت میں لے جایا گیا"۔ ان دونوں باتوں میں زمانے کا اتحاد نہیں ہے جس کی وجہ سے تناقض متصور ہو۔

سوالِ پنجم کا حاصل یہ ہے کہ پیراہن (کرتہ) کو اس مقام کے صوفیہ آگے کے چاک کے ساتھ پہنتے ہیں اور کہتے ہیں کہ سنت یہی ہے اور حضرت میر (نعمان) کے خدام کرتے کا چاک بطریق حلقہ بناتے ہیں اس کی تحقیق کیا ہے؟ ——— جواب: جاننا چاہئے کہ ہم بھی اس بارے میں متردد ہیں، کیونکہ اہلِ عرب آگے کے چاک والا کرتہ پہنتے ہیں اور اس کو سنت جانتے ہیں۔ اور حنفیہ کی بعض کتبِ معتبرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سامنے کے چاک والا کرتہ مردوں کو نہیں پہننا چاہئے کہ یہ عورتوں کا لباس ہے ——— امام احمدؒ و ابوداؤدؒ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ پیغمبر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے: لُعِنَ الرَّجُلُ يَلْبَسُ لُبْسَ الْمَرْأَةِ وَالْمَرْأَةُ تَلْبَسُ لُبْسَ الرَّجُلِ (لعنت ہے اس مرد پر جو عورتوں جیسا لباس پہنے اور اس عورت پر بھی (لعنت ہے) جو مردوں جیسا لباس پہنے) ——— اور مطالب المومنین میں ہے

کہ عورت مرد کی مشابہت نہ کرے اور نہ مرد عورت کی مشابہت کرے کیونکہ دونوں فریقوں پر لعنت کی گئی ہے
—— بلکہ معلوم ہوتا ہے کہ پیش چاک والا کرتہ اہلِ دین اور اہلِ علم کا لباس نہیں ہے اسی لئے
فقہا نے اہلِ ذمہ (وہ کافر جو اسلامی حکومت کے تحت ہوں) کے لئے اس لباس کو تجویز کیا ہے ——
—— اور جامع الرموز میں محیط سے نقل کیا ہے کہ وہ لباس جو اہلِ دین اور اہلِ علم کے ساتھ مخصوص ہے
جیسے چادر، عمامہ اہلِ ذمہ نہ پہنیں بلکہ موٹے کپڑے کی قمیص پہنیں جس کے سینے پر عورتوں کی قمیص
کی طرح چاک ہو —— اور بعض علماء کے قول کے مطابق پیش چاک قمیص نہیں ہے بلکہ
درع ہے اور ان کے نزدیک قمیص وہ ہے جو دونوں طرف (کندھوں کی طرف) سے کھلی ہو ——
اور جامع الرموز اور ہدایہ میں عورت کے کفن کے بیان میں لکھا ہے کہ قمیص کا بدل درع ہے اور ان دونوں
میں فرق یہ ہے کہ درع کا چاک سینے کی طرف ہوتا ہے اور قمیص کا چاک دونوں شانوں کی طرف۔
اور بعض نے دونوں کو ایک ہی قرار دیا ہے (کہ ان میں کوئی فرق نہیں ہے)۔

فقیر کے نزدیک یہ بہتر معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ مردوں کو عورتوں کے مشابہ لباس پہننے سے منع
کیا گیا ہے لہذا چاہیئے کہ جہاں عورتیں پیش چاک والا کرتہ پہنتی ہیں وہاں مردوں کو عورتوں کی
مشابہت کی وجہ سے (پیش چاک والا کرتہ) ترک کر کے حلقۂ گریبان والا کرتہ پہنیں، اور جس علاقہ کی
عورتیں حلقہ گریبان والا کرتہ پہنتی ہوں وہاں مردوں کو ضرورۃً پیش چاک والا کرتہ پہننا چاہیئے ——
اور عرب کی عورتیں حلقہ گریبان والا کرتہ پہنتی ہیں اس لئے مرد ضرورۃً پیش چاک والا کرتہ پہنتے ہیں۔
اسی طرح ماوراء النہر اور ہندوستان میں عورتوں کا لباس پیش چاک والا کرتہ ہے لہذا مردوں کو حلقۂ
گریبان والا کرتہ پہننا چاہیئے —— میاں شیخ عبدالحق (محدث) دہلوی کہتے تھے کہ
میں مکہ معظمہ میں تھا، میں نے دیکھا کہ شیخ نظام نارنولی کا ایک مرید حلقہ (گول) گریبان والا کرتہ پہنے
ہوئے کعبہ کا طواف کر رہا ہے اور اہلِ عرب کی ایک جماعت اس کے کرتہ پر تعجب کر رہی تھی کہ وہ عورتوں
جیسا کرتہ پہنے ہوئے ہے —— لہذا اعتبار عرفِ عام اور عادت کا ہے اس لئے اہلِ عرب کا عمل بھی
صحیح ہے اور ہندوستان اور ماوراء النہر والوں کا عمل بھی درست ہے: لِکُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا (بقرہ آیۃ ۱۴۸)
(ہر ایک کے لئے ایک سمت ہے جس کی طرف وہ اپنا منہ کرتا ہے) —— اگر پیش چاک کرتہ کا
سنت ہونا ثابت ہوتا تو علمائے حنفیہ اس لباس کو اہلِ ذمہ کے لئے جائز قرار نہ دیتے اور اس کو اہلِ دین

اور اہلِ علم کے ساتھ مخصوص رکھتے۔ اور چونکہ عورتیں اس لباس میں پیش پیش ہیں لہذا یہاں مردوں کا لباس عورتوں کے لباس کے تابع کر دیا گیا۔

سوالِ ششم[6] کا حاصل یہ ہے کہ چونکہ ابتدا ہی سے اس طریقے کے طالبوں کی توجہ احدیتِ صرف کی طرف ہے تو چاہیے کہ نفی و اثبات اس توجہ کے ساتھ جمع نہ کریں کیونکہ نفی کے وقت توجہ غیر کی طرف ہوتی ہے ——— جواب یہ ہے کہ غیر کی طرف توجہ کرنا احدیت کی طرف توجہ کی تقویت اور تربیت کے لئے ہے اور غیر کی نفی سے مقصود اغیار کی مزاحمت کے بغیر اس توجہ کا دائمی طور پر حاصل ہونا ہے لہذا غیر کی نفی کی طرف توجہ، احدیت کی طرف توجہ کے منافی نہیں ہے اور احدیت کی طرف توجہ کے منافی غیر کی توجہ ہے نہ کہ غیر کی نفی کی توجہ۔ ان دونوں کے درمیان بڑا فرق ہے۔

سوالِ ہفتم[7] کا حاصل یہ ہے کہ اس طریقے کا مبتدی جو ذکر کام (تالو) و زبان سے کرتا ہے، اسی ذکر کو قلب بھی ادا کرتا ہے تو آیا نفی و اثبات میں قلب بھی پورے طور پر ایسا کرتا ہے یا نہیں۔ اگر پورے طور پر کہتا ہے تو لَا کو اوپر کی طرف اور اِلَّا کو دائیں طرف کیوں پھیرتے ہیں؟ ——— اس کا جواب یہ ہے کہ اگر قلب پورے طور پر ذکر کرے تو اس میں کیا نقصان ہے کہ لَا کو اوپر کی طرف لے جائے اور اِلَّا کو دائیں جانب پھیر دے اور لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ کو اپنی طرف کھینچے، کیونکہ اس طریقے میں نفی و اثبات کو تخیل کے ساتھ ادا کرتے ہیں اور زبان و کام کے ساتھ اس کا کوئی واسطہ نہیں ہوتا۔ تاکہ جو کچھ کہیں دل بھی اس کی موافقت کرے اور اس قول کو شرط قرار دیں ——— یہ آپ کے آخر کے دو[2] سوال (امام) فخر رازی کی تشکیکات کی قسم سے ہیں اگر آپ خود ان سوالوں کی طرف پوری توجہ کرتے یہ بیا اشکال خود بخود دور ہو جاتے۔

باقی مقصود یہ ہے کہ وہاں کے بعض دوستوں نے کئی بار مجھ کو لکھا ہے کہ میر (نعمان) ان دنوں طالبوں کے احوال کی طرف کم توجہ دیتے ہیں اور عمارت کی تیاری میں لگے ہوئے ہیں اور فتوحات کی رقم عمارت پر خرچ ہوتی ہے جس کی وجہ سے فقرا محروم رہ جاتے ہیں۔ ان مقدمات کو انھوں نے ایسے انداز میں تحریر کیا ہے کہ اس سے اعتراض کے شائبہ کی گنجائش اور انکار کی بُو آتی ہے ——— جاننا چاہیے کہ اس جماعت کا انکار زہرِ قاتل ہے اور ان بزرگوں کے اقوال و افعال پر اعتراض کرنا افعی سانپ کا زہر ہے جو ابدی موت کو پہنچا دیتا ہے اور دائمی طور پر ہلاک کر دیتا ہے۔ خاص طور پر جبکہ یہ انکار اور اعتراض اپنے پیر پر کیا جائے اور پیر کی ایذا کا سبب بنتا ہو، اس جماعت کا منکر ان کی دولت سے محروم ہے، اور ان پر

اعتراض کرنے والا ہمیشہ بے بہرہ اور نقصان میں رہنے والا ہے۔ جبتک پیر کی تمام حرکات وسکنات مرید کی نظر میں مستحسن اور زیبا نظر نہ آئیں پیر کے کمالات سے بے بہرہ رہتا ہے۔ اگر کچھ کمال حاصل بھی کرلے تو وہ استدراج ہے کہ اس کا انجام خرابی و رسوائی ہے ـــــــ مرید اپنے پیر کی کمال محبت واخلاص کے باوجود اگر اپنے آپ میں بال برابر بھی پیر پر اعتراض کی گنجائش پائے تو اس کو اپنی خرابی کے علاوہ کچھ نہیں سمجھنا چاہئے، لہذا (ایسا مرید اپنے) پیر کے کمالات سے بے نصیب رہتا ہے۔ اگر بالفرض مرید کو پیر کے افعال میں سے کسی فعل پر شبہ پیدا ہو جائے اور کسی طرح دفع نہ ہو تو چاہیے کہ اس طرح اس کو دریافت کرے کہ اعتراض کی آمیزش سے پاک اور انکار کے گمان سے مبرا ہو۔ کیونکہ اس دنیا میں حق باطل کے ساتھ ملا ہوا ہے ـــــــ اگر اتفاقاً پیر سے کوئی امر خلاف شریعت صادر ہو جائے تو مرید کو چاہئے کہ اس امر میں پیر کی تقلید نہ کرے اور جہاں تک ممکن ہو سکے اس کو حسن ظن کے ساتھ نیک وجہ پر محمول کرے اور اس امر کی صحت و درستی کی وجہ تلاش کرتا رہے۔ اور اگر صحت کی وجہ ظاہر نہ ہو تو چاہئے کہ اس امتحان کے دور کرنے میں حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ سے ملتجی ہو اور گریہ وزاری کے ساتھ پیر کی سلامتی کی درخواست کرے۔ اور اگر مرید کو پیر کے حق میں کسی امر مباح کے ارتکاب میں شبہ پیدا ہو جائے تو اس شبہ کا کچھ اعتبار نہ کرے کیونکہ مالک الامور جل سلطانہٗ نے مباح کام کے بجالانے میں منع نہیں فرمایا اور اعتراض نہیں کیا تو دوسرے کو کیا حق پہنچتا ہے کہ اپنی طرف سے اعتراض شروع کردے ـــــــ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ بعض جگہ اولیٰ کام کے بجالانے سے اس کا ترک کرنا بہتر ہوتا ہے ـــــــ حدیث نبوی علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام میں وارد ہے کہ اِنَّ اللّٰہَ کَمَا یُحِبُّ اَنْ یُّؤْتٰی بِالْعَزِیْمَۃِ یُحِبُّ اَنْ یُّؤْتٰی بِالرُّخْصَۃِ (بیشک اللہ تعالیٰ جس طرح عزیمت کا بجالانا پسند کرتا ہے اسی طرح رخصت پر عمل کرنا بھی پسند کرتا ہے) ـــــــ حضرت میر (نعمان) جبکہ بہت زیادہ قبض کی حالت میں ہیں اگر ایام قبض میں مریدوں کے احوال میں مشغول نہ ہوں اور بعض مباح امور سے اپنی تسلی کریں تو اعتراض کی کیا گنجائش ہے۔ ـــــــ اسی طرح (قبض کی حالت میں) عبداللہ اصطخری اپنی تسلی کے لئے کتے پالنے والوں کے ہمراہ جنگل میں شکار کے لئے جاتے تھے۔ اور بعض مشائخ (حالت قبض میں) اپنے آپ کو سرود ونغمہ سے تسلی دیتے تھے۔

والسلام علی من اتبع الہدیٰ والتزم متابعۃ المصطفیٰ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات اتمہا واکملہا۔

خاتمہ

وہ عرضداشتیں جو حضرت مغفرت پناہ مخدوم زادہ کلاں (خواجہ محمد صادق) قدس سرہٗ نے حضرت مجددؒ کی خدمت میں لکھیں۔

عرضداشت اول : کمترین بندہ محمد صادق خدمت عالی میں عرض کرتا ہے کہ اس علاقہ کے احوال واوضاع حضور کی عالی توجہ کی برکت سے ظاہری وباطنی سکون کے ساتھ گذر رہے ہیں ــــ عرصے سے حضرت کے خادموں کی طرف سے دل متفکر اور پریشان رہتا تھا کہ اس عریضہ کے تحریر کے دن میاں بدرالدین پہنچے اور تمام حضرات کی خیر وعافیت معلوم ہوکر بے حد فرحت اور بہت زیادہ خوشی حاصل ہوئی۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ سُبْحَانَہٗ عَلٰی ذٰلِکَ حَمْدًا کَثِیْرًا کَثِیْرًا (اللہ سبحانہٗ کی حمد ہے اس پر اور بہت زیادہ حمد ہے)۔

میرے قبلہ! حافظ بہاء الدین نے تیرہویں (۱۳) شب کو قرآن مجید ختم کیا اور چودہویں (۱۴) شب سے حافظ موسیٰ نے شروع کیا ہے پانچ پانچ پارے پڑھتے ہیں، آئندہ شب کو جو انیسویں شب ہے ختم ہو جائے گا۔ اور آخری عشرہ کے لئے حافظ بہاء الدین نے ذمہ لیا ہے وہ ختم کریں گے ــــــ حضرت سلامت! ایک رات تراویح میں حافظ قرآن پڑھ رہا تھا کہ اچانک ایک نہایت وسیع اور بہت نورانی مقام ظاہر ہوا گویا کہ وہ "حقیقتِ قرآنی" کا مقام تھا۔ اگرچہ میں اس کی جرأت نہیں کر سکتا لیکن ایسا معلوم ہوا کہ "حقیقتِ محمدی" علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام اس مقام کی اجمال ہے، گویا کہ دریائے عظیم کو کوزہ میں بند کر دیا گیا ہے اور یہ مقام "حقیقتِ محمدی" کی تفصیل ہے اور اکثر انبیا اور اولیائے کاملین اپنی اپنی قدر کے مطابق اس مقام سے بہرہ مند ہو رہے ہیں اور اس مقام کا کامل اور تمام حصہ ہمارے پیغمبر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے علاوہ کسی اور کے لئے معلوم نہیں ہوتا۔ اور یہ حقیر بھی اس سے بہرہ مند ہوا۔ حق سبحانہٗ وتعالیٰ حضرت عالی کی توجہ کی برکت سے کامل حصہ عطا فرمائے، ابھی تک وہ مقام اچھی طرح واضح نہیں ہوا ہے ــــــ باقی احوال جمعیت وسکون سے گذر رہے ہیں اور اس ماہِ معظم (رمضان المبارک) میں بہت زیادہ برکت معلوم ہوتی ہے۔

برادرم محمد سعید کے احوال بہت اچھے ہیں اور ان کے اوقات دل کی جمعیت اور ذکر کے ساتھ گذر رہے ہیں۔ شہر کے یارانِ طریقت بھی کامل ذوق کے ساتھ حاضر ہوتے ہیں۔ حقیر نے چار پاروں سے کچھ زیادہ حفظ کر لیا ہے، بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ عید تک پانچ پارے حفظ ہو جائیں گے۔ زیادہ آداب سلام۔

عرضداشت دوم: کمترین بندہ محمد صادق بارگاہِ اشرف میں عرض کرتا ہے کہ علاقہ کے احوال والوار شکر کے لائق ہیں اور اس ذات کعبۂ مرادات کی خیریت مع جملہ خادمان اور مخلص دوستوں کے مطلوب و مسئول ہے ـــ سرفراز نامہ نامی و صحیفہ گرامی جو اسمٰعیل کے ہمراہ آپ نے ارسال فرمایا تھا اس کے مطالعہ سے مشرف ہو کر مسرور و محظوظ ہوا۔ حق سبحانہٗ وتعالیٰ آپ قبلۂ عالمیان کی مہربانی کا سایہ تمام اہلِ اسلام پر باقی اور پائندہ رکھے بحرمت نبی امی وآلہ الامجاد علیہ من الصلوات انمہا ومن التسلیمات اکملہا ـــــ قبلہ گاہا! بندہ اپنے خرابیٔ احوال کے بارے میں کیا عرض کرے اپنے ماضی و حال کو بُرے اعمال میں ضائع کرنے پر حسرت وندامت کے سوا کوئی سرمایہ نہیں رکھتا۔ اور آرزو یہ ہے کہ کوئی لحظہ اور کوئی گھڑی بھی اس بزرگ و برتر کی رضا کے خلاف نہ گذرے لیکن یہ چیز اس وقت تک میسر نہیں آسکتی جبتک کہ اس درگاہ کے خادموں کی توجہ مدد اور دستگیری نہ فرمائے ؎

از کریماں کارہا دشوار نیست

الحمد للہ والمنۃ کہ اینک حضور کی توجہ کی برکت سے جس طرح کہ حضور نے حکم فرمایا تھا استقامت حاصل ہے اور فتور کم ہی ہوتا ہے بلکہ روز بروز زیادتی اور ترقی کا امیدوار ہے۔ فجر، ظہر اور عصر کے بعد حلقہ میں بیٹھتا ہے۔ اور حافظ بہاء الدین جب اپنی مشغولیات سے فرصت پاتے ہیں تو تلاوتِ قرآن مجید میں مشغول ہو جاتے ہیں اور یہ فقیر بعض اوقات حالتِ قبض اور بعض اوقات حالتِ بسط میں ہوتا ہے۔ اور قبض و بسط، توجہ و ذوق اور آرام اور اس کے سوا سب کا تعلق بدن کے ساتھ ہے اس سے آگے تجاوز نہیں کرتا اور لطائفِ ستّہ نہ تو متوجہ ہیں اور نہ غافل۔ اگر متوجہ ہوتے ہیں تو ان کی توجہ علمِ حضوری کے مانند ہے بلکہ اس کا عین ہے لہٰذا توجہ اور ذوق اور اس کی مثل سب کو ظلال میں داخل سمجھتا ہے اور ظل سے زیادہ متجاوز نہیں پاتا۔ اور لطائف شروع میں تو بدن کے ساتھ ملے ہوئے تھے اور نظرِ بصیرت میں بدن کے علاوہ کوئی اور امر معلوم نہیں ہوتا تھا جیسا کہ حضور موفور السرور کی خدمت میں عرض کیا گیا تھا لیکن اب بدن سے ممتاز نظر آتے ہیں، اور (یہ فقیر) اس مقام کو مقامِ بقا جانتا ہے اور اس بقا کے بعد پھر ایک قسم کی فنا لطائف پر ظاہر ہوتی ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس فنا کے بغیر جو بقا کے بعد ہے کام کا تمام ہونا میسر نہیں ہوتا۔ فی الحال چند روز سے حالتِ قبض طاری ہے اور خوشی کا معاملہ کم ہے دیکھئے آگے کیا ظاہر ہوتا ہے لیکن ابھی تک عالم کی طرف توجہ واپس نہیں آئی چونکہ احوال عرض کرنا ضروری تھا اس لئے چند کلمات لکھنے کی جرأت کی ـــــ قبلہ گاہا! یہ فقیر ہر شب آپ کو خواب میں دیکھتا ہے الا ماشاء اللہ تعالیٰ۔ زیادہ کیا عرض کرے کہ رسمی تکلفات میں داخل ہے والعبودیۃ۔ زیادہ آداب وسلام

عرضداشت سوم: کمترین بندہ محمد صادق عرض کرتا ہے کہ یہ حقیر مدت سے قبض و غم کی حالت میں تھا آخر کار محض حضور کی توجہ سے حضرت خداوند جل سلطانہٗ کی عنایت شاملِ حال ہوئی اور ایک عظیم بسط رونما ہوا اور اس بسط میں ایسا معلوم ہوا جیسا کہ پہلی یاد اور توجہ مثال کے طور اس شخص کی جانب سے ہوتی تھی اب جو کچھ ہوتا ہے اسی تعالیٰ و تقدس کی جانب سے ہے اور اپنے اندر قبول کرنے کی قابلیت سے زیادہ کچھ نہیں پاتا، اس آئینے کی طرح جس پر سورج طلوع ہوا تو اس طلوع کے باعث بدن اور لطائف سے ہر طرح کی ظلمت و کدورت دُور ہو کر ان میں کماحقہٗ نور و برکت حاصل ہو جائے۔ لہٰذا اس بسط سے سینہ کشادہ اور قلب وسیع ہو گیا اور بدن نورانی بن گیا۔ اور روح و سر جو پہلے سے روشن تھے اب اور زیادہ روشن اور لطیف ہو گئے اور میں نے لطائف کے درمیان قلب پر تجلیٔ اکمل پائی۔ پھر جب میں نے قلب کی طرف نظر کی تو اس میں ایک اور قلب ظاہر ہوا اور اس پر بھی تجلی پڑ رہی تھی۔ پھر میں نے دل کے اندر والے دل کو دیکھا تو ظاہر ہوا کہ اس میں ایک اور دل ہے اور اس پر بھی تجلی پڑ رہی ہے اور اس طرح بے انتہا قلب ظاہر ہوئے (اور ہر قلب پر تجلی بھی ظاہر ہوئی) اور کوئی قلب بسیط ایسا ظاہر نہ ہوا جس میں ایک دوسرا قلب ظاہر نہ ہوا ہو۔ اب وہم ہوتا ہے کہ معاملہ قلبِ بسیط کی انتہا تک پہنچ گیا ہے لیکن یقین نہیں ہے اور معلوم ہوا کہ اس حالت سے پہلے کے تمام حالات اس حالت کی نسبت محض تکلفات تھے۔ اس مقام کا نام بھی دل پر گذرا تھا لیکن بے ادبی کے باعث عرض نہیں کیا ــــ قبلہ گاہا! (کمترین کے یہ تمام حالات) حضور کی پاک توجہ کے اثر کا نتیجہ ہیں ؎

گر برتنِ من زباں شود ہر موئے ۔۔۔ یک شکر تو از ہزار نتوانم کرد

حضرت سلامت! حضور کے خادموں کی خدمت میں حاضر ہونے کے شوق و آرزو کی نسبت کیا شرح کرے اور کیا لکھے۔ رات دن بلکہ ہر گھڑی اس کا تصور رہتا ہے کہ کونسی نیک ساعت اور اچھی گھڑی ہو گی کہ یہ اعلیٰ مطلب اور بلند مقصد حاصل ہو گا۔ اس آرزو اور تمنّا کے علاوہ کچھ تصور میں نہیں آتا۔ حق سبحانہٗ و تعالیٰ بحسن و خوبی اور اچھے طریقے کے موافقت کے ساتھ اس دولتِ عظمیٰ سے مشرف فرمائے بحرمۃ النبی وآلہ الامجاد علیہ وعلیٰ آلہ من الصلوات اتمہا ومن التسلیمات اکملہا والعبودیۃ۔ زیادہ آداب و سلام

الحمد للہ اولاً و آخراً ۔ تمّت بالخیر

اشاریہ

(آیاتِ قرآنی)

احادیثِ شریفہ

✣ ✣ ✣

✣ ✣

✣

اقوالِ بزرگان

مصطلحات

اسماء الرجال

جانوروں کے نام

پھل وغیرہ کے نام

اسماء العبادات

اسماء البلاد

معاملات

اسماء الکتب

اسماء الاشیاء

سال و ماہ